[illegible]

کسے را زندگانی شاد باشد ۔ کہ در شاد جہان آباد باشد

واقعات دار الحکومت دہلی

۱۳۳۷ھ

مشتمل بر سہ حصص

حصۂ اوّل

شہر دہلی کی بے عدیل تاریخ ابتدائے عہد سے ۱۹۱۹ء تک

مصنفہ

بشیر الدین احمد (دہلوی) ایم آر اے ایس (لندن)
اوّل تعلقدار (کلکٹر)
[illegible]

[illegible]

شہر دہلی کی بے عدیل تاریخ ۱۴۵ سنہ قبل مسیح سے ۱۹۱۹ سنہ تک

۱۳۳۷ھ

واقعاتِ دارالحکومت دہلی

۱۳۳۷ھ

مشتمل بر سہ حصص

(حصۂ اوّل)

مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی

۱۳۳۷ھ
سنہ ۱۹۱۹ء

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خاں و محمد شمس الدین خاں کے اہتمام سے چھپی

No. 4809—EDUCATION.

FROM

H. R. WAUGH, ESQUIRE, I.C.S.,
Personal Assistant to
Chief Commissioner,
DELHI.

TO

M. BASHIR-UD-DIN AHMAD,
Khari Baoli,
DELHI.

Dated Delhi, the 25th July, 1921.

SIR,

With reference to the correspondence ending with your letter No. 360, dated the 8th July, 1921, I am directed to inform you that the Chief Commissioner has been pleased to grant you an honorarium of Rs. 1,000 on the recommendation of the Punjab Text Book Committee, for the publication entitled "Wakyat-i-Darul Hukumat Delhi" (History of Delhi, the Imperial City), Volumes I—III, in Urdu, compiled by you, the reward may be drawn at the Audit Office, Delhi, on a simple receipt duly stamped.

I have the honour to be,
SIR,
Your most obedient servant,
(Sd). H. R. WAUGH,
Personal Assistant.

خلاصہ تحریر بالا— حسب سفارش پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی دانشگاہ عالی جناب دی آنریبل چیف کمشنر صاحب بہادر صوبہ دہلی سے ذریعہ ڈاکٹ نمبری ۴۸۰۹— (صیغہ تعلیمات) مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۲۱ء ـ کتاب "واقعات دارالحکومت دہلی" کے صلے میں مؤلف کو مبلغ ایک ہزار روپیہ بطور اعزاز مرحمت ہوا فقط۔

Delhi Printing Works, Delhi.

فہرستِ مضامینِ حصۂ اوّل واقعاتِ دارالحکومتِ دہلی

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
باب ۳			

فہرست تصاویر ونقشہ جات بقید صفحہ

غلط نامہ حصہ اول واقعاتِ دارالحکومتِ دہلی

جو کتاب کئی نئی کاتبوں کے ہاتھ پڑے اور ایک چھوڑ پانچ پانچ مطبعوں میں دلی اور آگرے میں چھپے اس میں غلطیوں کی بھرمار ہونا ہی چاہیے - ناظرین براہ مہربانی غلطیوں کو اور خاص کر اغلاط سنین کو درست فرمالیں - بہت ممکن ہے کہ اس غلط نامے کے سوا بھی چھوٹی موٹی غلطیاں رہ گئی ہوں جن پر سیاق عبارت سے عبور ہو سکتا ہے - ہرحال میں مَنْ صَنَّفَ اِسْتَھْدَفَ کا نشانہ ملامت بننا بندھی ہوئی بات ہے - یہ ہیچ مداں اس کلیے سے کب مستثنیٰ ہو سکتا ہے -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱	۳	اے تو	یا رب تو	۶	۲۱	جہاں	جہان
"	۴	میاں	میانِ	۸	۱۳	کھٹا	کھٹکتا
۳	۱۷	سخن	سخن سخن	"	۱۶	عجیب	عیب
۵	۸	مشتاق	مشتاق	"	۲۲	اقرار	قرار
"	۱۵	جان پر	جاں پہ	۱۰	۱۸	فَالعَین	فَالغَین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۰	۹	۱۲۵۵ھ	۱۲۰۵ھ
//	//	لاہو	لاہور
۱۴	۲	تقاستا	وفات
اصل کتاب (۲)	۵	کا	کو
۴	۱۷	فیچ	فیچ نے
۵	آخر	بجانب	×
۸	۱	متھر	متھرا
۹	۸	ساتھ	ساتھہ
۱۰	۴	غزنی	غزنوی
//	۱۴	جود	جسودا
۱۱	۱۰	ملنا	ملتا
//	۱۲	پجاری	پنجاری
//	۲۴	قدیم	قدیم مقام
۱۲	۱۴	کاراجہ	×
//	۱۵	اُستاد	استاد
//	۱۶	کی	کا
//	۱۷	تمارا	تمار
//	آخر	گھڑھوال	گڑھوال
۱۳	۱۸	ہوہی	ہوتا ہی
۱۴	۲۳	امن خوشی	امن وخوشی
۱۵	۱	نتیجہ	نتیجہ یہ
۱۷	۳	جن	جن میں
//	۱۰	۵۲	۵۳

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۷	۱۶	۵۳	۵۴
۱۹	۱۲	آپنے	اپنے
//	۱۳	نام یابی	ناکام یابی
۲۰	۱۹	کے راج	کہ راج
۲۲	۲	ہزارو	ہزاروں
۲۴	۱۱	فضاسے	قضاسے
//	۲۰	سے	×
۲۹	۱۵	بجا	بچا
۳۰	۶	جلدو	بیدو
۳۱	۱۱	واعظین کی	واعظین کو
۳۲	۱	بھگیلے	بگھیلے
۳۷	۱۰	کوئی	کوئی کے ہاتھ پر
۳۸	۱۵	سلوک	سلوک کرتا تھا
//	۱۹	آوودہ	آوردہ
۳۹	۲	تک	تک پہنچتا ہی
//	۴	ان سب کو	یہ سب
۴۱	۹	گئی	گئیں
۴۶	۷	ڈھنگ	ڈھک
۴۸	۳	ہوجود	موجود
//	۶	خالب	غالب
۴۹	۹	قبضے میں	قبضہ میں
۵۰	۱۶	مشا	[illegible]
۵۱	۱۶	برمیہ	[illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۵۳	۶	دیتا	دے	۹۱	۲۱	سربھون	تربھون
۵۵	۱۲	فیرورشاہ	فیروزشاہ	۹۵	۱۳	کے	کی
۵۸	۱۰	اس	ان	۹۶	۱۱	والی	ولی
۵۹	۱	کی	کی بھی	〃	۱۹	رابن وڈ	رابن ہڈ
〃	۱۱	متبرک	متکبر	۹۷	۱۳	ڈباؤ	دباؤ
۶۰	۱۸	زیردست	زبردست	۹۸	۶	سنے	ہے
〃	آخر	صفاتیلہ	صفاتیہ	۹۹	۱	قصہ	وصد
۶۲	۱۰	علاءالدین	ناصرالدین	〃	۲۰	وجہ	وجہ سے
۶۴	۸	رنجیر	زنجیر	۱۰۱	۱۱	بڑے شمار ہوتے ہیں	بڑی شمار ہوتی ہیں
〃	۱۲	اُس طرف کے	اس طرف کی	〃	۲۴	شجر	منحر
۶۶	۵	برپورٹ	پربوٹ	۱۰۳	۸	مردے	مردے کی
۶۷	۸	رہتا	رہنا	۱۰۴	۱۳	سی	بھی
۷۱	۱۰	گراور	گرا اور	〃	۱۷	نکھتا	لکھا
〃	۱۸	شمش	شمس	۱۰۵	آخر	جیراسن	جو چیراسن
۷۳	۱۹	بادساہ	بادشاہ	۱۰۶	۴	سنے	کے
۷۸	۱۴	سے گیا	لے گیا	〃	۵	تنارعہ	تنازعہ
۷۹	۵	فیرورشاہ	فیروزشاہ	〃	۲۰	کنارے	کنارا
۸۱	۹	یر	پر	۱۰۷	〃	بارکی	باریکی
۸۲	۱۶	شایعت	مشایعت	۱۰۸	۱۵	بھلاتا	بٹھلاتا
۹۰	۸	چتوترے	چبوترے	〃	۱۶	دیا	دیتا
۹۰	۲۰	یانی	پانی	〃	۱۸	ادھیربن	اُدھیڑبن
〃	۲۱	بادشاہ	راجہ	۱۱۰	۱	خورج	خرج
	۲۲	〃	〃	۱۱۱	۱۲	چڑھی	چڑھتی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۱۳	۲۳	چاہتا	چاہا	۱۴۰	۱۸	الممالی	المعالی
۱۱۴	۲۳	سالاحداروں	سلاحداروں	۱۴۱	۱۴	ہوتے رہتے	״
۱۱۶	۱۵	زیاں	زبان	۱۴۶	آخر	باشیدند	پاشیدند
۱۱۶	۱۴	ہزا	ہزار	۱۴۹	۱۷	راجہ ترمیک	راجہ ترمبک
۱۱۷	۲	دیا	دبا	۱۵۰	۱۶	اسنفصنب	اصفہنب
۱۱۹	۱۵	تعلق	تغلق	״	۱۸	گوگ	گوگہ
۱۲۰	۱	سکے	سکے	۱۵۱	۱۲	باشاہ	بادشاہ
״	۳	موقع تل	موقع مل	۱۵۲	۵	نہری	نہروی
״	۲۱	کی نسب	کے نسب	۱۵۵	۲۰	اوپر	اوپر
۱۲۱	۱۷	انلوٹھی	انگوٹھی	۱۵۶	۳	سمتانی	سمنانی
۱۲۴	۹	سرخی	سرخ	۱۵۹	۷	حاجی گادن	حاجی کاون
۱۲۵	آخر	آگئے	در آگئے	״	۹	ستیرازی	شیرازی
۱۲۶	۱۵	تیغ	شیخ	״	۲۳	اپرخان	ارپاخان
۱۲۷	۲۳	استجال	استعجال	۱۶۰	۴	ہیں	میں
״	۲۴	ہوگئی	گئی	״	۵-۶ ۸-۱۲	حاجی گاؤں	حاجی کاون
۱۲۹	۱۳	آیا	آتا	״	۱۴	موبلی طغاتیمور	موبلی اور طغاتیمور
״	۱۴	بدت	مدت	״	۱۶ ۲۰ ۲۲	حاجی گاؤں	حاجی کاون
۱۳۹	۱۶	چمن	چین	۱۶۱	۵	قاضی گاؤں حاجی گاؤں	قاضی کاون حاجی کاون
״	۲۱	ستی	آستی	״	۲۳	قریں	قبریں
۱۴۳	۶	پہ	بر	۱۶۲	۸	سبنے	سنے
״	۲۰	ہو	جو	۱۶۸	۲۱	سپادی	سپاردی
۱۴۳	۲۱	ستانج	ستلج	۱۸۸	۸	کان پر	کان میں
۱۴۵	۶	مارسے تے	مارنے کا	۱۹۴	۱۳	ذکر با	ذکریا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۶۵	۱۷	خواند	خورند	۲۱۷	۲۲	ایک فارس کے	فارس کے ایک
"	۱۴	تبا	تا	۲۱۸	۱۴	پھول	پھول
۱۸۶	۵	تھا	کیا	۲۲۱	۱۲	مسلی بچشم	مسلی پچشم
۱۸۷	۷	سے	سے	۲۲۲	۵	پچھ	سے پچھ
۱۸۸	۴	شارع	شعاع	"	"	رانا	رانا نے
"	۱۹	کی	کی کہ	۲۲۴	۱۱	شمایند	نمایند
"	۲۱	نیوتیر	نیونز	"	"	سکند	سکندر
۱۸۹	۱	حلاؤ	چلاؤ	۲۲۶	۶	یوشیں	یورشوں
"	۱۷	پونہچاؤ	پونہچاؤ	۲۲۸	۱۰	بظاہر	بظاہر
۱۹۰	۱۹	فوں	فوق	۲۲۹	۱۶	وہ وہ	وہ وہ
۱۹۱	۲	اسے	اسی	۲۳۹	آخر	تاریخ	تاریخ
۱۹۵	۲۰	قاص	خاص	۲۴۵	۶	سے	سے
۱۹۸	آخر	بہاد	نہاد	۲۴۷	۱۸	رہتا اس	بہتا اس
۱۹۹	۱۳	فیروزآباد کے	فیروزآباد	۲۴۸	۹	خور	ملا خور
۲۰۲	۲۰	گیرد	گیرو	"	۱۸	سیرو	اسیرو
۲۰۳	۱۴	خضرخان	خضرخاں	"	"	فون	مدفون
۲۰۶	۶	دروازے	دروازے سے	۲۵۰	۹	ارر	اور
"	۲۴	سلطان	سلطاں	۲۵۸	۱۷	تواریخ	تواریخ مرقوم است
۲۰۷	۸	دہلی	دہلی کے	۲۶۲	۱۳	نرود	بزود
۲۰۸	۱۵	نہاد	بنہاد	"	"	تحت تصرف جود	تحت تصرف خود
۲۱۲	۱۹	ڈور بڑا	دڑ بڑا	۲۶۴	۲۴	رسال	زسیل
۲۱۳	۱۷	تغلق	تعلق	۲۶۸	۱۲	القضاسے	انقضاسے
"	"	بنگال کا	بنگال کے	"	۲۰	افتد	افتد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۶۸	۲۱	بادشاہ	بابادشاہ	۳۲۲	۱۱	دورکرتا	دورکرتا
۲۶۹	۷	را ابا	را یا	۳۲۵	۱۳	خان دان	خاندان
۲۷۰	۶	بچودھا	چوکھوصا	۳۲۹	〃	جو	کہ
۲۷۱	آخر	"ہمایوں طلبید"	"ہمایوں طلبید"	〃	۲۱	زنجیر	ہنجیر
۲۷۷	۶	ہم	ہم کو	۳۳۰	۱۰	دریو ور	وردور
۲۸۲	۱۸	لیا	کیا	۳۳۲	۱۳	دوزمان	ورزمان
۲۸۳	۶	حضور	حضور کے	۳۳۸	۲۲	جودھنہ بائی	جودھا بائی
۲۸۵	۹	یدارت	دیدارت	۳۴۰	۲۱	محطوطہ	محوطہ
〃	۱۴	میسرم	مسخرم	۳۴۷	۷	کو	کے
۲۸۶	۵	سیایہ	سایہ	۳۴۸	۱۹	میں	لیں
۲۸۸	۱۹	کی	کے	۳۵۱	۹	تاریخ	فارغ
۲۸۹	۲۲	غزنی	عزتیں	〃	۱۰	مرز	مرزا
۲۹۸	۲۱	لی	کی	〃	〃	بروج	بروج
۳۰۰	۹	روپوں	روپیوں	〃	۱۱	ورشتند	واشتند
۳۰۳	۱۱	انگیروں	انگیزوں	〃	۲۱	برشتی	برگشتی
۳۰۵	۳	کازوبار	کاروبار	〃	۱۴	علم جعفر	علم جفر
〃	۷	خاشخاناں	خانخاناں	۳۵۳	۸	مبانیت	مباینت
۳۰۸	۱۵	بالاالتفاق	بالاتفاق	۳۵۵	۴	دی	وادی
〃	۲۴	منظفر علی	مظفر علی	۳۵۹	۲۰	اورنمی	لونمی
۳۰۹	۲	سے	سا	〃	۲۱	راری	داری
۳۲۰	۱۴	لی	کی	۳۶۱	۲۰	جہانگیری	جہانگیری میں
〃	۱۷	چاسہئے	چاہیئے	۳۶۳	۱۰	گورسے ین	گورسے پن
۳۲۱	〃	خود	خودسے	۳۶۶	۳	اکبر کے	اکبر کی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۶۸	۲۲	کال	کاقول	۳۹۹	۲۳	پرورش کبا	پرورش کیا
۳۶۹	۲۰	تو	ہوتو	۴۰۰	آخر	مردہ وا	مردہ دل
۳۷۲	۱۵	عاصر	حاضر	۴۰۱	۲۰	ہیں ہیں	ہیں
۳۷۴	۱۳	وزارات	وزارت	۴۰۴	۲۳	خوش زور	خوش روز
۳۷۸	۱۴	چارپاری	چاریاری	۴۱۲	"	طرف	ظرف
"	۸	سہ	سنہ	۴۱۴	۱۷	دلنا	دلہا
۳۷۹	۲۲	والاہے	والالکھاہے	"	آخر	افرود	افزود
۳۸۰	"	بالکل	×	۴۱۶	آخر	مخودرماندہ	بخود درماندہ
۳۸۱	"	مذہب	مذہب میں	۴۱۷	۷	سلطنت	سلطنت ہ
۳۸۲	۴	ستی	ستی	۴۱۸	۸	میں	میں سے
۳۸۳	۱۱	جنسے	جیسے	"	۱۸	آگرے	آگرے سے
۳۸۴	۱۲	کن	×	۴۲۲	۶	ہمی	تھی
"	"	یعنی حکم	یاحکم	۴۲۳	۱۱	"	×
۳۸۵	۱	افیون کبھی کھائی ہی	نہ کبھی افیون کھائی	"	۱۷	ملال	ہلال
۳۸۶	۲۳	واہ سے	واہ رے	۴۳۰	۵	اظرار	اصرار
۳۸۸	۱۱	جوانی	حوالی	۴۳۱	۴	کھانور.	کھانوں میں
۳۸۹	۲۴	غداری	عذاری	"	۱۷	کی	کی عمر
۳۹۳	۱۱	اکبرکوہم	اکبرکو	۴۳۲	۴	برابر	بُرا
۳۹۴	۶	پچوں	بچو	"	۲۲	پروزیر	پرویز
۳۹۵	۲۳	ود	بود	۴۳۳	۸	"	"
۳۹۷	۱۵	لی	کی	۴۳۴	۱۸	بڑ	بڑا
۳۹۹	"	بندبست	بندوبست	۴۳۶	۴	انگریر	انگریز
"	۱۹	خاک ادب کاکام کرتا وہ	خاک روب کاکام کرتا تھا اور	"	۱۸	سر	پر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۳۷	۲۴	مک	محک	۴۴۶	۱۰	کیا	گیا
۴۳۸	۴	علوس	جلوس	ر	۱۲	سطع	مطلع
ر	۲۰	عادی	عبادی	ر	۱۸	پنر	پہ
۴۳۹	۳	ناش	نامش	ر	۲۲	اس سلطنت	اس سلطنت
ر	۱۹	تخت بالا	کہ باشد بخت بالا	ر	ر	وارمدا	وارمدار
۴۴۰	۳	قدی اور	قدی	۴۴۷	۸	قبر	قبر
ر	۲۴	ازچہ	ارچہ	۴۴۸	۴	پیادوسے	پیادسے
۴۴۱	۲۳	ناگفتہ بیہ	ناگفتہ بہ	ر	۱۰	صرف	اطراف
۴۴۲	۶	عیب	عیب می	۴۴۹	۳	ہزیمت	ہزیمت سے
ر	۱۴	بیٹھے	بیٹے	ر	۱۲	کندہ	کندہ
ر	۲۴	بہلے	پہلے	ر	۱۴	لاوالا	لاوالا
۴۴۳	۲۴	عالم	عالم پیر	ر	۱۶	ناس	نامش
ر	ر	جنبش	جنبش	۴۵۰	۲۵	نحت	سخت
۴۴۴	۱۱	ہر	وہر	۴۵۱	۱۶	ساحت	ساخت
ر	۱۹	بداوالہ	بداوآلہ	۴۵۲	۱۲	لضیر	نصیر
ر	۲۰	شہنشہ	شہنشۂ	ر	ر	طماع	طباع
ر	۲۱	قرآن	قرلق	۴۵۳	۴	دانت	ڈانٹ
۴۴۵	۱۴	غسترہ	غترۂ	۴۵۴	۱۹	بتلاسے	بتلائیے
ر	۱۸	تابود	تابود	۴۵۵	۴	پیرتگیروں	پرتگیزوں
ر	۲۲	بہسر	مہر	۴۵۶	۱۲	بنجاپور	بیجاپور
ر	۲۴	زینتہ شرع	زینت شرع	ر	۲۲	جائدہ	جادۂ
ر	آخر	سداحق بحق داد داد	خداحق بحق ... داد	۴۵۷	۶	شجاع	شجاع دیکھو (۴۲۶۹)
۴۴۶	۵	شرابی تھی	شرابی تھا	ر	۱۴	پھر	پھر بھی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۵۸	۹	کہ وہ	کہ	۴۶۹	۱۸	دم طلہ لیا	دم لیا
رر	۱۹	عشر	عشرت	رر	آخر	نوٹ بابتہ کے سپاہئے دیکھو صفحہ (۴۷۰)	×
رر	۲۰	لی	کی	۴۷۰	۱۷	سٹیت	سٹیٹ
۴۵۹	۱۸	ہیں	نہیں	۴۷۱	۷	مقابیلے	مقابلے
رر	۱۹	عمارتوں گی	عمارتوں کی	۴۷۲	۱۴	جمیعتے	جمعیتے
رر	۲۲	مٹریل	مٹیریل	۴۷۳	۳	بیمھ	بیٹھ
رر	آخر	بری	بڑی	رر	۱۱	عالمگر	عالمگیر
۴۶۲	۲۱	گمشتی	کمشٹی	رر	۱۴	کرفت	گرفت
رر	۲۳	پوریین	یوریپین	رر	رر	۱۰۶۴	۱۱۰۹
۴۶۴	۹	حصار	حصارسے	رر	آخر	بگرم	بگیرم
رر	آخر	لادم	رزم	۴۷۵	۱۵	رہا	رہا
۴۶۵	۶	سی فیٹ	چہاردہ درعہ	۴۷۶	۱۳	نجوسے	بنجوسے
رر	۱۰ و ۱۲	غمود	عمود	رر	۱۶	گوہ	گوہر
رر	۱۳	ابا سے	آبا سے	۴۷۷	۲۳	جواد	جود
رر	۱۹	وہ	و	رر	۲۵	دبن	دین
۴۶۶	۱۶	بنا کے	بنا سے	رر	آخر	جہاں	جہانِ
۴۶۷	۷	کہ دست بار کشید از عمارتش استاد	کہ دست بار کشید از عمارتش استاد	۴۷۸	۱۶	مرازبخش	مرادبخش
رر	۱۳	(۴۵۶)	(۴۵۷)	رر	۱۷	یلے انجمن	یکے انجمن
رر	۱۷	تلافی	تلاقی	۴۷۹	۳	بحال ودل فزو سمان	بحال ودل قبول فزود
۴۶۸	۱۷	رسیدہ	سیّدہ	رر	۸	بموجب	بموجب
رر	۱۹	ملانان	ملتان	۴۸۰	۲۰	عیاشی	عیاشی کا
رر	۲۲	قرار	فراز	رر	رر	کھوڑی	گھوڑی
۴۶۹	۸	عذر	عذریہ	۴۸۱	۷	دریار	درباری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۸۲	۱۸	مرگز	مرکز	۴۹۳	(۲) مہر	از علم	از علم علی
؍؍	۱۶	بادستاہ	بادشاہ	۴۹۴	۴	معز	معزز
۴۸۳	۱۸	فراغ	فراخ	۴۹۵	۹	پھر	پتھر
۴ ۴	۱۲	بوین	بولین	؍؍	؍؍	نجھا	بخشا
؍؍	۲۰	مالایتحل	مالاینحل	؍؍	۲۳	بچرچ	بچرخ
؍؍	۲۲	زنگ	رنگ	۴۹۷	۷	مورصین	مورغین
۴۸۵	۴	آرا کی کچہر	آر کی ڈکچہر	؍؍	۲۰	اُس سے	اُس سے
؍؍	۱۷	باردو	بارہ	۴۹۹	۱	بہنبودی	بہبودی
؍؍	آخر	لکھتے	وہ لکھتے	؍؍	۴	تکمنیل	تکمیل
۴۸۷	۱۰	دوازہ	دوازدہ	۵۰۳	۶	سنگم	سنگہ
۴۸۸	۲۳	امدن	آمدن	؍؍	۲۱	جوٹی	جوتی
؍؍	؍؍	۲ ر	۳ ر	؍؍	۲۲	بندر	مندر
؍؍	؍؍	نا	تا	۵۰۴	۱۳	پڑوہت	پروہت
؍؍	؍؍	نزدنکی	نزدیکی	۵۰۶	۸	کستمیر	کشمیر
۴۸۹	۲۱	ڈائزیشن ؍ تبدیل	ڈائریشن ؍ تعدیل	؍؍	۱۹	استرکاری سورج سکے جب مقابل	استرکاری سکے مقابل جب سورج
؍؍	۲۲	اب	یا اب	۵۰۷	۷	قدیم	قدیم شہر
؍؍	آخر	کٹیروں	گٹیروں	۵۰۹	۶	گھنٹہ	گھنٹہ گھر
۴۹۰	۵	ہرکارواں	ہرکاروں	۵۱۱	۱۶	کھڑ	گھڑ
؍؍	۱۰	لغران	کفران	؍؍	۲۰	نسیلوں	فصیلوں
۴۹۱	۲۱	اوردل	دل اور	۵۱۴	۱	سیواجی	سیواجی
۴۹۳	۵	اہندوستانی	ہندوستانی	؍؍	۲۱	پند	بند
؍؍	۱۶	مہر	مہرے	۵۱۶	۶	نہیں	بہیں
؍؍	(۱) مہر	صاحبقراں	ثانی صاحبقراں	؍؍	۱۴	اور	ایک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۵۱۷	۱۵	کہ	کر	۵۴۹	۸	قبرستان	قبرستان نہر
رر	۱۸	کا	کا تو	رر	۱۹	جو	جب
۵۱۹	۱۷	لے گنارے	کے کنارے	رر	۲۲	۳۶)	(۳۶)
۵۲۱	۱۵	سیکڑوں	سیکڑوں مریضوں	۵۵۰	۳	الدار	مالدار
۵۲۶	۱	چلاک	چالاک	۵۵۲	۲	پاڑ	پہاڑ
رر	۱۳	کا	سکے	رر	۱۹	بلھاری کے	بھنڈ بھی ایک
۵۲۷	۳ و ۵	طوی	طوسی	رر	آخر	.. سجاپور	مملکت بیجاپور
رر	۵	گلزار	گلزاری فتح	۵۵۵	۲۵	اس	یہ
رر	۱۱	اختراعیت	اختراعیست	۵۵۷	۹	اتپاشتہ	انباشتہ
رر	۱۸	فتح	پتو فتح	رر	۱۵	رو	برو
۵۲۹	۲	یروا	پروا	۵۶۵	۱۰	ماقی یامدہ	باقی ماندہ
۵۳۰	۱۶	تحسوس	محسوس	رر	رر	ہوگی یہیں بیبا	ہوگئی یہیں قریب
۵۳۱	۱۴	مسلمان	ایک مسلمان	رر	۱۳	منتہ	ملک
۵۳۴	۴	متعمرض	متعرض	۵۶۶	۲	تجہ	[illegible]
رر	رر	جرأت	گجرات	۵۶۸	۱۶	کوتھڑیوں	کوٹھڑیوں
رر	۲۰	گر	کر	۵۷۵	۱	کہ سں	کوسوں
۵۳۵	۹	قضا	قضایا	رر	۱۵	ایری	ابدی
۵۴۱	۱	کارگزری	کارگزاری	۵۷۹	۲	تزیورات	زیورات
۵۴۳	۱۳	جانکیاں	جھانکیاں	۵۸۰	۳	حاسنے	جاسنے
رر	۲۰	نہری	تہری	۵۸۳	۱۹	رستے	رہتے
رر	۲۰	کہو	کہ	۵۸۵	۲۲	عرض	غرض
۵۴۶	۷	صلیب پیچ کش	صلیب نما پیچ کش	۵۸۶	۱۷	سنہ ۱۱۱۷ھ	سنہ ۱۱۱۸ھ
۵۴۷	آخر	پاقی	باقی	۵۸۸	۱۱	رلکھا	لکھا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۵۸۹	آخر	پرجول	پرچول	۶۳۷	۲۲	سیول	سیول ہیں
۵۹۱	۲۴	کارفرسے	کافرسے	۶۳۸	۳	مگر	لیکن
۵۹۷	۱	سئے	سلے	"	۱۳	خصوصا	خصوصاً
۵۹۹	۵	خبرداری	خبرگیری	۶۳۹	۴	یہاں	پشاور میں
۶۰۰	۸	اعلیم	اعظم	۶۴۰	۱۴	روشنالی	روشنائی
"	۱۳	غشل	غش	"	۲۳	اسی ۰ ل ۰۰	اسی محل میں
۶۰۱	۱۴	ہوا	ہوا)	"	"	اور	×
۶۰۵	۱۵	سردارنگر	سرورنگر	۶۴۲	۱	گئے	×
"	۱۶	باغ عائنہ	باغ عائشہ	"	"	گمرکم	کمرکم
۶۰۷	۲۰	روق	رونق	"	۸	پرقرار	برقرار
۶۱۳	۱۹	آں گز ۰۰۰	آں گرہ ورا	"	۱۷	پڑا	پٹڑا
۶۱۶	آخر	اجما	اجمالاً	"	۲۲	رسانیدید	رسانیدند
۶۱۷	۲۰	زمیدان	زمینداران	"	۲۳	کہ	کہ زیادہ
۶۱۸	۱۰	یا	پا	۶۴۷	آخر	برخسارہ	بر رخسارہ
۶۲۰	۹	وملک	ورملک	۶۴۸	۱۵	جان نثاخان	جان نثارخاں
۶۲۶	۵	عبداللہ خاں	عبداللہ خاں	"	۱۶	ار	از
۶۲۷	۱۳	مدت	مدت عمر	"	۱۹	آوونر	آوروند
۶۳۳	۱	صفحہ ۱۸	صفحہ آئندہ	۶۴۹	۱۸	نگرداب	بگرداب
۶۳۴	آخر	غدر میں رزیڈنسی	غدر میں رزیڈنسی	"	۲۳	اروفات	ازوفات
۶۳۵	۹	پادستاہاں	پادشاہاں	"	آخر	بواسے	لواسے
۶۳۶	۱۰	سپ	پلٹ	۶۵۰	۱۳	نوٹ [illegible] صفحہ گزشتہ	×
۶۳۷	۵	عیسوی	عیسوی میں	۶۵۱	۱۸	غزانیہ	غزنویہ
"	۲۰	لیمول	لیموں	"	۲۰	سہرند	سہرند

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۶۵۲	۲۰	برہان الماک	برہان الملک	۶۷۸	۷	شاہ عام	شاہ عالم
۶۵۷	۲۲	جبلہ	جملہ	؍؍		ایشان	ایشان ہیچ
۶۵۸	۱۷	ہردو	بردہ	۶۷۹	۶	مرہٹہ	مرہٹہ
؍؍	۲۱	دلی	دلّی	؍؍	۲۰	ور	×
۶۶۰	۱۲	رما	رہا	۶۸۲	۲۱	نزاع	نزع
؍؍	۲۳	اوبادشاہ	او وبادشاہ	۶۸۳	۱۵	چھپتر دیں	چپہتر دیں
۶۶۲	۱۵	سنہ ۱۶۶۶ع	سنہ ۱۵۲۶ع	۶۸۵	۲۰	خود	جود
؍؍	۲۲	نجیب لدولہ	نجیب الدولہ	۶۸۹	۱۷	خط	حظ
؍؍	۲۴	گردمد	گردید	۶۹۳	۸	مال	سال
؍؍	۲۵	یوں	چوں	۶۹۵	۲	سانھہ	ساتھہ
۶۶۵	۱۲	سنہ ۱۸۱۱ع	سنہ ۱۷۵۶ع	۷۰۶	۱	بینشنر	پنشنر
۶۶۶	۲۰	مکھیر	کمھیر	؍؍	۱۸	پر	پرُ
۶۶۷	۱۴	لودند	بودند	۷۰۷	۲۰	ہندھی	ہندھی
؍؍	۲۰	بحصور	بحضور	۷۰۹	۱۰	بھاولی	بھاولی
۶۶۹	۶	آوور	آہ دور	۷۱۰	۶	دلی	دلّی
۶۷۰	۷	ضالطہ خاں	ضابطہ خاں	۷۱۴	۴	احتارع	اجتماع
۶۷۱	۲۰	خو	خود بہ	؍؍	۱۶	جبھول	جنھول
؍؍	۲۲	بوقوع آمدہ	×	۷۱۷	۱	لس	پس
؍؍	۲۴	سپس	سپس	۷۱۹	۷	کے	کے بعد
۶۷۲	۲۰	دھوندوجی	دھونڈوجی	؍؍	۲۲	دھر	ادھر
۶۷۳	۲۳	وسٹ	وست	۷۲۲	آخر	وسیلو	سٹیلو و
۶۷۴	۱۳	گورنر	گورنر جنرل	۷۲۳	۲۴	یارہ	بار دسو
۶۷۶	۱۲	بادشا	بادشاہ	۷۲۴	۵	اور	اور چونکہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۷۲۶	۹	آزروہ	آزردہ	۷۸۶	۱۰	دمگر	دیگر
۷۲۷	۱۱	متفقا	متفقاً	۷۹۴	۱۱	دکھا	رکھا
۷۲۸	۲	شہرادوں	شہزادوں	۷۹۵	؍؍	ضمیمۂ	ضمیمۂ
۷۳۱	۱۴	گھاٹے	گھاستے	۷۹۸	۲۴	ایک	×
۷۳۳	۲	سربازار	×	۷۹۹	؍؍	پھنٹ	پھٹنٹ
؍؍	؍؍	عورتوں کو	عورتوں کو سربازار	۸۰۲	۹	اُتارتا	اُڑتا
۷۳۷	۱۹	کمیسن	کمیشن	۸۰۶	۱۶	علی پور	علی پور
۷۳۸	۳	حیز	حیز	؍؍	۲۲	پکھر	بتھر
۷۴۹	۱۳	راجیو	راجیسو	۸۰۷	۲	لارڈ کلایوں	لارڈ کلایو
۷۵۴	؍؍	مراسم کے	مراسم کے ساتھ	؍؍	۱۳	نکھیوں	بکھیوں
؍؍	۱۴	صرف	طرف	۸۰۸	۷	انگریزدی	انگریزی
۷۵۷	۹	گاسے	لگاسے	۸۱۰	۲۲	زوز	روز
۷۵۸	۲۳	وتیراسے	یکم جنوری سنہ ۱۸۵۶ء کو وتیراسے	۸۱۱	۱۲	والاشاں	والاشان
۷۵۹	۳	تیج	بیج	۸۲۱	۱۳	میں ہو	میں ہیں
۷۶۰	۲۱	ریٹ	رئیٹ	؍؍	۱۴	جہاں آباد	جہان آباد
۷۷۳	۱۴	مگراس اباث	مگراس کو امرات	؍؍	۱۸	آسام	آسا
۷۷۷	آخر	سنہ ۱۸۸۹ء	سنہ ۱۸۸۹ء میں	؍؍	۲۱	آئیں	آئین
۷۸۲	۱	و	وال	؍؍	۲۳	یونیں	یونین
؍؍	۱۴	سنہ ۱۸۰۲ء	سنہ ۱۸۴۱ء میں	۸۲۲	۱۱	پھیرے	بھیرے
۷۸۳	۱۸	نقاد	نقاد	؍؍	۲۰	گیا	ہوگیا
؍؍	۲۰	سکتے	سکتے	۸۲۳	۱۶	ہوں	ہو
۷۸۴	آخر	برس	برس بعد	۸۲۶	۱۱	فعل نما	نعل نما
؍؍	؍؍	وقاد	وقاد	۸۲۶	۱۸	کاناٹ	کاناٹ کو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۸۳۷	۷	بالاصلہ	بالاصالہ
۸۳۹	۲۳	اگزالٹڈ	×
۸۴۹	۶	کیےگئے	کیئے گئے
۸۶۱	آخر	کی	×
۸۶۳	۲۳	میدات	میدان
۸۷۲	۲۰	تکلیعت	تکلیف
۸۸۰	۲۲	ایڈورد	ایڈورڈ
۸۸۹	۲۴	کاڑیوں	گاڑیوں
۹۰۱	۱۶	کانڈر	کمانڈر
۹۰۲	۲	ڈبون شایر	ڈیون شایر
۹۰۳	۲۲	باوٹہ	باگوٹہ
۹۱۰	۱۲	وفادانہ	وفادارانہ
"	آخر	راتین	خواتین
۹۳۱	۱۶	بھنک	بھننگ
۹۳۴	۲۴	شہنشا	شہنشاہ
۹۵۵	۱۱	بولو	پولو
"	۱۵	لصاویر	تصاویر
۹۹۲	۱۳	چلا	چلّا
۹۹۳	۱۰	۱۴ اراگست	۴ راگست
۹۹۴	۴	سنہ ۱۹۱۲ء	سنہ ۱۹۲۰ء
۹۹۸	۱۲	بٹیا	بیٹا
۱۰۰۰	آخر	[illegible]	صرف بوسے بہزوں دوستوں کی شادیوں [illegible] ہزار میل بچے ۱۲

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۰۰۳	۱	نتاہر	ملتاہر
۱۰۰۷	۲۲	سادھے	سادے
۱۰۱۴	۴	سرقہ	فرقہ
"	۷	مجبورا	مجبوراً
۱۰۱۶	۶	سلطست	سلطنت
۱۰۲۷	۱۶	کنڈہن	کنڈمن
۱۰۲۵	۴	مبرا	مبرّا
۱۰۳۱	۱۸	دیں	ڈِین
۱۰۳۵	۲۴	ہوہیں	ہوئیں

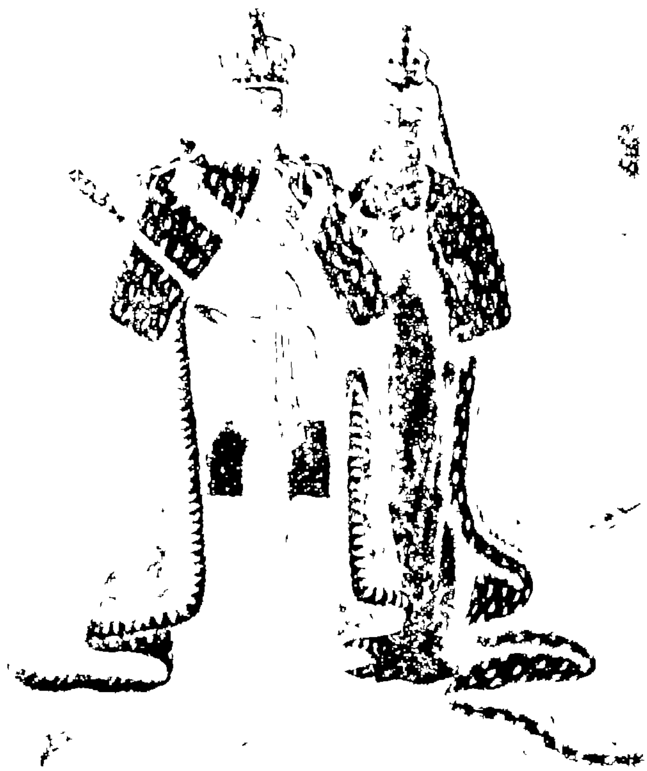
ختم

چلتے چلاتے ایک بات

جنگ
سے پہلے جو
کاغذ کا نرخ تھا وہ دوران
جنگ میں اسی مناسبت سے بڑھا.
جیسے کہ اوراشیار کا توقع تھی کہ جنگ کے اختتام
پر کاغذ کی ریل پیل ہو جائے گی مگر معاملہ نکلا برعکس گرانی
اضعافاً مضاعفہ ہو گئی اور انتہائی نوبت اس درجے پر پہونچی
کہ بازار میں کاغذ کا توڑا پڑ گیا۔ ملز والے سرے سے بناتے ہی
نہیں اور بازار میں میل کا کاغذ کسی نرخ سے بھی ڈھونڈے نہیں ملتا۔
یہی وجہ ہے کہ اس حصے میں جو سب سے اخیر چھپا ہے کاغذ ہلکا۔ بھاری۔ سفید۔
میلا۔ جو ملا اور جس نرخ پر ملا صبر و شکر سے لگانا پڑا۔ دکان دار نہ صرف
منہ مانگے دام لینے پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ سیدھے منہ بات بھی
نہیں کرتے۔ دس پانچ ریم کاغذ کے ساتھ اُتنا ہی وزن احسان
کا بھی رکھتے ہیں۔ میں تو خدا کا شکر ہے کہ پار نکل گیا
لیکن اب ساری چاؤڑی کا چکر لگاؤ تو جدھر
جاؤ نہیں کے سوائے کوئی حامی بھرتا
نہیں۔ خدا جانے اب
یہ کاغذ کی ناؤ کس
طرح چلے گی۔
فقط

خاکسار بشیر۔ اگست سنہ ۱۹۲۰ء





[illegible] کنگ جارج [illegible]



ع کسلـ ی لارڈ چیلمسفورڈ
ویسر ے و ور ے ل ہند



آنریبل مسٹر ہیلی چیف کمشنر دہلی - جون ۱۹۱۶ء

THE HON W M HAILEY C.S.I., C.I.E.

Chief Commissioner of Delhi Province

دی آنریبل ڈبلیو - ایم - ہیلی صاحب بہادر

سی ایس - آئی - سی آئی - ای - چیف کمشنر صوبہ دہلی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

THIS BOOK IS MOST RESPECTFULLY

DEDICATED

WITH PERMISSION

TO

THE HON MR W M HAILEY, I C S, C S I, C I E

CHIEF COMMISSIONER, DELHI PROVINCE,

IN OBEDIENCE TO WHOSE ESTEEMED ORDER

THIS BOOK HAS BEEN COMPILED.

I M H. P., Delhi



BASHIRUDDIN AHMAD

بشیر الدین احمد

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ای تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میاں دو کریم

کروں وصفِ جلال کبریا میری زباں کیا ہی
یہاں جبریل کے پر جلتے ہیں میرا بیاں کیا ہی

فاقصصِ القصص لعلھم یتفکرون[۱]

حمد نعت

نحمدک اللھم ان مننت علینا بنیل الاوطار ونشکرک ان احسنت[۲]

[۱] یہ قصے (ان لوگوں سے) بیان کرو تاکہ یہ لوگ سوچیں۔ ۱۲

[۲] ای اللہ ہم تیری حمد (ثنا) کرتے ہیں اس احسان کے لیے کہ تو ہمارے مقاصد بر لایا اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں اس بات پر کہ تونے ہم پر ایسا احسان کیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

إِلَيْنَا بِمَا تَشْحَذُ الْأَذْهَانَ مِنْ جَلِيْلِ الْأَسْفَارِ وَنُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّكَ الْمُرْسَلِ بِمَا هُوَ أَبْهَى مِنْ نَيِّرَاتِ الدُّرَارِيْ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِمُ الْمُسْتَعِيْنِيْنَ عَلَى اغْتِنَامِ الْمَفَاخِرِ بِعَوْنِ الْبَارِيْ۔

أَنْتُمْ لِلْوَرَى كَوَاكِبُ عِلْمٍ ۔۔۔ فِيْ اقْتِدَاءٍ إِنْ غَابَتِ الْأَقْمَارُ

يَا حُبًّا لِلّٰهِ دَوْلَةٌ قَدْ حَوَتْكُمْ ۔۔۔ كُلُّ عِزٍّ وَزَادَ فِيْهِ الْفَخَارُ

اَلصُّبْحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِهٖ ۔۔۔ وَاللَّيْلُ دَجَى مِنْ وَفْرَتِهٖ

فَاقَ الرُّسُلَ فَضْلًا وَعُلًا ۔۔۔ أَهْدَى السُّبُلَ لِدَلَالَتِهٖ

كَنْزُ الْكَرَمِ مَوْلَى النِّعَمِ ۔۔۔ هَادِي الْأُمَمِ لِشَرِيْعَتِهٖ

أَزْكَى النَّسَبِ أَعْلَى الْحَسَبِ ۔۔۔ كُلُّ الْعَرَبِ فِيْ خِدْمَتِهٖ

سَعَتِ الشَّجَرُ نَطَقَ الْحَجَرُ ۔۔۔ شُقَّ الْقَمَرُ بِإِشَارَتِهٖ

جِبْرِيْلُ أَتَى لَيْلَةَ أَسْرَى ۔۔۔ وَالرَّبُّ دَعَى لِحَضْرَتِهٖ

نَالَ الشَّرَفَا وَاللّٰهُ عَفَا ۔۔۔ عَمَّا سَلَفَا مِنْ أُمَّتِهٖ

فَمُحَمَّدُنَا هُوَ سَيِّدُنَا

فَالْعِزُّ لَنَا لِإِجَابَتِهٖ

القصہ صفحہ گزشتہ کہ جب سے ہمارے ذہن ایسے تیز ہوگئے جیسے کہ بڑی بڑی کتابوں کے مطالعے سے ہوتے ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام تیرے نبی جو بھیجے ہوئے نبی ہیں ان کی برکت ...

لہ جو ایسے اوصاف والے ہیں کہ روشن تر ہیں ستاروں اور شمس و قمر سے اور ان کے آل و اصحاب اور تابعین پر۔ اور (حال یہ ہے کہ) ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں ان فخروں کو جو تیری (ہی) مدد سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں۔ تم (سب) دنیا میں علم کے ستارے ہو۔ اگر چاند اور سورج بھی غایب ہوجائیں (تو تمہاری روشنی سے) اقتدا کیا جاسکتا ہے۔ محبت الٰہی کا واسطہ! وہ دولت علم جو تمہیں میسر ہے وہ ساری عزتوں سے نہ صرف بڑھ کر ہی ہے بلکہ اس میں فخر مزید ہے۔ ۱۲ لہ صبح روشن ہوئی آپ کے چہرے سے۔ اور رات میں سیاہی آئی آپ کے بالوں سے۔ تفوق لے گیا (سب) پیغمبروں سے بزرگی اور مرتبے میں۔ ہدایت کی مختلف فرقوں کو اپنی معقولیت سے۔ خزانہ ہیں بخشش کا اور صاحب ہیں نعمتوں کے۔ ہدایت کرنے والے ہیں امتوں کے اپنی شریعت کی طرف۔ پاکیزہ اور اعلیٰ نسب و حسب کے۔ عرب کے سب لوگ ان کی خدمت میں ہیں۔ درخت دوڑا پتھر بول اٹھا۔ چاند آپ کے اشارے سے دو ٹکڑے ہوگیا۔ جبریل شب معراج کو آئے اور اللہ نے آپ کو اپنے حضور میں بلالیا۔ انتہا سے بزرگی کو پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی امت سے جو گناہ سرزد ہوئے تھے معاف فرمائے۔ پس ہمارے محمد ہمارے سردار ہیں ان کی فرماں برداری میں ہماری عزت ہے۔ ۱۲

ہو وقفِ شکر احساں ہر رونگٹا بدن کا — ہر موسے تن کو میرے شکل زباں بنایا
رُخ زرد عاشقوں کے اُن پر لہو کے آنسو — اِس کشتِ زعفراں میں کیا ارغواں بنایا
محوِ ثنا نہیں ہیں مرغانِ باغ تنہا — ہر برگ ہر شجر کو تسبیح خواں بنایا

حُسنِ ازل جمالت زیب ابد کمالت
یک قطرۂ دو عالم از قلزم نوالت

جنت سے ہے ظہور حُسن و جمال تیرا — دوزخ ہے عرصہ دار قہر و جلال تیرا
کیا ماسوا ہے جس کو اچھا برا کہوں میں — صوفی میں حال تیرا۔ زاہد میں قال تیرا
معمور ریاضِ عالم ہے تیری صنعتوں سے — ہر برگ سے عیاں ہے حُسنِ کمال تیرا
دیر و حرم میں کیوں کر نقشِ دوئی جماؤں — وہ ہے تو چیز تیری یہ ہے تو مال تیرا
دل کو کدھر لگاؤں۔ سر کو کدھر جھکاؤں — غرب و جنوب تیرا شرق و شمال تیرا
اک امرِ کُن سے تو نے سارا جہاں بنایا — ارض و سما بنا کے کون و مکاں بنایا
اب تک نہ یہ معما حل ہو سکا کسی سے — ہستی کو تو نے کیسا رازِ نہاں بنایا
ایام گل بنا کے دورِ خزاں کے پیچھے — ایام گل کے پیچھے دورِ خزاں بنایا
خنداں زناں ہیں غنچے شبنم ہے اشک ریزاں — شادی و غم کو تو نے ہم داستاں بنایا
رفتار عمر میں ہے تارِ نفس سے تیزی — کشتی جو یہ بنائی وہ بادباں بنایا
ظرف قبول بخشا کیا بحر میں صدف کو — نیساں کو آسماں پر کیا دُر فشاں بنایا
لب میں سخن میں تاثیر تو نے بخشی — منہ میں زباں۔ زباں میں حسن بیاں بنایا
تیرے وجود سے ہے ہر اک وجود قائم — ہر فرق میں نمایاں ہے اتصال تیرا

ہمچوں قمر چلنے جویاں بہ رہ گزرہا
با ایں ظہور ہستی پوشیدہ از نظرہا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ہیں شیدا اُن کے یہ شانِ نبوت کیا کہنا
وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پر نور ہوئی
یہ مہرِ ہُدیٰ سبحان اللہ یہ صبح سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہو پرتو کرسی و عرش اُس دل کی بلندی صلِّ علیٰ
جس سینے میں قرآں اترا ہو اُس سینے کی عظمت کیا کہنا
تیرے سے دُنیا گونج اٹھی تکبیر کا غل تا عرش گیا
تاثیر ہدایت صلِّ علیٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا
نغمہ ہے ترا دل کش اکبر مضموں ہے ترا پاکیزہ و تر
بلبل سکے ترانے صلِّ علیٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

دعا

ای کارساز قبلۂ حاجات کبریا
آغاز کردہ ام تو رسانش بانتہا

دلّی

شہرے چو بہشت در نکوئی
چوں باغ ارم بتازہ روئی

جہاں میں مرجع اہل کمال تھی دلّی
مثال کا ہے کو تھی بے مثال تھی دلّی

زوال تھا نہ کوئی لازوال تھی دلّی
کہاں تھی کبھی دلّی نہال تھی دلّی

یہ دلّی وہ ہے کہ سارے جہاں کا دل تھی
زمیں کی جان تھی اور آسمان کا دل تھی

جواب باغ جناں ہر مکان دلّی کا
جواب سارے جہاں میں کہاں تھا دلّی کا

نئی زمین تھی کیا آسماں تھا دلّی کا
غرض جہاں سے نرالا جہاں تھا دلّی کا

یہ دلّی وہ تھی کہ جو تھی بعز و شان آباد
یہ دلّی وہ ہے جسے کہتے تھے جہاں آباد

اس آب و تاب پہ لیل و نہار تھی دلّی
کہ ایک آئینۂ روزگار تھی دلّی

بہشت تھی کہیں باغ و بہار تھی دلّی
ظہورِ قدرتِ پروردگار تھی دلّی

شگفتہ صورتِ گُل تھی گلی گلی اس کی
بنی ہوئی تھی گلستاں گلی گلی اس کی

یہ اوج تھا کہ زمین آسمان تھی اس کی — بلند رتبہ تھا رفعت پہ شان تھی اس کی
ہے سچ تو یہ کہ عجب آن بان تھی اس کی — شباب تھی کبھی قسمت جوان تھی اس کی
یہاں کمی نہ کسی بات کی کبھی کچھ تھی
یہ دلی اب نہیں کچھ پہلے تو سب ہی کچھ تھی

یہ شہر شہرۂ آفاق تھا زمانے میں — نہ اس کا ہمسر کوئی مشتاق تھا زمانے میں
ہنر میں علم میں مشتاق تھا زمانے میں — کمال فن میں غرض طاق تھا زمانے میں
یہ شہر اہلِ ہنر کا تھا کعبۂ مقصود
اسی کو جانتے تھے سب مدینۂ مقصود

گزر چکے ہیں یہاں پر کمال کے کامل — خدا کا فضل رہا سب کے حال کے شامل
یہیں سے دینِ متیں کے بھی اٹھتے تھے حامل — فقیہ و صوفی و درویش و زاہد و کامل
زیادہ سب سے یہاں اولیا کی تھی تعداد
اسی لیے اسے کہتے تھے ہند کا بغداد

شمال قطب یہاں سے ہلے نہ قطب الدین — یہیں سے تھے زبرِ فلک یہیں ہیں زیرِ زمیں
وہ کشتۂ خنجرِ تسلیم سے ہوئے تھے یہیں — اس ایک جان پہ صدقے ہزار جانیں تھیں
نظام دیں بھی نصیر آفتاب عرفاں بھی
نہاں ہیں خاک میں دلی کے جانِ جاناں بھی

حدیث و فقہ کی بھی یہاں عجیب تھی رونق — بلند پایہ محدث تھے شیخ عبدالحق
ہوا تھا ان سے زمانے میں علم دیں مشتق — پڑھایا لوگوں کو اسلام کا انھوں نے سبق
یہیں تو تھے وہ شریعت پناہ و حق آگاہ
تمام لوگ جنھیں کہتے ہیں ولی اللہ

ہوئے وہ حامیِ اسلام و دیں پناہ یہاں — علوم دیں کی بنی جن سے جلوہ گاہ یہاں
عزیز خلق تھے عبدالعزیز شاہ یہاں — کسی زمانے میں کیا کچھ نہیں تھا آہ یہاں
گزر چکے ہیں یہیں شاہ عبدالقادر بھی

کہاں کا ترجمہ نایاب بھی ہے نادر بھی

حدیث کی جو شاہ اسحٰق نے دی خدمت کی کہ روح شاد ہوئی خاتم رسالت

ہمیشہ دین کی اسلام کی حمایت کی رہا خیال ترقی کا دمن اشاعت

گزر گئے ہیں ابھی مولوی نذیر حسین

تمام ہند میں تھے ایک ہی نذیر حسین

حکیم بھی تھے یہاں کے عجب مسیحا دم جنھوں نے زندہ رکھا نام عیسٰی

نہ اُن کی یاد میں کس طرح روئے کل عالم نہیں ہیں وہ تو ہمیں دے رہی ہے موت

جو اب خطۂ یوناں تھا شہر دہلی بھی

یہیں سے اُٹھے تھے محمود خاں بھی علوی بھی

زمانہ رہا ہے عبدالمجید خاں کے لیئے وجود آپ کا نعمت تھا اس جہاں کے

نہ اچھی چیز رہی کوئی اب یہاں کے لیئے یہی زمین تھی کیا جور آسماں کے

گئے تھے جانب جنت حکیم واصل خاں

جہاں میں اب ہیں غنیمت حکیم اجمل خاں

سخنوری میں تو دلی کی خاص شہرت تھی نثار اس پہ فصاحت فدا بلاغت

اسی کمال سے اس کی کمال عزت تھی زبانِ اہل زباں دل پسند خلق

جما تھا سکہ جہاں میں زبان دہلی کا

بیان کس سے ہو حسن بیان دہلی کا

جناب میر محمد تقی خدائے سخن کہ دل فریب تھی جن کی ہر اک ا

اُنھوں نے کی تھی یہیں کے ابتدائے سخن انھیں کے دم سے پڑی ہند میں

سخنوری میں سب اُستاد مانتے ہیں اُنھیں

عوام صاحب ارشاد جانتے ہیں اُنھیں

یہیں سے اُٹھے تھے سودا و درد و شاہ نصیر کہیں جہاں میں جن کی مثال ہے

کلام حضرت مومن میں تھی عجب تاثیر تمام ملک سخن جس نے کر لیا

یہاں سے تھے مہر سپہر سخنوری یہ لوگ

تھے اپنے وقت کے بے شبہ انوری یہ لوگ

رہے گی یاد بلاغت جناب غالب کی		دق پسند طبیعت جناب غالب کی
ہوئی اسی سے تو شہرت جناب غالب کی		زمانہ کرتا ہے عزت جناب غالب کی

سخنوری میں وہ غالب تھے ہر سخنور پر
جہاں میں کوئی بھی اُن کا نہ ہو سکا ہم سر

جناب ذوق تھے ہندوستاں کے خاقانی		نہ تھا نہ ہے نہ کوئی ہوگا آپ کا ثانی
جب اُن کی طبع رواں نے دکھائی جولانی		زمینِ شعر جو پتھر تھی ہو گئی پانی

سخنوروں پہ زمانے کے لے گئے تھے فوق
عجیب چیز تھے اس شہر میں جناب ذوق

نسیم فکر نسیم ایسے گل کھلاتی تھی		کہ جس سے باغِ سخن میں بہار آتی تھی
ادائے شیفتہ سارے جہاں کو بھاتی تھی		ہر ایک بات ہر اک کو پسند آتی تھی

ہمیشہ نیّر و آزردہ کی رہے گی یاد
گزشتہ دور میں اس فن کے وہ بھی تھے استاد

جناب سالک و مجروح بھی تھے فخر جہاں		جواب اُن کا زمانے میں کوئی اب ہے کہاں
اب ان کا نام تو باقی ہے مٹ گیا ہے نشاں		فصیح و شستہ و نادر تھی خوب اُن کی زباں

کیا اُنھوں نے زمانے میں نام دلّی کا
بڑھا دیا ہے بہت احترام دلّی کا

جنابِ داغ تھے اس آخری زمانے میں		کہ جن کے دم سے بڑی دھوم تھی زمانے میں
نہ وہ رہے ہیں نہ اب نور ہی زمانے میں		رہے گی یاد تری بے کسی زمانے میں

بنی ہوئی تری قسمت بگڑ گئی دلّی
بسی ہوئی تری بستی اُجڑ گئی دلّی

(وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی)

یہ کتاب دو حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ اذکارِ شاہانِ دہلی کا ہے۔ دوسرا آثار قدیمہ اور عمارات کا اور یہی بہت بڑا ہے۔ کتب ۱۳۲۸ تواریخ شاہان دہلی کے مفصل حالات سے بھری پڑی ہیں جن کا اعادہ تحصیل حاصل ہے۔ سو

در مکرر بستنِ مضمونِ رنگیں لطف نیست		کم دہد رنگ ار کسے بندد حنائے بستہ را

باایں ہمہ مجھے حصۂ اول بھی لکھنا پڑا کیوں کہ بادشاہان دہلی اور عمارات کے حالات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو کہ روح کا ذکر ہو اور تن کا نہ ہو یا گل کا بیان ہو اور بلبل کا نہ ہو۔ بغیر بیان حالات شاہان دہلی یہ کتاب ناقص اور ادھوری رہ جاتی تھی لہذا میں نے ان حالات کو بہت ہی مختصر طریقے پر بطور نوٹ لٹنیز (رخاکے) کے بیان کر دیا۔ اب رہا دوسرا حصہ اس میں البتہ اس قدر مواد موجود ہو کہ اردو کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہو۔ اور اسی کا لکھنا ایک مشکل کام تھا۔ لہٰذا پہلے میں نے حصۂ دوم ہی کی تکمیل کی اور اسی کے ساتھ ایک مفصل دیباچہ بھی لکھ دیا اس لیئے یہ دیباچہ صرف تیمنًا و تبرکًا لکھا گیا ہو جو قدیم دستور کی تقلید ہو ورنہ اس دیباچے کے ہوتے مجھے کسی مزید توضیح کی ضرورت باقی نہ تھی۔ اس مقام پر ایک بات دل میں کھٹک رہی ہو جس کے عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔

ع۔ کانٹا سا کھٹکتا ہو نکل جاے تو اچھا

میں دیکھتا ہوں کہ جب کوئی نئی کتاب لکھنے کی کوشش کرتا ہو تو اس کی دماغ سوزی اور محنت تو درکنار اُلٹی اعتراضوں کی بھرمار شروع ہو جاتی ہو۔ جو لوگ مصنف کی زحمت اور کاوش سے واقف نہیں اور کتاب کو ایک اُچٹتی ہوئی نظر سے محض موشگافی اور عیب جوئی کے لیے دیکھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ تصنیف کی غرض و غایت یہ ہو کہ فصاحت اور بلاغت کا جواب نہ ہو سکے۔ نفس مضمون میں خواہ کوئی فائدہ یا خوبی ہو یا نہ ہو اُن کو اس سے کچھ مطلب نہیں۔ کتاب پر نظر غائر ڈالنا اور اس کے مضامین کی تہ کو پہنچنے سے اُن کو سروکار نہیں۔ ؎

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں

فصاحت اور بلاغت کا معیار یہ اقرار دیا گیا ہو کہ اُس کی عبارت مسجع و مقفیٰ اور ق ڈبل ڈبل مغلق وغیر مانوس الفاظ سے ایسی بھری پڑی ہو کہ قدم قدم پر لغت کی مدد درکار ہو۔ جس کے مطالب کج پیٹ کی وجہ سے معمے اور چیستاں سے کم نہ ہوں۔ ایسے لوگ صرف لفظوں کے قدر دان ہیں اور معانی سے نا آشنا۔

وہ پرانی روش کے دل دادہ اور انھیں کی باقیات الصالحات ہیں وہ بجائے "موتی ٹانکنے" سیدھے سادے فقرے کے "مسند مسنڈ ہاتھی کے سے ڈنڈ" تقفی بھلے کر سن کر پھڑک اٹھتے ہیں اور تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں۔ ان کو فسانہ عجائب اور سرور شِ سخن کی گھڑی ہوئی عبارت جو آمد نہیں بلکہ آورد ہے دل سے پسند ہے اس کے فقرے فقرے پر وجد کرتے اور سر دھنتے ہیں۔ یہ طرزِ جدید کی سیدھی سادی اردو محض روکھی پھیکی اور ان کی نظر میں ایک ننگی بچی تصویر معلوم دیتی ہے۔

وللناس فی ما یعشقون مذاہب[1]

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ یہ کتاب کوئی عشقیہ ناول یا گل بکاؤلی اور بدر منیر کا جواب نہیں ہے جس میں گلکاری کی ضرورت ہو نہ اس میں سوز و گداز ہے اور نہ معشوقانہ ناز و انداز نہ اس میں شب ہجراں کی اختر شماری و اشکباری ہے نہ وصال یار پر اظہار مسرت و شکر گزاری۔ نہ اس میں جھوٹی سچی باتیں ہیں نہ تاک جھانک کی گھاتیں۔ نہ اس میں کسی پردہ نشین کو بے پردہ کیا ہے نہ کسی خاتون عصمت مآب کو آتش عشق سے پژمردہ بلکہ یہ ایک تاریخی کتاب ہے رنگ آمیزی اور مبالغے سے کوسوں دور۔ غلط بیانی اور طوطیا بندی سے نفور۔ جس میں سب سے مقدم یہی خیال مد نظر ہے کہ واقعات کو بلا کم و کاست نہایت سلیس طور پر بیان کیا جائے اور بس۔ بعض اصحاب ایسے بھی نظر آسکتے

نیش عقرب نہ از پئے کیں ست
مقتضائے طبیعتش ایں ست

ان کی طبیعت میں عیب جوئی اور نکتہ چینی کا عنصر غالب ہوتا ہے وہ نہ صرف جا و بے جا اعتراضوں کی بھرمار کر دیتے ہیں بلکہ بلا وجہ الساطرز اور تلخ پیرایہ اختیار کرتے ہیں کہ جس سے رشک و حسد کی بو آتی ہے۔ وہ اپنے سوائے زمانے بھر میں نہ کسی کو کسی قابل سمجھتے ہیں نہ دوسرے کی تعریف سن سکتے ہیں:۔ ؎

---

[1] ہر شخص کی پسند جدا جدا ہے۔ ۱۲

حَسَدُوا الْفَتیٰ اِذْ لَمْ یَنَالُوْا سَعْیَہٗ　　فَالْقَوْمُ اَعْدَاءٌ لَّہٗ وَ خُصُوْمٌ

کَضَرَائِرِ الْحَسْنَاءِ قُلْنَ لِوَجْھِھَا　　حَسَدًا وَّ بَغْیًا اِنَّھَا لَذَمِیْمٌ

معزز ناظرین! میری اس تحریر سے کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں نکتہ چینی کا سد باب کرنا چاہتا ہوں اور نہ پانی سے آگے پاڑ باندھتا ہوں۔ نہیں نہیں امر واقعی یہ ہے کہ میں اپنی قابلیت کا اقراری ملزم ہوں تو پھر مجھ پر فرد جرم لگانی کیا ضرور ۔ ؎

شرم آید از بضاعت بے قیمتم ولیک
در شہر آبگینہ فروشی ست وجوہری

پھولوں کے ساتھ پتّے بھی سنتے چلے جاتے ہیں ع بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم۔ اس کی کریمی کا کیا کہنا ہے ؎

بناداں آں چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند

میں اپنی کوتاہیوں سے بخوبی واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ اتنی بڑی کتاب میں ایک نہیں دو نہیں بہت سی غلطیاں رہ گئی ہوں گی جو صاحب ہمدردی و نیک نیتی سے مجھے جتلائیں گے تو ع۔ متاعِ نیک ہر دکاں کہ باشد۔ میں نہ صرف ان کے اعتراض کو بسر و چشم تسلیم کروں گا بلکہ ان کا ممنون احسان بھی ہوں گا کہ انسان اپنی غلطی آپ محسوس نہیں کر سکتا۔

فَالْعَیْنُ تَنْظُرُ مَا غَنْھَا دَنَا وَ دَنیٰ　　وَلَا تَرَیٰ نَفْسَھَا اِلَّا بِمِرْآۃٍ

اگر خدا وہ دن لائے کہ اس کتاب کے دوبارہ چھپنے کی نوبت آئے تو ضرور اصلاح بھی کر دوں گا۔ سر دست تو یہ عذر پیش کر کے ختم کرتا ہوں ؎

بپوش گر بخطائے رسی و طعنہ مگیر
کہ ہیچ نفسِ بشر خالی از خطا نہ بود

سلہ - آنکھ دور اور نزدیک کی دونوں چیزیں دیکھتی ہو لیکن اپنے آپ کو بدون آئینے کے نہیں دیکھ سکتی - ۱۲

خاتمے پر میں اُس امداد کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا جو میرے عزیز قریب منشی اشتیاق احمد صاحب چشتی نظامی دہلوی نے اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں محض میری خاطر سے شروع سے آخر تک انجام دی ہے۔ بقول شخصے وہ دلی کے بھومیا ہیں۔ سارے شہر کا حال اُن سے پوچھ لیجئے اور نہ صرف شہر بلکہ مضافات کے حالات سے بھی باخبر کہ زیارت بزرگان دین کے از حد شایق ہیں گو نوجوان ہیں مگر جوان صالح۔ میری خاطر سے وہ میرے ساتھ سایہ کی طرح لگے سب عمارتوں کے دیکھنے۔ کتبوں کے پڑھنے، کاپیوں اور پروف کی تصحیح کتاب کے چھپوانے یہ سارے کام انھوں نے کیے ہیں۔
سچ تو یہ ہے کہ کام اُن کا ہے اور نام میرا۔ کاٹے بار اور نام ہو تلوار کا! خدا اُن کو جزائے خیر دے!

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ[له] وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

اَلْمُفْتَقِرُ الرَّاجِي إِلَى اللّٰهِ الصَّمَدِ

بشیر الدین احمد

وَفَّقَهُ اللّٰهُ التَّزَوُّدَ لِغَدٍ

مقام دہلی

اگست ۱۹۱۹ء

له۔ اور مجھ کو صرف خدا ہی کا آسرا ہے اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۱۲۔

بشیر الدین

فہرست سلاطین دہلی مع عمارات بناکردہ بقید سال تعمیر مرتبہ آر۔ فروڈکر صاحب ۲ اکتوبر مقام [illegible]

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	وثیقہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
ترک										
۱	محمد اول بن سام	۱۱۹۳ء	۱۲۰۵ء	غزنین	دریائے سندھ پر قتل کیا گیا	(۱) مسجد قوت الاسلام (۲) دروازہ شمالی	دہلی کے جنوب مغرب میں نو میل	۹۷-۱۱۹۱ء	پڑھے کتبہ " "	
۲	قطب الدین ایبک	۱۲۰۶ء	۱۲۱۰ء		لاہور میں انتقال کیا	قطب مینار	"	۱۲۰۰ء	"	
۳	آرام شاہ	۱۲۱۰ء	۱۲۱۱ء	شکست پاکر التمش نے قتل کیا	x	x	x	x	x	
۴	شمس الدین التمش	۱۲۱۱ء	۱۲۳۶ء	قطب	دہلی میں انتقال کیا	(۱) مقبرہ سلطان غاری (۲) مسجد قوت الاسلام (۳) مقبرہ التمش	قطب کے شمال مغرب میں تین میل پر قطب	۱۲۳۱ء ۱۲۳۶ء ۱۲۳۵ء	پڑھے کتبہ " x	
۵	رکن الدین فیروز شاہ اول	۱۲۳۶ء	x	ملک پور	۱۲۳۶ء میں معزول کیا گیا	x	x	x	x	
۶	رضیہ سلطانہ	۱۲۳۶ء	x	محلہ بلبلی خانہ شہر دہلی	۱۲۳۹ء میں تہد کی گئی	x	x	x	x	
۷	معز الدین بہرام شاہ	۱۲۳۹ء	x	ملک پور	۱۲۴۱ء میں معزول کیا گیا	مقبرہ رکن الدین مقبرہ رضیہ	ملک پور دہلی	۱۲۴۳ء ۱۲۴۴ء	x x	
۸	علاء الدین مسعود	۱۲۴۱ء	x	x	۱۲۴۶ء میں معزول کیا گیا	مقبرہ بہرام	ملک پور	۱۲۴۴ء	x	
۹	ناصر الدین محمود	۱۲۴۶ء	۱۲۵۶ء	x	x	x	x	x	x	

نمبر شمار	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	وثیقہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
	غیاث الدین بلبن	سنہ ۱۲۶۶ء	سنہ ۱۲۸۶ء	قطب	×	مقبرہ بلبن	قلعہ رائے پتھورا سے قطب	سنہ ۱۲۶۶ء	×	اپنی زندگی میں بنوایا۔
	معزالدین کیقباد	سنہ ۱۲۸۷ء	سنہ ۱۲۹۰ء	×	بادشاہ نمبر ۱۳ کے حکم سے جمنا میں پھینک دیا گیا	×	×	×	×	
۱	شمس الدین کیومرث	سنہ ۱۲۹۰ء	×	×	اس کے جانشین نے قتل کیا۔	×	×	×	×	
	خلجی									
۱	جلال الدین فیروز شاہ ثانی	سنہ ۱۲۹۰ء	سنہ ۱۲۹۵ء	×	علاءالدین نے قتل کیا	×	×	×	×	
۱۴	رکن الدین ابراہیم اول	سنہ ۱۲۹۵ء	×	×	اس کے جانشین نے معزول کیا	×	×	×	×	
۱۵	علاءالدین محمد شاہ ثانی	سنہ ۱۲۹۵ء	سنہ ۱۳۱۵ء	سیری	غالباً زہر سے مرا	(۱) حوض خاص (۲) علاءالدین کی مینار (۳) علائی دروازہ	قطب کے شمال میں دو میل؛ قطب؛ قطب	سنہ ۱۳۰۵ء؛ سنہ ۱۳۱۰ء؛ سنہ ۱۳۱۱ء	×؛ بروئے کتبہ	
۱۶	شہاب الدین عمر	سنہ ۱۳۱۵ء	×	×	اس کے جانشین نے معزول کر کے قتل کر دیا	×	×	×	×	
۱۷	قطب الدین مبارک اول	سنہ ۱۳۱۶ء	سنہ ۱۳۲۰ء	×	قتل کیا گیا	مقبرہ علاءالدین	سیری	سنہ ۱۳۱۵ء	×	
۱۸	ناصرالدین خسرو	سنہ ۱۳۲۰ء	سنہ ۱۳۲۰ء	×	اس کے جانشین نے قتل کیا	×	×	×	×	
	تغلق									
۱۹	غیاث الدین تغلق اول	سنہ ۱۳۲۰ء	سنہ ۱۳۲۴ء	تغلق آباد	بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا	(۱) باؤلی (۲) قلعہ	تغلق آباد دہلی کے جنوب میں (۵) میل تغلق آباد	سنہ ۱۳۲۱ء؛ سنہ ۱۳۲۱ء	×؛ ×	

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	وثیقہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۲۰	محمد شاہ بن تغلق	سنہ ۱۳۲۵ء	سنہ ۱۳۵۱ء	تغلق آباد	تپ سے مرا	(۱) مقبرہ تغلق شاہ	تغلق آباد	سنہ ۱۳۲۵ء	×	
						(۲) مقبرہ نظام الدین	نظام الدین	ایضاً	×	
						(۳) مقبرہ امیر خسرو	ایضاً	ایضاً	×	
[illegible]	فیروز شاہ ثالث	سنہ ۱۳۵۱ء	سنہ ۱۳۸۸ء	دہلی	پیرانہ سالی میں مرا	(۱) جماعت خانہ	نظام الدین	سنہ ۱۳۵۳ء	۲	
						(۲) کوٹلہ فیروز شاہ	قریب دہلی	سنہ ۱۳۵۴ء	۱	
						(۳) قدم شریف	دہلی کے مغرب میں	سنہ ۱۳۵۷ء	×	سنہ ۱۳۷۳ء میں
						(۴) مقبرہ شاہ عالم	×	سنہ ۱۳۶۵-۹۰ء	×	موجودہ مقام پر
						(۵) مقبرہ ناصر الدین	سلطان غاری دہلی	سنہ ۱۳۷۳ء	بر کتبہ	فیروز شاہ نے
						(۶) کھڑکی کی مسجد	قطب کے مشرق ایک میل پر	×	×	منتقل کیا
						(۷) کلاں مسجد	دہلی میں		×	
						(۸) بیگم پوری مسجد	بیگم پور	سنہ ۱۳۸۰ء	بر کتبہ	
[illegible]	تغلق شاہ	سنہ ۱۳۸۸ء	سنہ ۱۳۸۹ء	×	معزول اور قتل	×	×	×	×	
						×				
[illegible]	ابو بکر	سنہ ۱۳۸۹ء	×	×	سنہ ۱۳۹۰ء میں شکست پاکر قید کیا گیا	×	×	×	×	
						×	×		×	
						×	×		×	
[illegible]	محمد چہارم ابن فیروز	سنہ ۱۳۸۹ء	سنہ ۱۳۹۲ء	حوض خاص	×	مقبرہ فیروز شاہ	تغلق کے شمال میں دو میل پر	۱۳۸۹ء	×	
[illegible]	سکندر اول	سنہ ۱۳۹۳ء	سنہ ۱۳۹۲ء	ایضاً	تخت نشینی کے ۴۵ دن بعد وفات پائی	×	×	×	×	
۲	محمود ثانی	سنہ ۱۳۹۳ء	سنہ ۱۴۱۲ء	×	اس کی وفات کے ساتھ ہی نصرت شاہ وقفہ ۱۳۹۵-۹۹ء	×	×	×	×	

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	وثیقہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۲۷	دولت خاں لودی	سنہ ۱۴۱۲ء	x	x	اپنے جانشین کی اطاعت کرلی	x	x	x	x	
	سادات									
۲۸	خضر خاں	سنہ ۱۴۱۴ء	سنہ ۱۴۲۱ء	خضر کی گمٹی	x	x	x	x	x	
۲۹	مبارک شاہ ثانی	سنہ ۱۴۲۱ء	سنہ ۱۴۳۳ء	مبارک پور دہلی	وزیر کے ہاتھ سے مارا گیا	(۱) مقبرہ مبارک شاہ	قریب کوٹلہ دہلی کے جنوب میں ۳ میل	سنہ ۱۴۳۳ء	x	
						(۲) مسجد مبارک شاہ	مبارک پور	سنہ ۱۴۳۳ء	x	
۳۰	محمد نجم ابن فرید	سنہ ۱۴۳۳ء	سنہ ۱۴۴۳ء	x	x	x	x	x	x	
۳۱	عالم شاہ	سنہ ۱۴۴۳ء	x	x	سنہ ۱۴۵۱ء میں معزول کیا گیا	مقبرہ محمد نجم	خیرپور	سنہ ۱۴۴۵ء	x	
	لودھی									
۳۲	بہلول	سنہ ۱۴۵۱ء	سنہ ۱۴۸۹ء	چراغ دہلی	x	(۱) مقبرہ بہلول	دہلی	سنہ ۱۴۸۹ء	x	
						(۲) موٹھ کی مسجد	دہلی کے جنوب میں ۸ میل	سنہ ۱۴۸۸ء	پر کتبہ	
۳۳	سکندر ثانی	سنہ ۱۴۸۹ء	سنہ ۱۵۱۷ء	خیرپور	سنہ ۱۵۰۴ء میں بابر نے قندھار فتح کیا اور سکندر نے آگرے میں وفات پائی	x	x	x	x	
۳۴	ابراہیم ثانی	سنہ ۱۵۱۷ء	سنہ ۱۵۲۶ء	خیرپور	پانی پت کی لڑائی میں شکست پاکر بابر کے ہاتھ سے مارا گیا	(۱) سکندر لودی کا مقبرہ اور مسجد	خیرپور	سنہ ۱۵۱۷ء	x	
						(۲) مقبرہ ابراہیم لودھی	خیرپور	سنہ ۱۵۲۰ء		
	مغل									
۳۵	بابر	سنہ ۱۵۲۶ء	سنہ ۱۵۳۰ء	کابل	انچاس سال کی عمر میں آگرے میں مرا	مسجد درگاہ مولانا جمالی وکمالی	مہرولی	سنہ ۱۵۲۸ء	x	

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	ذریعہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۳۶	ہمایوں	سنہ ۱۵۳۰ء	x	x	سنہ ۱۵۳۹ء میں شیر شاہ نے ہندوستان سے بدر کر دیا	درگاہ امام ضامن	قطب	سنہ ۱۵۳۶ء	بروے کتبہ	
۳۷	صور شیر شاہ	سنہ ۱۵۳۹ء	سنہ ۱۵۴۵ء	شہسرام بہار	محاصرۂ کالنجر میں مرا	(۱) شیر منڈل (۲) مسجد قلعۂ کہنہ (۳) لال دروازہ	پرانا قلعہ	سنہ ۱۵۴۱ء	بروے کتبہ	
						(۴) احاطۂ درگاہ قطب صاحب	مہرولی	سنہ ۱۵۴۱ء	بروے کتبہ	
۳۸	اسلام شاہ	سنہ ۱۵۴۵ء	سنہ ۱۵۵۲ء	x	x	(۱) سلیم گڑھ	قلعۂ دہلی	سنہ ۱۵۴۶ء		
						(۲) مقبرہ و مسجد عیسیٰ خاں	ہمایوں کے مقبرے کے پاس	سنہ ۱۵۴۷ء	بروے کتبہ	
۳۹	محمد عادل	سنہ ۱۵۵۲ء	سنہ ۱۵۵۳	x						
۴۰	ابراہیم ثالث	سنہ ۱۵۵۳ء	سنہ ۱۵۵۴ء	x	اس کے جانشین نے بدر کیا	x	x		x	x
۴۱	سکندر ثالث	سنہ ۱۵۵۴ء	x	x	x	x	x		x	x
	مغل ہمایوں (بار دوم)	سنہ ۱۵۵۵ء	سنہ ۱۵۵۶ء	دہلی	شیر منڈل کی سیڑھیوں پر سے نماز پڑھنے کو جاتے وقت گر کر مرا۔	مقبرۂ ہمایوں	دہلی سے پانچ میل جنوب	سنہ ۱۵۷۱-۶۵	x	
۴۲	اکبر	سنہ ۱۵۵۶ء	سنہ ۱۶۰۵ء	سکندرہ آگرہ	آگرے میں وفات پائی	(۱) مقبرہ اتگہ خاں	نظام الدین	سنہ ۱۵۶۶ء	بروے کتبہ	
						(۲) مقبرہ ادہم خاں	مہرولی	سنہ ۱۵۶۶ء		
						(۳) حجام کا مقبرہ	مقبرۂ ہمایوں		x	
						(۴) نیلی چھتری	ہمایوں کے قلعے کے قریب	سنہ ۱۵۶۶ء		
۴۳	جہانگیر	سنہ ۱۶۰۵ء	سنہ ۱۶۲۷ء	شاہدرہ لاہور	کشمیر سے واپسی میں انتقال کیا	(۱) درگاہ امیر خسرو	نظام الدین	سنہ [illegible]	بروے کتبہ	
						(۲) پل سلیم گڑھ	قلعۂ دہلی			
						(۳) نیلا برج	قریب مقبرۂ ہمایوں	سنہ ۱۶۲۴ء	بروے کتبہ	

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	ذیقعدہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۴۴	شاہ جہاں	سنہ ۱۶۲۸ء	x	تاج گنج آگرہ	سنہ ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب نے معزول کرکے قلعہ آگرے میں سنہ ۱۶۶۶ء میں سال وفات تک محبوس رکھا	(۱) قلعہ دہلی محلات (۲) فصیل شہر جہاں آباد و [illegible] (۳) روشن آرا باغ (۴) جامع مسجد (۵) فتح پوری مسجد	دہلی دہلی [illegible] دہلی دہلی	سنہ ۱۶۳۸ تا ۴۸ء سنہ [illegible] سنہ ۱۶۵۰ء سنہ ۱۶۵۰ء سنہ ۱۶۵۰ء		
۴۵	اورنگ زیب	سنہ ۱۶۵۸ء	سنہ ۱۷۰۷ء	دولت آباد اورنگ آباد دکن	احمد نگر میں وفات پائی	(۱) موتی مسجد (۲) قلعے کے دروازوں کی گھوگس (۳) روشن آرا کا مقبرہ (۴) جہاں آرا بیگم کا مقبرہ (۵) زینت المساجد	قلعہ دہلی ایضاً باغ کے بیچ میں نظام الدین دہلی	سنہ ۱۶۵۹ء سنہ ۱۶۶۵ء سنہ ۱۶۷۱ء سنہ ۱۶۸۱ء سنہ ۱۷۱۰ء		
۴۶	شاہ عالم بہادر شاہ	سنہ ۱۷۰۷ء	سنہ ۱۷۱۲ء	مہرولی	لاہور میں انتقال کیا	(۱) موتی مسجد (۲) مسجد مقبرہ غازی الدین	مہرولی اجمیری دروازہ دہلی	x x x	x x x	غازی الدین خاں کی زندگی میں بنا۔
۴۷	جہاں دار شاہ	سنہ ۱۷۱۲ء	سنہ ۱۷۱۳ء	مقبرہ ہمایوں	قتل کیا گیا					
۴۸	فرخ سیر	سنہ ۱۷۱۳ء	سنہ ۱۷۱۹ء	ایضاً	لال قلعے میں قتل کیا گیا	مقبرہ بہادر شاہ	مہرولی	سنہ ۱۷۱۲ء	x	
۴۹	رفیع الدرجات	سنہ ۱۷۱۹ء	سنہ ۱۷۱۹ء	کہا جاتا ہے کہ ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر دفن ہے	x x x x	x x x x	x x x x	x x x x	x x x x	

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سال جلوس	سال وفات	مدفن	کیفیت	تعمیر	مقام	سال تعمیر	وثیقہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۵۰	رفیع الدولہ	سنہ ۱۷۰۹ء	سنہ ۱۷۱۹ء	ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر	x	x	x	x	x	
۵۱	محمد شاہ	سنہ ۱۷۱۹ء	سنہ ۱۷۴۸ء	محجر اندرون درگاہ نظام الدین	سنہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کی اطاعت قبول کر لی	(۱) سنہری مسجد (۲) جنتر منتر	چاندنی چوک دہلی دہلی کے جنوب میں دو میل پر	سنہ ۱۷۲۱ء سنہ ۱۷۲۴ء	بڑے کتبہ x	
۵۲	احمد شاہ	سنہ ۱۷۴۸ء	سنہ ۱۷۷۵ء	مقبرۂ ہمایوں	سنہ ۱۷۵۴ء میں مکحول کرکے قید کیا گیا۔	(۱) مقبرۂ محمد شاہ (۲) دوسری سنہری مسجد (۳) تیسری سنہری مسجد (۴) مقبرۂ صفدر جنگ	نظام الدین فیض بازار دہلی قلعے کے دلی دروازے کے پاس دہلی سے جنوب رخ پر پانچ میل پر	x سنہ ۱۷۴۵ء سنہ ۱۷۵۱ء سنہ ۱۷۵۳ء -	 بڑے کتبہ بڑے کتبہ - x	 اس کے بیٹے نے بنایا
۵۳	عالمگیر ثانی	سنہ ۱۷۵۴ء	سنہ ۱۷۵۹ء	مقبرۂ ہمایوں	قتل کیا گیا	x	x	x	x	-
۵۴	شاہ عالم ثانی	سنہ ۱۷۵۹ء	سنہ ۱۸۰۶ء	مقبرۂ بہادر شاہ قطب	x	x	x	x	x	
۵۵	اکبر شاہ ثانی	سنہ ۱۸۰۶ء	سنہ ۱۸۳۷ء	x	x	محل مرزا جہانگیر	بستی نظام الدین	سنہ ۱۸۳۲ء	x	
۵۶	بہادر شاہ ثانی	سنہ ۱۸۳۷ء	سنہ ۱۸۶۲ء	رنگون	غدر کے بعد رنگون کو جلا وطن کیے گئے	(۱) ظفر محل (۲) محل قریب درگاہ قطب صاحب	اندرون قلعۂ دہلی مہرولی	 x	 x	

دہلی کے مختلف شہر

نمبر سلسلہ	نام	بانی	مقام	سنہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۱	قلعہ رائے پتھورا	پرتھی راج	اطراف قطب صاحب	سنہ ۱۱۸۰ء	کلوکھڑی جس کو معز الدین
۲	سیری	علاؤالدین	(نمبر۱) کے شمال	سنہ ۱۳۰۳ء	کیقباد نے سنہ ۱۲۸۶ء میں بنایا
۳	تغلق آباد	تغلق اول	قطب صاحب کے	سنہ ۱۳۲۱-۲۳ء	تھا۔ خضر آباد جس کو خضر خاں
			مشرق میں (۴)		نے سنہ ۱۴۱۸ء میں بنایا تھا۔
			میل پر		مبارک آباد جس کو مبارک شاہ
۴	عادل آباد	محمد تغلق	نمبر۳ کے جنوب	سنہ ۱۳۲۵ء	ثانی نے سنہ ۱۴۳۲ء میں بنایا تھا
			مشرق میں		سلیم گڑھ جس کو اسلام شاہ
۵	جہاں پناہ	ایضاً	جس میں نمبر۱ و ۲	سنہ ۱۳۲۷ء	نے سنہ ۱۵۴۶ء میں بنایا تھا۔ یہ
			شامل ہیں		سب مقامات غالباً اپنے زمانے
۶	فیروز آباد	فیروز شاہ	دہلی کے جنوب	سنہ ۱۳۲۷ء	میں بطور عارضی دار الحکومت
			میں ایک میل پر		کے تھے لیکن ان کو مستقل
۷	پرانا قلعہ	ہمایوں	دہلی کے جنوب	سنہ ۱۵۳۳ء	شہر سے تعبیر نہیں کر سکتے
			میں تین میل پر		کلوکھری وہیں تھا جہاں اب
۸	شاہ جہان	شاہجہاں	دہلی حالیہ	سنہ ۱۶۴۸ء	اس نام کا گاؤں ہے۔ خضر آباد
	آباد				جمنا کے کنارے کلوکھری کے
					جنوب مشرق میں ایک میل پر تھا۔
					مبارک آباد کی نسبت کہتے
					ہیں کہ وہ بھی جمنا کے کنارے
					خضر آباد کے قریب تھا۔

فہرست سلاطین ہند و ہم عصر سلاطین انگلینڈ

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ انگلینڈ	سنہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶
		پہلا خاندان ترک یا غلاماں			
۱	سنہ ۱۲۰۶ء	قطب الدین غلام محمد غوری	جان	سنہ ۱۱۹۹ء	اس فہرست کے نقشہ (۳) میں ہر ہر خاندان کے برسر بڑے بادشاہوں ہی کے نام درج ہیں چھوٹے موٹے چھوڑ دیئے گئے ہیں اسی واسطے نشان سلسلہ مسلسل نہیں ہے بریں ہم ہر ہر خاندان کے بادشاہوں کی پوری تعداد بھی معلوم ہوسکتی ہے۔
۳	سنہ ۱۲۱۰ء	التمش نمبر ۱ کا غلام	ہنری سوم	سنہ ۱۲۱۶ء	
۴	سنہ ۱۲۳۶ء	فیروز شاہ پسر نمبر ۳			
۵	سنہ ۱۲۳۶ء	رضیہ دختر نمبر ۳			
۶	سنہ ۱۲۴۰ء	بہرام شاہ پسر نمبر ۳			
۸	سنہ ۱۲۴۶ء	محمد غوری پسر نمبر ۳			
۹	سنہ ۱۲۶۶ء	بلبن نمبر ۳ کا غلام	ایڈورڈ اول	سنہ ۱۲۷۲ء	
۱۰		کیقباد نمبر ۹			
		دوسرا خاندان خلجی			
۱	سنہ ۱۲۹۰ء	جلال الدین			
۲	سنہ ۱۲۹۶ء	علاء الدین پسر نمبر ۱	ایڈورڈ دوم	سنہ ۱۳۰۷ء	
۳	سنہ ۱۳۱۶ء	مبارک پسر نمبر ۲			
۵	سنہ ۱۳۲۰ء	خسرو خاں			
		تیسرا خاندان تغلق			
۱	سنہ ۱۳۲۰ء	تغلق شاہ			
۲	سنہ ۱۳۲۴ء	محمد بن تغلق پسر نمبر ۱	ایڈورڈ سوم	سنہ ۱۳۲۷ء	
۳	سنہ ۱۳۵۱ء	فیروز شاہ نمبر ۱ کا بھتیجا			
			ریچرڈ دوم	سنہ ۱۳۷۷ء	

سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۲	۳	۴	۵	۶
	محمود نمبر ۲ کا پوتا	ہنری چہارم	سنہ ۱۳۹۹ء	
چوتھا خاندان سادات				
سنہ ۱۴۱۴ء	خضر خاں	ہنری پنجم	سنہ ۱۴۱۳ء	
سنہ ۱۴۲۱ء	مبارک شاہ پسر نمبر ۱	ہنری ششم	سنہ ۱۴۲۲ء	
سنہ ۱۴۳۴ء	محمد شاہ نمبر ۱ کا پوتا			
پانچواں خاندان لودھی (افغان)				
سنہ ۱۴۵۰ء	بہلول لودھی	ایڈورڈ چہارم	سنہ ۱۴۶۱ء	
سنہ ۱۴۸۸ء	سکندر لودھی پسر نمبر ۱	رچرڈ سوم	سنہ ۱۴۸۳ء	
سنہ ۱۵۱۸ء	ابراہیم لودھی پسر نمبر ۲	ہنری ہفتم	سنہ ۱۴۸۵ء	
		ہنری ہشتم	سنہ ۱۵۰۹ء	
چھٹا خاندان مغل				
سنہ ۱۵۲۶ء	بابر			
سنہ ۱۵۳۰ء	ہمایوں پسر نمبر ۱			
وقفہ۔ افغانان				
سنہ ۱۵۴۰ء	شیر شاہ نے ہمایوں کو بدر کیا۔			
سنہ ۱۵۴۵ء	اسلام شاہ پسر نمبر ۱	ایڈورڈ ششم	سنہ ۱۵۴۷ء	
		ملکہ میری	سنہ ۱۵۵۳ء	

نشان سلسلہ	سنہ	نام بادشاہ	نام ہم عصر بادشاہ	سنہ	کیفیت
۱	۱	۳	۴	۵	۶
		خاندان مغلیہ دو باس			
[illegible]	[illegible]	ہمایوں کی واپسی			
[illegible]	[illegible]	اکبر پسر ہمایوں	ملکہ الزبتھ	سنہ ۱۵۵۸ع	
		جہانگیر پسر نمبر ۲	جیمس اول	سنہ ۱۶۰۳ع	
	[illegible]	شاہجہان پسر نمبر ۳	چارلس اول	سنہ ۱۶۲۵ع	
	[illegible]	اورنگ زیب	کرامول پروٹکٹر	سنہ ۱۶۵۳ع	
		[illegible] دوال کرے	[illegible]	سنہ ۱۶۶۰ع	
			جیمس دوم	سنہ ۱۶۸۵ع	
			ولیم و میری	سنہ ۱۶۸۹ع	
		شاہ عالم بہادر شاہ پسر نمبر ۶	ولیم اور میری	سنہ ۱۶۸۹ع	
			کوئین این	سنہ ۱۷۰۲ع	
		جہاندار شاہ پسر نمبر ۷			
۹	سنہ ۱۷۱۳ع	فرخ سیر نمبر ۸ کا بھتیجا	جارج اول	سنہ ۱۷۱۴ع	
۱۲	سنہ ۱۷۱۹ع	محمد شاہ نمبر ۹ کا بھانجا	جارج دوم	سنہ ۱۷۲۷ع	
۱۳	سنہ ۱۷۴۸ع	احمد شاہ پسر نمبر ۱۲			
۱،۴	سنہ ۱۷۵۴ع	عالمگیر ثانی پسر نمبر ۱۳			
۱۵	سنہ ۱۷۵۹ع	شاہ عالم پسر نمبر ۱۴	جارج سوم	سنہ ۱۷۶۰ع	
۱۶	سنہ ۱۸۰۸ع	اکبر شاہ ثانی پسر نمبر ۱۵	جارج چہارم	سنہ ۱۸۲۰ع	
۱۷	سنہ ۱۸۳۷ع	بہادر شاہ پسر نمبر ۱۶	ولیم چہارم	سنہ ۱۸۳۰ع	
		آخری بادشاہ خاندان مغلیہ	کوئین وکٹوریا	سنہ ۱۸۳۷ع	

۰۹۶

الٰہی آشنائے نام خود گرداں زبانم را
ز بسم اللہ زینت بخش گلزار بیانم را

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۤىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ

باب پہلا

دلی ہندوؤں کے عہد میں

...پرست کے ...علق روایات

دلی شہر کے جنوب میں جو چٹیل میدان پڑے ہیں اُن کا منظر ایک عجیب و غریب بھیانک نظارہ ہے۔ جہاں دیکھو ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کے کھنڈر ہی کھنڈر ہیں۔ جن میں اِکا دُکا کوئی گنبد کھڑا ہے یا کہیں کسی گری پڑی عمارت ...باقی ماندہ حصہ نظر آتا ہے۔ جا بجا مسجدیں ہیں۔ جن میں سے کوئی گر کر زمین کے برابر ہو گئی۔ کوئی آدھی ...ڑ گئی اور جو رہ گئی ہے وہ گرنے کو تیار کھڑی ہے۔ کسی میں کوڑے کرکٹ کے انبار لگے ہوئے ...یں تو کسی میں گدھے لوٹ رہے ہیں۔ نہ اُن کا کوئی والی وارث ہے نہ پرسانِ حال۔ نہ اُن ...کے گرد اب کچھ آبادی ہے نہ اُن میں اب کوئی نماز پڑھنے والا رہا۔ زمانے نے اِن بنی بنائی ...رتوں کی یہ گت بنائی ہے اور زمانہ ہی اُن کا رہا سہا نام و نشان بھی مٹا دے گا۔ غرض اِس ویران خطے ...دیکھ کر دل میں عجب طرح کا ہول اور وحشت پیدا ہوتی ہے۔ پرانی دلّی اور تغلق آباد کی فصیلیں گو اب ...ی کچھ کچھ باقی ہیں مگر دلّی کے نام سے جو اور کئی شہر آباد تھے اب اُن کا نام و نشان بھی صفحۂ

ﮯ یہ (چند) بستیوں کی خبریں ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ اِن میں سے (بعض) تو اس وقت تک قائم ...یں۔ (اور بعض) اُجڑ بچھڑ (گئیں)، ۱۲۰

دنیا سے ایسا مٹ گیا ہے کہ اُن کی وسعت اور صحیح حدود کا اندازہ لگانا بھی آج موجب خلجان ہے۔
اِس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس زمانے کے حکمرانوں کو کیا سوجھی تھی کہ اچھے خاصے بنے بنائے معمور و محفوظ شہروں کو جن کی حفاظت کے لیئے ہزارہا روپیہ خرچ کر کے سنگین اور عالیشان فصیلیں بنی بنائی موجود تھیں اور کسی قسم کا خدشہ غنیم کا بھی نہ تھا خواہ مخواہ کیوں چھوڑ دیا کرتے تھے اور کیوں اُن کی فصیلوں اور عمارتوں کا ڈھا کر دور بھی نہیں وہیں پاس کے پاس اور دوسرا شہر بسا لیتے تھے درآں حالیکہ ہندوستان میں متعدد قدیم شہر اور بستیاں جہاں بنی تھیں ویں کی وہیں صدہا برس سے کھڑی ہیں نہ وہ اپنی جگہ سے ہٹائی گئیں نہ لوگوں کو زحمت نقل مکان ہوئی۔ کیا وجہ تھی جو پُرانی بستیوں کی درستی اور توسیع نہ کر کے از سر نو بالکل جداگانہ شہر بسائے
اِس سوال کے جواب کے لیئے پہلے یہ غور کرنا چاہیئے کہ کسی شہر کے آباد کرنے کے لیئے مقدم ضرورتیں کیا ہیں ؟

ہندی کی ایک پُرانی کہاوت زبان زد خاص و عام چلی آتی ہے کہ نئے شہر کے لیئے سب سے پہلے تین چیزوں کی ضرورت ہے یعنی دریا۔ بادل اور حاکم۔ ہندوستان جیسے گرم ملک میں پانی کے بغیر زندگی وبال ہے۔ برسات کا پانی بڑے بڑے تالابوں میں گھیر لینے سے چھوٹی موٹی بستی کی معمولی ضرورتیں رفع ہو سکتی ہیں مگر بڑے شہروں میں دریا کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ علاوہ اس کے اہل ہنود دریاؤں کو متبرک سمجھتے اور اُن کی پرستش کرتے ہیں اور خاص خاص تہواروں پر اُن میں اشنان کرنے کو موجب خیر و برکت ثواب اور عبادت سمجھتے ہیں اور اِسی سبب سے ہندوستان کے بیشتر بڑے بڑے شہر جیسے متھرا۔ قنوج۔ الہ آباد۔ بنارس وغیرہ وغیرہ دریاؤں کے کنارے پر بسائے گئے ہیں۔ چوں کہ دِلّی کا تعلق جمنا سے تھا۔ اِس شہر کو دریا کے قریب کے لحاظ سے کئی بار شمال مشرق کی طرف کھسکانا پڑا۔

قدیم زمانے میں جمنا پُرانی دِلّی سے کچھ دور نہ تھی لیکن دریا بتدریج مشرق کیطرف ہٹتا چلا گیا چنانچہ اب تک بھی دریا آہستہ آہستہ کھسکتا چلا جا رہا ہے۔ بالخصوص گزشتہ صدی میں بہت زیادہ ہٹ گیا ہے۔ ڈینیل صاحب کی کتاب **اورینٹل سینری** مطبوعہ سنہ ۱۷۹۳ء میں **قدسیہ باغ** کا ایک نقشہ دیا ہے جس میں جمنا باغ سے ملی ہوئی بہہ رہی ہے حالاں کہ اب برسات میں بھرپور جانے کی حالت میں بھی باغ سے کہیں دور ہے۔

ہندوستان کے دریاؤں کی بالعموم یہی حالت ہے کہ وہ اپنا کورس بدلتے رہتے ہیں

آمد اور دریا برد کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اسی وجہ سے ریل کے پل بعض بعض مقامات پر
کے اپنی پرانی جگہ چھوڑ دینے سے بیکار ہو گئے ہیں۔ دریاؤں کے کناروں کی زمین
جدھر پانی کا چڑھاؤ ہوا یا دھار پڑی وہیں کاٹ دیا۔ چنانچہ موسم بارش اور گرمیوں
پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے تو یہ دریا اس قدر چڑھ جاتے ہیں کہ ان کے پاٹ کا کہیں
نہیں رہتا۔ بعض بعض جگہ میل میں بھر کی پاٹ کی چوکان ہو جاتی ہے۔ غرض جدھر پانی
ہوئی بس اُدھر ہی دھار پڑ گئی اور بہنے لگے۔ جا بجا غار پڑ جاتے ہیں اور جب اُتر جاتا
تہ پر تہ مٹی کی چھوڑ جاتا ہے اور ڈھیروں مٹی چڑھ کر دونوں طرف کناروں کی زمین بلند ہوتی
جاتی ہے اور جب طغیانی کم ہو جاتی ہے یا بارش معمولی ہوتی ہے اور بہت چڑھاؤ نہیں ہوتا
دونوں طرف کے کراڑے اونچے ہونے سے دریا پیٹے کے اندر ہی اندر بہتا ہے لیکن
سندھ میں ایک خاص ندرت ہے کہ کناروں کے ساتھ ساتھ اس کی تہ کی سطح بھی
چلی آتی ہے اور اس وجہ سے اس کا پھیلاؤ کئی کئی میل میں رہتا ہے اور مصنوعی پشتے بنا کر
اس کو قابو میں حدود کے اندر روکے رہنے کا ایک بڑا بھاری کام سندھ کی آبپاشی
انجینیر کے ذمے رہتا ہے۔ معمولی موسم میں پانی اُتر جانے سے دریا کی بہت سی
دھاریں پڑ جاتی ہیں۔ جن کے بیچ بیچ میں جا بجا خشک زمین نکل آتی ہے۔ لیکن ایسے مقامات
دھلاؤ ضرور ہوتا ہے۔ اور دریا کا پانی برابر کوٹتا چلا جاتا ہے۔ اور مٹی کے بڑے بڑے
کراڑوں سے کٹ کٹ کر گرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے دریا کے چھانٹوں کا
رستہ بدل جاتا ہے اور کہیں دھار پڑ کر پانی استادہ فصل اور کھیتوں کو بہا لے جاتا ہے۔ اور
پانی گڑھوں میں ٹھیر جاتا ہے اور زیادہ ہوا تو جھیل بن جاتی ہے چنانچہ مسٹر ایف
ای سپرنگ سی آئی ای جو اس خاص مسئلہ اراضی دریا برد و دریا بر آمد کے
ماہر ہیں لکھتے ہیں کہ "دریا کی وادی میں ایک ایکڑ زمین بھی ایسی نہ نکلے گی۔ جسے کسی نہ کسی
دن دریا نہ کاٹ دے گا۔ اور پھر بتدریج وہ لوٹ اور گاد سے بھر نہ جائے گی"۔

پس دریائے جمنا کا بہاؤ بھی اس کلیئے سے مستثنیٰ نہ تھا اور چونکہ اس زمانے میں
سے الگ کر جمنا بہتی تھی تو کیا عجب ہے کہ اس کے بعض بعض سطح حصے بھی غرق آب
ہو جاتے ہوں اور اسی وجہ سے پرانی دلی کا رستہ کسی نے بھی بسایا ہو) قطب مینار
کے پاس مرتفع حصہ پہاڑی زمین کا دیکھ کر آباد کیا جانا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اسیطرح

یہ بھی ممکن ہے کہ اندرپرست جس کی آبادی کو تین ہزار تین سو برس کا ایک قرن گزرا کون جان سکتا ہے کہ دریا نے کیا کیا رنگ بدلا ہوگا۔ اِس زمانے میں البتہ جمنا کے کورس میں کوئی نمایاں اور عاجلانہ تبدیلی نہیں ہوئی تاہم جب سلیم گڑھ کا قلعہ بنا ہے تو اُس سے بھی جمنا کا رُخ مشرق کی طرف ہٹ گیا۔ کوہ ہمالیہ کے وسیع اور گھنے جنگلوں کی صفائی اور بے شمار درختوں کے کٹ جانے سے اگلے زمانے کی سی وافر برسات اب نہیں ہوتی اور اس کے سوا بڑی بڑی نہریں کاٹ لینے سے دریا میں اب کچھ دم نہیں رہا اس لیے آج جو ہم جمنا کی حیثیت ایک معمولی ندی کی سی دیکھتے ہیں اس پر سے اُس زمانے کی جمنا کی صحیح حالت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دوسرے دریاؤں کی حالت پر نظر کرتے ہم اُس تغیر تبدل کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو اُس زمانے میں رہا ہوگا۔

واقعات تاریخی اور مشاہدات دونوں باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ گزشتہ صدیوں میں دریا کے کورس میں بہت کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ حضرت ترکمان شاہ صاحب جمنا کے کنارے رہتے تھے اور وہیں آپ ۱۲۴۰ء میں مدفون ہوئے اور رضیہ سلطانہ بھی اِسی سال جمنا کے کنارے دفن ہوئی چنانچہ یہ دونوں مزار اس وقت ترکمان دروازے کے پاس ہیں جو جمنا سے بہت دُور ہیں۔ مبارک شاہ نے ۱۴۳۳ء میں شہر مبارک آباد کی بنا جمنا کے کنارے ہی ڈالی تھی اور وہیں مجاہد پور میں دفن ہوا جس کا مقبرہ موجود ہے۔ اجمیری دروازے سے شروع ہو کر ترکمان دروازے تک جو پہاڑی نالہ ہے وہ بالکل دریا کا ایک حصہ معلوم دیتا ہے۔ مسٹر فنچ جو جنوری ۱۶۱۱ء میں دہلی میں تھا اِسی نالے پر حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس بارہ پُل ہونا اور اس نالے کا جمنا کا ایک پھاٹک ہونا لکھا ہے۔ اِس کے علاوہ درگاہ روشن چراغ دہلی کے احاطے کی دیوار کے پاس جو دررا ہے وہ بھی ایک پُرانا نالہ معلوم دیتا ہے۔ ہمارے اِس خیال کی تائید اُس مقام کے دیکھنے سے بھی ہوتی ہے جہاں کہ پرانی دِلّی کی فصیل سے قطب روڈ تقاطع کرتی ہے۔ یہ جگہ بالکل دریا کا پُرانا پیٹا معلوم دیتی ہے۔ مزید براں قطب مینار کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ کسی راجہ کی بیٹی جمنا کا درشن کیئے بغیر کھانا نہ کھاتی تھی اور دریا تھا دور۔ روز آنے جانے کی بڑی مصیبت تھی اِس لیئے راجہ نے یہ مینار بنوا دیا کہ اِس پر چڑھ کر وہ جمنا کا درشن بہ آسانی کر لیا کرتی تھی۔ اِس سے بھی معلوم ہوا

یا ضرور پرے ہٹ گیا تھا۔ اب رہی یہ بات کہ نہر نکالنے سے دریا کا زور گھٹتا ہی یا نہیں اِس کا
ت خود ظاہر ہی۔ لیکن اِس کا کھلا ثبوت بھی موجود ہی کہ ۱۸۴۰ء میں جب **فیروز شاہ**
ئی ہوئی نہر دوبارہ کھولی گئی تو **متھرا** میں ایک دم سے دریا ۷ فیٹ اُتر گیا۔ یہ بھی تاریخ
ابت ہی کہ **فیروز آباد** کا شہر بھی پہلے نہر نکالی گئی جب بسایا گیا۔ اب ناظرین خود تصفیہ
) کہ دلّی کی آبادی کو بار بار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں دریا کے قرب و بُعد
س درجے دخل تھا۔ اور اِس میں بھی شک نہیں کہ دریا کے ہٹ جانے سے شہر
کے اندر کے سارے کنوئیں اور تالاب خشک ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں قدیم فصیلوں
ندر روز افزوں اور وسیع آبادی کس طرح رہ سکتی تھی۔ پس اصلی وجہ دِلّی کی آبادی
بار بار ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹانے کی صرف دریا کا گھٹنا بڑھنا۔ اور پانی کا بہ آسانی
کی کوشش تھی اتنا بڑا بھاری کام محض بادشاہوں کی لہر بہر اور تلوّن مزاجی کا نتیجہ

ں عہد ہنود میں

آب ہم آپ کے سامنے دِلّی کی وہ حالت پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں کے تسلط سے پہلے اہل ہنود کے عہد میں تھی۔ دِلّی کی قدیم بستی **اندرپرست** کا مفصل حال **رامائن** میں موجود ہی۔ جو اسی سرزمین پر تھا اور جس کے لیے
بھاری بھاری خوں ریز لڑائیاں لڑی گئی ہیں۔

دِلّی کے نام کے ماخذ کے متعلق ہم اِس کتاب کی جلد دوم میں کئی وجوہ بیان کر چکے
۔ جس سے معلوم ہوگا کہ اِس خطے کا اصلی اور قدیم نام **دِلی** نہ تھا بلکہ اُس نے
ام بدلے ہیں۔ دِلّی ہندوؤں کا رکھا ہوا نام ہی جسے بعد میں مسلمانوں نے **دہلی**،
با۔ ایک وجہ تسمیہ زیادہ تر دل کو لگتی ہوئی یہ بھی ہی کہ ہندی زبان میں **دِل** کے معنے
م مرتفع کے ہیں اور چوں کہ یہ شہر ایک اونچی جگہ پہاڑی پر بسا ہوا ہی اِس واسطے
کہلایا۔ اِس شہر کا سب سے پہلا اور قدیم نام اندرپرست ہی جسے **پانڈو برادران**
بڑے بھائی **یدھشٹر** نے بسایا تھا۔ **مہابھارت** میں جو اِس کی تفصیل ہی اُس
تصل یہ ہی کہ **پانڈوؤں** اور **کوروں** میں باہمی تقسیم شروع ہوئی تو کوروں نے
وؤں کو ملک کا وہ حصہ دیا جو **کھنڈو پرست** کے صحرائے وسیع پر شامل تھا اور جو
ستناپور کوروں کی قدیم راج دھانی سے بجانب مغرب و جنوب کی طرف کوئی

پچاس میل کے فصل سے کرکشیتر کے میدان میں واقع تھا اور خود کوروؤں نے ہستناپور کے پاس کا حصہ اپنے پاس رکھا۔ یہ صحرا اندر کے مقبوضات خاص میں تھا۔ جس میں راجگان تحشک بستے تھے۔ جن کو آخرکار ارجن اور کشن نے اگنی دیبی کی مدد سے جلاکر خاک سیاہ کردیا۔

اِس مقام پر جو راجہ یدھشٹر نے ایک نیا شہر بنایا تھا اُسی کا نام اندرپرست تھا۔ جس میں متعدد عالی شان محلات تھے اور اندر کی راجدھانی امراوتی کی طرح یہ بھی آباد تھا۔ اندرپرست کی شان و شوکت اور عظمت کا حال مہابھارت میں بہت کچھ لکھا ہے اور اِس کو سرزمین پر ایک بہشت کہا ہے۔ بہرحال پانڈوؤں کے عہد میں اندر پرست کے شہر نے بہت ترقی کی اور خوب پھلا پھولا اور اُس زمانے کا ایک بہت بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا چنانچہ مہابھارت میں اِسے پروتم یعنی سب سے بڑا شہر لکھا ہے۔ اسی شہر کے اور مختلف نام سکرپرست۔ سکرپوری۔ ست کرت پرست۔ کھنڈواپرست۔ بھی تھے۔ پہلے چار نام تو اندرپرست ہی کے ہم معنی ہیں اور آخری نام اُس جنگل اور بن کی مناسبت سے پڑا جس میں کہ یہ شہر بسایا گیا تھا۔ اس شہر میں بڑے بڑے معرکے واقعات اور جشن ہوئے۔ اسی شہر میں انی رُودھا کے بیٹے وجر کی تخت نشینی بھی ہوئی جو یادو خاندان کا راجہ تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ ایسے بڑے آباد شہر کو پانڈوؤں کے سردار یدھشٹر نے خود بخود چھوڑ دیا جس کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ جس میں سے ایک ناقابل قیاس وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ایک دن جو راجہ یدھشٹر نے کھانے پر سے سرپوش اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ اندر ایک مکھی بیٹھی ہوئی ہے۔ مکھی کو دیکھ کر دل میں گھن آگئی اور شہر چھوڑ دیا۔ گو زمانہ حال کے لوگ اسے ایک لغو اور مہمل بات سمجھیں۔ کیوں کہ مکھی کوئی ایسی چیز نہیں وہ تو دم کے ساتھ لگی ہوئی ہے لیکن انسان ایک خیال کا پتلا ہے ذہن میں جو بات بیٹھ جائے۔ مکھی جیسی حقیر چیز اور اُس کی یہ جرأت کہ ہمارے کھانے پر بیٹھ جائے۔ بس اب ایسے مقام پر رہنے کا کیا مزہ۔ جھٹ شہر چھوڑ چھاڑ یدھشٹر جنگلوں میں نکل گیا اور ہمالیہ کے پہاڑوں ہی میں اُس کا کام تمام ہوگیا دِلّی والوں کا عام خیال اب تک یہ ہے کہ اندرپرست نام کا شہر اسی جگہ تھا جہاں کہ اب پُرانا قلعہ ہے۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ خیال کیوں جاگزیں ہوا۔ اکثر مورخین

بھی تھوڑے تامل کے ساتھ اِس روایت کو تسلیم کر لیا ہے۔ مگر اِس بات کو وہ بھی
م نہیں کرتے کہ پرانے قلعے کی فصیل ہندوؤں کے زمانے کی ہے۔ بلکہ یہ بات درجۂ یقین
ڑ گئی ہے کہ یہ فصیل ہندوؤں کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔

ایک صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ مہابھارت میں جس **نگمبود گھاٹ** کا ذکر آیا
وہ درحقیقت **شاہجہان آباد** کے نگمبود دروازے کے باہر ہی تھا۔ ممکن
ایسا ہی ہو تاہم اِس میں کسی شک کا محل نہیں کہ کچھ بہت صدیاں نہیں گزریں کہ جمنا
جگہ بہتی تھی۔ پس شہر اندرپرست کی جگہ جو بر بنائے ... بات قدیم اب متعین
ن ہے وہ چنداں بعید القیاس نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ امر
بھی ہے۔ کہ اِس زمانے میں اندرپرست کی آبادی کا کوئی نشان یا علامت باقی نہیں
غیر اندرپرست کی اصلی جگہ دریا برد کہیں جو رہی ہو۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ لیکن اِس
و کسی کو بھی کلام نہیں کہ اِس نام کا ایک بڑا بھاری شہر ۱۴۲۵ ق۔ م۔ میں آباد ضرور

روز زمانے کے تاریخی حالات

مشکل یہ آن پڑی ہے کہ اہل ہنود کے پاس اِس زمانے کی کوئی تاریخ موجود نہیں کہ یہ زمانہ **کلجگ** کہلاتا ہے اور کلجگ کا دور اس قابل نہ تھا کہ اِس کے واقعات قلم بند کیے جاتے۔ اب سے
ے کے اِس زمانے کے کچھ حالات اگر دستیاب ہو سکتے ہیں تو وہ یا تو کچھ ستونوں
وش ہیں یا کچھ تانبے کے پتروں پر کندے ہیں۔ لیکن اِن میں یہ دقت آن
ہے کہ یہ کتبے بیشتر امور مذہبی سے متعلق ہیں یا بودھ مذہب کے فرامین اور احکام
ت ہیں۔

تاریخی حالات سے یہ سب ساکت ہیں۔ دلی کا نام پہلے پہل بھاٹوں کے کبتوں میں
چنانچہ ایک کبت میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ (۹۲) برس تک دلّی اُجاڑ رہی اِس میں
بستا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد جا کر کہیں پھر آباد ہوئی۔ **لوہے کی لاٹ** کا قصہ
لوگ کہتے ہیں کہ یہ لاٹ جس پر **چندر گپت** اور **بکرماجیت** کا تعریفی کتبہ
پہلے متھرا میں تھی۔ تنوار خاندان کے راجہ **اننگ پال** نے پہلے تو دِلّی میں لال

اِس سے اصل دہلی یعنی اندرپت اور اننگ پال کے پُرانے قلعے کی آبادی مراد نہیں ہے جو موجودہ
(بقیہ نوٹ بر صفحہ ...)

کوٹ بنایا اور پھر اِس لات کو متھرا سے لاکر ۱۰۵۲ء میں اُن مندروں کے بیچ میں کھڑا کیا جن کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے قطب کی بڑی مسجد قوت الاسلام بنائی - اِس لاٹ کے ایک کتبے سے ہم کو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۵۲ء میں اننگ پال نے دِلّی بسائی تھی - لیکن ماہرینِ فنِ آثار قدیمہ جن کے قول مستند ہیں دوسرے سے اِس ستون کو ہی تیسری یا چوتھی عیسوی صدی کا قرار دیتے ہیں - کیوں کہ اِس پر جو سب سے پرانا کتبہ ہے اُس کی تحریر کی روش اُسی زمانے کی ہے - اس لحاظ سے کم و بیش ایک صدی کا فرق آن پڑتا ہے - جو زیادہ تر قابل لحاظ نہیں - ۱۰۵۲ء اور تین سو برس ہی ہو تو ان دونوں اور ۲ ۹ ۷ میں کوئی ایسا بڑا فرق نہیں پڑتا - اس لیے بھاٹوں کے کبت بلحاظ تعین زمانہ صحیح معلوم دیتے ہیں - آہنی ستون کے قیام حالیہ پر استادہ کیے جانے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ستون کے کھڑے کرنے سے پہلے شہر کا وجود رہا ہوگا کیوں کہ یہ ستون ایسا بھاری ہے! جہاں کہیں بھی پہلے پہل کھڑا کیا ہوگا وہ مقام اِس جگہ سے جہاں کہ اب کھڑا ہے کچھ بہت زیادہ دور نہ رہا ہوگا - اِس لیے کبت کے جس لفظ کا ترجمہ محض "تعمیر کیا گیا" کیا ہے اگر بجائے اِس کے "دوبارہ تعمیر کیا گیا" کیا جاتا تو زیادہ درست ہوتا - لیکن قدیم مورخین میں سے کسی نے بھی اِس امر پر قلم فرسائی نہیں کی اور بالکل ساکت ہیں -



یونانی مورخین جنکا ذریعۂ علم وہ لوگ ہیں جو سکندر اعظم کے ساتھ ۳۲۷ ق - م میں ہندوستان میں آئے تھے وہ متھرا کا ذکر تو کرتے ہیں - مگر دِلی یا اسی کے لگ بھگ اور کسی نام کا ذکر تک نہیں - جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود سکندر اعظم دریائے بیاس سے آگے نہیں بڑھا - رہے مورخین انھوں نے کچھ چشم دید حالات تو لکھا نہیں بلکہ سماعی طور پر لکھا ہے - اِس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ دلی اگر اُس زمانے میں ہوگی بھی تو وہ بالکل

(سکندر اعظم)

ایک معمولی سی بستی ہوگی جس کے خاص طور پر ذکر کرنے کی کوئی ضرورت خیال نہیں کی گئی۔
آرین (Arrian) مورخ جس نے سکندر اعظم کے جانشین سلیوکس

نوٹ بقیہ صفحہ ۷ یہ شہر دہلی سے تین میل کے فاصلے پر متھرا کی سڑک پر واقع ہے۔ بلکہ اس سے پتھورا کے قلعے اور لال کوٹ کی آبادی مراد ہے جو موجودہ قطب کی لاٹ کو گھیرے ہوئے تھا۔ لال کوٹ کو اننگ پال دوم نے سمت ۱۱۰۹ مطابق ۱۰۵۲ء میں بنایا تھا۔ چنانچہ لوہے کی لاٹ پر یہی تاریخ درج ہے۔

پرتھی راج المعروف بہ رائے پتھورا نے شہر کو اور بڑھا کر لال کوٹ کو اس کے اندر بطور قلعے کے لے لیا تھا۔ لال کوٹ کی دیواریں کہیں کہیں اب بھی موجود ہیں۔ اس کا محیط سوا دو میل کا تھا اور دیواریں تیس فیٹ موٹی اور خندق سے لے کر چوٹی تک ساٹھ فیٹ اونچی تھیں۔ رائے پتھورا کے قلعے کا محیط ساڑھے چار میل کے قریب ہے لیکن دیواریں لال کوٹ کی دیواروں سے آدھی تھیں۔ ۱۲

نوٹ متعلقہ صفحہ ۹ [1] دلی سے متھرا براہ ریل نوے میل اور آگرے سے تیس میل جی۔آئی۔پی اور بی بی اینڈ سی آئی (ناگڈا متھرا اسکشن) ریلوں کا جنکشن اور ضلع کا مستقر ہے۔ جمنا کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ جس کی آبادی ساٹھ ہزار نفوس ہے۔ شہر میں روئی کے پریس اور جننگ فیکٹریاں ہیں۔ یہ شہر دور دور تک پھیلا ہوا اور بہت قدیم ہے اور سنہ عیسوی سے بہت پہلے سے بدھ مذہب کا مرکز تھا۔ متھرا کا ذکر پلینی (Pliny) آرین ٹالمی (Arrian Ptolemy) اور مشہور چینی سیاح فاہیان (Fa Hsian) نے ۴۰۰ ق۔م میں کیا ہے۔ بودھ لوگوں کی بستی اس زمانے کے شہر سے کچھ فصل پر تھی جہاں اب بھی اس زمانے کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ متھرا کا آثار قدیمہ کا عجائب خانہ جس کو گورنمنٹ نے خاص اہتمام سے سجایا ہے دیکھنے کے قابل ہے جس میں یونانی کشن خاندان کے لوگوں کے قد آدم مجسموں کا ایک مجموعہ ہے۔ جنھوں نے پہلی صدی قبل مسیح سے پہلی صدی سنہ عیسوی تک ملک ہند پر حکومت کی تھی۔ یہ مجسمے اسی ضلع میں حال میں رائے بہادر رادھا کشن صاحب مہتمم عجائب خانے کو دستیاب ہوئے ہیں۔ اس عجائب خانے میں پرکھم کا بت بھی ہے جو انیور کے بدھ کی مستند شکل ہے۔

مورا کے کویں کا کتبہ جو افسوس ہے کہ بہت کچھ ناقص ہو گیا ہے۔ دھرو تلا کا ستون اور اسی کے متبرک دروازے کے کتبے کی تختی اور بہت سی پرانی قابل قدر چیزیں ہیں۔ اور اس عجائب خانے کو اس

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

(Seleucus) کے سفیر میگستھنیز (Magasthenes) سے سن کر چندر گپت راجۂ مگدھ (بہار) کا ذکر کیا ہے۔ جو قدیم اندرپرست کے چھوڑنے کے متعلق ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ بات کا فخر حاصل ہے کہ اس میں سب سے قدیم زمانے کی اینٹیں جن پر سنسکرت کے کتبے ہیں۔ ہیں۔ سنہ ۱۰۱۷ء میں محمود غزنی نے حملہ کرکے متھرا کو لوٹا جس نے بہت سے قدیم بتوں اور نوادر اشیاء کو توڑا۔ سنہ ۱۵۰۰ء میں سلطان سکندر لودھی نے جو مندر باقی بچ رہے تھے وہ سب منہدم کر دیئے اس وجہ سے اب جو باقی ماندہ عمارتیں ہیں وہ کچھ ایسی زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ بریں ہمہ بودھ کے زمانے کے چند کھنڈروں کا اب بھی پتہ چلتا ہے۔ اب جو قدیم عمارتیں ہیں وہ یہ ہیں ستی برج سنہ ۱۵۷۰ء۔ جامع مسجد سنہ ۱۶۶۲ء مسجد اورنگ زیب سنہ ۱۶۶۹ء۔ مندر سیرم سنہ ۱۸۰۰ء۔ دوارکا دیس سنہ ۱۸۱۵ء بجے گوبند سنہ ۱۸۶۷ء۔ رادھا کرشن سنہ ۱۸۷۱ء۔ ان مندروں کے باہر وار جو نقش و نگار ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ اورنگ زیب کی مسجد سنگ سرخ کی شہر کے باہر ہے۔ جو وہ مندر توڑ کر بنائی ہے۔ جہاں کرشن پیدا ہوا تھا۔ اسی کے قریب پوٹا کنڈ ہے۔ متھرا سے چھ میل پچواس کی طرف جمنا کے مغربی کنارے پر مہابن کا پرانا شہر ہے۔

یہ مقام اس واسطے مشہور ہے کہ جہاں کرشن کو اس کی دایہ نے (جو واز وجہ نندا) کی شیرخوار لڑکی سے بدل لیا تھا۔ اور اس طرح کرشن کو موت کے منہ سے نکالا کہ اس کے چچا کنس نے مروا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ جمنا کے مشرقی کنارے پر گوکل مشہور مقام ہے۔ جہاں وشنو پہلے پہل کرشن کے اوتار میں زمین پر اترا تھا۔ یہاں ہزارہا جاتری آتے ہیں جن میں کثرت سے گجرات اور بمبئی کے لوگ ہوتے ہیں۔ شمال کی طرف آگے بڑھ کر بندرابن کا متبرک مقام ہے۔ جہاں بے شمار مندر ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اکبر کے زمانے سے پیشتر کا نہیں ہے۔ اور اکبر ہی کے عہد میں اس شہر نے بہت ترقی کی۔ موجودہ مندروں میں مشہور یہ ہیں:۔

گوپی ناتھ سنہ ۱۵۸۰ء اور حال کا سیٹھوں کا بنایا ہوا۔ مدراس کی صناعی کا رنگ جی کا مندر جو پچیس لاکھ کے صرفے سے طیار ہوا ہے۔ مندر کے باہر ایک اونچی عمارت میں رتھ ہے۔ گوبند دیو کا مندر جس کی مرمت گورنمنٹ سے کی گئی ہے۔ بلحاظ عمارت کے نہایت نفیس ہے۔ یہ سنگ سرخ کی ایک بڑی عالی شان اور وسیع عمارت ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اہل ہنود کی کوئی اور ایسی شان دار مذہبی عمارت بالائی حصۂ ہند میں نہیں ہے۔ بندرابن ہندوؤں کی بڑی بھاری تیرتھ گاہ ہے اور پوری

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

آرین لکھتا ہو کہ " ایسے شہر بالعموم دریاؤں کے کنارے بسائے جاتے ہیں۔ جو بجائے پتھر کے لکڑی سے بنائے جاتے ہیں۔ بارش اِس زور کی ہوتی ہو اور دریاؤں میں اِس قدر طغیانی ہوتی ہو کہ دریا اپنے کناروں سے اُبل کر دُور دُور میدانوں میں پھیل جاتے ہیں اور سب برباد کر دیتے ہیں " ۱۸۱ء و ۱۶۱ ق۔م کے مابین گریکو بکٹیرین (Greco Bacterian)۔ افواج نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اِس کے ضمن میں متھرا کے فتح کرنے کا ذکر کیا ہو۔ لیکن اِس موقع پر بھی دِلّی کا مطلق ذکر نہیں آیا۔ حالاں کہ متھرا جاتے وقت دِلّی رستے میں پڑتی تھی۔ ۳۹۰ء و ۴۴۲ء کے مابین تین چینی زوّار بودھوں کے مندروں کی زیارت کو ہندوستان میں آئے تھے۔ اُس زمانے میں بُدھ لوگوں کے بڑے بڑے مندر تھے۔ لیکن اِن کے وقائع میں بھی دِلّی کا نام ونشان نہیں ملتا۔ چینی سیاحوں کے دِلّی کا تذکرہ نہ کرنے سے یہ خیال ہو سکتا ہو کہ دِلّی بُدھ مذہب کی بڑی عبادت گاہ قابل تذکرہ نہ رہی ہوگی اِس وجہ سے چینی سیاحوں نے جو خاص کر بُدھ مذہب کے پُجاری تھے اِس کا ذکر قلم انداز کیا لیکن پھر یہ مشکل آن پڑتی ہو کہ سب سے آخری چینی زوّار ہیوان تھانگ (Hwen Thsang) پہلتے وقت متھرا پر سے تھانیسر جاتے جاتے ضرور دِلّی کے آس پاس سے گزرا ہوگا اور اگر اُس زمانے میں دِلّی کوئی بڑا مقام رہا ہوتا تو وہ ضرور اِس کا ذکر کرتا پر کرتا۔ خیر اِسے بھی جانے دیجیے۔ ۱۰۰۰ء کے قریب کے واقعات ہمارے پیش نظر ہیں کہ جب **محمود غزنوی** نے ہندوستان پر حملہ کر کے **متھرا** اور **قنوج** کو لوٹ ڈالا۔ تب بھی دِلّی کا کہیں نام نہ آیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اُن دِنوں دِلّی کوئی اہم مقام نہ تھا۔ ورنہ محمود غزنوی اُسے کب خالی چھوڑ دیتا۔ ماحصل اِس تمام موشگافی کا یہ ہو کہ دِلّی پہلے پہل ۱۰۰۰ء میں کہیں نہ کہیں آباد ضرور تھی۔ اور اِس خیال سے عموماً اتفاق بھی کیا گیا ہو۔

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ہو تھانیسر اور ہردوار کے ہم رتبہ ہو۔ شہر کے اندر ایک کھلا قطع گیان گوری کہلاتا ہو جس کی ریت میں جاتری لوٹا کرتے ہیں۔ لوگوں کا عقیدہ ہو کہ اِس ریت کی چٹکی کھا لینے سے آدمی ذہین ہو جاتا ہو۔ متھرا سے بندرابن کو لوگ یکوں میں جاتے ہیں۔ اور راجپوتانہ مالوہ ریلوے بھی ہو۔ گوبردھن کا قدیم اور اُس کے مقدس مندر، اور مانس گنگا کا تالاب بھی بڑا تیرتھ کا مقام ہو۔ ۱۲

اور پھر کسی نہ کسی سبب سے جس کا صحیح طور پر ہم کو علم نہیں دلّی کو چھوڑنا پڑا۔ پھر آگے چل کر سنہ ۱۰۲۰ء تک جب کہ محمود غزنوی قطعی طور پر ہندوستان سے چلا گیا۔ دلّی نہیں بسی اور اُسی طرح ویران پڑی رہی۔

ہندوؤں کا راج

اننگ پال[1] تنوار خاندان کا راجہ تھا۔ محمود غزنوی نے قنوج کو لوٹ ڈالا اور کچھ عجب نہیں کہ اِن لوگوں کو اِسی سبب سے جلا وطن ہونا پڑا ہو اور اُس وقت دلی کو اپنی دار السلطنت بنانے کا خیال پیدا ہوا اور ضرور ہے کہ راجہ کے پاس کافی فوج رہی ہو کیوں کہ دلّی بیرونی حملہ آوروں کا معرکۃ الآرا مقام تھا وہاں کے معرکوں کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی گو کہ عارضی طور پر وہاں ان یورشوں سے امن ہو گیا تھا۔ راجہ اننگ پال کی سلطنت شمال میں ہانسی[2] سے شروع ہوتی تھی اور مشرق میں دریائے[3] گنگ تک مغرب میں اجمیر اور جنوب میں آگرے تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

[1] دِلّی کا تُمارا خاندان۔ دلی کے ذیل میں کل وہ شہر شامل ہیں جو مختلف نام سے مختلف حکمرانوں نے بسائے مہابھارت کے اندرپرست کو قطع نظر کیا جائے سنہ ۹۹۳ء کے قبل از دار السلطنت کا وجود متحقق نہیں ہوتا۔ گیارھویں صدی کے وسط میں اننگ پال تُمار (تنوار) خاندان کا راجہ کا پہلا راجہ تھا جس نے اِس نو تعمیر شہر کو خوبصورت عمارتوں سے رونق دی۔ اُس نے ستائیس عمدہ اور نفیس مندر بنوائے۔ جن کے مال مسالے سے ڈیڑھ صدی بعد قوۃ الاسلام کی مسجد قطب صاحب میں بنی اور اِس نے آہنی ستون کو جو ابتداءً متھرا میں اُستادہ کیا گیا تھا۔ یہاں لاکر کھڑا کیا۔ اننگ پال اور اُس کے جانشینوں نے دِلّی کو ایک متوسط درجے کی دار السلطنت بنایا۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تُمارا خاندان والے قنوج پر بھی قابض تھے وہ سراسر غلط ہیں۔ ۱۲۔

[2] یہ شہر اب ضلع حصار میں تحصیل کا صدر مقام ہے۔ موجودہ آبادی سولہ ہزار کے قریب ہے۔ کہتے ہیں کہ اننگ پال تنوار نے اِس کو آباد کیا تھا۔ حصار کے آباد ہونے سے پہلے یہ بھی حاکم نشین جگہ تھی۔ سنہ ۱۷۸۳ء کے قحط میں یہ شہر بالکل اُجڑ گیا۔ سنہ ۱۷۹۵ء میں جارج طامس نے اِس کو پھر آباد کیا اور قلعہ کی از سرِ نو مرمت کر کے اپنی دار الحکومت مقرر کی۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں سرکار انگریزی کے قبضے میں آیا تو یہاں چھاؤنی ڈالی گئی۔ سنہ ۱۸۵۷ء تک چھاؤنی رہی۔ سلطان شہاب الدین غوری۔ سلطان محمود غزنوی اور سلطان مسعود غزنوی کے حملوں کے وقت یہ قلعہ بہت مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ آئین اکبری میں اِس کی نسبت فقط یہ لکھا ہے "قلعہ دار د از خشت پختہ"۔ ۱۲۔

[3] یہ دریا ریاست گڑھوال میں کوہ ہمالیہ سے نکلتا ہے اور ۱۵۵۷ میل بہہ کر خلیج بنگالہ میں جا گرتا ہے گنگوتری

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

رخاندان کے راجاؤں نے تقریباً سو برس تک بلا کسی قسم کے خرخشے کے پرانی دلی
سلطنت کی اپنے عہد میں شہر کے گرد فصیل بنوائی۔ کچھ بند اور تالاب جنوب و مشرق
دلی سے کوئی آٹھ میل کے فصل سے بنوائے۔ ۱۱۵۱ء میں چوہان راجپوتوں کے
یر کے ایک رئیس وشال دیو نے جو زیادہ تر لبسال دیو کے نام سے مشہور ہے۔

نوٹ صفحہ گزشتہ) کی چوٹی جہاں سے ایک چشمہ بھاگیرتی نام نکلتا ہے سمندر سے ۱۳۸۰۰
پہ بھاگوتی اور الک نندا بھاگیرتی کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں تو دریا کا نام گنگا ہو جاتا ہے۔
پریاگ جہاں یہ الک نندا بھاگیرتی سے ملتی ہے اور ہردوار جہاں پہاڑ سے نکلتی ہے اور پریاگ یعنی
زباد جہاں اس میں جمنا ملتی ہے۔ الغرض یہ دریا منبع سے لے کر دہانے تک متبرک سمجھا جاتا ہے۔
وں کے زمانے میں گنگا کے تقدس کا کچھ ذکر نہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ رتبہ اس نے دو
ر برس کے اندر اندر حاصل کیا ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے دریاؤں میں سے سندھ اور
م پترا گنگا سے بھی لمبے ہیں۔ لیکن جس قدر بڑا حصہ اس دریا کا میدان سے گزرتا ہے اور
ں تر دو زمین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس قدر اور کوئی دریا نہیں پہنچاتا۔ سمندر میں داخل ہونے
ے (۲۴۰) میل ورے اس دریا کی بے شمار شاخیں ہو جاتی ہیں۔ مشرقی بڑی شاخ
بگنا کہتے ہیں اور مغربی کو ہگلی۔ ان دونوں کے درمیان اور بے شمار شاخیں ہیں
لیہ اور وندھیاچل پہاڑوں کے درمیان کا تمام پانی اس دریا میں آتا ہے۔ ماہ مئی میں
پانی شروع ہوتی ہے ستمبر میں طغیانی کا بہت زور ہوتا ہے۔ اگرچہ اس دریا سے
ں بڑے بڑے دریا دنیا میں ہیں۔ لیکن جس قدر پانی اس کے شکم سے بہ کر سمندر
ں داخل ہوتا ہے اس قدر پانی اور کسی دریا کے ذریعے سے سمندر میں نہیں پہنچتا۔

ٹ صفحہ ہذا) سلہ سانبھر اور اجمیر کے چوہان۔ تُنوار خاندان کی سلطنت کے
ے صدی بعد وسال دیو (لبسال دیو) سانبھر اور اجمیر (راجپوتانے)
راجہ دہلی پر قبضہ کر کے بڑا طاقتور راجہ ہو گیا تھا۔ نامور پرتھی راج اسی کا بھتیجا تھا جو قنوج کے
جے چند کی لڑکی سنجوگتا کو تخمیناً ۱۱۷۵ء میں بھگا لایا تھا اسی نے پرمال مہوبے کے چندیل راجہ
۱۱۸۲ء میں شکست دی تھی اور مدتوں اسی کی سرکردگی میں ہندوؤں نے مسلمان حملہ آوروں کا
ابلہ کیا۔ بہت سے مورخین کہتے ہیں کہ پرتھی راج کی ماں دلی کے راجہ اننگ پال کی لڑکی تھی لیکن

بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ

دلی پر یورش کی اور فتح کرلیا۔ لیکن بعد میں تنواروں اور چوہانوں میں اِس بات پر صلح ہوگئی کہ تنوار کا راجہ چوہان خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرلے اور اُس کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہو وہ دلی کا راجہ قرار پائے۔ دلی میں چوہانوں کا دور دورہ رہنے کا ثبوت فیروز شاہ کے کوٹلے میں جو راجہ اسوک کا مینار کھڑا ہے۔ اُس کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کتبہ سنہ ۱۱۶۴ء کا ہے اور اُس میں وسال دیو کے عروج کا ذکر ہے کہ اُس کی سلطنت کوہ ہمالیہ سے لے کر بندھیاچل کے پہاڑوں اور دریائے نربدا تک پھیلی ہوئی تھی۔

وسال دیو پرتھی راج کا نانا تھا جو تاریخ میں زیادہ تر رائے پتھورا کے نام سے مشہور ہے۔ رائے پتھورا ہی ہے جس نے لال کوٹ بنایا تھا۔ جس کی فصیلیں اب تک قطب مینار کے نواح میں موجود ہیں۔ پرتھی راج کا نام تاریخ میں اُن معرکۃ الآرا مقابلوں اور مقاومتوں کے لئے بہت مشہور ہے جو اُس کو مسلمان حملہ آوروں کی روک تھام اور مدافعت میں پیش آئیں۔



پرتھی راج یا رائے پتھورا

محمد غوری کا حملہ ہندوستان پر سنہ ۱۱۷۵-۷۶ عیسوی

دنیا کا کچھ عجیب رنگ ڈھنگ ہے کہ اکثر بڑے بڑے نامور بادشاہوں اور فاتحین ہی کو دیکھا گیا ہے کہ اُن کی آنے والی نسلیں اَدبدا کرنا اہل ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ محمود غزنوی کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ اُس کے وافر اور لبریز خزانے۔ عالی شان محلات۔ بے انتہا دھن دولت اور خود وہ ملک جو اُس نے اپنی قوت بازو اور بل بوتے سے فتح کئے تھے سب ہی کچھ اُس کے دونوں بیٹوں محمد اور مسعود کو ملا۔ لیکن افسوس ہے کہ دونوں میں ایک بھی اپنے باپ کی طرح کا نہ نکلا۔ ان دونوں میں آپس میں کٹا چھنی شروع ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی طاقت میں ضعف آگیا۔ ؎

قوت اور امن خوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق
ثمرۂ نا اتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۱؎ زیادہ تر قرین قیاس یہ ہے کہ جنوب میں جو چیڑی کے راجہ تھے اُن کے خاندان کی راج کماری تھی ۱۲

اور ضعف کا لازمی نتیجہ ہوا کہ اُن کو اُن کے ہم سرحد سلجوقیوں نے آن دبایا۔ مسعود نے (جس نے اپنے بھائی کو کھول کر دیا تھا) جان بچانے کے لیئے پنجاب میں آکر پناہ لی خاندان غزنوی نے سلجوقیوں سے سمرھیانہ کا نبٹھ لیا۔ امیر سبکتگین کی نسل کا آخری بادشاہ خسرو ملک تھا۔ جس نے ۱۱۸۶ء تک سلطنت کی۔ غزنی میں ترکی بادشاہوں کو سلطنت کرتے ہوئے کوئی ڈیڑھ سو برس ہوئے تھے کہ غور کے افغانوں نے اُن کو زیر کیا۔ غور افغانستان کے شمال مغرب میں ایک چھوٹا سا ملک غزنی اور ہرات کے درمیان ہے۔ انھوں نے ۱۱۸۶ء ختم نہ ہونے پایا تھا کہ غزنوی خاندان کو پنجاب سے نیست و نابود کر دیا۔ خاندان غور اور غلامان اور اُس کے بعد کے لوگ دہلی کے پٹھان[1] بادشاہ کہلاتے ہیں۔ جن کا مختصر حال یہ ہے کہ محمد غوری (شہاب الدین) جو غیاث الدین غوری کا چھوٹا بھائی امیر لشکر اور حاکم غزنی تھا۔ غزنی کا انتظام کرکے ۱۱۷۵ء میں ملک ہندوستان کی تسخیر پر آمادہ ہوا۔ محمود غزنوی کی طرح یہ بھی بڑا دلاور اور جنگ جو تھا۔ اس نے عمر بھر شمالی ہند پر حملے کیئے۔ اِن دونوں میں صرف فرق اتنا تھا کہ اس کا منشا خراج وصول کرنا اور ہندوستان سے دولت سمیٹ لے جانا نہ تھا بلکہ یہ ہندوستان کو فتح کرکے یہاں اپنی مستقل سلطنت قایم کرنا چاہتا تھا۔ پہلے اس نے ملتان[2] پر حملہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ملک سندھ کی رانی سے سازش کرکے اچھ[3] پر قبضہ کر لیا ۱۱۷۸ء میں گجرات پر حملہ آور ہوا لیکن انھیل واڑے کے راجہ سے شکست کھائی۔ انھیل واڑے کا نام انھیل پٹن بھی ہے اور اب تو صرف پٹن[4] ہی کہتے ہیں جو چالوکیہ خاندان



سلطان محمد غوری

[1] افغانوں ہی کو پٹھان بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ایک سب سے بڑی قوم افغانستان کے علاقے پختانہ یا پٹھانہ سے آئی تھی اور پختو یا پشتو زبان بولتے تھے۔ یہ سب مسلمان تھے۔ تنو مند جنگ جو اور پہاڑوں کے رہنے والے۔ یہ ہندوؤں سے قد آور اور زیادہ قوی تھے اور اِن پر زور و قوت سے حکومت کرتے تھے۔ ۱۲۰ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کا راج دھانی تھا۔ ۱۱۸۶ء میں خسرو ملک لاہور کے بادشاہ کو قید کرکے غزنی بھیج دیا اور
وہاں اُس کا کام تمام کردیا اور اِس طرح پنجاب اور سندھ پر بلا غل و غش قابض ہوگیا۔ خسرو کے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۔ ملتان بہت قدیم شہر ہے۔ سکندر بن فیلقوس کے وقت میں یہ شہر قوم ملی کا دار الخلافہ تھا۔ لیکن جنرل کننگھم کی رائے میں اُس کی وجہ تسمیہ سورج دیوتا کا مندر ہے جس کے سبب سے یہ شہر ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ ۶۴۱ء ہجری میں ہیوان تھانگ ایک چینی سیاح ہندوستان میں آیا تو بھی یہ مندر موجود تھا۔ اور اُس وقت ملتان کے شہر کا دَور پانچ میل تھا۔ چاچنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۱۳ء میں جب محمد قاسم ثقفی نے اِس شہر کو فتح کیا اُس وقت تک بیاس اِس ضلع کے جنوب اور مشرق تک بہتا تھا اور راوی قلعے اور شہر کے بیچ میں بہتی تھی۔ بلاذری (۸۷۵ء) نے بھی اِس بت کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ تمام سندھ کے ملک سے جاتری یہاں آتے تھے۔ ڈاڑھی اور سر منڈوا کر مندر کا طواف کرتے تھے۔ ابو زید اور مسعودی نے جو ہم عصر تھے (۹۲۰ء) اِس مندر کا ذکر کیا ہے۔ اصطخری (۹۵۰ء) لکھتا ہے کہ اِس مندر کی تعظیم کے سبب کوئی دشمن جو ہندو مذہب کا ہوتا تھا۔ اِس شہر پر حملہ نہیں کرتا تھا۔ اُس وقت میں یہ مندر عین بازار کے چوک میں واقع تھا۔ ابن حوقل (۹۷۶ء) کہتا ہے کہ یہ بت آدمی کی شکل کا ہے اور ایک چبوترے پر بیٹھا ہوا ہے۔ آنکھوں میں دو جواہرات لگے ہوئے ہیں اور باقی جسم پر سُرخ کھال منڈھی ہوئی ہے یہ معلوم نہیں اُس کا جسم کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ ابن حوقل کے تھوڑے دن بعد قرامطہ نے اِس شہر کو فتح کیا اور اِس مندر کو توڑ ڈالا اور اُس کی جگہ ایک مسجد بنوا دی۔ جب ابو ریحان ملتان میں آیا تو یہ بت موجود نہیں تھا۔ لیکن اور لیسی نے (۱۱۳۰ء) پھر اِس کا ذکر کیا ہے۔ اور لیسی کے وقت میں بھی راوی شہر کے نیچے بہتی تھی موسیو تھیونو ایک فرانسیسی سیاح ۱۶۶۶ء میں اورنگ زیب کے وقت میں آیا تھا وہ بھی اِس سورج کی مورتی کا ذکر کرتا ہے۔ اور اُس کا بھی وہی بیان ہے جو ابن حوقل نے کیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے اُس بت خانے کو توڑ کر اُس کی جگہ وہ مسجد قلعے میں بنوا دی تھی جو مول راج کے زمانے میں محاصرۂ ملتان کے وقت بطور میگزین کے استعمال کی جاتی تھی اور آگ لگنے سے اڑ گئی۔ جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ میں نے ۱۸۵۳ء میں اُس کے کھنڈرات دیکھے تھے وہ قلعے کے عین وسط میں تھے۔ اُس سے عربی مورخوں کی تصدیق ہوتی ہے کہ مندر عین بازار کے وسط میں واقع تھا تیمور کے وقت تک دریائے راوی شہر اور قلعے کے دونوں طرف بہتا تھا۔ اور اُس کی ایک شاخ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے بعد اور کوئی اسلامی طاقت شہاب الدین کے لئے موجود نہ تھی - اور میدان خالی تھا اس لئے اُس نے ہندوؤں کے قلع قمع کا بیڑا اُٹھایا - اُس زمانے میں شمالی حصّہ ہند میں راجپوتوں کی چار طاقت ور سلطنتیں تھیں یعنی دہلی - اجمیر - قنوج - اور گجرات جن

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے دونوں کے بیچ میں بہتی تھی - پہلاؤ پوری کا مندر جو اب قلعے میں ہے اُس کا سورج دیوتا کے مندر سے کچھ تعلق نہیں - ممکن ہے کہ سورج کنڈ کا مندر جو شہر سے پانچ میل ہے اُس کا بقیہ ہو - شاہ رکن عالم کا مقبرہ اِس شہر میں ایک عجیب چیز ہے - کُل بلندی سو فیٹ ہے اور پچاس فیٹ کی بلندی پر وہ تعمیر کیا گیا ہے - کہتے ہیں غیاث الدین تغلق نے اپنے واسطے بنایا تھا - لیکن محمد شاہ تغلق نے وہ شاہ رکن عالم کو دے دیا تھا - موجودہ شہر کی آبادی مع چھاؤنی کے اسی ہزار کے قریب ہے - ۱۲

۵۲ اب یہ شہر بہاول پور کی ریاست میں دریائے پنجند کے کنارے واقع ہے - ملتان سے ستر میل ہے - پہلے زمانے میں دریائے سندھ اور پنجاب کے پانچوں دریا اوچھ کے پاس ملتے تھے - اب چالیس میل نیچے مٹھن کوٹ کے قریب ملتے ہیں - کننگھم صاحب کی رائے ہے کہ یہ شہر سکندر اعظم نے آباد کیا تھا - ناصرالدین قباچہ کے وقت میں یہ شہر سندھ کا دارالخلافہ تھا - سادات بخاری اور گیلانی اِس شہر میں رہتے ہیں - سید جلال بخاری اور مخدوم جہانیاں کے مزار اس شہر میں ہیں - مزار کے دروازے پر یہ تاریخ درج ہے:-

تاریک گشت جملہ جہاں بےجلال شاہ ✤ تاریخ بود ہفت صد و ہشتاد پنج سال

بہ اصلیں ہے سال ولادت کی نسبت یہ شعر لکھا ہے:-

ہفت صد ہفتاد سالِ ہجری بود ✤ کاں مہ برج دیں طلوع نمود

۵۳ پٹن کا قدیم نام اجودھن تھا - باوا فرید کی خانقاہ کے سبب سے اِس کو اکبر بادشاہ کے حکم سے پاک پٹن کہنے لگے - پہلے "پٹن فرید" کہتے تھے - اب یہ شہر دریائے ستلج سے دس میل کے فاصلے پر شمال میں ہے - پہلے دریا اُس کے نیچے بہتا تھا - ملتان سے ہندوستان کو جاتے ہوئے دریائے ستلج کو مسافر اِسی جگہ عبور کرتے تھے - اب ضلع منٹگمری میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے - ہر سال محرم کے مہینے میں باوا فریدالدین شکر گنج کے مزار پر بڑا بھاری میلا ہوتا ہے - جس میں ساٹھ ستر ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں - ہر شخص بہشتی کھڑکی میں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے قصبہ کی آبادی چھ ہزار کے قریب ہے -

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

راجپوتوں کے فرقہ ہائے تنوار- چوہان- راٹھوڑ اور بھگیلوں کی حکومت تھی۔

دہلی کے تنوار خاندان کے راجہ کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اُس نے اپنے نواسے پرتھی راج کو جو شکیل اور بہادر جوان اور چوہانوں کا سرتاج تھا گود لیا۔ راٹھوڑوں کا راجہ جے چند بھی تنوار خاندان کی لڑکی کا نواسہ تھا۔ جب اس کے نانا نے اسے چھوڑ کر اس کے خالہ زاد بھائی پرتھی راج کو گود لے لیا جو اُس سے چھوٹا تھا تو اس نے اپنی بڑی حق تلفی سمجھی اور پرتھی راج سے سخت حسد کرنے لگا۔ اور ان دونوں کا بگاڑ ہی راجپوتوں کی سلطنت کی بربادی کا باعث ہوا۔ جب دلی کا راجہ مرا تو پرتھی راج ہی دہلی اور اجمیر دونوں گدیوں کا مالک ہوا۔ پرتھی راج نے اجمیر کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور دہلی کی حکومت اپنے بھائی **کھانڈے راؤ** کے سپرد کی۔ **محمد غوری** پنجاب سے آگے بڑھ کر بھٹنڈے تک آن پہنچا اور **سرہند** کا قلعہ فتح کر لیا۔ یہاں سے محمد غوری واپسی کا قصد کر رہا تھا کہ رای پتھورا کی لشکر کشی کا غلغلہ سنا تو سنہ ۱۱۹۱ء میں خود بھی پیشقدمی کر کے آگے بڑھا۔

تلاوڑی کی پہلی لڑائی سنہ ۱۱۹۱ء

[illegible] نے اپنے ساتھ [illegible] راجہ اور اکٹھے کر لیے جن میں جے چند شریک [illegible] ہوا [illegible] اور تین ہزار زنجیر فیل لے کر رای پتھورا آگے بڑھا۔ دلی سے [illegible] میل ادھر **تھانیسر** سے چودہ میل **تارائن** کے مقام پر جو اب **تلاوڑی** کہلاتا ہے اور دریاے **سرستی**[1] کے کنارے واقع ہے۔ اِس

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ آئین اکبری میں اس شہر کو قصبہ اجودھن لکھا ہے اور تاریخ فرشتہ میں پٹن بابا فرید [illegible] بابا فرید گنج شکر خواجہ جمال الدین سلیمان کے فرزند تھے۔ خواجہ جمال الدین کابل سے کوٹ کرور میں آئے اور وہاں حضرت مولانا وجیہ الدین خجندی عباسی کی دختر سے آپ کا نکاح ہوا۔ آپ نے قصبہ کھتوال میں جو [illegible] تحصیل میلسی ضلع ملتان میں چاولی مشائخ کے نام سے مشہور ہے۔ وطن اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ خواجہ جمال الدین سلیمان فرخ شاہ کابلی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصلی نام مسعود تھا اور لقب فریدالدین عرف بابا صاحب۔ آپ کی وفات (۹۵) سال کی عمر میں روز شنبہ ۵ محرم سنہ ۶۶۹ھ میں ہوئی۔ اور شاہ عبدالحق صاحب نے سنہ ۵۶۹ھ سال ولادت اور سنہ ۶۶۴ھ سال وفات لکھا ہے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ [1] قدیم تاریخوں میں [illegible] کا نام سرستی لکھا ہے۔ آئین اکبری [illegible] ممکن ہے کہ دریاے سرستی پر واقع ہونے کے سبب اس کا اصلی نام [illegible]

میدان میں ایک معرکہ عظیم برپا ہوا۔ جس وقت بادشاہی فوج راجپوتوں کے قلب لشکر پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کا میمنہ میسرہ شکست کھا کر بھاگا۔ مگر سلطان کچھ رفیقوں سمیت میدان میں جما رہا۔ کھانڈے رائے نے ہاتھی بادشاہ پر ریلا۔ بادشاہ بھی گھوڑا جھکا کر بڑھا اور نیزے کا ایسا ہاتھ مارا کہ دانت توڑ کر اُس کے منہ میں اُتر گیا۔ مگر بادشاہ کے بھی سیدھے بازو پر تیر کا کاری زخم لگا اور قریب تھا کہ پشت زین سے جدا ہو جائے۔ یہ کیفیت دیکھکر ایک خلجی بچہ اُس کے پیچھے ہو بیٹھا۔ اور گھوڑے کو مہمیز کر کے [illegible] سے [illegible] نکال لے گیا۔ بادشاہی لشکر کے قدم اُکھڑ گئے اور شکست فاش ہوئی اور [illegible] فوج تتر بتر ہو گئی اور ہندوؤں نے بھگوڑے لشکر کو ایسا دبایا کہ برابر چالیس میل تک اُن کا تعاقب کرتے چلے گئے۔ اور جو افغان زندہ بچے سندھ کے پار بھاگ گئے۔ چندے توقف کر کے سلطان نے غزنی کی جانب کوچ کیا اور وہاں پہنچ کر [illegible] کو سخت سزائیں دیں غوری سرداروں اور سپہ سالاروں کی بڑی [illegible] کی توبرے [illegible] بھروا کر اُن کے منہ پر چڑھا دیئے اور گدھوں کی طرح اُن کو شہر [illegible] پھرایا۔ ظاہر اعتبار [illegible] کا نقشہ جما اور اپنے آپ کو بے پرواہ [illegible] مگر درحقیقت اس نام بانی کا بڑا دلی صدمہ [illegible] غار کھائے بیٹھا تھا۔ اور چپکے چپکے لشکر کی درستی اور جنگ کے تہیوں [illegible] مصروف تھا۔

راجپوتوں نے [illegible] مردانگی ادا کیا کہ اتنی بڑی لڑائی جیت لی۔

اشومیدھ یگ اور سوئمبر

راے پتھورا غنیم کے خطرے سے فارغ البال ہو کر فتح کا نقارہ بجاتا اپنی راجدھانی میں آ بیٹھا۔ جے چند اُس کی راج کی [illegible] تو پہلے ہی سے تھی اور اب اور زیادہ خلش بڑھ گئی۔ اِس کے بعد جے چند نے دور و نزدیک سب جگہ مشہور کر دیا کہ پرتھی راج کوئی چیز نہیں۔ بلکہ میں خود ہندوستان کے راجپوت راجاؤں کا سب سے بڑا راجہ دھیراج ہوں۔ اس لئے ایک بڑی ضیافت کی تیاری آرین زمانے کے کھتریوں کی ایک قدیم رسم کے مطابق **اشومیدھ یگ** (گھوڑے کی قربانی)

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے عوام کے مشہور ہو گیا ہو۔ جو لوگ اِس کی وجہ تسمیہ راجہ سارس کے نام سے مشہور کرتے ہیں غلط ہے۔ موجودہ شہر ۱۸۳۲ء میں فقیر سیپی نے آباد کیا تھا۔ اب اُس کی آبادی سترہ ہزار [illegible] قریب ہے۔ پرانا شہر جو ۱۷۲۶ء کے قحط میں برباد ہو گیا تھا موجودہ شہر کے جنوب مغرب میں بستا تھا اب بھی [illegible] [illegible] تے ہیں۔ پہلے اِس شہر کے نیچے دریائے گھگر کی ایک شاخ بہتی تھی اب وہ خشک ہو گئی ہے۔ ۱۲

کی بڑی بھاری تقریب کا اعلان کیا۔ اِس جشن کا آئین یہ تھا کہ گرد و نواح کے چھوٹے بڑے
سب راجہ مدعو کیئے جاتے تھے اور وہ ہر قسم کی خدمتیں اپنے ہاتھ سے بجالاتے تھے
جے چند نے رائے پتھورا کو زک دینے کے لیئے دربانی خدمت اِس کے نام زد کی۔ خیر اِس
بات کو تو یہیں رہنے دیجئے۔ اب ایک اور مزے دار ذکر سنیئے۔ حُسنِ اتفاق سے اِسی
تقریب کے ساتھ ساتھ جے چند نے اپنی نہایت حسین لڑکی **سَم یکتا** کے سوئمبر
کی رسم بھی ٹھیرا دی۔ یہ رسم اپنے پتی (شوہر) کے پسند کرنے کی تھی۔ یہ بھی کھتریوں کی
ایک قدیم رسم تھی۔ جس کے ذریعے سے کوئی راج کماری اُن راج کماروں میں سے جو
اُس کے باپ کے دربار میں آتے تھے اپنا شوہر پسند کر لیتی تھی۔ جیسا کہ **سیتا** نے
رام چندر جی کو چن لیا تھا۔ سم یکتا کے حُسن و جمال کا شہرہ چار دانگ عالم میں مشہور
تھا۔ جس کی تعریفیں بھاٹ اپنے کبتوں میں گاتے پھرتے تھے۔ پرتھی راج یہ سب
تعریفیں بلکہ اِس سے بھی زیادہ **چاند** شاعر سے جو اُس کے دربار کا کلاونت تھا سن کر
عاشق ہو گیا تھا۔ سم یکتا بھی پرتھی راج کے حسن و جمال شجاعت اور دلیری کے افسانے
سُن کر غائبانہ شیفتہ اور فریفتہ ہو چکی تھی۔ گو دونوں کا آپس میں قریبی رشتہ تھا۔ مگر
ایک نے دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پرتھی راج کی ایک بڑھیا دایہ تھی۔ جس نے
اِسے پالا تھا وہ اُس سے کوئی بات چھپاتا نہ تھا۔ اُس نے اپنے دل کا بھید اُس بڑھیا سے
کہا اور اُس سے صلاح لی کہ میں کیا تدبیر کروں جو وہ مل جائے۔ باپ اُس کا میرا جانی دشمن ہے۔
پھر کیا تدبیر حصول مقصد کی ہے۔ بڑھیا نے ترکیب بتلائی۔ رائے کی ایک تصویر ہاتھی دانت پر کھینچی
ہوئی اپنے ساتھ لے قنوج کی راہ لی۔ یہ بڑھیا قنوج کی بیگمۂ باشی رانی کی بھی نوکر رہ چکی تھی۔
جے چند کے دربار میں پہونچی۔ جانی بوجھی تو تھی ہی جھٹ نوکر ہو گئی اور منہ مانگی مراد ملی کہ راج
کماری سم یکتا ہی کی خدمت اس کے سپرد ہوئی۔ جب اچھی طرح جم جا گئی تو جس غرض
سے آئی تھی۔ وہ بات چھیڑی پرتھی راج کا تعشق اور بے قراری کے اظہار کے ساتھ
تصویر بھی پیش کی۔ راج کماری کے دل میں پہلے ہی عشق کی آگ بھڑک رہی تھی وہ
پرتھی رائے کی طرح داری اور دلاوری کے کارنامے سُن چکی تھی اور خوب جانتی تھی کہ اِس
نے کیسے جیوٹ کا کام کیا ہے کہ افغان حملہ آوروں کو نیچا دکھایا۔ اِس لیئے راج کماری نے
دل میں ٹھان لی کہ جس طرح بھی ہوگا۔ بس اِسی سے شادی کروں گی۔ بڑھیا کا کام بن گیا

اُسے اُلٹے پاؤں پھیری اور راجہ کو مژدۂ وصال پہنچایا۔ پرتھی راج کو ادھر سے اطمینان ہوا مگر مشکل یہ تھی کہ حصول مقصد کی کیا صورت نکالے۔ آخر کار عزم بالجزم کر لیا کہ ع

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

چاہے میری جان ہی کیوں نہ جائے اِس سونے کی چڑیا کو تو ضرور لاؤں پر لاؤں۔ اِسی اثنا میں جے چند کا فرمان آیا جس میں پرتھی راج کو بھی ضیافت میں بلایا گیا تھا اور اُس کے نام حکم تھا کہ دربانی کی خدمت انجام دے۔ اِس سے پرتھی راج کے تن بدن میں آگ لگ گئی کیونکہ وہ جے چند کو کسی حال میں بھی اپنے سے بڑا نہیں گنتا تھا۔ پھر خدمت گاری اور وہ بھی دربانی جس پر ہمیشہ ادنیٰ درجے کی ذات کا آدمی مقرر کیا جاتا ہو صریحاً ایک بڑی تذلیل تھی۔

غرض بڑے بڑے راجہ مہاراجہ جمع ہوئے اور سم یکتا کو اجازت دی گئی کہ اِن میں سے جسے چاہے اپنا شوہر منتخب کرے۔ سارے راجہ جو سم یکتا کی خواستگاری کو آئے تھے اِن سے قنوج کا دربار بھر گیا اور ہر راجہ کو اِس میں جگہ ملی۔ لیکن راے پتھورا جسے دربان بننا چاہیئے تھا۔ اُس کا پتہ نہ تھا۔ اِس لیئے جے چند نے بجائے اُس کے ایک سنہری بُت بنوا کر دروازے پر کھڑا کر دیا اور اُس کا نام پرتھی راج دربان رکھا۔ اس پر کچھ راجہ ہنس پڑے لیکن اِن سب کو معلوم تھا کہ وہ بڑا من چلا اور آن بان کا شخص تھا اس طرح جو اُس کی ... بگڑی ہوئی ہے ضرور یہ ہتک خون کی بارش سے ہی دُھلے گی۔ اگرچہ جے چند کو پرتھی راج کا کچھ پتہ نہ تھا۔ مگر پرتھی راج بھلا ایسے موقع پر کب چوکنے والا تھا۔ چاند کو جو بڑا عالی حوصلہ اور جری سپاہی تھا۔ اور ایک سو نہایت چیدہ چیدہ اِن سوروں سواروں ساتھ لے فقیروں کا لباس پہنے مثل عام تماشائیوں کے بھیڑ بھاڑ میں جا شامل ہوا۔ کسی نے خیال بھی نہ کیا کہ یہ کون ہیں مگر یہ اپنے کپڑوں کے تلے آہنی ہتیار چھپائے ہوئے تھے اور پاس ہی کے جنگل میں اپنے گھوڑے چھوڑ گئے تھے۔ آخر کار سب اُمیدوار ایک صف میں کھڑے کیئے گئے اور سم یکتا اپنے شوہر کے انتخاب کے لیئے اُٹھی۔ باپ نے اِسے ایک نہایت پر تکلف پھولوں کا ہار دیکر کہا کہ جس راجہ کو اپنا پتی بنانا چاہتی ہو اُس کے گلے میں ڈال دینا۔ سم یکتا بڑے خرام ناز سے اِدھر اُدھر دیکھتی بھالتی سرداروں اور راجاؤں کی قطار میں سے ہوتی ہوئی گزری۔ ہر شخص کا دل بالشتوں اُچھل رہا تھا کہ دیکھیئے کس کی تقدیر جاگتی ہے۔ سم یکتا کی نظر جسے ڈھونڈتی تھی

وہ اس مجمع میں نہ تھا۔ یوں کہنے کو ایک سے ایک اعلیٰ خوش رو جوان کھڑے تھے۔ ع

من ایک ہی سے لاگا ہزار و کھڑے

سم یکتا دزدیدہ نگاہوں سے اپنے عاشق صادق کو تلاش کر رہی تھی اِس طرح وہ دروازے تک جا پہنچی اور سنہری مورت کے گلے میں جھٹ سے ہار ڈال ہی دیا۔ یہ مورت اُسی دربان کی تھی جسے اِس کے باپ نے حقارت سے پرتھی راج کا قائم مقام قرار دیا تھا۔ یہ خبر جب جے چند نے سُنی بہت آزردہ ہوا اور فوراً سم یکتا کو محل سے بدر کرکے ایک مکان میں نظربند کر دیا۔

پرتھی راج کا سم یکتا کو بھگا لانا

پرتھی راج تو دور کھڑا یہ سارا ماجرا دیکھ ہی رہا تھا ع دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی۔ تاب نہ رہی فوراً حملہ کرکے دروازے پر جا پہنچا۔ ع

برق تھی سرسر تھی یا تھا زلزلہ + واہ رے جانباز تیرا حوصلہ

راجکماری کو اپنے طاقت ور بازو سے اُٹھا کر جھٹ گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا دن دہاڑے لے کر چلا۔ کھیلا یہ کیا منہ کا نوالا تھا۔ محل میں ایک ادھم مچ گئی۔ قنوج کے سورماؤں کی بھی رگ حمیت جوش میں آئی۔ تعاقب کرکے راہ میں جا لیا۔ پانچ دن تک لڑائی رہی۔ وہ رن پڑا اور وہ کھانڈا بجا کہ دلاوروں کے خون سے زمین رنگین ہوگئی۔ اگرچہ رائے کے سب جاں نثار کام آئے اِلّا اُس لعل بے بہا کو ہاتھ سے نہ دیا۔ مرکٹ کر دلی تک لے ہی پہنچا۔ پھر تو بڑی دھوم دھام سے اُن کی شادی ہوئی۔ اب کیا ٹھکانا تھا۔ اِس واقعے سے راٹھوڑوں اور چوہانوں میں سخت عداوت ہو گئی۔

راجپوتوں نے اپنی سلطنت کیوں کر کھوئی

جب قنوج کے راجہ جے چند نے دیکھا کہ وہ زور اور قوت سے پرتھی رائے پر غالب نہیں آسکتا تو اُس کے غصّے کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُس نے ایک بڑی کمینہ اور رذیل حرکت کی جو کسی طرح ایک شریف راجپوت کے شایاں نہ تھی۔ اِس نے سلطان محمد غوری کو لکھا اور اِس اَمر کی تحریک کی کہ وہ ایک دفعہ پھر دلی کے راجپوتوں پر حملہ کرے۔ مثل مشہور ہے کہ دو کی لڑائی میں تیسرے کی بھلائی۔ محمد غوری اِسی تاک میں ہی تھا۔ کہ موقع پاؤں تو اپنا بدلہ لوں اور اپنی پیشانی سے شکست کا داغ مٹاؤں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔

تلاوڑی کی

جے چند کی تحریک نے رسنجاس کا کام کیا۔ وہاں کیا دیر تھی طیار تو بیٹھا ہی تھا

دوسری لڑائی اور پرتھی راج کا مارا جانا سنہ ۱۱۹۳ء

سنہ ۱۱۹۳ء میں دوبارہ ڈیڑھ لاکھ سوار جرّار لے کر چلا لیکن کسی پر اپنا مقصد ظاہر نہیں کیا۔ پشاور پہنچ کر ایک بوڑھے سپاہی نے عرض کیا: "خداوندا! اِس لاؤ لشکر سے تو کسی بڑی مہم کے آثار نظر آتے ہیں۔ پھر امرا ء سے اِس راز کے مخفی رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟" بادشاہ نے ایک آہِ سرد بھر کر کہا: "اے پیرِ مرد! جس دن سے میں نے راجپوتوں کے مقابلے میں زک پائی حریمِ دولت میں بستر کو پیٹھ نہیں لگائی۔ ہنوز خون آلودہ پیراہن نہیں بدلا جو لڑائی کے وقت میرے تن پر تھا۔ آج تک امیروں کا منہ نہیں دیکھا جو مجھ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اب غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو دشمن سے انتقام لوں یا سرِ میدان کٹا کر جان دوں۔" پیرمرد نے دعائے خیر دے کر کہا: "علاجِ وقت یہ ہے کہ امراء کی تقصیر معاف فرمائیے۔ اُن کا رتبہ بڑھائیے تاکہ آئندہ سُرخ رو ہونے کے لیے پچھلے قصور کا بدل کریں۔" بادشاہ نے اِس کی صلاح مان لی۔ ملتان پہنچ کر ایک دربار کیا۔ لشکر کے سرداروں کو جمع کر کے اُن کے حال پر مہربانی فرمائی اور اپنا دلی منشا سمجھایا۔ سب نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر عہد و پیمان کو تازہ کیا۔ لاہور پہنچ کر رائے کے نام نامہ لکھا گیا کہ یا تو ہماری اطاعت قبول کرو یا جنگ و پیکار کے لیے تیار ہو۔ جب پیکِ سلطانی درِ دولت پر حاضر ہوا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ خبر گوش گزار کرے۔ چند ابھاٹ جو منہ چڑھا تھا سات ڈیوڑھیاں طے کر کے راجہ کے حضور میں پہنچا اور سلطان کی یورش کا حال بیان کر کے اُس کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ سم یکتا بھی سنتی تھی جس کی بدولت رائے کی یہ بُری گت بنی تھی۔ کہنے لگی کہ "مہاراج! بس اب بزمِ عیش کو تہ کیجیے اور بزمِ رزم کو آراستہ فرمائیے اور ملک و دولت کو ترکوں کی ترک تازی سے بچائیے۔" اُس وقت تو رائے نے پیکِ سلطانی کو سخت جواب دے کر واپس کیا مگر خود ہمہ تن جنگ کی تیاری میں مشغول ہوا۔ قرب و جوار کے راجاؤں کو خبر دوڑائی۔ عرصۂ قلیل میں لاکھوں سورما راجپوتوں کا ایک ٹڈی دَل لشکر اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ جب کوچ کی گھڑی سر پر آن کھڑی ہوئی تو رانی سم یکتا نے اپنے نازک ہاتھوں سے زرہ بکتر پہنایا۔ ہتھیار بدن پر سجائے۔ رائے کا آخری دیدار دیکھا اور آہِ سرد بھر کر بادیدۂ پرنم اپنے پیارے شوہر کو رخصت کیا۔ جے چند اور راٹھور رائے پتھورا کو اَدھر میں چھوڑ کر تماشہ دیکھتے رہے۔ یہ نادان عقل کے دشمن اتنا نہ سمجھے

کہ ہماری اِس اہم معرکہ آرائی سے دست کشی نہیں ہے بلکہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا
اور مسلمانوں کے لیئے رستہ صاف کرنا ہے۔ اِدھر کوچ کے ڈنکے پر چوب پڑی اُدھر
رانی کا کلیجہ دہل گیا۔ راجہ اہلِ خاندان کو وداع کر کے راجپوت سرداروں کے ساتھ
رنجیت دروازے سے نکلا۔ لشکر کو کوچ کا حکم سنایا اور منزل بہ منزل تھانیسر
کے اُسی میدان میں جا پہنچا جہاں کہ دو سال پہلے ایک خوں ریز جنگ ہوئی
تھی۔ دریائے سرسوتی کے وارپار دونوں لشکر خیمہ زن ہوئے۔ رائے
پتھورا نے بادشاہ سے کہلا بھیجا کہ "تم کو اپنی جان دوبھر ہے سو ہے مگر دوسری
خلق اللہ کی جانوں پر رحم کرو کہ وہ نہنگ اجل سے بچیں۔ مشہور ہے کہ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ[لہ]
بادشاہ ایک چال چلا اور کچھ ڈھیل دی یہ پیچھے میں آ گئے سمجھے کہ صلح کے آثار
ہیں۔ یہ اِسی خوابِ غفلت میں رہے۔ اُدھر پَو نہ پھٹنے پائی تھی کہ سلطانی لشکر دریا
کو عبور کر کے فضائے مبہم کی طرح آن دھمکا اور طبلِ جنگ بجایا۔ جب یہ لوگ چونکے
تو غنیم کو سر پر موجود پایا۔ ایک گروہ نے جھٹ پٹ آگے بڑھ کر غنیم کو روکا اِتنے
میں سارا لشکر صف بستہ ہو کر سامنے آ گیا۔ بادشاہی لشکر چار حصوں پر منقسم تھا
ہر حصہ باری باری سے حملہ کرتا تھا۔ مگر دلاور راجپوت بھی ایسا جی توڑ کر جیوٹ سے
لڑے کہ ترکوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ سلطانی لشکر ظاہرا شکست کی صورت
بنا کر پیچھے ہٹا راجپوتوں نے تعاقب شروع کیا تو اُن کی ترکیب درہم برہم ہو گئی۔
اُس وقت سلطانی فوج نے پلٹ کر تازہ دم فوج سے پھر حملہ کیا لیکن یہ تدبیر بھی راست
نہ آئی۔ فتح و شکست کا فیصلہ کچھ نہ ہوا۔ جب آفتاب سر پہ آیا اور لو چلنے لگی تو رائے
نے درختوں کے سائے میں پناہ لی۔ ڈیڑھ سو راجہ مہاراجہ اُس کے گرد جمع ہوئے
سب نے تلواروں پر ہاتھ رکھ کر کے عہد و پیمان کیا۔ آخر دم تک لڑنے کی قسم
کھائی۔ شربت پیا۔ پان کا بیڑا چبایا۔ تُلسی کی پتی زبان پر دھری۔ پیشانی پر قشقہ
زعفرانی کھینچا اور ذرا دم لیا۔ جب کسی قدر دن ڈھل گیا اور آفتاب کی تمازت
کچھ کم ہوئی تو بادشاہ بارہ ہزار سوار خاصہ سے لے کر اپنی جگہ سے ہلا۔ سواروں کے
سروں پر مرصع خود۔ بدن میں فولادی جوشن۔ ایک ہاتھ میں تلوار ایک میں نیزہ۔ باگیں

لہ لڑائی بھی ایک چال بازی کا نام ہے۔ ۱۲

اُٹھائے کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے دریائے مواج کی طرح اُمنڈ آتے۔ اِس پُرزور حملے سے راجپوتی سپاہ میں کچھ ایسا تلاطم برپا کیا کہ یکایک ہوا اُکھڑ گئی اور چشم زدن میں بساط اُلٹ گئی اور کچھ سے کچھ ہوگیا۔ وہ شان دار فوج جو پہاڑ کی طرح جمی کھڑی تھی دم کے دم میں تہ و بالا ہوگئی۔ بڑے نامی گرامی سردار مثل چوندر رائے وغیرہ کے کام آئے اور رای پتھورا بھی گرفتار ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہیں اُسے بھی مار ڈالا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں قید کرکے غزنی بھیج دیا اور وہیں اُس کا خفیہ طور پر کام تمام کردیا جب سردار ہی نہ رہا تو بن سری فوج کیا ٹھیر سکتی تھی۔ اور کسکا سہارا پکڑتی چوطرف بھاگڑ بھچ گئی ؎

جہاں کل سپہدار تھے حکمراں کھڑے تھے جہاں ترچھے بانکے جواں
جہاں کل تھے فیلانِ جنگی ہزار کُداتے تھے گھوڑے جہاں شہسوار
جہاں پاسباں کل تھے للکارتے پرندے بھی ڈرتے تھے پر مارتے
وہاں آج لاشوں کے انبار ہیں پڑے ہر طرف سینہ افگار ہیں
وہ سر جس پہ تھا کل جواہر کا تاج وہ ہی خاک اور خوں میں آلودہ آج

رانی سنجوگیتا دم دم کی خبریں منگاتی تھی۔ جب اِس حادثۂ جانکاہ کی سُنائونی آئی تو اُس نے زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ چتا میں بیٹھ اپنے تن نازنین کو آتش سوزاں کے حوالہ کیا تھوڑی دیر میں مشت خاکستر کے سوا اِس کا کچھ نام و نشان بھی باقی نہ رہا ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تونے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

مرا بہ مرگِ عدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

جے چند کا خاتمہ سنہ ۱۱۹۴ عیسوی

جے چند نے جب یہ خبر سُنی تو پھولوں جامے میں نہ سمایا مگر اس کی خوشی بہت دیرپا نہ تھی اگلے ہی برس محمد غوری اپنی فوج لے کر پھر آیا اور اِس دفعہ اُس نے قنوج کے راجہ جے چند پر چڑھائی کی تاکہ اُسے اُس دغابازانہ غداری کی سزا دے جو اُس نے نہ صرف اپنے بھائی رائے پتھورا

سنہ نوٹ نمبر ۱۰ و ۱۱ کے لیے دیکھو صفحۂ آئندہ ۱۰۔

کے ساتھ بلکہ اپنے ملک کے ساتھ کی تھی۔ دریائے **جمنا** کے کنارے اٹاوے کے پاس **چاندواڑ** مقام پر جنگ ہوئی۔ دہلی اور اجمیر کے راجپوتوں میں سے ایک بھی اِس کی کمک کو نہ آیا۔ بھلا اکیلا افغانوں کے جرّار لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ آخر کار شکست کھائی اور آنکھ میں تیر لگ کر مارا گیا۔ **بنارس** اور **قنوج** فتح ہوئے اور لوٹے گئے اب کیا تھا بہار اور **بنگال** کا رستہ مسلمانوں کے لیئے کھُل گیا۔ ہزار سے زیادہ مندر گرائے ایک بنارس ہی میں ہزار بت توڑے اور لوٹ کے مال سونے چاندی کے اسباب سے چار ہزار اونٹ لاد کر وہاں سے افغانستان کو لے گئے۔

ہندوؤں کی سلطنت کا خاتمہ

راجپوت سلطنتیں یوں مغلوب ہوئیں اور سن ۱۲۰۰ء سے افغان بادشاہوں نے ہندوستان کے راجپوتوں کی سلطنتیں یکے بعد دیگرے لے لیں، اور اُن پر حکومت کرنے لگے۔ اگر راجپوت راجہ اتفاق رکھتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے تو وہ اپنے آپ کو بچا بھی لیتے اور اُن کی سلطنتیں

نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ قنوج کے گھڑواڑ۔ قنوج کے پر یہار خاندان کو محمود غزنوی نے ایسا برباد کر دیا کہ آگے چل کر اُس کا نام تک بھی باقی نہ رہا۔ گیارھویں صدی کے آخیر میں راجپوتوں کی ایک اور قوم نکلی جو در اصل گھڑواڑیوں ہی کی نسل سے تھے۔ مگر اب راٹھوڑ کہلانے لگے اُنھوں نے قنوج پر قبضہ کر کے ایک نئے خاندان کی بنا ڈالی۔ اُنھوں نے گوبند چندر اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں بارہویں صدی میں بڑا عروج پایا۔ اِس خاندان کا آخری راجہ جے چند۔ گوبند چندر کا پوتا تھا۔ جس کا نام گیتوں اور کبتوں میں گایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے یہ راجا مارا گیا۔ ۱۲

سے ۵ قنوج عموماً بفتح القاف زبان زد ہے۔ فرخ آباد کے ضلع میں ہے۔ سولھا ستّرہ ہزار کے قریب آبادی ہے زمانۂ قدیم میں بہت بڑا شہر تھا۔ محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کے وقت میں قنوج کے راجہ شمالی ہندوستان میں مہاراجہ ادھیراج سمجھے جاتے تھے۔ پہلے دریائے گنگ قنوج کی دیواروں کے نیچے بہتا تھا۔ لیکن اب وہ کالی ندی کے کنارے پر واقع ہے اور گنگا وہاں سے چار میل کے فاصلے پر بہتی ہے۔ روضۃ الصفا میں درج ہے کہ جب محمود نے سنہ ۴۰۹ھ میں قنوج پر حملہ کیا تو اس شہر میں اُس وقت سات قلعے اور دو ہزار بت خانے تھے۔ اُن پہاڑیوں یا ٹیلوں کے نشان جن پر یہ قلعے تھے۔ اب بھی موجود ہیں۔ اُن میں سے ایک ٹیلے پر جامع مسجد ہے جس کو سیتا کی رسوئی کہتے ہیں۔ یہ مسجد ۸۰۹ھ میں ابراہیم شاہ شرقی بادشاہ جونپور نے بنائی تھی۔ مسعود اور ابوزید نے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بھی اس طرح نہ چھینی جاتیں۔

سلطان محمود غزنوی بڑا فاتح جنرل ہو تا وہ کبھی قتل عام کو روا نہ رکھتا تھا۔ لیکن شہاب الدین کا طرز عمل کچھ اور ہی تھا۔ اس نے پہلے تو جو زندرائے کے بیٹے سے دہلی لی اور رنجیت دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ اور جب ہی سے اس کا نام غزنی دروازہ پڑا۔ پھر اجمیر پر شکرکشی کی خوب قتل عام کیا۔ ہزاروں ہی آدمی مارے گئے اور بہت سے قیدی پکڑ کر غلام بنائے گئے اور بہت سا مال غنیمت لے کر غزنی کو چلتا ہوا اور اپنے نائب ملک قطب الدین ایبک کو جو اُس کا ترکی غلام اور بڑا معتمد تھا۔ ہندوستان میں اُن صوبوں کی حکومت اور انتظام کے لیئے بطور وائسرائے (نائب السلطنت) کے چھوڑ گیا جو اُس نے فتح کیئے تھے۔ اور اِس طرح ہندو راجاؤں کا خاتمہ ہو کر مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد ۱۱۹۳ء سے گڑ گئی۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ بھی جو محمود غزنوی سے سو برس پہلے تھے۔ اِس شہر کا ذکر کیا ہی چینی سیاح ہیون تھسنگ نے جو ۶۳۴ء میں ہندوستان میں آیا تھا۔ لکھا ہی کہ اُس وقت یہ شہر سوا تین میل لمبا اور پون میل چوڑا تھا اور گنگا اُس کے نیچے مشرق کی طرف بہتی تھی۔ اُس سے دو سو برس پہلے ۴۰۵ء میں فاہیان ایک دوسرا چینی سیاح بُدھ کے مزار کی زیارت کے لیئے آیا تھا۔ اُس وقت بھی دریا اُس شہر کے نیچے بہتا تھا۔ بطلیموس یونانی جغرافیہ داں نے بھی ۱۴۰ء میں اِس شہر کا ذکر کیا ہی۔ اِس شہر کا زوال راجہ جے چندر راٹھور کے مرنے کے بعد شروع ہوا یہ راجہ محمد غوری سے شکست کھا کر دریائے گنگ کو پار کرتا ہوا ڈوب گیا تھا۔ محمود کے وقت میں جو راجہ اُجے پال نام تھا وہ خاندان تو رسے تھا۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا ۔ سلہ فرشتہ نے منہاج السراج کی تاریخ کا مطلب غلط سمجھ کر لکھ دیا ہی کہ ایبک ترکی میں اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی ہو۔ لیکن طبقات ناصری کی عبارت اِس طرح ہی "انگشت خنصر او از دست شکستگی داشت بہ آن سبب او را ایبک شل گفتندے" انگلی کا ٹوٹنا شل ہونے کی وجہ کو ظاہر کرتا ہی۔ نہ کہ ایبک کے لقب کی وجہ کو۔ ایبک ترکی آئی = چاند اور بک یا بیگ = امیر۔ یہ قول مسٹر طامس کا ہی کہتے ہیں بھی اسے بک علی حدہ علی حدہ لکھا ہی اور اس سے بھی من وجہ اس قول کی تائید ہوتی ہی اُس زمانے کے کئی غلام اِس نام کے تھے۔ معلوم ہوتا ہی کہ یہ نام کسی نقص جسمانی یا عیب کے متعلق نہیں ہی۔ شمس الدین کے ساتھ جو دوسرا غلام خریدا گیا وہ بھی ایبک تھا۔ اور ایک غلام سیف الدین ایبک تھا جس کا ذکر تاریخ فرشتہ میں کئی جگہ آیا ہی اِسی نام کا تھا۔ ۱۱

مسلمانوں کا دہلی فتح کرنا ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء

سفرنامہ ابن بطوطہ میں لکھا ہے کہ قاضی القضاۃ علامہ کمال الدین[1] بن برہان الملقب بہ صدر جہاں ذکر کرتے ہیں کہ دہلی کی فتح ۵۸۴ھ میں ہوئی تھی اور جامع مسجد یعنی مسجد قوت الاسلام میں بھی یہی تاریخ ہے جو ابن بطوطہ نے خود پڑھی - دہلی کو دراصل قطب الدین ایبک ہی نے

[1] ابن بطوطہ نے فتح دہلی کا سنہ ۵۸۴ھ غلط پڑھا ہے - مشرقی دروازے پر کا کتبہ یہ ہے "این حصار را فتح کرد و این مسجد را بساخت بتاریخ مشہور سنہ سبع وثمانین وخمسمائۃ امیر اسفہسالار اجل کبیر قطب الدولہ والدین امیر الامرا ایبک سلطانی اعز اللہ انصارہ و بیست وہفت آلت بتخانہ کہ در ہر بتخانہ دو ہزار بار ہزار دلیوال (ایک سکہ تھا جس کو جیتل کہتے تھے) صرف شدہ بود دریں مسجد بکار بستہ شدہ است - خدائے عز وجل بر آن بندہ رحمت کناد ہر کہ بر..... بہ نسبت بانی خیر دعاء ایمان گوید" سر سید اور مسٹر طامس نے اسی طرح پڑھا - جنرل کننگھم نے ۵۸۷ھ کی جگہ ۵۸۹ھ اور ابن بطوطہ نے ۵۸۴ھ پڑھا ہے - خط طغریٰ میں اور پھر دور سے پڑھنے میں اربع - تسع اور سبع میں کچھ فرق نہیں معلوم ہو سکتا - مسٹر ایڈورڈ طامس لکھتے ہیں کہ حسن نظامی مصنف تاج المآثر نے بھی دہلی کی فتح کا ۵۸۷ھ ہی لکھا ہے - اور منہاج السراج مصنف طبقات ناصری نے بھی لکھا ہے کہ قطب الدین نے فتح دہلی کے بیس سال بعد وفات پائی، اور قطب الدین کی وفات ۶۰۷ھ میں ہوئی تھی لیکن حسن نظامی نے تاریخ تاج المآثر میں فتح دہلی کی تاریخ بصراحت نہیں لکھی - جاٹو زمیندار ہانسی کی لڑائی کا سال ۵۸۸ھ دیا ہے - اُس سے پہلے فتح دہلی کی سُرخی دی ہے لیکن مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس سال فتح نہیں ہوا - بلکہ میرٹھ اور اجمیر کی فتح کے بعد یعنی ۵۸۹ھ میں دہلی فتح ہوئی ہے - اِس طرح طبقات ناصری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۵۸۸ھ میں شہاب الدین نے رائے پتھورا کو شکست دے کر اجمیر ہانسی اور سرستے کو فتح کیا اور پھر وطن کو واپس گیا - قطب الدین کو کہرام میں چھوڑ گیا اور بادشاہ کی عدم موجودگی میں قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی فتح کیے اور اگلے سال یعنی ۵۸۹ھ میں بادشاہ واپس آیا - لیکن ایک جگہ قطب الدین کے حال کے شروع میں لکھا ہے کہ ۵۸۷ھ میں میرٹھ فتح کیا اور اسی سال میں دہلی فتح کی لیکن یہ کاتب کی غلطی ہے کیوں کہ طبقات ناصری سے معلوم ہوتا ہے کہ تراوڑی کی پہلی لڑائی ۵۸۷ھ میں ہوئی اور دوسرے سال ۵۸۸ھ میں بادشاہ نے واپس آکر تراوڑی ہی پہ فتح حاصل کی اور اس کے بعد اجمیر اور ہانسی فتح کیے - اور جب بادشاہ چلا گیا تو قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی فتح کی - پس جب کہ ۵۸۷ھ میں رائے پتھورا پر فتح حاصل نہیں ہوئی تھی تو دہلی اس سنہ

فتح کیا ہے۔ یہ شخص **شہاب الدین** محمد بن سام غوری بادشاہ غزنی و خراسان کا غلام تھا اور اس کی طرف سے **سپہ سالاری** کا عہدہ رکھتا تھا۔ اور یہ محمد بن غوری سلطان ابراہیم بن سلطان محمود غازی کے ملک پر بزور قابض ہو گیا تھا۔ جس نے ہندوستان کی فتح شروع کی تھی۔ سلطان شہاب الدین نے **الدین** کو ایک بڑا لشکر دے کر ہندوستان پر بھیجا اس نے **لاہور** کو فتح کیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ اور آگے چل کر خود ایک عظیم الشان بادشاہ ہو گیا۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے ایک دفعہ قطب الدین کی چغلی کھائی کہ وہ ہندوستان میں اپنی جداگانہ حکومت قایم کرکے آپ کی اطاعت سے باہر ہونا چاہتا ہے۔ یہ خبر اڑتی پڑتی قطب الدین کے بھی گوش زد ہوئی وہ گھبرایا اور جیسا بیٹھا تھا۔ ویسا ہی بیک بینی و دوگوش چل کھڑا ہوا اور غزنی جا پہنچا۔ گو رات کو پہنچا تھا۔ مگر اسی وقت بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوا چغل خوروں کو اس کے آنے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ دوسرے دن جب بادشاہ دربار میں بیٹھا تو قطب الدین چھپ کر تخت کے تلے بیٹھ گیا۔ جب دربار اچھی طرح بھر گیا تو بادشاہ نے قطب الدین کا ذکر چھیڑا۔ جن مصاحبوں نے چغلی کھائی تھی۔ اتنا اشارہ ان کے لیے بس تھا۔ جھٹ بول اٹھے کہ ہم خانہ زادوں کو تحقیق معلوم ہے کہ وہ خود سر بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت تخت پر پاؤں مارا اور تالی بجا کر کہا۔ ایبک قطب الدین نے کہا **حضور!** حاضر۔ اور باہر نکل کر دربار میں سب کے سامنے مؤدب کھڑا ہو گیا۔ چغل خوروں کے کاٹو تو لہو نہیں سب تھرا گئے زمین چومنے لگے۔ بادشاہ نے کہا خیر جاؤ ہم نے تمھاری جان بخشی کی پھر کبھی ایبک کی بات ما بدولت سے نہ کہنا۔ بادشاہ نے قطب الدین کو ہندوستان جانے کی اجازت دی اور اجازت ملتے ہی قطب الدین دہلی چلا آیا۔

مسلمانوں کا ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء میں شہاب الدین پھر ہندوستان میں آیا اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ جے چند سے لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) میں کس طرح فتح ہو سکتی تھی۔ فرشتہ کی تحریر سے بھی تراوڑی کی دوسری لڑائی ۵۸۸ھ میں اور دہلی کی فتح بھی اسی سال کے اواخر میں ہوئی۔ لیکن اس کتبہ سے فقد اربع او دسع اور تسع زیدہ ال رہ جاتے ہیں۔ لیکن واقعات تاریخی کے لحاظ سے کاتکم حنکنے جو تسع وثمانین وخمسمائۃ پڑھا ہے۔ فتح دہلی کی وہی صحیح تاریخ ہے ۱۲۰

دوسرے مقامات کو فتح کرنا

شہاب الدین تو غزنی واپس چلا گیا مگر اُس کے وفادار نائب قطب الدین نے پیاپے حملے کر کے گجرات۔ گوالیار۔ کالنجر فتح کر لیئے۔ یوں تو اپنی اپنی جگہ یہ سب بڑے بڑے معرکے تھے مگر کالنجر ہی کی ایک مہم میں پچاس ہزار قیدی پکڑے گئے۔ پھر اُس نے مہوبا کو فتح کیا جو راجگان چاندیل[1] کا پایہ تخت تھا۔ اور وہاں سے براہ بدایوں دہلی واپس آیا۔ سلطان غیاث الدین نے اِن فتوحات کی جلدوں میں قطب الدین کو سلطان کا خطاب دیا۔ راٹھور اور شمالی ہند کی کئی راجپوت قومیں اِس وقت گنگا جمنا کے اُس علاقے سے جہاں اُن کے آباؤ اجداد ہزاروں برس سے آباد تھے اپنے کنبوں مال واسباب جانور اور مویشی لے کر جنوب کی طرف مارواڑ اور اراولی پہاڑوں کے اُس علاقے میں چلی گئیں۔ جو اَب انہیں راجپوتوں کی وجہ سے راجپوتانہ کہلاتا ہے۔ محمد غوری اور اُس کے جرنیلوں نے قریب قریب سارا شمالی ہندوستان زیر کر لیا۔ اِن میں سے ایک نے جس کا نام بختیار خلجی تھا سنہ ۱۱۹۹ء میں اودھ اور بہار اور سنہ ۱۲۰۳ء میں بنگالے[2] کو فتح کیا۔

۱؎ اِس زمانے میں جیجاک بھکتی کے چندیلوں کی ایک بڑی سلطنت تھی جو اب بندیل کھنڈ کہلاتی ہے۔ اس کی راجدھانی مہوبا تھی جو اب ضلع ہمیر پور میں ہے۔ اور کالنجر کا مشہور مستحکم قلعہ جو اب ضلع باندے میں ہے اِسی راجہ کے بڑے مقبوضات میں تھا۔ قنوج اور اِس سلطنت کے درمیان دریائے جمنا حدِ فاصل تھا۔ اور سنہ [illegible]ء میں یہ راج بڑے عروج پر تھا۔

۲؎ بنگال اور بہار کے پال خاندان۔ ہرشا کا جب زور تھا تو اُس نے مغربی اور درمیانی ملک بنگال سب پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ سنہ ۶۴۷ء میں اُس کی وفات کے بعد سارے ملک میں بدنظمی پھیل گئی۔ اِس کے بعد قریب قریب ایک صدی تک کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔

سنہ ۷۳۰ء یا سنہ ۷۴۰ء میں وسطی بنگال کے لوگوں نے گوپال کو راجہ بنا کر ملک کا نظم و نسق بٹھایا اور یہی پال خاندان کا پہلا راجہ ہوا۔ اِس نے اپنی زمانِ سلطنت کے آخری حصے میں بہار کا جنوبی حصہ بھی فتح کر لیا۔ دوسرا راجہ دھرم پال اور تیسرا دیوپال جن کی مجموعی سلطنت ایک صدی تک رہی اُنہوں نے بہت کچھ ترقی کی اور ملک بنگال کو ہندوستان کی ایک زبردست طاقت کے مرتبے پر پہنچا دیا قنوج کے راجہ سے اِن کی ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ نویں صدی کے شروع میں راجہ دھرم پال کی طاقت کا یہ حال تھا۔ کہ اس نے بہ اختیار خود قنوج کے ایک راجہ کو معزول کر کے دوسرے کو

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اِس زمانے میں ملک بنگالے کا پایہ تخت لکھنوتی تھا۔ افغانوں نے بدل کر اپنے نام پر اُس کا نام غور رکھا جو کثرت استعمال سے گور کہلانے لگا۔ پھر بگڑ بگڑا کر گور بنگالہ ہوگیا۔ لکشمن سین جو بنگالے کا ایک معمر اور مسن راجہ تھا۔ بڈھے بے چارے کی زندگی ہی تھی جو ان غوریوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ غوریوں کا لشکر جب بلائے بے درمان کی طرح اُس کے محلوں میں گھسا اور پکڑ دھکڑ شروع کی تو یہ اپنی جان ہتیلی پر لے کر ایک چور دروازے سے بھاگا اور اُڑیسے میں پہنچ کر بقیہ عمر جگناتھ جی کے مندر میں اپنے معبود کی سیوا میں بسر کی۔ اِس کے بعد غوریوں نے اوّل گجرات

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ بٹھادیا۔ اِس زمانے میں شمالی ہندوستان میں سب سے بڑی اور زبردست سلطنت پالا خاندان ہی کی تھی۔ پالا خاندان کے سارے راجہ بودھ مذہب کی سختی سے پیروی کرتے تھے۔ گیارھویں صدی کے اوائل میں مہیپال اول اور نیاپال اس خاندان کے دو راجاؤں نے بودھ مذہب کی حمایت میں اپنی طرف سے واعظین کو بھی بھیجا تھا۔ اِس خاندان کا آخری طاقتور راجہ رام پال (تقریباً ۱۰۸۴ تا ۱۱۳۰ء) تھا۔ جس نے ترہت یعنی شمالی حصہ بہار کو فتح کیا تھا۔ اِس طرح پالا خاندان نے زمانے کے نشیب و فراز کا تماشہ ساڑھے چار صدی تک دیکھا اور آخر کار ۱۱۹۷ء میں مسلمانوں کے ہاتھ سے اِس قدیم خاندان کا خاتمہ ہوا۔ (۲)

مشرقی بنگال کا سینوں خاندان۔ بارھویں صدی کے ربع اول میں راجہ وجایا سین نے بنگال کے ایک بڑے حصے میں ایک جداگانہ سلطنت قائم کی جس کے راجہ سین خاندان کے کہلاتے ہیں۔ سینوں نے اگرچہ پالا خاندان کی طاقت کو بہت گھٹا دیا تب بھی جنوبی بہار اور کچھ عرصہ تک شمالی بہار یعنی ترہت بھی اُن کے قبضے میں رہا۔

مسلمانوں کی فتح کے وقت (۱۱۹۹ء) پالا خاندان کی دارالسلطنت مونگیر یا بہار کا شہر تھا اور سینوں کی راجدھانی بنگال میں ندیا یا نوادیپ تھا۔ سین لوگ بڑے متعصب ہندو تھے۔ چنانچہ بنگالے میں یہ بات مشہور ہے کہ راجہ بلال سین نے برہمنوں۔ بیدوں۔ اور کایستھوں کی ذات بندی کی تھی۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی سین راجہ مشرقی بنگال میں ڈھاکے کے پاس بکرم پور میں حکمرانی کرتے رہے۔ (۳)

کے بگھیلے راجپوتوں کو مغلوب کیا پھر گوالیار لیا۔ مگر مالوہ جب بھی فتح نہ ہوا
شہاب الدین کو جو اپنے بھائی کی وفات کے بعد خود اوائل ۱۲۰۳ء میں بادشاہ ہو چکا
تھا۔ ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء کے موسم سرما میں پنجاب میں کہر[2] لوگوں کی زبردست قوم کی بغ

[1] گجرات کے بگھیلے بارھویں صدی میں چلوکیہ اور سُلانکی خاندان کے سدھ راجہ اور کمار پال کی حکومت میں گجرات کی سلطنت بڑے عروج پر تھی۔ بلکہ مشہور ہے۔ کہ گنگا کے مشرق تک اُن کا علاقہ تھا۔ اسی صدی کے آخر میں حکومت چلوکیہ خاندان سے نکل کر بگھیلوں میں چلی گئی۔ اسی خاندان کے راجہ ویرادھوال نے محمد غوری کو سخت شکست دی تھی۔ جمیں مسلمانوں کا بڑا قتل عام ہوا۔

[2] مسٹر ونسنٹ سمتھ نے طبقات ناصری سے اپنی تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ کہکروں کو عموماً غلط طور پر گکھڑ کہا جاتا ہے۔ حالاں کہ گکھڑ ایک بالکل جداگانہ قوم ہے جو نمک کی پہاڑی سلسلوں میں رہتی ہے۔ بداؤنی لکھتا ہے "در ۶۴۳ھ ملک ہلاجون وکل چند کھوکر ملک تتار حاکم لاہور را بغدر کشتند و چو خواجہ جہاں بر سر ایشاں رفت ایشاں بجنگ پیش آمدند" فرشتہ لکھتا ہے "در ۶۴۳ھ ملک چ کہ سر دار گھکران بود علم مخالفت بلند ساختہ حاکم لاہور ملک تاتار خان را بہ قتل رسانید سلط خواجہ جہاں را بہ دفع او فرستاد گکھران را مخذول و منکوب ساخت" بداؤنی نے بجائے گکھڑ غلط لکھا ہے۔ کیوں کہ کھوکروں کی قوم کو پنجاب میں اس قدر طاقت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور گکھڑ کا زور سلطان شہاب الدین غوری کے وقت سے اکبر بادشاہ کے وقت تک چار سو سال سے شمالی پنجاب میں اس قدر رہا کہ کئی صدی تک خراسان کا رستہ اُن کی لوٹ مار کے سبب ملتا اور دیپال پور میں سے رہا اور لاہور کی جانب سے بالکل متروک ہو گیا تھا۔ ایک بات قابل غور ہے ابن بطوطہ اور بداؤنی دونوں کہکروں کے سردار کا نام کل چند لکھتے ہیں۔ فرشتہ نے جن چندر لکھا ہے۔ چوں کہ ابن بطوطہ اور بداؤنی کا اتفاق بہت عمدہ شہادت ہے کہ نام کل چند تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہکر اُس وقت تک اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کا آغاز اُن میں بے شک سلطان شہاب الدین محمد غوری کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ کننگھم صاحب کی تحقیقات کے مطابق یہ قوم ترکی الاصل ہے۔ سکندر کے مورخوں نے لکھا ہے کہ سوہان کا دریا سبی ملک سے نکلتا ہے۔ راج ترنگینی میں درج ہے کہ مری اور مارگلہ کے درمیان کا ملک ابھی سارا کا تھا۔ چوں کہ کہکر اس علاقے میں سکندر کے پہلے سے رہتے ہیں اور یونانی مورخوں نے لکھا ابھی سارا کے بھائی کے پاس دو بڑے بڑے سانپ تھے۔ جن کی وہ پرستش کرتا تھا۔ اس

فرو کرنے کو آنا پڑا۔ بادشاہ آیا اور ایک قتل کا دریا بہا کر باغیوں کا قلع قمع کرکے واپس چلا۔ ۲ر شعبان کو دریائے نیلاب (سندھ) کے کنارے دمیک نامی ایک مقام پر (جو اب ضلع جہلم میں ہے۔ اور دھمیاک کہلاتا ہے) نزول اجلاس فرمایا۔ انھیں دنوں میں کہکروں میں کوئی بیس آدمی جن کے عزیز و قریب اسی معرکے میں مارے گئے تھے۔ جان پر سے اُٹھ کر بادشاہ کی جان لینے کا بیڑا اُٹھا چکے تھے اور اسی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ اور موقع کے متلاشی تھے۔ جہاں بادشاہی کیمپ ہوتا تھا فراش ڈیرے اور سراپردے لگا کر بادشاہ کے خیمے اور خوابگاہ کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا کرتے تھے۔ ۳ر شعبان سنہ ۶۰۲ھ - مارچ سنہ ۱۲۰۶ء کی رات کو ایک کہکر آیا اور دربان شاہی کو چھرا مار کر چلتا ہوا۔ سارے لشکر میں شور مچ گیا۔ سارے کے سارے لوگ حتیٰ کہ بادشاہ کے گرد کے لوگ بھی سب دیکھنے آئے کہ کیا ہوا۔ ان لوگوں کو جو تاک میں لگے ہوئے تھے موقع ملا۔ شاہی خیمے کی قنات کو چھری سے چیر کر اندر گھُسے۔ دو تین غلام جو حاضر تھے وہ ڈر کے مارے دم بخود ہو گئے۔ بادشاہ اب آرام کرنے کو جا ہی رہے تھے ایک دم بائیس زخم پہنچا کر شہید کر ڈالا۔

شہادتِ ملکِ بحر و بر معز الدین　　کز ابتدائے جہاں مثل او نیامد یک
سوم ز غرۂ شعبان بسال شش صد و دو　　فتادہ در رہ غزنی بمنزل دمیک

اس بادشاہ نے غزنی کی مدت سلطنت ملا کر (۳۲) سال چند مہینے بادشاہت کی۔ بادشاہ کے وزیر خواجہ موئید الملک بن خواجہ محمد سجستانی نے چند کہکروں کو جو قتل میں شریک تھے قتل کیا۔ اور چار ہزار اونٹوں پر جو خزانہ لدا ہوا تھا۔ اس کی حفاظت کا کافی بندوبست

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہے قیاس کیا گیا ہے کہ وہ دہاک کی قوم سے تھا۔ کہکروں میں بھی ایک روایت چلی آتی ہے کہ ان کو افراسیاب نے کید کی ماتحتی میں ہندوستان کی طرف نکال دیا تھا۔ اس روایت کی تصدیق فرشتہ بھی کرتا ہے سلطان ابراہیم غزنوی کے حال میں لکھتا ہے "و از ان جا عنان عزیمت بطرف قلعۂ دیگر کہ در آں نزدیکی بود و دارا نام داشت معطوف گردانید و متوطنان آنجا از نسل خراسانیاں بودند۔ افراسیاب از سرکشی ایشاں بہ تنگ آمدہ با زن و فرزندان از ولایت خراسان اخراج کردہ بود و بہندوستان فرستادہ و مردم آں شہر بالتمام از آں جماعت بودند و با بیگانہ پیوند و صلت نمی کردند و بعبادت اصنام و فسق بر دوام مشغوف بودند و آں شہر در غایت معموری و آبادانی بود و حوضے در آں شہر بود کہ قطر آں نیم فرسخ بود و قعر آں از غایت عمق مدرک نبود و از کثرت جنگل کہ در آں شہر و قلعہ بود راہ آمد و شد مرئی نبود و
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کرکے بادشاہ کا جنازہ بڑے احتشام وتجمل سے لیکر چلے اور ۲۲ شعبان کو بادشاہ کے محفہ کو غزنین پہونچ کر اُس حظیرے میں جو بادشاہ نے اپنی بیٹی کے واسطے بنوایا تھا دفن کیا۔

باب دوسرا

دلّی مُسلمانوں کے عہد میں

خاندان غلامان ۱۲۰۶ تا ۱۲۸۹ء

سلطان قطب الدین ایبک مشہور بہ لک بخش ۱۲۰۶ تا ۱۲۱۰ء

محمدؐ غوری کی وفات کے بعد قطب الدین نائب السلطنت ممالک مفتوحہ کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ ہندوستان کا پہلا فاتح جسے واقعی فاتح کہہ سکتے ہیں محمدؐ غوری ہی تھا محمود غزنوی کی طرح ہند کی دولت سمیٹ سماٹ غزنی میں جا بیٹھنا اِس کا مدعا نہ تھا۔ یہ ہند پر حکومت کرنے آیا تھا۔ اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب بھی ہوا شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ہندوستان ایک خود مختار اور مستقل سلطنت بن گیا۔ اور دریائے سندھ کے اُس پار کی سلطنت سے کوئی تعلق نہ رہا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ قطب الدین نے ہندوستان کی سلطنت نیابتہً پہلے ہی حاصل کرلی تھی اگرچہ وہ دراصل ایک زر خرید غلام تھا۔ لیکن وہ اپنی بے نظیر لیاقت۔ قوت بازو

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ ملوک ہند بسبب آں کہ استیلائے برآن جماعت از محالات می دانستند متعرض ایشاں نمی شدند۔" دارا سے مراد دارا پور لیتے ہیں جو دریائے جہلم پر جلال پور کے متصل واقع ہے اور اب وہاں گھکر نہیں رہتے بلکہ جھنجوحوں کا مسکن ہے۔ اِسمیں شک نہیں کہ یہ قوم ہندی الاصل نہیں ہے۔ بلکہ کسی زمانے میں خراسان یا خوارزم کی طرف سے ہندوستان میں آئی تھی یہ رسم اب بھی گکھڑوں میں ہے کہ وہ اپنی قوم کے سوا دوسری قوم میں رشتہ داری نہیں کرتے حالاں کہ راجپوتوں کی مختلف قومیں بالکل اس کے برعکس کرتی ہیں۔ ۱۲

شجاعت اور آقا کی وفاداری کے سبب سے بالآخر سنہ ۱۲۰۶ء میں بادشاہت کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا بادشاہ ہوا۔ چونکہ بڑا دانش مند۔ مآل اندیش اور دوربین تھا اس نے اونچے اونچے ازدواجی تعلقات کر کے اپنی پوزیشن کو بہت مضبوط کر لیا۔ اس نے خود ایک بڑے بھاری ہم پلہ اور مد مقابل رئیس **تاج الدین یلدوز** کی لڑکی سے شادی کی جو خود بھی قطب الدین کی طرح ایک غلام تھا



قطب الدین ایبک

اسی طرح اپنی بہن ایک دوسرے غلام **ناصر الدین قباچہ** گورنر سندھ کو دی اور اپنی لڑکی بہار کے گورنر **التمش** کو دی کہ وہ بھی غلام ہی تھا۔ قطب الدین ایبک کو اس کی خوش نصیبی سے لوگ بھی ایسے ہی چیدہ ملے تھے۔ اس کا نائب **اختیار الدین محمد** جو ایک خلجی ترک بختیار نامی کا فرزند تھا اور بالعموم محمد بختیار کے نام سے مشہور تھا) یہ دونوں باپ بیٹے بادشاہ کے ہاں ملازم تھے۔ ان کی کارگزاری اور جاں نثاری کا کیا پوچھنا تھا۔ دہلی کی فتح کے کئی برس بعد سنہ ۱۱۹۵ء میں محمد بختیار نے صرف دو سو سواروں سے وہ کام کیا کہ کچھ عقل کام نہیں کرتی یعنی یہ کہ بہار کا قلعہ اس جرأت اور دلیری سے لیا کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ بودھ لوگوں کے معابد جو پالا خاندان کے راجاؤں کے زمانے میں بڑی رونق پر تھے اُن سب کو مسمار کر دیا اور سب پوجاریوں کو تہ تیغ کر کے ایسا منتشر کیا کہ اس ملک میں بودھ مذہب کا بیج تک نہ چھوڑا اور اسی وقت سے اس مذہب کو پھر پنپنا نصیب نہ ہوا۔ سنہ ۱۱۹۹ء میں بنگال فتح ہوا۔ وہاں کے بڈھے راجہ **لکشمن سین** کو اس کی دار السلطنت **ندیا** میں صرف اٹھارہ سواروں نے جا گھیرا۔ راجہ بے چارہ گھر بار چھوڑ چھاڑ تن بہ تقدیر مکان کے پیچھے کے دروازے سے بھاگ **ڈھاکے** جا پہنچا ان لوگوں نے سارے شہر کو لوٹ لیا اور **لکھنوتی** (یعنی گور) کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ محمد بختیار اور دوسرے حکام نے جا بجا مساجد۔ مدارس۔ خانقاہیں بنوائیں۔ اور وقتاً فوقتاً مال بے تعداد و کثیر بادشاہ کو بھیجتے رہے۔ سنہ ۱۲۰۴-۰۵ء میں محمد بختیار نے بے دھڑک کوہستانی ملک پر چڑھائی کی۔ **دار جلنگ** تک دندانہ گھس گیا۔ لیکن وہاں

کوئی پناہ کی جگہ نہ ملنے سے بے نیل مرام واپس پلٹنا پڑا۔ لوٹتیوں کو سارا لشکر تباہ اور ضائع ہوا۔ قطب الدین نے علاوہ بے نظیر فتوحات کے اپنی وایسرائلٹی ہی کے زمانے میں مابین ۱۱۹۱–۱۱۹۳ء کے **قوت الاسلام** کی ایک بڑی عالی شان مسجد اور **قطب مینار**[1] بنوائی شروع کی جس کی تکمیل اُس کے داماد **شمس الدین** نے کی۔ قطب الدین نے یہ دونوں چیزیں اپنی ایسی یادگار چھوڑی ہیں۔ کہ آئندہ آنے والی تمام نسلیں اس کو یاد کرتی رہیں گی۔ کہتے ہیں کہ قلعے کے اندر **قصر سفید** بھی اِسی نے بنوایا تھا۔ جس کا اب کہیں پتہ تک بھی نہیں رہا۔ مسجد اور مینار دونوں قطب صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ دونوں عمارتیں قطب الدین ایبک کے نام سے منسوب ہیں بلکہ اُن کی وجہ تسمیہ حضرت **قطب الدین بختیار کاکی اوشی** رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کا اِس سرزمین پر ہونا ہے۔ گو قطب الدین نے صرف چار ہی برس بادشاہت کی مگر وہ بیس سال پہلے ہی سے چار دانگ عالم میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ قطب مینار پانچ منزلہ ستون ۲۵۰ فٹ ۲ انچ اونچا ہے جس کا قطر جڑ میں ۴۷ فٹ اور چوٹی پر ۹ فٹ ہے۔ نیچے کے دو کھنڈ اِسی قطب الدین کے بنوائے ہوئے ہیں جو اُس نے اپنے آقا محمد سام (شہاب الدین

---

[1] مسٹر رزنی ہرن نے سنہ ۱۲۰۰ء میں قطب مینار کی بنا کا آغاز ہونا لکھا ہے۔ اور بلندی ۲۴۲ فٹ سے کچھ اوپر لکھی ہے نارسڈن صاحب نے ۲۵۰ فٹ ۲ اور وجہ تسمیہ کو قطب الدین سے منسوب کیا ہے۔ مسلمانوں نے دہلی میں تقریباً تین سو برس سنہ ۱۲۰۶ء سے سنہ ۱۵۲۶ء تک سلطنت کی اور اُنیس بادشاہ ہوئے۔ من جملہ اُن کے قطب الدین سب سے پہلا بادشاہ تھا۔ قطب مینار دنیا کے سب سے اونچے میناروں میں کا ایک ہے۔ فرگسن صاحب سنہ ۱۸۶۰ء میں ۲۴۲ فٹ بلندی اور جڑ میں ۴۸ فٹ قطر لکھا ہے۔ اُس وقت بھی برجی نہ تھی جس کی بلندی دس یا شاید بیس فٹ اور جوڑ دیں جب اصلی اور ابتدائی بلندی پوری ہوگی۔ ۱۲

اِس مینار کو قطب الدین ایبک نے سلطان معز الدین بن سام کے حکم کے مطابق بنانا شروع کیا اور سلطان شمس الدین التمش نے سنہ ۶۲۶ھ میں اُس کی تکمیل کی۔ سنہ ۷۷۰ھ میں فیروز شاہ نے اور سنہ ۹۰۰ھ میں بہلول شاہ لودھی نے اُس کی مرمت کرائی۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں زلزلہ کے باعث اوپر کی چھتری گر پڑی تھی اور کل مینار مرمت طلب ہو گیا تھا۔ سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی نے میجر رابرٹ سمتھ کی معرفت مرمت کرائی۔ اور ایک لاکھ کے قریب خرچ کیا۔ اب موجودہ مینار پانچ منزل ہے۔ سب سے نیچے کی منزل ۹۵ فٹ اونچی ہے۔ اور پانچویں منزل ۲۲ فٹ بلند ہے۔ کل اُنچائی مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے نوٹ مندرجہ سفرنامہ ابن بطوطہ میں ۲۴۸ فٹ لکھی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے نام پر بنوائے جیسا کہ کتبے سے ظاہر ہے۔ جس مسجد کا یہ مینار ہے۔ یعنی مسجد **قوت الاسلام** وہ اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے۔ جس کی حیثیت کذائی پکار رہی ہے کہ مندروں کو توڑ کر مسلمانوں نے یہ مسجد بنائی ہے۔ غلام غلام کا لفظ سن کر لوگ کان کھڑے کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کو اس امر کی صراحت کرنی ضرور ہے۔ مبادا یہ غلط خیال جاگزین نہ ہو جائے۔ کہ ان لوگوں کی حیثیت معمولی لونڈی غلاموں کی سی تو نہ تھی۔ قطب الدین دراصل ترک تھا مگر صغر سنی ہی میں غلامی کا حلقہ اس کے کان میں پڑ گیا۔ اُس زمانے میں بلاد اسلامی میں جو لوگ لڑائی میں پکڑے جاتے تھے وہ سب غلام سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کو دور دراز ملکوں میں لے جا کر بیچ ڈالتے تھے۔ چنانچہ قطب الدین کی غلامی کا قصہ یوں ہے۔ کہ صغر سنی کی حالت میں اس کو ایک تاجر نے **ترکستان** سے **نیشاپور** لا کر قاضی **فخر الدین** ابن عبد العزیز کوفی جو حضرت **امام اعظم ابو حنیفہ** رحمہ کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) تہ کا قطر ۹ فٹ ۳ انچ اور چوٹی کا ۹ فٹ لکھا ہے۔ یہ مینار نیچے سے اوپر تک بتمامہا بطور یادگار مسلمان بادشاہوں کا بنایا ہوا ہے اور یہ کہنا کہ اصل میں اس کو رائے پتھورا نے بنایا تھا۔ جس کی چوٹی پر سے اس کی لڑکی ہر روز صبح جمنا کے درشن کرتی تھی بے اصل ہے۔ سیڑھیوں کی تعداد (۳۷۹) ہے۔ ابن بطوطہ نے جو کسی سے کہا تھا کہ اس مینار پر ہاتھی چڑھ جاتے تھے۔ اور پتھر لے جاتے تھے۔ اس کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ راوی کی مراد تھی کہ باہر کی طرف جب تعمیر کے لیے پاڑ بندھی ہوئی تھی۔ تو ہاتھی پتھر لے کر اوپر چڑھتے تھے۔ اور یہ بالکل ممکن ہے۔ ۱۲

(نوٹ صفحہ ہذا) اس جامع مسجد کا نام قوت الاسلام ہے۔ پہلے اس جگہ رائے پتھورا کا بتخانہ تھا۔ سلطان معز الدین بن سام نے جس کا دوسرا نام محمد غوری ہے سنہ ۵۸۷ھ میں دہلی فتح کرنے کے بعد اپنے غلام اور سپہ سالار قطب الدین ایبک کی معرفت اس مسجد کی بنا رکھوائی۔ اصل میں یہ مسجد سنہ ۵۹۲ھ میں صرف پانچ در کی بنائی گئی تھی۔ چنانچہ اس در بیچ پر یہی سال تعمیر درج ہے۔ پھر سنہ ۶۲۷ھ میں تین تین در کے دو درجے شمس الدین التمش نے زیادہ کیے تھے اور پانچویں درجہ سلطان علاء الدین خلجی نے سنہ ۷۱۱ھ میں بنانے شروع کیے مگر پورے نہ ہونے پائے۔ فیروز شاہ نے اپنی فتوحات میں لکھا ہے کہ میں نے مسجد کی مرمت کرا کے گویا اس کو نیا بنا دیا۔ اب گیارہ در موجود ہیں جن میں سے تین بڑے در ہیں اور آٹھ چھوٹے اور ان گیارہ دروں کا طول ۳۸۵ فٹ ہے۔ بڑی محراب ۵۳ فٹ اونچی اور ۲۲ فٹ چوڑی ہے فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ ان محرابوں کو اونچائی اور قطب مینار کے سبب سے اس مسجد کو دنیا کے عجائبات میں شمار کرنا چاہیئے۔ مسالک الابصار کا مصنف ابن بطوطہ کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ اس مسجد کی نظیر وسعت اور خوبصورتی میں دنیا میں نہیں ہے۔ ۱۲

فرزندوں میں سے سستے فروخت کر دیا۔ مگر لاکھ کوئی غلام بنائے تقدیر میں تو بادشاہت لکھی تھی۔ قطب الدین قاضی صاحب کے بچوں کے ساتھ پڑھنے لگا۔ اور چند دنوں میں خوب کمال حاصل کیا۔ قاضی جی کی وفات کے بعد اُس گوہر بے بہا اور دُرِ نایاب کو ایک اور تاجر نے بہت کچھ دے دلا کر خریدا۔ اور اُس کو تحفۂ سلطان معزالدین الملقب بہ شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا بادشاہ نے اُسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور جیسا یہ غلام نکلا اور جو کچھ اِس نے کر دکھایا آپ کے سامنے ہے۔ ؎

شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں
ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

شہاب الدین کے عہد کی کُل بڑی بڑی فتوحات در حقیقت قطب الدین کا کام تھا اور نام بادشاہ کا تھا۔ کاٹ تلوار کی نام سپاہی کا۔ اِس قسم کے غلام چونکہ اپنے وطن اور عزیزوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھُٹ جاتے ہیں۔ اپنے آقا کو اپنا باپ اور اُس کے کنبہ کو اپنا کنبہ سمجھتے ہیں۔ اور پوری وفاداری۔ ہمدردی۔ اور خیر خواہی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ قطب الدین کا بھی یہی حال تھا۔ بڑھتے بڑھتے وہ سپہ سالار پھر نائب السلطنت اور آخر کو خود بادشاہ ہو گیا۔ قطب الدین جاں باز سپاہی اور لائق سپہ سالار تھا اپنے ماتحتوں سے ایسا عمدہ سلوک اور ایسا زر و جاگیر دیتا تھا کہ گویا اُس کے ہاتھ میں ہڈی نہ تھی۔ لوگ اُسے **لک بخش یعنی لکھ داتا** کہتے تھے۔ بہاء الدین اوشی جو اُس زمانے کے ایک بڑے فاضل تھے۔ وہ کہتے ہیں ؎

ای بخشش لک تو در جہاں آوردہ ‏ ‏ کانرا کفِ تو کار بجاں آوردہ
از رشکِ کفِ توخوں گرفتہ دلِ کاں ‏ ‏ وز لعل بہانہ درمیاں آوردہ

مورخین نے کیا خوب کہا ہے کہ جس طرح لاکھوں کی داد و دہش تھی اِسی طرح لاکھوں کو قتل بھی کیا۔ قطب الدین اور اس کے بعد کے بادشاہ تاریخ میں **خاندان غلامان** کہلاتے ہیں۔ جس میں نوٓ بادشاہ اور ایک ملکہ ہوئی۔ ۶۰۲ھ سے ۶۸۹ھ تک۔ یعنی (۸۴) برس تک اُن کی حکومت رہی۔

---

[۱] مارسڈن صاحب نے دس بادشاہ اور مدت سلطنت (۸۱) برس بتلائی ہے۔ جس میں صرف تین طبعی موت سے مرے باقی سات قتل کیے گئے۔ ۱۲

خاندانِ غلامان و افغانان و پٹھانان

دہلی کے مسلمان بادشاہوں کا سلسلہ قطب الدین ایبک کے زمانے سنہ ۱۲۰۶ء سے شروع ہو کر سنہ ۱۵۲۶ء ابراہیم لودھی تک جس میں خاندان سُور کے وہ دعوی دار جو سنہ ۱۵۵۶ء تک ہوئے ہیں۔ وہ بھی شامل ہیں۔ اِن سب کو غلط فہمی سے **سلاطین افاغنہ یا پٹھان بادشاہ** کہلاتے ہیں۔ اور اُن کی سلطنت بھی سلطنت افغانان کہلاتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ پٹھانوں کے صحیح مصداق صرف **لودھی** اور سُور خاندان والے ہیں جو ذات کے افغان ہیں۔ قطب الدین اور اُس کے بعد کے اور دوسرے بادشاہ جو غلام کہلاتے ہیں وہ اصلی باشندے ترکستان کے اور اصل نسل کے ترک تھے۔ **خاندان خلجیہ** کے بادشاہ بھی ترک تھے۔ **تغلق** ترکوں میں ہندوؤں کا میل تھا۔ اور سیّد تو کھلے سادات عرب تھے ہی۔

وفات سنہ ۱۲۱۰ء

قطب الدین سنہ ۶۰۷ھ سنہ ۱۲۱۰ء میں جب کہ لاہور میں چوگان کھیل رہا تھا گھوڑے سے جدا ہوا۔ ہڈی ٹوٹ جانے سے دنیا سے رخصت ہوا۔ اِس بادشاہ نے لاہور میں ہی دار السلطنت منتقل کر دی تھی۔ اور قیاس چاہتا ہے کہ اُس کا مدفن بھی وہیں کہیں ہوگا۔ کیوں کہ دہلی میں تو ٹھیک طور پر اُس کی قبر کا کہیں پتہ لگتا نہیں ممکن ہے کہ مسجد قوت الاسلام کے وسیع صحن میں جو بہت سی قبریں ہیں۔ اُن میں سے کوئی قبر اِس کی بھی ہو تو ہو۔ اِس نے چوبیس سال چھ ماہ سلطنت کی۔ نیابت کا زمانہ چھوڑ دو تو مدت سلطنت صرف چار سال رہ جاتی ہے۔

آرام شاہ سنہ ۱۲۱۰-۱۱ء

جب اِس حادثۂ جانکاہ سے قطب الدین ایبک شکار اجل ہوا۔ تو اُس کے بیٹے **آرام شاہ** اسم بامسمیٰ کے سر سلطنت منڈھی گئی۔ پہلے ہی قطب الدین جیسے ہمہ صفت موصوف بادشاہ کے سامنے کسی کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ چہ جائے کہ لاڈلے صاحبزادے کو محض وراثت کی بنا پر تخت مل گیا۔ ع۔ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ اِن سے سلطنت برس بھر بھی سنبھالے نہ سنبھلی۔ مگر سکّہ تو چلا ہی دیا۔ غرض یہ کہ تخت پر بیٹھنا تھا کہ ایک او دھم ڈالدی اور برس کے اندر ہی اندر تخت پر سے اُتار دیئے گئے۔ **التمش** اِن دنوں بدایوں کا گورنر تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ آرام شاہ نے ایک دُھند مچا دی ہے۔ اور ہر طرف طوفان

بے تمیزی برپا ہے تو ایک دم دلّی میں آ دھمکا۔ اور بلا کسی قسم کی رد و کد کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ کیوں کہ لوگ خدا سے چاہتے تھے کہ کسی طرح آرام شاہ کی بلا سر سے ٹلے۔

سلطان شمس الدین التمش[1]

۱۲۱۱-۱۲۳۶ء

اِس خاندان کے سارے فرماں رواؤں میں اِسی بادشاہ کا نمبر بڑھا ہوا تھا۔ پچیس[2] برس اس نے سلطنت کی۔ قطب الدین کی طرح بچپنے سے یہ بھی غلام تھا۔ حضرت یوسف کی طرح اِس کے بھائیوں نے بھی اسے بیچ ڈالا تھا۔ اِس کے بعد شمس الدین کو بخارا لائے۔ آخرکار پھرتا پھراتا ہندوستان میں پونہچا۔ اور قطب الدین نے ایک گران قدر رقم پچاس ہزار روپے میں خریدا۔ یہ بے انتہا حسین تھا اور حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت بھی خدا نے دیا تھا۔ بڑا جیوٹ اور بڑا ہی دانشمند تھا۔ اِس نے ایسی جاں نثاری کی کہ آزاد کر دیا گیا۔ اور وہ رسوخ پایا کہ سپہ سالار ہوا۔ پھر نائب السلطنت بنا اور آخرکار قطب الدین کے مرنے کے بعد مستقل بادشاہ ہوا۔ اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کی

---

[1] بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں للتمش لکھا ہے۔ جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ اِس نام کی مختلف شکلیں ہیں۔ مگر یہ شکل کسی نے اختیار نہیں کی۔ بداؤنی لکھتا ہے کہ "وجہ تسمیہ آنست کہ تولد وے در شب گرفت ماہ (چاند گہن) واقع شدہ بود۔ تاکان این چنیں مولد را ایلتمش خوانند۔ ترکی میں آئی چاند کو کہتے ہیں اور تو تل مش چاند گہن کو۔ لیکن فرشتہ نے لکھا ہے کہ جس وقت قطب الدین نے شمس الدین اور ایک دو غلام دہلی میں خریدے تو ایک کا نام (غالباً اپنے ہم نام ہونے سے) طمغاج رکھا اور شمس الدین کا التمش۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام اُس کا اصلی نام نہ تھا۔ ممکن ہے کہ قطب الدین نے یہ نام اُس کے حسن و جمال کے سبب سے رکھا ہو گویا کہ اُس کے حسن و جمال کے سامنے چاند بھی شرما جاتا تھا۔ سکّوں سے بھی اِس کے نام کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بعضوں پر "سلطان المعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر التیمش القطبی بزبان امیر المومنین" منقوش ہے۔ اور بعضوں پر ایک طرف "السلطان ایلتمش" اور دوسری طرف بخط سنسکرت "سری سلطان لی تت مسی سموت ۱۲۸۳" ہے۔ قطب مینار کی دوسری منزل پر یہ کتبہ ہے "اَمَرَ بِاِتْمَامِ هٰذِهِ الْعِمَارَةِ الْمَلِكُ الْمُؤَيَّدُ مِنَ السَّمَاءِ شَمْسُ الْحَقِّ وَالدِّيْنِ اَيْلْتَمِشْ السُّلْطَانِيُّ نَاصِرُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ" اور اِسی منزل پر دوسری جگہ "اَلسُّلْطَانُ الْاَعْظَمُ .... اَبُو الْمُظَفَّرِ اَيْلْتَمِشْ السُّلْطَانِيُّ" کھدا ہوا ہے۔ تیسری شہادت ہم عصر شعراء کے اشعار سے ملتی ہے۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے ناصر الدین کی تخت نشینی کے وقت کسی شاعر نے ایک قصیدہ پیش کیا تھا۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تمام عالم وفقیہ قاضی وجیہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور بادشاہ کے سامنے بیٹھ گئے اور قاضی حسب عادت بادشاہ کے برابر بیٹھا۔ بادشاہ اِن لوگوں کے آنے کا مدعا سمجھ گیا۔ اُس نے مسند کا کونا اُلٹ کر ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین ایبک نے اِس کو آزاد کر دیا تھا۔ اِس کاغذ کے دیکھتے ہی سب نے بیعت کر لی۔ پہلے تو اُس نے اپنے سالے آرام شاہ کے معزول کرنے ہی پر اکتفا کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ ایسی پولٹیکل پیچیدگیاں پڑگئی ہیں کہ جن سے بہت کچھ کشت وخون ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور جب تک آرام شاہ کو پوری طرح آرام نہ دیا جائیگا۔ تخت سلطنت خار دار ہی رہے گا لہذا اُسے آرام سے میٹھی نیند سُلا دیا۔ قطب الدین کی وفات کے بعد سلطنت میں بڑی الجھنیں پڑ گئی تھیں اور تین مدمقابل کھڑے ہو گئے تھے۔ بہار اور بنگال کو خلجیوں نے داب لیا تھا۔ پنجاب پر ایک ترکی غلام تاج الدین یلدوز جا بیٹھا تھا۔ اور وادی سندھ میں ایک دوسرے ترکی غلام ناصر الدین قباچہ براج رہے تھے۔ اِن دونوں سے لڑائی ہوئی۔ اقبال یاور تھا۔ دونوں اوندھے منہ گرے۔ اِس نے بختیار محمد کے جانشینوں کو جو بنگال میں سر اُٹھائے ہوئے تھے۔ اُن کو بھی نیچا دکھایا۔ اِدھر تو التمش اندرونی فتنہ وفساد کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ اُدھر قباچہ نے بڑی گہری چال چلی کہ اُس نے اپنی فوج میں مغلوں کو بھرتی کر لیا۔

چنگیز خاں
سنہ ۱۲۲۱ء

تاتار کا ایک مشہور سردار چنگیز[1] خاں جو قطب الدین ایبک کا ہم عصر تھا وہ دراصل بودھ مذہب رکھتا تھا۔ اور مغلوں کا ایک بڑا لیڈر (سردار) تھا۔ وہ اپنے تند اور وحشی سپاہیوں کو ساتھ لے کر

نوٹ صفحہ گزشتہ کے: آن خداوندے کہ حاتم بذل ورستم کوشش است
ناصر دنیا و دین محمود بن التیمش است
اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں بھی ال ت م ش - ال ت ی م ش - ای ل ت م ش اور ای ل ی ت م ش - چاروں طرح اِس نام کو لکھتے تھے - ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا کے [1] قاآن والا چنگیز خاں از فرقۂ کفار تاتار است نام پدرش یسوکی بود - در سنہ ۵۴۹ھ متولد شدہ در سنہ ۶۰۲ھ بپادشاہی سر برآورد و در سنہ ۶۱۱ھ بر ملک چین و تاتار مستولی گشتہ و بعد ازاں تیغ بطرف ایران نمودہ بر سر محمد خوارزم شاہ ابن علاء الدین تکش کہ سلطان غزنہ وخوارزم میبود رفتہ و جا
(باقی نوٹ بر صفحہ آیندہ)

منگولیا سے آندھی کی طرح اُٹھا اور ایشیا کی کئی اسلامی سلطنتوں کو فتح کرکے دریائے سندھ تک آن پہنچا اُس زمانے کے مغل بڑے جنگ جو۔ خون ریز اور ظالم تھے۔ اُن کا گزر جدھر سے ہوگیا۔ لوٹ مار۔ قتل۔ غارت گری۔ آتش زنی ساری بلائیں خلق اللہ پر نازل ہوجاتی تھیں چنگیز خاں قریب تھا کہ دریائے سندھ عبور کرکے اِدھر کا رخ کرتا۔ لیکن التمش ایک دانا اور باخبر بادشاہ تھا۔ چنگیز خاں جیسے زبردست غنیم کو کب لڑائی کا موقع دیتا تھا۔ اُس نے ایک ترکستانی سردار کو جو چنگیز خاں سے شکست کھا کر بغرض استمداد آیا تھا۔ مدد دینے سے صاف انکار کردیا۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۔ محاربہ متواتر در ۶۱۸ھ و استاصل ساخت چندے باپسرش سلطان جلال الدین جنگ ہا داشت تا آں کہ او را نیز کشتہ تمامی ملک غزنہ و خوارزم و بخارا و سمرقند وغیرہ آنہا بعرصۂ قلیل بدست آورد و بعد ازاں در بلاد ایران اظہار مذہب خود آغاز نہاد و پس از سلطنت بست و دو سال بعمر ہفتاد و پنج سال روز یکشنبہ ۵ رمضان ۶۲۴ھ گزشت۔ چہار پسر از و داشت توسلے خان۔ اوکتائی قاآن۔ چغتائی۔ برجی۔ لیکن جوجی شش ماہ پیش از پدر فوت کرد و دیگر آں بادشاہی رسیدند۔ اوکتائی کہ ولی عہد بود بادشاہ تا تار شد و در ۶۳۹ھ درگزشت۔ چغتائی بعد از پدر بادشاہ ماوراء النہر و ترکستان و بلخ و بدخشان شد و توسلے خاں کہ پدرش او را ہمہ اوقات با خود نگاہ می داشت بعد پدر تابع برادران خود می بود چنیں گویند کہ ایں قوم مقید بہ ہیچ دین و ملت نبودند و از حلال و حرام فرق نمی کردند و گوشت جمیع وحوش و از درندگان و چرندگان تناول می نمودند" از مفتاح التواریخ۔ اوکتائی کے بعد اُس کا بیٹا کیوک قاآن اُس کے بعد توسلے خاں کا بیٹا منگو قاآن اور اس کے بعد قوبیلا قاآن چین میں بڑا قاآن ہوا۔ اُس نے اپنے بھائی ہلاکو کو ایران کا ایلخان (بادشاہ ماتحت) بنادیا۔ اُس کے بعد ہلاکو خاں کی اولاد ایران میں حکومت کرتی رہی اور قوبیلا قاآن کو چین میں اور برائے نام ماتحتی کے سوا بہت کم تعلق اُن کے درمیان باقی رہ گیا۔ ہلاکو خاں کی اولاد جو چین میں بادشاہ ہوئی اس کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے

چنگیز خاں وفات ۶۲۴ھ

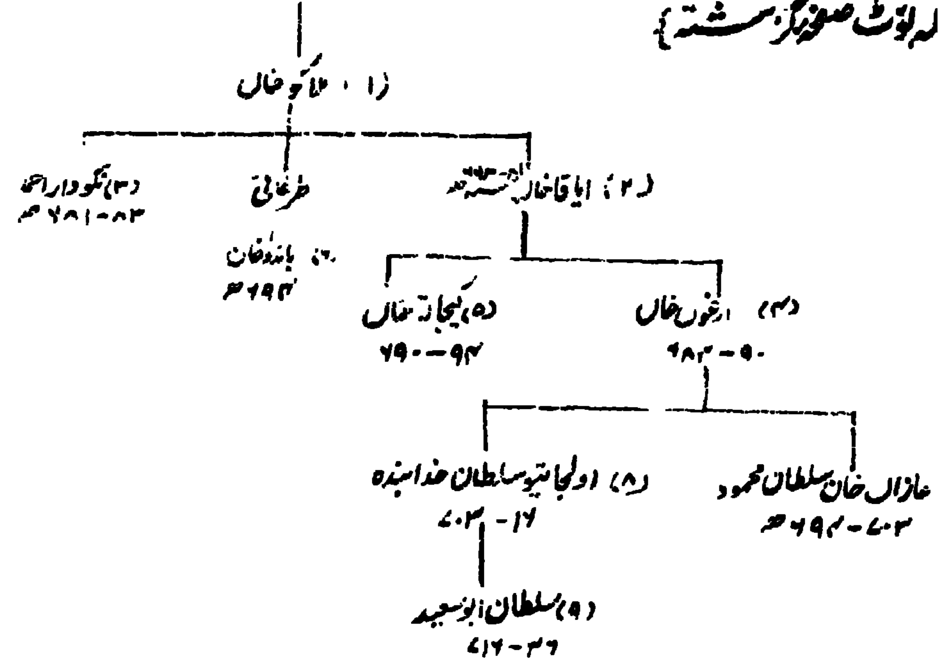
توسلے خاں وفات ۶۲۸ھ

ہلاکو خاں وفات ۶۶۳ھ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

مر خدا کی قدرت اور بادشاہ کی خوش نصیبی کہ خود اُن کے ملک میں گر بڑ مچ گئی چنگیزی
ں کو سندھ کے اِس پار آنے کا موقع ہی نہیں ملا اور اِس طرح آئی اور ئی بلا کو اللہ
ٹالا اور پھر اُس کے بعد تین صدیاں امن میں گزریں۔ جب کہیں مغلوں نے اِدھر
ع کیا۔ جب اُدھر سے کچھ اطمینان ہو گیا تو ۱۲۵۰ء میں توجہ شاہی بہار کی طرف معطوف
ں جہاں خلجی خود مختار بن بیٹھے تھے۔ برابر چھ سال دوڑ دھوپ ہی۔ ہی کہ اِس اثناء
، مالوے[1] میں رنتھنبور مانڈو۔ گوالیار[2] اور اُجین[3] پر حملے کیے

لہ نوٹ صفحہ گزشتہ



ٹ صفحہ ہٰذا۔ [1] ابن بطوطہ گوالیار کے شرق سے مالوے کا آغاز لکھتا ہے۔ لیکن آئینِ اکبری
مالوہ چندیری سے شروع ہوتا ہے اور گجرات کے حدود تک چلا گیا ہے اور حقیقت میں مالوہ اسی قد
کا نام ہے۔ آئینِ اکبری میں صوبۂ مالوہ کا طول باناں گڑھ سے بانسواڑے تک جنوباً شمالاً (۲۴۵)
س اور چندیری سے ندربار تک شرقاً غرباً (۲۳۰) کوس درج ہے۔ لیکن آج کل جو سنٹرل
یا ایجنسی ہے اُس میں وہ تمام ملک شامل ہے جو ابن بطوطہ مالوے میں شمار کرتا ہے (چندیری۔ شہر
فقط ایک گاؤں رہ گیا ہے بیتوا ندی کے کنارے ہے۔ گوالیار سے (۱۰۵)۔ آگرے سے (۱۶۰)
سے (۲۸۰) میل ہے۔ ایک سنگین قلعہ اب بھی پہاڑی پر واقع ہے۔ پہلے زمانے میں یہ قلعہ بڑا
و ما سمجھا جاتا تھا۔ بابر نے اپنی تزک میں قلعہ اور اُس کے گرد و نواح کا مفصل بیان کیا ہے۔
(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

پڑے۔ مختصر یہ کہ اقبال اس کو کہتے ہیں کہ اس فرزانہ و یگانۂ روزگار بادشاہ نے ایک طرف تو کوہ ہمالیہ سے لے کر کوہ بندھیاچل تک اور دوسری طرف دریائے سندھ سے دریائے برہمپتر تک گویا کہ سارے ہندوستان

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ کسی زمانے میں اس شہر میں چودہ ہزار پتھر کے محل اور (۴۳۸) بازار اور (۳۶۰) سرائیں اور بارہ ہزار مسجدیں تھیں۔ اس تعداد میں بہت مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مندر اس قدر بڑا تھا کہ اس میں نقارہ بجاتے تھے تو اس کی آواز باہر نہیں نکلتی تھی۔ بابر کہتا ہے کہ میں نے اس قلعہ کو تین گھڑی میں فتح کر لیا تھا۔ یہ شہر سرکار انگریزی نے جھانسی کے عوض سے لیا تھا۔ ندربار۔ اب نندربار کہلاتا ہے ضلع خاندیس احاطہ بمبئی میں ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ یہ شہر دریائے تاپتی کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ آئین اکبری میں صوبۂ مالوہ میں ایک سرکار ندربار نام کی درج ہے۔ اور ایک شہر بھی ہے۔ یہ مالوے کی مغربی سرکار تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جب ملک کافور دیول دیوی کے لینے کے لیے گیا۔ تو اس وقت اس نے سلطان پور اور ندربار دو شہر آباد کیے تھے۔ لیکن اس نندربار میں یہ روایت مشہور ہے کہ اس کو نند گاؤلی نے آباد کیا تھا اور نام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر قدیم زمانے کا ہے۔ جو آبادی آٹھ سات ہزار سے زیادہ نہیں۔ لیکن کسی زمانے میں یہ بہت بڑا شہر اور تجارت گاہ تھا۔ سنہ ۱۶۶۶ء میں یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک تجارتی کوٹھی بھی کھولی تھی۔ جو بعد میں احمد آباد کو منتقل کر دی گئی۔ باجی راؤ پیشوا کی حکومت میں یہ شہر اجڑ گیا۔ اور جب سنہ ۱۸۱۸ء میں وہ سرکار انگریزی کے قبضے میں آیا تو تقریباً بے چراغ تھا چند پرانی مسجدیں اور عمارات اب تک موجود ہیں)۔

۵۲ قلعہ رنتھنبور کے متعلق "مفتاح التواریخ" میں لکھا ہے کہ چوں محمد اکبر شاہ سنہ ۹۷۶ھ در ماہ رمضان محاصرہ نمود و رائے سرجن امان طلبیدہ قلعہ را با اولیائے دولت۔ فراغی برادر حکیم فتح اللہ شیرازی ایں تاریخ یافت ؎

چوں گل نصرت شگفت در چمن فتح شاہ

منتہی تاریخ گفت قلعہ گرفتند ۹۷۶

چوں رائے سرجن بار دیگر سرکشی آغاز نہادہ بنا بر آں محمد اکبر شاہ . . . . . .

قرار دیا اور اپنا سکہ بٹھا دیا۔ چنانچہ اُسی زمانے کے کسی اہلِ کمال نے اِن فتوحات کی تہنیت میں یہ نظم کہی ہے۔ ؎

خبر باین سما برد جبرئیل امین ز فتح نامۂ سلطان عہد شمس الدین

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) تسخیر آن قلعہ رفتند و بتاریخ سوم شوال سنہ مذکور آن قلعہ را سلطان علاء الدین خلجی با ہمہ حشمت و جلال بعد از محاصرۂ یک سال دست تصرف بر آن یافتہ بیامن اقبال در یک ماہ مفتوح ساخت و مولانا شیرازی ایں تاریخ یافتہ۔ ؎

قلعۂ کفر چو از دولت شہ یافت شکست

شہ کفار شکن یافت ... ی سالش

۵ مئو کی چھاؤنی سے تیس میل پر سلطنت مالوے کا دار السلطنت ہے۔ شہر مانڈو کی بنا تیرھویں صدی عیسوی میں پڑی لیکن اِس شہر کا عروج دلاور خاں اور اُس کے بیٹے ہوشنگ شاہ ان مالوہ کے عہد میں ۱۴۰۰ء تک رہا۔ یہ شہر ایک وسیع اور بلند مقام پر آباد ہے جس کے گرد تین سو سے چار سو گز چوڑا اور دو سو گز گہرا درہ ہے۔ شہر کے گرد (۲۸) میل کے دور میں فصیل ہے جو درے کے ساتھ اونچی نیچی ہوتی جاتی ہے۔ یہ قطعہ پانچ میل لمبا اور ... میل چوڑا ہے۔ جس میں جانے کے لیے ایک شان دار پل بنا ہوا ہے۔ جس پر تین دروازے ... سارے شہر میں سب سے عمدہ وسیع اور شان دار جامع مسجد ہے جو ہوشنگ کی بنوائی ہوئی ہے۔ صحن کے چاروں طرف گیارہ گیارہ بڑے بڑے دروں کے دالان ہیں۔ جن میں سنگِ سرخ کے ایک ہی پتھر میں تراشے ہوئے ستون لگے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے کی طرف دو دالان ہیں جس کے محاذ میں پانچ دالان اور ہیں جن پر تین بڑے بھاری ... ۴۲ فٹ قطر کے ہیں۔ باقی دو ضلعوں میں تین تین دالان ہیں ہر چار ستونوں پر ایک چھوٹا گنبد ہے۔ مسجد کا طول و عرض ۲۹۰ × ۲۷۵ فٹ ہے۔ مسجد کے پیچھے ہی ہوشنگ کا ایک عالی شان مقبرہ ... کا ہے۔ ایک جانب کو ایک شان دار دھرم سالہ ہے جس کے دالان کا ۲۳۰ فٹ لمبا ہے ... ہندوؤں کے مندروں کو توڑ کر ہوشنگ کے زمانے سے پہلے ... قابل دید عمارت "جہاز محل" ہے۔ جو دو تالابوں کے بیچ میں اِس خوبی ... گویا سمندر میں جہاز تیر رہا ہے۔ اِس کا صدر دالان ... ۲۵ × ... فٹ عرض ... ۲۴ فٹ اونچا ہے۔ جس کو پڑے ... ست پشتی بان لگے ہوئے ہیں۔ اِس ... کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کہ ای ملائکہ قدس آسمانہا را — بدین بشارت بندید کلۂ و آئین

کہ از بلادِ سوالک شہنشۂ اسلام — کشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ برسرے پر ایک قطار منقّش کمروں کی ہی۔ جن کے آگے نشیمن نکلے ہوئے ہیں۔ اور اس کے آگے ایک بہت بڑی قطار لداؤ حجروں کی ہی۔ جو پانی کے اندر تک چلے گئے ہیں۔ غرض یہ کہ سارے کا سارا محل بڑی شان دار وسیع اور مستحکم عمارت ہی۔ لیکن چوں کہ چاروں طرف سے جنگل جھاڑی میں گھر گیا ہی۔ اور جھاڑیاں پھوٹ پڑی ہیں۔ لہذا اس کی خوبصورتی بالکل ڈھنگ گئی ہی۔ یہاں اور بہت سی عمارتیں چوطرف پھیلی ہوئی ہیں بعض گنبد کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر سب گرے پڑے اور ویران۔ مسٹر فرگسن لکھتے ہیں کہ "اس ویرانے کو جو ایک وسیع غیر آباد جنگل بن ہی۔ دیکھ کر ایک عمدہ تصور مسلمان خاندانوں کی اُس سریع الزوال شان و شوکت کا جاگزیں ہوتا ہی۔ جس کا ثانی ہندوستان کے سوائے اور کہیں نہیں اور اگر اس کی صراحت اور تشریح کی جائے تو پوری طرح ثابت ہو جائے گا کہ اِن عمارات کے بانی مال مسالے کی اصلی حقیقت اور نوعیت اور فن تعمیر کے نکات سے ایک تعجب میں ڈال دینے والی واقفیت رکھتے تھے۔" ۱۲

۵۴ گوالیار کا قلعہ ایک چٹان پر واقع ہی۔ جو زمین سے تین سو فیٹ اونچی۔ پونے دو میل لمبی ہی۔ اور کہیں چھ سو فیٹ اور ایک جگہ ۲۸۰۰ چوڑی ہی۔ قلعے کی دیواریں ۳۰ سے ۳۵ فیٹ تک بلند ہیں۔ دیواروں کے نیچے پہاڑی کو اس طرح تراشا ہی کہ نیچے سے اوپر تک ایک دیوار سی سمجھنی چاہیے۔ قلعے کے شمال کی طرف نیچے پرانا شہر بستا ہی۔ اور جنوب کی طرف ایک میل کے فاصلے پر لشکر ہی۔ قلعہ پر چڑھنے کا راستہ مشرقی طرف ہی۔ پہلے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اب آدھ میل لمبی پکی دار سڑک ہی۔ مشرق کی طرف آٹھ دروازے ہیں۔ (۱) عالمگیری دروازہ (۲) بادل گڑھ دروازہ۔ اِس دروازے پر کانسی کا ڈھلا ہوا۔ ایک بیل کھڑا تھا۔ جس کو ابراہیم لودھی ۱۵۱۸ء میں دہلی لے گیا تھا (۳) ہنڈولا دروازہ (۴) بھیروں دروازہ (۵) بینسور دروازہ (۶) گنیش دروازہ (۷) لچھمن دروازہ (۸) ہتیاپول دروازہ۔ یہ دروازہ مان سنگھ نے ۱۴۸۶ء لغایۃ ۱۵۱۲ء میں بنایا تھا۔ کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ ہاتھی جو یہاں تھا مان سنگھ ہی نے بنایا ہوگا۔ لیکن ابن بطوطہ نے اُس کو مان سنگھ کے وقت سے بھی پہلے دیکھا تھا۔ معتمد خان کا منشی ہیرامن لکھتا ہی کہ یہ ہاتھی منظفر خاں نے بنایا تھا۔ جو ۱۲۳۸ء سے ۱۲۴۷ء تک اِس

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

مثنہ مجاہد و غازی کہ دست تیغش را روانِ حیدر کرار می کند تحسین

ہ گوالیار کی فتح کے متعلق ملک تاج الدین ریزہ دبیر مملکت نے یہ رباعی لکھی ہی جو قلعے کے

قلم نوٹ صفحۂ گذشتہ کہ قلعہ کا حاکم رہا ہی۔ تیمن دروازے کے قریب بھی ایک ہاتھی پتھر کا بنا
ا موجود ہی۔ لیکن اُس کا نیچے کا کل دھڑ کسی نے کاٹ کر گشت خانہ کا سایہ بان بنا دیا ہی۔ گوالیار کا قلعہ نہایت
مضبوط اور ناقابل فتح سمجھا جاتا ہی۔ ابو ریحان بیرونی بھی گوالیار اور کالنجر کے قلعوں کی بابت
کہتا ہی کہ یہ دونوں تھوڑی سی خبرداری کرنے سے ایسے ہو سکتے ہیں کہ دشمن اُن پر غالب
ں ہو سکتا۔ لیکن محمود کے حملے کے وقت یہاں کے راجہ نے مقابلہ نہیں کیا۔ اور طاعت
طور کر لی تھی۔ شمس الدین التمش کے وقت راجہ نے مقابلہ کیا۔ ایک سال کے محاصرے
لے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔ اور پھر ابراہیم لودھی نے اُس کو دو سال کے محاصرے کے بعد لیا
غرب کی طرف بعض مقام ایسے ہیں کہ وہاں سے ایک بہادر اور جری دشمن قلعہ کو زیادہ تر
سانی سے فتح کر سکتا ہی۔ میجر پوپہم نے ۱۷۸۰ء اور جنرل وائیٹ نے ۱۸۰۵ء میں۔ اور
۱۸۴۳ء میں لفٹنٹ روز نے اس قلعہ کو فتح کیا ہی۔ کالنجر کی بہ نسبت اس قلعہ میں پانی کا ذخیرہ
یادہ تر کافی ہی۔ مغرب کی جانب ایک گھاٹی ہی جس کو وہ اُروا ہی کہتے ہیں۔ اس میں آٹھ کنویں
ر نو باوسیاں ہیں۔ اُن کا پانی بہت شیریں اور صحت بخش ہی۔ شمس الدین التمش نے ایک دیوار
کر اُن کنوؤں اور باولیوں کو قلعے کے اندر لے لیا تھا۔ اِن کے علاوہ قلعہ کے اندر اور چند
الاب ہیں۔ اُن میں سب سے پرانا سورج کنڈ ہی۔ جو کہتے ہیں کہ ۲۰۰ء میں راجہ سورج
نے ایک سورج کے مندر کے ساتھ طیار کرایا تھا۔ (۲) ترکونیا تالاب شمالی گوشے میں
اقع ہی۔ (۳) جوہر تلاؤ شاہجہاں کے محل کے مقابل واقع ہی۔ (۴) ساس بہو کا تلاؤ۔
تالاب اب خشک پڑا ہی۔ کھرگ رائے بھاٹ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس سے معلوم
وتا ہی کہ وہ فقط دو تین صدی پرانا ہی (۵) مان سرور۔ قلعہ کے مغرب میں واقع ہی۔ راجہ
ن سنگھ کا بنایا ہوا ہی۔ اِس میں اب پانی نہیں ٹھیرتا۔ (۶) رانی تال ۱۵۰۰ء میں راجہ مان سنگھ
، رانی کے لئے بنوایا تھا۔ اُس کے متصل چھیدی تالاب ہی۔ جو اُس رانی کی لونڈی نے بنایا تھا۔
فضل علی جو کھرگ رائے اور ہیرامن کی طرح گوالیار کا مورخ ہی۔ شاہجہاں کے وقت میں لکھتا
ہ کہ یہ تالاب خشک پڑا رہتا تھا۔ آخرکار اس کو ایک سُرنگ کے ذریعے سے رانی کے تالاب سے
ملا دیا گیا۔ (۷) گنگولہ تلاؤ۔ قلعے کے وسط میں واقع ہی (۸) کٹورا تلاؤ۔ (۹) اک کھمبہ تلاؤ (۱۰) دھوبی تلاؤ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

دروازے پر لگی ہوئی ہے - رباعی

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطیں بگرفت | از عونِ خدا و نصرتِ دیں بگرفت
آں قلعۂ گوالیار و آں حصنِ حصیں | در ستمائۃ سنہ ثلثیں بگرفت

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ] ۔ (۱) نوری ساگر معتمد خاں نورالدین نے سنہ ۸۰ھ میں بنوایا مغرب کی جانب ڈھونڈھ دروازے کے مقابل قلعہ کی حد سے باہر نکلا ہوا - ایک قید خانہ ہے - جس میں شاہزادے مقید کیے جاتے تھے - اِس کو "نوچوکی" کہتے ہیں - مسلمانی عمارتوں میں جہانگیر اور شاہ جہاں کے محل اور ایک نہایت خوش نما جامع مسجد جو عالمگیری دروازے کے متصل واقع ہے - (۲) خواجہ محمد غوث گوالیری اور تان سین کے مقبرے ہیں - گوالیر کی تین تاریخیں موجود ہیں - (۱) کھڑگ رائے کھاٹ نے شاہجہاں کے شروع زمانے میں لکھی اور بادلی داس نے اُس کو ۱۷۹۶ء تک مکمل کیا - (۲) فضل علی نے شاہجہاں کے زمانے میں ایک تاریخ لکھی اور زیادہ تر اُس نے ایک برہمن گھنشام کی تاریخ سے ترجمہ کیا ہے (۳) ہیرامن ولد گردھرداس معتمد خاں کے منشی نے ایک مفصل تاریخ سنہ ۱۶۶۷ء کے قریب تحریر کی - فضل علی کی تاریخ کے مطابق گوالیار کا قلعہ سمت ۳۳۲ بکرماجیتی میں بنایا گیا - روایت یہ چلی آتی ہے کہ اِس پہاڑی پر ایک رشی جس کا نام گوالیا تھا - رہتا تھا - راجہ سورسین کچھواہیہ جذامی تھا - ایک روز شکار میں اُس کو پیاس لگی - اور وہ رشی کی مڑھ میں پانی پینے آیا - رشی نے اِس کو پانی دیا - جس کے پینے سے وہ اچھا ہو گیا - راجہ نے کہا کہ میں شکریہ میں کیا کروں تو رشی نے کہا کہ اِس پہاڑی پر ایک قلعہ بناؤ اور جس تالاب کا یہ پانی تھا اُس کو وسیع کر کے پختہ کر دو - رشی نے یہ بھی کہا کہ آج سے تیرا نام سوہن پال ہے - اور تیری اولاد سے چوراسی راجہ راج کریں گے اور جب تک وہ اپنے نام میں پال لگاتے جائیں گے - راج اُن کے پاس رہے گا - کھڑگ رائے کہتا ہے - چوراسیویں راجہ نے اپنا نام تیج کرن رکھ لیا کہتے ہیں کہ یہ راجہ سنہ ۱۱۳۲ء میں دیوسہ کو راجہ رنمل کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے گیا - اور قلعے میں اپنے بھانجے پرمل دیو پنوار کو چھوڑ گیا - تیج کرن کو وہاں ایک سال لگ گیا - اتنے میں بھانجے کے دل میں دغا آئی اور اُس نے قلعہ واپس دینے سے انکار کر دیا - اور خود راجہ بن بیٹھا - التمش کے زمانے تک پنوار راجہ حکومت کرتے رہے - سنہ ۱۲۳۲ء میں التمش نے ایک سال کے محاصرے کے بعد اِس قلعے کو فتح کیا - اگرچہ اِس سے پہلے قطب الدین ایبک نے بھی قلعہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اِس بادشاہ نے محض جنگ اور فتوحات ہی کی بدولت نام نہیں پایا۔ بلکہ اس نے
امن و امان قائم رکھنے اور کارہائے رفاہِ عام میں بھی کافی حصہ لیا۔ قطب الدین ایبک

گلہ نوٹ صفحہ گزشتہ کو فتح کر لیا تھا۔ لیکن اُس پر پھر راجہ پھر قابض ہو گئے تھے ۱۲۳۲ء
سے لے کر ۱۳۹۸ء تک یہ قلعہ مسلمان بادشاہوں کے قبضے میں رہا اور اکثر اُس کو قید خانے
کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ تیمور کے آنے سے کچھ دن پہلے اس قلعے کو تورخاندان کا
ایک راجہ بیر سنگھ فریب کر کے دبا بیٹھا اور سید خضر خان اور اُس کے بیٹے کو خراج ادا
کرتا رہا۔ لیکن اُس کے بعد جونپور اور مالوے کے مسلمان بادشاہوں کی رقابت کے سبب
سے جن میں سے ہر ایک گوالیار پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ یہ قلعہ بدستور ہندوؤں کے
قبضے ہی میں رہا۔ راجہ مان سنگھ نے خراج اور نذریں دے کر بہلول اور سکندر لودھی کو
خوش رکھا۔ ابراہیم لودھی کا بھائی جلال خاں بغاوت کے بعد اپنے بھائی سے شکست
کھا کر راجہ کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ ابراہیم کو بہانہ مل گیا تھا۔ چوں کہ اُس کا باپ اور دادا
دونوں اِس آرزو میں مر گئے تھے کہ کسی طرح گوالیر کے قلعے کو مسخر کریں۔ ابراہیم نے
اعظم ہمایوں کے ماتحت تیس ہزار لشکر بھیجا۔ اِس عرصہ میں مان سنگھ مر گیا۔ اور
اس کے بیٹے بکرماجیت نے ایک سال کے مقابلے کے بعد اطاعت منظور کی اور قلعہ کو
حوالے کر کے بادشاہی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم کے ساتھ مارا
گیا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد ہمایوں نے آگرے کی جانب کوچ کیا۔ یہ قلعہ اُن دنوں میں
راجہ بکرماجیت کے سپرد تھا۔ مقابلے کے بعد بکرماجیت کی اولاد اور رانیوں نے کہیں
نکل جانے کا بند و بست کیا۔ لیکن وہ سب گرفتار ہو گئے۔ ہمایوں نے اُن کے ساتھ
شریفانہ سلوک کیا۔ اور انھوں نے اِس احسان کے شکریہ میں اُس کو وہ مشہور ہیرا
دیا جو وزن میں (۳۲۰) رتی تھا۔ اور جس کی بابت بعض مصنف یہ بیان کرتے ہیں کہ کوہ
نور ہی ہے۔ یہ ہیرا پہلے سلطان علاؤ الدین خلجی مالوے کے بادشاہ کے پاس تھا معلوم
ہوتا ہے کہ رانا کھمبو راجہ چتوڑ اور سلطان کی لڑائی کے وقت گوالیار کا راجہ رانا کا معاون ہوگا
اور اُس وقت یہ ہیرا اُس کے ہاتھ آگیا ہوگا۔ بابر نے فوراً رحیم داد خاں اپنے ایک افسر کو
گوالیار کے قلعے کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ اور اُس نے آخر کار شیخ محمد غوث کی مدد سے قلعہ
کو تاتار خاں کے قبضے سے لے لیا۔ اُس کے بعد دو دفعہ منگت رائے۔ اور رام سہائے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کی طرح اِس کی دار السلطنت بھی رائے پتھورا ہی کے قلعے میں رہی۔ اِس نے قطب مینار جیسی بے نظیر عمارت کو بھی اپنے عہد میں پورا کرا دیا۔ عدل و انصاف رسانی جو ایک

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ نے تور نے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن سود مند نہ ہوئی۔ بکرما جیت کا بیٹا رام سہلسئے چتوڑ میں رانا کا پناہ گزیں ہوا۔ چتوڑ کی فتح کے بعد اُس کے بیٹے سالباہن نے اکبر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اور گوالیار کا خبط چھوڑ دیا۔ مغلی گورنروں میں سے مظفر خاں خان جہاں و سید عالم اور معتمد خاں نے قلعے کی تعمیر اور مضبوط کرنے میں نہایت کوشش کی ہے۔ عالمگیری دروازے کے پاس جو خوشنما مسجد ہے وہ معتمد خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ کرنل سلیمن صاحب لکھتے ہیں کہ یہ مسجد ایسی خوبصورت بنی ہوئی ہے۔ کہ گویا اُس پر سے آنج معمار اُترے ہیں۔ ایک اور مسجد قلعہ کے وسط میں گولپا کے مندر کو توڑ کر معتمد خاں نے بنوائی تھی۔ اب اُس جگہ سیندھیا کا بالا حصار ہے۔ اِس مسجد کی تاریخ منشی ہیرامن نے اپنی تاریخ میں یہ درج کی ہے۔ ؎

در زمانِ خدیو عالمگیر	نور بخش جہاں چو بدر منیر
للہ الحمد کیں خجستہ مقام	معتمد خاں ز صدق کرد تمام
بود بُت خانۂ گوالی زشت	مسجدے ساختہ چو کشک بہشت
خانہ روشن دل و سراپا نور	نور حق کرد روشنی چو ظہور
کرد مسمار خانۂ طاغوت	آفریں شد ز ملک تا بہ ملوک
دور چوں دُور کرد ظلمت دیر	گفت ہاتف کہ نور باد خیر

(۱۰۷۵ھ)

اِسی معتمد خاں نے قحط کے ایام میں عوام کی خبر گیری میں اعلیٰ درجے کی لیاقت دکھائی اور عالمگیری دروازہ اور باؤلی گڑھ کے پاس کچہری کا مکان بھی اُسی کا بنایا ہوا ہے۔ دروازے کی تاریخ یہ ہے:۔

در زمانِ خجستہ عالمگیر	کہ ز فیضش زمانہ یافتہ داد
معتمد خاں ز فطرت عالی	در دولت بروئے قلعہ کشاد
گفت ہاتف ز سال تاریخش	باد دایم مکان فیض آباد

سلطان مغلیہ کے زوال کے زمانے میں گوہد کے جاٹ رئیس نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۱۷۸۴ء میں مادھوجی سیندھیا نے اُس سے یہ قلعہ چھین لیا۔ ۱۸۰۳ء سے اُس پر برٹش

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بادشاہ کے لیئے بڑی صفت محمود ہی۔ اِس میں بوجہ اکمل موجود تھی اور ہر وقت سلطنت گستری کا خیال پیش نظر رہتا تھا۔ نیک چلن۔ انصاف پرور اور بڑے عالم و فاضل تھا

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) گورنمنٹ نے قبضہ کر لیا۔ ۱۸۵۷ء میں وہاں کی فوج بھی باغی ہوگئی تھی۔ لیکن اگلے سال پھر قلعہ فتح کیا گیا۔ اور لارڈ ڈفرن کے زمانے تک سرکار انگریزی کے قبضے میں رہا۔ اُسی سال شہر جھانسی کے ساتھ اُس کا تبادلہ کر دیا گیا۔ اِس تبادلہ کرنے میں سرکار انگریزی نے مہاراجہ گوالیار پر بہت بڑی مہربانی کی ہی۔ چوں کہ گوالیار اور اجمیر کے قلعوں کا قبضہ راجپوتانہ اور مالوے میں ہمیشہ بادشاہان ہند کی طاقت کی علامت سمجھا گیا ہی۔ اور اِسی لیئے ہر ایک بادشاہ نے اِس قلعہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی ہی۔ گوالیار آگرے سے (۶۵) اور دہلی سے (۱۹۵) میل ہی۔ ہتیا پول دروازہ جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں بابر نے بھی اپنی تزک میں اِس کا تذکرہ کیا ہی۔ "در برج ضلع شرقی او ہتیاپول ست (فیل را ہاتھی گویند در وازہ را پول۔ در بر آمد ایں دروازہ صورت یک فیلے را مجسم کردہ اند دو بالائے او۔ دو فیل تان ہم ساختہ بعینہ فیل را مشابہ کردہ اند" اِسی ہاتھی کی نقل کے طور پر شہنشاہ اکبر نے جب قلعہ آگرہ طیار کیا تو اُس کے مغربی دروازے پر دو ہاتھی مع فیل بانوں کے طیار کرائے۔ اُن کو شاہ جہاں دہلی کے لال قلعے میں لے گیا۔ اور وہاں کھڑے کر دیئے تھے۔ عالم گیر نے اُن کو بُت پرستی کی علامت سمجھ کر اُس جگہ سے علیحدہ کروا دیا۔ اِن ہاتھیوں کا برنیئر نے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہی۔ اور وہ ہاتھیوں کے فیل بانوں کو جیمل اور فتا کے بُت بتلاتا ہی۔ اِس پر ٹاڈ صاحب مصنف تاریخ راجستان اور جنرل کننگھم نے طرح طرح کی باتیں بنائی ہیں اور بلا ضرورت اُس کو ایک حل طلب سوال بنا دیا ہی کہ اکبر نے کس منشا سے اپنے دشمنوں جیمل اور فتا کے بُت اپنے قلعے پر کھڑے کیئے۔ کوئی کہتا ہی کہ اُس کا منشا یہ تھا کہ اُن کی بہادری کی قدر کرے۔ کوئی کہتا ہی۔ کہ اُن کو بطور دربان کے کھڑا کرنے سے اُن کی ذِلّت مقصود تھی۔ لیکن یہ سب باتیں بے جوڑ ہیں۔ برنیئر کے سوا اور کوئی مصنف غیر ملک کا یا اِس ملک کا یہ نہیں لکھتا کہ ان ہاتھیوں پر جو دو بت تھے وہ جیمل اور فتا کے تھے۔ کننگھم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ برنیئر کا تعلق دانش مند خاں سے تھا۔ ممکن ہی کہ اُس نے دانش مند خاں سے یہ بات سُنی ہو۔ لیکن یہ محض غلط قیاس ہی کیوں کہ اگر اکبر جیمل اور فتا کے بت اُن ہاتھیوں پر بناتا تو ابو الفضل ضرور لکھتا خواہ اکبر کا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اُس نے بہت سختی سے حکم دیا تھا کہ خبردار کسی پر رتی بھر ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر کسی پر ظلم ہو تو وہ رنگین کپڑے پہن کر پھرے تاکہ چلتے پھرتے بادشاہ کی نظر

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ اور وہ اُن بتوں کے بنانے سے جیمل اور فتا کی توقیر یا تذلیل اور اپنی عظمت کی نمائش ہوتی یا دونوں۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ "گیتی خداوند قلعۂ از سنگ سرخ بر ساخت کہ جہاں دیدگان ہمتائے او نگزارند۔ ۔ ۔ بدروازہ باختر دو فیل سنگین با پیل بانان بس نیکو تراشیدہ اند" حقیقت یہ ہے کہ گوالیار کی تقلید سے ہاتھیوں کا بنانا محض شان و شوکت کے لیئے مقصود تھا۔ ہاتھی کے ساتھ فیل بان بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ ابوالفضل صاف لکھتا ہے کہ یہ بت فیل بانوں کے تھے۔ ممکن ہے کہ برنیر کے وقت میں چونکہ جیمل اور فتا کا واقعہ تازہ تھا۔ عوام اِن بتوں کو فتا اور جیمل کے بُت کہنے لگے اور برنیر کا ماخذ بھی دانش مند معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہی عوام لوگ ہیں۔ سید محمد غوث گوالیاری کے مرشد شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی تھے۔ آپ کا وصال ۱۴ رمضان سنہ ۹۷۰ھ میں ہوا۔ مخبر الواصلین میں یہ تاریخ لکھی ہے:۔

سید الاولیا محمد غوث — سند الاتقیا محمد غوث

مرشد چار دہ سلاسل اوست — ہمرہ شیخ کابل اوست

جد عالی او بہ نیشاپور — نعمت و فیض داد و رونق نور

از مہ صوم بود چہار دہم — کہ گزشت از زمانہ غوث امم

سال نقلش بتعمیہ رضوان — غوث بے لوث زو رقم برخوان

(غوث = ۱۵۰۶، لوث = ۵۳۶)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ میجر پاپہم نے سنہ ۱۷۸۰ء میں اِس قلعہ کو فتح کیا تھا۔ اِس کے متعلق مفتاح التواریخ میں حسب ذیل لکھا ہے "چون در سنہ ۱۷۸۰ء موافق استدعائے رانا سے گوہد میجر پاپہم با دو ہزار جوانان کار آزمودہ برائے تسخیر قلعۂ گوالیار کہ در آں ایام در قبضۂ مونا مادہو جی سیندھیہ بود رفت برفاقت لفٹنٹ کمرن و کپتان بروس و دیگر صاحبان انگریز تاریخ ۴ اگست سنہ مذکور مطابق ۲ شعبان سنہ ۱۱۹۴ھ بود قلعہ را مفتوح ساختہ حوالہ مردمان رانائے گوہد نمود۔ منشی الہدیار بلگرامی حسب الایمائے کپتان اِسکاٹ صاحب ایں تاریخ گفتہ

صبح جمعہ دوم شعبان چارم ماہ گست — میجر پاپہم نمودہ فتح حصن گوالیار

در رفاقت صاحبان کمرن و دیگر بروس — سعی و محنت ہر یکے کردند اندر کارزار

(بقیہ نوٹ بصفحہ آئندہ)

اُس پر پڑ جائے۔ اور مظلوم الگ پہچانا جائے کیوں کہ لوگ بالعموم سفید کپڑے پہنا کرتے ہیں۔

رات دن دربار شاہی کھلا رہتا تھا۔ رات کے واسطے یہ صورت نکالی تھی کہ محل کے دروازے کے دونوں برجوں پر دو شیر سنگ مرمر کے اُن کے گلوں میں زنجیریں اور زنجیروں میں گھڑیاں ڈال کر بٹھا دیئے تھے۔ کہ جب کوئی دادخواہ زنجیر ہلائے معاً بادشاہ کو خبر ہو جائے اور فوراً اُس کے مقدمے کا فیصلہ کر دیتا لیکن اِس سے بھی اُس کے دل کو تشفی نہ ہوتی تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ خدا جانے خلق اللہ پر رات میں کیا کیا مظالم ہو جاتے ہیں۔ اور صبح ہوتے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس لئے بلا توقف مزید فوراً متخاصمین کو بلا کر جب کا تب تصفیہ کر دیا کرتا تھا۔ اِس بادشاہ کو بزرگان دین کی خدمت میں بھی بڑی حسن عقیدت تھی۔ چنانچہ ہم نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ضمناً اِس کا ذکر کیا ہے۔

وفات بادشاہ ملتان کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ وہیں طبیعت جادۂ اعتدال سے منحرف ہوئی عماری میں بٹھا کر دلی لائے یہاں پہنچ کر ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو (۱۲۳۶ء) انتقال کیا اور اپنی بنائی ہوئی مسجد قوت الاسلام میں دفن ہوا۔ **تاریخ**

چو شش صدسی وسہ از سال ہجری | گذشت و بست روز از ماہ شعبان
بشد سلطان شمس الدین التمش | بسوئے جنت الماوا خراماں

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ

سنیچ جود و سخا اسکاٹ حسبنا یا حقیر | گفت تاریخے بگو در فتح این نگیں حصار
حسب ارشادش پئے تاریخ صورت فکر کرد | ہاتف از غیبم بگفت اے بندۂ اللہ یار
در ہزار و ہفتصد و ہشتاد و سال عیسوی | شد چنیں فتح عظیم از دست آں عالی تبار
گر تو پرسی سال ہجری راز من اے مہرباں | بدہزار و یک صد و تسعین بالایش چہار

۵۵۔ اُجین دریائے سیپرا پر واقع ہے۔ یہ شہر مالوے کا قدیم دار الخلافہ تھا۔ اب گوالیار کی ریاست میں داخل ہے۔ موجودہ آبادی پینتیس ہزار ہے۔ علاء الدین خلجی نے اِس شہر کو فتح کیا۔ ۱۳۰۵ء سے ۱۵۳۱ء تک مالوے کے بادشاہ خود سر رہے۔ بہادر شاہ بادشاہ گجرات نے مالوے کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۵۷۱ء میں اکبر بادشاہ نے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

حوض شمسی اور حوض خاص

اِن حوضوں کا ذکر حصۂ دوم میں اپنی اپنی جگہ آچکا ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کے سفرنامے سے اِن تالابوں کے حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ لہٰذا وہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:-

اِس حوض میں برسات کا پانی جمع ہوتا ہے۔ جو لوگ پیتے ہیں۔ اِس کا طول دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے۔ اِس کے غرب میں عیدگاہ کی طرف سنگ بستہ گھاٹ چبوتروں کی شکل کے اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ چبوتروں سے لب آب تک سیڑھیوں کا سلسلہ ہے۔ اور ہر چبوترے کے کونے پر برج بنا ہوا ہے جس میں بیٹھ کر تماشائی سیر کرتے ہیں۔ اور حوض کے بیچوں بیچ بھی منقش پتھروں کا دومنزلہ برج بنا ہوا ہے۔ جب تالاب میں پانی زیادہ ہوتا ہے۔ تو لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اِس برج تک پہنچتے ہیں۔ اور جو پانی تھوڑا ہوتا ہے۔ تو یونہیں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اِس کے اندر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ جس میں اکثر زاہد اور متوکل رہا کرتے ہیں۔ جب پانی اتر جاتا ہے۔ تو کناروں پر فالیز بو دیتے ہیں۔ خربوزہ گو چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر بہت شیریں ہوتا ہے۔ دہلی اور دارالخلافہ کے درمیان ایک اور حوض بھی ہے جو حوض خاص کہلاتا ہے۔ یہ حوض شمسی سے بھی بڑا ہے۔ جس کے کنارے کنارے کوئی چالیس برج ہیں اور اِس کے گرد اہل طرب (ارباب نشاط) رہتے ہیں۔ اِس سبب سے طرب آباد کہلاتا ہے۔ یہاں اہل طرب کا ایک بازار ہے۔ جو بہت بڑا ہے اور اُس میں ایک جامع مسجد بھی ہے۔ اور سوا اِس کے اور مسجدیں بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ گانے بجانے والی عورتیں جو اِس محلے میں رہتی ہیں۔ رمضان شریف میں تراویح کی نماز پڑھتی ہیں۔ اور جماعت بھی ہوتی ہے۔ اور اُن کے امام مقرر ہیں۔ اِس قسم کی عورتیں تعداد میں بہت ہیں۔ اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے (ابن بطوطہ نے) امیر سیف الدین غدا ابن مہنی کی شادی میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ہر ایک ڈوم وضو

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ اِس کو پھر دہلی کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب اور داراشکوہ کی لڑائی بھی شہر کے نواح میں ہوئی۔ ۱۸۰۱ء میں ہولکر نے شہر کو جلا دیا۔ ۱۸۱۰ء تک یہ شہر سیندھیا کا دارالخلافہ رہا اُس کے بعد گوالیار کا پایۂ تخت مقرر ہوا۔ اِس شہر سے ہند وہیئت داں طول بلاد شمار کرتے تھے۔ اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں راجہ جے سنگھ نے ایک رصد گاہ بھی بنوائی تھی۔ موجودہ شہر کا محیط چھ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کرکے اور مصلیٰ بچھا کر نماز پر کھڑا ہو گیا"۔ حوض شمسی۔ سلطان شمس الدین التمش کا بنایا ہوا ہے۔ کسی زمانے میں یہ حوض تمام سنگ سرخ کا بنا ہوا تھا۔ اب ساری بندش اکھڑ گئی۔ اس تالاب کا پانی ایک جھرنہ بنا کر فیروز شاہ تغلق آباد لے گیا تھا۔ اب بھی یہ تالاب مالمعہ بیگہ پختہ میں ہے۔ فیروز شاہ نے فتوحات فیروزی میں لکھا ہے کہ اس نے اس حوض میں در آمد آب کے ذرائع کھلوائے تھے جو زمینداروں نے بند کر دیئے تھے اسی حوض کے کنارے پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا مقبرہ ہے۔ جو ایک بڑا پُر لطف مقام ہے۔ حوض خاص کو سر سید نے آثار الصنادید میں فیروز شاہ کا بنایا ہوا لکھا ہے۔ یہ غلطی سید صاحب کو کتبے سے واقع ہوئی ہے۔ لیکن فتوحات فیروزی سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے فقط اس حوض کو صاف کر کے اس کی مرمت کرائی تھی۔ یہ حوض در اصل سلطان علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہے۔ فیروز شاہ کا مقبرہ بھی اسی تالاب پر ہے۔ بدیلے منزل بھی اسی حوض پر واقع ہے۔ یہ حوض قطب صاحب کے رستے پر ہے۔

رکن الدین فیروز شاہ

۶۳۳ھ ۱۲۳۶ء

سلطان شمس الدین نے تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ شمس الدین اپنے بیٹوں کی نا اہلیت سے بخوبی واقف تھا۔ اور ہمیشہ رضیہ کو لڑکوں پر ترجیح دیتا تھا اور کھلے خزانے کہا کرتا تھا۔ کہ بادشاہت کے قابل تو بس یہ ہے۔ مگر تکمیل ضابطہ کے طور پر رکن الدین کو ولی عہد چنا تھا۔ بادشاہ کی وفات کے بعد معاً رضیہ کو تفوق دینا بہت مشکل تھا۔ لہذا رکن الدین ہی تخت پر بیٹھا۔ چونکہ شخصی حکومت تھی سلطنت کا نظم و نسق۔ امن و امان۔ اطاعت و فرماں برداری سب بادشاہ کی ذاتی لیاقت اور رعب و داب پر موقوف تھی۔ اگر بادشاہ دم دار ہوا تو سب کان جھکا دیتے تھے۔ لیکن اگر بادشاہ نرم ہوا تو بس جھگڑے فساد۔ لوٹ مار۔ بغض و عناد بغاوت۔ جنگ و جدال۔ غرض یہ کہ دنیا بھر کی بدنظمی اور آفتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ یہ صاحب بٹیرے۔ اور اول درجے کے عیش پسند۔ تماش بین۔ خفیف الحرکات تھے انھوں نے تخت پر چڑھتے ہی وہ پاؤں نکالے کہ پناہ بخدا آخر کار کہ کردہ کہ نیافت سات ہی مہینے میں بہن نے تخت سے اتار دیا

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کم کوس ہے۔ یہ اسی شہر کے کھنڈر ایک میل کے فاصلے پر شمال میں پائے جاتے ہیں۔

اِس تھوڑے سے عرصے میں بھی اُنھوں نے سلطنت کا سارا کاروبار اپنی ماں **شاہ ترخان** کے سر ڈال آپ مزے اُڑانے لگے۔ یہ ایک ترکی کنیز تھی جس کے دل میں کینہ اور کپٹ کے سوا سلطنت چلانے کی کچھ بھی قابلیت نہ تھی۔ اِس نے سوتیاڈاہ پھیلائی۔ اور چُن چُن کر سوتیلوں کو مروایا۔ بادشاہ سلامت کی سیئے کہ اور کچھ تو نہ سوجھا۔ سوجھا تو یہ کہ اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی **قطب الدین** کو جو رضیہ کا سگا بھائی تھا ناحق مروا ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کہ ومہ وضیع و شریف رکن الدین سے سب بیدل ہو کر نفرت کرنے لگے۔ آخر کار رکن الدین صاحب نہ صرف معزول کیے گئے۔ بلکہ اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ جنھوں نے ایک اودھم مچا رکھی تھی قید کیے گئے رکن الدین تو قید میں سڑ سڑ کے ۱۲۳۶ء میں مرگیا اور موضع **ملک پور** میں جو دلی کے مغرب میں ہے۔ دفن کیا گیا۔ اور رعایا برایا نے بڑی کر و فر سے رکن الدین کی بہن **رضیہ بیگم** کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔

رضیہ سلطانہ ۱۲۳۶ء

رضیہ ہندوستان کی پہلی قیصرہ تھی سلطان کا خطاب عموماً مسلمان بادشاہوں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مشہور روزگار بیگم بھی سلطان ہی کہلاتی تھی۔ اور صرف یہی ایک عورت تھی جس نے سلطنت دہلی پر حکومت کی۔ التمش کے کئی لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ مگر باپ کو سب سے زیادہ پیاری رضیہ ہی تھی۔ جو کچھ عورتیں سیکھا کرتی ہیں وہ تو وہ جانتی ہی تھی لیکن مردوں کے علم و ہنر بھی اِسے سکھائے گئے تھے۔ اِس نے بالکل ایک شہزادے کی طرح تعلیم و تربیت پائی تھی۔ سلطنت کے سب معاملات سے واقف تھی۔ اور خوب لکھ پڑھ سکتی تھی۔ گھوڑے کی سواری کرتی تھی۔ اور اپنے بھائیوں کی طرح تلوار کمان کا استعمال بخوبی کر سکتی تھی۔

رضیہ نہایت خوب صورت تھی۔ چنانچہ اُس زمانے کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ اِس کا حسن اِس درجے کا تھا کہ آناج کو بالوں میں لگا دیتا تھا۔ وہ غور و فکر کی عادی تھی کتابیں پڑھنے اور مطالعے کی شایق تھی۔ سب پر رحم و مروت کرتی اور اِس کا باپ اور سارے درباری اِسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ ابھی چھوٹی ہی تھی کہ التمش کو ایک بڑی فوج لے کر جنوب کی جانب راجپوتوں کے ساتھ لڑنے کی خاطر دہلی چھوڑنی پڑی

وہ جانتا تھا کہ اُسے بہت دنوں تک باہر رہنا پڑے گا۔ اور اس اثنا میں امور سلطنت کی سر انجام دہی کے لیئے کسی اور کو نامزد کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنی عارضی جانشینی کے لیئے رضیہ کو منتخب کیا کہ ہر طرح اوروں کی نسبت وہی اُس اہم ذمہ داری کے لیئے موزوں تر تھی۔ مگر بڑے بڑے امرا اس انتخاب سے خوش نہ تھے۔ وہ ایک عورت کے تابع فرمان رہنا گو کہ وہ کیسی ہی لایق ہو۔ اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ اِس لیئے اُنھوں نے درخواست کی کہ رضیہ کی جگہ کسی شاہزادے کا تقرر کیوں نہیں کیا جاتا۔ بادشاہ نے سب امرا کو جمع کیا اور رضیہ کو تخت پر بٹھلا کر کہا۔ "اے میرے وفادار دوستو! تمھیں معلوم رہنا چاہیئے کہ بادشاہت کا بوجھ میرے بیٹوں کے بس کا نہیں۔ کیوں کہ وہ سب عیش وعشرت کے بندے ہیں۔ یہ میں نے مانا کہ رضیہ عورت ذات ہے۔ مگر اُس نے مردوں کا دل ودماغ پایا ہے۔ اور وہ بیس بیٹوں سے بھی بہتر ہے"۔ التمش چھ برس تک باہر رہا اور اس تمام عرصہ مدت میں رضیہ نے نہایت خوش اسلوبی اور دانائی سے حکومت کی۔ اس نے خداوند کریم سے بخشوع وخضوع دعا کی کہ "اے پاک پروردگار تو سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور حقیقی اور ابدی سلطنت بس تیری ہے۔ میں تیری ایک ناچیز لونڈی ہوں۔ تو میری رہنمائی کر اور مجھے ایسی دانائی اور مستقل مزاجی دے کہ میں سلطنت کی اس اہم ذمہ داری کا بوجھ اُٹھانے کے قابل ثابت ہوں" پھر اُس نے ملک میں ایسی عمدگی سے حکمرانی کی اور ایسی منصف مزاج اور لائق نکلی کہ اس کے بھائی بھی بہن کا لوہا مان گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ نے ہم کو چھوڑ کر جو ہماری بہن کو اپنا قائم مقام کیا واقعی بڑی دانشمندی کا کام کیا۔ جب التمش واپس آیا تو اُس نے سلطنت اپنے باپ کے حوالے کی اور خود ایک جاں نثار اور فرماں بردار لڑکی کی طرح حرم سرا میں رہنے لگی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں رضیہ ہی کی ایک مثال ہے جو عورتوں میں بالذات والصفات بادشاہ ہوئی۔ وہ مردانہ لباس پہنتی تھی اور ہمیشہ تخت پر بیٹھتی تھی۔ ... پر نقاب نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ تاج پہنا کرتی تھی۔ اور اس کی سواری کا ہاتھی سب امرا سے آگے رہتا تھا۔ وہ سب استغاثے خود سنتی اور ہر مقدمے میں پورا پورا انصاف کرتی

تھی۔ سلطنت کے ہر ایک صیغہ کی جانب یکساں توجہ رکھتی تھی۔ اور ہر ایک مناظرہ قانون کی پابندی کراتی اور عادل اور قابل ملکہ کی طرح حکومت کرتی۔ فرشتہ نے بھی لکھا ہے "سلطان رضیہ از پردۂ بیروں آمدہ ولباس مرداں پوشیدہ قبا و ریوہ کلاہ بر سر بار عالم دادہ بر تخت می نشست" یہاں تک کہ سکے پر بھی "السلطان الاعظم رضیۃ الدنیا والدین" مردانہ ہی نام مسکوک تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ **نورجہاں** بھی بڑی زبردست پایہ کی ملکہ تھی لیکن اُس کی چمک صرف **جہانگیر** کی شان وشوکت کی شعاعوں کا عکس تھا۔ کیوں کہ خود جہانگیر عدل و انصاف کا ایک پتلا تھا۔ علاوہ اِس کے رضیہ کو جو زمانہ ملا وہ اور ہی طرح کا غیر مطمئن دَور تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں ایک بہت بڑے زبردست مرد کی ضرورت تھی۔ عورت ذات اِس خانہ جنگیوں۔ اور سرپھٹول کی کیا روک تھام کرسکتی تھی جو اُس زمانے کے امرا میں تھی۔ جس وقت وہ تخت پر بیٹھی وزرا اور مفصلات کے جاگیردار اور امرا سب اُس کے خلاف تھے۔ سچ پوچھیئے تو رضیہ ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ اِس سخت طوفان سے اپنی کشتی کو سنبھالے رہی



سلطانہ رضیہ

اور اِتنے دنوں بھی سلطنت چلائے گئی۔ دو سال تک تو اُس نے بڑے سلیقے جبڑے سے بادشاہت کی۔ تھی تو وہ عورت مگر ہمت اور جواں مردی میں مردوں پر بھی سبقت لے گئی۔ اور ایک زبردست حکومت کر گئی دربار میں مردانے لباس میں وہ برابر نکلتی ہی تھی۔ مگر جھول پر بھی وہ بہ نفس نفیس جایا کرتی تھی۔ اور یوں بھی جہاں ضرورت پڑتی وہ کسی بات میں بند نہ تھی۔ وہ بڑی بہادر۔ جری۔ دلیر اور دانش مند تھی۔ اُس کی قوت انتظامی اعلیٰ درجے کی تھی۔ اور ہر طرح وہ ایک بلند پایہ بادشاہت کے لیئے موزوں تھی اور یہ ایک خدا داد بات تھی۔ ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بے عیب ذات ہے خدا کی۔ رضیہ کی ساری باتیں اچھی تھیں۔ مگر ایک ہی جگہ پانی مرتا تھا کہ وہ **جمال الدین یاقوت میر آخور**[1] ایک حبشی غلام پر بے انتہا مہربان تھی اور اُسے اتنا بڑھایا کہ امیر الامراء کے مرتبہ کو پہنچا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر دوسرے امراء بد گمانی کرنے لگے۔ اور بد دل ہو گئے۔ اُن کو کسی طرح یہ بات گوارا نہ تھی کہ ایک حبشی غلام اُن سب پر سبقت لے جائے۔ اور رضیہ کی ناک کا بال ہو جائے۔ **مارسڈن** صاحب لکھتے ہیں کہ "رضیہ نے اب خیال کیا کہ شادی کرنے کا موقع آگیا۔ اس لیئے اُس نے ایک بہادر اور شکیل سردار یاقوت کو پسند کیا جو سوار فوج کا کمان افسر تھا۔ اگرچہ ہر طرح سے ایسی بیوی کا شوہر بننے کے قابل تھا۔ مگر ترک نہیں تھا۔ بلکہ ایک حبشی یعنی ابی سینیا کا باشندہ تھا اور خود بھی کسی وقت غلام رہ چکا تھا۔ متبرک ترک امرا اس بات پر اپنی ملکہ سے خفا ہو گئے کہ ملکہ نے ہم میں سے کسی کو کیوں پسند نہ کیا۔ پس اُنھوں نے بغاوت کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۳۷ھ میں دو طرف سے آگ بھڑکی نائب السلطنت **لاہور** اور **ملک اختیار الدین التونیہ بھٹنڈے** کا حاکم جو سب سے بڑا مشہور امیر تھا۔ دونوں نے سر اُٹھایا۔ رضیہ نے یاقوت کو لے کر خود اُس پر چڑھائی کی۔ مگر کرتی کیا کہ اِس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ خود اس کے لشکر میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ اِس کے کہے میں نہ تھا۔ حبشی غلام اِس معرکے میں کام آیا۔ اور ملکہ بیچاری ملک التونیہ کے ہاتھ میں پھنس گئی۔ لیکن بہادر سردار اس حسین عورت کے مصائب سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے رہا کر دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں تمھارا ساتھ دوں گا۔ اور تمھارے باغی سرداروں سے لڑوں گا۔ اور اِس سے شادی کی درخواست بھی کی۔ رضیہ نے اِس ہمدردی اور عنایت کا شکریہ ادا کیا اور چونکہ وہ اعلیٰ پایہ کے امراء میں سے تھا اور ہر طرح اُس کی جوڑ تھا۔ اُس نے بھی اُس کی سب تجویزیں مان لیں اور شادی ہو گئی" رضیہ کا یہ کام کوئی

[1] اُس امیر کو کہتے ہیں جس کے سپرد شاہی اصطبل ہوتا تھا۔ یہ بہت بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ آخر بیگ بھی اُسی عہدے کا نام تھا۔ ۱۲

غیر دانشمندانہ نہ تھا۔ اول تو یہ شخص بڑا ذی مرتبت امیر اور زبردست تھا اس سے شادی کر لینے سے پہلے تو یہی بڑا دشمن قابو میں آجاتا تھا۔ اور پھر کیا عجب تھا کہ اس کی مدد سے دوسرے سرکش اشرار دب جاتے اور معاملہ رو براہ ہو جاتا۔ یہاں تو یہ گزری وہاں کی سنیئے کہ دہلی میں امرا نے اس کے بھائی **معز الدین بہرام شاہ** کو تخت پر بٹھا دیا۔ رضیہ کا خیال درست نکلا ملک التونیہ رضیہ کی طرف سے خوب لڑا لیکن ستارہ گردش میں تھا۔ دونوں گرفتار ہو گئے اور ۲۵ ربیع الاول ۶۳۷ھ کو کچھ اوپر تین سال کی سلطنت کے بعد دونوں کو قصبہ کیتھل نواح دہلی میں ۲۲ نومبر ۱۲۳۹ء تلوار کے ایک ہی گھاٹ اُتار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں معز الدین بہرام کے سامنے لائی گئی اور بھائی نے بہن کو قتل کروا دیا۔ ۵

خونِ آزردہ دلاں را زپئے ملک مریز   کہ ترا نیز ہماں جرعہ لب اغر ریزند

رضیہ گو عورت تھی مگر اپنے مردانہ کاموں کی وجہ سے سلطانہ نہیں سلطان ہی کہلاتی تھی۔ یہ درحقیقت ایک بڑی ذی مرتبت بادشاہ گزری ہے۔ جو بڑی زیرک راستی منش، قدردان علماء و فضلا۔ انصاف رساں۔ رعایا پرور۔ فن حرب کی چال گھاتوں کی ماہر، خلاصہ یہ کہ جتنی صفتیں ایک بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ وہ سب اُس میں اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل سے ودیعت کی تھیں۔ لیکن چوں کہ تقدیر نے اُسے صنفِ ضعیف کے زمرے میں پیدا کیا تھا۔ تو اُن صفات کو لے کر بھی کیا فائدہ تھا۔ وہ لاکھ لائق تھی تو ہوا کرے۔ اس زبردست کلیۂ مفروضہ کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ "عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں۔ ہم کو عورت کی تابع داری منظور نہیں ہے مرد بادشاہ چاہیئے خواہ وہ کیسا ہی ہو"۔ تعجب ہے کہ دربار کے بڑے بڑے امرا نے اِس بات کا ذرا بھی لحاظ نہ رکھا کہ رضیہ نے کیسے اِنصاف اور کس خوش اسلوبی کے ساتھ سلطنت کی تھی۔ بلاشبہ اُنھیں اس پر رحم کرنا چاہیئے تھا۔ چوں کہ وہ عورت ذات تھی اور جائز طور پر اُن کی ملکہ۔ لیکن اُن متکبر اور سنگ دل لوگوں نے اِس غریب بیگم اور اس کے خاوند کو مار ڈالا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ "سلطانہ رضیہ بجمیع صفاتیکہ بادشاہاں را باید مزین و محلّی بود۔۔۔۔

قرآن مجید را می خواند و از بعضے علوم فی الجملہ نصیبے داشت و بزمان پدر
خود در مہمات ملکی دخل کردے و فرمان روائی نمودے و سلطان مانع نیامدے
بلکہ در آں سال کہ از فتح گوالیار برگشت چند امرا را حاضر آوردہ او را ولی
عہد گردانید" امراء نے ایک لڑکی کے ولی عہد کئے جانے پر ناک بھوؤں چڑھائی
تو بادشاہ نے فرمایا کہ "پسران خود را بشرب خمر و اقسام مناہی و ہوا پرستی
مبتلا می بینم .... رضیہ اگرچہ بصورت زن است اما بمعنی مرد است و در حقیقت
بہتر از پسران است" حبشی غلام کے معاملے کو بھی فرشتہ نے بے اصل بتلایا
ہے وہ کہتا ہے کہ "عارفان دور اندیش دانند کہ ایں باد و بار از کدام صحرا
برخاست و گل دولت رضیہ مرضیہ را کدامی تند باد از بیخ برکند آرے غلام
حبشی را با میر الامرائی دہلی چہ نسبت و مرد دون خسیس را بہ پیشوائی چناں
ملکۂ تاجدار چہ کار؟"

معز الدین بہرام شاہ
۶۳۷-۳۹ھ
۱۲۳۹-۴۱ع

رضیہ کی جگہ اس کا بھائی **معز الدین بہرام شاہ** روز دوشنبہ ۲۸ رمضان ۶۳۷ھ (۱۲۳۹ع) کو تخت پر بیٹھا۔ جس کی نااہلیت کی نسبت پہلے سلطان التمش اظہار رائے کر چکا تھا۔ جتنی رضیہ دانش مند اور مستعد تھی۔ اُتنا ہی یہ کم عقل اور تن آسان تھا۔ اُس نے اُن سارے امراء کو چن چن کر مروایا جو اس کو کھٹکتے تھے۔ مغلوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔ اُن کے استیصال کے لیئے اس نے لشکر کشی کی۔ لیکن اِس مہم میں سخت ناکامیابی رہی۔ آخر کار اُمراء نے کھلم کھلا بغاوت کی اور بادشاہ کو قید کر لیا۔ جس کا انجام کار یہ ہوا کہ ۸ ذی قعدہ ۶۳۹ھ (۱۲۴۱ع) کو قتل بھی کیا گیا۔ جو موضع **ملک پور** میں اپنے دوسرے بھائیوں کے پہلو میں دفن ہے۔ اس کی مدت سلطنت دو برس سے کچھ ہی اوپر تھی۔ ۵

برخوان وہر دست ارادت مکن دراز   کالودہ کردہ اند بزہر ایں پیالہ را

علاء الدین مسعود شاہ
۶۳۹-۴۴ھ
۱۲۴۱-۴۶ع

سلطان التمش کا داماد **ملک اعز الدین بلبن**۔ عارضی طور پر تخت پر بیٹھا تھا۔ لیکن تاج پوشی ہی کی شام

تو علاء الدین مسعود شاہ نے جو التمش کا پوتا اور رکن الدین فیروز شاہ کا بیٹا تھا۔ اُسے تخت سے اُتار ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء میں خود تخت پر بیٹھ گیا۔ رحمت بر بانیِ اول یہ حضرت بہرام شاہ سے بھی زیادہ عیش پسندی۔ آرام طلبی اور تن پروری میں ہاتھ دو ہاتھ بڑھے ہوئے تھے۔ گو اِس کی سلطنت بہرام شاہ سے کچھ زیادہ رہی یعنی کچھ اوپر چار سال تک حکم راں رہا۔ لیکن اطمینان نصیب نہیں ہوا مغلوں نے دو بار حملے کیے۔ لیکن پسپا کیے گئے۔ اس سے اور بھی بے فکری بڑھ گئی۔ یہ بادشاہ بڑا سخت گیر تھا۔ سارے امرا اس کے ظالمانہ سلوک سختیوں اور بے رحمیوں سے ناک میں دم تھا۔ تاب نہ لا سکے اور بھنا اُٹھے اور اُس کے چچا ناصر الدین محمود کو بلوا بھیجا کہ اُس کے آ جانے سے بھی تو اس ظالم کے ہاتھوں سے ہماری گلو خلاصی ہو گی۔ اُن لوگوں نے اُدھر تو علاء الدین کو بلوایا اور اِدھر ۲۶ محرم ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء کو مسعود شاہ کو قید میں ڈال دیا۔ جہاں وہ چند ہی دنوں میں مر گیا۔

ناصر الدین محمود اول ۱۲۴۶-۶۶

یہ نیا بادشاہ التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا ہونے کے لحاظ سے مستحق سلطنت ضرور تھا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اُس کے ایک چچا نے جو رضیہ سے پہلے تخت پر بیٹھا تھا۔ نظر بند کر دیا تھا۔ چچا تحفے کے طور پر جو چیز اُس کے پاس بھیجتا۔ نہ لیتا خواہ وہ کھانا ہو یا کپڑے کی قسم سے ہو وہ کہا کرتا تھا۔ کہ میں اپنی خوراک لباس اور۔ اور ضروریات کے لیے خود روپیہ کماؤں گا۔ اُس وقت ہندوستان میں چھپی ہوئی کتابیں نہ تھیں۔ ہر ایک کتاب ہاتھ سے لکھنی پڑتی تھی۔ اِس واسطے کتابیں بہت کم یاب تھیں۔ اور بڑی قیمت پاتی تھیں۔ ناصر الدین عربی اور فارسی کی کتابیں نقل کر کے اپنی روزی کماتا تھا۔ اِس کا خط بہت اچھا تھا۔ نظر بندی کے زمانے میں اپنا سارا وقت لکھنے پڑھنے میں صرف کرتا تھا اِسی طرح وہ بڑا عالم اور اپنے وقت کا خطاط بن گیا۔ آخر کار اس کا ظالم چچا مر گیا امرائے دولت نے اُسے اُس مکان سے نکالا جہاں وہ کئی سال نظر بند رہا تھا۔ اور اُسے تخت پر بٹھا دیا۔ اُس نے بیس برس سلطنت کی۔ لیکن اپنی بادشاہت

کے زمانے میں بھی اپنی ذات پر شاہی خزانے کا ایک پیسہ خرچ نہ کرتا تھا۔ غریب آدمیوں کی طرح رہتا اور جو کچھ درکار ہوتا کتابیں نقل کر کے کما لیتا۔ چونکہ بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ اُس نے اپنی طرف سے کوئی کوشش حصول سلطنت کی نہ کی اور گوشۂ تنہائی میں یادِ الٰہی میں مصروف رہا۔ اور بادشاہ ہو جانے پر بھی اس نے امور سلطنت میں کوئی عملی حصہ نہ لیا۔ بھلا ایسے پر آشوب زمانے میں ایسے نیک دل۔ صوفی منش۔ دین دارانہ خیالات کے آدمی کا کیا کام تھا محل شاہی کی بجائے کسی مسجد یا خانقاہ سے اسے زیادہ مناسبت تھی۔ لیکن تقدیر سے اسے وزیر باتدبیر وفادار اور ایسا جاں نثار ملا تھا کہ اُس زمانے میں ملنا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ بادشاہ نے سارا کار و بار سلطنت اپنے دانش مند وزیر **غیاث الدین بلبن** کے سپرد کر دیا اور خود برائے نام بادشاہ رہا۔ یہ اِس وزیر ہی کی غیر معمولی قابلیت تھی۔ کہ سلطنت کا بار بیس برس تک اُٹھائے رہا اور اِس خوبی اور نیک نامی سے کام کیا کہ سلطنت دہلی کو چمکا دیا ساری سلطنت مستحکم اور سرسبز و شاداب رہی۔ اس عرصۂ مدت میں جتنی مہمیں پیش آئیں اور جتنے حملے ہوئے سب اپنی عقل رسا اور حسن تدبیر سے فرو کیے۔ حدود سلطنت کی نئی فتوحات سے توسیع ہوئی۔ مغل جو اِس زمانے میں دریائے سندھ کے سارے علاقے پر قابض ہو گئے تھے۔ اُن کی یورشوں کا بھی سد باب ہوا۔ اور چھوٹے موٹے امرا نے بھی مغلوں کی آئے دن کی لوٹ کھسوٹ سے بہ تنگ آکر دلی میں پناہ لی۔ چند ہندو راجاؤں نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اُن کو بھی نیچا دکھایا۔ **گکھڑوں** نے بڑی اودھم مچا رکھی تھی۔ اُن کی بھی خوب سرکوبی کی۔ ایسے وزیر باتدبیر کے جو سیاہ و سفید کا مالک ہو جہاں بے شمار ہی خواہ ہوں گے تو سیکڑوں دشمن بھی ہوا چاہیں۔ سنہ ۱۲۵۲ء میں اُن لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے بلبن وزارت سے معزول ہوا۔ اُس کا معزول ہونا تھا کہ معاً ابتری اور بدنظمی کے آثار نمایاں ہوئے اور کسی کے سنبھالے ملک نہ سنبھلا۔ عاقبت اندیش امرا و حکام ملک نے پیشگاہ حضوری میں عرائض کا ایک طومار باندھ دیا کہ ایسا وزیر کہ جس نے ساری عمر خیر خواہی اور وفاداری میں گزاری اور سلطنت

کو اِس خوش اسلوبی سے چلایا اور نظم ونسق کا سکہ بٹھایا۔ اُس کے ساتھ ایسا سلوک مراحم خسروانہ سے بعید ہی۔ یہ عرائض کچھ ایسے معقول طریقے پر ایک مؤدبانہ اور عاجزانہ لہجے میں لکھی گئی تھیں کہ بادشاہ کا دل بھی پسیج گیا اور بلبن پھر اُسی آب وتاب سے وزارت کرنے لگا۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں[1] نے خلافت کو درہم برہم کرکے بغداد پر قبضہ کیا اور ربیع الاول ۶۵۸ھ کو ایک سفیر دہلی کے دربار میں بھیجا جس کی پیشوائی کے لیے تین لاکھ سوار اور پیدلوں کی جمعیت دو ہزار زنجیر فیل۔ تین ہزار سرادۃ آتش بازی آراستہ کرکے بھیجے گئے۔ جب سفیر شہر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہی کہ چند ہندوؤں کی نعشیں بھس بھری ہوئی شہر کے دروازے پر لٹکی ہوئی تھیں جو ایک اشارہ تھا۔ اُس طرف کے



سلطان ناصر الدین

[1] پسر تولی خاں ابن چنگیز خاں است در ۶۵۱ھ بپادشاہی ایران رسیدہ وملاحدۂ اسمعیلیہ را در ۶۵۴ھ مستاصل ونابود ساخت قلعۂ الموت را از دست ایشاں بدر آورد چناں کہ ازیں تاریخ مستفاد می گردد۔ ع

سال عرب چو شش صد و پنجاہ و چار شد ٭ یکشنبہ اول زمہ ذی قعدہ بام داد
خورشاہ بادشاہ اسمعلیاں ز تخت ٭ برخاست و پیش تخت ہلاکو خاں ستاد

در ۶۵۶ھ بغداد از آتش زدہ خلیفہ مستعصم باللہ کہ آخرین خلفائے عباسیہ است گرفتار ساختہ باچندیں ہزار باشندگان آں دیار طعمۂ تیغ بے دریغ ساخت۔ بعد از فتح بغداد و عراق گردن کشان آفاق از جملہ سلطان روم واتابک فارس وحاکم کرمان وبدر الدین لولو حاکم موصل آں عدہ بخدمت او باستحقاق شتافتند۔ آخر بعد از حکومت قریب سیزدہ سال ۶۶۳ھ در مراغہ کہ مقر سلطنت او بود بشکار رفتہ بعد ازاں بحمام شتافتہ وبیمار شدہ ۱۹ ربیع الآخر سنہ مذکور درگذشت ودر پائے سوار دلق مدفون گردید بطریقیکہ رسم مغول است سرداران بجہت خوابگاہش ترتیب دادہ سرپوش آں جا نہادند وخاں را بالا

کہ مغلوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ بادشاہ کا دربار قصرِ ہزار ستون[1] میں بڑے کرّ و فر اور اہتمام سے سجایا گیا۔ بہت سے امراء اور رجواڑے اور دوسرے ممالک عراق و خراسان وغیرہ کے پچیس شاہزادے جو ظلِ عاطفت شاہی میں پناہ گزیں تھے۔ سب دربار میں حاضر تھے۔ منہاج السراج نے اس جشن کی تعریف میں یہ چند بیتیں لکھی ہیں:۔ ؎

زہے جشنے کز اں اطراف چوں خلد بریں گشتہ ۔۔۔ خجے بزمے کز اں اکناف عدن را راستیں کردہ
ز فرّ ناصر الدین شاہ محمود بن التمش ۔۔۔ ملک نزدش دعا خواندہ فلک پیشش زمیں گشتہ
شہنشاہے کہ در عالم ز فیضِ فضلِ ربانی ۔۔۔ سزائے چترِ شاہی لایقِ تخت و نگیں گشتہ
ز ترتیب و نہاد و رسم و آئینِ نشاط او ۔۔۔ تو گوئی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمیں گشتہ
مبارک باد بر اسلام ایں بزمِ شہ عالم ۔۔۔ کزیں ترتیب ہندوستاں بسے خوش تر زمیں گشتہ

غیاث الدین بلبن کا اصل نام الغ خاںؔ تھا۔ جو اپنی قوتِ بازو۔ لیاقت وفاداری

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ تخت خوابانید ند و چند دختر پری پیکر را با حلی و زیور در آں جا کردند تا انیس او باشند و سر دا بہا را مضبوط ساختہ از نظر اغیا مخفی گردانید ند۔ ایں شیوہ تا زمان سلطان غازان خاں در میان ایشاں مرعی بود۔ خواجہ نصیر الدین طوسی در تاریخ وفات او گفتہ ؎

چو ہلاکو برا فغہ بزمستاں گہ شد ۔۔۔ کرد تقدیر ازل نوبت او را آخر
سال ششصد و شصت و سہ شب یکشنبہ ۔۔۔ کہ شب نوزدہم بُد ز ربیع الآخر

[1] سلطان ناصر الدین محمود نے رائے پتھورا کے قلعہ میں ایک محل بنوانا شروع کیا تھا۔ جس کو غیاث الدین بلبن نے پورا کیا تھا۔ لیکن اسی نام کا اور ایک محل سلطان بن محمد تغلق نے بھی جہاں پناہ میں بنایا تھا۔ جس کی تعریف میں بدر چاچ کہتا ہے ؎

اگر نہ خلد بریں ست ایں ہزار ستوں ۔۔۔ چرا فضلائے درش عرصہ گاہ روز جزاست

آثار الصنادید میں سرسید لکھتے ہیں۔ کہ اس کے ستون سنگ خارا کے تھے لیکن اس پرانے قصرِ ہزار ستون کے ستون سنگ خارا کے ہوں گے۔ کیوں کہ ابن بطوطہ صاف لکھتا ہے کہ اس ہزار ستون واقع جہاں پناہ کے ستون لکڑی کے تھے۔ ۱۲

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ) (نوٹ نمبر ۲ کیلئے دیکھو صفحہ (۶۶))

اور پولیٹیکل توڑ جوڑ کی بدولت وزارت کے بلند مرتبے پر پہنچا اور بادشاہ بھی اُس کی ایسی وقعت کرتا تھا۔ کہ اُس کا داماد بھی بن گیا تھا۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ غیاث الدین نے اپنی بے نظیر قابلیت سے بہت سخت سخت معرکے سر کیے اور سلطنت اسلامی کو ایک مستحکم بنیاد پر قائم رکھا۔ بادشاہ درحقیقت انسان کے قالب میں ایک فرشتہ تھا۔ اُس کی پرائیوٹ لائیف بالکل فقیرانہ تھی۔ غایت درجے کا متقی اور پرہیز گار تھا۔ بیت المال کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ قرآن شریف اور کتابیں لکھ کر گزران کرتا تھا۔ ایک دفعہ کوئی درباری بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک قلمی کتاب بادشاہ کی لکھی ہوئی وہیں دھری تھی۔ اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اور کچھ سہو کتابت بتلائی۔ آپ نے قلم اُٹھا۔ جس طرح وہ کہتا تھا بنا دیا۔ لیکن جب وہ چلا گیا۔ تو اُس اصلاح کو چھیل ڈالا۔ کسی نے پوچھا۔ حضرت! یہ کیا بات ہوئی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ دراصل کوئی غلطی نہ تھی۔ مگر جو شخص اتنی مہربانی کرے کہ میری غلطیوں پر مجھے مطلع کرے اُس کی دل شکنی کب روا ہے۔ اِس خیال سے میں نے اُس کے کہنے کے موافق بنا دیا کہ اُس کا دل چھوٹا نہ ہو مگر دراصل اصلاح کی ضرورت نہ تھی۔

اُس زمانے میں تقریباً سب بادشاہوں کی کئی کئی بیگمیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ناصرالدین کی صرف ایک ہی بیگم سلیمہ تھی۔ وہ اُس کی پھوپی کی بیٹی تھی اور اِس کی طرح وہ بھی کئی سال نظر بند رہ چکی تھی۔ اِس کے ہاتھ تلے کوئی لونڈی باندی یا ماما نہ تھی۔ اِس واسطے بیگم کو علاوہ گھر کے کام دھندے کے کھانا بھی اپنے ہاتھ سے پکانا پڑتا۔ ایک دن روٹی پکاتے پکاتے اُس کا ہاتھ جل گیا اُس نے اپنے شوہر سے کہا کم سے کم ایک ماما تو رکھ دو کہ مجھ سے آئے دن۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۵۲ ترکی میں الگ کے معنی چھوٹے کے ہیں۔ الغ بڑے کو کہتے ہیں اُس زمانے میں الغ خاں امیرالامراء کے مساوی عہدہ تھا۔ ناصرالدین محمود کے وقت میں بلبن کا خطاب الغ خاں تھا۔ اور علاءالدین خلجی کے وقت میں اُس کا بھائی الغ خاں کہلاتا تھا۔ اور اپنے باپ کے وقت میں سلطان محمد تغلق کا خطاب الغ خاں تھا۔ قتلغ معنے منجھلے کے ہیں۔ سنجر کا خطاب الپ خاں تھا۔ ۱۲

چولہا نہیں جھونکا جاتا۔ لیکن بادشاہ نے اِس کی بھی اجازت نہ دی اور کہا۔ بیگم! گو میں بادشاہ ہوں۔ مگر در اصل ایک غریب آدمی ہوں۔ میں سلطنت کا روپیہ تو چھونے کا نہیں۔ اُس کا تو ایک ایک حبہ رعایا کی بہبودی میں صرف ہونا چاہیئے۔ رہی میری آمدنی وہ بنی تُلی ہی۔ اُس میں اتنی گنجائش کہاں کہ تمھارے آگے ایک ماما لگا دوں جیسے میں اپنے ہاتھ سے کام کاج اور محنت کرتا ہوں تم کو بھی کرنی چاہیئے۔ آخر غریب آدمیوں کی بیویاں کرتی ہیں یا نہیں۔ دنیا میں چند روز تکلیف اُٹھا لو تو تم کو خدائے پاک اجر دے گا۔ اور وہاں جہاں کہ ہم کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہی۔ آرام ملے گا۔ علاوہ تقوے۔ پرہیزگاری۔ فیاضی داد و دہش خیرات و مبرات کے خوفِ خدا حد درجے غالب تھا علما و فضلا کا بڑا قدردان اور علم دوست تھا۔ **منہاج السراج** جرجانی کی قابل قدر کتاب **طبقات ناصری** اِسی کے عہد میں لکھی گئی۔ جمنا کے کنارے **کلوکھری**[1] میں **قصر سفید** اسی بادشاہ نے بنوایا تھا۔ سنہ ۶۶۴ھ میں بادشاہ بیمار پڑا۔ اور ۱۱ جمادی الاولی سنہ ۶۶۴ھ میں اُس نیک دل رعایا پرور۔ مرنج و مرنجان بادشاہ نے دنیا سے رحلت کی اور کوئی اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔ بلبن[2] جو نام کا وزیر اور فی الاصل بادشاہ تھا۔ کیوں کہ سب کچھ وہی کرتا دھرتا تھا۔ اب سچ مچ کا بادشاہ بن گیا۔

غیاث الدین بلبن
سنہ ۶۶۴-۸۶ھ
۱۲۶۶-۸۷ء

جس کا اصلی نام **الغ خاں** تھا بادشاہ ہوا۔ وزارت کے زمانے میں بھی سچ پوچھو تو یہی بادشاہ تھا۔ اب صرف نام کی تبدیلی ہوئی۔ وزیر سے بادشاہ کہلانے لگا۔ تخت نشینی کے وقت اِس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ مگر ہمت جوان تھی۔ وہ کام کرتا تھا۔ جو جوانوں سے نہ ہو سکتا تھا۔ اِس کو مغلوں

---

[1] براہ جی آئی پی ریلوے دِلّی سے سات میل نظام الدین سے اگلا سٹیشن ہے۔

[2] ابن بطوطہ نے ستر برس بعد یہ لکھا ہے۔ کہ بلبن اپنے آقا ناصرالدین کو مار کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ محض غلط ہے کیوں کہ کسی ہم عصر یا بعد کے مورخ نے یہ نہیں لکھا۔ بلکہ فرشتہ نے صاف لکھا ہے کہ وہ بیمار ہو کر مرا۔ بداؤنی لکھتا ہے کہ در سنہ اربع وستین و

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

سے نے پکڑ کر غلام بنالیا تھا۔ اسی وجہ سے اُسے مغلوں سے دلی نفرت تھی۔ التمش نے سو غلاموں کی ٹکڑی خریدی تھی۔ اُس میں یہ بھی آگیا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بلبن بہت کریہ منظر تھا۔ اِس لیئے التمش نے لینے سے انکار کیا۔ بلبن نے خود دل کڑا کرکے پوچھا "پھر آخر آپ نے اِتنے بہت سے غلام کس غرض سے لیئے ہیں۔؟" التمش مسکرایا اور کہا "اِس میں شک ہی کیا ہے کہ میں نے اپنے لیئے لئے ہیں" تب بلبن نے کہا۔ "اچھا تو پھر ایک سودا خدا کی راہ کا بھی سہی" اِس پر التمش نے بخوشی اسے بھی خرید لیا۔ بلبن آب خاصہ بردار رہا لیکن وہ چالیس غلاموں کی ایسی ایک ٹکڑی میں جا شامل ہوا جن میں باہم یہ عہد پیمان تھا۔ کہ مرتے دم تک ایک دوسرے کے مددگار رہیں گے۔ اس عہد و پیمان کا نباہ ان لوگوں نے اس خوبی سے کیا



سلطان غیاث الدین بلبن

کہ چالیسوں کے چالیس بڑے بڑے منصبوں پر جا پہنچے لیکن بلبن جب خود بادشاہ ہوا تو اُسے اس قوی پارٹی کی طرف سے خدشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد یہ لوگ سر اٹھائیں اور بادشاہت میرے جانشینوں اور میری اولاد کو محروم کردیں اس خوف سے اُس نے اس پارٹی کے جتنے لوگ موجود تھے سب کو بلحاظ مصالح ملکی قتل کروادیا۔ جو ایک طاقتور اور زبردست حکمراں تھا۔ سزادہی میں بہت سخت لوٹنے بھڑنے قتل میں کبھی پیچھے نہ ہٹتا تھا۔ شروع شروع میں تو بڑا زور شور رہا لیکن پھر رحم و انصاف غالب آگیا۔ اور بڑا محتاط ہوگیا غیر آدمیوں کو دخل نہیں دینے دیتا تھا۔ سوائے اپنے اعزہ اور اقربا کے مناصب جلیلہ پر کسی اور کو مامور نہ کرتا تھا۔ فیاضی اور دریا دلی میں اِس کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ پندرہ رؤسا اور شاہزادگان ملک ایشیا۔ جو مغلوں سے تنگ ہو کر اِس کی پناہ میں آگئے تھے۔ اُن سے بہت عمدہ

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہ ستمائۃ (سنہ ۶۶۴ھ) بیارشد و چشم از عالم خواب و خیال پوشیدہ بملک باقی خراماں گردید۔ ۱۲

سلہ مصنف طبقات ناصری نے لکھا ہے کہ التمش اور بلبن دونوں فراختا کے شاہزادے تھے۔ جو چنگیز خان کے حملے کے وقت غلام بنائے گئے اور ماوراء النہر میں غلاموں کے طور پر بیچے گئے۔ ۱۲

سلوک کرتا تھا۔ اُن کے بیش قرار اور معقول وظیفے ہر ہر کی شان اور حیثیت کے لائق مقرر کر دیئے تھے۔ اول تو بادشاہ اور پھر مزاج میں نفاست اور تکلف۔ بڑی کرّوفر اور شان و شوکت سے رہتا تھا۔ اور اُس کا دربار دیکھنے کے قابل تھا۔ یہ ایک بڑی بات تھی کہ اُس زمانے کے امراء میں جو معائب تھے اُن میں سے ایک عیب بھی اِس بادشاہ میں نہ تھا۔ شکار کا بڑا شوقین تھا۔ فوج کو بہت آراستہ رکھتا تھا۔ اور ہمیشہ اُن کو لیس اور طیار اور کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھتا تھا۔ اور شکار کو جب نکلتا تو فوج کو بھی ساتھ رکھتا۔ دشمن ہمیشہ اِس کی فوج سے خائف رہتے تھے۔ بریں ہم اندرونی بلوؤں اور مغلوں کے حملوں کا انسداد نہ کر سکا۔ لیکن اپنی اور اپنے بیٹوں کی حسن تدبیر اور مستعدی کی بدولت ہمیشہ ان کی سرکوبی بھی خوب کی۔ جب وزیر تھا جب ہی ہندوؤں سے پُردل تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد ہنود سے اور زیادہ متنفر ہو گیا۔ یوں تو اِس کے زمانے میں کئی شورشیں اور بلوے ہوئے۔ اور سب کو اِس نے فرو کیا لیکن **طغرل خاں** گورنر بنگالہ کا بلوہ بہت خطرناک تھا۔ اُس کے مقابلے پر خود گیا اور اِس معرکے میں بڑی خوں ریزی کرنی پڑی۔ طغرل خاں کو بلبن نے قتل کیا اور اپنے بیٹے **بغرا خاں** کو بنگالے کا گورنر مقرر کیا جب کہیں جا کر یہ مہم سر ہوئی۔ بلوؤں کے علاوہ جن کا اُس نے سختی سے

سلہ ضیاء برنی نے اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہو کہ یہ ناصر الدین بغرا سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے تک بنگال میں حکومت کرتا رہا۔ لیکن بادشاہان دہلی کا تابع رہا۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے اُس کو چتر اور دورباش رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن یہ غلط ہو۔ فرشتہ و ضیاء برنی و دیگر مورخوں نے سلطان ناصر الدین۔ ناصر الدین بغرا اور اُس کی اولاد کا مفصل اور صحیح حال نہیں لکھا۔ لیکن ابن بطوطہ نے جو نام دیئے ہیں اُن کی تائید سکّوں سے بھی ہوتی ہو۔ ذیل کے شجرہ سے بنگال کے کُل بادشاہوں کے نام جو بلبن کی اولاد سے تھے معلوم ہوں گے یہ شجرۂ نسب مسٹر ایڈورڈ طامس نے ابن بطوطہ کے سفر نامے اور سکّوں کی مدد سے بنایا ہو۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

قلع قمع کیا۔ ۱۲۶۶ء میں میواتیوں کی خوب خبر لی جو دِلّی کے جنوب رُخ پر آن چھپے ستے۔ اور راتوں کو آکر لوٹ مار کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کا ناک میں دم آیا تھا۔ ہزاروں ہی میواتی مارے گئے۔ اور اُن کی ایسی بیخ کنی کی کہ پھر ڈھونڈ میواتی نہ ملتا تھا۔ جو اکّا دُکّا بچ رہا تھا۔ اُسے مسلمان کرلیا۔ چنانچہ آج تک بھی وہ مسلمان چلے آتے ہیں۔ وزارت ہی میں اُس نے پرانی دلّی میں **لعل محل** بنوایا تھا۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ محل حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس قلعۂ مرزغن کے اندر تھا۔ یہ قلعہ بھی بلبن ہی کا بنایا ہوا تھا۔ اور اسے ہی **غیاث پور** بھی کہتے تھے یہ بادشاہ علم کا بڑا قدردان تھا۔ فارسی انشا پردازی کا شایق اور سب سے زیادہ امیر کا قدردان تھا۔

مغل کون تھے

مغل یا منگول کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس زمانے کے ہندو جو اور ملکوں کی نسبت بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ یہ سمجھتے تھے۔ کہ اُن میں کا پہلا بادشاہ بابر وسط ایشیا کے ملک منگولیا سے آیا ہے۔ مگر درحقیقت وہ ترکستان سے آیا تھا۔ جو منگولیا کے مغرب میں واقع ہے اور وہ ترک تھا۔ نہ کہ مغل مگر چونکہ وہ ہمیشہ مغل کہلاتے رہے ہیں۔ اب بھی یہی نام کتب میں مروج ہے چینگیز خانی گروہ کی خانہ بدوش لٹیری قوم

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔

بلبن
- محمد شہید
  - کیخسرو
- ناصر الدین محمد بغرا خاں ۶۸۱ھ
  - معزالدین کیقباد بادشاہ دہلی
  - رکن الدین کیکاؤس شاہ بنگالہ ۶۹۱–۷۰۳ھ
  - شمس الدین فیروز شاہ شاہ بنگالہ ۷۰۲–۲۲ھ
    - شہاب الدین بغرا شاہ
    - ناصر الدین شاہ بنگالہ
    - غیاث الدین بہادر شاہ بنگالہ

مغل کہلاتی تھی۔ تاریخ ہند میں مغل کا اطلاق صرف اُن مسلمان ترکوں پر ہوتا ہے۔ جن کا آغاز بابر اور اُس کی نسل سے ہے۔ ترکوں اور مغلوں کے آپس میں شادی بیاہ ہوتے تھے۔ اور بابر خود باپ کی طرف سے ترک تھا۔ اور ماں کی طرف سے مغل۔ ترک لوگ گورے چٹے قوی اور صورت شکل میں یورپینوں سے ملتے جُلتے ہیں۔

مغلوں کی یورش ایک نوجوان مغل سردار جس کا نام تموجن تھا ۱۱۶۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے بہ تدریج ایشیا کی صحرائی اقوام میں عروج حاصل کیا اور چنگیز خاں کے نام سے اُن کا بادشاہ ہو گیا۔ منگولیا، شمالی چین۔ ترکستان کو مفتوح کر کے اپنے وحشی گروہ کے ساتھ خوارزم (خیوا) بخارا۔ سمرقند۔ مرو وغیرہ پر گرا اور لاکھوں آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر اِس قاتل فاتح اور اِس کے سرداروں نے افغانستان کا رُخ کیا۔ غزنی میں جو کچھ بچ رہا تھا۔ اُسے لوٹ لاٹ کر غارت کیا۔ ہرات کو تباہ کیا۔ حتیٰ کہ پشاور پر بھی قبضہ کر لیا۔ خوارزم کا بادشاہ جلال الدین چنگیز خاں کے ڈر سے بھاگ کر دریائے سندھ کے کنارے پر آ کر ٹکا۔ لیکن وہاں بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور شکست دی۔ وہاں سے جان بچا کر وہ دہلی آیا۔ یہاں بادشاہ نے (۱۲۲۱-۲۲ء) اُس کو اپنی پناہ میں لیا۔ چنگیز خاں ہندوستان و آسام ہوتا ہوا منگولیا۔ واپس چلے جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ چنانچہ سلطان شمس الدین التمش سے اجازت بھی طلب کی۔ لیکن ہندوستان کی خوش نصیبی تھی۔ کہ وہ خود بخود اِس ارادے سے باز رہا۔ اور ہندوستان اُس لوٹ مار کی مصائب سے بال بال بچ گیا۔ جو کہ وسط ایشیا میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور جن کے دھاکے سے آج تک بھی وہ ملک پنپ نہیں سکا۔ غرض یہ کہ مغلوں کے حملوں کا تانتا لگا ہی ہوا تھا۔ اور بلبن کو ہمیشہ یہی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ کہ آئے دن کی بلا سے کیوں کر نجات ملے۔ مغلوں کا دہلوا بھی اِس بلا کا ہوتا تھا۔ کہ پناہ بخدا۔ مغرب کی طرف بھی یہ لوگ دریائے نیپر (Dnieper) تک پھیل گئے تھے۔

شاہزادہ سلطان محمد خاں کی جواں مرگی

غرض یہ کہ مغلوں نے چین نہ لینے دیا اور بڑی شورش مچا رکھی تھی۔ اور ہر سال اُن کی مداخلت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ ناچار مغلوں کی روک تھام اور مدافعت کے لیئے بلبن نے اپنے بڑے بیٹے شاہزادہ سلطان محمد خاں کو بھیجا جو ایک ہونہار ذی علم نوجوان اور حضرت امیر خسرو مشہور شاعر کا بڑا یار غار تھا۔ افسوس کہ شاہزادہ اِس معرکے میں کام آیا۔ بادشاہ اِس وقت اَسی کے پیٹے میں تھا۔ جوان بیٹے کی موت نے بڈھے باپ کی کمر توڑ دی سہ

تو عزم سفر کردی و رفتی زبر ما
بستی کمر خویش و شکستی کمر ما

بادشاہ کی وفات ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء

بائیس سال کی سلطنت کے بعد بادشاہ نے ۶۸۶ھ میں انتقال کیا۔ اِس کا مقبرہ نہایت ردی حالت میں قطب صاحب میں جمالی مسجد کے پاس ہے۔

کیقباد ۶۸۶-۸۹ھ ۱۲۸۷-۹۰ء

بلبن نے کیخسرو اپنے پوتے کو جو شاہزادہ سلطان محمد خاں کا بیٹا تھا۔ اپنی جانشینی کے لیئے منتخب کیا تھا۔ لیکن سازشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بجائے کیخسرو کے بلبن کا ایک دوسرا پوتا کیقباد جو بغرا خاں[1] کا بیٹا تھا تخت پر بٹھایا گیا۔ ایک بڑے امیر کو کیخسرو سے مخالفت تھی۔ اور یہ اِسی کی چال کا نتیجہ تھا کہ کیخسرو محروم رہا۔ اور آخر کو کیقباد نے اُسے مروا بھی ڈالا۔ اِس امیر نے دیگر امرا کی طرف سے اِس مضمون کی ایک جعلی تحریر بنائی کہ امرا نے کیقباد کے

---

[1] بغرا خان بلبن کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے وقت یہ بنگالے کا حاکم تھا۔ باپ کے مرنے پر اس نے کان تک نہ ہلایا اور حصول تخت کی مطلق کوشش نہ کی۔ بلکہ بنگالے ہی میں آرام وچین سے صبر شکر کرتا بیٹھا رہا۔ اِس نے ملک بنگالے پر مسلسل چالیس سال حکمرانی کر کے وفات پائی۔ کیقباد کے بعد بغرا خاں کی وفات تک دہلی پر یکے بعد دیگرے چھ بادشاہ ہوئے۔ ۱۲

بادشاہ بنانے پر اتفاق کرلیا ہو۔ اِس تحریر کو لے کر وہ رات کے وقت کیخسرو کے پاس پہونچا اور اُس کو صلاح دی کہ موقع نازک ہو۔ خیر اسی میں ہو کہ تم اپنی جان بچا کر بھاگو۔ کیخسرو خالی الذہن ڈرگیا۔ اور اُسی امیر نے اُسے شہر سے باہر کردیا اور جھٹ کیقباد کے پاس پہونچا۔ اُس سے اپنی کارگزاری کا اظہار کیا کہ میں چال چلا ہوں اور پھر اُسی کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ اِس میں شک نہیں کہ کیقباد میں بہت سی اچھی باتیں تھیں۔ اِس کی تعلیم و تربیت بہت عمدگی اور اہتمام سے کی گئی تھی۔ مذاق علمی خوب رکھتا تھا۔ لیکن بادشاہ ہوتے ہی کایا پلٹ ہوگئی سع۔ گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی۔ عیش و آرام لہو و لعب میں پھنس کر امور سلطنت کی طرف سے بالکل بے پروائی کرنے لگا۔ ہمایوں کے مقبرے کے پاس کلوکھڑی کے محل میں دل لگی کے مصاحبین کو لے جاکر مزے اُڑانے لگا۔ سلطنت میں کیا ہورہا ہو۔ خبرے نباشد۔ عیش و آرام میں ایسا محو تھا۔ کہ کبھی اپنی اہم ذمہ داریوں کا خیال تک بھی پاس پھٹکنے نہ دیتا تھا۔ مغل تاک میں لگے ہوئے تھے۔ اِس سے بہتر کیا موقع مل سکتا تھا۔ چڑھ آئے۔ مگر اقبال یاور تھا۔ پس پا ہوئے۔ بادشاہ کو جو مغلوں کی اِس حرکت پر غصہ آیا تو اپنی فوج میں جتنے مغل تھے۔ سب کو مروادیا۔ اور اُس زمانے میں فوج میں زیادہ تر مغل ہی مغل تھے۔ کیقباد کا باپ بغرا خاں بنگال کا ویسرائے تھا۔ آخر باپ تھا۔ یہ طوفان بے تمیزی دیکھ کر بہت ناراض ہوا۔ بیٹے کو بہت سمجھایا بجھایا۔ امیر خسرو فرماتے ہیں:۔ سہ

نشاید بادشاہ را مست بودن ... نہ در عشق و ہوس پیوست بودن

بودشہ پاسبان خلق پیوست ... خطا باشد کہ باشد پاسبان مست

شہاں چوں شد خراب از بادۂ ناب ... رمہ در معدۂ گرگان کند خواب

در آئینی کہ رسم ملک داریست ... ثبات کارہا در ہوشیاری ست

کچھ روز باپ کے کہنے سُننے کا اثر بھی رہا۔ اور ذرا سنبھل گیا۔ لیکن وہاں کیا تھا۔ سہ

مگر بخت خوابیدہ بیدار نیست

وگرنہ چنیں کار دشوار نیست

پھر وہی صحبتِ بد گرم ہوئی۔ ؎

دور شو از اختلاطِ یارِ بد — یارِ بد بدتر بود از مارِ بد
مارِ بد تنہا ہمیں بر جاں زند — یارِ بد بر جان و بر ایماں زند
صحبت صالح ترا صالح کند — صحبت طالح ترا طالح کند

بلکہ پہلے سے بھی زیادہ محفل عیش و آرام کا رنگ جما۔ جس کا نتیجۂ لازمی بدنظمی اور بلوہ تھا۔ سنبھالنے کا گورنر اور وزیر **شائستہ خان** جو ترکی سردار **خلج** کا رہنے والا تھا۔ دلی پر چڑھ آیا۔ اور اُسی زمانے میں کثرت عیاشی سے بادشاہ مفلوج ہو گیا۔ بادشاہ کے صغر سن بچے **کیومرث** کو جس کی عمر صرف تین سال کی تھی **شمس الدین** کا خطاب دے کر تخت پر بٹھلا دیا۔ لیکن شائستہ خاں کے بیٹے شاہی فوج میں دررانہ گھس آئے اور کم عمر بادشاہ کو لے کر چلتے ہوئے۔ اُن کے تعاقب کو **بدایوں دروازے** سے لشکر نکلا لیکن اِس ڈر سے اُسے روک لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیچھا کرنے سے وہ لوگ بادشاہ کا کام تمام کر دیں۔ اِسی اثنار میں کلوکھری میں کیقباد کو قتل کروا دیا۔ اور اُس کی نعش کو محل کی کھڑکی میں سے نیچے دریا کی ریتی میں پھنکوا دیا۔ شائستہ خاں سنہ ۱۲۹۰ء میں خود تخت نشین ہو گیا۔ اور اُس نے اُس صغر سن بچے کا بھی کام تمام کر دیا۔ اِس طرح خاندان غلاماں کا خاتمہ ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء میں ہوا۔ جس کی ابتدا قطب الدین ایبک سے ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء میں ہوئی تھی۔

؎ فرشتہ لکھتا ہے کہ ملک جلال الدین فیروز خلجی ترک پسرانیکہ پدر انہارا پادشاہ معزالدین کشتہ بود بقصر کیلوکھری فرستادہ آنہا بادشاہ معزالدین کیقباد را کہ رمقے از و بیش نماندہ بود در جامخانہ یعنی گلیم بپیچیدہ و لگدے چند زدہ در آب جون انداختند۔ نظم:-

بناگاہ در قصر شاہ آمدند — بخونِ پدر کینہ خواہ آمدند
بیک جامخانہ تن شاہ را — بپیچید آن قوم وحشت گرا
بگردندش آنگہ لگد مال و زود — فلک طرفہ بازی بخسرو نمود
چنیں بازی این گنبد نیلگوں — نماید دریں دیر ششدر فزوں
کشاندشہانرا بدست خساں — کسانرا کند عاجز ناکساں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

مسلمانوں کا ہندوستان فتح کرنا

ان محمد غوری (شہاب الدین الملقب بہ معز الدین)

مقام علاقہ سندھ پر قبضہ کر لیا	سنہ ۱۱۷۵-۷۶ء
ات کے راجہ سے شکست پائی	سنہ ۱۱۷۸-۷۹ء
رو ملک لاہور کو معزول کیا	سنہ ۱۱۸۴ یا ۱۱۸۶ء
ین (تراوڑی) کی پہلی لڑائی	سنہ ۱۱۹۱ء
" دوسری لڑائی	سنہ ۱۱۹۲ء
۔ قنوج ۔ بنارس اور بہار کا فتح کرنا	سنہ ۱۱۹۳-۹۶ء
ے کی فتح	سنہ ۱۱۹۹ یا ۱۲۰۰ء
یلواڑے پر قبضہ	سنہ ۱۱۹۶ء
نجر پر قبضہ	سنہ ۱۲۰۳ء
ان شہاب الدین محمد غوری کی وفات	سنہ ۱۲۰۶ء

سلاطین خاندان غلامان

ب الدین ایبک	سنہ ۱۲۰۶ء
م شاہ	سنہ ۱۲۱۰ء
ش	سنہ ۱۲۱۱ء
الدین و رضیہ سلطانہ	سنہ ۱۲۳۶ء

ت صفحہ گزشتہ} سر تاجداراں بخاک افگند — تن سرکشاں در مغاک افگند

ازاں رو دریں عالم بے وفا — نہ بستند دل اہل ملک ولا

سر از تاج شاہی و گردن کشی — کشیدند با صد رضا و خوشی

نہ امید از عالم خاک شاں — نہ بیمے ز دوران افلاک شاں ۱۲۰

بہرام شاہ وغیرہ .... سنہ ۱۲۴۰ع
ناصر الدین محمود .... سنہ ۱۲۴۶ع
غیاث الدین بلبن .... سنہ ۱۲۶۶ع
معز الدین کیقباد .... ۱۲۸۶ یا ۱۲۸۷ سنہ ع جو سنہ ۱۲۹۰ع
میں قتل کیا گیا۔

خاندان خلجی سنہ ۱۲۹۰-۱۳۲۰ع

جلال الدین فیروز شاہ خلجی
سنہ ۶۸۹-۹۵ھ
۱۲۹۰-۹۵ع

شائستہ خاں ستر برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اور جلال الدین کا لقب لیا۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ بڑا جوانمرد اور سپاہی منش تھا لیکن ساتھ ہی اِس کے ضرورت سے زیادہ نرم تھا۔ اُس کی نرمی۔ رحم دلی۔ دشمنوں سے مراعات سے

نکوئی با بداں کردن چنانست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

کی مصداق تھی۔ نتیجہ اِس نرم پالیسی کا یہ ہوا کہ ملک میں چوطرف خودسری اور بدامنی بدرجۂ غایت پھیل گئی۔ گو اس کی نیک مزاجی۔ فروتنی۔ کسرنفسی۔ خلق و مروت۔ ملنساری چشم پوشی۔ درگزر کی مورخین کتنی ہی تعریف کریں۔ لیکن بادشاہت کے لیئے نری نیکی ہی درکار نہیں ہے۔ بلکہ سے

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جرّاح و مرہم نہ است

نتیجہ یہ ہوا کہ ساری سلطنت میں استر خار۔ ڈھیل اور عام کمزوری پیدا ہو گئی۔ اس کے عہد میں پہلے تو سنہ ۱۲۹۱ع میں ایسا بڑا بھاری قحط پڑا کہ بھوک کی تاب نہ لا کر ہزاروں ہندو جمنا میں ڈوب مرے۔ جلال الدین نے ایک دفعہ مالوے پر حملہ کیا۔ جس میں ایک حد تک کامیابی ہوئی۔ جس طرح پہلے سے

مغلوں نے ستا رکھا تھا۔ اِس کے عہد میں بھی باز نہ رہے۔ جلال الدین خلجی کے عساکر سلطانی نے اُن کو لاہور سے نکال باہر کیا۔ اور تین ہزار خانہ بدوش مشرف بہ اسلام ہوکر بادشاہ کے زمرۂ ملازمت میں شامل ہوئے۔ جن کے لیئے بادشاہ نے دِلّی شہر کے باہر ایک محلہ ہی بسا دیا۔ جس کا نام مغل پورہ تھا۔ اِس کی سلطنت کا سب سے مہتم بالشان واقعہ دکن کا حملہ ہے کہ اِس طرف اب تک کسی بادشاہ نے توجہ نہیں کی تھی۔ بوجہ کبرسنی کے بادشاہ خود تو اِن مہمات کا متحمل نہ ہوسکتا تھا۔ اِس لیئے اُس نے اِن مہمات کی کمان اپنے بھتیجے علاء الدین کے سپرد کی۔ دریائے نربدا سے جنوب میں اسلام کا یہ پہلا حملہ تھا۔ جو نوجوان علاء الدین کی سرکردگی میں ۱۲۹۴ء میں ہوا۔ علاء الدین سات سو میل کا لمبا دھاوا مارکر ملک برار اور خاندیس میں پہونچا اور راجہ رامچند دیو۔ یادو خاندان کے راجۂ دیوگیری[۱] کو جو اب دولت آباد کہلاتا ہے اور ملک مرہٹواڑی کا پایۂ تخت تھا۔ مغلوب کیا کیونکہ اِس نواح میں اُس

[۱] دیوگیری یا دولت آباد۔ حیدرآباد گوداوری ویلی ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ اب قدیم شہر مملکت سرکار عالی نظام میں اورنگ آباد سے دس میل کے فاصلے پر اور بمبئی سے ۲۲۵ میل ہے۔ اِس کا مفصل حال ہم نے واقعات مملکت بیجاپور میں لکھا ہے۔ یہاں مختصراً لکھتے ہیں۔ موجودہ حیثیت اس کی ایک قصبے کی ہے۔ اور آبادی اِس کی دو ڈھائی ہزار کے قریب ہوگی۔ قلعے کو اب بھی دیوگیری کہتے ہیں۔ یہ قلعہ پہاڑ میں تراش کے بنایا گیا ہے۔ اُس کی بیرونی فصیل کا دور پونے تین میل ہے۔ سب سے اوپر اورنگ زیب کی بنائی ہوئی ایک بارہ دری ہے۔ اور بالاحصار پر ایک بڑی بھاری توپ رکھی ہوئی ہے۔ قلعہ کی خندق کے باہر ایک مینار ہے جو ۲۱۰ فٹ بلند ہے۔ یہ پہاڑ جس پر قلعہ واقع ہے۔ چھ سو فیٹ بلند ہے۔ اور اِسی وجہ سے دور دور سے دکھائی دیتا ہے۔ ۱۲۹۴ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے اِس شہر کو فتح کیا اُس وقت یہاں کا راجہ یادو خاندان کا رام چندر نامی تھا۔ علاء الدین نذرانہ لے کر واپس ہوگیا تھا۔ راجہ نے اطاعت قبول کرلی تھی۔ لیکن پھر بغاوت کی۔ اور ملک کافور نے ۱۳۰۶ء میں پھر اِس شہر کو فتح کیا۔ اور راجہ کو پکڑ کر دہلی لے گیا۔ بادشاہ نے اُس کی اچھی توقیر کی اور اُس کو واپس بھیج دیا۔ لیکن اُس کے بیٹے شنکر نے پھر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کے تجمل و احتشام اور تمول کا بڑا شہرہ تھا۔ راجہ بھی خوب دل کھول کر لڑا
لیکن آخرکار اطاعت قبول کی اور ایلیچ پور (برار) مع مضافات حوالے کر دیا
علاء الدین مظفر و منصور بے شمار مال و دولت سے لدا پھندا دہلی واپس آیا۔
علاء الدین کو حکومت کا مزہ پڑ گیا تھا۔ اور بادشاہت کی ہوا اُس کے سر
میں سما گئی تھی۔ چوں کہ وہ دکن کی مہم پر بہت دن رہا۔ اور کجا دکن اور کجا دہلی۔
دارالسلطنت سے اتنا فصل تھا۔ کہ گویا وہ بادشاہ کے دباؤ سے باہر تھا۔
علاء الدین کی اپنی بیوی سے جو بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اَن بن تھی۔ اور اسی وجہ
سے ساس سے بھی چشمک ہو گئی تھی۔ اِس کا غبار علاء الدین کے دل میں تھا مگر
پھر بھی چچا بھتیجے پر جان دیتا تھا۔ اور بالکل خالی الذہن تھا۔ جب علاء الدین دکن
کے حملوں سے بامراد پلٹا تو اُس نے بڈھے چچا سے بہت کچھ اظہار ارادت و عقیدت
کیا۔ ہر چند لوگوں نے بادشاہ کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر قضا و قدر کے سامنے
کسی کی نہ چلی۔ اور بادشاہ نے کسی کی نہ سُنی۔ نوجوان بھتیجے کی چکنی چُپڑی باتوں
سے دم جھانسے میں آگیا۔ برسوں کے بعد بچھڑا ہوا بھتیجا اور داماد مع الخیر واقف
آیا۔ بے اختیار جوشش محبت اُسے کھینچ کر کڑا[۱] مانکپور متصل الہ آباد سے گیا۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ بغاوت کی۔ ملک کافور نے شہر کو دوسری دفعہ فتح کیا۔ اور
شنکر مارا گیا۔ دولت آباد کے قلعے میں ملک کافور نے بادشاہی لشکر چھوڑ دیا۔ تھوڑے
دنوں کے بعد ہرپال نے جو راجہ کا داماد تھا پھر بغاوت کی۔ لیکن مبارک خلجی نے اُسے
شکست دے کر زندہ جلوا دیا۔ ۱۳۲۸ء میں محمد شاہ تغلق نے دہلی کو اجاڑ کر اِس
شہر کو آباد کیا۔ یہ مقام دہلی سے پورے آٹھ سو میل ہے۔ محمد تغلق کی زندگی ہی میں
یہ قلعہ باغیوں نے چھین لیا اور ۱۵۲۶ء میں سلاطین بہمینہ کے قبضے میں رہا۔
اُن کے بعد احمد نگر کے نظام شاہی سلاطین قابض رہے۔ اُن سے عالمگیر
نے چھین لیا۔ ۱۷۴۸ء سے وہ حضور نظام حیدر آباد کی ممالک محروسہ میں
چلا آتا ہے۔ ۷۴۳ء میں دولت آباد۔ آباد تھا۔ ۷۴۴ ہجری میں بادشاہ نے
دہلی کے باشندوں کو واپس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ ۱۲
نوٹ متعلق بہ صفحہ ہذا۔ [۱] اب یہ قصبہ الہ آباد کے ضلع میں گنگا کے کنارے بیالیس

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بے کھٹکے بھتیجے سے ملنے چلا گیا۔ گنگا کے کنارے ایک کشتی پر ملاقات ہوئی۔ بھتیجے صاحب بہت تپاک سے چچا سے بغل گیر ہوئے۔ اور ماہ رمضان ۶۹۵ھ ۱۲۹۶ء کو ضرب خنجر سے محسن کُش بھتیجے نے بہ از پدر شفیق چچا کا کام تمام کر دیا اور چچا کا سر کاٹ کر برچھے پر چڑھا کر تمام لشکر میں گشت کرا دیا۔ اور اِس طرح خون میں ہاتھ رنگ کر دہلی میں داخل ہو کر بادشاہ بن گیا۔ اگرچہ فیروز شاہ نے جلال الدین کے مقبرے کا ذکر کیا ہے کہ دہلی میں ہے۔ لیکن اب کہیں اُس کا پتہ نہیں چلتا۔

علاء الدین خلجی ۱۲۹۵-۱۳۱۶ء

علاء الدین سکندر شاہ ثانی تو کڑے ہی میں تخت نشین ہو چکا تھا۔ مگر دِلّی میں جلال الدین کی بیوی نے اپنے چھوٹے لڑکے رکن الدین ابراہیم شاہ کو کلوکھری کے کوشک سبز میں تخت پر بٹھلا دیا جو صرف چار ہی مہینے سلطنت کرنے پایا تھا۔ کہ عین برسات میں علاء الدین مع لشکر کے واپس آیا اور پرانی دِلّی کے شمالی شرقی دروازے کے باہر خیمہ زن ہو کر اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ علاء الدین کے مقابلے کے لیئے جو لشکر طیار کیا گیا تھا۔ وہ شہر کی فصیل کے اندر ہی دبک گیا۔ اور کچھ لوگ خود بخود دم بخود ہو کر بیٹھ رہے۔ رکن الدین کچھ لڑا مگر اُسے بھاگتے ہی بن پڑی اور اُس نے ملتان کا رستہ پکڑا۔ علاء الدین بے کھٹکے شہر میں داخل ہوا۔ اور بلبن کے کوشک لعل میں پہنچ کر تخت نشین ہوا۔ علاء الدین کے نام کے ساتھ یہ کلنگ کا ٹیکہ تو تھا ہی کہ اُس نے دوستی کے پردے میں دھوکا دے کر اپنے اُس بڈھے چچا کی جس نے اُسے بچوں کی طرح پالا تھا۔ بے دریغ جان لے لی۔ لیکن اِس کے علاوہ اُس سے ایک اور بھی

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ہم میل شمال و غرب میں واقع ہے۔ الہ آباد کے قلعے کی تعمیر ہونے سے پہلے جو اکبر بادشاہ نے بنایا۔ اُس علاقہ کا صوبہ دار کڑے میں رہا کرتا تھا۔ لیکن اکبر نے صوبہ دار کو الہ آباد میں رہنے کا حکم دیا۔ آصف الدولہ بہت سے پرانے مکانات کا پتھر لکھنؤ لے گیا۔ موجودہ آبادی چھ سات ہزار کے قریب ہے پہلے یہاں کا کاغذ مشہور تھا۔ اب انگریزی کارخانے جاری ہو جانے سے اِس کی قدر جاتی رہی۔ کمل بھی اچھے تیار ہوتے ہیں۔

اس سے زیادہ فعل قبیح سرزد ہوا کہ اُس نے اپنی بڑھیا چچی اور دونوں چچازاد بھائیوں کو بھی بڑی بے رحمی سے مروادیا۔ اِن دونوں بھائیوں میں ایک تو وہ تھا جو تخت کا دعویدار تھا۔ اُسے مع اُس کے بھائی کے ملتان سے کہیں بلوایا اور دہلی لاکر دونوں کی آنکھیں نکلوا ہانسی میں چندے قید رکھا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اِن کو قتل کروادیا۔ اس طرح اپنے لیئے میدان صاف کرنے کے بعد بلا غل وغش حکم رانی کرنے لگا اور غیر معمولی داد و دہش اور سخاوت سے چاہا کہ لوگوں کے دلوں سے یہ بات محو کردے کہ اُس نے کس چال بازی اور سفاکی سے تخت حاصل کیا تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ اوائل عہد اسلامی کے بادشاہوں میں اِس کا زمان سلطنت بہت دل چسپ اور اہم کہا جاسکتا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سلطان علاء الدین ایک بڑا سپاہی اور ایک بڑا جنرل تھا۔ لیکن اِس کی تصویر کا ایک اندھیرا رُخ بھی ہے کہ وہ جاہل مطلق سنگ دل اور بڑے شکی مزاج کا آدمی تھا۔ یا یوں سمجھیے کہ اِس کی حکومت اپنے غایت درجے کے نرم دل چچا کے بالکل برعکس تھی۔ اِن باتوں کے سوا علاء الدین کے سارے کام اچھے تھے۔ اُس کے ارادے کی تصمیم۔ اور زبردست قوت نے ملک کو ساری بدنظمیوں



سلطان علاء الدین خلجی

اور ابتریوں سے جو مدّت سے علی الخصوص گزشتہ زمان حکومت میں کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں نیست ونابود کردیا۔ چوروں۔ ڈاکوؤں۔ قزاقوں نے رستے مخدوش کردیئے تھے۔ اِس کے زبردست ہاتھوں نے اُن کا قلع قمع کیا اور اِس بادشاہ کو حکم رانی کا کچھ ایسا ڈھب معلوم تھا۔ کہ گو ہندوؤں کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ تاہم لوگ فارغ البالی اور تمول میں برابر ترقی کرتے چلے جاتے تھے اور چوطرف خوشحالی تھی۔ ہاں البتہ ہندوؤں سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔

گجرات کے لوگوں نے جن کو **غوری** بادشاہوں نے مطیع کیا تھا علاء الدین

ے عہد سے بہت پہلے پٹھان بادشاہوں کو نکال باہر کیا تھا۔ اور ایک راجپوت رن رائے کو اپنا راجہ بنا لیا تھا۔ علاء الدین نے ۱۲۹۷ء میں اپنے بھائی الف خاں بہت سی فوج دے کر اُس طرف روانہ کیا۔ اور الف خاں نے دوبارہ گجرات اور کھیلواڑے کو مسلمانوں کی قلمرو میں شامل کیا۔ گو راجہ اپنے راج کے لیئے ی بہادری سے لڑا مگر بے فائدہ۔ اُسے اپنی پیاری رانی کملا دیوی اور ن دیول دیوی سمیت بھاگنا پڑا۔ سواروں نے تعاقب کر کے اتنا دبایا کہ نی رستہ بھول کر جنگل ہی میں بھٹک گئی اور شاہی سپاہیوں کے ہاتھ لگی۔ یہ رانی ن وجمال و فراست میں شہرۂ آفاق تھی۔ مسلمان اِسے نظر بند کر کے بادشاہ کے پاس دہلی لائے۔ جس نے اُسے اپنے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا۔ رانی اپنے پہلے شوہر کے پاس تو کسی طرح بھی نہ جا سکتی تھی۔ اِس لیئے اُسے اپنی گزشتہ زندگی کو بھلانے اور صرف موجودہ حالت یعنی ملکۂ دہلی ہونے کو منظور کرنا پڑا۔ علاء الدین کملا دیوی پر دل سے فدا تھا۔ جھٹ اُس نے نکاح کر اپنے محل میں داخل کر کے شاہ بیگم بنا دیا۔

چتوڑ کی رانی پدمنی اور پہلی لڑائی سنہ ۱۳۰۲ء

جب علاء الدین دہلی میں سلطنت کرتا تھا۔ راجپوتانے کے علاقے میواڑ کی راجدھانی چتوڑ کا راجپوت راجہ بھیم سی یا بھیم سنگھ۔ یعنی بھیم شیر تھا۔ اِس کی ایک حسین رانی پدمنی یا کنول کا پھول تھی جو علاوہ خداداد حُسن کے بڑی عقلمند جیوٹ اور دلیر ی تھی۔ اُس کے حسن کا آوازہ علاء الدین کے کان تک پہنچا۔ علاء الدین گو ھا تھا۔ مگر ع پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست۔ رانی کے حسن و ل کی شہرت سُن کر منہ میں پانی بھر آیا اور دل میں ٹھان لی کہ جس طرح بھی ممکن اِس سونے کی چڑیا کو قابو میں کرنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ کملا دیوی سے شادی چکا تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا۔ اور اُس کے علاوہ اور بھی اِس کی بہت سی بیں تھیں۔ تاہم اُس نے ایک بڑے بھاری لشکر کے ساتھ چتوڑ پر حملہ کیا۔ ئی مہینے علاء الدین قلعے کے سامنے پڑا رہا مگر کوئی صورت کامیابی کی نہیں ہوئی

آخر کار بادشاہ اصل حرف مطلب زبان پر لایا کہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے صرف ایک نظر پدمنی کو دکھا دو تو میں جس طرح آیا ہوں۔ اُسی طرح بلا لڑے بھڑے واپس چلا جاؤں گا۔ بھیم سین یہ سنتے ہی آگ بگولا ہوگیا۔ بھلا کوئی راجپوت اس ذلت کو گوارا کرسکتا ہے۔ مگر مثل مشہور ہے کہ بندھا خوب مار کھاتا ہے۔ بُری طرح آن پھنسا تھا۔ کچھ لوگوں نے اونچ نیچ سمجھایا۔ کہ یہ بھی بادشاہ کی محض ایک ہٹ ہے وہ اپنی بات پر اڑ گیا ہے۔ دنیا میں تین ہٹیں مشہور ہیں۔ راج ہٹ۔ تریا ہٹ اور بال ہٹ۔ اس موقع پر آپ کو بھی مصلحت وقت پیش نظر رکھ کر طرح دینی چاہیے۔ آخر کار بہت سی قیل وقال کے بعد یہ بات ٹھیری کہ رانی کے سامنے کرنے میں اگر پس وپیش ہے۔ تو خیر یہ مشکل یوں حل ہوسکتی ہے کہ رانی ایک آئینے کے سامنے کھڑی ہوجائے۔ بادشاہ آئینہ ہی میں اُس کا عکس دیکھ لے گا۔ اور وہ خود نظر بھی نہ آئے گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ بادشاہ صرف دو ایک آدمیوں کے ساتھ قلعے میں آئے زیادہ لاؤ لشکر ساتھ نہ لائے۔ علاء الدین نے اس بات کو خوشی سے قبول کیا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ حسب قرار داد وہ ایک آدمی لے کر قلعہ میں چلا گیا۔ اب وہ راجپوتوں کے قابو میں تھا۔ جو چاہتے سو کرتے۔ مگر نہیں۔ راجپوت اپنے قول کے دھنی ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ایسا ہی ہوا۔ کہ بادشاہ نے آئینہ میں سے پدمنی کا چہرہ دیکھ لیا۔ جسے ایک خادمہ پکڑے ہوئے تھی۔ واپسی کے وقت حسب قاعدہ وآداب شاہی راجہ علاء الدین کی مشایعت کی غرض سے تھوڑی دور باہر تک آیا۔ لیکن ترکی فوج کا ایک دستہ پہلے ہی سے جنگل میں چھپا رکھا تھا۔ گھات سے جھپٹ کر نکلا اور راجہ کو گرفتار کرلیا۔ تب بادشاہ نے کہا کہ مہاراج! کس خواب خرگوش میں ہو۔ تمھاری خیر اسی میں ہے کہ سیدھے سمجھاؤ پدمنی کو میرے حوالے کرو ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھوؤ۔ راجپوتوں نے جب یہ بات سنی تو وہ جوش اور غصے سے تھرا گئے۔ رانی تھی بڑی چترا سمجھی کہ یہ موقع کھلم کھلا مقابلے کا نہیں ہے۔ ترکوں میں آن نہیں ہے۔ اُنھوں نے ہمیں دھوکا دیا۔ پس اس کا جواب ترکی بترکی دینا چاہیے۔ اور جب تک کوئی معقول چال نہ چلی جائے گی۔ راجہ کی گلو خلاصی ناممکن ہے۔ پھر اُس نے بادشاہ سے

کہلا بھیجا کہ اگر آپ راجہ کو چھوڑ دیں تو میں حاضر ہوں۔ مجھے کب عذر ہے۔ لیکن چونکہ میں بادشاہ کی بیگم ہوں گی۔ میں اپنی تمام لونڈیوں باندیوں کو ساتھ لاؤں گی اور نیز میرے زیورات کپڑے وغیرہ سب سامان ساتھ رہنا ضرور ہے۔ اس لیئے مجھے اجازت ہو کہ ہم بند پالکیوں میں حاضر ہوں تاکہ ہماری بے پردگی نہ ہو اور ہمیں آپ کی فوج والے نہ دیکھ سکیں۔ علاء الدین نے یہ بات بخوشی منظور کرلی۔ کیوں کہ راجہ اُس کے بس میں تھا۔ اُس کا دل اپنی جگہ مضبوط تھا۔ کہ راجپوت ہمارا کیا کرسکتے ہیں۔ اُن کا ہاتھ پتھر تلے دبا ہوا ہے۔ اور دل میں سمجھا کہ واقعی پدمنی میرے ساتھ چلنے اور دہلی کی ملکہ بننے کو راضی ہے۔ بادشاہ کی اجازت آتے ہی پدمنی ڈولے میں سوار ہوئی۔ اور سات سو ڈولے اور ساتھ لیئے۔ بظاہر تو اُن ڈولوں میں رانی کی سہیلیاں لونڈیاں۔ باندیاں تھیں۔ مگر دراصل اِن میں ایک ایک سوار راجپوت مسلح ڈٹا ہوا تھا۔ حتی کہ کہاروں کی جگہ بھی لڑنے والے سپاہی تھے جب ڈولے شاہی کیمپ میں پہنچے تو علاءالدین نے سمجھا کہ میرے دونوں میٹھے اور چاہا کہ نہ رانی کو جانے دے اور نہ راجہ کو لیکن جب پدمنی کے چچا گورا نامی نے جو اس قافلے کا سردار تھا۔ بادشاہ سے عرض کی کہ پدمنی اپنے شوہر سے آخری ملاقات کرنا اور اُس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا چاہتی ہے۔ بادشاہ اِس خیال پر مست تھا کہ رانی اور اُس کا کُل زر و جواہر میرے قبضے میں ہے۔ کہنے لگا بہت اچھا۔ راجہ اِسی خیمے میں ہے رانی شوق سے اُس سے رخصت ہولے۔ مگر آدھ گھنٹے سے زیادہ وہاں نہ ٹھیرے تب پالکی راجہ کے خیمے میں لے گئے۔ بدل باہر نکل آیا اور راجہ نے وہ زرہ پہن لی جو بادل ساتھ لایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد علاءالدین خیمے میں گیا۔ اُس وقت سارے راجپوت تلواریں سونت سونت کر اپنے اپنے محافوں میں سے کود پڑے

سلہ یہ امر مختلف فیہ ہے۔ کہ رانی شاہی کیمپ میں گئی یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ خود بھی گئی تھی اور راجپوت گھوڑوں پر سوار کرکے لے آئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں رانی نہیں گئی تھی بلکہ اُس نے ایک بہادر راجپوت لڑکے بدل نامی کو اپنے بدل میں ڈولے میں چڑھا کر بھیج دیا تھا۔

واللہ اعلم بالصواب ۱۲

اور راجہ رانی دونوں کو گھوڑوں پر سوار کرکے لڑتے بھڑتے تلواروں کی چھاؤں پھر قلعے میں لے آئے۔ بادشاہ منہ تکتے کا تکتا رہ گیا۔ ترکوں اور راجپوتوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں بہت سے تو مارے گئے۔ اور تھوڑے ہی راجپوت زندہ واپس پہنچے۔ علاء الدین نے قلعے پر پھر حملہ کیا۔ مگر ناکام رہا۔ اور نہایت خجل ہوکر دہلی کو واپس آیا۔ جو راجپوت اِس معرکے میں بچ گئے۔ اُن میں سے ایک بیدل بھی تھا۔ اِس کی چچی یعنی گورے کی جورو نے جو کام آیا تھا۔ پوچھا۔ "تمھارے چچا نے کیا کیا اور وہ کہاں ہیں؟ لڑکا جو صرف بارہ برس کی عمر کا تھا بولا کہ" اُس نے اپنے دشمنوں کا تلوار سے ایسا ستھراؤ کیا ہی۔ جس طرح کسان درانتی سے اناج کاٹتا ہی۔ اب وہ میدان جنگ میں ایسی میٹھی نیند سوتا ہی کہ پھر کبھی نہ جاگے گا۔ اُس نے دشمن کو قتل کرکے زمین پر فرش بچھا لیا اور ایک شہزادے کو تہ تیغ کرکے اُس کے دھڑ کا گاؤ تکیہ بنا لیا" اُس کی چچی بولی "تو کیا میں انتظار میں رہوں۔ کیا میرا شوہر میری طرف دیکھ رہا ہی۔ اگر میں جانے میں دیر کروں گی تو رُوٹھ جائے گا۔ یہ کہتے ہی وہ آگ کے شعلوں میں کود پڑی۔ جو اُس نے پہلے ہی سے دہکا رکھی تھی۔ اور فوراً جل کر بھسم ہوگئی۔

چتوڑ کی دوسری لڑائی سنہ ۱۳۰۳ع

اَب ہم ایک نہایت دردناک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ سہ

نالۂ بلبل شیدا تو سُنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

علاء الدین ایسا آدمی نہ تھا۔ کہ جو بات ایک دفعہ دل میں ٹھان لے اُسے پورا نہ کرے۔ دوسرے ہی برس یعنی سنہ ۱۳۰۳ع میں خاص اہتمام اور طیاری سے پہلے سے بھاری لشکر افغانوں اور ترکوں کی ایک آہن پوش جرار فوج کا لے چتوڑ پر یوں جا چڑھا۔ جس طرح گرجتی ہوئی گھٹا اُمنڈ آتی ہی۔ اور چتوڑ پر ایک طوفان کی طرح جا برسا۔ رانا بھیم سنگھ اپنی قوم کے بہت سے آدمی شہر کے پہلے ہی محاصرے میں کٹوا چکا تھا۔ جو راجپوت بچ کچ رہے تھے۔ وہ گو بڑے بہادر۔ جری اور وفادار تھے۔ مگر دس کے سامنے ایک کیا کرسکتا تھا۔ ترکی جمعیت سے مقابلہ کرنے کی کافی طاقت نہ رکھتے تھے۔ برابر چھ مہینے تک لڑائی

بچھڑی رہی۔

راجپوتوں کی تعداد روز بروز گھٹتی چلی جاتی تھی اور ترکی فوج میں تازہ دم سپاہی دہلی سے برابر چلے آتے تھے۔ سارے دن کے تھکے ماندے رانا نے جب رات کو بستر سے کمر لگائی تو اُسے ایک بہت ڈراؤنا خواب نظر پڑا جس میں اُس نے دیکھا کہ دیوی بھوانی یا کالی جس کی وہ پرستش کرتا تھا سامنے کھڑی کہہ رہی ہو کہ بھوکی ہوں۔ بھوانی قتل وغارت کی دیوی ہے اور مذہبی اعتقاد کی رو سے وہ اور کسی بات سے اتنا خوش نہیں ہوتی۔ جتنا خونریزی سے۔ بھیم سنگھ نے خواب ہی میں جواب دیا کہ "تو میری قوم کے آٹھ ہزار آدمی تو بھینٹ لے چکی جو ابھی ابھی مارے گئے ہیں۔ کیا اب بھی تیرا پیٹ نہیں بھرا اور تو بھوکی کی بھوکی ہی ہو؟" اس پر دیوی یوں بولی "میں ایسے آدمیوں کی کیا پروا کرتی ہوں۔ یہ بھی کسی شمار قطار میں ہیں۔ مجھے تو راجاؤں کے سر چاہئیں جب تک تیری نسل کے بارہ تاج داروں کے سر قلم نہ ہوں گے۔ میں چتوڑ کو چھوڑنے والی نہیں۔ اور تمھارا خاندان ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔" دوسری رات کو بھی بھیم سنگھ نے یہی خواب دیکھا۔ اب اس نے مجبور ہو کر اپنا خواب اپنے سرداروں کو جمع کر کے سنایا۔ وہ سب کے سب اس غیبی آواز کے حکم کی تعمیل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ رانا کے بارہ بیٹے تھے۔ دوسرے دن ان میں سے سب سے بڑے کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اس بے چارے نے صرف تین دن حکومت کی اور چوتھے دن مارا گیا۔ ؎

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

اسی طرح اور سب بھی باری باری سے گدی نشین ہوئے۔ تین دن تک راج کرتے چوتھے دن ترکی فوج میں جا گھستے اور مارے جاتے۔ ؎

بے صورت بگردید ست عالم — ازیں صورت بگردد عاقبت ہم
عمارت باسرائے دیگر انداز — کہ دنیا را اساسے نیست محکم
مثالِ عمر سر بر کردہ شمعےست — کہ کوتاہ بازمی باشد دمادم

دو بابرف گدازاں برسر کوہ — کز وہر لحظہ جزوے می شود کم

نوبت بہ ایں جا رسید کہ گیارہ تاج دار دست اجل کے شکار ہوئے۔ اور سب سے چھوٹا بھائی رہ گیا۔ تب راجہ نے اپنے سرداروں کو جمع کر کے کہا۔ "اب چتوڑ پر میں اپنی جان قربان کرتا ہوں۔ اب میرا سر خون آلودہ ٹھوکروں اور روندن میں آئے گا۔ اور اس طرح بھوانی کی منت پوری ہوگی"

اب بھیم سنگھ نے حکم دیا کہ نہایت دلاور بہادر سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ منتخب کیا۔ اور اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو اُن کا افسر بنایا اور اُن سے کہا۔ "تم دشمنوں کے بیچ میں سے اپنا رستہ نکال لو اور اُن سے بچ کر دور دراز کیلواڑے میں چلے جاؤ۔ اور وہاں میواڑ کا راجہ بن کر اُس وقت تک حکومت کرو کہ چتوڑ میں واپس آسکو" کنور پہلے تو جانے پر رضامند نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ "میں یہیں رہوں گا اور باپ کے ساتھ اپنی جان قربان کر دوں گا" لیکن بھیم سنگھ نے نہ مانا اور کہا کہ "بیٹا! اس خاندان کا تو ہی ایک چراغ رہ گیا ہے۔ اگر خدانخواستہ تجھ پر کچھ آنچ آئی تو بس دنیا کے پردے سے ہمارا نام ہی مٹ جائے گا۔ بس تم کو چاہیئے کہ کوشش کرو کہ اس خاندان کا نام تو قائم رکھو" یوں مجبور ہو کر کنور کو باپ کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے بہ ہزار دقت و دشواری دشمن کے بیچوں بیچ میں سے اپنا رستہ نکال لیا۔ اور اُس کے خاندان میں سے ایک شخص بہت عرصے کے بعد چتوڑ کا رانا بن کر واپس آیا۔ جب رانا نے دیکھ لیا۔ کہ اُس کا بیٹا اپنی جان سلامت لے کر مسلمانوں کے نرغے سے نکل گیا اور راجپوت ایسے کثیر التعداد۔ اور جرار لشکر کے مقابلے میں ٹھیر نہ سکے۔ اور اور بہت سے راجپوت کٹ کٹ کر مر گئے۔ اور کوئی صورت قلعے کے بچاؤ کی نظر نہ آئی تو پدمنی تیرہ ہزار باحیا اور باعصمت راجپوتنیوں کے ساتھ ایک بڑے غار میں گئی جہاں پہلے سے آگ جلا رکھی تھی۔ اور ایک دم سب کود پڑیں۔ اور وہیں جل کر بھسم ہو گئیں۔ مرد جو بچ رہے۔ تلواریں پکڑ کر قلعے سے نکلے اور عزت پر اپنی جانوں کو نثار کیا۔ اور ایک ایک کر کے سب کے سب مارے گئے۔ لیکن ہر ایک نے جہاں تک بس چلا دشمنوں کا خوب ستھراؤ کیا جب علاءالدین قلعے کے اندر داخل ہوا۔ تو قلعہ خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ وہاں

ایک راجپوت کو بھی زندہ نہ پایا۔ ایسا معلوم دیا کہ گویا وہ مُردوں کے شہر میں چل پھر رہا ہی۔

قلعۂ جیسلمیر کی فتح اور جوہر کا ہولناک طریقہ

اِس کے بعد علاء الدین جیسلمیر (علاقۂ جودھپور) پہنچا۔ اور آٹھ مہینے کے محاصرے کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔ یہاں بھی کم و بیش وہی معاملہ پیش آیا جو چتوڑ گڑھ پر ہو چکا تھا۔ جنی چار ہزار راجپوتنیاں زیور اور لباس پہن کر دہکتی ہوئی آگ میں ایک دم کود پڑیں اور جل کر خاک سیاہ ہو گئیں۔ اور مردوں نے بڑھ بڑھ کر تلوار کے ہاتھ مارے۔ اور دشمنوں کے ہاتھ سے کٹ کٹ کر مرے۔ راجپوتوں کی اصطلاح میں اِس طرح پر جان دینے کو جوہر کہتے ہیں۔ جب علاء الدین راجپوتوں پر غالب آگیا۔ اور گجرات اور راجپوتانے کے اچھے اچھے شہر لے چکا تو دکن کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔

مغلوں کی یورش اور پسپائی ۱۲۹۷ء اور ۱۳۰۳ء

علاء الدین کو بھی مغلوں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ سنہ ۱۲۹۷ء میں نو مسلم مغلوں نے شورش شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن سب کو ایک دم تہ تیغ کیا گیا۔ اِس طرح مغلوں نے پیا پے پانچ حملے کیے اور ہر دفعہ منہ کی کھائی۔ اِن سب حملوں میں سنہ ۱۳۰۳ء کا حملہ بڑا زبردست تھا کہ مغل شہر دہلی کے دروازے تک آن پونہچے۔ یہ علاء الدین کی ہمت اور اُسی کا استقلال تھا۔ کہ اِس قدر پرآشوب حملوں کی مدافعت کی اور مغلوں کے دانت کھٹّے کر دیئے۔ مغلوں کو ایسی زبردست زک ملی کہ وہ ہندوستان میں مستقلانہ حکومت قائم کرنے کے ارادے میں بالکل ناکامیاب رہے۔

رنتھنبور اور چتوڑ کی فتح ۱۲۹۹ء ۱۳۰۳ء

رنتھنبور اور چتوڑ راجپوتانے کے دو مشہور اور نہایت مستحکم قلعے تھے۔ اُن دونوں کو بھی علی الترتیب سنہ ۱۲۹۹ء اور سنہ ۱۳۰۳ء میں فتح

کرلیا - چنانچہ چتوڑ کے واقعہ کا ذکر مفصل اوپر آچکا ہی -

سیری اور قصر ہزار ستون کی بنا - مغلوں کا قلع قمع

مغلوں کے پس پا کرنے کے بعد علاء الدین نے ایک نئے شہر سیری کی بناڈالی اور اُس میں قصر ہزار ستون بنوایا اور دلّی کے پرانے قلعے کی فصیلوں کی مرمت کرائی - مغلوں کی طرف سے ابھی خدشہ لگا ہوا تھا - اور پوری طرح اطمینان نہ تھا - خیال تھا - کہ وہ حسب عادت آئیں گے پھر آئیں گے - اُن کی کوشش مالی کے لیئے فراہمی لشکر کا انتظام شروع کیا - اور پونے پانچ لاکھ سوار بھرتی کیئے - لیکن اتنی بڑی بھاری فوج کے خرچ کا بہت بڑا بار خزانہ شاہی پر پڑا - باوجود اِس تمام روک تھام کے بھی مغلوں کی ہمت پست نہ ہوئی اور پھر آن دھمکے - اِس دفعہ ایک فوجی سردار تغلق نامی نے جس کا ذکر آگے آئے گا - بڑے قتل عام کے بعد اُن کو شکست دی - مغلوں کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے اور دلّی لاکر ہاتھیوں کے پیروں تلے روندوائے گئے - پھر ۱۳۰۶ء میں اِسی تغلق سے اِن مغلوں کا مقابلہ رہا مگر نتیجہ وہی ہوا - کہ مغلوں کے بہت سے قیدی گرفتار ہوئے اور دلّی میں لاکر قتل کیئے گئے - اور اُن کے سروں کے چبوترے بنا بنا کر نئی عمارتوں کی بنیادوں میں بھرے گئے - بار بار کی ناکامیابیوں اور مغلوں کی اپنی خانہ جنگیوں سے مغلوں نے بھی ڈھیل ڈال دی - تغلق نے فی الواقع جوہر جوانمردی دکھائے اور بڑا کام کیا - اِس جنرل نے (۲۹) فتوحات کیں - جس کی وجہ سے اِس کا نام چمک گیا - دکن سے جب ملک کافور (جس کا حال آگے آتا ہی) واپس آیا تو بادشاہ اُن مغلوں سے جو اُس کے لشکر میں تھے - ناراض ہوگیا - اور سب کو موقوف کردیا - مغلوں کی سازش کا یہ نتیجہ نکلا کہ پندرہ ہزار مغل ایک دم قتل کیئے گئے اور اِس طرح مغلوں میں کا کوئی متنفس باقی نہ بچا -

ملک کافور

ہندو سے مسلمان ہوا - گو یہ غلام تھا - اور اِس کو بادشاہ نے ایک ہزار دینار دے کر خریدا تھا - مگر اپنی قابلیت کی بدولت

بادشاہ کا منہ چڑھا سر برآوردہ اور بڑا بااقتدار امیر تھا۔ علاءالدین خلجی کے عہد کا سب سے اہم واقعہ **ملک کافور** کے دکن کے حملے ہیں **سمدرگپت**[1] کے زمانے سے جس کو بہت عرصہ گزر چکا تھا۔ کوئی لشکر شمال سے دکن میں نہیں گیا تھا۔ سوائے اُس ایک حملے کے جو علاءالدین نے **خاندیس** اور بیرار پر سنہ ۱۲۹۴ء میں اپنے چچا کے زمانے میں کیا تھا۔ دکن کے حملوں کا سلسلہ سنہ ۱۳۰۶ء سے سنہ ۱۳۱۱ء تک رہا۔ **دیوگیری** کے راجہ نے جسے **دولت آباد** کہتے ہیں۔ پھر سر اُٹھایا تھا۔ اُس کی سرکوبی کے لیئے بادشاہ نے ملک کافور کو نامزد کیا۔ دیوگیری پہنچنے سے اول جی۔ ایس نے **مرہٹواڑی** کا ملک فتح کر لیا تھا۔ دیوگیری جاتے جاتے رستے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ نے **گجرات** کے صوبہ دار **الف خاں** کو کچھ فوج دے کر ملک کافور کی کمک کو بھیج دیا تھا۔ **کنولا دیوی** کا رسوخ اُن دنوں محل شاہی میں بہت کچھ تھا۔ اُس نے خواہش ظاہر کی کہ میری لڑکی **دیول دیوی** بھی اگر دہلی میں دکن سے آجائے تو کیا اچھا ہو۔ کیونکہ اُس نے اپنے باپ گجرات کے راجہ کے ساتھ دیوگیری کے پاس ہی کسی مقام میں پناہ لی تھی۔ دیول دیوی کا کھوج نکالنے کو ملک کافور نے ایک فوج روانہ کی۔ وہاں کی سنیئے کہ **شنکر دیو** ولد **رام دیو** راجہ دیوگیری کے ساتھ اُس لڑکی کی شادی رچائی جا رہی تھی۔ کہ عین وقت پر ملک کافور کی فوج نے اُن کو جا لیا۔ **ع** یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ بڑی لڑائی بھڑائی کے بعد یہ لڑکی ہاتھ آئی۔ ملک کافور کی طرح اُڑا اور ہوا کے گھوڑے

---

[1] گپتا خاندان کا بانی یہی تھا۔ یہ خاندان چوتھی صدی عیسوی میں برسر عروج تھا اس خاندان کے سب سے بڑے اور مشہور بادشاہ چندرگپت سنہ ۳۲۰ء۔ سمدرگپت سنہ ۳۳۰ء چندرگپت ثانی سنہ ۳۷۵ء اور کمارگپت سنہ ۴۱۳ء تھے۔ ان میں سے تیسرا بادشاہ سب سے بڑا تھا۔ جسے بکرماجیت بھی کہتے تھے۔ اسوکا کے بعد جو چھ صدی پہلے حکمران تھا۔ اور کسی کی سلطنت سمدرگپت سے زیادہ وسیع نہیں ہوئی۔ الہ آباد کے بے نظیر کتبوں سے جن میں سمدرگپت کی فتوحات کے علاوہ اُس کے صفات ذاتی کا بھی تذکرہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

پر سوار کرکے اُس لڑکی کو دِلّی پہنچایا۔ سلطان علاء الدین کا بڑا لڑکا خضر خاں اِس کا حسن وجمال دیکھ کر لوٹ ہو گیا۔ امیر خسرو نے اِس عشقیہ داستان کے بیان میں طبیعت کا خوب زور دکھایا ہے۔ آگے چل کر اِن دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہو گئی۔ اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا۔ کہ ملک کافور رام دیو سے نہ صرف لڑا اور غالب آیا۔ بلکہ رام دیو کو قید کرکے دِلّی لایا یہاں علاء الدین نے رام دیو کی بڑی خاطر مدارات کی اور بہت اچھی طرح پیش آیا چنانچہ رام دیو مدت العمر بادشاہ کی ہوا خواہی کا دم بھرتا رہا۔ رام دیو کا بیٹا شنکر دیو البتہ اِس سونے کی چڑیا کے اُڑ جانے سے خار کھائے ہوئے بیٹھا تھا۔ کہ اُس کی دلہن کو اِس طرح ظلم وجبر سے چھین لیا۔

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

تھا وہ بڑا غیرت دار آبرو کے سامنے جان قربان کر دی۔ باپ کا مرنا ہی تھا کہ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور علم بغاوت بلند کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ لیکن ہاتھی اور چیونٹی کا کیا مقابلہ آخرکار جان سے مارا گیا۔ اور ملک کافور نے اُس کے ساتھ ہی ساتھ سارے ملک مرہٹواڑی کو پامال کر دیا۔ ملک کافور راجۂ دیوگیری کا خاتمہ کرکے ورنگل[۱] پہنچا۔ اور سنہ ۱۳۰۹ء میں ورنگل بھی فتح کر لیا۔ اور مہوئیسالہ

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کا ہے۔ چنانچہ اُس کے فن موسیقی کے مذاق سلیم کی تصدیق اُن تمغوں سے ہوتی ہے۔ جن میں اُس کی شکل وینا (ایک قسم کا ستار) بجاتی ہوئی منقوش ہے۔ اِس خاندان کا دار السلطنت پاٹلی پُتر تھا۔ ۱۲۔

نوٹ متعلق صفحۂ ہذا[۱] سلہ بڑی اور نہایت قدیم بستی ہے۔ جو حیدر آباد دکن کے جنوب مشرق میں بہ فاصلۂ (۹۳) میل واقع ہے۔ اور حیدر آباد بیجواڑہ سکشن نظام سٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ پہلے زمانے میں بہت بڑا شہر ہوگا۔ اب تو ایک قصبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کی آبادی چھ میل لمبی چلی گئی ہے۔ بیچ میں جا بجا فصل ہو گیا ہے۔ ایک طرف ورنگل اسٹیشن ہے۔ دوسری طرف قاضی پیٹ درمیان میں مٹھواڑہ اور ہنمکنڈہ ہے۔ اب ضلع اور کمشنری کا مستقر ہے۔ یہاں کے قالین مشہور ہیں۔ اب بھی یہاں ایسے بہتر قالین

(بقیہ نوٹ صفحۂ آئندہ)

سلطنت میسور (دوارسمدر) اور انتہائی جنوب کے تامل علاقے

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) بنتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں اور کہیں نہیں بنتے۔ چنانچہ
پیرس کی نمائش گاہ میں مڈل (تمغہ) بھی ملا ہے۔ ہنمکنڈے میں حضرت عبدالنبی شاہ صاحب
درگاہ عالی میں طیار ہوئی ہے۔ حضرت موصوف بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا وصال
سال قبل ہوا ہے۔ سالانہ عرس شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ زمانۂ
قدیم میں ورنگل ہندو راجگان خاندان کاکتیا کا دارالسلطنت تھا۔ روایات اور
تاریخ کی رو سے یہ شہر بہت قدیم پایا جاتا ہے۔ جو صدہا سال تک جنوبی حصۂ ہند میں
ہندوؤں کا ایک بڑا مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ رہا ہے۔ جس پر سلاطین اسلام شمالی حصۂ ہند
کے بڑے بڑے معرکے متواتر رہے ہیں۔ سنہ ۶۳۰ء کے قریب ملک دکن میں چلوکیا
خاندان کے راجہ حکم راں تھے۔ ساتویں صدی کے وسط میں ہیوان تھسانگ سیاح
ہند میں آیا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں جنوبی حصۂ ہند تو بڑی بڑی سلطنتوں
منقسم تھا۔ ملک تلنگانہ میں تین سلطنتیں تھیں۔ اندھرا۔ کاکتیا۔ کلنگہ۔ اس میں اول الذکر
سلطنت کا پایہ تخت شہر ورنگل تھا۔ قدیم مسلمان مورخ بداؤنی نے لکھا ہے۔ کہ سلطان محمد
ن تغلق نے قلعہ ورنگل کو سنہ ۱۳۲۱ء میں فتح کیا۔ اس سے پہلے تلنگانہ خاندان کا راجہ نندگیری
دکن میں حکم راں تھا۔ اُس نے اپنی مملکت اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی جن
میں ایک لڑکا قندھار (ضلع ناندیڑ ریاست سرکار عالی نظام) پر حکم راں تھا۔ اور
دوسرا بادشاہ کٹک سے لڑائی میں مارا گیا۔ جس کے بعد اُس کی بیوہ رانی بھاگ کر
ہنمکنڈہ آئی اور اسی مقام پر اُس کے ہاں ایک لڑکا (باپ کے مرنے کے بعد) پیدا
ہوا۔ اور اسی لڑکے سے خاندان کاکتیا کی بنا پڑی۔ اس خاندان کے تاریخی حالات زیادہ
تر اُس سنسکرت کے کتبے سے معلوم ہوتے ہیں۔ جو ہنمکنڈے کے مشہور ہزار کھمبے
کے دیول میں موجود ہے۔ یہ کتبہ سنہ ۱۱۶۲-۶۳ء کا ہے۔ اور اس میں پہلے راجہ کا نام تربھون ملا
یار راجہ لکھا ہے۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا پرولو راجہ جانشین ہوا۔ جو بڑا طاقت ور اور
اور جنگ جو تھا۔ اُس کے بعد پرتاب رُدر دیو (اول) اور اُس کے دور میں جدید فتوحات
کے ذریعے سے چاروں طرف سلطنت کی توسیع ہوئی۔ اس کے بعد مادھو حکم راں
ہوا۔ پھر اُس کا بیٹا گنپتی سنہ ۱۲۶۳ء میں راجہ ہوا۔ اسی نے شہر ورنگل کی اندرونی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

سب فتح کرکے ساحل کارومنڈل کے معابر پر مسلمان گورنر مقرر کردیئے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ سنگ بست فصیل بنوائی۔ یہ لاولد تھا۔ اس لیئے اس کے بعد اس کی بیوی رام رُدّرما دیوی حکمراں ہوئی۔ اس نے قلعہ کے اطراف پتھر کی فصیل بنوائی اور نیز شہر کو مٹی کی ایک دوسری فصیل سے بھی محاط کیا جس کا دَور (۶۴۵۰۲) گز تھا۔ جو اب نیست و نابود ہوگئی ہے۔ تاہم جا بجا کچھ کچھ نشان اب بھی باقی ہیں۔

فہرست گنپتی راجگانِ ورنگل

(۱) ترمھبون ملا۔ (۲) پرولا یا پرولی راجہ جس نے میّما دیوی سے شادی کی تھی۔ (۳) پرتاب رُدّر اول۔ (۴) گنپتی دیو۔ (۵) رانی رُدرما دیوی (۶) جس نے ۱۲۵۷ء سے ۱۲۹۵ء تک (۳۸ سال) سلطنت کی اس رانی کی ایک لڑکی بھی تھی۔ (۶) پرتاب رُدّر ثانی ۱۳۲۳-۱۲۹۵ء۔ پرتاب رُدّر ثانی کا بیٹا کرستنا۔ کرشنا کا بیٹا ونایک عرف ناگ دیو۔

(۱) ترمھبون ملا کا کچھ حال سوائے اس کے معلوم نہیں ہے۔ کہ ہنمکنڈے کے ایک کتبے میں اس کو پرولا راجہ کا باپ بتلایا ہے۔

(۲) عام روایت ہے کہ پرولا راجہ سے پہلے آٹھ راجہ حکمراں رہ چکے تھے۔ لیکن شہر ورنگل اسی راجہ نے بسایا۔ پرولا راجہ بحالت نابالغی راجہ ہوا۔ اس نے گپتی راجہ اڑلیہ کو شکست دی۔ نجومیوں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا اور ویسا ہی ہوا۔ کہ یہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے اتفاقیہ طور پر مارا گیا۔ ہنمکنڈے کے کتبۂ مذکورۂ بالا میں لکھا ہے کہ پرولا راجہ نے تیلپا دیو کو گرفتار کر لیا تھا۔ (مسٹر فلیٹ اس کو تیلپا سوم معزز چلوکیان خاندان کا قرار دیتے ہیں۔ جس کا زمانہ ۱۱۵۱ تا ۱۱۶۲ء تھا) اس راجہ کے عہد میں ہنمکنڈے کا محاصرہ جگ دیو میسور کے سانتار خاندان کے راجہ نے کیا تھا جس میں اس کو پسپا ہونا پڑا۔

(۳) رُدّر یا پرتاب رُدّر اول ایک بڑا زبردست راجہ تھا۔ مذکورۂ بالا کتبے میں اس کی سلطنت کا زمانہ ۱۱۶۲ء ہے اس میں تیلپا سوم کی وفات اور گنپتی راجاؤں کی بعض فتوحات اور علی الخصوص ایک شخص بھیما نامی پر فتح یابی کا ذکر ہے اور چوڑودیا شہر کے فتح کرنے کا بھی ذکر ہے جو غالباً چولا خاندان کا راجہ یا ویسرائے تھا۔ جیسے چولا اُدّیا ر

(باقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

دہلی میں اب دکن اور دیگر ممالک کی لوٹ کے انبار لگ گئے تھے۔ بادشاہ کے لشکر جرار اور فتوحات کا غلغلہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا تھا۔ ملک کافور

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہتے ہیں

(۴) ڈاکٹر برنل نے جو سال ملک کلنگا چولا خاندان میں چلے جانے کا یعنی سنہ ۲۲۸ء اپنی کتاب فلی آگرفی صفحہ (۴۰) نوٹ (۲) میں لکھا ہے۔ وہ غالباً گنپتی دیو کا زمانہ تھا۔ کلنگا دیس کے متعدد کتبے ہیں۔ جن پر سے ظن غالب ہے کہ راجگان گنپتی کا عروج اس نواح میں پہلے سے چلا آتا تھا۔

(۵) رانی رُدرما ایک عجیب و غریب عورت تھی۔ شوہر کے لاولد مرنے سے اس نے خود سلطنت سنبھال لی۔ اس کی طویل اٹھتیس سالہ سلطنت بہ اعتبار حسن انتظام کے بے جواب نہ رکھتی تھی۔ جیسا کہ مارکو پولو سیاح نے لکھا ہے کہ وہ یہ ملک پہلے ایک راجہ کے تحت تھا۔ جس کی وفات کے بعد سے تقریباً چالیس سال سے ایک ایسی رانی حکمراں ہے۔ جو نہایت فہیم ہے۔ اور جس نے اپنے شوہر کی سچی وفاداری میں کبھی عقد ثانی نہیں کیا۔ اور میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ چالیس برس تک اس سلطنت کو اس طرح چلاتی رہی۔ جیسے کہ اس کے شوہر کے عمل میں تھا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اس سے بھی بہتر کیوں کہ یہ بڑی منصف۔ عادلہ۔ صلح کل۔ اور حق پسند تھی۔ اس کی رعایا اس سے اس لیے ایسی خوش اور اس کی ایسی گرویدہ تھی کہ کسی رانی یا راجہ کو یہ درجہ عام مقبولیت کا حاصل نہیں ہوا" (کرنل یول کی کتاب مارکو پولو جلد دوم صفحہ ۲۹۵) ڈاکٹر کرشنو آیر مدراس جرنل ۱۸۸۱ء میں بحوالہ چند کتبات اور دفتری دستاویز کی بنا پر لکھتے ہیں کہ اس رانی کے زمانے میں ایک شخص گوری گنگیا ریڈی ایک بڑا بھاری جنرل تھا۔ ۱۲۹۵ء میں رُدرما اپنے نواسے رُدر دیو دوم کے سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد خود بوجہ کہولت سن زمام سلطنت سے دست کش ہوگئی۔

(۶) یہ زمانہ مشہور پرتاب رُدر دوم کا ہے (سنہ ۱۲۹۵ تا ۱۳۲۳ء) جو اپنے زمانے کا سب سے زبردست اور طاقتور راجہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس خاندان کا یہی آخری حکمراں تھا۔ ۱۲۹۵ء میں علاء الدین گورنر اودھ جو جلال الدین خلجی بادشاہ دہلی کا بھتیجا تھا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جس نے متواتر فتوحات کی تھیں۔ پہلے ہی بادشاہ کی ناک کا بال تھا اور

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) دکن میں آیا۔ اور دیوگیری (دولت آباد) کو لوٹ ڈالا جو ورنگل
کے ہم سرحد تھا۔ سنہ ۱۳۰۶ء میں علاء الدین نے (جو اپنے چچا کو مار کر خود بادشاہ
ہو گیا تھا) دوبارہ ملک کافور کی سرکردگی میں لشکر بھیجا کہ دیوگیری کے راجہ نے
کئی سال سے خراج نہیں دیا تھا۔ وہ راجہ کو بھی پکڑ کر دہلی لے گیا۔ سنہ ۱۳۰۹ء میں
مسلمانوں نے پھر ورنگل کا رخ کیا۔ لیکن اس مرتبہ ناکامیاب رہے۔ لیکن دوسرے
حملے میں رُدر دیو کو فاش شکست ہوئی۔ اور مسلمانوں نے ورنگل فتح کر کے
راجہ کو اپنا باج گزار بنا لیا۔ سنہ ۱۳۱۰ء میں پھر ملک دکن میں دوار سمدر کے راجگان
ہوئیسالا بلالا پر چڑھ آیا۔ اور پوری طرح فتح یاب ہو کر ساحل ملیبار تک جا پہنچا
جہاں اس نے بطور یادگار ایک مسجد بھی بنا دی اور دارالسلطنت کو فتح کر کے بیٹر
کے مشہور مندر کو لوٹ لاٹ کر مظفر و منصور دہلی واپس گیا۔ سنہ ۱۳۱۲ء میں
ملک کافور نے دیوگیری پر قبضہ کر لیا اور راجہ کو بھی مار ڈالا۔ چھ سال بعد دہلی کا
بادشاہ مبارک خلجی پھر آیا۔ اور دیوگیری پر قبضہ کر کے راجہ رام دیو کے داماد
ہری پال دیو کی زندہ کھال کھنچوائی۔ سنہ ۱۳۱۸ء میں ملک خسرو نے ورنگل پر چڑھائی کی۔
جس کا ذکر خسرو نے اپنی کتاب نہ سپہر میں لکھا ہے۔ اس مرتبہ راجہ کو بالکلیہ شکست
ہوئی۔ مسلمانوں نے دکن کو اپنا آماجگاہ بنا لیا تھا۔ اور ان کے آئے دن کے
حملوں نے دکن کے راجاؤں کو بالکل پریشان اور سراسیمہ کر دیا تھا۔ اس لئے
سب راجاؤں نے ایکا کر لیا۔ اور دیوگیری کے راجہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کر کے
سنہ ۱۳۲۶ء کے لگ بھگ بادشاہ دہلی سے منحرف ہو گئے۔ ان راجاؤں کو اتنی
جرأت غالباً اس وجہ سے ہوئی کہ دہلی میں خود گڑبڑ مچی ہوئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ
سنہ ۱۳۲۱ء میں خاندان خلجی ہٹ کر تغلق کا خاندان قائم ہوا۔ لیکن با ایں ہمہ دکن
کے راجاؤں کا اٹھ کھڑا ہونا نہایت بے موقع تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے
بادشاہ نے پہلا کام یہی کیا کہ سنہ ۱۳۲۱ء میں اپنے بڑے بیٹے الغ خاں کی سرکردگی
میں باغی راجہ کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا۔ افواج سلطانی نے خام اور پختہ
دونوں قلعوں کو گھیر لیا۔ لیکن دوران محاصرے میں ایسی سخت وبا پھیلی کہ لوگ گھبرا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اب تو اُس کی تغلق کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ ہم چہ من دیگرے نیست کا خبط اُس کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کے گئے اور اُن کے قدم اُکھڑ گئے۔ اُدھر محصورین نے مار دھاڑ شروع کی۔ اور ایسے جان توڑ کر اِن پر پلے کہ بجز محاصرہ اُٹھانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن ۱۳۲۳ء میں دہلی سے پھر تازہ دم لشکر آیا اور اِس مرتبہ ورنگل کو مسلمانوں نے فتح کر کے راجہ کو قید کر لیا۔ اور دہلی روانہ کر دیا۔ راجہ کا جانشین اُس کا بیٹا کرشنا ہوا۔ لیکن بہت سا ملک اُس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ۱۳۴۴ء میں اُس نے سب راجاؤں کو ہموار کر کے بغاوت کی۔ اور دکن میں جس قدر مسلمان تھے۔ اُن کو چن چن کے نکالا۔ اِس مرتبہ بادشاہ دہلی نے بھی کچھ مزاحمت راجگان دکن سے نہ کی۔ بلکہ ۱۳۵۸ء میں محمد شاہ بہمنی نے یورش کی اور ورنگل پر چڑھ آیا۔ لیکن تاوان جنگ لے کر واپس ہوا۔ مسلمان مورخین ونایک دیو عرف ناگدیو کو راجہ کا بیٹا بتلاتے ہیں۔ لیکن اِس زمانے میں خود کرشنا نایک ہی مسند آرا تھا۔ ۱۳۷۱ء میں پھر راجۂ ورنگل اور بہمنیوں کے جنگ چھڑ گئی۔ جس میں راجہ کو سخت شکست ہوئی قلعۂ ولم پٹن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے بیٹے ناگدیو کو مار ڈالا۔ یہ تو سب کچھ ہوا۔ مگر ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خوب خبر لی۔ اور تعاقب کیا کہ گلبرگہ پہنچتے پہنچتے صرف ایک تہائی لشکر بچا۔ اِس موقع پر راجہ نے دلّی کے بادشاہ سے مدد مانگی۔ لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ ملا۔ ۱۴۲۱ء میں پھر بہمنیوں نے ورنگل پر چڑھائی کی۔ پرتاپ رُدّر دوم نے زرِ خطیر دے کر اطاعت قبول کر لی اور ایک صلح نامہ بھی ہو گیا۔ جس کی رو سے دونوں سلطنتوں کی حد بندی ہو گئی۔ پرتاب رُدّر دوم نے ایک شان دار مرصع اور مکلل تخت بادشاہ کے واسطے بنوایا۔ جو آگے چل کر "تخت فیروزہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تخت آبنوسی کا ۳ × ۲ ½ گز تھا جس پر سونے کا پتر منڈھا ہوا تھا۔ اور بے شمار جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ تخت اِس ترکیب سے بنایا گیا تھا۔ کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو صندوق میں پیک (بھر) کر لیتے تھے، جس سے حمل و نقل میں آسانی ہوتی تھی۔ پرتاب رُدّر دوم کا بیٹا کرشنا مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن آگے چل کر پھر مت بدل گئی۔ اور اُس نے سلاطین اسلام کے دباؤ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دماغ میں سما گیا کہ ع - آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ جینو ٹی کے پر پہونا موت کی نشانی ہو۔ ملک کا فخر کی بلند پروازی اور انانیت حد سے بڑھ گئی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ سے نکل جانا چاہا - ۱۳۶۲ء میں مسلمانوں نے ورنگل کے راجہ کو پھر تنگ کیا اور بہت دنوں کی لڑائی کے بعد صلح ہوئی اور راجہ کے ایلچیوں نے جہاں بہت سے گراں بہا تحائف محمد شاہ بہمنی کو دیئے اُن ہی کے ساتھ یہ بیش بہا تخت بھی نذر دیا۔ اِس تخت کے بے نظیر تحفے ہی نے بادشاہ کو نرم کر دیا اور اُس نے اپنی سرحد گولکنڈے کو قرار دیا اور وعدہ کر لیا کہ جب تک تعادی طرف سے پہل نہ ہو - ادھر سے کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی - خاندان بہمنیہ کے بادشاہوں نے اُس تخت پر وقتاً فوقتاً اور جواہرات کا اضافہ کیا اور بارھویں بادشاہ محمود شاہ کے زمانہ میں اِس کی قیمت ساٹھ لاکھ روپئے تک پونہچ گئی تھی - ۱۴۲۴ء میں احمد شاہ والی البہمنی نے آخر مرتبہ ورنگل پر چڑھائی کی اور راجہ کو بھی مار ڈالا (اِس راجہ کا صحیح پتہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس کا نام کیا تھا اور پرتاب رُدر سے کیا قرابت رکھتا تھا) - اِس مختصر نوٹ میں اتنی گنجائش نہیں ہو - کہ راجگان ورنگل اور سلاطین اسلام کی لڑائیوں کا ہم پورا پورا حال لکھ سکیں - جن میں شکست اور فتح کبھی ادھر ہوتی تھی - اور کبھی اُدھر - بہت سی لڑائیوں کے بعد ورنگل قطب شاہیوں کی سلطنت میں شامل ہو گیا - اور آخر کار اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں سلطنت مغلیہ میں ملا لیا - ورنگل کے حالات بالکل نامکمل رہ جائیں گے اگر ہم مشہور لٹیرے بیرا کلال کا ذکر نہ کریں جو یورپ کے رابن ہڈ کی طرح شہرہ آفاق تھا - اور جس نے دکن میں ایک ادھم مچا رکھی تھی - لوگوں کا اِس کی آئے دن کی کھلم کھلا لوٹ مار سے ناک میں دم آ گیا تھا - انھوں نے مجبور ہو کر اورنگ زیب سے درخواست کی - کسی طرح آپ ہم کو اِس ظالم کے پنجے سے نجات دلائیں - اُس نے اتنا زور پکڑا کہ بڑھتے بڑھتے شاہ پور (ضلع گلبرگہ) کے قلعے میں بہت سی فوج لے جا بیٹھا اور چاروں طرف لوٹ مار کرنے لگا - ماہ محرم (اپریل ۱۷۰۸ء) میں پیرا نے ایک بہت بڑا لشکر سواروں اور پیدلوں کا لے کر ورنگل پر چڑھائی کی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا - اور بہت کچھ بیش قیمت سامان لوٹا - جس میں ورنگل کے مشہور قالینوں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ اور سلطنت کی ہوا سر میں سما گئی۔ ۵

نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ سفیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۶ کا بھی ایک ذخیرہ تھا۔ اور جاتے جاتے ۱.۵ ہزار قیدی پکڑ کر لے گیا۔ اتنی بڑی فتح کے بعد پیرا کا حوصلہ اور جرارت اور بڑھ گئی۔ اور دن دہاڑے کھلے خزانے خوب لوٹ کھسوٹ کرنے لگا۔ آخر کار بادشاہ نے ایک اپنے معتمد قاضی اور بڑے بہادر سردار یوسف خاں زربہائی کو لشکر دے کر بھیجوا دیا اُس نے آتے ہی قلعۂ شاہ پور سے پیرا کو نکال باہر کیا۔ اور اپنا قبضہ کر لیا۔ اُسی سردار نے پیرا کو گرفتار بھی کر لیا۔ اور چند روز زندہ رکھ کر اُس سے اُس کے جمع کیے ہوئے خزانوں کا پتہ لگانے کے بعد اُس کی بکا بوٹی کر ڈالی اور اُس کا سر کاٹ کر اورنگ زیب کے حضور میں بھیج دیا۔ ۱۷۶۶ء میں کلکتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرنل بیچ کی کمانڈ میں کچھ فوج ورنگل پر بھیج دی۔ جس کا مقصود حیدر آباد پر ڈباؤ ڈالنا تھا۔ چنانچہ نواب نظام علی خاں بہادر نے حیدر علی بادشاہ میسور سے قطع تعلق کر لیا۔ اور ۱۷۶۸ء میں صلح نامہ ہو گیا۔ جب سے اب تک اِس مقام پر اور کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ ابھی ورنگل میں دیکھنے کے لیے بہت سے دل چسپ مقامات۔ قلعہ۔ مندر محلوں کے کھنڈر۔ فصیلیں وغیرہ موجود ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں ایک مندر کے چار عالی شان دروازے اب تک سر بہ فلک کھڑے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مندر جب کبھی درست حالت میں ہو گا تو سنگ کنڈے کے مشہور ہزار کھم والے سے کہیں بڑھا چڑھا ہو گا۔ کیوں کہ ہزارہا گھڑے گھڑائے نقش و نگار کے پتھر اب بھی جا بجا مکانوں اور فصیلوں میں کثرت سے لگے ہوئے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ بڑے بڑے مندروں کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے مسمار کر دیا ہے۔ اور اُنھیں کے ساتھ تمام کتبے جو ان مقامات پر تھے اور جن سے قدیم خاندان کاکاتیا کے حالات معلوم ہو سکتے تھے تباہ اور اور برباد ہو گئے۔ ۱۲

پہلے تو اِس نے باپ بیٹوں میں ناچاقی ڈلوانے کے لیئے بڑی گہری
چال چلی۔ اور دونوں میں کشیدگی پیدا کردی۔ علاء الدین نے بہ مصداق

نوٹ متعلق بہ صفحہ (۹۱) سطر ۹ میسور در اصل مہیش اُوْر (یعنی بھینسوں کا شہر) تھا۔ یہ ایک بہت بڑی مشہور ہندوستانی ریاست ہے۔ جو دکن ہند میں مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے پر واقع ہے۔ جس کا رقبہ (۲۹۴۷۵) مربع میل ہے مردم شماری (۵۸۰۶۱۹۳) محاصل دو کروڑ چالیس لاکھ۔ اِس کے چاروں طرف انگریزی علاقہ ہے۔ اِس ریاست کا دارالخلافہ میسور ہے۔ مگر محکمہ جات وغیرہ زیادہ تر بنگلور میں ہیں جو انگریزوں کی چھاؤنی اور سول اور ملٹیری اسٹیشن ہے۔ بنگلور تمام ہندوستان میں سب سے خوش آب و ہوا چھاؤنی ہے۔ اِس کی قدیم تاریخ حالت تاریکی میں ہے۔ لیکن زمانہ حال میں پتھر اور تانبے کے پتروں کے کتبوں سے بہت کچھ حالات منکشف ہوئے ہیں۔ اوائل سنہ عیسوی میں میسو جینیوں کے مقبوضات میں تھا۔ اور یہاں اُنھیں کا راج تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں۔ اِس مذہب کی جگہ برہمنی مذہب نے لی۔ اور تب سے اب تک اہل میسور اور اُن کے راجاؤں کا یہی مذہب چلا آتا ہے۔ البتہ تیرھویں صدی میں ایک تھوڑے عرصے کے لیئے جینیوں کا دور دورہ پھر ہو گیا تھا۔ جن کی حکومت کی یادگار بہت سے عمدہ عمدہ مندر موجود ہیں۔ میسور کے زمانۂ حال کے مشہور حکمرانوں میں حیدر علی اور اُس کا بیٹا ٹیپو سلطان ہیں۔ حیدر علی نے سنہ ۱۷۶۱ء میں غاصبانہ طور پر تخت حاصل کیا۔ اور اُس کا بیٹا ٹیپو سرنگاپٹن کی لڑائی میں سنہ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں کے مقابلے میں مارا گیا۔ اور انگریزوں نے وڈیار کے قدیم خاندان ہنود کو جو سنہ ۱۶۱۰ء سے حکمران تھا۔ یہ ملک دے دیا۔ مہاراجہ سے ملک سنبھل نہ سکا اور بہت بدنظمی رہی۔ لہٰذا پچاس برس تک انگریزوں کی طرف سے انتظام ہوتا رہا۔ اور سنہ ۱۸۸۱ء میں پھر مہاراجہ کے تفویض ہوا۔

ٹیپو سلطان اور اُن کے باپ حیدر علی خاں کا مقبرہ سرنگاپٹن کے ریلوے سٹیشن سے تین میل اور قلعہ سرنگاپٹن سے کوئی دو میل ہے۔ اِس آبادی کو گنجام کہتے ہیں۔ اور لال باغ کے نام سے مشہور ہے۔ ٹیپو سلطان کے مقبرے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پیری قصہ عیب ضعیف الجثہ ہوگیا تھا - آئے دن بیمار رہنے لگا - اُس کی صحت نے جواب دے دیا - اور اِس وجہ امور سلطنت میں بھی ضعف آگیا

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) پر یہ تاریخ کندہ ہے -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　رَبِّ ارْحَمِ السُّلْطَانِ الْكَرِيمِ
ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ　　خون خود ریخت فی سبیل اللہ
بعد ذی قعدہ بست وہشتم آں　　شدہ در روز شنبہ حشر عیاں
میر سالش بہ نیم آہ بگفت　　نور اسلام و دین ز دنیا رفت

تاریخ کشتہ گشتن سلطان حیدری　　ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد
چو آں مرد میداں نہاں شد ز دنیا　　یکے گفت تاریخ شمشیر گم شد

ٹیپو سلطان بملکت چو رسید　　داخل مجلس پیمبر شد
روح قدسی بعرش گفت کہ آہ　　نسل حیدر شہید اکبر شد

إِنْ أُخِذَتْ مِصْرُ كَمَا قَدْ ذَكَرُوا　　وَسِرِیرَنْجْ پَتَّنْ أُخِذَتْ وَزَلَّهَا
مُصِيبَةٌ مَا مِثْلُهَا أَرَّخْتُهَا　　ذَهَبَ الرُّومُ وَالْهِنْدُ كُلُّهَا

سال و تاریخ او شہید بگفت　　حامی دیں شہ زمانہ برفت

مہاراجہ حال سری کرشنا وڈیار بہادر یورپین طریقے پر اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں - اور حسن انتظام میں اُن کی ریاست بہترین گورنمنٹ خیال کی جاتی ہے - میسور کا شہر چامنڈی پہاڑ کے دامن میں آباد ہے - جو سطح زمین سے پندرہ سو فیٹ بلند ہے - شہر کی سڑکیں کشادہ اور باقاعدہ بنی ہوئی ہیں - جس کے دو طرفہ دو منزلہ و سہ منزلہ پختہ خوش نما اور عالی شان مکانات ہیں - رعایا خوش حال اور فارغ البال ہے - شہر کے جنوب میں قلعہ ہے جو (۴۵۰) گز مربع ہے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

گجرات خود سر ہو گیا۔ چتوڑ بھی بدل گیا۔ دیوگیری نے پھر سرتابی کی۔ یہ مصائب ایک طرف ملک کافور نے اِس میں یہ لبس کھولا کہ بادشاہ کو اِس

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ } - اِس میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ البتہ اِس میں مہاراجہ کا ایک عالی شان اور نفیس ہندوانی طرز کا محل ہے۔ جس میں بہت کچھ آراستگی کی گئی ہے۔ اور عمارت میں بڑی نفاست سے کام کیا ہے۔ محل کے سامنے دسہرے کا وسیع ہال ہے۔ جو ایک کھلا ہوا چھپّر ہے۔ جس کے چاروں ستون بے نظیر نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ اِسی مقام پر مہاراجہ بہادر دربار یا تہواروں میں برآمد ہوتے ہیں۔ اور رعایا کو اپنا درشن دیتے ہیں۔ جس تخت پر جلوس فرماتے ہیں۔ وہ انجیر کی لکڑی کا ہے۔ یہ تخت اورنگ زیب بادشاہ نے راجہ چک دیو کو ۱۶۹۹ء میں دیا تھا۔ انجیر کی لکڑی جس کا وہ بنا ہوا ہے۔ اُس پر ہاتھی دانت منڈھا ہوا ہے۔ بعد میں اُس پر سونا اور چاندی کے پتّر چڑھائے گئے ہیں۔ جس پر دیوتاؤں کی مورتیں بنی ہوئی ہیں محل کے بعض دروازوں پر ہاتھی دانت کا کام ہے۔ اور بعض میں چاندی کے پتّر جڑے ہوئے ہیں۔ قلعہ کے باقی ماندہ حصے میں مہاراجہ صاحب کے امراء وغیرہ کے مکانات ہیں۔ جگن موہن محل جو بیکنٹھ باشی مہاراجہ نے یورپین مہمانوں کے لیئے بنوایا تھا۔ ایک بہت خوبصورت عمارت ہے۔ اِس کے دومنزلے پر شکار کے متعلق تصاویر بنائی گئی ہیں۔ یہاں ایک بہت بڑا نندی (بیل) پتھر میں تراشا ہوا ہے۔ جو چامنڈی پہاڑ کے تحتانی حصے پر ہے۔ یہ نندی ہندوستان بھر میں سب سے عمدہ ہے۔ شہر کا بہترین نظارہ رزیڈنسی سے ہوتا ہے۔ مہاراجہ کا اصطبل گاڑی خانہ۔ موٹر خانہ۔ عجائب خانہ۔ جس میں دنیا بھر کے جانور ہیں۔ دیکھنے کے قابل ہے میسور کے ستاروں کی دستکاری مشہور ہے۔ صندل کی لکڑی پر نقاشی اور جڑت بھی مشہور ہے۔ یہاں کے چینی کے ظروف جن پر نہایت شفاف رنگ ہوتا ہے۔ ایک عمدہ صنعت ہے۔ یہاں کے باشندے ایک قسم کا ریشمین پارچہ جس میں کلابتون ملا ہوا ہوتا ہے۔ بڑی کاریگری اور نفاست سے بناتے ہیں۔ جو بہت بیش قیمت ہوتا ہے یہاں سنہری اور روپہلی لیس بھی کثرت سے بنتی اور خوب بکری ہوتی ہے۔

۵۴ تامل علاقوں سے مراد ملیبار یا مالابار ہے۔ ملی پہاڑ اور بار ملک یعنی پہاڑی ملک نیا

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

قسم کا زہر دیا جو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہا تھا۔ اور بادشاہ کو گھلاتا چلا جا رہا تھا۔ ؎۵

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ۔ قدیم یونانی اس کو کرالہ کہتے تھے۔ اِس ملک کی قدیم حد راس کماری سے لے کر سندا پور یعنی گوآتک تھی۔ اب ٹراونکور۔ کوچین کی ریاستیں مالابار اور جنوبی کانڑا کے ضلعے قدیم مالابار کی حدیں ہیں۔ اِس ساحل کی چوڑائی پچیس سے ستّر میل تک ہے۔ ساحل کے برابر مغربی گھاٹ کا پہاڑ جس کی بلندی تین ہزار فیٹ سے سات ہزار فیٹ تک ہے۔ برابر برابر چلا جاتا ہے چیرمن پیرومل نے ۸۲۷ء میں اسلام قبول کیا۔ اور وہ ہجرت کرکے چلا گیا۔ مگر ظفار کے شہر میں جہاں اُس کی قبر ہے ۸۳۱ء میں مرگیا۔ اُس نے جانے سے پہلے اپنے ملک کو متعدد ریاستوں میں تقسیم کردیا۔ اُن میں سے کالی کٹ۔ کنانور اور ہیلی کا۔ کولاتری۔ سب سے بڑے شمار ہوتے ہیں۔ فرشتہ نے اِس قصّے کو اِس طرح بیان کیا ہے۔ کہ تاریخ ہجری کے دو سال گزرے تھے کہ عرب اور عراق کے کچھ درویش باوا آدم کے قدم کی زیارت کے لیے سراندیپ کو جاتے تھے۔ رستے میں انھوں نے کدنگلور کے شہر میں جو سامری کا دارالخلافہ تھا قیام کیا۔ وہاں سامری سے اُن کی ملاقات ہوئی اور اُس نے پیغمبر اسلام کے معجزات سُنے۔ اُن میں سے ایک شق القمر بھی تھا۔ اُس کی بابت اُس نے اپنے دفتر سے دریافت کیا۔ کہ اُس زمانے میں ایسا کوئی واقعہ درج ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ایک دفعہ چاند دو ٹکڑے دکھلائی دیا تھا اِس تصدیق سے اُس کا عقیدہ اسلام پر پختہ ہوگیا۔ اور وہ مسلمان ہوگیا۔ لیکن ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھا۔ اور جب وہ زائرین سراندیپ سے واپس آئے۔ تو اپنے تمام اہلکاروں اور ماتحت راجاؤں کو بلا کر اُن میں ملک تقسیم کردیا اور اُن کو وصیت کی کہ ایک دوسرے پر ہرگز تعدّی نہ کریں۔ اور ایک دوسرے کا علاقہ چھیننے کا ارادہ ہرگز دل میں نہ لائے۔ اور خود پوشیدہ طور سے زائرین کے ساتھ جہاز میں بیٹھ لیا اور شجر کے شہر میں جو حضرموت کا ایک بندر ہے۔ مرگیا۔ مرنے سے پہلے اُس نے مالک بن دینار کے ہاتھ اپنے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

تو ان شناخت بیک رو از خصائل مرد — کہ تا کجاش رسیدست پایگاہ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو — کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۔ مقرر کردہ راجاؤں کے پاس ایک وصیت بھیجی کہ عرب کے تاجروں کو جس جگہ یہ مسجد یا سرائے یا مکان بنانا چاہیں۔ اجازت دی جائے۔ سب سے پہلے مسجد اُس نے کدنگانور میں جو اُس وقت سامری کا پایہ تخت تھا۔ بنائی۔ اب اُس شہر کو کرنگانور کہتے ہیں۔ پھر وہاں سے کولم گیا وہاں مسجد اور باغ طیار کیا۔ پھر ہیلی ماراوی میں مسجد بنائی۔ اس کے بعد جرفتن میں اُس کے بعد ورفتن۔ اور فندرینہ۔ اور جالیات۔ وفاکنور اور منگلور۔ اُس وقت سے اس ملک میں اسلام کا رواج ہوا ہے۔ اور اِس ساحل کی تجارت پرتگیزوں کی آمد اور زور پکڑنے سے پہلے۔ بالکل عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن بطوطہ کے وقت ملیبار کے راجہ پیرومل کی وصیت پر عمل کرتے رہے۔ اور آپس میں کوئی جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ لیکن ۱۸۳۶ء میں آپس کی نزاع کے سبب سے اُن میں سے ایک نے میسور کے راجہ سے مدد مانگی۔ اور اِسی دعوے پر حیدر علی نے مالابار پر ۱۷۶۰ء سے لے کر ۱۷۸۲ء تک کئی دفعہ چڑھائی کی اور کل ملک کو فتح کر لیا۔ ۱۷۹۲ء میں ٹیپو سلطان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ صلح کرنے کے وقت یہ کل علاقہ کمپنی کو دیدیا۔ اِس برس میں کمپنی نے بہ مشکل تمام علاقے کو مطیع کیا۔ اور ۱۸۰۰ء سے لے کر آج تک امن چلا آتا ہے۔ لیکن مالابار کے مسلمان جن کو ملپلے کہتے ہیں۔ کئی دفعہ بغاوت کر چکے ہیں۔ جس کی وجہ نایر زمینداروں کی تعدّی ہے۔

ہنٹر صاحب نے اپنے گزیٹیر میں ٹراونکور کے حال میں قوم نایر کے عجیب غریب رواج کے متعلق یہ لکھا ہے کہ مالابار اور ٹراونکور کی ریاست میں قوم نایر میں اکثر زمینات کے مالک ہیں۔ یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کی شادی بچپن ہی میں بطور رسم کے کردیتے ہیں۔ لیکن جب وہ بڑی ہو جاتی ہیں۔ تو اُن کو اختیار ہے۔ کہ اپنی قوم میں سے یا برہمن کی قوم سے جس کو چاہیں اپنا خاوند بنا لیں۔ اور پہلا خاوند کچھ دعوے نہیں کر سکتا۔ وراثت بہنوں اور بہنوں کی اولاد کو ملتی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

دمی کب تک تاب لاسکتا تھا۔ ۲۶ شوال سنہ ۱۲۰۲ھ (جنوری سنہ ۱۲۰۲ھ) کو اس دار فانی
لم جاوِدانی کو رخت سفر باندھا۔

جہاں را چنین ست آئین و داد
کہ جز مرگ کس را ز مادر نزاد

ٹ صفحہ گزشتہ ہے اگر بہن نہ ہو یا بھانجی نہ ہو تو کسی کو متبنیٰ بہن بناتے
رنہ وہ شخص لاوارث سمجھا جاتا ہے۔ ٹراونکور کا راجہ اگرچہ چھتری ہے۔ لیکن
وراثت بھی اسی طرح پہنچتی ہے۔ نایر کی اولاد اپنے ماموں کا ورثہ پاتی ہے
کا کریا کرم کرتی ہے۔ باپ کی وراثت اس کو نہیں ملتی۔ نایر کو اختیار ہے کہ مردے
جلائیں یا دفن کریں۔ لیکن خواہ دفن کریں یا جلائیں تو اپنے باغ سے
لنے میں کرتے ہیں۔ چوٹی کو آگے کی طرف لٹکاتے ہیں۔ یہ وراثت کا طریقہ
سے کئی خاوند کرنے کا بقیہ ہے۔ جو اب تک بھی کہیں کہیں باقی ہے۔
رشتہ تحفۃ المجاہدین سے نقل کرتا ہوں رعایائے ملیبار اکثر کفار ۔ند و
۔ آنجا را نیار (نایر) گویند۔ و عقد نیار با زن شیوا نیست در گردن زن
ان سر و کار آن زن نسبت بہ عاقد و غیر عاقد یکسانست۔ چنانچہ یک
تواند بود کہ بے عقد شوہر متعدد داشتہ باشد و ہر شب نوبتے بیکے
سد و دیگر قومہا غیر از برہمنہ دریں امر با نیار موافقت جویند۔ و ہم چنیں قوم
۔ پنجاب قبل از اسلام ایں رسم می داشتند ہر زنے چندیں شوہر
ست و ہر شوہرے کہ بخانۂ زن می آمد۔ علامتے از خود بیرون در می گذاشت
شوہر آں را دیدہ باز گردد و ہر گاہ دختر متولد شد ہماندم از خانہ بیرون
بانگ می کردند۔ کہ کسے می خواہد اگر یکے می خواست باو می دادند و الا
مت می کشتند) قاعدۂ برہمنان ملیبار چناں است کہ ہر گاہ چند برادر
ند یک زن می گردد و دیگراں بلا عقد با زنان نیار وغیرہ می سازند و وراثت
ن قوم نیار بہ ہمشیرگاں کہ از یک مادر باشند و اولاد ہمشیرگاں د
ہمشیرگان والدہ می رسد و باولاد متوفی نمی رسد۔
لیبار کے شہروں کے نام جو اوپر آئے ہیں وہ قدیم نام ہیں۔ ابی سرور
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اِس کے عہد میں چھوٹی بڑی (۸۶) لڑائیاں ہوئیں۔ یہ بادشاہ اپنے محل ہی میں جو مسجد قوت الاسلام کے جنوب و مغرب میں تھا۔ اور اب کھنڈر ہی۔ دفن ہوا۔ اِس کی عظمت کا اندازہ اِس سے کیا جاسکتا ہی۔ کہ

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) نام کے کسی شہر کا کچھ پتہ نہیں ہی۔ **فاکنور** اب اِس کو برکور کہتے ہیں۔ جو احاطۂ مدراس کے جنوبی کانڑا کے ضلع میں واقع ہی۔ جب ابن بطوطہ اِس ملک میں آیا تو اِس شہر کو بیجانگر کے راجاؤں نے فتح کرلیا تھا۔ اور جب دکن کے مسلمان بادشاہوں نے ۱۵۶۵ء میں راجہ کو مغلوب کیا تو یہ علاقہ راجہ بدلور کے قبضے میں آگیا۔ اب اِس شہر کو جو پُرانے برکور یا باکنور سے پانچ میل کے فاصلے پر بستا ہی۔ منگرکٹہ کہتے ہیں۔ جو سیلا ندی کے کنارے واقع ہی۔ اب بھی اِس مقام پر چاول اور کپڑے اور ناریل اور نمک کی تجارت ہوتی ہی۔ **منجرور** اب یہ شہر منگل دیوی کے مندر کے سبب سے منگلور کہلاتا ہی۔ جنوبی کانڑا ضلع احاطۂ مدراس میں واقع ہی۔ (۳۵) ہزار کے قریب آبادی ہی۔ یہ شہر نہایت خوب صورت اور صاف ہی۔ کُرگ اور میسور کا قہوہ اِسی بندر سے باہر جاتا ہی۔ **ہیلی**۔ اب اِس نام کا کوئی شہر نہیں ہی۔ لیکن کنانور سے سولہ میل شمال کی طرف ایک پہاڑ کا کونا سمندر میں نکلا ہوا ہی۔ جس کو ساس ہیلی کہتے ہیں۔ ابو الفدا نے لکھا ہی کہ ہیلی ایک پہاڑ ہی جو سمندر میں نکلا ہوا ہی اور ہم کو ساس ہیلی کہتے ہیں۔ رشید الدین لکھتا ہی۔ کہ منگلور اور قندرینہ کے بیچ میں ہیلی کا ملک ہی۔ تحفۃ المجاہدین میں جو مالابار کی تاریخ ہی۔ اُس شہر کو ہیلی ماراوی لکھتا ہی۔ مخزن میں لکھا ہی کہ چھوٹی الائچی کو ہیلی واقع مالابار میں پیدا ہوتی ہی۔ فارسی میں الائچی کو ہیل کہتے ہیں۔ اور سنسکرت میں ائِل ممکن ہی کہ یا تو لفظ ہیل سے اِس شہر کا نام مشتق ہو یا اِس شہر پر سے الائچی کو ہیل کہتے ہوں۔

ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ہیلی زمانۂ حال کے گاؤں۔ پاین گاڑی کے قریب واقع ہی۔ **جُرفتن**۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بلیاپٹن کا پُرانا نام ہی۔ جو مالابار کے ضلع کا ایک قصبہ ہی۔ کنانور سے چار میل۔ ہنٹر صاحب کہتے ہیں جرفتن کی بابت یقین کیا جاتا ہی۔ کہ اب اس کو سری کندارام پور کہتے ہیں۔ جو مالابار ضلعے اور چراکل کے تعلقے میں واقع ہی۔ اب یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہی۔ اِس میں ماپلے یعنی مالابار کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ستر ہزار شاگرد پیشہ تھے۔ جن میں سے سات ہزار معمار اور بیلدار اور گلکار تھے۔ جو آئے دن تعمیر اماکن میں مصروف رہتے تھے سب سے پہلے عمارتی

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) مسلمان رہتے ہیں۔ مالک ابن دینار نے نویں صدی عیسوی میں چیرامن پیرومل کے حکم سے جو نو مسجدیں مالابار کے شہروں میں تعمیر کی تھیں اُن میں سے ایک یہاں بھی تھی۔ اور وہ اب بھی موجود ہے۔ وہ فتن۔ درمہ پتن۔ ہنٹر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ بندر ٹیلی چری کے بندر کے قریب ہے۔ ٹیلی چری اب ایک بڑا بندرگاہ شمالی مالابار کے ضلع میں ہے۔ یہاں بھی ابن دینار کی نو مسجدوں میں سے ایک مسجد تھی۔ بُدپٹن۔ اس شہر کا کچھ پتہ نہیں لگتا مسجد کے ہونے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ شہر چالیام ہو جو اس زمانے کے شہر بےپور کے قریب واقع تھا۔ کیوں کہ وہاں بھی ابن دینار کی نو مسجدوں میں سے ایک مسجد تھی۔ قدرینا پندرانی یا پنتالانی کالی کٹ سے (۱۶) میل شمال میں ہے۔ قالقوط یعنی کالی کٹ (حاطۂ مدراس میں) مالابار کے ضلع میں سمندر کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے۔ بےپور سے چھ میل جانب شمال موجودہ آبادی (۶۵) ہزار کے قریب ہے۔ جس میں سے تیس ہزار کے قریب مسلمان ماپلے ہیں۔ اب بھی بڑی تجارت کی منڈی ہے۔ کروڑہا۔ روپئے کے مال کی درآمد ہوتی ہے۔ ماپلوں کی پے در پے بغاوت کی وجہ سے ۱۸۴۹ء سے کچھ فوج بھی رہتی ہے۔ اس شہر کی آب و ہوا۔ بہت عمدہ ہے۔ چیرامن پیرومل نے جس کے مسلمان ہونے اور ہجرت کر کے چلے جانے کا حال اوپر بیان ہوا۔ اِس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔ لیکن موجودہ آبادی تیرھویں صدی میں بسائی گئی تھی۔ کہتے ہیں جس وقت چیرامن پیرومل نے تمام مالابار کو اپنے اہل کاروں میں تقسیم کر دیا تو مناوکرم ایک سردار غیر حاضر تھا۔ جب وہ آیا تو اُس کو چیرامن پیرومل نے اپنی تلوار دی۔ اُس کی اولاد کے تمام راجہ سامری (زیمورن) کہلاتے ہیں اول ہی اول اُنھوں نے فقط کالی کٹ کا شہر حاصل کیا تھا۔ لیکن بعدہ ماپلوں اور عرب سوداگروں کی مدد سے اپنے علاقے کو بڑھا لیا۔ یہ ماپلے اُن تیز عربوں کی اولاد ہیں۔ چیرامن پیرومل کا خط لے کر شحر کے شہر سے آئے تھے۔ پرتگیزوں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کا رواج اُسی نے دیا۔ چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں۔ ؎

سکّے در شاہی و انگہ سواری
جز او ننہاد بر فیلاں عماری

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ۔ نے زور پکڑنے پر سامری اور پرتگیزوں میں ایک عرصہ تک تنازعہ رہا۔ ۱۴۹۸ء میں اول ہی اول واسکوڈی گاما کالی کٹ میں پہنچا لیکن چونکہ وہاں عرب سوداگروں کا زور تھا۔ اس لیئے سامری نے اُس کی مدارات اچھی طرح سے نہ کی۔ اس کے بعد جب پرتگیزوں نے وہاں تجارتی کوٹھی نکالنی چاہی۔ تو سامری اور عرب سوداگروں نے اس کو گرادیا۔ پرتگیزوں نے کئی دفعہ شہر کو لوٹ لیا۔ اور چوں کہ یہ پرتگیز مسلمان حاجیوں کو سمندر میں لوٹ لیتے تھے۔ اِس لیئے تمام مسلمان بادشاہ اُن سے ناراض تھے۔ اُنھوں نے بھی سامری کو مدد دی۔ لیکن چوں کہ اُن کی بحری طاقت کم زور تھی۔ اِس لیئے سامری کو آخری کار پرتگیزوں کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ ۱۶۱۶ء میں انگریزوں نے اول ہی اول ایک تجارتی کوٹھی بنائی۔ ۱۷۶۶ء میں حیدر علی نے شہر کا محاصرہ کیا۔ سامری مع اپنے عیال و اطفال کے قلعہ کے اندر جل کر مرگیا۔

نوٹ صفحۂ (۹۲) ۵ کارومنڈل۔ ہندوستان کا مغربی ساحل مشرقی ساحل سے بہت مختلف ہی۔ مغربی ساحل کانکن یا مالابار کوسٹ کہلاتا ہی۔ یہ سمندر اور پہاڑوں کے درمیان ایک لمبی مگر کم چوڑی پٹّی ہی۔ چوں کہ ادھر کا ساحل بہت ڈھلواں ہی۔ اِس لیئے اس طرف سوائے بمبئی۔ گوآ۔ اور کوچین کے زیادہ بندر نہیں ہیں۔ کراچی کی بندرگاہ کی حفاظت ایک بڑے بھاری پُشتے سے کی گئی ہی۔ مشرقی طرف کا کنارے کارومنڈل کوسٹ کہلاتا ہی۔ یہ پست ہی۔ اور اِس کو بہت وسیع میدان ملا ہی۔ جو سمندر اور مشرقی گھاٹوں کے درمیان ہی۔ اور کرناٹک کہلاتا ہی۔ اس کا نشیب بہ تدریج ہی۔ اور اِس سبب سے تموج زیادہ ہی۔ اِسی وجہ سے بندرگاہ مدراس کی تعمیر پر زرِ خطیر صرف ہوا ہی۔ ۱۲

مدت سلطنت بیس سال چند ماہ تھی۔ امیر خسرو نے یہ غزل اسی بادشاہ کی تعریف میں کہی ہے۔ ؎

بازم ز باغ زیبائے کسے در نظر آمد — عشقے بدل افتاد و ہوائے بسر آمد
زیں پس بخورم ہیچ غمے خامہ کہ از چرخ — بر شاہ جہاں مژدہ فتح و ظفر آمد
آں شاہ علاء الدیں اسکندر ثانی — کز لشکر او زلزلہ در بحر و بر آمد
سلطانِ جہانگیر محمد شہ اعظم — کز داد و دہش ہمچو علی و عمر آمد

از زلزلۂ جیش تو دہلی ز حد خویش
جنبید و زمیں بوسہ زناں بیشتر آمد

اب میدان خالی تھا۔ ملک کافور کا کمال عروج زوال کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ ع ہر کمالے را زوالے۔ چوں کہ غلام تھا۔ اپنی اصالت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ ؎

درختے کہ تلخ ست او را سرشت — گرش در نشانی بباغ بہشت
ور از جوئے خلدش بہنگام آب — بہ بیخ انگبیں ریزی و شیر ناب
سر انجام گوہر بکار آورد — ہماں میوۂ تلخ بار آورد
ز ناپاک زادہ نداری امید — کہ زنگی بہ شستن نگردد سفید
پرستار زادہ نیاید بکار — اگرچہ بود زادۂ شہریار

ایک جھوٹا وصیت نامہ بنا کر اُس کے سب سے چھوٹے صغر سن لڑکے **شہاب الدین عمر** کو جس کی عمر سات برس کی تھی۔ برائے نام تخت پر بٹھا۔ آپ اُس کا مربی اور سرپرست اور نائب بنا۔ اِس ظالم نے اور یہ غضب کیا۔ کہ دونوں بڑے شاہزادوں پر ظلم و ستم توڑنا شروع کیا۔ اور اُن کی جان کا لاگو ہو گیا۔ پہلے ہی دن ملک سنبل کو منصب بار کی دیا۔ اور پھر علاء الدین کے نور دیدہ خضر خاں اور شادی خاں کے پاس قلعہ گوالیار میں جہاں اُن کو قید رکھا تھا۔ بھیج کر اُن کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اور ملکہ جہاں شہاب الدین کی ماں پر دباؤ ڈال کر عقد کر لیا۔ لیکن خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ جلد ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ ؎

اگر بد کنی چشم نیکی مدار — کہ ہرگز نیاید گز انگور بار

نہ پندارم ای درخزاں کشتہ جو کہ گندم ستانی بوقت درو

جیسی کرنی ویسی بھرنی دنیا دار مکافات ہی۔ خانۂ ظالم خراب لیکن بعد از خرابی خانہ ہائے بسیار۔ اِس کے خلاف لوگ اُٹھ بیٹھے اور ایک گہری سازش ہوئی۔ کہ خود بھی مارا گیا۔ اور ملک کا فور خود صفحۂ دنیا سے ہی کافور ہوگئے۔

تفصیل اِس کی یہ ہو کہ ملک کافور نے جب امرائے علائی کو ہموار کرلیا۔ اور بظاہر اپنی خوب بخت وپزکرلی تو صرف ایک شاہزادہ قطب الدین عرف مبارک خاں جو مبارک شاہ کے نام سے بادشاہ ہوا۔ وہ بھی قید تھا۔ اُس کو مکول کرنے کی فکر دامن گیر تھی۔ یہ خبر مبارک خاں کی والدہ ماہک بیگم کو لگی۔ اُس نے اپنے ایک معتمد کو شیخ نجم الدین ایک بزرگ کے پاس بھیجا جو حضرت احمد جام قدس سرہ کی اولاد سے تھے اور سب ماجرئ کہلا بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ غم نہ کرو۔ اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا عالم ظہور میں آتا ہی۔ ع تا خود از پردہ چہ آرد بیرون۔ حضرت نے کلاہ شریف اُتار لی۔ اور اُلٹی اوڑھی اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالی جب تک مبارک خاں تخت پر نہ بیٹھے گا۔ فقیر اپنی ٹوپی سیدھی نہ کرے گا۔ ملک کافور جو اب ملک نائب کہلاتا تھا۔ اُس کا یہ دستور تھا۔ کہ خورد سال بادشاہ کو قصر ہزارستون کے بام پہ لاکر تخت پر بٹھلاتا۔ اور دربار منعقد کرتا پھر لڑکے کو اِس کی ماں کے پاس محل میں پہنچوادیا۔ اور خود چوسر کھیلنے میں مصروف ہوجاتا اور اس کو ہر وقت علاء الدین کے خاندان کے بیج مارنے کی دُھن لگی ہوئی تھی۔ اور اِسی اُدھیڑبن میں لگا رہتا تھا۔ کہ مبارک خاں کا ایک پھونسڑا رہ گیا ہی۔ کسی طرح یہ کانٹا نکل جائے تو پھر میدان صاف ہی۔ ایک شب قدیم نائکوں کو جو قصر ہزارستون کے محافظ تھے۔ خفیہ طور پہ بلا کر مبارک خاں جہاں قید تھا۔ بھیجا کہ جس طرح ہوسکے اُس کا کام تمام کردیں۔ مبارک خاں نے جونہیں ان کو آتے دیکھا۔ ایک ہار مرصع جو گلے میں پڑا ہوا تھا۔ نکال کر اُن کے حوالے کیا۔ اور اپنے باپ کا حق نمک یاد دلایا وہ لوگ شرمندہ ہوکر واپس آئے۔ اور اپنے افسر مبشر اور بشیر کے سامنے ہار رکھ کر جو گزری تھی۔ کہہ سنائی۔ چوں کہ قضا و قدر کا قلم مبارک خاں کی بادشاہت کے لیئے چل چکا تھا۔ دونوں کے دل میں خدا نے رحم ڈالا اُسی

رات کو جب سب سو گئے رہے۔ تو یہ دونوں ملک نایب کی خوابگاہ میں آئے۔ اور ملک نایب اور اُس کے خاصان کو بادشاہ کو مرے ہوئے ابھی پچیسواں دن تھا کہ کاٹ کر پھینک دیا۔ ؎

یہی ہستیٔ چند روزہ بھی ہے
کہ دو دن میں ہو منزلِ عیش طے

پھر کیا تھا۔ شاہزادہ مبارک خاں کو قید سے نکال شہاب الدین عمر بادشاہ کی نیابت میں مقرر کیا۔ چند روز لیعنی صرف دو مہینے۔ اِس نے چھوٹے بھائی کی نیابت جوں توں کر کے کی۔ جب امرا کو کانٹے لیا تو چھوٹے بھائی کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر گوالیار کے قلعے میں بھیج دیا۔ اس بے چارے نے صرف تین مہینے چند دن سلطنت کی اور اِس سلطنت کی بدولت آنکھیں بھی کھوئیں۔ غنیمت ہو کہ جان سے نہ مروا دیا۔

کہتے ہیں کہ جس زمانے میں سلطان علاءالدین کے خاندان کے ممبروں پر یہ آفت چو طرف سے ٹوٹ رہی تھی۔ اور اُس کی نسل کی جڑ کٹتی چلی جا رہی تھی کسی نے **شیخ بشیر** سے جو ایک مجذوب تھے۔ پوچھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہو۔ فرمایا کہ علاءالدین نے اپنے چچا اور ولی نعمت کے ساتھ جو کیا تھا وہ اُس کے آگے آ رہا ہو۔ ؎

نکو را نیک و بد را بد شمار ست
بپاداشِ عمل گیتی بکار ست

دکن اور مختلف دیار کے حملوں سے بے شمار[1] دولت جمع ہو گئی تھی۔ اِس

؎[1] چودھویں صدی میں دکن کے تموّل کا یہ حال تھا کہ سنہ ۱۳۱۰ء میں بزمانۂ سلطنت علاءالدین خلجی بادشاہ دہلی ملک کافور نے ملک دکن اور ساحل ملیبار پر حملہ کر کے ہندوؤں کے تمام مندروں کو لوٹ ڈالا تھا۔ علاقۂ میسور اور تمام ملک کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہو۔ کہ دکن کے حملوں کے بعد جب ملک کافور دہلی واپس گیا تو وہ اتنی دولت سمیٹ کر لے گیا۔ کہ اُس کی صحیح مقدار کا تعین کرنا مشکل ہو۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہو کہ "مندروں کی لوٹ میں بے شمار دولت ملی۔ سونے کے بتوں جواہرات

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

وافر خزانے کو بادشاہ نے تعمیر عمارات کے بہترین مصرف میں خرچ کرنا شروع کیا۔ ایک نیا شہر توسیری کا بسایا۔ اور اُس قصرِ ہزار ستون

تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ کہ اور دوسری قسم کی تعدادیات کا کچھ حساب نہ تھا۔ ملک کافور نے بادشاہ کو (۳۱۲) ہاتھی۔ بیس ہزار گھوڑے۔ (۹۶) ہزار من سونا۔ بہت سے صندوق جواہرات۔ موتیوں اور دوسری قیمتی اشیاء کے نذر دیئے۔ سونے کے وزن کے حساب لگانے میں ہم کو خلجان ہوتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں مختلف مقدار کے من جاری ہیں۔ من کہیں بارہ سیر کا ہوتا ہے۔ تو کہیں چالیس سیر کا اور بعض جگہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ٹراونکور میں (۲۹) پونڈ کا من ہوتا ہے۔ تو احمد آباد میں ۱۶۳ ½ پونڈ کا۔ مدراس میں (۲۵) پونڈ کا۔ بمبئی میں (۲۸) پونڈ۔ ہاکن نے سنہ ۱۶۱۱ء میں (۵۵) پونڈ کا من لکھا ہے۔ ڈلٹن نے سنہ ۱۶۱۱ء میں (۳۳) پونڈ کا۔ چونکہ مورخ فرشتہ کا تعلق زیادہ تر احمد نگر ہی سے تھا۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہیں کا من اُس نے لکھا ہوگا۔ تو اس حساب سے (۹۶) ہزار من سونے کی قیمت ایک بڑی بھاری رقم ایک کروڑ چھپن لاکھ بہتر ہزار پونڈ کی ہوتی ہے۔ (عموماً پونڈ پندرہ روپئے کا ہوتا ہے۔ اور وزن کے اعتبار سے پونڈ آدھ سیر کا ہوتا ہے۔) یہ بات بعید از قیاس ہے۔ کہ فرشتہ نے ٹراونکور جیسے دور دراز مقام کا من لیا ہو۔ اگر مدراس کے مروجہ من سے بھی حساب کیا جائے۔ تو بھی سونے کا وزن چوبیس لاکھ پونڈ ہوتا ہے۔ اب ناظرین چاہیں اس تعداد کو صحیح باور کریں یا نہ کریں مگر اس میں شک نہیں کہ مندروں میں بڑی بھاری دولت کا ذخیرہ رہا کرتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اول تو خود اہل ہنود کی عملداری تھی پھر سالہا سال سے خزانہ جمع ہوتا چلا آتا تھا۔ نذر۔ نیاز۔ بھینٹ۔ چڑھاوے کے علاوہ بھی برہمنوں کو اکثر مواقع پر بہت کچھ دولت ملتی رہتی تھی۔ راجہ۔ امراء۔ سوداگر۔ زمیندار۔ غرض ہر شخص اپنی عبادت گاہوں میں دل کھول کر نذر و نیاز چڑھاتا تھا۔ اور یہی سلسلہ ایک ایسے زمانۂ دراز سے جاری تھا۔ کہ جس کا پتہ تاریخ سے بھی نہیں چلتا۔ نہ کبھی لوٹ مار ہوئی۔ پس اس دولت کا کیا ٹھکانا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جس نے سب سے پہلے ان مندروں کو لوٹا ہوگا۔ واقعی اُس کے ہاتھ بے قیاس اور بے شمار دولت لگی ہوگی۔ اور وہ ضرور ایسی دولت سمیٹ کر لے گیا ہوگا۔ جو نہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کی بے نظیر عمارت بنوائی۔ مسجد قوت الاسلام کی توسیع کی اور ایک نہایت عالی شان اور بے نظیر دروازہ بنوایا۔ جو **علائی دروازے** کے نام سے مشہور ہے۔ اُس زمانے کے وحشیانہ طرز عمل کی نسبت امیر خسرو نے لکھا ہے۔ کہ" یہاں یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب کبھی کوئی نئی عمارت بنائی جاتی ہے۔ تو اُس پر

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ← گِنی جائے نہ دھری جائے نہ خیال میں آئے۔ کرنل ڈو نے تاریخ فرشتہ کے ترجمے میں اُس سونے کی قیمت جو ملک کافور لوٹ کر لے گیا تھا۔ انگریزی سکے میں دس کروڑ پونڈ لگائی ہے۔ (اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ) (ماخوذ از سیون فار گاٹن امپایر) اب بھی بڑے بڑے مندروں کی دولت کا شمار نہیں۔ نقدیات کے علاوہ جو منت مراد والے آتے ہیں۔ مرد عورت سب اپنے مقدور کے موافق زر و زیور چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ تجاپور ضلع نندرگ (علاقہ عثمان آباد مملکت سرکار عالی نظام) کو میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ کہ یہاں بھوانی دیوی کی مورتی ہے۔ وہاں ہزارہا روپیہ سالانہ کی نذر و نیاز اس گئے گزرے زمانے میں بھی چڑھتی ہے۔ سرکار عالی نظام کی طرف سے وہاں ایک عہدہ دار اور عملہ مقرر ہے۔ جو باقاعدہ حساب کتاب رکھتا ہے۔ ہزارہا روپیہ کے زیورات اور جواہرات موجود ہیں۔ چنانچہ دیوی کی ٹوپی جو بالشت بھر اونچی ہے۔ وہ سونے کی ہے۔ اور اُس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ جس کی قیمت پچیس ہزار روپیہ آنکی جاتی ہے۔ یہ ایک رقم ہوئی اس طرح زیورات کے کھتے کے کھتے بھرے پڑے ہیں۔ ہزارہا روپیہ مندر کے اندر اور فرش صحن میں گڑا ہوا ہے۔ اکثر لوگ مندر کی چوکھٹ یا اُس کے گرد فرش میں روپیہ کو چپٹا کر کے جما دیتے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً اُکھاڑ کر مندر ہی کے خزانے میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ اور وہاں کے پجاریوں۔ ملازمین وغیرہ کی تنخواہوں اور عمارت کی نگہداشت و ترمیم میں صرف ہوتا ہے۔ اور پھر بھی ہزارہا روپیہ جمع ہے۔ بیڑ کے متصل نارائن گڈھ ایک بہت بڑا استھان ہے۔ جہاں ہنود کا ایک بڑا بھاری مندر ہے۔ وہاں کے گرو کو کسی نے مار ڈالا تھا۔ اُس اسٹیٹ کو زیر نگرانی سرکار لیا گیا تھا۔ اور میں ہی ضبطی کو گیا تھا۔ وہاں بھی میں نے دیکھا کہ روپیہ۔ پیسہ۔ اشرفیاں۔ زر۔ زیور۔ برتن۔ بھانڈے۔ گھوڑے۔ بیل گاڑیاں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

پہ انسان کا خون چھڑکا جاتا ہی۔ اِس لیئے ہزاروں ہی مُگلی رکبرے کی سی) ڈاڑھی والے مغلوں کی قربانی کردی ؟ تفصیل اِس اجمال کی یہ ہی۔ کہ بادشاہ سلنے ایک ایسی مینار بنانی شروع کی تھی۔ (جو اوحد بنی لاٹ یا ٹوٹی ہوئی لاٹ کہلاتی ہی) جو التمش کی بنائی ہوئی قطب مینار سے بہت بڑی ہو لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور لاٹ ادھوری کی ادھوری رہ گئی۔ اِس عہد کی ایک نا تمام مسجد سیری میں ہی اور حوض علائی بھی اِسی بادشاہ کی یادگار ہی۔ فرشتہ لکھتا ہی۔ کہ بلحاظ پالیسی کے یہ ایک بہت بڑا بادشاہ تھا۔ لیکن اگر ہم اِس کے ہاتھ دیکھیں تو وہ خون میں آلودہ ہیں۔ اور ایک سنگدل اور ظالم بادشاہ نظر آتا ہی۔ سے

دل کو مسل مسل کے ذرا ہاتھ سونگھیئے
ممکن نہیں کہ خون تمنا کی بو نہ ہو

اِس بادشاہ کی سلطنت کا آغاز ظلم سے ہوا۔ ورتا اختتام خون میں ہی لتھڑا رہا۔ اِس نے ہاتھیوں کو اِس طرح مسلح کروایا تھا۔ کہ وہ تعذیب اور قہر کے مہیب ذرائع تھے۔ با ایں ہمہ اِس کی شان و شوکت۔ عظمت و جبروت۔ دولت اور طاقت کو اِس سے بیشتر کا کوئی بادشاہِ ہند نہیں پونہچ سکتا۔

قطب الدین مبارک شاہ
۱۳۱۶ء - ۲۰

مبارک نام کا تو مبارک تھا۔ مگر کام کے لحاظ سے نہایت نامبارک اور خلجی خاندان کے نہایت منحوس بادشاہوں میں تھا۔ مبارک شاہ کے زمان سلطنت میں سوائے عیاشی۔ ناچ رنگ۔ لہو و لعب۔ بناؤ۔ سنگھار۔ زنانہ آرائش اور لباس اور سازشوں کی گرم بازاری کے کام کی بات ایک بھی نہ تھی۔ ۸ محرم ۷۱۶ھ کو یہ تخت نشین ہوا۔ شروع شروع تو ذرا زور شور

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ کسی چیز کا شمار نہ تھا جو اِس دیوپر نہ چڑھی ہوں۔ جب اِس زمانے میں یہ حالت ہی کہ لاکھوں روپوں کی دولت دیولوں (معابد ہنود) میں موجود ہی۔ تو اُس زمانے میں جب کہ خود ہندوؤں ہی کی سلطنت تھی؛ اور تموّل اور اعتقاد دونوں زیادہ تھے۔ اور اِس زمانے کی سی گرانی اور طرح بہ طرح کے خرچ اور بھنکتی ہوئی زندگی نہ تھی تو کروڑوں کی دولت جمع ہونا کیا عجب ہی اور کون سی بڑی بات ہی۔ ۱۲ من المصنف

رہا دکن میں سرپال دیوگیری کے راجہ کی کھال کھنچوائی وہاں سے واپس آکر بالکل ڈگ ڈال دیئے۔ اب آرام طلبی۔ عیش پسندی کا یہ عالم تھا۔ کہ صرف نام کے بادشاہ آپ تھے۔ اور کام کا بادشاہ خسرو تھا۔ تو ایک پنچ قوم کا ہندو غلام مگر بڑا خوب صورت اور بہادر تھا۔ چندیری۔ و معبر کا ملک اِسی نے فتح کیا تھا۔ جو علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز گنا جاتا تھا معبر دہلی سے چھ ماہ کے فاصلے پر ہی۔ اِس کو ملک خسرو کا خطاب دے کر وزیر بنا دیا۔ اُس نے بادشاہ کو ایسا سبز باغ دکھایا۔ اور شیشے میں اُتارا کہ وہ اسی کا کلمہ پڑھتا تھا۔ اور لاکھ کوئی کہے۔ اس کے کان پر جوں نہیں چلتی تھی۔ غرض یہ کہ بادشاہ بالکل اس کی مٹھی میں تھا۔ اور کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا۔ قطب الدین خسرو سے بدرجہ غایت محبت رکھتا تھا۔ جب بادشاہ دولت آباد کے رستے میں تھا۔ تو بعض امرا نے بغاوت کرنے کا ارادہ کیا اور اُس کے بھتیجے کو جو خضر خاں کا بیٹا۔ اور دس برس کی عمر کا تھا۔ تخت پر بٹھانا چاہا۔ یہ خبر بادشاہ کو معلوم ہوئی اُس نے اپنے بھتیجے کے پیر پکڑوا کر اُس کا سر پتھروں سے ٹکرا کر بھیجا نکال ڈالا اور اپنے ایک امیر کو جس کا نام ملک شاہ تھا۔ گوالیر کی طرف بھیجا۔ اور حکم دیا کہ وہاں اِس لڑکے کے باپ اور اس کے چچاؤں کو قتل کر ڈالو۔ جس روز ملک شاہ قلعہ میں پہنچا تو اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی خضر خاں کا رنگ فق ہوگیا۔ جب ملک شاہ خضر خاں کے پاس آیا تو اُس نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو خیر تو ہی۔ امیر نے کہا کہ اخوند عالم کے کسی کام کو آیا ہوں۔ خضر خاں نے کہا کہ میری جان کی تو خیر ہی۔ امیر نے کہا۔ ہاں۔ پھر اُس

۵۱ خسرو خاں اصل میں گجرات کا باشندہ تھا۔ فرشتے اور برنی نے اُس کی قوم پروار لکھی ہی اور لکھا ہی کہ یہ کوئی کمین ذات ہوتی ہی۔ بداؤنی نے براؤ لکھا ہی۔ بہرحال تھا کسی گھٹیا ذات کا آگے چل کر وہ مسلمان ہوگیا۔ اور حسن نام رکھا گیا۔ ۱۲

۵۲ یہ شخص جس نے دیوگڑھ (دیوگیری۔ دولت آباد) کے رستے میں سازش کرکے بادشاہ کو مارنا چاہتا تھا۔ اسد الدین بن لغرش سلطان علاء الدین کے چچا کا بیٹا تھا۔ خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ بداؤنی نے لکھا ہی کہ اُس کو ملک خموش بھی کہتے تھے۔ ۱۲

نے کوتوال کو بلوا بھیجا اور محافظان قلعہ کو جو تین سو آدمی تھے اور قاضی زین الدین مبارک اور گواہوں کو طلب کیا۔ اور سب کے سامنے بادشاہ کا حکم پڑھ کر سنایا پھر شہاب الدین کے پاس آئے پہلے اُسے قتل کیا۔ اُس نے کسی طرح کا ڈر اور بے قراری ظاہر نہیں کی وہ پہلے ہی سے موت کا منتظر تھا پھر شادی خاں اور ابوبکر خاں کی گردن ماری لیکن جب خضر خاں کی باری آئی تو وہ رونے پیٹنے لگا۔ اُس کی ماں بھی اُس کے ساتھ تھی۔ اُسے گھر میں ڈال کر بند کر دیا اور خضر خاں کا بھی کام تمام کیا۔ اور اُن سب کی نعشیں بلا تکفین و تدفین کے ایک گڑھے میں ڈال دیں۔ کئی سال کے بعد اُن کو نکال کر اُن کے خاندان

ف چوں بجہائن (معروف بہ لو شہر نواح رنتھنبور) رسید شادی کتہ سر سلاحدار بگوالیار فرستاد تا اہل و عیال خضر خاں و شادی خاں مقتول را بالقیۂ اہل حرم علائی بعد از کشتن سلطان شہاب الدین بدہلی آورد۔ یہ دیوگیری سے واپس آتے ہوئے حکم دیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کا ذکر یہ ہے کہ۔ در ۷۱۸ھ سر سلاحی کوتوال را فرستاد تا در گوالیار رفتہ خضر خاں و شادی خاں را بہ شہادت رساند و دیول رانی را طلبیدہ داخل حرم ساخت۔ امیر خسرو نے مثنوی خضر خاں و دیول رانی میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ مبارک شاہ نے خضر خاں کو پیغام بھیجا کہ اگر تو دیول رانی کو میرے پاس بھیج دے گا۔ تو میں تجھے کسی علاقہ کا حاکم بنا دوں گا لیکن خضر خان نے صاف انکار کیا۔ سہ

چو با من ہمرست ایں یار جانی ... سر من دور کن زاں پس بدانی

بادشاہ ناراض ہوا۔ سہ

بہ تندی سر سلاحی را طلب کرد ... کہ باید صد گروہ امروز ہشب کرد

روا ند رگا لیور ایں دم نہ لیس دیر ... سر شیراں ملک افگن بہ شمشیر

اس واقعہ کا امیر خسرو نے اپنی مثنوی میں ایک درد انگیز سماں باندھ کر دکھایا ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے "چوں بجہائن رسید شادی کہنہ سردار سلاحداراں را بگوالیار فرستاد تا خضر خاں و شادی خاں و ملک شہاب الدین را کہ قبل ازیں میل در چشم کشیدہ بودند بقتل رسانند و اہل و عیال ایشاں را بدہلی آورد و سلطان قطب الدین

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

رے میں دفن کیا۔ اور اسی سفاکی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خضر خاں کی بیاہی
ول دیوی کو جبراً اپنے محل میں ڈال لیا۔ بادشاہ کا استاد قاضی خاں
ں تھا۔ ایک ہزار آدمی اُس کے ماتحت تھے۔ ہر رات کو ڈھائی
و آدمی پہرے پر رہتے تھے۔ باہر کے دروازے سے اندر کے
ے تک دو رویہ صف باندھے مسلح کھڑے رہتے تھے۔ چنانچہ جب
ں محل کے اندر داخل ہوتا تھا۔ تو اُس کو ان صفوں میں سے گزرنا پڑتا
وگوں کو نوبت والے کہتے تھے۔ اُن پر افسر اور منشی ہوتے تھے
لگاتے پھرتے تھے۔ اور حاضری لیا کرتے تھے۔ تاکہ کوئی غیر حاضر
ے۔ رات والے جب پہرہ دے چکتے تھے تو پھر دن کے پہرے
ں باری آتی تھی۔ قاضی خان کو ملک خسرو کی حرکات ناشائستہ کی وجہ
ں نفرت تھی اور چونکہ خسرو دراصل ہندو تھا۔ وہ ہندوؤں کی بڑی
ی کرتا تھا۔ یہ وجہ بھی قاضی خان سے اَن بن کی تھی۔ قاضی خان ہر موقع
شاہ سے عرض معروض کیا کرتا تھا۔ کہ دیکھئے اِس سے ہوشیار
ین بادشاہ کبھی بھی متوجہ نہ ہوتا۔ بلکہ ٹال جاتا اور کہتا تو یہ کہتا۔ کہ
ں کا ذکر زباں پر نہ لاؤ۔ کیونکہ حکم قضا و قدر یہ تھا کہ بادشاہ کی موت
ہاتھ سے ہونی تھی۔ اُسے کون ٹال سکتا تھا۔ اِس لیئے وہ مطلق پروا
۔ تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر نہیں چلتی۔ ایک روز خسرو خاں نے
ے کہا کہ بعض ہندو مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اُس وقت میں

صفحہ گزشتہ دیول دیوی منکوحۂ خضر خاں را داخل حرم ساخت، ضیاء الدین برنی نے اِس شخص کا نام
رِدار سلاحداران لکھا ہے۔ اور امیر خسرو نے سرِسلاحی کا لفظ اِسی کی جگہ استعمال کیا ہے بادُنی سے غور دو واقعات
دراصل ایک ہی واقعہ ہے۔ ابن بطوطہ نے اِس شخص کا نام ملک شاہ لکھا ہے۔ ۱۲
صفحہ ہذا ۵ مولٰنا ضیاء الدین بن مولانا شہاب الدین کو خطاط کا خطاب تھا۔ اُس نے بادشاہ کو خوش نویسی
چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے ”قاضی خاں کہ بوفور علم وعمل وانصاف داشت واو را اوز خط بر بادشاہ حق تعلیم ست و بادشاہ
دروازہ حرم و بیرون بدو سپردہ بود دل از ناموس وجان خود برداشتہ بخدمت بادشاہ رفت وگفت اے بادشاہ
مد عذر دارد“ ۱۲ ۵ سوائے ابن بطوطہ کے اور کسی مورخ نے یہ وجہ بیان نہیں کی بلکہ اصل میں یہ وجہ تھی کہ خسرو خان
او سے نائب بنا کر چندیری اور معبر کے فتح کرنے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہونا چاہتا تھا۔ تو وہ پہلے بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوتا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے اُس کو خلعت اور سونے کے کنگن۔ انعام میں ملتے تھے۔ بادشاہ نے کہا اُن کو۔ اندر لے آؤ۔ خسرو نے کہا کہ دن کو تو وہ اپنی ذات برادری کی شرم سے حاضر نہیں ہو سکتے اس لیئے رات کو آنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ کو قضا نے اندھا کر رکھا تھا۔ کہا کہ اچھا رات ہی کو لے آؤ۔ خسرو نے اچھے اچھے بہادروں کو چُنا جن میں اُس کا بھائی خان خاناں بھی تھا۔ موسم گرمی کا تھا۔ بادشاہ سب سے اونچی چھت پر تھا۔ اور اُس وقت اُس کے پاس سوائے چند غلاموں کے اور کوئی نہ تھا۔ جب چاروں دروازوں کے اندر چلے آئے۔ اور پانچویں دروازے پر پہونچے تو اُن کو مسلح دیکھ کر قاضی خاں کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے اُن کو روکا اور کہا۔ اخوند عالم کی اجازت لے آؤں۔ اُن لوگوں نے ہجوم کر کے قاضی خاں کو مار ڈالا۔ غل جو ہوا تو بادشاہ نے پوچھا کیا ہے۔ خسرو ملک دیکھنے کو لب بام آیا اور دیکھ کر اُلٹے پاؤں پلٹا اور بادشاہ سے عرض کی کہ کچھ بھی نہیں۔ نوبت کے گھوڑے جو قصر ہزار ستون میں لائے گئے تھے۔ جلو داروں کے ہاتھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ لوگ اُن کی پکڑ دھکڑ میں لگے ہیں۔ اِس اثنا میں جاہر اور خسرو خاں کے اور دو بھائی کوٹھے پر چڑھ آئے اور آتے آتے ابراہیم اور اسحاق دربانوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ اب بالکل بلوے کی آواز قریب آگئی۔ تو بادشاہ سمجھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ گھبرا کر محل کے اندر جانا چاہا دیکھا تو دروازہ بند۔ خسرو خاں نے دیکھا کہ شکار نکلا جاتا ہے۔ اگر محل میں گھس گیا تو کی کرائی سب محنت برباد جائے گی

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کے واسطے بھیجا تو امیروں کو اُس کی سرداری شاق گزرتی تھی۔ اور اس وجہ سے خسرو خاں خود خائف رہتا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے عرض کی کہ مجھے اجازت ہو تو میں اپنی قوم کے کچھ آدمی بلا لوں کہ میری جان کا مجھے اندیشہ ہے۔ اِس بہانے سے اُس نے چالیس ہزار گجراتی لشکر میں بھرتی کر لیئے پھر ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میں۔ رات کو اکثر حضوری میں حاضر رہتا ہوں میرے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

فوراً جھپٹ کر پیچھے سے بادشاہ کے سینے پکڑ کر گھسیٹا - بادشاہ زبردست تھا - خسرو خان کو دبا بیٹھا - اتنے میں خسرو خاں کے لوگ آن پہنچے اور جاہر بیگ نے ایک ضرب تلوار کی ایسی ماری کہ بادشاہ کا کام وہیں تمام ہوگیا پھر اُس کا سر کاٹ کر قصر ہزار ستون کے کوٹھے پر سے نیچے پھینک دیا

شعر
نہنگان غدار چوں پیل مست — بداں پیلتن بر کشادند دست
زدندش یکے زخم پہلو گداز — کہ از خوں زمیں گشت چوں لالہ زار

لوگ یہ ماجرا دیکھ کر سر پر پیر رکھ کر بھاگے - حسام الدین برادر خسرو خاں اور جاہر بیگ اور چند ہندو حرم سرائے شاہی میں گھس پڑے - فرید خاں کی ماں حرم بادشاہ علاء الدین کو قتل کیا - اور بادشاہ کے بیٹوں - فرید خاں علی خاں اور عمر خاں - سب کو تہ تیغ کر کے محل میں سویا چاہا کیا - یہ افسوسناک واقعہ ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ کی شب میں ہوا - خسرو خاں نے اُسی وقت امیروں اور افسروں کو بلا بھیجا اُن کو معلوم نہ تھا کہ کیا سے کیا ہوگیا - وہ جو آئے تو خسرو خاں کو تخت پر بیٹھا ہوا دیکھا - اُن سب نے ڈر کے مارے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی - خسرو خاں نے سب کو روک رکھا - اور صبح تک جانے نہ دیا - صبح ہوتے ہی اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کرا دیا - شعر

چو از سرو بن جائے گرد وہی — بگیرد گیا جائے سرو سہی

اس کی مدت سلطنت چار سال چار ماہ تھی - شہر دہلی کی فصیلوں کی درستی جو اس کے باپ کے عہد میں شروع ہوئی تھی - اس کے وقت میں تکمیل کو پہنچی اور کوئی یادگار اس کے عہد کی نہیں ہے - نہ اس کا کوئی جداگانہ مقبرہ ہے - بلکہ اپنے باپ کے مقبرے ہی میں دفن ہوا ہے -

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ} ہم وطن شکایت کرتے ہیں کہ میں اُن سے کبھی نہیں ملتا - بادشاہ نے کہا کیا مضائقہ ہے - تم رات کو اپنے دوستوں کو یہیں بلا لیا کرو چنانچہ چھوٹے دروازے کی کنجی اُس کو دے دی وہ اس بہانے سے اپنی اور بادشاہ کی دل لگی کے لیئے بہت سے بدمعاش اور اوباش لوگوں کو رات کے وقت بلا لیا کرتا تھا - ۱۲

ناصر الدین ملک خسرو ۱۳۲۰ء

خسرو خاں تخت پر بیٹھا اور ناصر الدین ملک خسرو کا خطاب لیا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے دارالخلافہ کے باہر تمام امیروں کے نام پروانے بھیجے اور گراں بہا خلعت بھی روانہ کیے۔ سب نے اُس کی اطاعت منظور کر لی لیکن **تغلق** نے جو **دیپال پور** (ضلع منٹگمری) کا حاکم تھا۔ اُس کا خلعت پھینک دیا اور اُس کے اوپر بیٹھ گیا۔ اس پر خسرو نے اپنے بھائی خان خاناں کو بھیجا۔ مگر تغلق نے اس کو شکست دی۔ چونکہ ہندو نژاد تھا۔ بمصداق کل شئی یرجع الی اصلہ آپ کو یہ دُھن سمائی کہ جس طرح ہو سکے ہندوؤں کو تقویت دی جائے چنانچہ بادشاہ ہونے کی دیر تھی۔ کہ ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دینے شروع کیے۔ اور حکم دیا کہ تمام ملک میں کوئی گائے ذبح نہ کی جائے اور اگر کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا تو اُس کو عجیب و غریب سزا دی جاتی تھی۔ کہ گائے کی کھال میں سلوا کر جلوا دیتے تھے۔ اہل ہنود گائے کی نہایت تعظیم کرتے ہیں۔ اور ثواب کے علاوہ دوا کے لیے بھی اُس کا پیشاب استعمال کرتے ہیں۔ اور اُس کے گوبر سے اپنے گھر اور دیواریں لیپتے ہیں۔ خسرو خاں چاہتا تھا۔ کہ مسلمان بھی ایسا ہی کریں۔ اس لیے لوگ اُس سے متنفر ہو گئے۔ اور ایک ایسا طوفان بے تمیزی برپا ہوا۔ کہ سارے کے سارے ارکان سلطنت اور امراء تاب نہ لا کر ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان سب نے صلاح کر کے **پنجاب** کے **گورنر غازی بیگ** یا غازی خاں یا غازی ملک جس نے بادشاہ ہوتے وقت غیاث الدین کا خطاب لیا) **تغلق**[1] کو بلوایا کہ کسی طرح اس بلائے بے درماں سے چھٹکارا ملے۔ وہ

[1] تغلق قوم کا قرونہ ترک تھا۔ مارکو پولو نے لکھا ہے کہ قرونہ اُن لوگوں کو کہتے ہیں جن کے باپ تاتاری اور ماں ہندی ہو (یہ لوگ ترکستان اور ہند کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں) ان لوگوں کا پیشہ لوٹ اور قزاقی ہے۔ جہاں ان کا لشکر چلا جاتا ہے۔ اُس ملک کو بے چراغ کر دیتے ہیں۔ ان کا سردار نکودار ہے۔ جو چغتائی کا بھتیجا ہے۔ یہ شخص اپنے چچا کے پاس سے بھاگ کر اور قرونہ کے لشکر کو لے کر بدخشاں کے رستے کشمیر

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اپنی فوج مغلوں کے مقابلے کے لیئے ہمیشہ طیار رکھتا تھا۔ اُس کے پاس تین سو سپاہی تھے۔ جن پر اُس کو کامل بھروسہ تھا۔ اُس نے کشلو خاں کو لکھا۔ جو اُن دنوں۔ ملتان کا حاکم تھا۔ کہ تم میری مدد کرو۔ اور اپنے ولی نعمت کے خون کا بدلہ لو۔ کشلو خاں نے جواب دیا کہ میرا بیٹا (ملک ایبہ) خسرو خاں کے پاس نہ ہوتا تو میں بے شک تمہاری مدد کرتا۔ ملک غازی یعنی غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے فخر الدین جونا خاں کو اپنے ارادے سے مطلع کیا اور

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) میں گیا اور لاہور کو فتح کر کے وہاں بیٹھ گیا۔ اور مغلوں سے لڑتا رہا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہی۔ کہ اُس نے لاہور کی مسجد میں یہ کتبہ دیکھا کہ اُس نے اٹھیتّس دفعہ تاتاروں سے لڑکر اُن کو شکست دی۔ اِس لیئے غازی کا خطاب حاصل کیا۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہی۔ کہ پہلے تو قرونہ کا طوفان (دس ہزار آدمی) مغلوں کے لشکر کے ساتھ ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں اُنھوں نے لوٹ مار اپنا پیشہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ قوم چین کے شمال میں قرون جیدن یا خیلن ایک پہاڑ ہی۔ وہاں رہتی تھی۔ کرنل یُول کہتے ہیں کہ مارکو پولو نے جو وجہ تسمیہ بتائی ہی وہ غلط ہی۔ لیکن خلاصۃ التواریخ کا مصنف لکھتا ہی "پدر سلطان ترک زاد باسم تغلق از غلامان سلطان غیاث الدین بلبن و مادر او از قوم جٹ پنجاب بود" اِس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ قرونہ کے لفظ سے دوغلا مراد ہی۔ پس مارکو پولو نے جو قرونہ کی وجہ تسمیہ لکھی ہی وہ صحیح ہی۔ اِس سے یہ ظاہر ہی کہ تغلق اِس بادشاہ کی قوم کا نام نہ تھا بلکہ اس کے باپ کا نام تھا۔ شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہی۔ کہ وہ تغلق شاہ کے حسب نسب کا حال کتاب مناقب سلطان تغلق میں لکھ چکا ہی۔ اور افسوس یہ ہی کہ وہ کتاب ملتی نہیں۔ سکّوں پر "السلطان الغازی غیاث الدنیا والدین ابو المظفر تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المومنین" درج ہی۔ اور اِس کے بیٹے کے سکّے پر "المجاہد فی سبیل اللہ محمد بن تغلق شاہ۔ یا۔ الراجی رحمۃ اللہ محمد تغلق شاہ" درج ہی۔ اِس سے تو ظاہر ہوتا ہی کہ تغلق قوم کا نام نہیں تھا۔ یا تو خود غیاث الدین کا نام ہو یا اُس کے باپ کا۔ تغلق کے لفظی معنے ترکی میں پہاڑی کے ہیں۔ اور وہ پشتو کے لفظ رُہیلہ کا مرادف ہی۔ فرشتہ لکھتا ہی۔ کہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

لکھا کہ جس طرح ہو سکے کشلو خاں کے بیٹے کو ساتھ لے کر دہلی سے نکل آؤ۔ ملک جونا اسی فکر میں تھا۔ کہ کیا بات بنائے جو یہاں سے نجات پائے۔ کہ اتفاق سے ایک دن یہ قصہ پیش آیا کہ خسرو نے ایک دن یہ کہا کہ گھوڑے بہت موٹے ہو گئے ہیں۔ بدن ڈالنے چلے جاتے ہیں۔ تم ان سے محنت لو۔ چنانچہ ہر روز ملک جونا گھوڑے پھیرنے جایا کرتا تھا۔ کبھی ایک گھنٹے میں واپس آتا کبھی دو چار گھنٹوں میں۔ ایک روز وہ دوپہر تک واپس نہ آیا۔ کھانے کا وقت آ گیا۔ بادشاہ نے سواروں کو حکم دیا کہ اُس کی خبر لائیں۔ اُنھوں نے واپس آ کر خبر دی کہ ہر چند جو طرف تلاش کیا۔ مگر کہیں پتہ نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا۔ اور اُسی کے ساتھ کشلو خاں کا بیٹا بھی چلا گیا۔ تغلق نے بیٹے کے پہنچتے ہی بغاوت کا اعلان کر دیا اور کشلو خاں کی مدد سے لشکر کی فراہمی شروع کی۔ بادشاہ نے اپنے بھائی خان خاناں کو ان کے مقابلے پر روانہ کیا۔ مگر وہ شکست کھا کر واپس ہوا۔ اور اس کے ہمراہی مارے گئے۔ اور خزانہ اور اسباب تغلق کے ہاتھ لگا۔ اب تغلق دہلی کی طرف بڑھنے لگا۔ اور موضع آسیاباد (ہوا کی چکی) میں خیمہ زن ہوا۔ اُس نے دل کھول کر خزانہ لٹایا۔ لشکر کے لوگوں کو تھیلیاں کی تھیلیاں روپیوں کی بخش دیں۔ ہندوؤں نے جو خسرو خاں کے لشکر میں تھے۔ بڑی جرأت سے مقابلہ کیا چنانچہ تغلق کے پیر اُکھڑ گئے۔ اور اُس کا ڈیرہ لُٹ گیا۔ تغلق نے اپنے تین سو جاں باز ہمراہیوں کو جمع کیا اور کہا کہ اب بھاگنے کے لیئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جب کہ خسرو کا لشکر لوٹ میں مشغول تھا۔ اور اُس کے پاس تھوڑے سے آدمی رہ گئے تھے۔ تغلق اپنے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ میں نے بادشاہ تغلق کی نسب کی بابت لاہور اور دوسرے شہروں میں بھی ہر چند تلاش کی مگر کچھ پتہ نہ لگا۔ لغاد و العانی میں تغلق اور قتلغ کے معنے اوسط یا میانہ کے لکھے ہیں۔ قتلغ کے یہ معنے درست ہوں گے کیوں کہ الغ خاں اور اکت خاں کے علاوہ بعض امیر قتلغ خاں خطاب کے بھی درج ہیں۔ لیکن تغلق کوئی مستقل دوسرا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲

بھرا ہیون ٹوٹ کر اُن پر جا پڑا۔ ہندوستان میں بادشاہ کی جگہ جھٹ سے پہچانی جاتی ہے۔ جب تغلق بادشاہ پر جا پڑا تو بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ اور بڑھتے بڑھتے شہر کی فصیل تک آن پہنچے۔ بادشاہ کی طرف کا لشکر بھی حوض رانی کے میدان میں جمع تھا۔ اُس بہادروں کے سامنے کہاں تک سکتے تھے۔ میدان چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بادشاہ بے چارہ یک بینی و دو گوش تنہا رہ گیا۔ سلہ

صد یار بود بنان تنگے نیست چوں کار فتد بجان سبلے نیست

بادشاہ گھوڑے پر سے اُتر پڑا۔ کپڑے و ہتھیار اُتار کر پھینک دیئے اور سر کے بال فقیروں کی طرح چھوڑ دیئے تنہا بھاگ نکلا۔ متھرا کی سڑک پر دہلی کے قریب ایک گاؤں ہے اُس کی طرف کو بھاگا۔ اور ایک باغ میں جا چھپا۔ لوگ تغلق کے پاس جمع ہو گئے۔ یکم شعبان ۷۲۰ھ کو شہر میں داخل ہوا۔ کوتوال شہر نے کنجیاں اُس کے سپرد کریں۔ تخت پر بیٹھ کر بیعت لینی شروع کی۔ سب خاص و عام نے اُس کی بیعت کی۔

خسرو خاں تین دن تک برابر باغ میں چھپا رہا۔ تیسرے دن بھوک سے بے قرار ہوا۔ اور باہر نکلا تو باغبان نے اُس کو دیکھ لیا۔ اُس نے باغبان سے کھانے کو مانگا۔ اُس کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ خسرو نے اپنی انگوٹھی نکال کر دی۔ اور کہا کہ اسے بیچ کر کچھ کھانے کو لا دے۔ باغبان

سلہ براؤنی کی تحریر کے موافق خسرو خاں ملک شادی کے مقبرے میں جا چھپا تھا اور وہاں سے پکڑا گیا۔ اور باغ میں سے اُس کا بھائی خان خاناں گرفتار ہوا تھا۔ خسرو خان اور ملک غازی تغلق کی لڑائی مدینہ کے موضع کے قریب ہوئی تھی سیر المتاخرین میں یہ مقام درج ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ گاؤں کہاں تھا۔ ایک گاؤں اس نام کا ہے اور رہتک کی سڑک پر واقع ہے۔ اور گرد دہلی کے قریب کوئی اور گاؤں اِس نام کا نہیں تو غالباً اسی مقام پر یہ لڑائی ہوئی ہوگی کیونکہ وہ بھی ملک غازی تغلق کے رستے پر واقع تھا۔ ۱۲

بازار میں آیا اور وہ انگوٹھی دکھائی تو لوگوں کو شبہ ہوا۔ ایک غریب آدمی کے پاس ایسی انگوٹھی کہاں سے آئی۔ اُسے پکڑ کر کوتوال شہر کے پاس لے گئے۔ کوتوال اُسے تغلق کے پاس لے گیا۔ اُس نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ہو نہ ہو یہ انگوٹھی خسرو خاں کی ہے۔ تغلق نے اُس کے ساتھ اپنے بیٹے جونا خاں کو بھیجا کہ خسرو کو پکڑ لائے۔ جونا خاں باغبان کے ساتھ گیا اور خسرو خاں کو گرفتار کر لیا۔ اور ایک ٹٹو پر سوار کر کے بادشاہ (تغلق) کے سامنے لایا۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ تو کہا کہ میں تین دن کا بھوکا ہوں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شربت اور خاصہ حاضر کیا جائے۔ بادشاہ نے اُسے کھانا کھلوایا اور نبیذ پلائی۔ اور پان دیا۔ خسرو خاں جب شکم سیر ہو گیا۔ تو تغلق سے کہا "اے تغلق! مجھے رسوا نہ کر اور میرے ساتھ شاہانہ سلوک کر"۔ تغلق نے کہا بسر و چشم اور حکم دیا کہ اُسی جگہ جہاں اس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا۔ لے جا کر اس کا بھی سر اڑا دو۔ اور اس کے سر اور نعش کو محل کی چھت پر سے نیچے پھینک دو جیسا کہ اس نے قطب الدین کے ساتھ کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تغلق کے بیٹے جونا خاں نے اُس کا سر بھٹے کی طرح تلوار سے اڑا دیا۔ اُس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ غسل دے کر کفن دو اور اُسی کے مقبرے میں دفن کر دو۔ خسرو خاں کی مدت سلطنت کلہم پانچ مہینے چند روز رہی خسرو خاں کے قتل کی خبر سن کر سارے شہر میں ایک دل بھی ایسا نہ تھا۔ جو ذرا بھی کڑھا ہو۔

اب معلوم ہوا کہ خسرو خاں نے خلجی خاندان کی ریڑ مار دی اور کوئی متنفس خاندان کا نام لیوا باقی نہ رہا۔ تو بادشاہت خاندان خلجیہ سے خاندان تغلق میں منتقل ہو گئی۔ اور اس طرح خلجیوں کا خاتمہ اور ۷۲۱ھ ۱۳۲۰ء سے خاندان تغلق کا آغاز ہوا۔

سلہ تاریخ فرشتہ کی رو سے خسرو خاں دوسرے ہی دن گرفتار ہوا۔ اور پہلے اُسے قتل کیا بعد تغلق شہر میں داخل ہوا۔ اور قصر ہزار ستوں میں پہنچ کر پہلے رسم تعزیت سلطان قطب الدین وغیرہ کی ادا کی اور کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں اور شکر خدا کا کہ میں نے اپنے ولی نعمت کا بدلہ لیا۔ اگر کوئی بادشاہ کی نسل میں سے باقی بچ رہا ہو۔ تو لاؤ۔ ور نہ تم لو

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

سلاطین خلجی

لال الدین فیروز شاہ — سنہ ۱۲۹۰ء

قحط — سنہ ۱۲۹۱ء

یلیچپور کی فتح — سنہ ۱۲۹۴ء

کن الدین ابراہیم اول — سنہ ۱۲۹۵ء

علاء الدین محمد شاہ ثانی — سنہ ۱۲۹۵ء

مغلوں کا قتل — سنہ ۱۲۹۷ء

لک کافور کے دکن کے حملے — سنہ ۱۳۰۲-۱۱ء

مغلوں کی یورش — سنہ ۱۳۰۳ء

شہاب الدین عمر — سنہ ۱۳۱۶ء

قطب الدین مبارک شاہ — سنہ ۱۳۱۶ء

ہرپال دیو کی بربادی — سنہ ۱۳۱۹ء

ناصر الدین ملک خسرو (غاصب) — سنہ ۱۳۲۰ء

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ — سے اُسے تخت مبارک یا اور جس کو تم لوگ مناسب سمجھو۔ بادشاہ بناؤ میں سب کا تابعدار ہوں۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ دونوں بادشاہوں کی اولاد میں سے کوئی باقی نہیں رہا ہو۔ اور تم نے اتنا بڑا کام کیا کہ دشمنوں سے بدلا لیا۔ تم سے بڑھ کر کون بادشاہت کا اہل ہو۔ یہ کہہ کر غازی ملک کو سلطان غیاث الدین کا خطاب دے کر تخت پر بٹھلا دیا۔ ۱۲

خاندان تغلق

۱۳۲۰ء — ۱۴۱۴ء

اس خاندان میں چھوٹے بڑے ملا کر کل آٹھ بادشاہ ہوئے۔ جن میں سے دو بہت مشہور ہیں۔ ایک اپنی برائیوں کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے نے اپنی نیکیوں اور حسن تدبیر کی وجہ سے لازوال شہرت پائی ہے۔ برائی کا داغ محمد تغلق کے ماتھے پر ہے۔ جو اس خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا اور نیک نامی اور ہر دلعزیزی کا سہرا۔ فیروز شاہ تغلق کے سر ہے۔ جو اس خاندان کا تیسرا بادشاہ ہوا ہے۔

غیاث الدین تغلق [illegible]

غیاث الدین تغلق تھا تو یہ بھی غلام ہی اور علاء الدین کے زمانے میں خراسان سے دلی لایا گیا تھا۔ اس کا باپ ترک اور ماں جاٹنی تھی۔ یہ بھی اپنے ذاتی جوہر اور لیاقت کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے اب عماد جرنیل اور صوبہ دیپالپور کا حاکم ہو گیا تھا۔ یہ بڑا بہادر اور قابل پالیٹیشن تھا۔ اس نے اپنی چار سالہ مختصر سلطنت کے زمانے میں بہت کچھ انتظام چلایا۔ اپنی ذات سے ملک کی بہبود پر توجہ کرتا تھا۔ اور انصاف رسانی میں بڑی کوشش کرتا تھا۔ تھوڑے ہی سے زمانے میں اس کی نیک بختی اور ہر دلعزیزی کا شہرہ ہو گیا۔ بنگال اور مشرقی صوبے میں امراء خود مختار ہو گئے تھے۔ ان کو زیر کیا۔ اس بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے نام کا ایک نیا شہر **تغلق آباد** بنانا شروع کیا۔ ادھر

لہ شہر تغلق آباد میں بادشاہ کے خزائن اور محلات تھے۔ اس نے ایک بڑا محل ایسا طیار کرایا تھا۔ کہ اس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ جس وقت آفتاب عالم تاب طلوع ہوتا تھا۔ تو اس کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف نظر نہیں جا سکتا تھا۔ اس بادشاہ نے بہت سا سامان جمع کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک حوض بنا کر سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا۔ جو جم کر ڈھیم کا ڈھیم ہو گیا تھا۔ اس کے بیٹے نے وہ تمام سونا صرف کیا۔ یہ بات گو اس زمانے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

شہر کی بنا پڑ رہی تھی اُدھر اپنے بیٹے جونا شاہ کو ایک لشکر دے کر دکن کی مہم پر روانہ کیا۔ مگر وہاں جھوٹ موٹ لوگوں نے بادشاہ کے مرنے کی خبر اُڑا دی اور وہ بھی اِس شدومد اور وثوق سے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ ابھی ہم خود تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اس خبر سے لشکر بددل ہو کر پراگندہ ہو گیا۔ اور مہم میں کامیابی نہ ہوئی۔ جن لوگوں نے یہ خبر پھیلائی تھی وہ پکڑ کر دلی بھیجے گئے۔ معمر و مسن بادشاہ کو ایسی بے سر و پا خبر اُڑانا بہت ناگوار ہوا اور اُس نے حکم دیا کہ ایسے بدخواہوں کو زندہ گڑوا دیا۔ ۱۳۲۴ء میں خود بادشاہ نے بنگال پر فوج کشی کی۔ اور یہاں دلی میں جونا شاہ کو سلطنت کا کاروبار چلانے کو چھوڑ گیا۔ اس نے کہتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیا کی تائید کے بھروسے پر بادشاہ کے مروا ڈالنے کے لیئے یہ تدبیر نکالی کہ بنگالے سے واپسی کے وقت دہلی کے قریب افغان پور میں بادشاہ کے ٹھیرنے کے لیئے۔ ایک عارضی محل اس ترکیب کا بنوایا کہ ذرا سی ٹھیس لگتے ہی دھڑام سے

نوٹ صفحۂ گزشتہ ۔ یہیں عجیب معلوم ہوا لیکن اس وقت میں کہ دولت بھی بڑی تھی ۔ ۔ رست سے طرز اور صنعت کے مکانات بنانے کا شوق تھا۔ اور ہر بادشاہ چاہتا تھا کہ ۔ ۔ کے وقت کی عمارت پہلے زمانے کی عمارتوں سے بڑھ جائے۔ یہ امر بالکل یقینی تھا۔ ۔ ۔ ۔ بچہ ڈو منگو پینیز کے وقائع (۱۳۲۲ء) میں جو ہماری تاریخ بیجانگر کا ضمیمہ ہو لی ہے لکھا ہے کہ راجہ بیجانگر نے بھی سونے کا محل بنوایا تھا۔ جس کے باہر جواہرات جڑے ہوے تھے ۔ ۔ صنعت یہ کی تھی کہ وہ آفتاب کے ساتھ ساتھ رخ بدلتا تھا۔ اور بہ چند کمرے ۔ ۔ ہاتھی دانت کے تھے۔ چھت سے لے کر زمین تک اور تمام دیواریں حتی کہ کڑیاں بھی ہاتھی دانت کی تھیں۔ جن میں نہایت خوب صورت پھول تراشے گئے تھے۔ اور ایسی صناعی کی گئی تھی کہ اس سے بہتر ہونا ناممکن ہے۔ ۱۲

نوٹ متعلق صفحہ ہذا سطر ۵ ۱۳۲۱ء میں غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے جونا خان کو جس کا خطاب الغ خان تھا۔ ورنگل فتح کرنے کے لیئے بھیجا تھا۔ ورنگل پر ہم ایک ۔ ۔ سل نوٹ دے آئے ہیں۔ ورنگل فتح ہونے کو تھا کہ کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ شاہ مرگیا۔ اس سبب سے کئی افسر فوج کے بھاگ آگئے۔ قلعہ والوں کو بھی خبر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

آن پڑے۔ غرض یہ کہ بادشاہ جب ۲۵ فروری ۱۳۲۵ء کو ڈھاکے سے واپس آرہا تھا یا یہ کہو کہ اُس کی قضا کھینچ کرلارہی تھی۔ تو دہلی میں باقاعدہ طور پر داخل ہونے سے پہلے افغان پور میں چندے توقف کیا۔ بادشاہ اور اُس کا چھوٹا بیٹا اور چند امراء جو ساتھ تھے۔ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ہاتھی سامنے لائے گئے۔ خدا جانے کیا ہوا کیا نہ ہوا۔ کہ یکایک عمارت آن پڑی اور سب کچل کر مرگئے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ بات نہیں بلکہ بجلی گرنے کے صدمے سے یہ سانحہ ہوا۔ ابن بطوطہ اِس میں جونا شاہ کی سازش بتلاتا ہے۔ برخلاف اِس کے

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کم ہوگئی اُنھوں نے جراٌت کرکے حملہ کیا۔ اور محاصرین کو واپس ہونا پڑا۔ لیکن ۱۳۲۳ء میں پھر ورنگل پر چڑھائی کی۔ اور فتح کیا۔ راجہ پرتاپ رُدّر کو پکڑ کر جونا خان دِلّی لے گیا۔ اُس کا بیٹا شنکر تھوڑے سے علاقہ پر حاکم رہا۔ اُس نے ۱۳۴۴ء میں دوارسمندر اور بیجانگر جس کی تاریخ ہم نے جدا گانہ لکھی ہے کے راجاؤں کے ساتھ سازش کرکے مسلمانوں کو ورنگل سے نکال دیا۔ لیکن ۱۳۵۸ء میں محمد شاہ بہمنی نے پھر راجہ کو دق کرنا شروع کیا۔ اور آخر ۱۴۲۴ء میں احمد شاہ بہمنی نے یہ کل علاقہ فتح کرلیا۔ اور ورنگل کے گنپتی خاندان کا خاتمہ کردیا۔ فرشتہ اور بداؤنی دونوں متفق ہیں کہ شیخ زادہ دمشقی اور عبید زاکانی شاعر تھے جو اُن دنوں ہندوستان میں آکر جونا خاں کے مصاحب بنے ہوئے تھے۔ ڈاک چوکی بند ہوجانے کے سبب سے فقط شوخی سے یہ افواہ اڑادی تھی۔ اور اُس کے ساتھ امیروں کو بھی بہکا دیا کہ جونا خاں تم سے ناراض ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جونا خاں کی اِس میں کچھ سازش نہ تھی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ اُس نے عبید اور شیخ زادۂ دمشقی کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ اور وہاں بادشاہ نے اُن دونوں کو زندہ درگور کردیا۔ بداؤنی لکھتا ہے۔ کہ بادشاہ نے اُن کو ہاتھیوں کے پیروں تلے رندوا دیا۔ برنی راوی ہے۔ کہ بادشاہ نے اُن کی زندہ کھال کھچوالی۔ ۱۲

نوٹ متعلق صفحۂ ہذا۔ سلہ کیا جونا خاں نے اپنے باپ کے قتل کی سازش کی تھی اِس کا صحیح صحیح فیصلہ آج کون کرسکتا ہے۔ جب کہ اُس زمانے میں بھی یہ امر مختلف فیہ تھا بداؤنی لکھتا ہے "ازساختن ایں چنیں قصرے کہ ہیچ ضرور نبود بوئے آں می آمد کہ ایغ خاں

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

فرشتہ لکھتا ہی۔ کہ جوناشاہ کا اِس میں کچھ دخل نہ تھا۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول سنہ ۷۲۵ھ کو ہوا۔ بعد وفات بادشاہ اپنے بنائے ہوئے شہر تغلق آباد میں جھیل کے بیچ میں جہاں اُس نے اپنا گنبد پہلے سے بنوا رکھا تھا۔ دفن ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ گنبد الغ خاں عرف جوناشاہ نے اپنے باپ

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ قصر را مجوف ساختہ باشد چنانچہ مشہور در عوام است۔ یہی رائے ابوالفضل اور مصنف طبقات اکبری کی بھی ہی۔ لیکن ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ جونا خاں کے حکم سے محل بنایا گیا تھا فرشتہ نے اِس بارے میں بحث کی ہی۔ وہ اِس بات کو کہ مکان اراداتاً اِس قسم کا بنایا تھا۔ کہ وہ گر پڑے تسلیم نہیں کرتا۔ اور حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں جو یہ لکھا ہی۔ کہ بجلی گرنے سے مکان گرا۔ اس بیان کو قرین قیاس سمجھا ہی۔ ضیاء برنی نے بھی یہی سبب لکھا ہی۔ لیکن ابن بطوطہ کے راوی شیخ رکن الدین ملتانی ہیں جو اِس موقع پر موجود تھے۔ اور اُن کے نزدیک اِس مکان میں جو صرف تین دن میں جلد بنایا گیا تھا۔ یہ بات رکھی گئی تھی۔ کہ جب ہاتھی اُس پر چڑھے۔ تو فوراً گر پڑے۔ صدر جہاں گجراتی نے اس صنعت کو ایک طلسم قرار دیا ہی۔ پچھلے سب مورخ ضیاء برنی پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے محض فیروزشاہ کی خاطر سے جو اپنے چچا زاد بھائی سلطان محمد تغلق کا بڑا مداح اور شکرگزار تھا اصل کیفیت بیان نہیں کی۔ اِس مکان کے انجینیر خواجہ آیاز کو وزیر اعظم بنا دیا۔ اور اپنی تمام زندگی میں اس کی قدر افزائی کرنے کو بھی ابن بطوطہ اور اس کے راوی نے بادشاہ کے خلاف ایک حجت قائم کی ہی۔ لیکن یہ بھی کوئی معقول وجہ نہیں۔ کیوں کہ اُس زمانے میں بادشاہ ایسے لوگوں کو کسی بہانے سے آگے پیچھے ضرور مروا دیا کرتے تھے۔ اگر بجلی کا واقعہ صحیح ہوتا۔ تو شیخ رکن الدین ابن بطوطہ سے ضرور ذکر کرتے۔ اور یہ بات ایسی نہیں تھی کہ لوگوں سے پوشیدہ رہ سکتی۔ سیر المتاخرین میں درج ہی کہ شیخ رکن الدین ملتانی برائے ملاقات سلطان در آں قصر رفتہ بود و برمز و ایماء در برخاستن سلطان استعجال می نمود اما سلطان فہم نہ کرد۔ چوں شیخ برخاست قصر بر سلطان فرود آمد۔ اس واقعہ کے بعد جوناشاہ کی مہربانی شیخ پر زیادہ ہوتی ہو گئی۔ چنانچہ اپنے باپ کا مقبرہ جو ملتان کے قلعہ میں ہی۔ اُس کو عنایت کیا۔ پھر ایک اور موقع پر سو

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

کی وفات کے بعد ہوا یا۔ مدت سلطنت اِس بادشاہ کی چار سال کچھ ...

محمد بن تغلق ۱۳۲۵ء

الغ خاں عرف جونا شاہ تغلق آباد سے دلّی پہونچ کر تخت نشین ہوا اور **محمد بن تغلق** کا لقب لیا۔ لیکن لوگ اِس کو عموماً **خونی سلطان** کے نام سے جانتے ہیں۔ کیونکہ اِس کے مظالم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ضیاء الدین برنی اور ابن بطوطہ دونوں نے لکھا ہے کہ "یہ بادشاہ شائستگی اور سنگ دلی دونوں سے مرکب تھا" سٹرکین لکھتے ہیں کہ "یہ ایک مجموعہ تھا۔ اُن صفات کا جو اُس زمانے میں نادر تھیں۔ یعنی علوم کا جن میں مذہب کی چاشنی نہ تھی۔ تہذیب کا جو انسانیت سے معرّیٰ تھی"۔ یہ نہ صرف علم کا قدردان تھا۔ بلکہ خود بھی ذی علم تھا۔ اُس نے کئی دارالعلوم بنوائے اور بہت سی مشہور عمارتیں اِس کے عہد میں بنیں۔ بڑا سپہ سالار تھا۔ اپنے دوستوں علماء اور فضلاء سے بڑا عمدہ اور فیاضانہ سلوک کرتا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اِس میں بہت سی عمدہ باتیں بھی تھیں۔ لیکن اکثر اوقات بالقصد سنگ دلی اور اِس قسم کی بے انصافی سے پیش آیا تھا کہ دوسروں کو اِس کے صحیح الدماغ ہونے میں کلام تھا۔ اور اِس کی سلطنت کی ساری مدت رعایا کے لیئے ایک ناگفتہ بہ مصیبت تکلیف اور غضب الٰہی کا سامنا تھا۔ شہر دہلی کی

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے گاؤں جاگیر دیئے۔ باوجود اِس مہربانی کے شیخ کی رائے جو اُنھوں نے ابن بطوطہ سے بیان کی تھی پچھلے مورخوں کے قیاس کے مقابلے میں زیادہ وزن دار ہے۔ اور اِس موقع پر زیادہ تر غور کے قابل یہ ہے۔ کہ الغ خاں خود کیسے پہلے ہی سے ٹل گیا۔ اور سب کے ساتھ کچلا نہ گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مکان مارامار عجالتہً بنا تھا نیا اور گیلا تھا۔ گر پڑا ہو۔ اور ایسے حوادث آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ غرض خیال دونوں طرف دوڑتا ہے۔ اور غیب کی باتیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ شہر تغلق آباد کے بیان میں بھی ہم نے اِس سانحہ کا مفصل نوٹ دیا ہے۔ وہ ملاحظہ طلب ہے حضرت سلطان المشائخ جیسے مقدس بزرگ کی نسبت کبھی یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کہ نعوذ باللہ وہ کسی کے قتل کی سازش میں شریک ہوں یا اُن کے ایما یا علم سے یہ فعل مذموم وقوع پذیر ہوا ہو۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ جونا خاں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

حفاظت کے لیے فصیل اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ لیکن اِس نے شہر کو اُجاڑا تباہ اور برباد بھی کیا۔ اِس نے بادشاہ ہوتے ہی اپنے باپ کے شہر تغلق آباد کو خیرباد کہی۔ اُس نے یہیں ایک قلعہ اور قصر ہزار ستون بھی بنوایا تھا جو عادل آباد کہلاتا تھا۔ کیوں کہ اس کا لقب عادل شاہ بھی تھا۔ اِس کے پہلے سال جلوس میں مغل شہر کے دروازے تک آن پہنچے۔ اور شہر کے گرد و نواح کو لوٹ ڈالا۔ اِن کی مدافعت کے لیے بادشاہ کے پاس فوج تو تھی نہیں۔ ہاں خزانہ بے حد و شمار تھا۔ بہت کچھ دے دلا کر اُن کو ٹالا۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ ۷۳۲ھ میں سیری اور پرانی دلی کی فصیلیں بنوائیں۔ اور اِس حصار کے اندر جو آبادی تھی۔ اُس کا نام جہاں پناہ رکھا۔ اِس اثنا میں لشکر بھی خاطر خواہ جمع کر لیا۔ اور چوں کہ طبیعت چلبلی اور بے چین واقع ہوئی تھی ملک فارس پر لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ لیکن یہ کچھ آسان کام نہ تھا۔ اِس کی طیاری ہی طیاری اور فراہمی سامان ہی کی اُدھیڑ بُن میں۔ اور اِس اُمید پر کہ بہت سے ملکوں کو اگر فتح کر لوں گا۔ تو سلطنت مالا مال ہو جائے گی۔ سارا خزانہ خالصے لگ گیا۔ فارس کی مہم کا حال تو آپ سُن چکے کہ المعنیٰ فی بطن الشاعر ہی رہی۔ اب اِس سے بھی بڑھ کر بلند پروازی اور سُنیئے کہ آپ نے چین کا ملک فتح کرنے کی دل میں ٹھانی۔ جس سے اور بھی تباہی اور بربادی ہوئی۔ ایک لاکھ کا لشکر بھیج ہی دیا۔ ہمالیہ کے پہاڑوں کی خطرناک چڑھائی۔ درے اور گھاٹیاں برف اور پھر چینیوں نے خوب خبر لی۔ اور جیسے گئے تھے۔ ویسے ہی پلٹنا پڑا۔ واپسی میں سارے کا سارا لشکر صعوبت سفر۔ تکان۔ سردی۔ برف باری۔ طوفان اور بیماری کی نذر ہوا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اِتنے ہزار جانیں ضایع ہوئیں۔ جن میں زیادہ تر سوار تھے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) نے یہ مواخذۂ عقبیٰ اپنے سر لیا ہو۔ اور چوں کہ وہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ اور آپ بھی مہربانی فرماتے تھے اِس پر سے لوگوں نے یہ غلط خیال کیا ہو۔ کہ بچھڑا کھونٹے کے بل کودتا ہے لیکن حضرت کی شان ایسی حرکات میں صراحتہً یا کنایتہً شامل ہونے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ۱۲

اور جو سخت جان موت کے منہ سے نکل کر آئے۔ انھیں بادشاہ نے قتل کروا دیا۔ ان ویرانہ وار سپہ سروں یا حملوں اور مہموں میں خزانہ خالی ہو گیا تب بادشاہ نے محصولات بڑہانے شروع کیے اور جس طرح ہو سکتا تھا روپیہ سمیٹنا شروع کیا۔ اور چاندی کے عوض تانبے اور پیتل کا سکہ چلایا۔ مگر وہ کچھ چلا چلایا نہیں۔ چاندی آخر کو چاندی ہی رہی۔ اور تانبا تانبا ہی۔ چنانچہ ڈھیر کے ڈھیر برنجی سکوں کے تعلق آبادیوں پڑے رہے۔ کوئی پوچھتا بھی نہ تھا بادشاہ اپنے نزدیک اپنے آپ کو بڑا منصف اور عادل سمجھتا تھا۔ لیکن اُن کا دور حکومت ایسی سخت گیری اور مظالم کا تھا۔ کہ اس کے محل کے دروازے کے سامنے ہمیشہ نعشوں کا ایک ڈھیر لگا رہتا تھا۔ جلاد اور حلال خور ہر وقت گردنیں مارنے اور نعشوں کے گھسیٹنے سے بیزار ہو جاتے تھے۔ پھر اس سخت گیری۔ اور ظلم کا نتیجہ بھی یہ تھا کہ نہ رعایا بغاوت سے باز آتی تھی۔ نہ بادشاہ ہی سزا دہی سے ہاتھ کھینچتا تھا۔ چھوٹے موٹے قتلوں کو چولہے میں ڈالیے۔ یہ تو قتل عام سے بھی باز نہ رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تو مردوں عورتوں کا اس طرح ہانکا کرواتا تھا۔ جیسا کہ شیر کے شکار میں ہوتا ہے۔ اور آدمیوں کے ریوڑ کے ریوڑ تہ تیغ کروا ڈالتا تھا۔

دارالسلطنت کا نقل مقام دولت آباد کو سنہ ۱۳۳۸ع

دکن کے حملے کے وقت دیوگیری (دولت آباد) بہت پسند آیا۔ بس دل میں آنے کی دیر تھی سنہ ۱۳۳۹ع میں حکم قضا شیم صادر ہوا۔ کہ ساری دلی اُٹھ کر دولت آباد چلی جائے۔ کدھر دلی اور کہاں دولت آباد۔ بعد المشرقین مرع

ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھیری

سب سے بڑھ کر دیوانگی کا کام جو اس بادشاہ سے ہوا۔ وہ یہی حرکت تھی جو

ف اب برٹش گورنمنٹ کا اقبال دیکھیے کہ چاندی کی جگہ نکل کا سکہ دھڑلے سے چل رہا ہے۔ اور دھات تو دھات کاغذ یعنی نوٹ کس کثرت سے بلا غل وغش چل رہے ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت۔ ۱۲

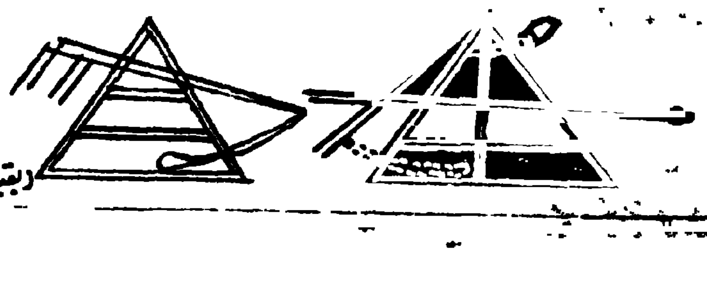
دھری جائے نہ اُٹھائی جائے۔ ۵۹

چہ گویم از سر و سامانِ خود عمریست چوں کاکل
سیہ بختم پریشاں روزگارم خانہ بردوشم

گو بادشاہ نے لوگوں کے آرام و آسایش کے لحاظ سے یہاں سے وہاں تک سڑک کے دو طرفہ درخت نصب کرا دیئے تھے۔ مگر جلا وطنی ایک ایسی بُری بلا ہی۔ کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اسی درمیان میں **ملتان** میں بغاوت ہوگئی بادشاہ کو آنا پڑا۔ اور بادشاہ کے ساتھ ہی کچھ لوگ بھی پلٹ آئے سنہ ۱۳۴ء میں پھر لہر اُٹھی۔ اور دیوگیری جانے کا حکم ہوا۔ تاکہ لوگ پھر واپس نہ آسکیں اِن سب کو دِلّی سے نکال یہاں سارے گھروں کو پھونک دیا۔ حتیٰ کہ بلی۔ کتّا تک بھی نہ رہا۔ اس حکم کی تعمیل اِس سختی سے کرائی گئی کہ سارے شہر میں فوج گشت لگاتی پڑی پھرتی تھی اور دیکھتی پھرتی تھی کہ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ قضا سے کوئی گار صرف ایک اندھا اور ایک لنگڑا نہ جا سکے تو اندھے کو تو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ اِس طرح کہ وہ بے چارہ رستے میں ہی ختم ہو گیا۔ اور اُس کے ہاتھ پاؤں بھی راہ میں ہی جھڑ گئے۔ رہا دوسرا اُسے منجنیق سے پھنکوا دیا۔

---

۵۹ اِس لفظ کی وجہ تسمیہ عجیب عجیب بیان کی گئی ہے۔ یعنی فارسی میں چہ نیک کا معرّب بتلاتے ہیں لیکن اغلباً یونانی لفظ "من جانے کون" سے مشتق ہے۔ جس کے معنے بادو در کرتب کے ہیں۔ ابن خلکان نے لکھا ہی کہ یہ لفظ معرّب ضرور ہے۔ کیونکہ ج اور ق دونوں حروف کسی عربی لغت میں نہیں آ سکتے۔ توپوں کی ایجاد سے پہلے یعنی سولھویں صدی تک اِن آلات کا رواج قلعہ کی دیواریں توڑنے اور قلعہ کے اندر شعلہ گیر مادہ اور بارود اور سڑی ہوئی چیزیں۔ اور پتھر پھینکنے کے لیئے یورپ اور اسلامی ممالک اور چین میں تھا۔ کرنل یول نے مارکوپولو کے سفرنامے میں اِس کی (۱۰) تصویریں دی ہیں۔ اُن میں سے صرف یہ دو ہی طرح کے منجنیق ہندوستان میں مروّج تھے:-



(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

دِلی پھر بسی ۱۳۴۵ء

۱۳۴۴ء میں دکن میں بڑا بھاری قحط پڑا تو لوگوں کو دہلی ۱۰ پس پیچھے چلے جانے کی اجازت ملی مگر یہاں بھی قریب قریب وہی حالت تھی آدمی کو آدمی کھائے جاتا تھا۔ یہ قحط دو سال تک رہا لوگوں نے واویلا مچائی۔ عرائض گزرانیں۔ تب کہیں اُن کو اجازت ملی۔ اور اِس طرح ۱۳۴۵ء میں پھر دِلی بسی۔ اور لوگ اپنے اپنے ٹھکانے آن سکے۔ پھر کسی نے اُن کو نہیں ستایا۔

مصر سے سفیر کا آنا ۱۳۴۳ء

۱۳۴۳ء میں مصر سے ایک سفیر خلفائے عباسیہ کی کی طرف سے دِلی آیا۔ اور اپنے ساتھ سند خلافت لایا۔ جس کی بنا پر بادشاہ کا نام خطبوں میں پڑھا جانے لگا۔

آخری حالات اور بادشاہ کی وفات ۱۳۵۱ء

بادشاہ کے آئے دن کے مظالم سے خلق اللہ کا ناک میں دم آگیا۔ امرا بھی بربڑ کرنے لگے۔ گجرات۔ پنجاب۔ بنگال۔ دکن چو طرف بلوؤں کی شورش اور بغاوت پھیل گئی۔ لیکن شاہی جابرانہ قوت اور وحشیانہ سختی کے سامنے سب ڈگ ڈال دیتے تھے۔ گو اوائل زمان سلطنت میں دکن بالکل زیر ہوگیا تھا۔ لیکن ۱۳۴۰ء میں بنگال خود سر ہوگیا۔ اور اُس قاہرہ سلطنت کے اختتام سے پہلے دکن بھی جو بڑی مشکل سے قابو میں آیا تھا۔ نکل گیا۔ آخر کار سندھ میں ایک مہم پیش آئی اور اِسی مہم پر دریائے سندھ[۱] کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ: ضیاء الدین برنی نے لکھا ہو سلطان علاء الدین خلجی نے جب دہلی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے تو منجنیقوں کے ذریعہ سے اُن کے پاس سونا اور روپیے پھینکے اور اِس طرح لالچ دے کر قلعہ کھلوا لیا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے ۹۴ھ میں دیبل کے قلعہ پر ایسا منجنیق لگایا تھا۔ جس پر پانسو آدمی کام کرتے تھے اور جس کا نام "العروس" یعنی دلہن تھا۔ ۱۲

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] سندھ سنسکرت میں، سندھو دریا کو کہتے ہیں۔ کیوں کہ آریا لوگ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کنارے (ٹھٹھہ) مقام پر ۲۱ر محرم ۷۵۲ھ میں بخار سے اس بادشاہ کا انتقال ہوا۔ اور اِس طرح رعایا نے بادشاہ سے نجات پائی۔ اور بادشاہ کا رعایا سے پیچھا چھوٹا۔ مدّت سلطنت (۲۶) سال ہے۔ حالت نزع میں بادشاہ کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے۔ نظم۔

بادشاہ کا مرثیہ

بسیار دریں جہاں چمیدیم　　بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپانِ بلند بر نشستیم　　ترکان گران بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر　　چوں قامتِ ماہِ نو خمیدیم
تا یہ زہر ست شربِ عالم را　　میوہ مرگ ست تخم آدم را
اے حریف عدم قدم در نہ　　کم زن ایں عالم کم از کم را
صبح محشر دمید و ما در خواب　　بانگ زن خفتگانِ عالم را
ہاں کہ فرشِ فنا بگستردند　　در نوردید ایں بساطِ عالم را
رستخیز ست و خیز باز شگاف　　سقف و ایوانِ طاق طارم را
شہ محمد نہفت در دلِ خاک　　نیلگوں کن لباسِ ماتم را
پس بدست خروش در تنِ دہر　　چاک زن ایں قبائے عالم را

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) پہلے مغرب کی طرف سے آئے تھے۔ اِس لیئے اُنھوں نے پہلے جو سب سے بڑا دریا دیکھا تو اُس کا نام سندھو رکھ دیا۔ دریا ہی کے نام پر سے ملک کا بھی نام مشہور ہو گیا۔ کیوں کہ فارسی اور سنسکرت کے الفاظ میں ھ اور س کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اِس لیئے اہل فارس اِس ملک کو ہند کہنے لگے۔ بعد میں مُلک کا نام ہند رہا اور دریا کا سندھ۔ دریا کے نام سے اُس کے کنارے کا مُلک سندھ کہلانے لگا۔ اور باقی مُلک ہند۔ مورخ ہند اور سند کو حضرت نوح کے بیٹے بتلاتے ہیں۔ وہ محض قافیہ بندی ہے۔ جب تک اِس میں پنجاب کے پانچوں دریا نہیں ملتے اِس کو پنجند یا پنجاب کہتے ہیں سلاطین مغلیہ کے وقت سے پہلے فقط دریائے سندھ کا نام پنجاب تھا۔ اور ملک کو پنجاب نہیں کہتے تھے۔ ناصرالدین قباچہ جب دریائے سندھ میں غرق ہو کر مر گیا۔ تو بداؤنی لکھتا ہے "ناصرالدین در پنجاب غریق بحر فنا شد"۔ دریائے سندھ کوہ ہمالیہ سے نکلتا ہے افغانستان کا دریائے کابل اِس کا بڑا معاون ہے۔ اور سوات اور کورم چھوٹے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قلعۂ نگر کوٹ کی فتح کی تاریخ ۷۷۲ھ

چو بادشاہ جہاں گیر عالم بالا ۔۔۔ بفرو غایۂ عمرو وزیر شد تنہا
کشادہ حصن نگر کوٹ را کہ سنگیں بود ۔۔۔ شبہ زمانہ بتاریخ ادخلو فیہا
زہے حصار کہ بعی ز حلقۂ در او ۔۔۔ محیط نہ ربض ہفت قلعہ مینا

قلعۂ ہزار ستون اور قلعۂ خرم آباد کی تاریخ ۷۴۳ھ

خرم آباد نام کردش شاہ ۔۔۔ چون ظہیر الجیوش شد معمار
شد تمام ایں عمارت خرم ۔۔۔ در محرم بہفصد و چل وچار
(ایضاً)

دیگر

بریں عمارت خرم بریں خجستہ سرائے ۔۔۔ ہزار دیدہ کشادست چرخ آئینہ وار
شدہ بنام خلیفہ بامر خسرو عہد ۔۔۔ بریں عمارت خرم ظہیر دیں معمار
تمام گشت بتاریخ واد خلوا فیہا ۔۔۔ کشادہ باتو بگویم کہ ہفصد و چل و چار
(ایضاً)

قصر ہزار ستون کا کچھ کچھ نشان اب بھی تغلق آباد کے قلعے کے پاس ہے بعض لوگ اسی مکان کو محمد آباد اور عادل آباد بھی کہتے ہیں۔ بدر چاچ کہتا ہے ؎

اگر نہ خلد بریں ست ایں ہزار ستوں ۔۔۔ چرا فضائے ورش عرض گاہ روز جزاست
بلے چناں حرم آباد آنچناں شاہی ست ۔۔۔ کہ او متابع امر خلیفۂ دنیا است

تاریخ وفات

تذکرۂ دولت شاہی میں مذکور ہے کہ جس سال محمد تغلق نے انتقال کیا۔ اُسی سال کرت کے بادشاہ ملک محمد کرت نے بھی وفات پائی۔ چنانچہ مولانا مظفر ہروی نے دونوں بادشاہوں کے وفات کی یہ تاریخ کہی ہے۔

بروز رزم چو کاؤس کی محمد کرت ۔۔۔ نہاد بر دل سہراب کی محمد کرت
خدیو کشور اول چو بود تغلق شاہ ۔۔۔ برفت و در عقبش رفت شاہ محمد کرت

شاہی محل کا دروازہ

شاہی محل کو جو دہلی میں تھا۔ دار سرا کہتے تھے اُس میں کئی دروازوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) یہ دریا صدہا میل تک ایک ریتیلے میدان میں رواں ہے۔ پنجند کے جنکشن سے پہلے کوئی قابل الذکر معاون اِس میں نہیں ملتا۔ پنجند چناب اور ستلج دو دریاؤں سے مرکب ہے۔ چناب میں بھی جہلم اور راوی شامل ہیں۔ اور ستلج میں بیاس مل گیا ہے۔ اِس دریا کی لمبائی اٹھارہ سو میل ہے۔ جو بحیرۂ عرب میں ایک ڈیلٹا کی شکل بناتا ہوا گرتا ہے۔ ۱۲

چوبی دروازے پر پہرے کے سپاہی رہتے ہیں۔ نفیری، نقارے اور سرنا والے بھی اِسی دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں۔ جس وقت کوئی امیر یا آدمی آتا ہو تو بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اِسی طرح سے دوسرے اور تیسرے دروازے پر ہوتا ہی۔ یہ نوبت اِس طرح بجاتے ہیں کہ جو شخص آتا ہو۔ اُس کا پتہ بھی لگ جاتا ہو کہ فلاں امیر آیا۔ پہلے دروازے کے باہر جلّاد منتظر حکم شاہی بیٹھے رہتے ہیں۔ جب کسی کی گردن مارنے کا حکم ہوتا ہی۔ تو وہ قصر ہزار ستون کے سامنے مارا جاتا ہی۔ اور اُس کا سر پہلے دروازے کے باہر تین دن تک لٹکا رہتا ہی۔ پہلے اور دوسرے دروازے کے درمیان ایک بڑی ڈیوڑھی ہی۔ جس کے دونوں طرف چبوترے ہیں۔ اُن پر نوبت اور روشن چوکی والے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ہر دروازے پر پہرے دار بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے دروازے کے درمیان ایک بڑے چبوترے پر نقیب النقبا بیٹھا رہتا ہو۔ جس کے ہاتھ میں ایک طلائی بلم ہوتا ہی۔ اور سر پر جڑاؤ طلا کار کلاہ جس پر مور کے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور نقیبوں کی کمر میں زرّین بگلوس (پیٹی) اس پر طلا کار شاشبہ اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا ہی۔ جس کا دستہ سونے یا چاندی کا ہوتا ہی۔ دوسرے دروازے کے اندر ایک بڑے دیوان خانے میں عام لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ تیسرے دروازے پر متصدی رہتے ہیں۔ اُن کا یہ کام ہی۔ کہ جو شخص اندر آئے۔ پہلے اُس کا نام درج رجسٹر کرلیں اور ہر امیر کے ہمراہیوں کی تعداد بصراحت وقت آمد بھی درج کی جاتی ہی۔ بادشاہ اِس روزنامچے کو عشا کی نماز کے بعد ملاحظہ کرتا ہی۔ اُس روزنامچے میں جو کچھ حادثات دروازے پر واقع ہوتے ہیں۔ وہ بھی لکھے جاتے ہیں۔ بادشاہ کا کوئی صاحب زادہ اِس روزنامچے کو پیشگاہ حضوری میں پیش کرتا ہی۔ (از سفرنامہ ابن بطوطہ)

نذر کا دستور اور بادشاہ کا جلوس

یہ بھی دستور ہی۔ کہ جو امیر تین دن یا اُس سے زیادہ بلا عذر معقول غیر حاضر ہوتا ہی۔ تو وہ پھر بدون بادشاہ کی اجازت از سرِ نو حاصل کیے ہوئے دروازے

میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ بیماری یا کسی اور عذر کے سبب سے نہ آسکا تھا۔ توجس روز وہ باریاب ہوتا ہے۔ نذر پیش کرتا ہے۔ اِسی طرح دستور ہے کہ جو پہلے پہل بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہو نذر پیش کرتا ہے۔ اگر مولوی ہو تو قرآن شریف یا کوئی اور کتاب۔ اور فقیر ہو تو مصلیٰ یا تسبیح یا مسواک اور امیر ہو تو گھوڑے یا اونٹ یا ہتھیار۔ تیسرے دروازے کے اندر ایک بہت بڑے میدان میں۔ ایک دیوان خانہ بنا ہوا ہے۔ جس کا نام ہزار ستون ہے۔ کیوں کہ اُس کی چھت لکڑی کی ہے۔ اور وہ لکڑی کے ہزار ستونوں پر قائم ہے۔ چھت اور ستونوں پر روغن کیا ہوا ہے۔ اور طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ تمام درباری اِس میں جمع رہتے ہیں۔ اور بادشاہ بھی یہیں بر آمد ہوتا ہے۔

بادشاہ کا جلوس دربار میں

اکثر یہ جلوس عصر کی نماز کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن بعض وقت چاشت کے وقت بھی۔ بادشاہ کے جلوس کی جگہ ایک شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ جو باقی مکان سے اونچی ہے۔ اُس میں چاندنی کا فرش ہوتا ہے۔ مسند تکیہ اور دائیں بائیں دو چھوٹے چھوٹے تکیے ہوتے ہیں اور دو زانو بیٹھتا ہے۔ جب بادشاہ بیٹھ چکتے ہیں تو وزیر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کاتب وزیر کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اور اُن کے پیچھے حاجبوں کا سردار اور حاجب ہوتے ہیں۔ حاجبوں کے سردار کے پیچھے اُس کا نائب ہوتا ہے۔ اُس کے بعد خاص حاجب اور وکیل الدار اور اُس کا نائب اور شرف الحجاب اور سید الحجاب اور اُن کے بعد نقیب جو تعداد میں سو ہوتے ہیں۔ جب بادشاہ بیٹھ چکتا ہے تو حاجب اور نقیب بسم اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے ایک ملک قبولہ ہوتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں مورچھل ہوتا ہے۔ بادشاہ کے دائیں بائیں ہاتھ پر دونوں طرف سو سو مسلح جوان ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں تلواریں۔ ڈھالیں اور کمانیں ہوتی ہیں۔ دیوان خانے کے طول میں دائیں اور بائیں قاضی القضاۃ۔ اور اُس کے بعد خطیب الخطباء پھر باقی قاضی اور پھر بڑے بڑے فقیہ۔ پھر سید پھر مشائخ پھر بادشاہ کے

بھائی بند اور داماد۔ اُن کے بعد بڑے بڑے امیر پھر پردیسی اور ایلچی اور پھر فوج کے افسر کھڑے ہوتے ہیں۔ اُس کے بعد ساٹھ گھوڑے زین و لگام تمام ساز و سامان و زیورات سے سجے سجائے۔ بعضوں کی باگیں سیاہ ریشم کی اور بعضوں کی سفید ریشم کی مرصع ہوتی ہیں۔ یہ گھوڑے خاصے کے کہلاتے ہیں۔ اور اُن پر سوائے بادشاہ کے اور کوئی سوار نہیں ہوتا اُن میں سے آدھے دائیں اور آدھے بائیں۔ اِس طرح کھڑے کیے جاتے ہیں۔ کہ بادشاہ کی نظر پڑ سکے۔ پھر پچاس ہاتھی آتے ہیں۔ جن کی جھولیں معرق ہوتی ہیں۔ اور اُن کے دانتوں پر لوہے کے کنٹے چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن سے مجرمین کے مارنے کا کام لیا جاتا ہے۔ ہر ہاتھی کی گردن پر ایک مہاوت (فیلبان) لوہے کا انکس لیئے ہوتا ہے۔ جو طبرزین کہلاتا ہے۔ اُس سے وہ ہاتھی کو اپنے قابو میں رکھتا ہے۔ ہاتھی پر ہودہ (حوضہ) کسا رہتا ہے۔ جس میں بیس یا کم زیادہ جیسا ہاتھی ہو سپاہی بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ ہاتھی سدھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس وقت حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ ہاتھی بھی سلام کے لیئے سر جھکا لیتے ہیں۔ یہ ہاتھی بھی گھوڑوں کی طرح آدھے اِدھر آدھے اُدھر لوگوں کے پیچھے کھڑے کیئے جاتے ہیں۔ ہر شخص بادشاہ کے سامنے جاتا ہے اور آداب بجا لاکر اپنی جگہ پر اُلٹے پاؤں کترا تا ہوا۔ اِس طرح واپس آتا ہے کہ بادشاہ کی طرف پشت نہ ہو اور وہیں مؤدب کھڑا رہتا ہے۔ جب کوئی ہندو باریاب ہوتا ہے تو حاجب اور نقیب بجائے بسم اللہ کے ہداک اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے غلام لوگوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں تلواریں کمریں بیش قبض۔ کٹار۔ خنجر۔ جنبیہ میں سے کوئی ہتیار اور پیٹھ پر ڈھالیں ہوتی ہیں۔ جن پر سونے۔ چاندی کے پھول جڑے رہتے ہیں اور اِسی طرح پیش قبض وغیرہ کے دستوں پر بھی بیش قیمت جواہرات جڑواتے ہیں۔ اِن غلاموں کی صف میں سے کوئی نہیں گزر سکتا۔ بلکہ جو آتا ہے۔ وہ حاجبوں

لہ اُس وقت چوبدار نذر دینے والے کی تلوار پر اپنا ہاتھ رکھ لیتے ہیں تاکہ کچھ اور بات نہ ہو جائے اور نگاہ روبرو۔ ادب سے۔ تفاوت سے آداب بجا لاؤ کہتے ہیں۔ ۱۲

نقیبوں کے سامنے سے گزرتا ہی۔ جب کوئی پردیسی یعنی غیرملک کا باشندہ سلام کے لیئے حاضر ہوتا ہی۔ تو پہلے دروازے پر اطلاع کرتا ہی۔ سب سے آگے امیر حاجب اُس کے پیچھے اُس کا نائب پھر سید الحجاب اور شرف الحجاب ترتیب سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور تین دفعہ آداب بجا لاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔ کہ فلاں شخص سلام کے لیئے حاضر ہی جب اجازت ہوتی ہی تو بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے آداب بجا لاتا ہی۔ اور پھر نذر گزرانتا ہی۔ اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا ہی۔ تو میر حاجب کی صف میں کھڑا ہوتا ہی۔ ورنہ اُس کے پیچھے۔ اور بادشاہ اُس کے ساتھ نہایت نرمی اور مہربانی سے بات کرتا ہی۔ اور اُس کو مرحبا کہتا ہی۔ اگر وہ تعظیم کے لائق ہوتا ہی۔ تو بادشاہ اُس سے مصافحہ اور معانقہ کرتا ہی۔ اور اُس کی نذر میں سے بعض بعض چیزیں اپنے سامنے منگواتا ہی۔ اگر کوئی کپڑا یا ہتھیار ہوتا ہی۔ تو اُس کو اُلٹ پلیٹ کر دیکھتا ہی۔ اور دلجوئی کے لیئے اُس کی تعریف بھی کرتا ہی۔ پھر خلعت سرفراز ہوتا ہی۔ اور نذر دینے والے کو اُس کے درجے کے موافق اُس کی سرشوئی کے نام کچھ مقرر ہو جاتا ہی۔ جب کوئی سرکاری اہل کار نذر پیش کرتا ہی۔ یا کسی ملک کا خراج لاتے ہیں۔ تو ایک طشت طلائی یا آفتابہ یا اور کوئی چیز بنواتے ہیں۔ اور سونے کی اینٹیں بنوا لیتے ہیں۔ جن کو "خشت" کہتے ہیں۔ فراش لوگ جو بادشاہ کے غلام ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ایک ایک چیز یا اینٹ ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر ہاتھی نذر میں ہوتا ہی۔ تو وہ ہاتھی سامنے لایا جاتا ہی۔ اُس کے بعد گھوڑے مع ساز و سامان کے۔ پھر خچر پھر اُونٹ اور اُن سب پر مال لدا ہوا ہوتا ہی۔ جب بادشاہ دولت آباد سے آئے تو **خواجہ جہاں** وزیر نے نذر پیش کی۔ خواجہ جہاں نے شہر بیانہ سے باہر نکل کر اپنی نذر پیش کی

بیانہ ... جنوب کی طرف اور بیس میل بھرت پور سے جنوب و مغرب کی طرف واقع ہی۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں بیانہ کی سرکار صوبۂ آگرہ سے متعلق تھی ابوالفضل لکھتا ہی۔ کہ "بیانہ قدیم زمانے میں ایک ستھرا شہر تھا۔ ایک قلعہ بھی ہی۔ ...

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اُس نذر میں ایک سینی زمرد سے بھری ہوئی۔ اور ایک سینی موتیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس موقع پر بادشاہ ایران سلطان ابوسعید کا عم زاد بھائی حاجی گاون بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے اُس نذر میں سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) محلات اور بت خانے بے شمار ہیں۔ اب تک ہتیار اور تانبے کے برتن کھنڈروں میں سے نکلتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بڑا منارہ بھی ہے۔ آم اچھا ہوتا ہے۔ بعض آم وزن میں ایک سیر اڑھائی پاؤ سے زیادہ ہوتا ہے۔ شکر بھی بہت سفید بناتے ہیں۔ اور ایک کنواں اس شہر میں ایسا ہے کہ اُس کے پانی کی تاثیر سے شکر کے دانے وزن میں سیر سیر سے زیادہ بندھ جاتے ہیں۔ اور اُس کو گند ڈسے کہتے ہیں۔ اور جگہ کے پانی میں یہ تاثیر نہیں۔ نیل اور چنا بھی بہت پیدا ہوتا ہے۔ مہندی بھی یہاں کی مشہور ہے۔ اس شہر میں قبرستان بھی بہت ہیں کتبے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کنواں سنہ ۸۲۳ھ میں محمد خاں اوحدی صدیقی حاکم بیانہ نے تعمیر کیا تھا۔ اُس پر یہ کتبہ موجود ہے:

بعہد دولتِ خانِ کبیر اوحد خاں ۔۔۔ پناہِ جملہ جہان سرورِ زمین و زماں
ملکِ معظم تیمور خانی از سرِ صدق ۔۔۔ بنا بکرد چنیں جائے طاعتِ رحماں
بہ نزدِ او چہ زمزم صفت زخالص مال ۔۔۔ قبول باد بدرگاہِ خالقِ منان
ز ہجرِ نبوی سال بود ہشتصد و بست ۔۔۔ و گر سہ سال بماہِ معظمِ رمضاں

اس کنوئیں پر ایک اور کتبہ فارسی اور ناگری میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سنہ ۱۵۲۳ء میں ٹھاکر رام سنگھ نے کنوئیں کی مرمت محمد خاں اوحدی کے عہد میں کرائی تھی کننگہم صاحب نے پہلی تاریخ کے پڑھنے میں غلطی کی ہے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ یہ کنواں اب بھی موجود ہے۔ شکل میں مربع اور اُس کے چاروں ضلعے چار چار گز کے ہیں۔ لیکن شکر اب وہاں نہیں بنتی۔ مزاروں میں ابوبکر قندھاری کی خانقاہ بہت مشہور ہے۔ یہ دوہرہ عوام کے زبان زد ہے۔

اگارہ سو تہتر بھاگن تیج ربی وار ۔۔۔ بجے مندر گڑھ توڑا ابوبکر قندہار

یعنی بھاگن کے مہینے میں تیسری تاریخ کو سمت (۱۱۷۳) میں ابوبکر قندہار نے بیانہ کے قلعہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ سنہ ۱۱۱۲ء کے مطابق ہوتا ہے۔ جو بہرام بن مسعود غزنوی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بہت سا حصہ اُس کو بخش دیا۔

عید کی نماز کا جلوس

تیانا رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیروں۔ مصاحبوں مسافروں۔ اہل قلم۔ متصدیوں۔ منشیوں۔ حاجیوں نقیبوں علما۔ مشائخین۔ قضات۔ افسروں۔ غلاموں۔ اخبار اور پرچہ نویسوں غرض یہ کہ جملہ متوسلان شاہی کو ایک ایک خلعت ہر ایک کے منصب درجے اور مرتبے کے موافق بھیجتا ہی۔ صبح سویرے سے جشن عید کی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ہی جلوس کا سال تھا۔ بہرام کی شروع علداری میں بھی غزنوی لشکر فتوحات کے لیئے ہندوستان میں آیا ہی۔ چنانچہ روضۃ الصفا میں درج ہی۔ بعد ازاں کہ برتخت مملکت متمکن گشت لشکر بدیار ہند کشید و بسیارے از آں بلاد کہ سلاطین اجداد بداں موضع نہ رسیدہ بودند کشادہ تعجب نہیں کہ سالار مسعود غازی شاید اسی لشکر کے سردار ہوں۔ کیوں کہ بیانہ کے قلعہ کا فتح ہونا۔ اُن ہی کے ہاتھ پر بیان کیا جاتا ہی۔ اور اِس نوٹ سے سالار مسعود کے ہندوستان میں آنے کا صحیح سال معلوم ہو سکتا ہی۔ ابوالفضل نے جس منارے کا ذکر کیا ہی موجود ہی۔ یہ مینار مسجد کا اذنہ ہی۔ اور قلعہ میں واقع ہی۔ دور سے دکھائی دیتا ہی۔ اب صرف دو منزلیں باقی رہ گئی ہیں۔ پہلی منزل ۲۴½ فیٹ اونچی ہی۔ اور دوسری ۲۳ فیٹ تیسری منزل کہتے ہیں۔ کہ میگزین کی باروت میں آگ لگ جانے سے گر پڑی۔ یہ کتبہ مینارہ پر ہی:۔

اشار ببناء ھذہ المنارۃ المبارک المسند العالی والمجی المعالی اعظم ہمایوں داؤدی خان بن مسند عالی محمد خان بن مسند عالی معین خان صدیقی المعروف باوحدی خلد اللہ ملکہ فی سنۃ احدی وستین وثمان مائۃ۔

سنگ سرخ کی بنی ہوئی ایک باؤلی بھی ہی۔ جو سلطان قطب الدین خلجی کے عہد میں ۷۱۸ھ میں ملک کافور نے طیار کرائی تھی۔ اُس کی تاریخ بنا یہ ہی۔

در زمان ملک سلطان زمانہ قطب دیں	مالک دار الخلافہ شہریار بحر و بر
ہندوۂ جہہ گاؤ و کافور سلطانی بگفت	تا شد ایں باؤلی بنا ایں لطافت در گزر

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

طیاریاں شروع ہوتی ہیں۔ ہاتھی نہلا دھلا کر رنگے اور سجائے جاتے ہیں اُن پر ریشمین مغرق جگمگاتی ہوئی کمخواب اور زربفت کی جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ اُن میں سے ستو ہاتھی بلند قامت تو بادشاہ کے خاصے کے ہوتے ہیں۔ اُن پہ ہودج طلائی۔ عماری مع چھتر ریشمین ہوتا ہے۔ جس کے ڈنڈوں پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ڈنڈیاں طلائے ناب کی ہوتی ہیں ہاتھیوں کی گدیاں بھی پر تکلف ہوتی ہیں۔ اور اُن میں بھی جواہرات ٹنکے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ سر سے پاتک سونے کا ڈلا معلوم دیتے ہیں۔ ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے۔ اُس کے آگے جھنڈے اور بیرقیں سب مرصع بطور پرچم کے رہتی ہیں۔ ہاتھی کے سامنے غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے سر پر چاچی ٹوپی اور کمر میں زرین پٹی ہوتی ہے۔ بعض کے پرزوں پر جواہرات بھی جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے آگے آگے چوبدار اور نقیب بھی ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد تین سو ہوتی ہے۔ اُن کے سروں پر پوستین کلا ہیں کمر میں زرین پیٹیاں اور ہاتھ میں تازیانے جن کے دستے طلائی ہوتے ہوتے ہیں۔ صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہاں قاضی القضاۃ ناصر الدین خوارزمی اور تمام قاضی ذی رتبہ پردیسی۔ عراقی خراسانی۔ شامی۔ اور مغربی۔ سب ہاتھیوں پر سوار رکاب شاہی میں ہوتے ہیں۔ اور موذن بھی ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور تکبیر کہتے جاتے ہیں۔ بادشاہ کی سواری اِس جلوس شاہانہ اور تزک و احتشام خسروانہ سے محل شاہی کے دروازے سے برآمد ہوتی ہے۔ اور ساری جمعیت سپاہ و فوج باہر منتظر کھڑی رہتی ہے۔ ہر ایک امیر اپنی اپنی فوج مثل سے جمائے کھڑا رہتا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ۔ نوبت۔ علم۔ و نقارہ و ماہی مراتب رہتے ہیں۔ سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے۔ اور بادشاہ کی سواری کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ چار در با چار گنبد بنگر و تاریخ آن + سال و ماہ از سال ہجرت ہفتصد ہژدہم موجودہ شہر آگرے اور بمبئی کی سڑک پر بھرت پور کی ریاست میں واقع ہے۔ آبادی پانچ ہزار کے قریب ہے۔ ۱۲

آگے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر اوپر آیا ہی۔ بادشاہ کے پیچھے باجے
والے۔ پھر خدمت گار شاہی۔ پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خاں کی سواری
مع فوج نوبت ونقارے کے ہوتی ہی۔ اُس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے
بہرام خاں کی سواری۔ بعد بادشاہ کے چچازاد بھائی ملک فیروز۔ پھر پرویز
پھر ملک بحیرد بی ارجا۔ پھر ملک تبولہ (یہ امیر بادشاہ کا بڑا مقرب اور منھ
چڑھا ہی۔ اور بڑا دولت مند ہی۔ اُس کا دیوان ملک علاء الدین مصری جو ابن
سرشی کے نام سے زیادہ مشہور ہی۔ کہتا تھا۔ کہ اُس کا اور اُس کے
لشکر اور ملازمین کا خرچ چھتیس لاکھ روپیہ سالانہ ہی) پھر ملک نکبہ۔ پھر ملک بغرا
پھر ملک مخلص۔ پھر ملک قطب الدین کی سواریاں مع اُن کے لوازمے کے
ہوتی ہیں۔ یہ لوگ جن کے نام اوپر لکھے گئے سب امیر کبیر اور بارگاہ
سلطانی کے علی الدوام حاضر باش ہیں۔ باقی امیر امرا جو ان سے کم تر
درجے کے ہیں۔ وہ بغیر نوبت نقارے کے سواری کے ساتھ جاتے
ہیں۔ مگر ہر شخص اپنی سواری ہاتھی یا گھوڑے پر زرہ پوش ہوتا ہی۔ اور سارے
گھوڑے مرصع زین پوشوں زرین لگاموں طرح طرح کی آرایشوں اور
سجاوٹوں سے بنائے اور سنوارے جاتے ہیں۔ جب بادشاہ عیدگاہ
کے دروازے پر پہونچتا ہی۔ تو وہیں کھڑے رہ کر حکم ہوتا ہی۔ کہ قاضی اور
موذن اور بڑے بڑے امیر اور ذی رتبہ لوگ پہلے داخل ہو جائیں۔
بادشاہ پیچھے جاتا ہی۔ اور اُس کے جاتے ہی صف بندی ہو کر نماز شروع
ہو جاتی ہی۔ بعد امام خطبہ پڑھتا ہی۔ اگر بقرعید ہوتی ہی۔ تو بادشاہ نیزے سے
اونٹ کو نحر کرتا ہی۔ اور اُس سے پہلے اپنے کپڑوں پر ایک ریشمی لنگی
ڈال لیتا ہی۔ کہ کپڑوں پر خون کی چھینٹیں نہ پڑیں۔ یہ قربانی کرکے بادشاہ پھر ہاتھی
پر سوار ہو کر اُسی جلوس سے محل کو واپس آتا ہی۔

مسالک الابصار کے مصنف نے لکھا ہی کہ "ہندوستان میں امیروں
کے کئی درجے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجے کے امیر خان کہلاتے
ہیں۔ دوسرے درجے کے ملک۔ تیسرے درجے کے۔ امیر چوتھے

درجے کے سپہ سالار۔ پانچویں درجے کے جند۔

بادشاہ کے دربار میں۔ اتنی خان تھے۔ بادشاہ کے لشکر میں نو لاکھ سوار تھے۔ کچھ تو اُن میں سے بادشاہ کے پاس رہتے تھے۔ اور اکثر امیروں کے پاس ملک کے مختلف حصوں میں۔ اِس لشکر میں ترک اور ختائی اور ایرانی۔ اور ہندوستانی ہر قوم کے لوگ تھے۔ گھوڑے بہت عمدہ تھے۔ اور وردی۔ اور ہتیار بھی بہت اچھے تھے۔ ہندوستان میں مصر اور شام کی طرح یہ دستور نہیں ہی۔ کہ امیر اور حاکم اپنے طور پر فوج رکھیں بلکہ یہاں کُل فوج شاہی خزانہ سے تنخواہ پاتی تھی۔ خان یا ملک یا امیر کی تنخواہ ذاتی ہوتی تھی۔ خان کے ماتحت دس ہزار۔ اور ملک کے ماتحت ایک ہزار۔ امیر کے پاس سو لنفر اور سپہ سالاروں کے ماتحت اس سے بھی کم ہوتی تھی۔ خان کو تنخواہ میں دو لاکھ تنکہ کی جاگیر دی جاتی تھی (ایک تنکہ آٹھ درم کا ہوتا ہی۔) ملک کی جاگیر پچاس ہزار سے ساٹھ ہزار تک۔ امیر کی تیس ہزار سے چالیس ہزار تک۔ اور سپہ سالار کی بیس ہزار۔ اِس تنخواہ میں سے اُن کو فوج کو کچھ دینا نہیں پڑتا تھا اس کے علاوہ کھانے اور کپڑے اور گھوڑے کے دانہ چارہ کا خرچ خزانہ شاہی سے ملتا تھا سوا خان اور ملک اور امیر۔ اور سپہ سالار کے باقی فوج کو نقد تنخواہ ملتی تھی

عید کا دربار عید کے دن تمام دیوان خانہ فرش و فروش سے سجایا جاتا تھا۔ اور طرح طرح کا تکلف اور انواع و اقسام کی آراستگی کی جاتی تھی۔ اور دیوان خانے کے صحن میں بارگاہ کھڑی کرتے ہیں۔ جو ایک بہت بڑا عالی شان خیمہ ہوتا ہی۔ اور بڑے بڑے ستونوں پر کھڑا کیا جاتا ہی۔ اور اُس کے چاروں طرف اور خیمے ہوتے ہیں۔ اور ریشم کے سرا پردے۔ جن میں رنگ برنگ کے بیل بوٹے پڑے ہوتے ہیں لٹکائے جاتے ہیں۔ اور مصنوعی پھولدار درختوں کی تین قطاریں دیوان خانے میں لگاتے ہیں۔ دو درختوں کے درمیان ایک چوکی رکھی جاتی ہی۔ جس پر مسند بچھی ہوتی ہی۔ دیوان خانے کے صدر میں ایک بڑا تخت بچھایا جاتا ہی۔ جو بالکل

سونے کا ہے۔ اور اُس پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اِس کا طول (۳۲) اور
عرض (۲۰) بالشت ہے۔ اِس ترکیب کا بنا ہوا ہے۔ کہ ٹکڑے ٹکڑے الگ ہو
جاتے ہیں۔ اِس پر ایک زرنگار کرسی بچھائی جاتی ہے۔ اور چھتر لگایا جاتا ہے جب
بادشاہ تخت پر قدم دھرتا ہے۔ تو نقیب اور حاجب بہ آواز بلند بسم اللہ
کہتے ہیں۔ پھر سلام شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے قاضی اور خطیب۔ عالم
سیّد اور مشائخ۔ بادشاہ کے بھائی بند شاہزادے مرشدزادے آگے
بڑھتے ہیں اُن کے بعد پردیسی پھر وزیر۔ پھر فوج کے بڑے بڑے
افسر۔ پھر بوڑھے بوڑھے غلام پھر فوج کے سردار پیش ہوتے ہیں۔
اور آداب بجا لاکر اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ عید کے دن امرا و جاگیرداران
و منصب داران وغیرہ نذر بھی دیتے ہیں۔ جاگیردار لوگ اپنے اپنے علاقے
سے کچھ اشرفیاں لاتے ہیں۔ جن کو وہ رومال میں باندھ کر۔ اوپر اپنے
نام کی چھٹی لگا کر پیش کرتے ہیں۔ بادشاہ اُن کو چھو دیتا ہے۔ اور وہ طشت
طلائی میں جو اسی غرض سے رکھا رہتا ہے۔ ڈال دی جاتی ہے۔ اور اِس طرح بہت
سارا روپیہ جمع ہو جاتا ہے۔ اُس میں سے بادشاہ جس کو چاہتا ہے۔ سرفراز فرماتا
ہے۔ سلام اور نذروں کے بعد کھانا آتا ہے۔ عید کے دن بڑی انگیٹھی[۱] بھی باہر
نکالتے ہیں۔ وہ خالص سونے کی انگیٹھی کا ہے کو ہے ایک خاصہ برج کا برج بنا
ہوا ہے۔ اِس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اِس میں تین خانے
ہیں۔ اُن میں فراش داخل ہو کر۔ عود۔ عنبر۔ اور بخور جلاتے ہیں۔ اُس
کی خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک اُٹھتا ہے۔ غلاموں کے ہاتھوں میں
سونے اور چاندی کے گلاب پاش ہوتے ہیں۔ جس سے وہ گلاب اور
عطر لوگوں پر چھڑکتے اور قرابے کے قرابے لنڈھاتے ہیں۔ یہ بڑا تخت اور
مجمر طلائی صرف عیدین کی تقاریب میں نکالی جاتی ہیں۔ ورنہ معمولی دنوں میں جلوس

---

[۱] بدر چاچ نے اپنے ایک قصیدے میں جو جشن کی تعریف میں لکھا ہے۔ اِس طلائی انگیٹھی کا ذکر کیا ہے:-

زاں چار گوشہ مجمر زریں میان صحن — کز بوئے او مشام ملائک معطر است
دودش سواد دیدۂ حوران جنت است — عطرش بخار غالیہ حوض کوثر است ۔ ۱۲

کے لیئے ایک اور زرین تخت ہو۔ یہ جلوس بارگہ میں ہوتا ہی۔ بارگہ کے تین دروازے ہوتے ہیں۔ اول دروازے پر عماد الملک سر تیز کھڑا ہوتا ہی۔ دوسرے پر ملک نکبہ اور تیسرے پر یوسف بغرا اور دائیں بائیں دوسرے امرار کھڑے رہتے ہیں۔ باقی لوگ اپنی اپنی جگہ مؤدب کھڑے رہتے ہیں۔ بارگاہ کا کوتوال ملک طغی ہو۔ اُس کے ہاتھ میں سونے کا اور اُس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کا عصا ہوتا ہی۔ یہ دونوں اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ قرینے سے بٹھاتے ہیں۔ اور صفوں کو سیدھا کرتے ہیں۔ وزیر اور کاتب اُس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ حاجب۔ نقیب اور چوبدار بھی اپنی اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں۔ اِس کے بعد ارباب نشاط طوائف وغیرہ گانے بجانے والے آتے ہیں۔ اُن کے مجرے ہوتے ہیں۔ پھر راجاؤں کی بیٹیاں آتی ہیں۔ جو لڑائی میں پکڑی گئی ہوں۔ اُن کا گانا بجانا اور ناچ ہوتا ہی۔ اُن کو بادشاہ اپنے قرابت داروں اور شہزادوں میں تقسیم کرتا ہی۔ یہ جلوس عصر کے وقت ہوتا ہی۔ اِس کے دوسرے دن کا جلوس عصر کے بعد اِسی ترتیب سے ہوتا ہی۔ عید کے تیسرے دن بادشاہ کے رشتہ داروں کے نکاح ہوتے ہیں۔ اور ساتویں دن خیرات تقسیم ہوتی ہی۔

سفر سے واپسی کے وقت بادشاہ کا جلوس

جب بادشاہ سفر سے واپس آتا ہی۔ تو ہاتھیوں کو آراستہ کیا جاتا ہی۔ اور سولہ ہاتھیوں پر زرین اور جڑاؤ چھتر لگائے جاتے ہیں۔ اور آگے آگے جھنڈے۔ اور پھریرے رہتے ہیں۔ اِن میں بھی جواہرات جڑے ہوتے ہیں۔ لکڑی کے بڑے بڑے برج بناتے ہیں۔ جن کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ ریشم کا

لے ابوالفضل لکھتا ہو۔ کہ بڑی بارگاہ کے نیچے دس ہزار کے قریب آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اور اُس کو ایک ہزار فراش سات دن میں کھڑا کرتے ہیں۔ سادہ بارگہ کے بنانے میں کم سے کم دس ہزار روپیہ لاگت آتی ہو۔ اگر زربفت یا مخمل لگائیں۔ اور طلاکاری کام کریں تو پھر اُس کی کوئی حد نہیں۔ ۱۲

کپڑا اُن پر منڈھا ہوا ہوتا ہے - ہر ایک درجے میں حسین حسین لونڈیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیورات پہن کر بیٹھتی ہیں - ہر ایک برج میں چمڑے کا ایک حوض ہوتا ہے - جس میں گلاب کا شربت ہوتا ہے - یہ لونڈیاں ہر شخص کو خواہ شہری ہو یا مسافر شربت پلاتی ہیں - اور پان کی گلوری بھی دیتی ہیں شہر سے شاہی محل پر تمام رستے پر دونوں طرف کی دیواریں ریشمی کپڑوں سے منڈھی جاتی ہیں - اور رستے کے بیچ میں ریشمی کپڑے کا فرش ہوتا ہے جس پر بادشاہ کا گھوڑا چلتا ہے - اور بادشاہ کے آگے ہزاروں غلام ہوتے ہیں - اور فوج پیچھے ہوتی ہے - ہاتھیوں پر تین تین یا چار چار چھوٹی چھوٹی منجنیقیں چڑھا دیتے ہیں - جن کے ذریعے سے درہم و دینار کی بکھیر شہر کے دروازے سے محل شاہی تک برابر ہوتی رہتی ہے -

خاصہ کا دسترخوان

بادشاہ کے محل میں دو طرح کا کھانا ہوتا ہے ایک خاص دوسرا عام - خاص وہ ہے جو بادشاہ خود تناول فرماتے ہیں - اور اُس میں خاص خاص امراء اور بادشاہ کا چچا زاد بھائی - فیروز اور عماد الملک سرتیز اور میر مجلس یا پردیسیوں میں سے کوئی شخص جس پر بادشاہ کو خاص مہربانی کرنی منظور ہو شامل ہوتے ہیں اور بعض وقت جب حاضرین میں سے بھی خاص کر کسی پر مہربانی کرنی منظور

۱؎ فرشتہ لکھتا ہے کہ جب سلطان محمد بن تغلق اپنے باپ کے مرنے کے چالیس دن بعد تغلق آباد سے دہلی کے شہر میں داخل ہوا "در شہر کوس شادی زدند و قبہا بستند و بازارہا و کوچہا آراستند و در آں روز تنکہ ہائے سرخ و سفید بر فیلاں بار کردہ در اثنائے عبور سلطان از پیش و پس در کوچہ و بازار و پشت بامہا بر مردم پاشیدند" سلطان علاء الدین حسن گانگوئی بہمنی کے بیٹے کی شادی کے بیان میں فرشتہ لکھتا ہے کہ "در حسن آباد گلبرگہ چند جا منجنیق ہا نصب کردند و انواع تنقلات و حبوبات کہ متعارف ہندوستان است بر آں گذاشتہ بر مردم می پاشیدند - ۱۲

ہوتی ہی۔ تو بادشاہ کچھ اپنا آتش مرحمت فرماتے ہیں وہ فوراً اٹھکر آداب بجالاتا ہی۔ کبھی کبھی اِس خاصے میں سے کسی شخص کو خاصہ بھجوایا بھی جاتا ہی۔ وہ بھی اِس کی تعظیم و تکریم ویسی ہی کرتا ہی۔ جیسے کہ شخص حاضر اور اُس کے پاس جتنے لوگ ہوتے ہیں۔ اُن سب کو ساتھ لے کر وہ شاہی خاصے کو کھاتا ہی۔

عام دسترخوان

یہ کھانا شاہی مطبخ سے جب آتے ہیں۔ تو اُس کے آگے آگے نقیب ہوتے ہیں۔ جو بسم اللہ کہتے جاتے ہیں۔ اور اُن سب سے آگے نقیب النقبا ہوتا ہو اُس کے ہاتھ میں طلائی موٹھ کا عصا ہوتا ہی۔ اور اُس کے نائب کے ہاتھ میں نقرئی۔ جب وہ چوتھے دروازے میں داخل ہوتے ہیں۔ اور دیوان خانے میں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ وہ اُن کی آواز سنتے ہیں۔ تو سب کے سب تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور سوائے بادشاہ کے اور کوئی بیٹھا نہیں رہتا کھانا فرش پر رکھکر نقیب صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا سردار سب سے آگے کھڑے ہوکر بادشاہ کی نسبت تعریفی کلمات کہکر زمین بوس ہوتا ہی۔ اور اُس کے ساتھ کُل نقیب اور حاضرین زمین بوس ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی دستور ہی۔ کہ جب ایسا موقع ہوتا ہی۔ اور نقیب کی آواز سنائی دے جائے۔ تو راہ چلتا بھی وہیں جم جاتا ہی۔ اور جب تک نقیب تعریف ختم نہیں کر لیتا۔ حس و حرکت کرنا یا بولنا داخل سوء ادبی ہی۔ پھر اِسی طرح اُس کا نائب تعریف کرتا ہی۔ اور پھر سب حاضرین زمین بوس ہوتے ہیں۔ اُس کے بعد بیٹھ جاتے ہیں۔ اور متصدی سب حاضرین کے نام لکھکر کسی شاہزادے کے ذریعے سے بادشاہ کے ملاحظہ میں گزرانتا ہی۔ جس کو دیکھکر بادشاہ حکم دیتا ہی کہ فلاں امیر آج کھانا کھلا دے۔ کھانے میں بھنا ہوا گوشت۔ چپاتیاں۔ چانول۔ مرغ۔ سموسہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ دسترخوان کے صدر میں قاضی۔ خطیب۔ فقیہ۔ سید۔ اور مشایخ ہوتے ہیں۔ اُن کے بعد بادشاہ کے عزیز قریب اور پھر امرا ترتیب وار اپنی اپنی مقررہ جگے پر بیٹھتے ہیں۔ اور اس لئے کچھ گڑبڑ نہیں ہوتی۔ جب سب لوگ اپنے اپنے

ٹھکانے سر جا بیٹھتے ہیں۔ تو شراب دار سونے چاندی۔ تانبے کانچ کے پیالوں میں شربت لاکر کھانے سے پہلے پلاتے ہیں۔ پھر حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ اور کھانا شروع ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے سامنے سب طرح کے کھانے اور ایک ایک خالی رکابی ہوتی ہے۔ اُس میں نکال نکال کر کھاتے ہیں دو آدمی ملکر ایک رکابی میں کھانے کا دستور نہیں ہے۔ کھانے کے بعد فقّاع۔ یعنی نبیذ قلعی دار پیالوں میں لاتے اور سب کو پلاتے ہیں۔ اس کے بعد پان چھالیا تقسیم ہونی شروع ہوتی ہے۔ ہر ایک آدمی کو لپ بھر چھالیہ اور پندرہ پان کا بیڑہ دیتے ہیں۔ جس پر لال ریشم کا کلاوہ بندھا ہوتا ہے۔ پان سے چکنے کے بعد پھر حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ یعنی برخاست اور سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جو امیر کھلانے پر مقرر ہوتا ہے۔ وہ زمین بوس کرتا ہے۔ اور اِس کے ساتھ سب حاضرین زمین بوسی کرتے ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ پر چلے جاتے ہیں۔ دن میں دو مرتبہ کھانا ہوتا ہے۔ ایک تو ظہر سے پہلے اور دوسرا عصر کے بعد۔ مسالک الابصار کے مصنف نے شیخ مبارک کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ بادشاہ روزانہ دو دفعہ اجلاس کرتا ہے۔ ایک صبح دوسرا شام۔ اجلاس کے ختم ہونے پر عام دسترخوان بچھایا جاتا ہے۔ جس پر بیس ہزار کے قریب آدمی کھانا کھاتے ہیں۔ بادشاہ کے ساتھ خاصہ کے دسترخوان پر کوئی دو سو آدمی جو امرار۔ اور علمار و فضلار غرض بڑے بڑے ذی مرتبہ اصحاب ہوتے ہیں۔ وہ کھاتے ہیں۔ اور اُس وقت اکثر علمی گفتگو ہوتی ہے۔ شیخ ابوبکر بن خلال بزّی کی زبانی اِسی مصنف نے لکھا ہے۔ کہ میں نے داروغۂ مطبخ سے دریافت کیا۔ تو اُس نے کہا کہ باورچی خانے کے لیئے ڈہائی ہزار بیل اور دو ہزار بھیڑ بکریاں ہر روز ذبح ہوتے ہیں۔

بادشاہ کی سخاوت بادشاہ کی سخاوت کچھ ایسی ویسی نہ تھی۔ سارے ملک میں اُس کے ڈنکے بج گئے تھے۔ ہندوستان تو ہندوستان۔ یمن۔ خراسان۔ اور فارس تک کے لوگ بھی بادشاہ کی دریا دلی سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ پردیسیوں پر اُس کی مہربانی

ملکوں ملکوں مشہور تھی اور اہل ہند پر اُن کو ترجیح دیتا تھا۔ اُن کو بڑے بڑے عہدے جاگیریں اور انعامات دیتا تھا۔ اُس کا حکم تھا۔ کہ پردیسیوں کو کوئی غریب (پردیسی) نہ کہے۔ بلکہ عزیز کہیں۔ کیوں کہ کسی غریب الوطن کو پردیسی کہنا۔ اُس کی دل شکنی کرنا ہو۔ فرشتہ لکھتا ہی "سخاوتے داشت کہ گنج بدرویشن دادے وآں را حقیر پنداشتے وبخشش مدۃ العمر معن و حاتم کمترین عطائے یک روزہ او بودے وبہ ہنگام بذل و ایثار غنی وفقیر وآشنا وبیگانہ در نظر ہمتش یکساں نمودے... ودربار شاہی او من۔ اولہ الی آخرہ عظما وکبرا وہنروران دکشتی شکستگان با مید عواطف و مراحم او از عراق وخراسان وماوراء النہر وترکستان وروم وعربستان بہ ہندوستان می آمدند وزیادہ از انچہ تصور کردہ بودند نوازشہا می یافتند"

شہاب الدین تاجر گازرونی کو بخشش

گازرون[1] شیراز کے پاس ایک شہر ہی۔ وہاں کا ایک ملک التجار پرویز نام تھا۔ اور شہاب الدین اُس کا ایک دوست تھا۔ ملک پرویز کی جاگیر میں بادشاہ سے کھمبایت کا شہر دیا تھا۔ اور اُس سے وعدہ تھا۔ کہ اُس کو وزارت کا عہدہ دے گا۔ اُس نے اپنے دوست

[1] اِس شہر کے متعلق تزک جہانگیری میں یہ لکھا ہو۔ کہ "از بندرہائے قدیم ست بقول برہمنان چندیں ہزار سال از بنائے ایں گزشتہ در ابتدا نامش ترنباوتی بودہ راجہ ترنبیک کمار حکومت ایں ملک داشتہ چوں نوبت ریاست بہ راجہ ابھے کمار کہ از نبائیرِ او بود می رسد بہ قضائے آسمانی بلائے دریں شہر نازل می شود چنداں گرد وخاک می ریزد کہ تمام منازل وعمارات شہر در زیر ایں خاک پنہاں می گردد پیش از نزول بلا بتے (مہادیو کی مورتی جو لکڑی کے ستون میں جڑی ہوتی تھی) کہ راجہ آں را پرستش می کرد بخوابش آمدہ ازیں حادثہ آگاہ می سازد و راجہ بعیال خود بجہازے درمی آید وآں بت را با خود ہمراہ می برد۔ قضارا جہاز ہم از طوفان بلا می شکند چون مدت حیات راجہ باقی بود۔ بمدد آں ستون کشتی وجودش بہ ساحل سلامت می رسد۔ وباز ارادۂ تعمیر ایں شہر می نماید وایں ستون را جہت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

شہاب الدین کو بلا بھیجا۔ اور جب وہ آیا تو اُس کو حکم دیا کہ بادشاہ کے لیئے نذر طیار کرے اُس نے نذر کے لیئے ایک سراچہ یعنی ڈیڑہ مشجر کا بنوایا۔ جس پر زرین بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اور جس کا صیوان (سائبان) بھی زربفت اور مشجر کا تھا۔ اور ایک خیمہ تھا۔ مع قنات وغیرہ کے اور ایک آرامگہ تھی۔ یہ سب چیزیں مشجر اور کمخواب کی بنی ہوئی تھیں۔ اور بہت سے خچر بھی تھے۔ جب شہاب الدین یہ سب چیزیں اپنے دوست ملک التجار کے پاس لایا۔ تو وہ بھی خراج اور نذر لے کر چلنے کو طیار بیٹھا تھا۔ بادشاہ کے وزیر خواجہ جہاں کو معلوم تھا۔ کہ بادشاہ نے اُس کو وزارت دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اور یہ بات اُس کو نہایت ناگوار گذرتی تھی۔ چونکہ اس سے پہلے کھمبایت اور گجرات اسی کی جاگیر تھی۔ وہاں کے باشندے اس سے پہلے ہی سے مانوس تھے۔ اُس میں سے اکثر ہندو تھے۔ اور بعض بادشاہ سے برگشتہ بھی تھے۔ خواجہ جہاں نے اُن میں سے کسی کو اشارہ دیا کہ ملک التجار سے ملنے۔ جب ملک التجار نذر لے کر دربار کی طرف روانہ ہوا تو ایک روز چاشت کے وقت کسی منزل میں اُترے۔ اور تمام لشکر اپنی اپنی

تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ۔ علامت آبادانی و فراہم آمدن مردم نصب می کنند۔ اں بزبان ہندی ستون را کھبہ و استخشب ہر دو می گویند ایں سبب استخشب نگری و کھنبانی می گویند و کھنباونی بہ کثرت استعمال کھنبایت شد۔ جہاز در خور اکھاڑی کھمبایت نمی آید در بندر گوگہ نزدیک کھمبایت است و نزدیک بہ دریا واقع شدہ لنگر می کنند و از اں جا اسباب را بجراب با (کشتی ہائے سبک) انداختہ در کھمبایت می آرند۔ مسعودی نے بھی اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ سنہ ۱۲۹۷ء میں جب مسلمانوں نے نہروالہ کے راجہ کو فتح کیا۔ تو یہ شہر اُس ریاست میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اس سے پہلے۔ اس شہر میں پارسیوں کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی۔ کہ اُنھوں نے شہر پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ جب ساتویں صدی عیسوی کے آخیر میں پارسی ایران سے ہندوستان میں آئے تو وہ سنجم میں پونہچے۔ جو سورت سے (۲۰) میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہاں کے راجہ نے اُن کو اس شرط پر اس ملک میں آباد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ضروریات میں اِدھر اُدھر بٹ گئے۔ اور اکثر تھکے ماندے سوتے۔ پڑ کر سو گئے تو اُس وقت ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت اُن پر آ پڑی۔ ملک التجار کا مال اسباب سب لوٹ لیا۔ اور خزانہ اور نذر بھی لوٹ لاٹ کر اُس کو تو جان سے مار ڈالا۔ مگر شہاب الدین کی زندگی تھی۔ بچ گیا۔ گو کہ مال اسباب تلف ہو گیا۔ اخبار نویسوں نے فوراً بادشاہ کے پاس پرچہ دوڑایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ نہر والہ کے خراج سے تیس ہزار دینار شہاب الدین کو دیئے جائیں۔ اور وہ اپنے ملک کو واپس چلا جائے۔ شہاب الدین سے جب یہ کہا گیا تو اُس نے کہا میں بادشاہ کی زیارت کے لیئے جاتا ہوں اور اُس کی دہلیز کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ بادشاہ کو اس کی بھی اطلاع دی گئی۔ تو بادشاہ اس کی اظہار عقیدت سے بہت خوش ہوا۔ اور اجازت دی کہ شہاب الدین دارالخلافہ کی طرف چلا آئے۔ جب شہاب الدین بارباب ہوا تو بادشاہ نے اُسے خلعت اور بہت کچھ دیا۔ دوسرے دن بادشاہ نے دریافت کیا کہ شہاب الدین کہاں ہے۔ بہار الدین فلکی نے کہا کہ اخوند عالم نمی دانم۔ لیکن پھر کہا زحمت دارد۔ بادشاہ نے فرمایا فوراً ...... خزانہ یک لک تنکہ بگیری پیش او ببری تا دل او خوش شود۔ چنانچہ بہار الدین نے حکم شاہی کی تعمیل کی۔ بادشاہ نے اُس کو حکم دیا کہ جو کچھ اسباب ہندوستان کا بنا ہوا وہ خریدنا چاہتا ہے۔ خریدے اور ...... تک اُس کی خرید جاری رہے تو اور کوئی شخص نہ خریدے اور یہ بھی حکم دیا کہ اُس کو تین جہاز مع اسباب اور زاد راہ کے دیئے جائیں۔

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے ہونے کی اجازت دی کہ وہ گجراتی زبان بولیں اور گائے کھانا چھوڑ دیں۔ وہاں سے رفتہ رفتہ پارسی گجرات کے تمام ساحل پر پھیل گئے۔ اب یہ شہر انگریزی نواب کے ماتحت ہے۔ جو مومن خاں صوبہ دار گجرات کی اولاد سے ہیں کھمبایت کے نوابوں نے مرہٹوں کو کبھی خراج نہیں دیا۔ حالانکہ کل گجرات کو مرہٹہ سرداروں نے تقسیم کر لیا تھا۔ اب یہ شہر ...... کہلاتا ہے۔ اور مئو کی چھاونی سے (۲۰۲) میل اور احمد آباد گجرات سے (۵۰) میل ہے۔ آبادی چالیس ہزار کے قریب ہے۔ اس شہر کی جامع مسجد سلطان محمد تغلق ...... بقیہ نوٹ ...... آئندہ۔

شیخ رکن الدین کو بخشش

بادشاہ نے خلیفہ ابو العباس کے پاس ملک میں تحفے بھیج کر خلیفہ سے درخواست کی تھی۔ کہ اُسے ہندوستان اور سندھ پر حکم رانی کرنے کا اجازت نامہ بخش جائے۔ اور یہ درخواست فقط اعتقاداً تھی۔ خلیفہ نے ایک اجازت نامہ شیخ الشیوخ رکن الدین کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب شیخ صاحب دہلی پہنچے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے زمانے کی بنی ہوئی اب تک موجود ہے۔ مارکوپولو نے بھی اِس شہر کا ذکر کیا ہے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ اِس خیال سے کہ آل عباس خلفائے برحق ہیں۔ اور جو کوئی بلا اُن کی اجازت کے سلطنت کرتا ہے۔ اُس کی متابعت مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔ اکثر بادشاہ ایران اور ترکستان کے خلفائے بغداد سے سند حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ محمود غزنوی نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے یہ سند اور یمین الدولہ ولی امیر المومنین کا خطاب حاصل کیا اُن دنوں میں خلفائے عباسیہ کی سلطنت برائے نام تھی۔ اور وہ اِسی کو غنیمت سمجھتے تھے اور یہ خیال کر کے کہ بغیر اُن کی اجازت کے کوئی شخص مسلمانوں پر سلطنت نہ کرے۔ اکثر اجازت دے دیتے تھے۔ سلاطین غزنی اور غور میں سے اکثر ایسا کرتے تھے۔ کہ سکّہ پر بھی ایک طرف خلیفۂ وقت کا نام لکھواتے تھے۔ اور اِن میں سے اکثر اگرچہ کوئی باضابطہ اجازت حاصل نہیں کرتے تھے۔ لیکن اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ ناصر امیر المومنین یا ولی امیر المومنین کا جملہ ضرور تحریر کرتے تھے۔ امیر المومنین خلیفۂ عباسی موجودہ وقت سے مراد ہوتی تھی۔ چنانچہ قطب صاحب کی لاٹ پر "مظہر کلمۃ اللہ العلیا ابو المظفر محمد بن سام قسیم امیر المومنین۔ خلد اللہ ملکہ" اور مسجد قوت الاسلام کے دروازے کے کتبہ پر "معز الدنیا والدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین" اور سلطان معز الدین غوری کی دینار پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الناصر الدین اللہ امیر المومنین۔ اور التمش کے ایک سکّے پر ایک طرف "فی عہد الامام المستنصر امیر المومنین" اور ناصر الدین محمود بن التمش کے ایک سکّے پر بھی عبارت اور رضیہ سلطان کے سکّے پر بھی ایک رُخ پر یہی عبارت درج ہے۔ یہاں تک کہ بغداد کا آخری خلیفہ المستعصم باللہ ۶۵۶ھ میں قتل بھی ہو گیا۔ اور خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ تو بھی ۶۶۲ھ کے سکّوں میں جو غیاث الدین بلبن کے وقت میں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تو بادشاہ نے اُن کے خیر مقدم اور خاطر تواضع کا بڑا اہتمام کیا۔ اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور جب وہ بادشاہ کے پاس آتے تھے۔ تو بادشاہ تعظیم کے لیئے سرو قد کھڑا ہو جاتا تھا۔ جو اُس کو بطور بخشش کے دیا۔ اُس کا تو کوئی حد و حساب نہیں ازاں جملہ گھوڑے کا تمام ساز و سامان یہاں تک کہ میخیں بھی سونے کی تھیں۔ اور بادشاہ کا حکم تھا کہ جب تم جہاز سے اُترو تو اپنے گھوڑے کے سونے کے نعل لگوا لینا۔ شیخ صاحب کھمبایت

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے مضروب ہوئے الامام امیر المومنین درج ہوتا رہا یہ محض خوش اعتقادی کی وجہ سے ہوگا۔ ورنہ خلیفہ کے مارے جانے کی خبر ایسی نہیں کہ پوشیدہ رہ سکتی گڑھ مکتیسر کی مسجد کے کتبے ہیں جو سلطان غیاث الدین کے وقت میں طیار ہوئی تھی یہ غیاث الدنیا والدین ابو المظفر بلبن۔ السلطان ناصر امیر المومنین ۶۸۲ھ درج ہے۔ بلکہ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے وقت میں جو سکّے مضروب ہوئے یعنی ۶۹۱ھ تک ایک رُخ پر " الامام المستعصم امیر المومنین " لکھتے رہے۔ اور یہی حال ۶۹۵ھ تک رہا۔

علاءالدین خلجی کے سکّوں پر سکندر ثانی یمین الخلافۃ امیر المومنین ۷۱۴ھ " لکھا جاتا تھا۔ لیکن اُس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ خود ہی امام اور امیر المومنین بن بیٹھا چنانچہ اُس کے سکّے کی ایک طرف " الامام الاعظم خلیفۃ رب العالمین قطب الدنیا والدین ابو المظفر مبارک شاہ " اور دوسری طرف " السلطان ابن السلطان الواثق باللہ امیر المومنین ۷۱۸ھ " درج ہے۔ خسرو نو مسلم اپنے سکّوں پر " ولی امیر المومنین " اور سلطان غیاث الدین تغلق " ناصر امیر المومنین " لکھتے رہے۔ اور بنگالے کے بادشاہ ۷۴۰ھ تک " الامام المستعصم امیر المومنین " لکھتے رہے۔ سلطان محمد تغلق نے ۷۴۱ھ تک اپنے سکّوں میں نہ تو کسی خلیفہ کا نام لکھا۔ اور نہ اپنے آپ کو ناصر امیر المومنین لکھا۔ سرگرداری کے قیام کے زمانے میں شاید عراق و شام و مصر کے لوگوں کی صحبت کے اثر سے اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اجازت کے بغیر بادشاہت کرنا تغلب میں داخل ہے۔ اُس نے ۷۴۱ھ میں غائبانہ خلیفہ کے نام پر بیعت کر کے ... نام کے

بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ

کی طرف چلے کہ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر اپنے وطن کو واپس جائیں۔ ‏۔۔۔ میں قاضی جلال الدین نے بغاوت کی۔ اور ابوالکولمی اور شیخ دونوں کو لوٹ لیا۔ شیخ صاحب اپنی جان لے کر پھر بادشاہ کے دربار میں پوہنچے۔ بادشاہ اُن کو دیکھ کر ہنسا۔ اور مذاقاً یہ کہا "آمدی کہ زر بہبری و باصنم دل ربا خوری زر نبری و سر نہی" پھر کہا خاطر جمع رکھو میں دشمنوں پر چڑھائی کرتا ہوں اور جو کچھ اُنھوں نے تم سے لیا ہی۔ اُس سے دو چند سہ چند تم کو دوں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ دیا۔

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ بجائے سے شروع کر دیا۔ اور خلیفہ کے پاس ایک عرضداشت بھیجی۔ سنہ ۷۴۱ھ میں بھی خلیفہ المستکفی باللہ مر چکا تھا۔ لیکن ہندوستان میں اُس کے مرنے کی خبر اُس وقت تک نہیں پوہنچی۔ جب تک خلیفہ کا قاصد سعید صرصری ۷۴۴ھ میں خلیفہ کا اجازت نامہ لے کر آیا۔ لیکن محمد تغلق ۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴ھ کے سکوں میں المستکفی باللہ کا نام لکھتا رہا۔ جس وقت قاصد پوہنچا تو المستکفی باللہ کے بعد ابراہیم واثق باللہ ایک سال خلیفہ رہ کر اُس کی بجائے ابوالعباس احمد الحاکم بامر اللہ ۷۴۱ھ میں خلیفہ مقرر ہو چکا تھا۔ لیکن ہندوستان میں اُس کے تقرر کی خبر نہ پوہنچی تھی۔ حاجی سعید کے آنے کے بعد بادشاہ نے حاجی رجب کو پھر خلیفہ کے پاس بھیجا۔ ضیاء برنی نے حاجی سعید کے آنے کی تاریخ ۷۴۴ھ لکھی ہی۔ اور یہ لکھا ہی کہ دو سال بعد حاجی رجب اور شیخ رکن الدین آئے۔ بدر چاچ سے اس تاریخ کی صحت کی تائید ہوتی ہی۔ وہ کہتا ہی۔ ؎

ہم بتاریخے کہ ۷۴۴ھ از سال ہفصد شد فزوں ‏ ‏ ‏ زیں سفر ماہِ محرم سابق شعباں (یعنی رجب) رسید

فرشتہ نے حاجی سعید صرصری اور حاجی رجب کے آنے کا مفصل حال لکھا ہی لیکن ابن بطوطہ نے حاجی سعید کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ کہ اُس زمانے میں وہ جزائر مالدیپ میں تھا۔ اور شیخ رکن الدین کا حال اُسنے یا تو چین جانے سے پہلے معبر میں سنا ہوگا یا چین سے واپس آکر عرب یا شام میں سُنا ہوگا۔ یہ دونوں واقعات اُس کے سامنے کے نہیں۔

معلوم ہوتا ہی کہ فیروز شاہ نے بھی اِس قسم کی اجازت حاصل کی تھی۔ چنانچہ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

واعظ ترمذی کو بخشش

ناصر الدین ترمذی واعظ بادشاہ کی خدمت میں سلام کے لیئے اپنے وطن سے آیا۔ مدت تک دار الخلافہ میں بادشاہ کی خدمت میں رہا۔ آخر اُس نے وطن کی واپسی کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اجازت بھی دے دی۔ مگر وعظ سننے کی نوبت نہ آئی۔ مگر پھر کچھ خیال آگیا۔ اور بادشاہ نے اول وعظ سننے کا ارادہ کیا۔ اور حکم دیا کہ صندل مقاصری کا ایک منبر طیار کیا جائے۔ اُس کی کیلیں اور پتیاں سونے کی بنوا لیں۔ اور منبر پر ایک بڑا یاقوت بھی لگوایا۔ ناصر الدین کو ایک خلعت عباسی سیاہ رنگ زرین و مرصع اور ایک عمامہ بھیجا۔ بارگاہ میں بادشاہ تخت پر بیٹھا۔ اور دائیں بائیں خواص اور قاضی اور مولوی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ واعظ نے ایک خطبہ فصیح و بلیغ عبارت میں پڑھا۔ اور اُس کے بعد وعظ کہا گو وعظ کچھ بہت مفید نہ تھا۔ مگر تقریر اچھی تھی۔ جب واعظ منبر سے اُترا۔ بادشاہ اُس کی طرف بڑھا۔ اور گلے سے لگا لیا۔ اور ہاتھی پر سوار کرایا۔ اور سب کو حکم دیا کہ اِس کے آگے پیدل چلیں۔ واعظ کو سراچہ یعنی خیمے میں لے گئے۔ جو اُس کے واسطے کھڑا کیا گیا تھا۔ اور بادشاہ کے خیمے کے سامنے ہی تھا۔ یہ خیمہ رنگ برنگ کے ریشمین کپڑوں کا تھا۔ اُس کی قناتیں اور رسیاں بھی ریشم کی تھیں۔ خیمے کے ایک طرف سونے کے برتن سجائے ہوئے تھے۔ جو بادشاہ نے سارے کے سارے واعظ کو دے دیئے۔ اُن میں ایک تنور بھی تھا اتنا بڑا کہ ایک آدمی اُس میں اچھی طرح بیٹھ سکتا تھا۔ اور دو دیگیں بھی تھیں۔ ٹی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ} فتوحات فیروز شاہی میں درج ہے۔ کہ خلیفہ نے اُس کو اجازت اور سید السلاطین کا خطاب۔ ایک خلعت۔ علم۔ شمشیر۔ انگشتری۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کا نشان بھیجا تھا۔ یہ قدم شریف اب شہزادے فتح خاں کی قبر کے اوپر لگا ہوا ہے۔ اور یہ مکان شہر کے باہر اجمیری دروازے سے تھوڑی دور پر قدم شریف کی بستی میں موجود ہے۔ ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں بارہ وفات کے موقع پر وہاں [illegible] میلہ ہوتا ہے پنکھے چڑھتے ہیں۔ یہ قدم شریف [illegible] میں آیا تھا۔ نوٹ [illegible]

رکابیاں - آبخورے - ایک لوٹا - ایک تھی سندہ - اور ایک خوان چارپاؤ ے والا - اور ایک کتابوں کا صندوق - یہ سب سونے کی چیزیں تھیں - عماد الدین سمتانی نے خیمے کی دو میخیں اُکھاڑ کر دیکھیں اُن میں سے ایک پیتل کی تھی اور دوسری تانبے کی قلعی دار - دیکھنے میں ایسا معلوم دیتا تھا کہ سونے اور چاندی کی ہیں - جس وقت یہ واعظ شروع شروع آیا تھا - تو بادشاہ نے اُسے ایک لاکھ دینار دیئے تھے - اور دو سو غلام جن میں سے کچھ تو اُس نے چھوڑ دیئے اور کچھ رکھ لیئے -

اور بخششوں کا مجمل ذکر

(۱) عبدالعزیز اردبیلی فقیہ اور محدث تھا - دمشق میں اُس نے تقی الدین ابن تیمیہ - اور برہان الدین ابن البرکح جمال الدین مزی شمس الدین ذہبی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی تھی - پھر اُس نے بادشاہ کی ملازمت کرلی - بادشاہ نے اِس کی بہت خاطر تواضع کی - ایک روز اتفاق سے اُس نے حضرت عباس اور اُن کی اولاد کے فضائل میں کچھ حدیثیں بیان کیں - اور کچھ خلفائے بنی عباس کا ذکر کیا - بادشاہ بنی عباس سے محبت رکھتا تھا - وہ حدیثیں بہت پسند آئیں - بادشاہ نے عبدالعزیز کی قدم بوسی کی - اور سونے کی تھالی میں دو ہزار اشرفیاں رکھ فقیہ کو دے دیں -

(۲) فقیہ شمس الدین اندگانی - ایک حکیم اور شاعر تھا - اُس نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ پڑھا - جس کے ستائیس شعر تھے - بادشاہ نے ہر ایک بیت پر ہزار دینار دیئے - زیادہ سے زیادہ ایسی عطاؤں کی بابت جو سُنا گیا وہ تھا کہ کسی نے ہر شعر پر ہزار درہم دیئے - لیکن وہ اِس عطیہ کا دسواں حصہ ہوتا ہی -

(۳) شونکاری عضدالدین اپنے وطن میں ایک مشہور فاضل تھا - جس کے علم و فضل کا آوازہ دور دور تھا - بادشاہ نے اُس کی تعریف سُنی اور اُس کے پاس دس ہزار روپئے گھر بیٹھے بھیج دیئے - نہ اُس نے کبھی خواہش

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کے جاوا اور بورنیو کے قریب ہی - ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا - سلہ معلوم نہیں کہ یہ کیا چیز تھی - ۱۲ سلہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن

کی۔ نہ بادشاہ کو اس نے دیکھا۔ نہ بادشاہ نے اسے دیکھا۔

(۴) جب بادشاہ نے قاضی مجدؒ الدین دلی شیرازی کی تعریف سنی۔ تو

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ عبد السلام بن عبد اللہ بن الخضر بن محمدؒ بن الخضر بن علی بن عبد اللہ بن تیمیہ الحرانی۔ حرّان واقع عراق میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے تاتاروں کے ظلم سے اُن کا باپ ۶۶۷ھ میں دمشق میں چلا آیا تھا۔ یہاں آکر تیمیہ نے تعلیم پائی۔ نابالغی کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ اور حساب اور فقہ اور نحو اور اُصول فقہ سے فارغ ہوگئے اور سترہ سال کی عمر میں مناظرہ اور فتوے میں اچھے اچھے مستند عالموں کو خاموش کر دیتے تھے۔ اِس عمر میں تصنیف و تالیف شروع کی اور تمام علوم متد اولہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ ہر ایک فن میں لاثانی سمجھے جاتے تھے۔ حُسن اخلاق اور چال چلن کی پاکیزگی اور عصمت اور عفت نے علم کی روشنی کو دوبالا کر دیا۔ حق گوئی میں آپ کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ اور شمشیر برہنہ تھے تمام اہل عصر و متاخرین اتفاق کرتے ہیں۔ کہ اِس جامعیت کا کوئی عالم کم ہوا ہوگا چنانچہ ہر ایک فن میں اُن کی تصنیف ہے۔ پانسو کتابیں (جو چار ہزار جزمیں ہیں) آپ کی تصانیف سے ہیں۔ اور تصانیف بھی ایسی ہیں۔ جو ہر ایک فن میں نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔ تیس سال کی عمر میں آپ کے علم اور زہد اور آزادی طبعی کا چرچہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا تھا۔ ہر جمعہ کے دن صبح کلام اللہ کی تفسیر کا وعظ کرتے تھے۔ وعظ ایسا پُر تاثیر تھا کہ سیکڑوں گم راہ ہدایت پاتے تھے۔ علم کلام میں ایک "کتاب العقل والنقل" چار جلدوں میں آپ نے ایسی تصنیف کی ہے۔ جو اِس فن میں لاثانی سمجھی جاتی ہے۔ تاتاریوں کے خلاف امیروں اور عوام کو برانگیختہ کرنے میں آپ نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ قبول عام کے سبب سے اُن کے ہم عصر عالم دشمن ہوگئے تھے۔ اور انھوں نے چند مسائل کے متعلق جو اُس زمانے کے مذاق کے مخالف تھے۔ سلطان مصر کو اُن کے خلاف کر دیا۔ بڑا بھاری مسئلہ اُن میں زیارت قبور و مزارات کا تھا۔ مناظرے میں آپ اپنے مخالفوں پر ہمیشہ غالب ہوتے تھے۔ لیکن بادشاہی غیر محدود اختیارات کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ ؎

اگر شہ روز را گوید شب ست این بباید گفت اینک ماہ و پرویں

(نوٹ نمبر ۵ کے لیے دیکھو صفحہ ۱۵۹)
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

اُن کے پاس شیراز میں شہزادۂ دمشقی کے ہاتھ دس ہزار روپے بھجا دیئے
(۵) برہان الدین ساغری ایک واعظ تھا۔ اور سخی ایسا تھا۔ کہ جو کچھ اُس کے

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اس لیئے آپ مدت تک مختلف قلعوں میں قید رہے۔ لیکن اکثر موقعوں پر قید کچھ تکلیف دہ نہ تھی۔ آپ کو تصنیف و تالیف اور مطالعہ اور لوگوں کو آپ کے پاس آنے جانے کی اجازت تھی۔ جب کتابیں بھی آپ کے پاس سے لے لی گئیں۔ تو یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ اُس کے بعد آپ چند مہینے ہی زندہ رہے۔ آپ نے قلعۂ دمشق میں حالت قید میں ہی وفات پائی۔ آپ کے سامنے کسی نے قطلوبک ایک حاکم کے ظلم کی شکایت کی۔ آپ فوراً اُس کے پاس چلے گئے اُس نے مذاقاً کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود حاضر ہوتا۔ آپ نے کہا کہ میں حضرت موسیٰ کے غلاموں کا بھی رتبہ نہیں رکھتا۔ اور تو ظلم و کفر میں فرعون کو نہیں پہنچتا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام ہر روز تین دفعہ فرعون کے پاس آتے تھے۔ اور اُس کو ایمان کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ کے جنازے کے ساتھ دو لاکھ مرد اور عورت تھے۔ اور نوبت کو آپ کے ساتھ اِس قدر اعتقاد تھا کہ آپ کا ٹوپ پانسو درہم میں ایک شخص نے لیا۔ اور اِسی طرح سے اور چیزیں ہاتھوں ہاتھ لوگ لے گئے۔ آپ کی وفات ۷۲۸ھ میں ذی قعد کی ۲۲ تاریخ ہوئی۔ آپ حنبلی مذہب تھے۔ اور مجتہدی کا رتبہ رکھتے تھے۔ اور آپکا اُس زمانے میں پیدا کرنا۔ مذہب اسلام کی بہتری کے لیئے حکیم مطلق کی حکمت سے خالی نہ تھا۔ ابوحیات نحوی نے یہ شعر آپ کی تعریف میں کہے ہیں :-

قَامَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ فِي نَصْرِ شِرْعَتِنَا ... مُقَامَ سَيِّدِ تَيْمٍ إِذْ عَصَتْ مُضَرُ

فَأَظْهَرَ الْحَقَّ إِذْ آثَارُهُ دَرَسَتْ ... وَأَخْمَدَ الشَّرَّ إِذْ طَارَتْ لَهُ الشَّرَرُ

كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ حَبْرٍ يَجِيءُ فَهَا ... أَنْتَ الْإِمَامُ الَّذِي قَدْ كَانَ يُنْتَظَرُ

(ترجمہ) ابن تیمیہ ہماری شریعت کی مدد کو کھڑا ہو گیا۔ جیسا کہ قبیلۂ تیم کا سردار قبیلۂ مضر کی نافرمانی کے وقت (اپنے قبیلہ کی مدد کے لیئے) کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس نے حق کو ظاہر کر کے دکھایا۔ جب کہ اُس کے آثار مٹنے کو تھے۔ اور شر کی آگ بجھا دی جب اُس میں سے چنگاریاں اُڑ رہی تھیں۔ ہم ایک آنے والے عالم کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ پس تم (؟)

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

پاس ہوتا تھا وہ حاجت مندوں کو دے دیتا تھا۔ اور بعض اوقات قرض بھی لے کر سخاوت کرتا تھا۔ بادشاہ کو اُس کی داد و دہش کی خبر پہونچی تو چالیس ہزار دینار بھیجے اور ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ برہان الدین نے دینار تو لے لیئے مگر آنے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ بادشاہ ہند علماء کو اپنے روبرو کھڑا رکھتا ہو۔ میں ایسے شخص کی ملازمت نہیں کرنا چاہتا اور مُلک خطا کی طرف چلا گیا۔

(۵) حاجی گاؤن سلطان ابوسعید بادشاہ ایران کا چچازاد بھائی تھا۔

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ} وہ امام ہو جس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

نوٹ صفحہ ۱۵۸ - سلہ مجدالدین اسمٰعیل شیرازی شاہ ابو اسحاق بادشاہ شیراز کے وقت میں شیراز کے قاضی تھے۔ آپ خواجہ حافظ کے ہم عصر تھے۔ چنانچہ حافظ نے ایک مشہور قطعہ میں آپ کی تعریف کی ہو۔ جس کا ایک شعر یہ ہو:۔ سلہ

دگر مربی اسلام شیخ مجدالدین | کہ قاضی بہ از و آسماں ندارد یاد

آپ کی وفات ماہ رجب ۷۵۶ھ میں ہوئی۔ خواجہ حافظ نے آپ کی وفات میں یہ قطعہ کہا ہو۔

مجد دیں سرور قضات جہاں اسمٰعیل | کہ زدے کلک زباں آورش از شرع نطق
ناف ہفتہ بد و از ماہ رجب ہیزدہ روز | کہ بروں رفت ازیں منزل بے نظم و نسق
کنف رحمت حق منزل او دان و نگہ | سال تاریخ وفاتش بجو از "رحمت حق"

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ سلطان ابوسعید خاں۔ نے ۷۳۶ھ میں انتقال کیا۔ وہ لاولد تھا۔ چوں کہ ہلاکو خاں کی اولاد میں سے کوئی شخص اس کی رائے میں بادشاہت کے قابل نہ تھا۔ اس لیئے اُس نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد ارپا خاں جو ہلاکو خاں کے بھائی ارتق بوکا خاں کی اولاد سے تھا۔ تخت نشین ہو۔ لیکن سلطان ابوسعید خاں کے بعد سلاطین مغل کا کام اس طرح بگڑ گیا۔ جیسا کہ ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کا اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد کسی طرح اور کسی کے قابو کی بات نہ رہی ہر ایک امیر اور شاہزادے کے دل میں یہی سمائی کہ میں خود مختار بن جاؤں ارپخان نے ہلاکو خاں کی اولاد کے شاہزادوں کو مارنا شروع کیا۔ [illegible]

اور اُس کا بھائی موسیٰ عراق میں کسی جگہ کا حاکم تھا۔ اُس نے حاجی گاؤن کو ایلچی کے طور پر بادشاہ کے پاس بھیجا۔ بادشاہ نے اُس کی بڑی تعظیم کی اور بہت کچھ دیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ وزیر خواجہ جہاں نے تین تھال بطوٰ ہدیئے کے بھیجے۔ ایک میں یاقوت سکے۔ دوسرے میں زمرد اور تیسرے میں موتی۔ حاجی گاؤن بھی اُس وقت حاضر تھا اُس میں سے بادشاہ نے بہت سا مال حاجی کو دے دیا۔ اور رخصت کے وقت بھی بہت دولت دی۔ جب حاجی گاؤن عراق میں گیا۔ تو اُس کا بھائی مر چکا تھا اور اُس کی بجائے سلیمان حاکم بن بیٹھا تھا۔ حاجی گاؤن نے اپنے بھائی کا ورثہ طلب کیا۔ اور ملک کا بھی دعویٰ کیا۔ لشکر نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور وہ فارس کی طرف چلا گیا۔ جب شونکارہ کے شہر میں پہنچا تو وہاں کے مشایخین نے حضوری ملازمت میں کچھ دیر کی۔ جب وہ آئے تو پوچھا۔ اتنی دیر کیوں لگائی۔ اُنھوں نے کچھ عذر کیا۔ وہ قبول نہ کیا۔ اور

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) مصیبت سے بچنے کے لیئے حاجی گاون ہندوستان کو چلا گیا لیکن اُس کے بھائی موسیٰ طغا تیمور خاں تخت کے لیئے کشمکش کرتے رہے جب اربا خاں مارا گیا۔ اور حاجی گاؤن واپس پہنچا تو اُس وقت عراق عرب میں ایک شخص سلمان جو بشموت ابن ہلاکو خاں کی اولاد سے تھا۔ بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اور خراسان میں حاجی گاؤن کا بھائی طغا تیمور خاں تھا۔ طغا تیمور نے کئی دفعہ عراق عرب پر حملہ کیا۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ حاجی گاؤن نے اُس کو ملامت کی اور خود ایک جرار لشکر لے کر چلا۔ لیکن ابہر کے مقام پر اُس نے شکست کھائی یہ ۷۳۸ھ کا ذکر ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد خراسان میں سربداروں نے زور پکڑا اور تیمور خان نے اپنے بھائی شیخ گاون کی ماتحتی میں اُن کے مقابلے کے لیئے ایک لشکر بھیجا لیکن آپ گرگان کے قریب اُس نے شکست کھائی۔ اور شیخ گاون مارا گیا۔ یہ حال روضۃ الصفا میں درج ہے۔ ابن بطوطہ نے حاجی گاؤن کے قتل ہونے کا قصہ اور ہی کچھ بیان کیا ہے۔ ابن بطوطہ اس واقعہ کے بعد ہی ابہر آ گیا تھا۔ اور یوں کہ وہ حاجی گاون سے واقف تھا۔ اس لیئے اس

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

سپاہیوں کو حکم دیا۔ "قلیج چکار" یعنی تلوار کھینچو۔ اتنے حکم کی دیر تھی۔ کہ معاً اُنھوں نے سب کے سر قلم کر دیئے۔ اُن لوگوں کی تعداد ذرا زیادہ تھی۔ قرب و جوار کے امیروں کو یہ بات ناگوار گزری۔ اُنھوں نے شمس الدین سمنانی کو۔ جو بڑا امیر اور فقیہ تھا۔ اِس معاملے میں خط لکھا۔ اور اُس سے مدد طلب کی وہ اپنا لشکر لے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور قاضی گاؤں کے لشکر پر شب خون مارا اور منتشر کر دیا۔ حاجی گاؤں شہر کے اندر محل میں تھا۔ اُس کا محاصرہ کر لیا۔ وہ غسل خانہ میں جا چھپا۔ لیکن اُس کو پکڑ لیا اور سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھیج دیا اور باقی اعضا، تمام ملک میں تقسیم کر دیئے۔

ابن الخلیفہ کی آمد

امیر غیاث الدین محمد عباسی ابن عبد القادر بن یوسف بن عبد العزیز خلیفہ المستنصر باللہ عباسی، بغدادی سلطان علاء الدین طرمشیرین بادشاہ ماوراء النہر کے پاس آیا۔ سلطان نے اُس کو حضرت قثم بن عباس کی خانقاہ کا متولی کر دیا۔ جہاں وہ کئی سال رہا۔ پھر اُس نے سُنا کہ ہندوستان کے بادشاہ

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ؎ کے بیان پر روضۃ الصفا کے بیان سے جو اُس واقعہ کے ڈیڑھ سال بعد لکھی گئی ہے زیادہ اعتبار ہونا چاہیئے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ ۵۱؎ ۶۲۳ھ سے ۶۴۰ھ تک خلیفہ رہا۔ یہ خلیفہ بہت لائق اور بڑا منتظم تھا۔ اس کے وقت میں کچھ اُمید ہوئی تھی۔ کہ خلفائے بغداد پھر اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو حاصل کریں گے لیکن اُس کا بیٹا مستعصم اچھا جانشین نہ نکلا۔ اور اُسی پر خلفائے بغداد کی حکومت (۵۲۴) برس کے بعد ختم ہو گئی۔ خلفائے مصر ۶۵۹ھ سے ۹۲۰ھ تک برائے نام رہے۔ خلفائے عباسیہ کی کل مدت سلطنت بغداد و مصر ملا کر (۷۰۰) سال رہی۔ یہ مدت دنیا کی جدید تاریخ میں سب سے زیادہ دراز ہے۔ سلاطین عثمانیہ کی سلطنت کی بنیاد ۶۹۹ھ میں پڑی اور بفضل تعالیٰ اِس وقت تک کہ (۶۴۳) سال ہوئے قائم ہے۔ لیکن خلفائے بغداد کی سلطنت واقعی تو فقط ۳۲۰ھ تک رہی۔ اور اُس کے بعد برائے نام تھی۔ اور سلطنت عثمانیہ گو بیچ میں تھوڑے دن ضعیف ہو گئی تھی۔ لیکن اُن کی سلطنت ہمیشہ سلطنت واقعی رہی۔ ۱۲

۵۲؎ قثم بن عباس حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپکا مزار سمرقند میں ہے۔ ابن صالح مفسر لکھتا ہے کہ حضرت عباس کے بیٹوں کی قبریں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہیں۔ قثم کی قبر سمرقند میں ہے۔ عبد اللہ کی طائف میں۔ فضیل کی شام میں اور معبد کی افریقہ میں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کو بنی عباس کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ اِس لیئے اُس نے اپنی طرف سے محمد ہمدانی صوفی اور محمد بن ابی الشرقی حربادی کو قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ دونوں بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور ناصر الدین ترمذی جس کا ذکر اُوپر آچکا ہی۔ امیر غیاث الدین سے واقف تھا۔ اور بغداد میں اُس نے اُس کے نسب کی بابت دریافت کیا تھا۔ تو وہاں کے مشایخ نے بھی تصدیق کی تھی۔ ناصر الدین نے بھی تائید کی تو بادشاہ نے قاصدوں کو پانچ ہزار دینار دیئے اور امیر غیاث الدین کے واسطے تیس ہزار دینار بطور زاد راہ کے روانہ کیئے اور اپنے ہاتھ سے ایک دعوت کا خط بھی لکھا۔ اُس خط کے پہنچتے ہی غیاث الدین چل پڑا اور جب سندھ پہنچا تو اخبار نویسوں نے بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ نے دستور کے موافق استقبال کے لیئے آدمی بھیجے اور جب وہ [illegible]ہ میں پہنچا تو قاضی کمال الدین صدر جہاں کو حکم دیا کہ استقبال میں کچھ فقیہ اپنے ساتھ لے کر اُس کی سواری کے ساتھ ساتھ آئے۔ پھر اور امیروں کو استقبال کے لیئے بھیجا اور جب وہ مسعود آباد میں پہنچا تو بادشاہ مع امیروں کے خود اُس کے استقبال کے لیئے باہر آیا۔ جب ملاقات ہوئی غیاث الدین پیادہ ہو گیا۔ بادشاہ بھی سواری سے نیچے اُتر آیا اور غیاث الدین نے حسب دستور

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ یہ اُس زمانے کی علومہمتی کی تفسیر ہی۔ کہ مسلمان کہاں کہاں دھاوے مارتے تھے۔ یا اب سفر صورت سفر نہیں جاتا ہی۔ اور جو ۔۔۔ ہر قدم دھرنے میں گھڑی ساعت دیکھی جاتی ہی۔ اور جب تک امام ضامن کی ضامنی نہ بندھے۔ ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر اُس زمانے کے سفر کی صعوبتوں کو بھی دیکھیئے کہ ریل کا کہیں پتہ نہ تھا۔ رستے مخدوش مگر یہ لوگ سفر پر سفر کیئے جاتے تھے اور ہمت نہ ہارتے تھے

حضرت قثیم کی وفات امیر معاویہ کی ایام خلافت میں ہوئی ہی۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ فرشتہ سے ابن بطوطہ کے اس بیان کی تائید ہوتی ہی۔ درہماں آوان مخدوم زادہ بغدادی کہ ظاہراً از دودمان عباسی بود بہ ہند آمد۔ بادشاہ تا قصبۂ پالم (دہلی سے احمد آباد کی چھوٹی لین پر پہلا سٹیشن ہی اور غالباً پہلے اِسی کا نام مسعود آباد تھا) استقبال کردہ دو لک ٹنکہ و یک پرگنہ و کوشک سیری و تمام محصول زمین داخل حصار و باغات بانعام او مقرر فرمود۔ و ہرگاہ مخدوم زادہ عزم ملاقات کردے۔ سلطان از تخت فرود آمدہ گامے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

زمین بوسی کی تو بادشاہ نے بھی اسی طرح زمین بوسی کی۔ امیر غیاث الدین کچھ نذر اپنے ساتھ لایا تھا اُن میں کچھ کپڑوں کے تھان بھی تھے۔ بادشاہ نے ایک تھان اپنے کندھے پر ڈال لیا اور جس طرح اور لوگ بادشاہ کی زمین بوسی کرتے ہیں۔ اُسی طرح سلام کیا۔ پھر گھوڑے آئے۔ بادشاہ نے ایک گھوڑے کو پکڑ کر امیر کے سامنے کیا اور قسم دے کر کہا کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں۔ اور خود رکاب پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بادشاہ سوار ہو گئے۔ اور باقی ہمراہی بھی سوار ہو گئے اور شاہی چھتر اُن دونوں پر لگا دیا گیا۔ پھر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا۔ یہ سب سے بڑھ کر تعظیم تھی۔ کیونکہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے کسی کو پان نہیں دیتا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر میں خلیفہ ابو العباس سے بیعت نہ کر چکتا تو آپ سے بیعت کرتا۔ غیاث الدین نے جواب دیا کہ میں خود ابو العباس سے بیعت ہوں۔ غیاث الدین نے تواضعاً کہا کہ رسول اللہ صلعم کی حدیث ہے۔ کہ جس نے بنجر زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا وہ اسی کی ملکیت ہوتی ہے۔ تو آپ بادشاہ کے احسان نے ہمیں از سر نو زندہ کیا ہے۔ بادشاہ نے نہایت انکساری سے اس کا جواب دیا۔ جب سراچہ (خیمہ) میں پہنچے جو بادشاہ کے لیئے برپا کیا گیا تھا۔ تو بادشاہ نے ابن خلیفہ کو اُس میں ٹھیرایا۔ اور اپنے واسطے ایک اور خیمہ استادہ کرایا۔ اس رات شہر سے باہر ٹھیر گئے۔ اور دوسرے دن شہر میں داخل ہوئے اور سیری[۱] کا محل جو سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی نے بنایا تھا۔ اس کی سکونت کے لیئے مقرر کیا اور بادشاہ مع امیروں کے خود محل میں گیا۔ اور اُس کا تمام سامان مہیا کیا۔ اُس کے سامان میں علاوہ چاندی سونے کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ چند پیش رفتے وادرا در پہلوئے خود بر تخت متمکن ساختے و بر اوتمام پیش او نشستے" فرشتے کی تحریر کے مطابق مخدوم زادۂ عباسی ۷۴۲ھ کے بعد آیا ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اُس کے آنے کے بہت دنوں بعد چین کے سفر کو چلا ہے۔ اور اس لیئے کم سے کم اُس کے آنے کا سال ۷۴۳ھ ہونا چاہیئے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ [۱] اِس محل کو کوشک سبز کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ بظاہر یہی تھی کہ اُس پر سبز رنگ کا کاشی کا کام تھا۔ سیری کے معنے آئین اکبری کے محشی نے گھر کے لکھے ہیں۔ ۱۲

باسنوں کے ایک طلائی حمام بھی تھا۔ پھر چار لاکھ دینار اُسی وقت بطور سرشوئی کے بھیجے گئے اور لونڈیاں اور غلام اور لڑکے خدمت کے لیئے بھیجے اور روزانہ خرچ کے لیئے تین سو دینار مقرر کیئے۔ اور ہر وقت دسترخوان خاص سے اُس کے لیئے کھانا بھی جاتا تھا۔ سیری کا تمام شہر اور گھروں اور باغوں اور زمین اور گووہانوں سمیت امیر کی جاگیر میں دیا گیا۔ اور اس کے علاوہ سو دیہات اور دیئے۔ دہلی کے شرقی مقامات کی حکومت عطا کی۔ اور تیس خچر زریں زینوں سمیت اُس کے پاس بھیجے اور اُن کا دانہ چارہ شاہی گودام سے جاتا تھا۔ اور اُس کے واسطے حکم تھا کہ جب بادشاہی محل میں آئے گھوڑے سے ہرگز نہ اُترے۔ اور جہاں تک بادشاہ سوار ہو کر آتے ہیں۔ برابر چلا آئے۔ سوائے اِس کے اور کسی کو محل میں سوار ہو کر آنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ امر داب شاہی کے خلاف تھا۔ سب لوگوں کو حکم تھا۔ کہ جس طرح بادشاہ کو زمین بوس کرتے ہیں۔ اُسی طرح اِن کی بھی تعظیم کی جائے۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں آتا تھا۔ تو بادشاہ تخت سے نیچے اتر جاتا تھا۔ اور اگر چوکی پہ بیٹھا ہوا ہوتا تھا۔ تو کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے۔ بادشاہ اُس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا تھا۔ اور جب وہ چلنے کو کھڑا ہوتا تھا۔ تو بادشاہ بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پھر بادشاہ اُس کو اور وہ بادشاہ کو سلام کرتے تھے۔ جب مجلس سے باہر جاتا تھا۔ تو باہر اُس کے لیئے ایک مسند بچھا دی جاتی تھی۔ اُس پر جتنی دیر چاہتا تھا بیٹھتا تھا۔ ہر روز دو دفعہ یہی ہوتا تھا۔ امیر غیاث الدین دہلی ہی میں تھا۔ کہ بنگالے کا وزیر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بڑے بڑے امیر اُس کا استقبال کریں اور پھر آپ بھی اُس کے استقبال کو برآمد ہوا اور اُس کی بڑی تعظیم کی اور جیسے بادشاہ کے شہر میں داخل ہونے کے وقت رونق ہوتی ہے ویسی ہی اُس وقت بھی ہوئی امیر غیاث الدین بھی وزیر کی ملاقات کو باہر آیا اور قاضی اور فقیہ اور مشایخ سب ہی آئے۔ جب بادشاہ واپس ہو گیا۔ تو وزیر سے کہا کہ آپ مخدوم زادے کے گھر جائیں۔ وزیر وہاں گیا۔ اور دو ہزار اشرفی اور کپڑوں کے تھان پیش کیئے۔ اور اُس کے ساتھ امیر قبولا اور ابن بطوطہ بھی گئے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ کے پاس بہرام حاکم غزنی آیا اور اُس کے

ساتھ ابن الخلیفہ کی پرانی چشمک تھی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ حاکم غزنی کو ایک مکان میں جو سیری میں ہے۔ ٹھیرائیں۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ سیری میں حاکم غزنی کے واسطے ایک نیا گھر بنایا جائے۔ چوں کہ کل شہر سیری ابن الخلیفہ کو دیا جا چکا تھا۔ اُسے ناگوار ہوا۔ اور وہ بادشاہ کے محل میں گیا۔ اور اپنی مسند پر حسب دستور جا کر بیٹھ گیا۔ اور وزیر کو بلا بھیجا اور کہا کہ "اخوند عالم سے کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے مجھے دیا ہے۔ وہ میرے گھر میں موجود ہے۔ میں نے اُس میں سے کچھ خرچ نہیں کیا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ زیادہ ہی کیا ہوگا۔ اور میں اب یہاں ٹھیرنا نہیں چاہتا" یہ کہہ کر ابن الخلیفہ بادشاہ سے بے ملے محل سے چلا گیا۔ وزیر نے اُس کے دوستوں سے ٹوہ لی۔ کہ کیا بات ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اِس سبب سے ناراض ہے کہ بادشاہ نے حاکم غزنی کے لیئے سیری میں محل بنانے کا حکم دیا ہے۔ وزیر نے جا کر بادشاہ کو خبر کی۔ وہ اُسی وقت سوار ہو کر دس آدمی اپنے ساتھ لے کر ابن الخلیفہ کے مکان پر آیا۔ اور گھوڑے سے محل کے باہر اُتر کر اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ ابن الخلیفہ سے بادشاہ نے عذر کیا۔ اور ابن الخلیفہ نے بادشاہ کا عذر منظور بھی کر لیا لیکن بادشاہ نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا۔ کہ آپ کے دل سے یہ کدورت مٹ گئی ہے۔ جب تک آپ میری گردن پر پیر نہ رکھیں مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔ ابن الخلیفہ نے کہا کہ بھلا ایسی بے ادبی مجھ سے ہو سکتی ہے؟ آپ چاہے مجھے قتل ہی کر ڈالیں۔ مگر مجھ سے ایسی حرکت نہ ہوگی۔ بادشاہ نے اپنے سر کی قسم دلائی۔ اور اصرار کیا کہ تم کو یہ کرنا ہوگا۔ اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ ملک قبولہ نے ابن الخلیفہ کا پاؤں خود اُٹھا کر بادشاہ کی گردن کو چھلا دیا۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ اب مجھے تشفی ہو گئی۔ کہ آپ راضی ہو گئے ابن بطوطہ سچ کہتا ہے کہ ایسی عجیب وغریب حکایت کسی بادشاہ کے متعلق نہیں سُنی گئی۔ عید کو بادشاہ نے جو خلعت ابن الخلیفہ کے لیئے بھیجا تھا۔ وہ ابن کبیر لایا۔ اُس میں تین خلعت تھے۔ چغوں میں تکموں کی جگہ جو ریشم کے ہوتے ہیں۔ بیر بیر برابر موتیوں کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ ملک کبیر دروازے

پر کھڑا رہا۔ جب ابن الخلیفہ محل سے نیچے اُترا تو اُس کو خلعت پہنایا۔ بادشاہ نے بہت سا روپیہ مال اور دولت ابن الخلیفہ کو مختلف اوقات میں دیا تھا۔ لیکن یہ شخص تھا بڑا بخیل۔ جس قدر بادشاہ سخی تھا۔ اُس سے زیادہ یہ کنجوس تھا۔ ابن بطوطہ اور ابن الخلیفہ سے بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ ایک دن ابن بطوطہ نے پوچھا کہ آپ تن تنہا کیوں کھاتے ہیں۔ دسترخوان پر اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو کیوں شریک نہیں کرتے۔ تو ابن الخلیفہ نے کہا "میں دیکھ نہیں سکتا۔ کہ اس قدر آدمی میرا کھانا کھائیں۔ اس لیئے میں اکیلا ہی کھا لیتا ہوں" یہاں تک امساک میں غلو تھا کہ ڈیوڑھی میں اندھیرا گھپ پڑا رہتا تھا چراغ تک جلانے کا روادار نہ ہوتا تھا۔ خود باغ میں تنکے چنا کرتا تھا۔ اور وہی جلواتا تھا۔ غلاموں اور نوکروں سے بھی باغ میں کام لیا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص بلا کام کیئے۔ مفت میرا کھانا کھائے۔ ابن بطوطہ مقروض ہو گیا تھا۔ باوجودیکہ اس کے بخل سے واقف تھا مانگ بیٹھا حضرت نے ٹکہ سا جواب دیا کہ میں بہت چاہتا ہوں کہ تمہارا قرضہ چکا دوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں کہ ہمت نہیں پڑتی:۔ ؎

گر جان طلبی مضائقہ نیست گر زر طلبی سخن درین ست

اپنی فلاکت اور بخل کے حالات بھی بیان کیا کرتا تھا۔ کہ ایک دفعہ چار آدمی مل کر بغداد سے باہر گئے۔ پیدل تھے۔ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک چشمہ سے ہم گزرے تو وہاں ہمیں ایک درہم پڑا ہوا ملا۔ ہم نے سوچا کہ ایک درہم کو ہم کیا کریں۔ بھوک تڑاقے کی لگ رہی تھی۔ سب کی صلاح ہوئی کہ روٹی خریدو ایک آدمی روٹی خریدنے گیا۔ نانبائی بھی تقدیر سے ایسا ہی ملا۔ اُس نے کہا کہ میں روٹی اور بھوسی ساتھ ساتھ بیچتا ہوں علیحدہ علیحدہ نہیں دیتا۔ آخر ایک قیراط کی روٹی اور ایک قیراط کی بھوسی لی۔ چونکہ بھوسی کی ہمیں ضرورت نہ تھی۔ وہ تو پھینک دی۔ اور روٹی کا ایک ایک لقمہ ہم سب نے کھا لیا۔ کہتا تھا کہ اب خدا نے مجھے اس قدر دولت مند کر دیا۔ ابن بطوطہ نے کہا کہ خدا کا شکر [illegible] مساکین کو خیرات دیا کرو۔ کہنے لگا یہ کام نہ مجھ

سے ہوا ہی نہ ہوگا۔ ہندوستان سے جانے کے بعد بغداد میں ابن بطوطہ کو ابن الخلیفہ کا بیٹا ملا تھا۔ جو بہت تباہ حال تھا۔ وہ کسی مسجد کا امام تھا۔ اور ایک درہم یومیہ پاتا تھا۔ اگر ابن الخلیفہ اپنے خلعت کا ایک تکمہ بھی بیٹے کو بھیج دیتا۔ تو وہ عمر بھر کے لیئے غنی ہو جاتا۔

امیر سیف الدین جب یہ سیف الدین غدا ابن ہبۃ اللہ ابن مہنّی امیر عرب الشام بادشاہ کے پاس آیا۔ تو بادشاہ نے اُس کا نہایت اکرام کیا۔ اور سلطان جلال الدین کے [illegible] کوشک لعل سے نام سے مشہور ہے۔ اور [illegible] محل بہت بڑا

ك١ تاریخ جدولیہ میں درج ہے کہ خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل ہو جانے کے بعد اُس کا چچا جو بغداد میں قید تھا وہ بھاگ کر [illegible] میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ [illegible] میں عرب سرداروں کے ہمراہ [illegible] میں امیر ناصر الدین مہنّی بھی تھا۔ ملک طاہر بیبرس کے [illegible] میں چلا گیا۔ ملک طاہر نے اُس کے ہاتھ پر [illegible] کی۔ اور اُس کے ساتھ ایک لشکر کر دیا۔ لیکن حدیثہ کے مقام پر اُس نے تاتاریوں سے شکست کھائی۔ [illegible] خلیفہ کا کچھ پتہ نہ لگا۔ اِس لڑائی میں ابوالعباس احمد بھی تھا۔ جو خلیفہ مسترشد باللہ کی اولاد سے تھا۔ وہ میدان جنگ سے بھاگ کر امیر عیسیٰ بن مہنّی کے پاس رحبہ میں چلا گیا۔ امیر عیسیٰ بن مہنّی نے ملک طاہر بادشاہ مصر سے خط و کتابت کی اور امیر عیسیٰ اُس کو مصر میں لے گیا۔ ایک سال تو ملک طاہر نے [illegible] خلیفہ کا انتظار کیا۔ لیکن سنہ ٦٦١ھ میں ابوالعباس احمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر سیف الدین بھی اُسی امیر مہنّی کا پوتا تھا۔ اور چونکہ اِس خاندان نے خلفائے عباسی کے بحال کرنے میں بہت بڑا حصّہ لیا تھا۔ اور سلطان محمد تغلق خاندان خلفائے عباس سے خاص عقیدت [illegible] امیر سیف [illegible] قدر عزت بھی اُس نے اسی لحاظ سے کی تھی۔ ١٢

ك٢ آثار الصنادید میں [illegible] سلطان [illegible] آباد رکوشک اُس کا نام رکھا۔ اب اِس محل کا پتہ نہیں [illegible] درگاہ کے پاس ایک عمارت لعل محل کے نام سے مشہور ہے۔ شاید کوشک لعل وہی ہو۔ ١٢

ہی۔ اُس میں ایک بہت بڑا صحن ہی۔ اور اُس کی دہلیز بہت بڑی ہی۔ اُس کی دہلیز پر ایک برج ہی جہاں سے اندر اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں سلطان جلال الدین اس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں جو چوگان بازی ہوتی تھی۔ دیکھا کرتا تھا۔ جب امیر سیف الدین کو اس محل میں ٹھیرایا گیا۔ تو ابن بطوطہ نے یہ محل دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہو کہ سارا محل اسباب سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن تمام چیزیں بوسیدہ ہوگئی تھیں۔ ہندوستان میں دستور ہی کہ جب کوئی بادشاہ مر جاتا ہو۔ تو اُس کے محل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور نیا بادشاہ اپنے لیئے علیحدہ محل طیار کراتا ہو۔ اور پرانے محل کی کوئی چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلاتے۔ بادشاہ کی وفات کے بعد وہ محل ویران ہوگیا۔ ابن بطوطہ اس محل میں اچھی طرح پھرا اور اُس کی چھت پر بھی گیا۔ عبرت کا مقام تھا۔ ابن بطوطہ کے آنسو نکل پڑے فقیہ جلال الدین مغربی غرناطی نے جو بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے۔ اور اُس وقت ابن بطوطہ کے ساتھ تھے یہ شعر پڑھا۔ ~

وَهُمْ ... طِيْنِهِمْ سَلِ الطِّيْنَ عَنْهُمْ ... دَرِّسْ أَبْعَضُ ... [illegible]

اس محل میں امیر سیف الدین کی شادی [illegible] ہوا۔ چونکہ بادشاہ اہل عرب سے بہت محبت رکھتا تھا۔ اور اُن کی قدر کرتا تھا۔ جب یہ امیر آیا تو اُس کے ساتھ بھی بہت سلوک کیا۔ اور بارہا اُس کو بڑے بڑے عطیئے بخشے۔ ایک دفعہ ملک اعظم بایزیدی حاکم مانک پور کی نذر پیش ہوئی۔ اُس میں گیارہ گھوڑے اصیل اور نجیب تھے۔ بادشاہ نے امیر سیف الدین کو دے دیئے پھر ایک دفعہ دس گھوڑے جن کے زین اور لگامیں طلائی تھیں امیر کو دے دیئے

امیر سیف الدین کی شادی بعد ازاں اپنی بہن فیروزہ اخوندہ [illegible] کی شادی کر دی۔ جب بادشاہ [illegible]

بادشاہ کی بہن سے [illegible] کی بہن کی شادی [illegible]

[illegible] کی بابت [illegible] طعام ولیمہ کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

کے سپرد کیا۔ ملک فتح اللہ نے طیاری شروع کی اور بڑے بڑے شامیانے تانے اور ایک صحن میں ایک بادل خیمہ کھڑا کیا اور اُس کو طرح طرح کے پُرتکلف فرش و فروش سے سجایا۔ شمس الدین تبریزی مطربوں اور [illegible] نشاط کو [illegible] کرایا۔ جو سب بادشاہ کے غلام اور لونڈیاں تھیں باورچی نان بائی۔ حلوائی۔ سقے۔ تنبولی سب ہی جمع کیے گئے۔ [illegible] بکریوں پرندوں [illegible] جو ذبح کیے گئے کوئی حساب نہ تھا۔ [illegible] دن تک سب لوگوں [illegible] کھانا کھلایا گیا۔ اور بڑے بڑے امرا اور [illegible] وقت [illegible] میں شامل ہوتے تھے۔ نکاح کی [illegible] سے دو رات پہلے بادشاہ کے محل سے بیگمیں [illegible] اور اُنھوں نے [illegible] آیا [illegible] اچھے فرش بچھائے۔

شادی کی رسمیں

[illegible] امیر سیف الدین کو بلایا [illegible] اور اس کا کوئی عزیز قریب وہاں نہ تھا۔ امیر کو مسند پر بٹھایا۔ عورتوں نے [illegible] سے [illegible] بادشاہ نے حکم دیا تھا۔ اس کی سوتیلی ماں جو [illegible] خاں کی سگی بہن تھی [illegible] کی ماں بنے اور بیگموں میں سے ایک بیگم [illegible] بنائی۔ اور تیسری بیگم پھوپی اور چوتھی خالہ بنی۔ مطلب یہ تھا کہ امیر یہ نہ [illegible] کہ اس کا [illegible] سے کوئی نہیں ہے۔ ان سب عورتوں نے امیر کو چوکی پر [illegible] بٹھا [illegible] مہندی لگائی اور خوب گانا بجانا ہوتا رہا۔ پھر بیگمیں دولہا [illegible] کے سونے کے محل میں چلی گئیں۔ بادشاہ نے جس طرح زنانے میں [illegible] کو امیر کی طرف سے نامزد کر دیا تھا۔ اسی طرح مردوں میں بھی چند لوگ [illegible] مشایعت کے لیے مخصوص کر دیے جب دولہا دلہن کو وداع کر کے [illegible] ہو تو باڑھ روکی جاتی ہے۔ اور بہت کچھ نیگ لے کر اُس کا [illegible] سب کے بعد امیر کے پاس نیلے ریشم کے خلعت [illegible] اور اس قدر کثرت سے جواہرات ٹنکے ہوئے [illegible] کے سامنے اصل کپڑا نظر ہی نہ آتا تھا۔ [illegible] ایسی [illegible] یوں تو بادشاہ نے اپنے [illegible] علاء الدین [illegible] اور شیخ الاسلام [illegible] صدر جہاں بخاری کے بیٹوں کو خلعت دیے مگر یہ خلعت سب سے بڑھ کر

چڑھا ہوا تھا پھر امیر اپنے ساتھیوں اور غلاموں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوا۔ غلاموں کے ہاتھوں میں چھڑیاں تھیں امیر کو سہرا باندھنے کو کہا گیا تو چوں کہ وہ عرب کا رہنے والا تھا۔ اور وہاں اِس کا دستور نہیں۔ اُس نے سہرا باندھنے سے انکار کیا۔ لیکن پھر لوگوں کے کہنے سننے سے سہرا باندھ لیا۔ یہ سب جماعت حرم سرا کے دروازے پر پہونچی تو وہاں دلہن والے منتظر کھڑے تھے۔ صحن میں ایک منبر پر جو دیبا سے منڈھا ہوا اور اُس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے دلہن کو لاکر بٹھایا۔ گانے والی عورتوں کا مجمع تھا۔ دلہن کو دیکھ کر سب کھڑی ہو گئیں۔ امیر کا گھوڑا دلہن کے منبر تک آیا وہاں پونچ کر گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور منبر کی پہلی سیڑھی کے پاس کھڑے ہوکر زمین بوس کیا۔ اُس وقت دلہن بھی کھڑی ہو گئی اور امیر کو اپنے ہاتھ سے پان دیا۔ امیر دلہن سے ایک سیڑھی نیچے بیٹھ گیا۔ اور نچھاور درہم اور دیناروں کی ہونے لگی۔ عورتیں تکبیر بھی کہتی جاتی تھیں اور گاتی بھی جاتی تھیں۔ باہر نوبت اور نقارے بج رہے تھے۔ پھر امیر کھڑا ہوا۔ اور دلہن کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے نیچے اُتارا اور دلہن کو لے کر چلا۔ دولہا آگے دلہن پیچھے۔ امیر گھوڑے پر سوار ہوا اور دلہن پالکی میں بیٹھی اور پھر درہم اور دینار کی بکھیر ہونے لگی۔ پالکی کو غلاموں نے کندھے پر اُٹھایا۔ اور بیگمیں گھوڑوں پر سوار ہوئیں۔ باقی عورتیں پا پیادہ تھیں۔ یہ سب آگے آگے تھیں۔ پالکی اُن کے پیچھے۔ جب برات کسی امیر کے گھر کے سامنے سے گزرتی وہ نکل کر درہم و دینار کی نچھاور کرتا۔ دوسرے دن دلہن نے دولہا کے دوستوں کے گھر کپڑے اور دینار اور درہم بھیجے اور بادشاہ نے اِن میں سے ہر ایک کو ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے اور ایک ایک تھیلی جن میں دو سو سے لے کر ہزار تک دینار تھے بھیجے۔ ملک فتح اللہ نے بیگموں کو قسم قسم کے ریشمیں کپڑے اور درہم و دینار کی تھیلیاں دیں۔ اُس روز پھر ضیافت ہوئی۔ اور شادی ختم ہو گئی۔ بادشاہ نے امیر کو مالوہ گجرات اور کھمبایت اور نہروالہ جاگیریں دیئے اور ملک فتح اللہ کو اُن کا نائب مقرر کیا۔ اور امیر کی رتبہ افزائی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ لیکن وہ بدوی آدمی

اُس نے اِس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ جانی۔ بھول گیا۔ اور اُس کے مزاج کی جہالت نے اُسے بیس دن ہی میں نیچا دکھا دیا۔ شادی کے بیس دن کے بعد امیر کو محل شاہی میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور بے محابا اندر جانے کا قصد کیا۔ امیر حاجب نے منع کیا۔ اُس کو جھڑک دیا۔ اور اندر گھسنا چاہا۔ دربان نے بال پکڑ کر گھسیٹا۔ امیر نے دربان کے اِس زور سے لاٹھی رسید کی کہ خون نکل آیا۔ دربان بھی کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ ایک بڑا امیر تھا۔ اِس کا باپ غزنی کا قاضی تھا۔ اور سلطان محمود بن سبکتگین کی اولاد میں سے تھا۔ اور بادشاہ اِس کو باپ باپ کہا کرتا تھا۔ وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا۔ اُس کے کپڑے خون آلود تھے یہ واقعہ سن کر بادشاہ تھوڑی دیر عالم سکوت میں گیا۔ اور آخرکار کہا کہ قاضی کے پاس جاکر نالش کرو۔ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ بادشاہ بھی جس نے اِس طرح محل میں گھسنے کے لیئے زبردستی کی ہو معاف نہیں کر سکتا۔ اور اِس کی سزا ہمیشہ موت ہوا کرتی ہے لیکن پردیسی ہونے کے سبب سے امیر کی رعایت ملحوظ رکھ کر بادشاہ نے ملک تتر کو کہا کہ اِن دونوں کو قاضی کے پاس لے جاؤ۔ قاضی کمال الدین محل کے دیوان خانے ہی میں موجود تھا۔ حاجی ملک تتر عربی خوب بولتا تھا۔ اُس نے امیر سے کہا تو نے اِس شخص کو مارا ہے۔ اگر نہیں مارا تو کہہ کیوں نہیں دیتا۔ کہ نہیں مارا۔ اِس گفتگو میں اشارہ اِس بات کا تھا۔ کہ انکار کر جاتے۔ امیر نے کہا میں جھوٹ کیوں بولوں میں نے مارا ہے۔ اِتنے میں امیر حاجب کا باپ آگیا۔ اُس نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا۔ لیکن سیف الدین اڑ گیا۔ اور نہ مانا۔ قاضی نے حکم دیا کہ امیر رات بھر قید رہے۔ اُس کی بیوی نے بادشاہ کے ڈر سے اپنے شوہر کے پاس نہ بچھونا بھیجا اور نہ کھانے کی خبر لی۔ اُس کے دوست بھی گھبرا گئے اور اُنھوں نے اپنی دولت دوسروں کے پاس رکھوا دی۔ دوسرے دن دوپہر کو امیر نے رہائی پائی۔ بادشاہ اُس کی طرف سے کھنچ گیا۔ اور جاگیرات کا جو حکم دیا تھا وہ منسوخ کر دیا اور جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کا ایک بہنوئی مغیث الدین ابن ملک الملوک تھا۔ بادشاہ کی بہن اُس کی شکایت

کرتے کرتے مرگئی اُس کی لونڈیوں نے اس کا نام بھی یاد دلا دیا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے حکم لکھا کہ حرامی اور موش خوار دونوں جلاوطن کیے جائیں۔ موش خوار سے مراد سیف الدین تھا۔ اور حرامی سے مغیث الدین چوں کہ بدوی یربوع کھاتے ہیں۔ جو ایک قسم کا جنگلی چوہا ہوتا ہے۔ اور مغیث الدین کے نسب میں کچھ کلام تھا۔ لہٰذا یہ نام سیئے۔ اور چوبدار جلاوطن کرنے کو جا پہنچا امیر روتا ہوا گھر سے نکلا۔ مگر ابن بطوطہ محل میں پہنچا۔ اور رات کو وہیں رہا ایک امیر نے پوچھا کہ کیوں خیر تو ہے۔ تم رات کو یہاں کیوں رہے۔ ابن بطوطہ نے کہا کہ میں بادشاہ سے امیر کے معاملے میں کچھ عرض معروض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس کو واپس بلا لے اور شہر بدر نہ کرے۔ اُس نے کہا کہ یہ کبھی ممکن نہیں۔ میں نے کہا کہ ممکن کیسے نہیں۔ اگر سو رات بھی مجھے اِس غرض کے لیئے یہاں پڑا رہنا پڑے تو۔ جب تک میرا مطلب پورا نہ ہوگا۔ میں ٹلنے والا نہیں۔ یہ خبر شدہ شدہ بادشاہ کی سمع مبارک تک بھی پہنچ گئی۔ اور اچھی ہی گھڑی تھی کہ اُس نے امیر کو واپس بلا لینے کا حکم دیا۔ اور یہ کہا کہ ملک قبولہ لاہوری کے پاس رہا کرے۔ چنانچہ چار برس تک امیر اُسی کے پاس رہا۔ اور سب آداب اور طریقے سیکھ کر راہ راست پر آ گیا۔ تب بادشاہ نے اُس کو اُس کے مرتبے پر بحال کردیا۔ اور اُس کی جاگیرات دے کر لشکر کا سردار بنا دیا۔

وزیر کی لڑکیوں کی شادی

خداوندزادہ قوام الدین ترمذ ملتان سے دِلّی آیا تو بادشاہ نے اُس کی خاطر و مدارات بہت کی اور بڑا عمدہ سلوک کیا۔ پھر اُس کے دونوں بیٹوں کے ساتھ وزیر خواجہ جہاں کی لڑکیوں کا نکاح کردیا۔ اور وزیر اُس وقت دارالخلافہ میں نہ تھا۔ بادشاہ نے اُن کے باپ کا نایب ہوکر محل میں آکر نکاح پڑھوا دیا۔ جب تک قاضی القضاۃ نے نکاح پڑھایا بادشاہ کھڑا رہا اور دوسرے امرا و حاضرین بیٹھے رہے۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے کپڑے اور تھیلیاں اُٹھا کر قاضی اور خداوندزادے کے بیٹوں کو دیں۔ یہ دیکھ کر اور امیر بھی کھڑے ہوگئے۔ اور عرض کی کہ حضور تکلیف نہ فرمائیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تم بیٹھ

بھاؤ ادھر پھر اپنی جگہ ایک امیر کو کھڑا کر کے خود چلا گیا۔

بادشاہ کی تواضع اور انصاف

ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اُس کے بھائی کو بلا سبب مروا دیا۔ بادشاہ اٹھا اور بغیر کسی ہتیار کے قاضی کے پاس چلا گیا۔ وہاں جا کر قاضی کو سلام کیا اور تعظیم کی۔ اور قاضی کو پہلے ہی کہلا بھیجا تھا کہ جب میں وہاں آؤں تو تم تعظیم کو نہ کھڑے ہونا۔ اور نہ اپنی جگہ سے جنبش کرنا۔ بادشاہ محکمہ میں پہنچا اور قاضی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ قاضی نے کہا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کر لے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اُسے راضی کر لیا۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی مسلمان نے کچھ مال کا دعویٰ کر دیا۔ یہ معاملہ بھی قاضی تک پہنچا۔ قاضی نے مال واپس دینے کا حکم دیا۔ اور بادشاہ نے بلا عذر تعمیل کر دی۔ ایک دفعہ کسی امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اُسے بلا وجہ مارا ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ لڑکے کو راضی کرو ورنہ سزا کے واسطے طیار رہو۔ بادشاہ نے دربار میں اُس لڑکے کو بلا بھیجا۔ اور اُس کے ہاتھ میں چھڑی دے کر کہا کہ بے تامل اپنا عوض لے لے۔ اور اُس کو اپنے سر کی قسم دلائی کہ جس طرح میں نے تجھے مارا ہے۔ تو بھی مجھے مار لے۔ کسی طرح کمی نہ کیجو۔ لڑکے نے چھڑی لے اکیس چھڑیاں بادشاہ کے لگائیں یہاں تک کہ ایک دفعہ بادشاہ کی ٹوپی بھی گر پڑی۔

نماز کی تاکید شدید

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

یہ بادشاہ نماز کے معاملے میں بہت تاکید کرتا تھا۔ اُس کا حکم تھا۔ کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے۔ اُسے سزا دی جائے۔ اِس کام پر بہت سے آدمی متعین تھے۔ کہ نماز کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے۔ اُسے پکڑ لاؤ۔ یہاں تک اہتمام تھا۔ کہ سائیس بھی جو دیوان خانے میں گھوڑے پکڑے رہتے تھے۔ وہ بھی وقت پر نماز پڑھتے تھے۔ حکم تھا کہ ہر شخص فرائض اسلام اور شرائط اسلام کو سیکھے۔ لوگوں سے سوالات کئے جاتے تھے

اگر کوئی ادائی جواب میں قاصر رہتا تھا تو اُس کو سزا دی جاتی تھی۔ تمام لوگ گھر گھر نماز کے مسائل یاد کراتے پھرتے تھے۔ اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔

احکام شرع کی پابندی بادشاہ احکام شرع کی پابندی پر بہت زور دیا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے بھائی مبارک خاں کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ وہ دیوان خانے میں قاضی کے ساتھ انصاف رسانی کے لیئے بیٹھا کرے۔ یہ لوگ ایک اونچے برج میں اجلاس کرتے تھے۔ قاضی کے لیئے مسند بچھائی جاتی تھی۔ مبارک خاں قاضی کی داہنی طرف بیٹھا کرتا تھا۔ اگر کسی شخص کا استغاثہ کسی سربرآوردہ امیر پر ہوتا تھا۔ تو مبارک خاں کے آدمی اُسے قاضی کے سامنے لاکر حاضر کر دیتے تھے۔ اور معاملے کا تصفیہ کر دیا جاتا تھا۔

انصاف کا دربار ۷۴۱ھ میں بادشاہ نے سوائے زکوٰۃ اور عُشر کے ہمہ اقسام کے محصولات اور ڈنڈ معاف کر دیئے اور خود ہفتے میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کو کھلے میدان میں دربار عام کرتا تھا۔ چار امیروں کو چاروں دروازوں پر متعین کر دیا تھا۔ کہ بلا کم و کاست لوگوں کی شکایات قلم بند کریں۔ سب سے آخر صدر جہاں قاضی القضاۃ اور پھر بادشاہ تک رسائی ہوتی تھی۔ اگر کسی نے شکایت سننے میں اغماض کیا۔ تو بادشاہ سخت برہم ہو جاتا تھا۔ اِن سب تحریری استغاثوں کو نماز عشا کے بعد بادشاہ خود ملاحظہ فرماتا تھا۔

قحط میں لوگوں کی پرورش جب ہندوستان اور سندھ میں ایسا قحط پڑا کہ گیہوں فی من چھ دینار کے ہو گئے تو بادشاہ نے حکم عام دے دیا کہ دِلّی کے کل باشندوں کو بلا امتیاز چھوٹے بڑے غلام و آزاد کے بحساب ڈیڑھ رطل فی کس روزانہ کے چھ مہینے کا غلہ شاہی گودام سے دیا جائے۔ فقیہ اور قاضی محلے محلے کی فہرست طیار کرتے تھے۔ اور اُن کو غلہ پہنچاتے تھے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ " درعہد آں بادشاہ دو مرتبہ امساک باراں شد و در شہر کثرت مردم قریب سہ سال بعسرت گزرانیدند

تاریخ مبارک شاہی میں ہے کہ "قحط عام وگرانی ہفت سال چناں شد کہ قطرۂ از آسماں نہ بارید" پہلا قحط ۷۳۴ھ سے ۷۴۰ھ تک رہا۔ اور دوسرا ۷۴۴ھ سے ۷۴۶ھ تک۔

بادشاہ کی خوں ریزی

یہاں تک بادشاہ کی تواضع اور انصاف اور نرم دلی اور سخاوت کا جو سب غیر معمولی اور فوق العادت تھیں بیان کیا گیا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی وہ خوں ریزی میں بھی بہت بیباک تھا۔ ایسا کبھی شاذ و نادر ہوتا ہوگا۔ کہ محل کے دروازے پر کوئی شخص قتل نہ کیا جاتا ہو اور مقتولین کی نعشیں دروازے پر نہ پڑی رہتی ہوں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "ہیچ ہفتہ نہ بود کہ موحداں و مشائخ و سادات و صوفی و قلندر و نویسندہ و لشکری را سیاست نہ فرمودے و خوں ریزی نہ کردے۔ در قہر و سیاست و ریختن خونِ ناحق و تشدید و تعذیب بندگان خدا بیباک بود و بخلاف عقل و شرع می نمود و می خواست کہ خلق خدا از جہاں خالی سازد" اُس کے علم کی بابت فرشتہ لکھتا ہے "در تقریر فصیح و شیریں کلام و بے نظیر بود۔ مکاتبات و مراسلات فارسی و عربی بر بدیہہ چناں نوشتے کہ دبیراں و منشیان حیران ماندندے و بے نہایت خط را خوش نوشتے کہ اوستاداں مقبول داشتندے..... در علم تاریخ ماہر بود و قوت حافظہ بغایتے داشت کہ ہرچہ یک بار شنیدے یاد گرفتے و حکایات و داستانہائے شاہنامہ برسر زباں داشت و بجمیع علوم معقول خصوص طب و حکمت و نجوم و ریاضی و منطق مہارتے تمام داشت و شعر فارسی نیکو گفتے۔ ایں بادشاہ را از عجائب مخلوقات نشاں می دہند چہ جامع اضداد بود و پنج وقت نماز گزاردے و بہ نوافل و مستحبات قیام نمودے و ہیچ مسکرے نخوردے و از زنا و جمیع عیوب اجتناب نمودے" مسالک الابصار کے مصنف شہاب الدین دمشقی عمری کی تحریر سے بھی اس تمام بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اُس نے اتنی بات اور زیادہ لکھی ہے کہ بادشاہ حافظ کلام مجید بھی تھا۔ اور ہدایہ کا کُل متن بھی اُس کو برزبان تھا۔ اس بادشاہ کی خوں ریزی کی شہادت فیروز شاہ نے بھی اپنی فتوحات میں دی ہے

وہ لکھتا ہے کہ "جماعتے را کہ خدا وندمن سلطان محمد تغلق شاہ مرحوم بجہت سیاست گرفتہ قطع اعضا نمودہ بود از زن و فرزند و ورثہ آنہا ہر کرا یافتم بہ انعام و وظیفہ خوشدل ساختم وخط ابرائے ذمہ سلطان مرحوم از ایشاں گرفتہ و بہ مہر اکابر او اشراف رسانیدہ۔ در مقبرۂ بادشاہ تغلق شاہ گزاشتیم"

اپنے بھائی مسعود خاں کا قتل

بادشاہ کا ایک بھائی مسعود خاں تھا۔ اُس کی ماں سلطان علاء الدین کی بیٹی تھی۔ یہ شخص بے انتہا خوش رو اور حسین تھا۔ گویا خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ اُس پر بغاوت کا غلط اتہام لگایا گیا۔ اُس نے ڈر کے مارے اقرار کرلیا۔ کیوں کہ اگر تو خدا کے غضب سے ڈر۔ اور نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر۔ انکار کی صورت میں اور طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے۔ اِس لیئے ایک دفعہ کا مرنا آسان تر تھا۔ چوک میں اُس کی گردن ماری گئی۔ اور تین دن تک اُس کی نعش ٹھوکروں میں پڑی رہی۔ دو برس پہلے اسی جگہ اِس کی ماں کو زنا کے جرم میں قاضی کمال الدین نے سنگسار کروایا تھا۔

شیخ شہاب الدین کا قتل

آپ مشایخین و علمائے کبار میں سے تھے اور چودہ چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین اور سلطان تغلق آپ کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اِس

---

۵۱ شیخ شہاب الدین احمد جام خراسانی۔ شیخ الاسلام احمد جام زندہ پیل حضرت جریر ابن عبد اللہ بجلی کی اولاد میں سے تھے۔ جن کو حضرت عمرؓ اِس اُمت کا یوسف کہا کرتے تھے شیخ احمد جام کی پیدائش موضع نامق میں ہوئی تھی۔ بائیس سال کی عمر تک آپ بالکل اُمی تھے اُس کے بعد ریاضت اور محنت سے تمام علوم کا دروازہ آپ پر کھل گیا۔ آپ کی تصانیف قریب قریب تین سو کے ہیں۔ اور وہ تصانیف بھی ایسی مستند کہ کسی کو اُن پر اعتراض نہیں۔ آپ کثیر الاولادی تھے۔ (۳۹) بیٹے اور (۳۰) بیٹیاں تھیں۔ (۶۲) کی عمر تک آپ کے ہاتھ پر ایک لاکھ اسی ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور شیخ ظہیر الدین عیسیٰ آپ کے ایک فرزند کا قول ہے۔ کہ میرے باپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمی تائب ہوئے خواجہ مودود چشتی آپ کے بہت معتقد تھے۔ آپ کی ولادت ۴۴۰ھ میں اور وفات

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

بادشاہ نے ایک[سلہ] نیا ڈھنگ ڈالا کہ مشایخین اور علماء سے اپنی نج کی خدمتیں لیتا تھا۔ اور اُس کی ایک مہمل سی توجیہ یہ کرتا تھا۔ کہ خلفائے راشدین بجز اہل علم اور اہل صلاح کے کسی اور کو خدمات سپرد نہیں کرتے تھے۔ شیخ صاحب نے انکار کیا۔ پھر بادشاہ نے دربار عام میں کہا تب بھی انکار کیا۔ بادشاہ غصے ہوا۔ اور شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا کہ شیخ کی ڈاڑھی کھسوٹ ڈالو۔ ضیاء الدین نے انکار کیا۔ بادشاہ نے برہم ہوکر دونوں صاحبوں کی ریش مبارک نچوا دی۔ ضیاء الدین کو تلنگانے کی طرف ورنگل (دکن) کا قاضی مقرر کرکے نکال دیا۔ وہ وہیں مر گیا۔ اور شیخ کو دولت آباد بھیج دیا۔ وہ وہاں سات برس رہے۔ پھر اُن کو واپس بلا کر ان کی بہت کچھ تعظیم و تکریم کرنے لگا اور بہت بڑا عہدہ دیا۔ جب بادشاہ نے دریائے گنگ پر جا کر ایک محل بنایا اور اُس کا نام سرگ دوارہ رکھا اور لوگوں کو بھی وہیں اپنے مکانات بنانے کا حکم دیا۔ تب شیخ نے دہلی میں رہنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اُن کو اجازت دے دی۔ اور دہلی سے چھ میل کے فاصلے پر ایک وسیع الرقبہ بنجر اُن کو دے دیا۔ شیخ نے اُس میں ایک بڑا غار کھدوایا۔

[1] نوٹ صفحہ گزشتہ} سنہ ۸۳۶ھ میں ہوئی۔ (۹۵) سال کی عمر میں خرجرد جام میں وفات پائی۔ مولانا جامی کو آپ کی تصانیف سے خاص الفت تھی۔ اور اسی سبب سے آپ کہتے تھے کہ میں نے اپنا تخلص جامی رکھا ہے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کی والدہ حمیدہ بانو بیگم بھی شیخ احمد جام کی اولاد سے تھیں۔ (از سفینۃ دارا شکوہ) غرض یہ کہ شیخ شہاب الدین بھی دہلی کے معتقد علیہ تھے۔ چنانچہ جو بادشاہ سلطان نظام الدین سے ناراض رہے تھے، جیسے قطب الدین خلجی۔ اور غیاث الدین تغلق وہ شیخ شہاب الدین کے بڑے معتقد تھے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ [سلہ] فرشتہ نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے حال میں لکھا ہے کہ محمد شاہ تغلق کہ بسبب بسیاری قتل و سیاست او را خونی می گفتند با درویشان سوء مزاج بہم رسانید و حکم کرد کہ درویشاں بطریق خدمت گاراں خدمتم نمایند۔ پس یکے مرا تنبول خوراند و دیگرے دستار بہ بندد۔ شیخ را تکلیف جامہ پوشانیدن نمود۔ شیخ

اور اُس کے اندر گھر گودام۔ تنور۔ حمام۔ ہر طرح کی عمارتیں اپنے آرام و آسائش کی بنوائیں اور دریا سے ایک نہر کاٹ کر زمین کو آباد کیا۔ چوں کہ اُن دنوں میں قحط تھا۔ غلے سے ایک کثیر آمدنی ہوئی۔ ڈھائی برس تک جب تک بادشاہ دِلّی کے باہر رہا آپ اِسی غار میں رہے جب بادشاہ دارالخلافہ کو واپس آیا۔ تو شیخ سات میل پیشوائی کو گئے۔ بادشاہ بڑے تپاک سے ملا اور معانقہ کیا۔ کچھ دنوں بعد پھر شیخ کی یاد ہوئی شیخ نے آنے میں تامل کیا۔ بادشاہ نے مخلص الملک ندرباری کو جو امرائے عظام میں تھا بھیجا اُس نے بہت نرمی سے گفتگو کی اور بادشاہ کے غضب سے ڈرایا آپ نے فرمایا کہ میں **اِس ظالم بادشاہ** کی خدمت ہرگز نہ کرونگا۔ مخلص الملک اپنا سا مُنہ لے کر چلے آئے۔ اور جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا گوش گزار کر دیا۔ پھر کیا دیر تھی بادشاہ کی آتش غضب بھڑکی اور شیخ کو پا بدست و گرے دست بدست و گرے کشاں کشاں پکڑوا بلوایا۔ بادشاہ نے پوچھا "تو مجھے ظالم کہتا ہے" شیخ نے کہا "ہاں تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں" شیخ نے دِلّی شہر کے

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) اول قبول نہ کرد۔ کار بہ خشونت کشید چنانچہ شیخ را محبوس ساخت بالآخر شیخ را سخن پیر خود یاد آمد و قبول خدمت کردہ از بند نجات یافت۔ ؎

ناسزائے را چو بینی بختیار
عاقلاں تسلیم کردند اختیار۔

نوٹ صفحہ ہٰذا ؎ بداؤنی نے یہ واقعہ یوں لکھا ہے "می گویند روزے بادشاہ کفش پوشیدہ پیادہ در محکمۂ قضاء قاضی کمال الدین صدر جہاں رفت و گفت شیخ زادہ جام مرا ظالم گفتہ است اورا بطلبید تا ظلم بر من ثابت کند و گرنہ بر و اجرائے حد شرعی نمایند۔ شیخ زادہ بعد از احضار اقرار کرد سلطان بیان خواست۔ او گفت ہر کرا سیاست می کنی حق یا ناحق ذمہ بر تو ست اما ایں کہ زن و فرزندان او را بجلادمی سپاری تا ہر چہ خواہند کنند ایں در کدام مذہب و شریعت آمدہ است سلطان خاموش شد و برخاستہ فرمود کہ شیخ زادۂ جام را در قفس آہنیں کنند و در سفر دولت آباد او را بہماں حالت بالائے فیل برداشتہ بود۔ چوں بہ دہلی آمد آں بے چارہ را بحضور خود فرمود کہ دو پارہ کنند" شیخ عبدالحق دہلوی نے ایک بزرگ شیخ شہاب الدین حق گو کا حال اِسی طرح لکھا ہے "پسر شیخ معزالدین زاہد ست۔ حق گو ازاں لقب شد کہ سلطان محمد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اجاڑنے اور اُس کے باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے اپنی تلوار نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اُس کو کہا کہ مجھے ظالم ثابت کرا ور میری گردن اس تلوار سے اُڑا دے۔ شیخ نے کہا کہ جو شخص تجھ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا وہ خود قتل کیا جائے گا لیکن تو خود خوب جانتا ہے کہ تو ظالم ہے۔ بادشاہ نے شیخ کو ملک نکبہ دوادار کے حوالے کیا اُس نے شیخ کے پیروں میں چابیڑیاں اور دونوں ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈالیں۔ چودہ دن تک شیخ نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ ہر روز اُن کو دیوان خانے میں لاتے تھے۔ فقیہوں اور مشائخوں کے سامنے اُن سے کہا گیا کہ وہ اپنے قول کو واپس لیں مگر شیخ نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں سچ بات سے کیسے مکروں میں شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ چودھویں دن بادشاہ نے مخلص الملک کے ساتھ شیخ کو کھانا بھجوایا۔ شیخ نے کھانے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا رزق زمین پر سے اُٹھ گیا ہے۔ بادشاہ کا کھانا اُس کے پاس واپس لے جاؤ۔ بادشاہ نے جب یہ سنا تو حکم دیا کہ شیخ کو پانچ استار (ڈھائی رطل) گوبر کھلاؤ۔ اس کام پر کافر مقرر ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے شیخ کو پچھاڑ کر اُن کا منہ سنڈاسیوں سے چیرا اور گوبر پانی میں پتلا کر کے پلایا۔ دوسرے دن شیخ کو پھر قاضی کے پاس لے گئے۔ وہاں تمام مولویوں۔ مشائخوں۔ پردیسیوں نے سمجھایا بجھایا کہ اس ...

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ بن تغلق حکم کرد کہ مرا عادل گویند و ازیں معنی ... و ... گفت ظالماں را عادل نہ توانیم گفت سلطان محمد او را از قلعۂ دہلی در زیر انداخت قبرا ہم در زیر قلعہ است۔ یہ قصہ تو شیخ زادہ جام شہاب الدین سے ملتا جلتا ہے۔ اور نام بھی وہی ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ ایسے بڑے شیخ کا کہ بادشاہ جس کے در پر کھڑے رہتے تھے شیخ عبدالحق صاحب نے کچھ حال نہیں لکھا۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا ۱؎ دوادار۔ یہ چند عہدے اُس زمانے میں بادشاہ ... آلات اور ذات شاہی سے مخصوص ہوتے تھے۔ دوادار= یعنی دوات دار۔ بادشاہ کی دوات کا محافظ ... مہردار= بادشاہ کی مہر رکھنے والا۔ شربدار= بادشاہ کے آب خاصہ اور دوسرے مشروبات کا منتظم۔ خریطہ دار= قلم دان کاغذ رکھتا تھا۔ چاشنگیر= دسترخوان پر لانے سے پہلے ہر ایک کھانے کو خود چکھتا تھا اور اپنی محافظت میں بادشاہ کے روبرو لاتا تھا۔ ۱۲

سے کیا فائدہ اپنے قول کو واپس لے لیجئے۔ مگر شیخ اپنے قول کے دھنی تھے اُن کی بات پتھر کی لکیر تھی نہ ماننا تھا نہ مانا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا سر کاٹ لیا گیا۔

فقیہ عفیف الدین کاشانی کا قتل

قحط کے دنوں میں بادشاہ نے شہر کے باہر نئے کنوئیں کھودنے اور اُن کے نیچے زراعت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بیج اور تقاوی سرکار سے دی گئی لیکن یہ زراعت شاہی گودام کے لیئے کرائی جاتی تھی۔ فقیہ نے جب یہ خبر سُنی تو کہا کہ "ایسی زراعت سے کیا فائدہ؟" بادشاہ کے کان پر بھی کسی نے یہ بات ڈال دی وہاں کب تاب تھی ذراسی بات بھی ناگوار گزرتی تھی۔ فقیہ کو اتنے کہنے پر ہی قید کر دیا اور کہا کہ امور سلطنت میں تو دخل دینے والا کون۔ ؎

رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش

کچھ دنوں بعد خود ہی فقیہ کو چھوڑ دیا وہ خوشی خوشی اپنے گھر جا رہے تھے کہ قضائے گردگار رستے میں اُن کے دو دوست کہ وہ بھی فقیہ تھے ملے اُنھوں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ تمھاری گلو خلاصی ہوئی۔ عفیف الدین نے بھی آمد سخن یہ بات کہہ دی کہ شکر خدا کہ ظالموں کے ہاتھ سے نجات ملی۔ عفیف الدین اور وہ دونوں فقیہ اپنے اپنے گھر چلے گئے بات رفت گزشت ہو گئی۔ بادشاہ کو پل پل کی خبر پہنچتی تھی منہ سے بات نکلنے کی دیر ہوتی تھی کہ لوگ وہاں جڑ دیتے تھے۔ بادشاہ ناک پر مکھی بیٹھنے کا روادار نہ تھا۔ سنتے ہی حکم دیا کہ اُن تینوں کو ابھی حاضر کیا جائے زبان سے نکلنے کی دیر تھی کہ تینوں حاضر کیئے گئے۔ بادشاہ نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ عفیف الدین کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ رہے یہ دونوں اُن کی گردن ماری جائے۔ اِن دونوں نے عرض کیا کہ "خیر عفیف الدین کا تو یہ قصور ہے کہ اُس نے بادشاہ کو ظالم کہا لیکن ہماری گردن کس قصور پر ماری جا رہی ہے؟" بادشاہ نے کہا کہ "تم پر یہ الزام ہے کہ تم نے اُس کی بات سنکر سکوت کیا اور اُس کے قول کی تردید نہیں کی۔ تمھارا سکوت بمنزلۂ اتفاق کے ہے" اور اِن دونوں بے چاروں کی بھی گردن

اڑا دی گئی۔

دو سندھی مولویوں کا قتل

سندھ کے دو مولوی بادشاہ کے ملازم تھے۔ بادشاہ نے کسی امیر کو ایک ملک کا حاکم مقرر کیا اور اُن دونوں مولویوں کو بھی یہ کہہ کر ساتھ کیا کہ میں نے اس ملک کی رعایا تمھارے سپرد کی ہے۔ اور یہ امیر جو کچھ تم کہو گے اُس پر عمل کرے گا۔ مولویوں نے کہا کہ ہم بطور دو گواہوں کے ہوں گے جو کچھ درست ہوگا اُسے بتا دیں گے مطلب یہ تھا کہ ذمہ دار وہ ہوا۔ کرنا نہ کرنا اُس کے اختیار میں ہے۔ بادشاہ نے کہا مجھے تمھاری نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے۔ تمھارا مطلب یہ ہے کہ پرایا مال اُڑا جاؤ اور الزام اس جاہل ترکی کے سر دھرکے الگ ہو جاؤ۔ مولوی گھبرائے اور عرض کی کہ اخوند عالم نعوذ باللہ ہماری یہ نیت کبھی نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا نہیں بے شک تمھاری نیت میں کھوٹ ہے۔ ع من خوب می شناسم پیران پارسا را۔ حکم دیا کہ ان دونوں کو شیخ زادہ نہاوندی کے پاس لے جاؤ۔ یہ شخص لوگوں کی تعذیر دہی پر مامور تھا۔ اُس کے پاس جانا گویا موت کے منہ میں جانا تھا اُس نے سمجھایا کہ بادشاہ تمھاری جان کا لاگو ہو گیا ہے اگر اپنی جان کی خیر منانے ہو تو بہتر یہی ہے کہ بادشاہ جو کہتا ہے سر و چشم اُسے قبول کرو ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ۔ مولویوں نے کہا کہ ہماری نیت بخیر تھی جیسا کہ ہم نے بادشاہ سے عرض کر دیا۔ شیخ زادے نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا ان کا مزاج بحال کر دو۔ چنانچہ اُن کو چت لٹا کر اُن کے سینوں پر ایک ایک سل گرم اور تپتے ہوئے لوہے کی رکھی گئی پھر وہ اُتار لی گئی تو سینے کا سارا گوشت اُس کے ساتھ کھنچ آیا۔ پھر زخم پر راکھ کو پیشاب میں ملا کر ڈالا گیا تاکہ اور چرکا لگے۔ ۵

سانس دیکھے تن بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلا دنے جاتے جاتے

جب جان پر آن بنی تو اُن بے چاروں نے وہی الفاظ دہرائے کہ "ہماری بھی وہی نیت تھی جو بادشاہ فرماتا تھا۔ ہم گنہگار اور مستوجب قتل ہیں اگر ہم قتل کیے جائیں تو دنیا اور دین دونوں میں ہمارا کچھ دعویٰ نہیں" چنانچہ

اِس مضمون کی ایک تحریر ان دونوں سے حاصل کی گئی اور ان کو قاضی کے پاس لے جاکر اِس تحریر کی تصدیق کرادی۔ قاضی نے اُس پر اپنے ہاتھ سے لکھ دیا کہ دونوں شخص بلاجبر واکراہ کے اقبال کرتے ہیں اور اپنی مُہر ثبت کردی۔ اگر وہ کہتے کہ یہ اقبال ہم سے زبردستی لیا گیا تو اور طرح طرح کے عذاب پہنچائے جاتے اِس لیئے اقبال ہی میں کچھ ڈھیل تھی۔ آخرکار ہوا وہی جو بادشاہ نے شروع سے دل میں ٹھان رکھا تھا یعنی دونوں قتل کیئے گئے۔

شیخ ھود کا قتل شیخ زادہ ہود شیخ رکن الدین ملتانی کا پوتا تھا اور بادشاہ اُس کے دادا شیخ رکن الدین قریشی کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اسی طرح اُس کے بھائی عماد الدین کی بھی۔ یہ عماد الدین بادشاہ سے شکل میں بہت ملتا جُلتا تھا چنانچہ کشلو خاں کی لڑائی کے دن اُس کو دشمنوں نے بادشاہی سمجھ کر مار ڈالا اور جب کہ عماد الدین مارا گیا تو بادشاہ نے اُس کے بھائی شیخ رکن الدین کو سو گاؤں جاگیر دیئے کہ اُن کی آمدنی خانقاہ کے لنگر پر خرچ کی جائے۔ شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد شیخ ھود متولی مقرر ہوا اور بڑی تعظیم و تکریم ہونے لگی۔ شیخ ہود ملتان میں کئی سال متولی رہا۔ عماد الملک حاکم سندھ نے رپورٹ کی کہ شیخ ھود اور اُس کے

ملہ یہ بادشاہ باوجود اِس قدر خوں ریزی کے بطور حیلۂ شرعی اپنے فعل کے جواز کا فتویٰ ضرور حاصل کرلیتا تھا۔ اُس کے بعد قتل کرتا تھا۔ چنانچہ بداؤنی لکھتا ہے "و در امور سیاسی چندان اہتمام داشت کہ چہار مفتی را در درون خود جا دادہ تا ہر کرا بہ تہمتے می گرفت اولاً در باب سیاست او با مفتیان مباحثہ کردہ بدل حسب مقدور می کرد و گفتہ بود کہ شما در گفتن کلمۃ الحق از جانب خود بہ تقصیر راضی مباشید اگر کسے بہ ناحق کشتہ شود و فرو گزاشت از جانب شما خواہد بود خون آں کس در گردن شماست و بعد از مباحثۂ بسیار اگر ایشاں ملزم می شدند ہرچند نیم شب ہم می بود حکم بہ کشتن می کرد و اگر خود الزام می یافت بہ مجلس دیگری می انداخت و برائے دفع سخن ایشاں جوابے می اندیشید و آمدہ تقریری می کرد و بعد ازاں کہ مفتیاں را مجال صحبت نمی ماند ہماں زماں او را بہ قتل می رسانید و الّا در ساعت خلاص می داد" غرض یکہ ان بے چارے مفتیوں کی جان بھی ایک غضب میں تھی۔ ۱۲۰

رشتہ دار مال جمع کرتے ہیں اور درگاہ میں خرچ نہ کرکے بے جا مصارف کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اُن کا کل مال ضبط کرنے کا حکم دیا۔ عماد الملک نے اُن کو طلب کیا۔ اُن میں سے بعضوں کو قتل کیا اور بعضوں کو مار پیٹ کی اور کچھ دنوں تک اُن سے برابر بیس ہزار دینار وصول کرتا رہا یہاں تک کہ اُن کے پاس کچھ نہ رہا اُن کے گھروں سے مال و دولت بے شمار نکلی چنانچہ صرف ایک جوتی کا جوڑا ایسا تھا جس پر جواہر اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس کی قیمت سات ہزار دینار آنکی گئی۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ جوڑا صودو کی بیٹی کا تھا کوئی کہتا تھا کہ نہیں اُس کی لونڈی کا تھا۔ جب شیخ پر بے انتہا سختی ہونے لگی تو اُس نے ترکستان بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ کسی نے اُسے جاتے ہوئے پکڑ لیا۔ عماد الملک نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ وہاں سے حکم آیا کہ شیخ صودو اور اُس شخص کو جس نے کہ پکڑا ہی دونوں کو ساتھ باندھ کر ہمارے حضور میں بھیج دو۔ جب دونوں شخص دلّی میں پہنچے تو جس شخص نے پکڑا تھا وہ تو رہا کردیا گیا اور شیخ سے بادشاہ نے پوچھا کہ تو کہاں بھاگ کر جا رہا تھا۔ شیخ نے انکار کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تو بہاء الدین ذکریا ملتانی کا بیٹا ہی تیرا ارادہ تھا کہ ترکستان جاکر مشیخت بگھارے اور میری شکایت کرے اور ترکوں کو اپنی مدد کے لیئے مجھ پر چڑھا کر لائے۔ اُسی وقت بادشاہ نے اُس کی گردن مروا دی۔

شیخ شمس الدین کا قتل

شیخ شمس الدین بن تاج العارفین کوئل[1] شہر میں رہتے تھے وہ تارک الدنیا اور زاہد تھے۔ جب بادشاہ کوئل گیا تو شیخ کو بلا بھیجا وہ نہ آئے تو خود بادشاہ اُن کے پاس گیا اور جب

[1] کوئل سے مراد علی گڈھ ہی جو دلّی سے (۸۰) میل ہی۔ جس کی آبادی ستر ہزار کے قریب ہی بوڑھ راجپوتوں کے زمانے کا ایک قلعہ ہی۔ اُس کے وسط میں صلابت خاں کی مسجد ہی جو دور سے نظر آتی ہی۔ یہاں ایک مینار سلطان ناصر الدین محمود کے وقت (۶۵۲ھ) کا بنا ہوا تھا جس کو ناعاقبت اندیش حکام نے ۱۸۶۲ء کے قریب منہدم کرا دیا۔ اُس پر یہ کتبہ تھا:-

"ھذہ العمارۃ فی عہد مملکۃ السلطان الاعظم مالک رقاب الامم ناصر الدنیا والدین سلطان السلاطین وارث ملک الکبیر المعظم قتلغ خان بہاء الحق والدین ملک ملوک الشرق والصین بلبن الشمسی فی ایام ایالتہ دام

اُن کے گھر پہنچا تو وہ کہیں ٹل گئے اور بادشاہ سے نہ ملے۔ اُس کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ کسی امیر نے بغاوت کی اور لوگوں نے اُس سے بیعت بھی کی۔ بادشاہ سے کسی نے کہا کہ ایک موقعہ پر جب شیخ کی مجلس میں اُس باغی امیر کا ذکر آیا تو شیخ نے امیر کی تعریف کی اور کہا کہ وہ تو درحقیقت بادشاہ ہونے کے قابل ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا کہ شیخ کو قید کر کے لائے۔ اُس نے شیخ کے ساتھ اُن کے بیٹوں شہر کے قاضی اور محتسب کو بھی گرفتار کر لیا کیوں کہ وہ بھی اِس مجلس میں موجود تھے جس میں شیخ نے باغی امیر کی تعریف کی تھی۔ بادشاہ نے باپ بیٹوں کو تو قید کر دیا اور قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی شیخ صاحب تو قید ہی میں مر گئے۔ قاضی اور محتسب کو روز بھیک مانگنے کو باہر نکالتے تھے اور پھر قید خانے میں پہنچا دیتے تھے۔ بادشاہ کو خبر ملی کہ شیخ کے بیٹے ہندوؤں سے بھی ملے ہوئے ہیں اور باغی ہندوؤں سے اِن کے تعلقات ہیں۔ شمس الدین کی وفات کے بعد اُن کو طلب کر کے کہا کہ خیر جو ہوا سو ہوا پھر ایسا نہ کرنا اُنھوں نے کہا ہم نے کچھ نہیں کیا بادشاہ کو اِس انکار پر غصہ آیا اور شیخ کے بیٹوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی کو بلوا کر اُن سب کے نام بتائے جو مقتولین کے ہمراہی تھے اور اُن کی پیروی کرتے تھے۔ اُس نے بہت سے ہندوؤں کے نام پیش کیے بادشاہ نے جب وہ فہرست دیکھی تو کہا کہ یہ لوگ میری رعیت کو اجاڑنا چاہتے ہیں اِن کی گردن مارو چنانچہ اُن سب کی گردن بھی ماری گئی۔

شیخ حیدری کا قتل | شیخ علی حیدری[1] بندر کھمبایت میں رہتے تھے۔ اُن کی بزرگی کا شہرہ دور دور تھا اور سوداگر سمندر میں اُن

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ «معالیہ فی العاشر من رجب سنۃ اثنی وخمسین وستمائۃ»
علی گڈھ کا محمڈن کالج اور یہاں کا کارخانہ دودھ۔ دہی اور گھی۔ قفل مشہور ہیں۔ بڑی بھاری پوسٹل ورک شاپ بھی یہیں ہے۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا [1] فرقۂ حیدری کے بانی شیخ قطب الدین حیدر شہر ساوہ کے رہنے والے تھے۔ اِن بزرگ کا اور کچھ حال نہیں ملا۔ شیخ جمال مجرد فرقۂ قلندریہ کے بانی بھی یہیں کے باشندے تھے۔ ڈی ساسی ایک فرانسیسی مورخ نے شیخ حیدر خراسانی کی بابت لکھا ہے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

سکے نام کی نذریں مانتے تھے اور جب اُن کے سامنے سلام کو آتے تھے تو وہ مکاشفے کے زور سے تمام باتیں بتلا دیتے تھے۔ اِس وجہ سے شیخ حیدری کی شہرت بہت ہو گئی تھی۔ جب قاضی جلال افغانی نے کھمبایت کے مُلک میں بغاوت کی اور بادشاہ کو خبر ملی کہ شیخ نے قاضی کے لیئے دعائے خیر کی ہی اور اپنی ٹوپی بھی اُس کو بخشی ہی اور شیخ نے قاضی سے بیعت بھی کر لی ہی تو بادشاہ خود اِس بغاوت کو فرو

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ہی کہ وہ درویشوں کے ایک فرقے کے بانی ہیں اور بھنگ کے استعمال کے موجد ہیں۔ اُس نے شیخ حیدر کا نام الشیخ الحیدر الادب محمد بن الاعمٰی الدمشقی لکھا ہی۔ یہ فرقے اُن درویشوں میں سے ہیں جو اپنی نسبت ایسے بزرگوں سے کرتے ہیں جن سے درحقیقت اُن کو کوئی تعلق نہ تھا۔ جیسے رفاعی یا احمدی شیخ احمد رفاعی سے منسوب ہیں۔ مداری شیخ بدیع الدین مدار سے۔ جلالیہ سید جلال بخاری سے۔ قلندر شیخ جمال مجرد سے۔ یہ کل فرقے جاہل اور غیر مہذب ہیں، اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جس شیخ کے وہ نام لیوا ہیں اُن کی تعلیم کے وہ مقلد ہیں۔ بلکہ ان پانچوں فرقوں میں مذہب یا اعمال میں اُن بزرگواروں کا کوئی اثر نہیں کیوں کہ یہ بزرگ نہایت خوش عقیدہ متشرع اور صوفی منش تھے۔ یہ ضرور ہی کہ اِن فرقوں میں بعض بڑے بڑے مہذب عالم اور فقیر بھی ہوتے آئے ہیں۔ جلالی اور حیدری بہت سی: دوں میں ملتے جلتے ہیں، اور جلتی ہوئی آگ میں کود پڑنا حیدریوں اور جلالیوں کا خاصہ ہی۔ جلالیوں کی بابت دبستان کا مصنف لکھتا ہی۔ "جلالیان سب شیخین (روافض کے مانند) کنند و نماز نگزارند و روزہ ندارند.... و بنگ بسیار خوانند و مشق مار و کژدم خوردن رسانند و چوں کاملان ایشاں مار را ببیند سر اپائے او را بخانید و فرو برند و گویند ماہی مرتضیٰ علی ست و کژدم خورند و گویند جھینگۂ علی است و مانند مداریاں برہنہ باشند و چوں مداریاں در سرما ہائے سخت چیزے نہ پوشند و پیش آتش نشیند اما جلالیان ژولیدہ مو نباشند بلکہ اکثر چار ضرب (چار ابرو کا صفایا) زنند و گرد جہاں گردند و آنچہ یابند برائے پیر خود برند و پیر ایشاں ہر روز نو داماد است چہ ہر جا نام دخترے خوب رو از مرید آن خود شنود بفرماید تا با کرنائے بجز و شانند و سوار شود و بخانہ ایشاں رفتہ دختر را ہماں جا تصرف کند و گاہ بخانۂ خود آورد و نکاح نداند"

کرنے گیا اور قاضی صاحب کو شکست ہوئی تب بادشاہ نے شرف الملک امیر بخت اور چند فقیہوں کو وہیں چھوڑا کہ باغیوں کی جستجو کرے اور فقیہوں کے فتوے کے موافق تعمیل کرے۔ شیخ کو بھی شرف الملک نے بلا بھیجا اور یہ ثابت ہوگیا کہ شیخ نے واقعی اپنی پگڑی قاضی کو دی تھی اور اُس کے واسطے دعا بھی کی تھی تو فقہانے قتل کا فتویٰ دیا جلاد نے شیخ پر تلوار چلائی مگر تلوار نے کچھ کام نہ کیا۔ اور لوگوں کو نہایت تعجب ہوا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اب شیخ کے قتل سے دست کش ہو جائیں گے لیکن شرف الملک نے دوسرے جلاد کو حکم دیا اور اُس نے آپ کی گردن تن سے جدا کر دی۔

طوغان اور اُس کے بھائی کا قتل

یہ دونوں **فرغانہ** کے رئیس تھے۔ یہ بادشاہ کے پاس آئے تھے۔ بادشاہ نے بھی اچھا سلوک کیا اور ایک عرصے تک وہ بادشاہ کی خدمت میں رہے جب ایک مدت گزر گئی تو انھوں نے اپنے وطن جانا چاہا اور بھاگ جانے کا بندوبست کیا۔ جس کی خبر بادشاہ کو بھی لگ گئی۔ بادشاہ نے اُن کے دو دو ٹکڑے کروادیے اور اُن کا تمام مال و اسباب اُس شخص کو دے دیا جس نے کہ چغلی کھائی تھی۔

ابن ملک التجار کا قتل

ملک التجار کا بیٹا بالکل کم سن تھا کہ ابھی اُس کی مسین بھی نہیں بھیگی تھیں۔ جب عین الملک نے بغاوت کی تو ملک التجار کا بیٹا بھی اُس کے قابو میں تھا۔ عین الملک کو شکست ہوئی اور اُس کو مع اُس کے ہمراہیوں کے گرفتار کر لائے تو اُن میں ملک التجار کا بیٹا اور اُس کے بہنوئی قطب الملک کا بیٹا بھی تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُن کے ہاتھ باندھ کر ایک لکڑی پر لٹکا دیا جائے اور امیروں کے بیٹوں نے اُن پر تیر برسائے اِس طرح دونوں کا خاتمہ ہوا۔ یہ ماجرا دیکھ کر خود امیر علی تبریزی حاجب نے قاضی کمال الدین سے برسبیل تذکرہ کہا کہ یہ لوگ قتل کے مستوجب نہ تھے۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی حاجب کو بلا کر کہا کہ یہ بات تو نے پہلے کیوں نہ کہی اور دو سو درّے اُسے لگائے اور تمام مال و اسباب جلادوں کے افسر کو دلوا دیا۔ کچھ دنوں بعد عتاب رفع ہوا اور حاجب اپنی خدمت پر بحال ہوا۔ پھر دوبارہ معتوب ہوا اور خراسان کو جلا وطن کیا گیا

وہ ہرات میں جا کر بیٹھ گیا اور وہاں سے ایک عرضداشت بھیجی اور رحم کا خواستگار ہوا۔ بادشاہ نے عرضداشت کی پشت پر لکھ دیا "اگر باز آمدی باز آئی" یعنی اگر توبہ کر لی ہو تو واپس چلا آ۔ چنانچہ امیر علی تبریزی واپس آگیا۔

خطیب الخطباء کا قتل

دہلی کے خطیب الخطباء کو بادشاہ نے ایک مرتبہ سفر میں جواہرات کے خزانے کی نگرانی کا حکم دیا۔ اتفاقاً اُس رات چور آن پڑے اور اُن میں سے کچھ لے گئے۔ بادشاہ نے خطیب کو اتنا پٹوایا کہ وہ بے چارہ پٹتے پٹتے مر گیا۔

سلطان محمد تغلق کے کچھ اور حالات نیونز[1] کی زبانی

سنہ [illegible] میں سلطنت ملک ہندوستان پر ایک ایسے بادشاہ کی حکومت تھی جس سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں گزرا یہ دہلی کا بادشاہ سلطان محمد تغلق تھا جو اپنی فوج کے زور پر کئی سال تک ملک گجرات میں لڑتا رہا اور اُس ملک کو جو کھمبایت کے تحت تھا فتح کر لیا اور آخرکار خود قابض ہو گیا۔ اس کے بعد اس بادشاہ نے از بالائے بالاگھاٹ و بیجانگر (ملک دکن) پر چڑھائی کی۔ اس بادشاہ کے اہل ہنود بہت معتقد تھے اور اُسے ایک اوتار سمجھتے تھے۔ ہنود کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ عبادت الٰہی میں مشغول تھا کہ غیب سے چار ہاتھ نمودار ہوئے جنھوں نے آسمان پر سے بادشاہ پر پھول برسائے۔ اس بادشاہ نے بہت سے ملک فتح کیے تھے اور اُس کی حکومت میں ایک بہت بڑا حصہ ملک کا تھا۔ اس نے بہت سے فرماں رواؤں کو اپنا مطیع کر لیا تھا۔ بہتوں کو قتل کیا اور اُن کی کھالیں کھنچوا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اُس کا نام "کھال کھنچوانے والا بادشاہ" رکھ چھوڑا تھا۔ اس بادشاہ کے متعلق کچھ عجیب و غریب قصے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن بادشاہ لباس پہن رہا تھا کہ ایک

---

[1] فرناؤ نیونز نامی ایک پرتگالی سیاح نے جو خود ہندوستان میں آیا تھا یہ حالات لکھے جو پیرس ببلی آتھک نیشنلی میں محفوظ ہیں۔ جن کا انگریزی ترجمہ مسٹر رابرٹ سیول کلکٹر بلھاری (مدراس) نے اپنی کتاب فارگاٹن امپائر میں لگایا ہے اور ہم نے اپنی کتاب تاریخ بیجانگر میں اُن کو اردو میں لکھا ہے۔ یہ واقعات ۱۵۳۵ء کے لکھے ہوئے ہیں اور بہت مستند سمجھے [illegible]

بند کھڑکی میں سے آفتاب کی شعاع اندر پڑی اس پر وہ بہت برافروختہ ہوا اور کہا کہ یہ کون ہی جس کی اتنی بڑی جرأت ہوئی کہ وہ ما بدولت کی خلوت میں گھس آیا میں ضرور اُسے مار کر رہوں گا۔ ہر چند امرا نے عرض کی کہ خداوند نعمت وہ تو آفتاب عالم تاب کی شعاع تھی اور آفتاب وہ چیز ہی جس سے ہم سب کی زندگی ہو۔ آفتاب خدا کا بنایا ہوا آسمان میں ہی اُسے کس طرح کوئی نقصان پہونچا سکتا ہی۔ لیکن بادشاہ نے ایک نہ سنی اور لشکر کی طیاری کا حکم دیا اور کہا کہ میں ضرور اپنے دشمن کا پیچھا کرونگا پکڑونگا اور اُس نے ایسا ہی کر دکھایا کہ ایک ٹڈی دل لشکر لے کر نکلا۔ لشکر کی کثرت سے اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ آسمان کا نورانی چہرہ دھندلا گیا۔ تب لوگوں نے عرض کیا کہ اب تو حضور کی لشکر کشی سے آفتاب روپوش ہو گیا۔ تب کہیں جا کر بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا پڑا اور مزاج کو سکون ہوا اور کہنے لگا کہ دیکھو آخر میں نے آفتاب کو بھگا دیا تا اور لشکر کی واپسی کا حکم دیا اور دوسرے ایسے ہی فوق العادت حالات اس بادشاہ کے بیان کیے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ واقعی وہ بڑے مرتبے کا بادشاہ تھا۔ مثلاً جب وہ ساحل کارومنڈل پر گیا تھا تو اُسے خبر ملی کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک بہت بڑا جزیرہ ہی جہاں کی زمین سونے کی ہی اور پہاڑ پتھر جواہرات کے۔ اس جزیرے میں ایک مندر ہی جہاں آسمان پر سے فرشتے اُترتے ہیں۔ بادشاہ نے سنتے ہی چاہا کہ جس طرح بھی بن پڑے اُس پر قبضہ کرنا چاہیئے۔ اُس نے وہاں پہونچنے کا ارادہ کیا۔ مگر اُس کے پاس اس قدر جہاز کہاں سے آئے تھے جو اتنے بڑے لشکر کو اُتار سکتا تو اُس نے کیا ترکیب کی لاکھوں چھکڑے مٹی اور پتھر کے سمندر میں ڈلوانے شروع کیئے کہ سمندر کو پاٹ کر اُتر جاؤں گا اور لگاتار کوشش سے اتنا تو ہوا کہ بارہ یا پندرہ لیگ[۱] تک رستہ بن گیا اور بادشاہ جزیرہ[۲] سیلا تک پہنچ گیا

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ جاتے ہیں کہ منیو نیر نے اکثر حالات چشم دید لکھے ہیں یا غایت ما فی الباب کسی معتبر شخص سے سُن کر لکھے ہیں۔ یہ وقایع زیادہ تر بیجانگر کی سلطنت کے متعلق ہیں جس کا دور دورہ ۱۳۳۶ء سے ۱۶۲۰ء تک رہا۔ ۱۲

[۱] تین میل کا ایک لیگ ہوتا ہی۔ [۲] محمد تغلق کے حالات اور اس سے پیشتر کا پرانا قصہ لنکا

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

اِس بند کو کئی سال بعد سمندر نے کاٹ دیا اور اِسی کے باقی ماندہ حصے میں حلا تو کے مچھلیاں پکڑنے کا اُچھلا حصہ ہی۔ جب ملک نایب (بادشاہ کے سپہ سالار) نے دیکھا کہ ناحق اس ناممکن العمل کام پر اوقات ضائع کی جا رہی ہی تو اُس نے دو بڑے بڑے جہاز طیار کراسئے اور اُن میں سونا اور جواہرات لدوا کر جزیرے کے راجہ کے نام سے بادشاہ کے پاس پیش کیے اور راجہ کی طرف سے اطاعت و فرماں برداری کا قول و قرار کہلا بھیجا کہ کسی طرح اِس بلا سے نجات ملے تب خدا خدا کرکے کہیں بادشاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا۔"

ابن بطوطہ کے چشم دید حالات

دِلّی اجاڑ کر جب دولت آباد بسانے کا حکم ہوا تو ابن بطوطہ دِلّی میں موجود تھا۔ اُس نے چشم دید واقعات لکھے ہیں کہ بادشاہ نے تمام باشندگان دہلی کو شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا لیکن جب معلوم ہوا کہ لوگ پس و پیش کر رہے ہیں تو منادی کرادی کہ اگر کوئی شخص شہر کے اندر مکانات یا گلیوں میں ملے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی اِس حکم پر گھبرا کر سب نکل کھڑے ہوئے لیکن جاسوسوں نے آکر دیکھا تو صرف ایک اندھا اور ایک فرش مریض دو مکانوں میں نظر پڑے۔ بادشاہ نے بیمار کو تو سولی پر چڑھوا دیا اور اندھے کو حکم دیا کہ اسے گھسیٹتے ہوئے دولت آباد لے جاؤ۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اِس بے چارہ کے ہاتھ پاؤں جا بجا جھڑ گئے صرف ایک ٹانگ بہ مشکل دولت آباد تک پونہچائی گئی کیوں کہ حکم شاہی یہی تھا کہ دولت آباد پونہچاؤ اور اُس کی تعمیل ضرور تھی۔ جب ابن بطوطہ دِلّی پونہچا تو شہر میں کوئی متنفس باقی نہ تھا۔ بالکل سناٹا اور ویرانہ تھا۔" اِس بادشاہ کا کچھ عجب وہمی مزاج تھا تھوڑے دنوں بعد اُس نے دوسرے مقامات کے لوگوں کو حکم دیا کہ دِلّی میں جا کر بسیں لیکن ایک دفعہ شہر اُجڑ چکا تھا۔ پھر پنپ نہ سکا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ "جب بادشاہ شہر کو اجاڑ چکا تو اُس نے اپنے محل کے کوٹھے پر چڑھ کے دیکھا تو سارا شہر پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ آگ یا دھوئیں کا کہیں نام نہ تھا۔ تب بادشاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) یعنی لنکا میں رام چندر جی کے پل بنانے کا دونوں تقریباً ایک ہی معلوم ہوتے ہیں اِسی پل کو مسلمان لوگ "آدم کا پل" بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

نے کہا۔ ہاں اب میرے دل کو اطمینان ہوا اور میری خواہش پوری ہوئی۔ ابن بطوطہ دربارِ شاہی کا ایک ممبر تھا اور اُسے بہت سے حالات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ لکھتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی دو عادتیں بہت راسخ تھیں۔ ایک تو داد و دہش اور دوسرے خوں ریزی۔ دربار میں روز دیکھا جاتا تھا کہ فقیر جس کے چیتھڑے لگے ہوئے تھے آن کی آن میں امیر کبیر بن گیا یا یہ کہ کسی بدنصیب کے قتل کا حکم ہوا۔ بادشاہ کی فیاضی اور بہادری اور مجرموں کے ساتھ اُس کی بے رحمی اور سنگ دلی کے فسانے زبان زد خاص و عام تھے۔ قطع نظر ان امور کے وہ بہت منکسر المزاج اور انصاف پسند تھا۔ ادائے فرائض مذہبی اور نماز کا سختی سے پابند تھا۔ تارک الصلوٰۃ کو سخت سزا دیتا تھا۔ اُس کی تمام عادات میں فیاضی سب سے بڑھی ہوئی صفت تھی۔ میں ایک دن محل کی طرف گیا۔ تو میرا گھوڑا بدکا میں نے دیکھا تو میرے سامنے ہی زمین پر ایک سفید ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا آدمی کی نعش ہے جس کے تین ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ دربار عام میں ہر روز سیکڑوں آدمی پا بزنجیر لائے جاتے تھے جن کے ہاتھ اُن کی گردنوں میں جکڑے رہتے تھے اور دونوں پاؤں بھی بندھے رہتے تھے۔ بعضوں کو قتل کیا جاتا تھا اور بعضوں پر مار پڑتی تھی۔ اور طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے۔ یہ شخص متضاد صفات کا آدمی تھا کہ تبرات و داد و دہش اور پابندی مذہب کے ساتھ اس میں خوں ریزی کی عادت بد اور لوگوں کو مروا ڈالنے کی خواہش ایک عجیب و غریب ترکیب تھی جو سمجھ میں نہیں آتی اس لیئے ہندو اسے انسان قوی العداوت سمجھتے تھے۔ یہ بظاہر ولی تھا مگر دل شیطان کا سا رکھتا تھا یا ایک شیطان مجسم تھا مگر ولی کی روح اُس میں حلول کر گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اِس بادشاہ کے متعلق آگے چل کر انواع و اقسام کی خرق عادات مشہور ہوگئیں اور جب دیکھو ایک نئی روایت اُس کی طرف منسوب کی جاتی تھی۔ یہ بادشاہ ہندوؤں سے متنفر تھا۔ تمام فوجی اور رسول کے عہدے افغانوں کو دے رکھے تھے جو ہندوؤں کی زبان نہ جاننے کے علاوہ اُن سے نفرت بھی کرتے تھے۔

محمد تغلق کا کیرکٹر آدمی زادہ طرفہ معجونیست از ملائک سرشتہ وز حیوان

گر کند میل ایں شود کم ازیں   ور رود سوئے آں شود بہ ازاں

مسٹر اے طامس نے محمد تغلق کا خوب خاکہ کھینچا ہے کہ "وہ ایک متضاد صفات کا مرکب تھا۔ عالم۔ بے رحم۔ پابند مذہب اور دیوانہ تھا۔ یہ بادشاہ فصیح البیان مہذب عربی۔ فارسی۔ منطق۔ ریاضی اور فلسفۂ یونانی کا ماہر تھا۔ شراب چھوتا نہ تھا اپنے سے پہلے بادشاہوں کے زوال سے اس نے ایک با اخلاق زندگی بسر کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی بہادری اور جرأت کے لیئے مشہور ہے لیکن ساری صفات حسنہ اُس کی جابرانہ۔ ظالمانہ اور مجنونانہ تندی کے سامنے خاک میں مل گئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا عہد ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ مصیبت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے"

فیروز شاہ تغلق ۱۳۵۱ء

محمد تغلق کے کوئی بیٹا نہ تھا نہیں اس لیئے امرا نے اُس کے بھتیجے **فیروز شاہ تغلق** کو انتخاب کرکے تخت پر بٹھلایا اس کی تعلیم و تربیت اس کے چچا ہی نے کی تھی۔ اور وہ اس کو بہت چاہتا اور محبت کرتا تھا اور اسی کو اپنا جانشین بھی مقرر کیا تھا۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ فیروز شاہ بھی احسان فراموش نہ تھا۔ محمد تغلق کی وفات کے بعد اس سے جو کچھ ہو سکتا تھا اپنے چچا کے مظالم کی تلافی کے لیئے کیا یعنی جن جن لوگوں پر ظلم ہوا تھا یا جن کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے تھے یا جو جان سے مارے اور قتل کیئے گئے تھے سب کے ورثا کو جس طرح بھی ہوا دلدہی۔ استمالت عاجزی۔ لجاجت۔ داد و دہش سے اشک شوئی کی۔ عوض معاوضہ دے دلا کر غرض جس طرح بھی بن پڑا راضی کیا اور اُن سے معافی نامے حاصل کیئے۔ اور چچا کی قبر میں اُن معافی ناموں اور بازدعووں کو رکھوا دیا تاکہ بروز جزا و سزا جب محاسبہ شروع ہوگا تو وہ اپنے خالق کے حضور میں پیش کرکے سرخ روئی حاصل کرسکے۔ اغلب ہے کہ یہ معافی نامے اب تک بھی قبر میں ہوں گے۔ فیروز شاہ بڑا نیک اور متقی مسلمان تھا۔ اُس کی سوانح عمری **تاریخ فیروز شاہی** خود موجود ہے جس سے اِس بادشاہ کے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ تخت پر بیٹھے دیر

نہ ہوئی تھی کہ پہلا مقابلہ مغلوں سے ہوا جنھوں نے شکست پائی پھر بادشاہ دلی
آیا جہاں تمام رعایا برایا نے سر تسلیم خم کیا۔ بادشاہ بھی رعایا کی اطاعت وفرمانبرداری
کے اظہار سے بہت مسرور ہوا اور بڑے بھاری پیمانے پر سب کی دعوت کی
اور غربا کو خوب دل کھول کر کھانے کھلائے۔ اِس سے فراغت پاکر امور اہم
اور استحکام سلطنت کی طرف متوجہ ہوا چنانچہ دو مرتبہ بنگالے اور دو مرتبہ سندھ کا
سفر کیا۔ بنگالے کی پہلی مہم سے ۱۳۵۵ء میں واپس آکر بادشاہ نے ایک نئے شہر
فیروزآباد کی بنا ڈالی۔ فیروز شاہ کا عہد کسی نمایاں اور اہم پولیٹیکل کام کے
لیئے مشہور نہیں ہے مگر اِس کے رفاہ عام کے کام البتہ بہت قابل قدر ہیں کہ
اُس زمانے میں جب کہ اِس طرف کسی کو توجہ نہ تھی اِس نیک دل بادشاہ نے
رعایا کی نفع رسانی کے کاموں میں بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ فیروزآباد کی بنا
کے دو برس بعد لوگوں کو آئے دن کی قحط کی بلا سے محفوظ رکھنے کے لیئے
سب سے پہلے اِسی بادشاہ ذی جاہ نے دریائے جمنا اور ستلج سے نہریں
نکلوائیں۔ اگرچہ بہ سبب امتداد زمانہ اور دریاؤں کے شکم کے ردوبدل اور
دیگر اسباب سے اُس زمانے کی اکثر نہریں اب معدوم ہو گئی ہیں لیکن اب بھی
اُن میں کی ایک نہر تھوڑی ترمیم کے بعد ملک کو سیراب کرتی ہے۔ اور یہ وہی نہر ہے
جو فی زمانہ نا وسٹرن جمنا کینال یعنی جمنا کی مغربی نہر کے نام سے مشہور
ہے۔ اِس لحاظ سے فیروز شاہ کو "آب پاشی کا باپ" یعنی موجد
مخترع یا مورث اعلیٰ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ آب پاشی کی بے شمار منفعتوں
کو پیش نظر رکھ کر اِس نے نہ صرف ملک کو سرسبز و شاداب کرنے کے لیئے نہریں
دوڑا دیں بلکہ مال گزاری کا محکمہ بھی قائم کیا اور محصّل مقرر کیئے۔ فرشتے نے
ایک طول طویل فہرست اُن عمارات کی دی ہے جو اس بادشاہ کے عہد میں بنیں۔
ممکن ہے کہ کچھ اُس میں مبالغہ ہو مگر پھر بھی اِس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی محل تامّل
نہیں کہ اِس بادشاہ نے پبلک کے فائدے کے وہ وہ کام کیئے جو نہایت وقعت
اور فخر سے دیکھنے کے قابل ہیں۔ حسب بیان فرشتہ اِس بادشاہ نے (پچاس)
بند دریاؤں میں بندھوائے۔ (چالیس) مسجدیں (تیس) دارالعلوم (سو) کارواں سرائیں

...س حوض۔ سو حمام اور ڈیڑھ سو پل بنوائے۔ اگرچہ دوسرے لحاظات سے
...روز شاہ کا شمار کچھ بہت بڑے اور اولوالعزم بادشاہوں میں نہ تھا
...وں کہ وہ بڑا ضعیف الحکومت تھا لیکن بہ حیثیت مجموعی متفق فیصلہ یہ ہی کہ سرزمین
...ندوستان پر آج تک ایسا روشن ضمیر۔ اس دل و دماغ کا۔ ایسا مہذب
...ہربان۔ ذی مروّت با اخلاق۔ سیر چشم۔ دریا دل بادشاہ نہیں گزرا گو کہ
...س میں مذہبی تعصب کی ذرا جھلک تھی اور کچھ کچھ بادہ نوشی کا بھی شغل رکھتا تھا
...س نے بہت سے دارالعلوم اور متعدد شفا خانے بنوائے۔ بہت سے
...غ اور نخلستان لگوائے۔ گزشتہ زمانے کے بادشاہوں کے مقابر
...ترمیم اور نگہداشت اس خوبی سے کی کہ آج بھی اُس کی ہمسری کا کوئی
...دعی نہیں کرسکتا۔ اِس نے دربار کی نوعیت میں ایسی ایسی تبدیلیاں کیں کہ
...گے چل کر شاہان مغلیہ اُس کا تتبع کیا کرتے تھے۔ اِس نے دربار کو تین
...ضوں میں تقسیم کیا تھا۔ بیرونی حصہ عامۂ خلایق کے لیئے کھلا ہوا تھا سب
...سے اندر کا امرائے عظام اور وزرا کے لیئے درمیانی حصہ اوسط درجے
...کے امرا معززین اور اُن کے ہمراہیوں کے لیئے تھا۔ خلیفہ مصر نے بادشاہ
...تحریک و استدعا کے بدون شاہزادوں اور وزرا کے لیئے خلعت
...ہائے فاخرہ بھیجے۔ بادشاہ کو شکار کا بھی بڑا شوق تھا۔ اِس کی شکارگاہ
...ک پہاڑی پر تھی جہاں اب تک کوشک شکار کی عمارت بنی ہوئی ہی جس میں
...ک عالی شان محل اور ایک وسیع دربار ہال تھا جس کی چھت پر ایک باج دار
...ڈ بھی تھا۔ اِسی جگہ ایک عجائب خانہ تھا جس میں نادر نادر عجیب الخلقت چرند و
...رند جانور چن چن کر رکھے گئے تھے۔ اس کے عہد میں کثرت سے مسجدیں
...ں جن میں کی بعض اِس کے مشہور وزیر خان جہاں کی بنوائی ہوئی ہیں
...ہندو سے مسلمان ہوگیا تھا۔ جن میں کی ایک چوبرجی مسجد اسی پہاڑی پر
...بھی موجود ہی۔ دوسری کلاں مسجد ترکمان دروازے کے پاس
...سری کوٹلے کی مسجد۔ چوتھی حضرت نظام الدین کی درگاہ کے پاس۔ پانچویں
...لوسرائے۔ چھٹی بیگم پور۔ ساتویں کھڑکی۔ اس طرح سات مسجدیں

خواجہ جہاں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ قدم شریف کی فصیل اور درگاہ روشن
چراغ دہلی بھی اسی بادشاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہیں۔ غرض یہ کہ اِس بادشاہ
کے زمانے میں بہت سی عمارتیں بنی ہیں اور اُس زمانے میں دِلّی شہر کی آبادی
کا پھیلاؤ بھی بہت تھا کہ فیروز آباد کا ایک نیا شہر بسانے پر بھی قدیم شہر دہلی کی
آبادی میں کسی قسم کی کاستگی نہیں آئی تھی بلکہ وسعتِ آبادی ہی سے بادشاہ
کے دل میں ایک نئے شہر کے بسانے کا خیال پیدا ہوا۔ اِس بادشاہ
حسن سلوک سے رعایا کے دل اپنی مٹھی میں لے لیئے تھے۔ تمام رعایا اپنے
رحم دل اور ہمدرد بادشاہ کے لیئے دستِ بدعا تھی اور کیوں نہ ایسے
بادشاہ پر جان نثار کرتی جس نے بہت سے محصولات یک قلم معاف کر دیئے
قتل۔ قطع و برید وبست دیا اور ہر طرح کے مظالم کا سدِّباب کر دیا۔ قاعدے
کی بات ہے کہ جب کسی شخص کو کسی خاص امر میں غلو ہوتا ہے تو اُس کو اُس بات کی دھن
لگ جاتی ہے اور وہ اُسی طرف جُھک جاتا ہے اور دوسری طرف کم متوجہ ہوتا ہے۔ اب
چاہے اِس کو بے اعتنائی کہو یا تعصب سے تعبیر کر لو۔ فیروز شاہ ایک دیندار
اور پکا سنی تھا اور اِسی سبب سے وہ ہندوؤں سے منکرہ تھا۔ اُس
نے اپنے تذکرے فتوحات فیروز شاہی میں خود لکھا ہے کہ کئی مندر ڈھا
کر انھیں کے مال مسالے سے مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں کو ادائے رسوم مذہبی
میں کافی آزادی بھی حاصل نہ تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے ایک دفعہ
کسی برہمن کو مذہبی رسوم علانیہ ادا کرنے پر زندہ جلوا دیا تھا۔ فیروز شاہ کے تذکرے
میں اِس بات کا بھی ذکر ہے کہ چند شیعہ علماء کے سر بھی قلم کرا دیئے تھے۔ بادشاہ

سلہ بعض لوگ حق سے لکھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ کوئی عربی کا لفظ نہیں بلکہ ٹھیٹ ہندی ہے
اور اِس وجہ سے تق سے ہی لکھنا اولیٰ اور انسب ہے۔ ۱۲

سلہ وہ کوئی ایسی ہی سخت بات ہوگی جس سے مذہب اسلام کی توہین ہوتی ہوگی۔ ورنہ ایسا نیک
دل بادشاہ اتنی سخت سزا کیوں دیتا۔ ۱۲ سلہ واللہ اعلم اصل معاملہ کیا ہے ورنہ لکڑی کے چور
کو پھانسی کی سزا نہیں ملتی۔ ممکن ہے کہ اہل تشیع نے صحابہ کرام کے خلاف کوئی نا قابل برداشت
حرکت کی ہو۔ بہرحال جب تک اصل واقعہ معلوم نہ ہو اِس سزا کی واجبیت یا ناواجبیت کی نسبت کوئی رائے
قائم نہیں کی جا سکتی۔ ۱۲

سے نو تعمیر شدہ مندر بھی ڈھوا دیئے تھے کہ دارالاسلام میں ہندوؤں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ ہندوؤں کو قبول اسلام کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اور جزیہ بھی معاف کردیا جاتا تھا۔ چنانچہ اِس لالچ میں بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ہندوؤں کو جیسی آزادی ہونی چاہیئے تھی وہ میسر نہ تھی۔ پھر بھی اُس زمانے کی طرز و روش کے لحاظ سے جیسا کچھ سلوک کہ چودھویں صدی میں اِس بادشاہ نے ہندوؤں سے کیا بسا غنیمت تھا جس سے زیادہ بہتر ہونے کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اِسی بادشاہ کے عہد میں مسلمانوں کی طاقت ڈگمگانے لگی تھی اور آگے چل کر اِس کے نااہل جانشینوں نے اور بھی بنیاد کھوکلی کردی مسٹر کین لکھتے ہیں کہ تغلق شاہ ثانی کے اوائل زمانے میں سلطنت کے (۲۳) صوبے تھے جن میں سے اِس دَور کے خاتمے پر صرف نصف وفادار باقی رہے۔ فیروز شاہ کے حالات سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ نکلے ہوئے صوبوں کو پھر مغلوب کر لیتا یا سرکشوں اور باغیوں کو قرار واقعی سزا دیتا۔ جب بڑھاپے نے آن دبایا اور بادشاہ نے دیکھا کہ وہ سلطنت کے بارگراں کا متحمل نہیں ہو سکتا تو اُس نے سلطنت کے کاروبار کا زیادہ تر حصہ خان جہاں نام کے باپ بیٹے وزیروں پر ڈال دیا تھا اور ۱۳۵۸ء میں اپنے بیٹے فتح خاں کو امور سلطنت میں اپنا شریک کر لیا تھا اور جب فتح خاں مر گیا تو بادشاہ نے ۱۳۸۷ء میں اپنے دوسرے بیٹے محمد شاہ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ اِس بادشاہ نے چالیس سال کے قریب سلطنت کرکے نوّے سال کی عمر میں ۱۳ر رمضان المبارک ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء کو انتقال کیا۔ تاریخ وفات **وفاتِ فیروز** ۷۹۰ھ ہے اور سلطان علاء الدین کے **حوض قاص** کے کنارے دفن کیا گیا۔

فیروز شاہ کی وفات کے بعد کے حالات

فیروز شاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے اور پوتوں میں تخت سلطنت کے لیئے بڑی کشمکش رہی۔ غیاث الدین تغلق ثانی۔ ابوبکر۔ ناصر الدین محمد شاہ سب کے سب ضعیف الحکومت تھے اور اُن میں سے کسی ایک میں سلطنت چلانے کی اہلیت نہ تھی اور نہ کوئی زیادہ عرصے تک ٹک سکا اِس وجہ سے اِس خاندان میں زوال

آگیا اور صرف نام ہی نام کی بادشاہت رہ گئی۔ فیروز شاہ کے بعد اُس کا پوتا غیاث الدین تغلق شاہ ثانی جانشین ہوا لیکن کچھ تھوڑے ہی دنوں وہ سلطنت کرنے پایا تھا کہ اُس کے چچازاد بھائی ابوبکر شاہ نے اُسے قتل کرڈالا۔ ابوبکر شاہ بطورِ خود فیروز آباد میں بادشاہ بن بیٹھا لیکن اِس کی حکومت بس شہر فیروز آباد کے اندر ہی اندر محدود رہی اور اپنے چچا محمد شاہ سے جسے فیروز شاہ نے اپنی عین حیات سلطنت میں شریک کرلیا تھا خوب لڑائیاں رہیں۔ پھر کچھ ایسی سازشیں ہوئیں کہ ابوبکر شاہ معزول کیا گیا اور محمد شاہ بادشاہ ہوا۔ وہ تھوڑے ہی دنوں سلطنت کرنے پایا تھا کہ مرگیا اور اپنے باپ کے پاس دفن ہوا۔ اِس کے بعد علاء الدین سکندر شاہ بادشاہ ہوا وہ صرف چند ہی روز سلطنت کرنے پایا تھا کہ ۱۳۹۳ء میں فوت ہوگیا اِس کے بعد کوئی وارث صحیح موجود نہ تھا تو امرا نے صلاح ومشورہ کرکے ناصرالدین محمد شاہ کے صغیر سن لڑکے ناصرالدین محمود شاہ کو ایسے وقت میں تخت پر بٹھلایا کہ یہ سلطنت بیخ و بنیاد سے ہل چکی تھی اور کچھ بھی سکت باقی نہ رہی تھی۔ ۱۳۹۴ء سے لے کر ۱۳۹۷ء تین سال تک بڑا طوفان بے تمیزی برپا رہا اور یہ زمانہ بڑی بدنظمی اور بے اطمینانی کا گزرا۔ نوبت بہ ایں جارسید کہ پرانی دلی میں محمود شاہ بادشاہت کرتا تھا۔ اور وہیں کے وہیں فیروز آباد میں اُسی کا ایک دوسرا عزیز ناصرالدین نصرت شاہ اپنے آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ اِن دونوں میں خوب کتا چھپنی رہی۔ دلی اور فیروز آباد کے میدان میں بہت سے معرکے ہوئے کبھی یہ غالب ہوتا تھا کبھی وہ اور ایک ایسی اُودھم مچی ہوئی تھی کہ جس کا بیان طول طویل ہونے کے علاوہ بے سود بھی ہے۔ اِس زمانے کے متعلق بدایونی لکھتا ہے کہ "آئے دن اِن دونوں بادشاہوں میں لڑائی ٹھنی رہتی تھی۔ یہ دونوں بادشاہ گویا شطرنج کی بساط کے بادشاہ تھے سارے ہندوستان میں جدا جدا پارٹیاں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور سب نے اپنے اپنے مقبوضات جدا جدا بنا لیے تھے۔" اِس آئے دن کی خانہ جنگیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کا میدان خالی دیکھ کر ہندوستان کے قدیم دشمن مغل

جنھیں مدتوں سے ہندوستان فتح کرنے کی دُھن لگی ہوئی تھی بڑے مشہور لیڈر تیمور کی سرکردگی میں آن دھمکے۔

تیمور لنگ کا حملہ سنہ ۱۳۹۸ء

یہ تو ہم دیکھتے چلے آئے ہیں کہ مغلوں نے متواتر حملے ہندوستان پر کیے۔ لڑے بھڑے۔ لوٹا مارا اور چلتے ہوئے۔ وہ درحقیقت لٹیروں کی حیثیت سے آتے تھے اور اپنا کام کرکے چلتے بنتے تھے لیکن اس مرتبہ کی یورش کی کچھ صورت ہی اور تھی کہ یہ حملہ امیر تیمور کی سرکردگی میں ایک باقاعدہ فوج کے ساتھ تھا جو اُس زمانے میں دنیا کا سب سے بڑا نامور فاتح جنرل تھا تیمور ترکی النسل اور چنگیز خاں کی اولاد میں سے تھا۔ اصلی وطن اس کا سمرقند تھا لیکن چونکہ اس کی فوج میں تاتاری کثرت سے تھے اس واسطے تیمور تاتاری کہلاتا تھا۔ ترکستان کا سارا ملک اسی کی زیر حکومت تھا۔ اس نے ایشیائے کوچک اور وسط ایشیا میں مسلسل اور نمایاں فتوحات کی تھیں۔ اس نے جب ہندوستان کی طوائف الملوکی

سنہ امیر تیمور کے جلوس کی تاریخ۔ سنہ یابی تو جلوس تیمیر سلطاں راچہ یک نقطہ نہی گر بسر دال دعا سنہ ۷۷۱ھ

اس رباعی سے سال جلوس اور وفات معلوم ہوگا:۔

سلطانِ تیمور کہ مثلِ او شاہ نبود　　در ہفتصد و سی و شش آمد بوجود
در ہفتصد و ہفتاد و یکے کرد جلوس　　در ہشتصد و ہفت کرد عالم پدرود

تاریخ وفات۔ بسال ہشت صد و ہفت و ہفدہ از شعبان ٭ نماز شام سہ شنبہ بخطہ اتراک

تاریخ بہ تعمیہ۔ سلطان تمر آن کہ چرخ را دل خوں کرد ٭ وزخون عدو روئے زمیں گلگوں کرد
در ہفدہ شعبان سوئے علیین تاخت ٭ فی الحال زرضواں سرو پا بیروں کرد

یعنی اگر سرو پائے لفظ رضواں راکہ حرف ر و ن باشد دور کنی از باقی حروف از روئے جمل سالِ وفات دریافت گردد۔

تاریخ دیگر۔ شہنشاہے کہ ماوالیش بہشت جاوداں آمد ٭ وداع شہریاری کرد و تاریخش ہماں آمد

مولانا محمد زاہد کہ از فضلائے عصر بودہ تاریخ وفاتش را ایں چنیں بہ تعمیہ گفتہ:۔

تیمر گرگاں زنسل شاہی بود　　در آخر عمر جاں بچشم تر داد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کا حال سُنا تو ہندوستان کا قصد کیا۔ تیمور کا قد بلند اور رنگ گورا تھا پیشانی کشادہ۔ آنکھیں چمکدار آواز کراری۔ ٹانگیں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیاں موٹی تھیں۔ ...لنگ کرتا تھا اس واسطے تیمور لنگ کے نام سے مشہور ہے۔ امیر تیمور کا سن ساٹھ سال سے متجاوز تھا جب کہ وہ ۱۳۹۸ء میں ترکوں تاتاریوں اور ایرانیوں کا ایک بڑا بھاری لشکر لے کر شمال و مغرب کے پہاڑی دروں میں سے طوفان کی طرح ہندوستان پر ٹوٹ پڑا اور اِس قدر کشت و خون کیا کہ خون کے نالے ندیاں بہا دیں۔ گو اِس واقعہ کو ایک زمانہ گزرا مگر نہ اِس سے پہلے کوئی ایسا قتل عام ہوا نہ اِس کے بعد بھی آج تک۔

دہلی کا بادشاہ مسلمان تھا پس یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قتل عام اشاعت اسلام کے لیئے تھا بلکہ اِس کی غرض تو سوائے لوٹ مار اور دولت سمیٹنے کے اور کچھ نہ تھی۔ تیمور اپنا بے شمار تاتاری لشکر لے کر **افغانستان** کی راہ سے ہوتا ہوا پہلے **پنجاب** میں داخل ہوا اور منزل بہ منزل آہستہ آہستہ سفر کرتا ہوا لوٹتا کھسوٹتا قتل کرتا بستیوں کو لوٹتا برباد کرتا پھونکتا جلاتا بلا کسی قسم کی روک ٹوک کے دِلّی کے قریب **پانی پت** تک آن پہنچا۔ پانی پت سے ذرا نیچے ہٹ



تیمور لنگ

کے غالباً **باغ پت** کے قریب جمنا کو عبور کر کے **لونی** کے قلعے پر جو فیروز آباد کے بالمقابل تھا قبضہ کر لیا۔ اور دریا کے کنارے اپنا کیمپ ڈال دیا۔ پھر چند سواروں کو لے دریا پار ہوا اور سرسری طور پر اُس پہاڑی کا ایک چکر لگایا جہاں **کوشک شکار** ہے اور اطراف و جوانب میں موقع محل

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ زاہدی تاریخ وفاتش آمد   بگرفت سرو پائے قضا را سرداد
سرو پائے قضا را گرفت یعنی اسقاط کرد و زاہد سر خود را کہ حرف ز است داد تاریخ حاصل شد و
دیگرے چنیں گفتہ ع سر زلت آورد و بر رُخ بہاد - ۱۲

دیکھ بھال کر پلٹا۔ یہاں بھی ایک چھوٹی سی جھڑپ ہوگئی اُن کو پسپا کر کے اپنے لشکر میں واپس آگیا۔ پھر وہاں سے کیمپ اُٹھا نہیں کہیں جہاں کہ اب مٹکاف ہئوس ہے اس کے محاذی لا ڈالا۔ اس وقت میر کے ساتھ ایک لاکھ قیدی تھے جن کو وہ مختلف مقامات سے پکڑ لایا تھا۔ وہ لوگ یہ سن کر کہ اب لڑائی ہونے والی ہے دل میں خوش ہوئے کہ اس معرکے میں شاید ہماری مخلصی کی کوئی صورت نکل آئے۔ لَعَلَّ اللہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا[۱] مگر یہاں تقدیر نے اور ہی کچھ گل کھلایا۔ امیر تیمور لڑائی کے اہتمام میں مصروف تھا ایسی آبادی میں ان قیدیوں کے جم غفیر کی سنبھال ایک مشکل کام تھا اور اندیشہ لگا ہوا تھا کہ اگر کہیں اس موقع پر یہ لوگ بھی سرتابی کر بیٹھیں اور اُٹھ کھڑے ہوں تو ان کا تھامنا ایک اور مشکل کا سامنا ہوگا۔ پہلے تو جتنے پندرہ سال کی عمر سے اوپر تھے اُن سب کو قتل کیا پھر اس کے بعد رہے سہوں کو بھی تہ تیغ کر ڈالا اس قتل عام کی خبر جب دلی پہنچی تو لوگ تھرا گئے۔ اور بادشاہ بھی شہر کے میلان اندر فصیلوں میں دبک گیا۔ اب تیمور کا لشکر جمنا کے اس پار فیروز آباد کے میں پڑا تھا کیمپ کے گرد خندق کھدوا کر مورچہ بندی کی گئی اور سامنے دا ایک لمبی قطار بھینسوں کی جکڑوا کر بندھوا دی۔ نجومیوں نے کوئی نیک گھڑی ساعت نہیں بتلائی وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ دو دن بعد تیمور نجومیوں کے علی الرغم نکل کھڑا ہوا اور اپنی فوج کو جنگ کے لئے میدان کارزار میں صف آرا کیا۔ اُدھر سے بادشاہ بھی بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل اور آگے آگے ہاتھیوں کی لین لے کر بڑی دلیری سے مقابلے کو نکلا۔ ہاتھیوں پر میگ ڈمبر تیروں اور فلاخنوں سے بھرے ہوئے تھے اور اُن پر تیر انداز اور بان انداز سوار تھے سب سے آگے ہاتھیوں کی کالی کالی دیوار لہراتی ہوئی دیکھ کر پہلے تو تیمور کے لشکری ذرا گھبرائے لیکن پھر تو وہ ایسے جم کر جرأت سے لڑے کہ بادشاہی لشکر کے قدم اُکھڑ گئے اور کھلی شکست ہوئی۔ تاتاریوں نے بھگوڑے لشکر کا پرانی دلی کے دروازوں تک پیچھا کیا جو اس زمانے میں رات کو بالکل خالی پڑی

---

[۱] شاید اللہ کوئی صورت پیدا کر دے۔ ۱۲

رہتی تھی۔ محمود تغلق شکست کھا کر گجرات کی طرف نکل بھاگا۔ اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہ تھی امیر تیمور نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور باشندگان شہر سے تاوان جنگ کی ایک بڑی بھاری رقم کا مطالبہ کیا۔ بہتوں نے ادائی رقم سے پہلوتہی کی اِس بنا پر شہریوں اور لشکریوں میں ایسی چلی کہ آخر کو قتل عام کی نوبت پونہچی۔ پانچ دن تک تاتاریوں نے شہر میں قتل عام کیا اور ہزارہا آدمیوں کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ اور اِس قدر مُردے ڈال دیئے کہ گلیوں میں چلنے کا رستہ نہ رہا۔ گھروں کو تو لوٹتے ہی تھے سو لوٹتے تھے مشکل یہ تھی کہ ظالم جلا بھی دیتے تھے۔ غرض یہ کہ اِس غضب کا قتل عام اور غارت گری کا بازار گرم ہوا کہ شہر میں کچھ بھی نہ چھوڑا اور سب کچھ فنا کر دیا۔ شہر میں تو یہ قیامت بپا تھی اور امیر صاحب اپنے مصاحبین کی مجلس جمائے حوض خاص کے کنارے جشن منا رہے تھے۔ اب اِس کو خواہ امیر کی قساوت قلبی سمجھ لو یا فوج کی شرارت کہ دھڑی دھڑی کر کے شہر کو لوٹ ڈالا اور گشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ۷ار دسمبر بدھ کے دن تیمور عیدگاہ میں گیا جو میدان دروازے کے سامنے تھی اور وہاں تینوں شہروں (دِلّی۔ فیروزآباد۔ تغلق آباد) کے امرا و رؤسا جمع کیئے گئے اور سب نے اطاعت اور فرماں برداری کا قول و قرار کیا تب کہیں جان بخشی کی صورت نظر آئی اور امان ملی۔ شہر کے دروازوں پر تیموری جھنڈے لہرانے لگے۔ دو دن بعد فیروزآباد کی جامع مسجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بعض تیموری بیگمات قصر ہزار ستون دیکھنے کو گئیں اُن کے ساتھ جو بدرقہ تھا اُن سے بھی وہاں کے لوگوں سے چل گئی اور تین دن تک پھر قتل عام رہا۔ اِن کے نزدیک قتل عام ایک بہت معمولی بات تھی۔ بھلا جو لوگ بے گناہوں اور قیدیوں کو بے دھڑک قتل کر ڈالیں وہ بلوائیوں کو کب چھوڑنے والے تھے۔ آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ بلوائیوں کے ساتھ ہزاروں ناکردہ گناہوں کی جانیں بھی گئیں۔ بہت سے ہندو جانیں بچانے کے لیئے بھاگے اور پرانی دِلّی کی ایک مسجد میں جا کر سر چھپایا مگر وہاں بھی پناہ نہ ملی اور چوتھے دن اُن سب کو بھی تلوار کے گھاٹ

اُتار دیا۔ آخر کار جب قتل بند ہوا تو جو لوگ بھاگ نہ سکے تھے سب گرفتار کر لیے گئے اور غلام بنا لیے گئے تیمور نے اُن میں سے اچھے اچھے غلام اپنے لیے چھانٹ لیے تب تیمور شہر میں داخل ہوا اور فیروز شاہ کے عجائب خانے کے سارے عمدہ عمدہ جانور لے لیے جن میں بارہ گینڈے بھی تھے ۱۳۹۸ء کے آخری دن امیر تیمور فیروز آباد گیا اور کوٹلہ فیروز شاہ کی مسجد جامع کو دیکھا۔ بہت مسرور ہوا۔ یہاں اُسے دو سفید طوطے جن کی عمر (۷۴) برس کہی جاتی تھی نذر دیئے گئے۔ یہ طوطے تغلق شاہ کے زمانے سے یکے بعد دیگرے ہر بادشاہ کو تحفۃً دیئے جاتے تھے۔ امیر تیمور کا وجود نامسعود دلی میں بلائے آسمانی اور قہر الٰہی کی شکل میں صرف پندرہ دن مسلط رہا۔ یہ پندرہ دن ایک قیامت کے تھے۔ سارے شہر میں بجز ویرانی اور تباہی کے کچھ نظر نہ آتا تھا اور جھاڑ وپھر گئی تھی۔ دلی سے بے قیاس مالِ غنیمت اور بے شمار قیدی لے امیر تیمور دلی کو فقیر کر کے پلٹا۔ شہر دہلی کے علاوہ اور مقامات میں بھی یہی آفت ڈھائی۔ جہاں جہاں گزر ہوا اور کسی نے بھی ذرا بل چل کی تو بس قتل عام کا بازار گرم ہوا۔ امیر تیمور جاتے جاتے خضر خاں کو اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے چھوڑ گیا اور خود پنجاب اور کابل ہوتا ہوا براہ ہندوکش سمرقند واپس چلا گیا۔ تیمور کہنے کو تو صرف پانچ ہی مہینے ہندوستان میں رہا لیکن جو مظالم اُس نے اور اس کی سپاہ نے کیے اُن کو ہندوستان آج تک بھی نہیں بھولا۔ تیمور نے اپنی سوانح عمری ملفوظات تیموری جو اُس نے خود لکھی ہے اُس سے اِن تمام ہولناک واقعات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ امیر تیمور تھا بہت کٹر آدمی اُس نے ان مجادلوں اور مقاتلوں کو کچھ چھپایا نہیں بلکہ فخریہ طور پر بیان کیا ہے۔ اِس کی بہادری تو اِسی سے ظاہر ہے کہ تریسٹھ برس کے سِن میں بھی وہ بالذات مہموں کی سرکردگی کرتا تھا اور گھمسان لڑائی میں بہ نفس نفیس خود موجود رہتا تھا مع ہذا اُس کے مظالم کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ تیمور گردی کی مصیبت میں لوگ آپس کی جنگ جدال کو برائے چندے بھول گئے تھے۔ امیر تیمور ہندوستان میں رہ پڑنے یا مستقل حکومت کو تو کچھ آیا نہ تھا اُس کے پیٹھ موڑنے کی دیر تھی کہ ہوا آتش

درکار سے ہندوستان اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔ وہی طوائف الملوکی قتل غدر۔ بلوے۔ لڑائیاں۔ بھڑائیاں ازسرِنو تازہ ہوگئیں۔ تیمور کے چلے جانے کے بعد دو مہینے تک تو بدعملی اور اندھیری رہا تب کہیں جاکر نصرت شاہ واپس آیا اور لوٹے کھسوٹے ہوئے شہروں پر قبضہ کیا جو بالکل اُجاڑ پڑے تھے۔ نصرت شاہ کو ایک امیر اقبالؔ خاں عرف ملّو نے بے دخل کرکے دِلّی پر آپ قبضہ کرلیا اور یہی گڑبڑ دوسرے صوبوں میں بھی رہی جس کا جہاں زور چلا مُلک دبا بیٹھا۔ اقبال خان نے یہ حالت دیکھ کر سلطانؔ محمود کو بلا بھیجا۔ وہ گجرات سے واپس بھی آگیا لیکن تاج وتخت نہ سنبھال سکا۔ اقبال خاں جب ایک معرکہ میں کام آیا تو دولت خاں لودھی کے اصرار پر محمود نے بادشاہت قبول کی لیکن ۱۴۰۷ء میں ایک باغی امیر خضر خاں نامی نے سلطان محمود کو فیروزآباد میں محصور کرلیا بادشاہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے وہیں بیٹھا رہا۔ اِس اثناء میں خضر خاں قابض ہوگیا۔ آخرکار محاصرے کا خاتمہ ہوا۔ سلطان محمود نے برائے نام بیس سال سلطنت کی اور اِس زمانے کے بہت کچھ انقلابات اور نیرنگیاں دیکھنے کے بعد جب کہ وہ کیتھلؔ کی طرف شکار کو گیا تھا وہیں بیمار پڑا اور وہاں سے واپسی کے وقت ۲۹ ذی قعدہ ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء میں انتقال کیا اور اپنے ساتھ ہی خاندان تغلق کا بھی خاتمہ کرگیا۔ اِس کی کُل مدت سلطنت (۱۹) سال (۸) ماہ ہے جس میں دفعۂ دوم کی مدت (۷) سال (۵) ماہ (۷) یوم بھی شامل ہیں۔

سلہ اقبال خاں لودھی پسر ظفر خاں صفر ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں تخت پر بیٹھا جس کی تاریخ یہ ہے:-

شاہِ اقبال خانِ نصرت مند — جالس تخت شد بعزم شہی
سالِ تاریخ گفت ہاتفِ غیب — محفل آرا اعز بزم شہی

اقبال خاں نے خضر خاں حاکم ملتان پر لشکرکشی کی تھی اور اِسی معرکہ میں ۹ جمادی الاول ۸۰۸ھ میں قتل ہوا جس کی یہ تاریخ ہے:-

چوں شہے اقبال خاں فرماندۂ کشورستاں — داد براقلیم گیرد پرورش فرمائے خلق
یافت جا در سایۂ طوبیٰ و قصر حور عین — سالش از روئے بکاشد آہ داد ویلائے خلق

سلہ سلطان محمود پسر محمد شاہ لودھی جو امیر تیمور کے خوف سے گجرات بھاگ گیا تھا۔ وہاں سے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

خاندان تغلق

غیاث الدین تغلق — سنہ ۱۳۲۰ء

محمد عادل (فخر الدین جونا شاہ) محمد بن تغلق — سنہ ۱۳۲۵-۵۱ء

فیروز شاہ تغلق — سنہ ۱۳۵۱-۸۸ء

ابو بکر — سنہ ۱۳۸۸ء

محمد شاہ چہارم ابن فیروز شاہ — سنہ ۱۳۸۹-۹۰ء

سکندر شاہ — سنہ ۱۳۹۲ء

محمود شاہ — سنہ ۱۳۹۲-۱۴۱۲ء

دولت خاں لودھی — سنہ ۱۴۱۲ء

امیر تیمور کا دلّی کو لوٹنا اور قتل عام — سنہ ۱۳۹۸ء

خاندان سادات

خضر خان سنہ ۱۴۱۴-۲۱ء

محمود شاہ کی وفات کے بعد لوگوں نے دولت خاں لودھی کو تخت پر بٹھایا لیکن اس کے تخت پر بیٹھتے ہی خضر خاں جو اس سے زیادہ طاقت ور تھا ایک زبردست فوج لایا اور سیری کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) واپس آکر قنوج پر متصرف تھا اُس کو بلا بھیجا۔ چنانچہ وہ ۲۰ ؍ جمادی الثانیہ سنہ ۸۰۸ھ میں دوبارہ دلّی کے تخت پر بیٹھا جس کی یہ تاریخ ہے:-

شہ چو بر تخت شہی غازی سلطان محمود　　دولتش پیش و غلامانہ اش اقبال از پس

ہاتف از منظر قدس آمدہ آواز کنان　　قدرت عدل بود سال جلوس اقدس

۸۰۸

سنہ تاریخ وفات یہ ہے:-

زد کوس فنا بسکہ سلطان محمود　　آمد غم ازیں حادثہ از غم دل خوں

ہاتف بہ غم و الم شد و گفت از جیت　　سازو الم درد و ہمیں روز افزوں

۸۱۵

(نوٹ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ) ۱۲

قلعہ میں بادشاہ کو محصور کرلیا اور ایک سال کے بعد دولت خاں کو تخت چھوڑنا پڑا! اور اب کہیں تیسرے حملے میں خضر خاں کو کامیابی ہوئی اور اسی سے خاندان سادات کی بنا پڑی۔ خدا جانے دل میں کیسا دھڑکا تھا کہ یہ بادشاہ اپنے آپ کو امیر تیمور کا نجبت سمجھتا تھا اور سمرقند کو خراج بھجوایا کرتا تھا۔ اِس نے بھی ۸۱۷ھ میں خضر آباد نام کا ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا اب نشان تک بھی نہیں رہا لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ اوکھلے کے قریب تھا۔ اِس کی ہفت سالہ مدّت سلطنت میں کوئی خاص بات ذکر کے قابل نہیں ہے۔ اٹاوے میں یہ بادشاہ بیمار پڑا اور وہاں سے دلّی آکر ۱۷ جمادی الاولی ۸۲۴ھ کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اِس کا مقبرہ اوکھلے میں تھا لیکن جب آگرے کی نہر نکالی گئی تو وہ مقبرہ نہر کے ساتھ ایسا کھو دڈالا کہ اب صفحۂ زمین پر اُس کا نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

معز الدین مبارک شاہ ثانی ۱۴۲۱–۱۴۳۳ عیسوی

خضر خاں کے بعد اُس کا بیٹا مبارک شاہ ایسے وقت میں تخت نشین ہوا کہ نہایت پُر آشوب زمانہ تھا۔ اِس بادشاہ کو دلّی میں رہنے کا بہت کم اتفاق ہوا۔ اِس نے بھی اپنی سلطنت کے آخر زمانے ۱۴۳۳ء میں جمنا کے کنارے ایک نئے شہر مبارک آباد کے بنانے کا حکم دیا لیکن یہ منصوبہ ابھی پورا

نوٹ متعلق صفحۂ گزشتہ ۱ دولت خاں محمود خاں لودھی کا بیٹا ہے جسے سلطان محمود کی وفات کے بعد امرا نے ۸۱۵ء میں دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ تاریخ جلوس یہ ہے:۔

گرد دولت خاں بتائید خدائے ذوالمنن — روئے عالم راچمن سعی چوں روئے عروس

گفت ہاتف باسر اقبال با صد خورمی — روزگار عیش آمد سالِ تاریخِ جلوس
٨١٤

یہ بھی ۱۰ ربیع الاول ۸۱۶ء میں خضر خاں کے مقابلے میں گرفتار ہو کر فیروز آباد کے قلعہ میں مقید رہا اور بحالت قید ماہ جمادی الاولی ۸۱۷ء میں مرگیا۔ اِس کی مدت سلطنت ایک سال تین ماہ تھی۔ تاریخ وفات یہ ہے:۔

رہ چو دولت خاں بسوئے جنت الماوا گرفت — عالمے از درد وغم صد نالہ را بر چرخ برد

سر بجیب فکر بردم تا کہ تاریخے بہ نظم — گفت ہاتف سالِ او یک صاحب دولت بمرد
٨١٧

۲ ابن ملک سلیمان حاکم ملتان از اولاد سادات است بعد وفات پدر خود بہ حکومت ملتان رسیدہ و تاریخ پانزدہم ربیع الاول ۸۱۷ھ با دولت خاں لودھی محاربہ نمودہ او را بدست آوردہ محبوس کردہ بر تخت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

نہ ہونے پایا تھا کہ سرور الملک وزیر کی سازش سے میران[۱] نائب اور قاضی عبد الصمد حاجب نے مبارک پور کوٹلے میں ایک مسجد کے اندر عین جمعہ کے دن بہ تاریخ ۹ رجب ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء جب کہ بادشاہ نماز کی طیاری کر رہا تھا قتل کر ڈالا اور وہیں مبارک پور میں دفن کیا گیا۔ مدت سلطنت قریب تیرہ سال کے تھی۔ سرور الملک وزیر نے اُسی وقت محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں کو تخت پر بٹھلا دیا۔ یہ بادشاہ بڑا عاقل اور ذی خلق اور ستودہ صفات تھا اور تمام مدت بادشاہی میں کبھی دشنام یا فحش کا ایک کلمہ اس کی زبان سے نہیں نکلا اور نہ کسی قسم کی مکروہات میں مبتلا تھا۔ اور بذات خود تمام کاروبار سلطنت کا انجام دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانے کی تاریخ موسوم بہ تاریخ مبارک شاہی موجود ہے۔

محمد شاہ بن فرید خاں ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء	خاندان سادات کا تیسرا بادشاہ

تکملہ نوٹ صفحہ (۲۰۳) کہ دہلی نشست۔ تاریخ جلوس این است :۔

چوں خضر خاں بہ تخت کرد جلوس — مرہم سینہ ہائے ریش آمد
بہر تاریخ ایں جلوس سروش — گفت جشن قباد پیش آمد

نوٹ متعلق صفحہ گزشتہ کہ سلہ دہلی سے (۹) میل نظام الدین اور کلو کھڑی کے آگے۔ جی آئی۔ پی ریلوے کا سٹیشن ہے ۱۲

سلہ تاریخ وفات یہ ہے :۔

چوں رخت ازیں جہاں خضر خاں بربست — نخل طرب جہاں بیفتاد از بیخ
ہاتف ز جیب فکر سر بر زدہ گفت — در دار زماں روز افزوں تاریخ ۸۲۴

سلہ تاریخ جلوس مبارک شاہ :۔

گشت چوں بادشہ مبارک شہ — شادی آمادہ گشت و برپا جشن
سال تاریخ ایں خجستہ جلوس — شد نگہبان عالم آرا جشن ۸۲۴

نوٹ متعلق صفحہ ہذا سلہ تاریخ قتل مبارک شاہ :۔

آمادہ چو شد پئے سفر از دنیا — سلطان مبارک شہ دولت ہم دوش
آواز آمد برائے تاریخ وفات — سعی سفر روح مجسم ز سروش ۸۳۷

محمد شاہ بن فرید خاں تھا۔ جو خضر خاں بانی خاندان سادات کا پوتا تھا اور
حساب سے محمد شاہ بہ نجم ہوتا ہے۔ اس کا زمانہ بھی بڑی بے اطمینانی کا تھا۔ اس کے
[illegible] ام کی کئی بستیوں کے کئی دفعہ محاصرے ہوئے۔ ۱۴۳۲ء
میں بادشاہ سیری میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا اور قتل ہونے سے اس وجہ
سے بال بال بچ گیا کہ محاصرہ کنندگان کو بغدادی دروازے سے
اندر آنے کا رستہ دیا اور خود دوسرے دروازے نکل بھاگا۔ ۱۴۴۰ء
میں مالوے[۵۲] کے بادشاہ نے دِلّی پر یورش کی لیکن بہلول خاں
لودھی نے بڑی دلیری سے اُسے ایسی شکست دی کہ پس پا ہونا پڑا۔ لیکن
۱۴۴۱ء میں بہلول خاں نے اپنی طاقت ور قوم کو اپنے آقائے ولی نعمی ہی
کے مقابلے پر لا کھڑا کیا اور کئی مہینے تک پرانی دِلّی کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔ بعد

---

۵۱ تاریخ جلوس محمد شاہ:۔

شد محمد شاہ چوں برتخت دولت کامیاب — تابع فرمانِ او شد بادشاہ روم و روس
بودم اندر فکرِ تاریخش کہ ہاتف گفت زود — آصف انصاف و سکندر عدل تاریخ جلوس

۵۲ مالوے کے ملک کو علاء الدین خلجی نے فتح کر لیا تھا۔ اور تب سے ایک صدی تک اس پر صوبہ دار حکومت کرتے رہے مگر تیمور کے حملے کے تھوڑے ہی دنوں بعد پھر خود مختار بن بیٹھا۔ مالوے کا سب سے مشہور بادشاہ ہوشنگ شاہ (۱۴۰۵-۳۲ء) تھا جس نے مانڈو کو دار الخلافہ بنایا تھا جس کی عمارات احمد آباد کی عمارتوں کی ہمسری کرتی تھیں۔ تھوڑے عرصے پیچھے (۱۵۳۱ء) مالوا گجرات میں ضم ہو گیا تھا۔ بالآخر ۱۵۶۴ء میں اکبر بادشاہ نے مالوے کو سلطنت مغلیہ دہلی میں شامل کر لیا۔ ہوشنگ شاہ نے ۸۳۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات "آہ ہوشنگ شاہ نماند" ہے۔ سلطان محمود شاہ نے ۸۴۳ھ ہوشنگ کے مقبرے کی عمارت اور جامع مسجد ہوشنگ شاہی بنوائی جو رامپوری دروازے کے قریب واقع ہے جس کے (۳۳۰) گنبد اور (۳۸۰) ستون ہیں بہت تھوڑے عرصے میں بنا کر طیار کر دی۔ سلطان محمود نے (۳۴) برس سلطنت کر کے (۶۸) سال کی عمر میں ۱۰ ذی قعدہ ۸۷۳ھ میں انتقال کیا۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

شاہ خلجی نہاد سلطان محمود — از دار فنا بجلا چوں رہ پیمود
تاریخ وفات حضرت سلطان را — ارباب بہشت عدن یابی مقصود
۸۷۳

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں عاجز ہو کر خود بخود محاصرہ اُٹھا لیا۔ اِس بادشاہ نے بارہ برس سلطنت کر کے شوال ۸۴۹ھ میں بیماری سے انتقال کیا اور موضع خیرپور میں صفدر جنگ کے مقبرے کے پاس ایک گنبد میں دفن ہوا جو لودھیوں کے مقابر میں سب سے بہتر ساخت کا ہے۔ مدت سلطنت بارہ سال چند ماہ ہے۔

سلطان علاء الدین عالم شاہ
۸۴۹ھ - ۱۴۴۵ء

محمد شاہ کا بیٹا علاء الدین جسے عالم شاہ بھی کہتے تھے اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا لیکن مشکل ہے کہ اِسے بادشاہ کہہ سکیں کیوں کہ اِس کے مقبوضات میں سوائے شہر دہلی اور کچھ نہ تھا۔ بلکہ دِلّی کو بھی چھوڑ کر بدایوں جا رہا تھا اور وہاں جاکر وہ خود سلطنت سے اِس شرط سے دست کش ہو گیا کہ اِس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ یہ بادشاہ ایسا کم ہمت اور کم زور تھا کہ پرانی دِلّی کے جنوب میں گز بھر زمین پر بھی اِس کا قبضہ نہ تھا حتی کہ موضع مہرولی اور لاڈو سرائے پر بھی میواتیوں کا قبضہ تھا۔ غرض یہ کہ اِس بادشاہ سے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑی اِس نے اپنی رضامندی سے بہلول لودھی صوبہ دار کو تخت و تاج دے دیا اور خود اپنی نخ کی ریاست اور زمینداری پر قناعت کر کے بیٹھ گیا۔ اِس کی مدت سلطنت قریب قریب سات سال کے تھی۔ ۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ کو تو بہلول لودھی نے اپنا خطبہ پڑھوایا۔ عالم شاہ ایک عرصہ تک بدایوں

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کا سلطان محمود کے بعد اُس کا بیٹا غیاث الدین خلجی بادشاہ ہوا اور (۳۳) سال سلطنت کر کے مرا اِس کے بعد غیاث الدین کا بیٹا ناصر الدین خلجی گیارہ سال چار ماہ سلطنت کر کے مرا پھر سلطان محمود ثانی بادشاہ ہوا لیکن ۹۳۶ھ میں سلطان بہادر گجراتی نے مالوہ کو فتح کر لیا اور اِسی معرکے میں سلطان محمود مارا گیا۔ ۱۲

۵ قطعہ تاریخ وفات جس میں (۹) عدد کم پڑتے ہیں یہ ہے:-

چوں محمد شہ یگانہ کہ بود — دولتش بندہ چاکر اقبالش

سالِ رحلت سرورش غیبی گفت — بوئہ و راہ عرشِ در بالش

۶ تاریخ جلوس سلطان علاء الدین کہ نام ، ورش جہاں آرا بیگم بود در بدیوں وفات

میں زندہ رہا اور وہاں (۲۸) برس تک رہ کر ۸۵۳ھ ۱۴۴۸ء میں انتقال کر گیا اسی پر خاندان سادات کا خاتمہ ہوا اور لودھیوں کا عہد شروع ہو گیا۔

خاندان سادات

خضر خاں	۱۴۱۴-۲۱ء
معز الدین مبارک شاہ ثانی	۱۴۲۱-۳۳ء
محمد شاہ بن فرید شاہ	۱۴۳۳-۴۴ء
علاء الدین عرف عالم شاہ	۱۴۴۵-۵۱ء

خاندان لودھی

۱۴۵۱-۱۵۲۶ء

بہلول لودھی
۱۴۵۱-۸۸ء

محمد غوری سے لے کر ابراہیم لودھی تک سب بادشاہ پٹھان یا افغان کہلاتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ لوگ ترک سے تھے بہلول لودھی سے جس خاندان کی بنا پڑی یہ البتہ پٹھان تھے۔ ان کا ذکر پہلے بہل محمد شاہ کے ضمن میں آ چکا ہے۔ عالم شاہ کے زمانے میں سلطنت کا سارا کام کاج یہی کرتا تھا اور ایسا خیل تھا کہ اصل بادشاہ یہی سمجھا جاتا تھا

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ سلطان علاء دین چو در وقت سعید — بر سر نہاد تاج از زور حسام
گفتم کہ ز سال او چہ گویم ہاتف — فرمود کہ تاج بادشاہ اسلام

سلہ سلطان بہلول لودھی ابن کالا ابن ابراہیم خاں حاکم ملتان بود و قتیکہ بہلول در شکم مادر بود خانہ بر مادرش افتاد و جاں داد پدرش بزودی شکم زن چاک کردہ پسر را برآوردہ بہلول نام نہاد۔ بہلول در ۸۵۵ھ غائبانہ سلطان علاء الدین ابن سلطان محمد شاہ بادشاہ دہلی را کہ بہ بداؤں استقامت داشت بر حسام خاں وزیر او کہ حراست دہلی می کرد مستولی گشتہ دہلی را متصرف شد و در ۸۵۶ھ باروی بر تخت جلوس نمود۔ تاریخ جلوس این است:۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

چنانچہ آخرکار عالم شاہ اُسے تخت دے کر آپ الگ ہو گیا۔ بہلول لودھی نے اپنی حکومت کو مستقل بنانے اور تقویت و استحکام دینے کے لیئے اُس وزیر کو جو اِس کی تخت نشینی میں مددگار تھا قید کر دیا۔ غنیمت ہی کہ جان سے نہیں مارا کہ اُس زمانے میں کسی کی جاں بخشی کر دینا بھی بڑی دریا دلی کا کام تھا۔ گو بہلول لودھی بادشاہ ہو گیا لیکن تخت و سلطنت کے اور بھی کئی طاقت ور دعوی دار موجود تھے۔ کوئی پچاس برس سے اوپر ہی اوپر ہونے آئے تھے کہ جونپور کی سلطنت خود مختار ہو گئی تھی۔ اوائل

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ ؎ شاہ بہلول چوں تخت نشست عدل و مساز زیب مملکت است
گفت دل سال جلوسیت ہاتف گفت کہ بہار جلوس سلطنت است
اور اکثر با سلطان محمود شاہ و پسرش محمد شاہ شرقی مقاتلہ و محاربہ دست دادہ چوں نوبت بسلطان حسین شرقی پسر محمود شاہ رسید تا چند سال با او صلح قرار گرفت باز میان ایشاں نزاع قائم گردیدہ دستے بین الجانبین محاربہ بود آما ہر مرتبہ سلطان حسین ہزیمت یافتہ و سلطان بہلول بعد سلطنت ۳۸ سال ۸ ماہ ۸ روز در ۸۹۴ھ مریض گشتہ بتاریخ دوم شعبان وفات یافت و پسرش سکندر شاہ برجائے او نشست تاریخ وفات این ست:۔

(۱) نہ صد نود و چار رفت از عالم خدیو ملک ستان جہاں کشا بہلول
زتیغ ملک ستاں بود لیکے فع اجل بود محال بشمشیر و خنجر مصقول
(۲) شاہنشہ عالم شہ بہلول کہ دیدی افتادہ در اطراف جہاں صیت جلالش
در خلد شد و گفت سروش از سر حیرت قصد سفر عالم ارواح زسالش
۸۹۴ ـ ۸۹۱

سلہ بادشاہان جونپور کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہی کہ اِن کا دور دورہ کچھ کم ایک صدی تک رہا۔ جونپور کا موجودہ شہر فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۶۰ء میں اہل ہنود کی ایک قدیم بستی کی جگہ آباد کیا تھا ۱۳۹۴ء میں محمود تغلق نے طاقتور امیر خواجہ جہاں کو ملک الشرق مقرر کیا اور اُس کا دارالخلافہ جونپور میں قرار دیا۔ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور کی غارت گری کے بعد خواجہ جہاں کے فرزند متبنیٰ نے سلطنت دہلی سے قطع تعلق کر لیا۔ اور خود مبارک شاہ شرقی کے نام سے بادشاہ ہو گیا۔ اِس کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا جو جونپور کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ مشہور تھا جس نے سنہ ۱۴۰۱ء سے لے کر سنہ ۱۴۴۰ء تک بڑی کامیابی سے سلطنت کی۔ ابوالفضل

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

زمان سلطنت میں بہلول کو لامحالہ اس حالت کو انگیز کرنا پڑا اور دونوں میں اپنے اپنے مقبوضات پر علیٰ حالہ قایم و برقرار رہنے کا ٹن سمجھوتا ہو گیا لیکن مثل مشہور ہے کہ

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ ہے سنے اس بادشاہ کو ایک جفاکش اور اچھا بادشاہ لکھا ہے وہ جب تک زندہ رہا رعایا کا ہردل عزیز رہا اور مرنے کے بعد اُس کی وفات سے تمام رعایا سوگوار رہی لیکن شاید اہل ہنود کا خیال اِو طرح کا تھا کیوں کہ ابراہیم میں اسلامی تعصب پایا جاتا تھا اور گو وہ مشہور تھا۔ مگر خونخوار نہ تھا۔ یہ ایک بدقسمتی ہے سلاطین دہلی یا دوسری سلطنت ہائے اسلامی کی کہ حالات کا کوئی مرقعہ اہل ہنود کا لکھا ہوا موجود نہیں ہے۔ ہماری واقعہ نگاری کا تمام تر ماخذ مسلمان مورخین ہیں جن کے نزدیک تمام ہندو جہنمی تھے جو اُن کا اپنا ہی قول ہے۔ ابراہیم کا بیٹا محمود بھی ایک لایق بادشاہ ہو گزرا ہے اور جس کو اپنے زمانے کے محاربوں میں کامیابی حاصل رہی۔ جونپور کے خود مختار بادشاہوں میں کا آخری بدنصیب بادشاہ سلطان حسین تھا جسے ۱۴۷۶ء میں بہلول لودھی نے تخت سے آتار دیا اور جس نے اپنے ہمنام بادشاہ بنگالہ کے ہاں پناہ لی۔ ۱۴۸۶ء میں بہلول لودھی نے اپنے بڑے بیٹے باربک کو جونپور کا گورنر مقرر کیا۔ بہلول کے جانشین سکندر لودھی نے پوری طرح سلطنت جونپور کو فتح کر کے صوبۂ بہار میں شامل کر دیا۔ جونپور کے جتنے بھی بادشاہ شرقی خاندان کے ہوئے سب فارسی اور عربی علوم کے شایق اور قدردان تھے اور سلطان حسین گو معاملات رزم میں بدقسمت رہا مگر وہ بڑا شاعر اور فن موسیقی کا ماہر تھا۔ اس زمانے میں جونپور کا وہ شہرہ بلند تھا کہ اُسے "شیراز ہند" کہتے تھے جونپوری مشہور اٹالہ مسجد سلطان ابراہیم نے ۸۱۰ھ میں بنائی تھی۔ جس کی تعمیر کی تاریخ "مسجد جامع الشرق" ہے۔ لال مسجد اُس کے بیٹے نے بنوائی اور مسجد جامع حسین شاہ کی بنائی ہوئی ہے اور یہی مشہور عمارات ہیں جن کو لوگ غلطی سے پٹھانوں سے منسوب کرتے ہیں۔ اِن مسجدوں کے مینار نہیں ہیں۔ یہ عمارات اپنے عالی شان دروازوں اور اندر دار سے گاؤدُم دیواروں کے سبب سے مشہور ہیں شہر کے مشرق میں پرانے قلعے کے پاس ایک مرتفع مقام پر احاطے کے اندر ایک درگاہ ہے۔ جس کے اندر دو روضے سنگ سُرخ و سفید کے بنے ہوئے ہیں۔ اِن میں سے ایک روضے کی پیشانی پر تاریخ تھی جو بہ سبب کہنگی کے بالکل معدوم ہو کر صرف دو تین لفظ باقی رہ گئے ہیں جس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کن بزرگ کی درگاہ ہے مگر یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ مخدوم جہانیاں کی اولاد میں سے کسی بزرگ کا مقبرہ ہے اسی کے پاس ایک دوسرا عالی شان گنبد ہے جس کے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

"دو بادشاہ در اقلیمے نمی گنجند" یہ دو عملی نبھ نہ سکی اور جنگ چھڑ گئی سنہ ۸۵۱ھ میں جبکہ بہلول لودھی دہلی میں موجود نہ تھا۔ محاصرہ کر لیا۔ لیکن ایک معرکے میں جو دہلی سے تیس میل شمال میں ہوا تھا محاصرین کی طرف کے ایک بڑے امیر کو سازش کر کے اُدھر سے توڑ لیا گیا جس کی وجہ سے محاصرہ جلد اُٹھانا پڑا۔ اور اس طرح بہلول لودی کا قبضہ پھر دارالسلطنت دہلی پر ہو گیا۔ اس قسم کی کئی لڑائیاں ہوئیں جب میں بہلول کو

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ ہے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ اس کے اندر چار قبریں ہیں جن میں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے۔ اسی گنبد میں ایک طرف ایک پتھر جڑا ہے۔ جس پر ذیل کا قطعہ کندہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص شاہ بڑے خان حسین شاہ بادشاہ شرقی ابن محمود شاہ بن سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں سنہ ۸۸۱ھ میں تھے اُن کا یہ روضہ ہے۔

این گنبد مبیںکہ از چرخ برتر است ۔۔۔ در بحر خلائق بے نظیر زیب و زیور است
گشتہ بنا بعہد ہمایوں حسین شاہ ۔۔۔ کاندر زمانہ ذات جلیلش مظفر است
ترتیب کردہ شاہ بری خاں و فتح خاں ۔۔۔ کز فضل حق جہاں ہمہ اورا مسخر است
بادا ہزار سال حیاتش فلک بکام ۔۔۔ کیں ملک بردوام بذاتش مقرر است
ہشتاد و یک و ہشتصد از ہجرت رسول ۔۔۔ تاریخ و سال گشت زماہ پیمبر است
بانیٔ طاق سید راجو ی بن جلال ۔۔۔ کافانی زجہاں شیں خوشتر منوا است

کاتب حروف حاتم مسکیں کہ او نحیف
اُمید وار مغفرت از حضرت اکبر است

اسی روضہ کی پیشانی پر ایک اور تاریخ کندہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روضہ کسی وقت زلزلے سے شکستہ ہو گیا تھا جس کو انھیں کی اولاد میں سے کسی شخص عباس علی نے سنہ ۱۲۰۹ھ میں تعمیر کرا دیا ہے

این روضۂ اطہر و منور ۔۔۔ ثابت لقب و جلال حیدر
تعمیر شہ بری چو بنمود ۔۔۔ ہشتاد و یکے و ہشت صد بود
کز زلزلۂ زمیں شکستہ ۔۔۔ تعمیر دگر شکستہ بستہ
عباس علی یکے ز اولاد ۔۔۔ خلف الصدق است و آل امجاد

سنہ و صد و نہ و یک ہزار است
از ہجرت رسول نامدار است

جس طرح پے در پے جیت پر جیت ہوتی رہی اُسی طرح بے چارے بدنصیب جونپور کے بادشا کو ہر بار شکست ملتی تھی۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ بہلول نے جونپور کے شرقی خاندان

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) تاریخ بنائے پل جونپور۔ منعم خاں خانخاناں کہ بعد معزولی خانخاناں بیرم خاں درسنہ ۹۶۷ھ از محمد اکبر شاہ منصب عالی [illegible] وکالت و شرف خطاب خانخانی معزز شدہ بود و بعد کشتہ شدن خان زماں و علی قلی خاں درسنہ ۹۷۴ھ تمامی جاگیر ایشاں از جونپور و بنارس و غازیپور تا کنار آب جون بدو تفویض گردیدہ او درسال سنہ ۹۷۵ھ سوائے مساجد و عمارات کہ در جونپور تعمیر نمود پلے بہ نہایت استحکام بر دریائے گومتی بستہ کہ امروز موجود است و ہیچ تغیرے در و راہ نیافتہ مہتمم آں پل فہیم نامی غلامے بود۔ تاریخ تعمیر ایں پل عزیزی بہ طریق تعمیہ یافتہ و در آں جا ثبت نمودہ:۔ تاریخ

خانخاناں خانِ منعم اقتدار بستہ ایں پل را بتوفیق کریم
نام او منعم ازاں آمد کہ ہست بر خلایق ہم کریم و ہم رحیم
رہ بتاریخش بری گر افگنی لفظ پل را از صراط المستقیم

منعم خاں درسنہ ۹۸۳ھ (۹۸۲) در ماہ رجب در لکھنوتی کہ دار السلطنت بادشاہان بنگالہ بود و آنرا گور نیز می گویند وفات یافت۔ (۹۷۵-) ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ تیمور گردی کے بعد جس کو جہاں موقع ملا ملک دبا بیٹھا اور خود مختار بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ مالوے اور جونپور کے شرقی بادشاہوں کا حال اوپر آچکا ہے۔ تسلسل واقعات قائم رکھنے کی غرض سے اِس زمانے میں جو اور سلطنتیں تھیں اُن کا ذکر بھی ہم اجمالاً کر دیتے ہیں۔

سنہ ۱۱۹۹ء میں ملک بنگالہ مسلمانوں کے قبض و تصرف میں آگیا تھا۔ راجہ لکشمن سین ایک مُسن شخص ندیا یا نوادیپ میں حکمراں تھا اُس کو صرف اٹھارہ سواروں نے الیا ڈر بڑا لیا کہ اُس نے پچھیت کے دروازے سے بھاگ کر ڈھاکے میں جا کر سر چھپایا اور ندیا اپنی دار الخلافہ کھلے یار و مددگار مسلمانوں کے رحم پر چھوڑ گیا جنھوں نے خوب لوٹ لاٹ کر لکھنوتی یا گوڑ کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ محمد بختیار خلجی ترک جنرل نے مساجد مدارس درگا ہیں کو بہت کچھ عطیات دیئے اور بہت سا مال غنیمت اپنے سردار قطب الدین ایبک کو بھیج دیا۔ اُس وقت سے بنگال سلطنت دہلی کا ایک صوبہ ہو گیا تھا اور اِس عرصہ میں بادشاہان دہلی کے صوبہ دار حکمراں رہتے تھے۔ لیکن دلّی یہاں [illegible] کہ اِن کی نگرانی

[illegible]

کی مملکت کو فتح کرکے دلی کی سلطنت میں شامل کرلیا اور اپنے بیٹے باربک شاہ
کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اِسی طرح اور بھی کئی حملے ہوئے مگر اُن میں سے کوئی بھی

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ محض برائے نام تھی۔ سنہ ۱۱۹۳ء سے سنہ ۱۳۳۸ء تک پینتیس صوبہ دار
بدلے اور جس کا جو دل چاہا سو کیا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ صوبہ بنگالہ یا لکھنوتی کی عہدِ اسلامی
میں حدود ذیل تھیں۔ جنوب میں سندربن۔ مشرق میں دریائے برہم پترا۔ شمال میں
کوچ بہار اور ترائی۔ مغرب میں دریائے کوسی۔ لیکن ایک وقت میں ترہت اور بہار
کا جنوبی حصہ بھی اِسی میں ملا دیا گیا تھا۔ جس میں اڑیسہ اور چھوٹا ناگپور شامل نہ تھا۔ تین
قدیم دار الخلافے گوڑیا۔ لکھنوتی۔ پانڈوہ یا فیروزآباد اور ٹانڈہ سب مالدہ کے ضلع میں
تھے۔ محمد بن تغلق (۱۳۴۰ء) کے زمانے میں الیاس شاہ بنگال کا خودمختار بادشاہ بن بیٹھا اور
فیروز شاہ نے بھی ۱۳۵۶ء میں اِس کی بادشاہت کو ایک دانشمندانہ اور طاقتور
حاکم تھا تسلیم کرلیا۔ الیاس شاہ کا بیٹا سکندر شاہ بھی باپ کی طرح نہایت قابل
شخص تھا۔ جس نے پانڈوہ میں دمشق کے نمونے کی آدینہ مسجد ایسی بنوائی ہے کہ جو بنگالے بھر
میں سب سے عمدہ عمارت خیال کی جاتی ہے۔ حسین شاہ (۱۴۹۳-۱۵۱۸ء) بنگالے
کے سب بادشاہوں میں بڑا اور بہترین تھا جس نے جونپور کے بادشاہ سلطان حسین
کو اُس وقت پناہ دی تھی جب کہ اُسے بہلول لودھی نے نکال دیا تھا۔ لودھی بادشاہ
نے جب بہار پر قبضہ کرلیا جو جونپور کی سلطنت میں تھا تب سے بنگال اور دلی کے بادشاہوں
کا تعلق راست ہوگیا۔ بنگال کا بادشاہ نصرت شاہ (۱۵۱۸-۳۲ء) نے ترہت کو اپنی
سلطنت میں شامل کرنے کی وجہ سے بابر نے لشکرکشی کی جس کا خاتمہ صلح پر ہوگیا ۱۵۲۹ء
میں بابر کی وفات کے بعد شیر شاہ بہار کے افغان گورنر اور بابر کے بیٹے ہمایوں سے جھگڑے
ہوا اِس اثنا میں شیر شاہ بنگال کا بادشاہ ہوگیا اور کچھ عرصے بعد ۱۵۴۰ء میں وہ برائے
چند سے دلی کا بادشاہ بھی رہا۔ شیر شاہی خاندان کا خاتمہ جلد ہوگیا۔ اور ایک دوسرے
افغان خاندان نے سلطنت بنگال پر تسلط کرلیا۔ اِس خاندان کے آخری شخص داؤد شاہ کو
اکبر کے جنرل نے شکست دے کر ۱۵۷۶ء میں قتل کیا تب سے صوبہ بنگالہ سلطنت
مغلیہ میں شامل ہوگیا۔

گجرات کی اسلامی سلطنت۔ گجرات کے عمدہ صوبہ کو جو بمبئی پریسیڈنسی کے شمالی

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

فصیل شہر تک نہ پہونچ سکا دور ہی دور رہے البتہ صرف ایک حملہ مغرب میں قلعۂ بھٹیارے تک پہونچا تھا۔ آئے دن کے لڑائی جھگڑوں سے بہلول

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) حصے بڑودہ اور راجپوتانے کے جنوبی حصے سے ہم سرحدی سلطان محمد غوری نے ۱۱۹۶ء میں فتح کرلیا اور اسی زمانے سے تیمور کے حملے (۱۳۹۸ء) تک کم وبیش بادشاہان دہلی کی زیر حکومت رہا۔ تیمور گردی میں جونپور کی طرح یہاں کا گورنر بھی خود مختار ہوگیا اور مظفر شاہ کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔ اس کے پوتے احمد شاہ (۱۴۱۱-۴۳ء) نے بجائے انھیل واڑے کے احمد آباد دار الخلافہ مقرر کیا اور مالوے اور دوسرے ہم سرحد علاقوں سے بہت سی لڑائیاں لڑا۔ گجرات کے بادشاہوں میں سب سے بہتر اور مشہور بادشاہ محمود بادشاہ تھا جو بہت کم سنی یعنی تیرہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور باون برس سلطنت کی (۱۴۵۹-۱۵۱۱ء) اس سے اور رانائے میواڑ سے بڑی طول طویل جنگ ہوئی اور اپنے ہم سرحدی بہت سے رؤسا پر فتح حاصل کی لیکن پرتگالیوں کی روک تھام میں اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی جو مغربی حصۂ ہند میں طاقت پکڑتے چلے جارہے تھے۔ محمود نے بندر ڈیو کی لڑائی (۱۵۰۹ء) میں اپنا ایک بحری بیڑا بھی کھو دیا۔ اسی زمانے کے قریب میں دلّی کے بادشاہ سکندر لودھی نے بادشاہِ گجرات کی خود مختاری کو تسلیم کیا۔ بہادر شاہ نے جو محمود کا پوتا اور محمود کے بعد چوتھا بادشاہ تھا ۱۵۳۱ء میں مالوے کو فتح کرلیا اور اس کے تین سال بعد چیتوڑ کا محاصرہ کرکے رانائے میواڑ سے قلعہ لے لیا۔ آخر کار ۱۵۷۳ء میں اکبر نے گجرات کے آخری بادشاہ کا قلع قمع کرکے ملک پر قبضہ کرلیا لیکن کامل فتح ۱۵۹۲-۹۳ء میں حاصل ہوئی۔ گجرات میں ہندوؤں اور جینیوں کے بہت خوب صورت مندر سیدھ راج اور کمار پال (یہ دونوں بارہویں صدی عیسوی میں چلوکیا یا سلونکی خاندان کے مشہور راجہ تھے) کے عہد کے تھے جن کا مال مسالا اور ڈاؤل (نمونہ) دونوں سلاطین اسلام کی خوب صورت عمارتوں کے کام میں آئے۔ اُن لوگوں نے احمد آباد کو ہندوستان کا سب سے خوب صورت اور نفیس شہر بنادیا تھا اور سولھویں صدی کے آخر تک وہ ایسا ہی رہا کہ بلحاظ عمدگی و نفاست۔ شان و شوکت اور وافر آراستگی کے اس سے بڑھ کر کسی شہر کی عمارات نہ تھیں۔ اب بھی گجرات میں فن تعمیر زندہ ہے اور صرف یہی صوبہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کا دم ناک میں آگیا تھا اپنی سلطنت کے آخیر زمانے میں اُس نے بیزار ہوکر صرف دِلّی اور اُس کے ملحقہ بعض اضلاع اپنے بیٹے **نظام خاں** کے لئے

نوٹ صفحۂ گزشتہ: ہی جہاں کے صناع واہل حرفہ اب تک اپنے آبا و اجداد کی قدیم زمانے کی دستکاریوں کے نکات سے واقفیت رکھتے ہیں۔

دکن کی اسلامی سلطنتیں۔ دکن میں کئی اسلامی سلطنتیں تھیں۔ ایک افغان سردار حسن گانگوی بہمنی نے محمد تغلق کے زمانے (۱۳۴۷ء) میں ایک وسیع سلطنت قایم کرکے گلبرگہ کو دارالخلافہ بنایا جو اب سرکار عالی حضور نظام دکن کی ممالک محروسہ میں ہی۔ پھر گلبرگہ سے (۶۰) میل کے فاصلے پر بیدر کو دارالسلطنت منتقل کی (ان دونوں مقامات کا تفصیلی حال ہماری کتاب واقعات مملکت بیجاپور میں موجود ہی) اِس خاندان کا نام اِس کے بانی کے نام پر سے سلطنت بہمنیہ قرار پایا۔ ایک صدی سے اوپر (۱۳۴۷-۱۴۸۲ء) تک بہمنی سلطنت ہندوستان میں سمندر کے اِس ساحل سے اُس ساحل تک پھیلی رہی جس میں کچھ حصہ موجودہ بمبئی پریزیڈنسی سلطنت نظام اور مدراس پریزیڈنسی کے ملک "شمالی سرکار" کا بھی شامل تھا ان بادشاہوں کو بیشتر طاقتور ہندو راجگان بیجانگر (دکن) سے جنگ رہی جو اُس زمانے میں سارے تامل علاقے کے راجہ تھے۔ ۱۴۸۲ء میں اِس سلطنت کے پانچ ٹکڑے ہوگئے (۱) بریدشاہی بیدر (۲) عادل شاہی بیجاپور (۳) نظام شاہی۔ احمدنگر (۴) قطب شاہی۔ گولکنڈہ۔ (۵) عماد شاہی۔ برار یا ایلیچ پور بیدر۔ ایک ترک سردار نے ایک چھوٹی سی جداگانہ سلطنت بیدر میں قائم کی جو ایک صدی تک قائم رہی اور یہی بریدشاہی کہلاتے ہیں۔ بیجاپور سلطنت بہمنیہ جو پندرھویں صدی کے اوائل میں برسر عروج تھی بزمانۂ انحطاط اُس میں دور دراز کے مقبوضات کو قابو میں رکھنے کی سکت نہ رہی۔ ۱۴۹۰ء میں بیجاپور کا ایک ترکی صوبہ دار خود مختار بن بیٹھا اور اپنے نام پر ایک نئے خاندان عادل شاہیہ کی بنا ڈالی جو ۱۶۸۶ء تک جب کہ اورنگ زیب نے اُس کا خاتمہ کیا قائم رہا۔ بیجاپور کے قدیم شہر کا دور تیئس میل کہا جاتا ہی اور وہاں کی بے نظیر اور شاندار عمارات اب بھی اپنے نظارے کے لیے سیاحوں کو دور دور سے کھینچ لاتی ہیں بڑی بڑی مسجدیں اور سلاطین عادل شاہیہ کے مقبرے جو آگرے اور دِلّی کی عمارات کے طرز سے جدا ہیں۔ اُن کی نسبت ماہرین فن تعمیر کی رائے ہی کہ وہ اپنے طرز تعمیر اور جدّت وضع میں کسی طرح کم نہیں ہیں۔

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

رکھ لیئے اور باقی ملک از خود اپنے معاندین میں تقسیم کر دیا۔ بہلول لودھی نے ۸۸۴ھ میں بیمار ہو کر انتقال کیا۔ اور اپنے باغ میں جو درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی کے محاذی ہے۔ ایک مقبرے میں دفن ہوا۔

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ: احمد نگر۔ احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کی بنا بھی عادل شاہی خاندان کے ساتھ ہی ساتھ پڑی۔ یہاں کا صوبہ دار احمد شاہ پسر نظام الملک بھی خود مختار ہو گیا تھا۔ یہاں کے تاریخی حالات سوائے اس کے کچھ زیادہ دل چسپ نہیں ہیں کہ یہاں کی ایک نہایت جری عورت چاند بی بی نے ۱۵۹۶ء میں اکبر جیسے بادشاہ کو پسپا کر دیا تھا۔ چار برس بعد عارضی طور پر شاہنشاہ دہلی کامیاب ہوا اور احمد نگر ایک صوبہ قرار دیا گیا لیکن ایک حبشی جنرل ملک عنبر نے پھر قبضہ کر لیا اور آخر کار ۱۶۳۲ء میں قطعی طور پر یہ ملک فتح کیا گیا۔

گولکنڈہ۔ یہ سلطنت بہمنیہ کا ایک جزو تھا جس نے ۱۵۱۲ء میں علیحدہ سلطنت کی شکل اختیار کی یہاں کے بادشاہ قطب شاہی کہلاتے تھے۔ جن کو ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے ختم کر دیا گولکنڈہ شہر حیدر آباد دکن سے بالکل قریب ہے۔ یہاں کا قدیم قلعہ جس میں بڑے بڑے عالی شان مقبرے ہیں حضور پر نور سرکار عالی نظام کی سلطنت میں ہے جس میں فوج رہتی ہے۔

برار یا ایلچ پور۔ یہ تیسرا صوبہ دار تھا جس نے خود مختار ہو کر برار کی سلطنت قائم کی جس کا دار الخلافہ ایلچ پور تھا جو قریب (۸۴) برس کے ۱۵۷۴ء تک قایم رہی اس کے بعد یہاں کے بادشاہ عماد شاہی کہلاتے تھے۔

ہندوستان کے جنوبی حصۂ ملک کی تاریخ ۱۴۰۰ء سے لے کر ۱۵۶۵ء تک کا خلاصہ یہ ہے کہ دکن کے پانچوں مسلمان بادشاہ بیجانگر کے راجہ سے ہمیشہ برسر پیکار رہے تا آں کہ جنوری ۱۵۶۵ء میں تالیکوٹہ کی مشہور جنگ میں بیجانگر کے راج کا خاتمہ ہوا اور آخر کار ایک ایک کر کے اِن سب مسلمان بادشاہوں کو بھی زبردست شاہنشاہ دہلی کے سامنے سر اطاعت خم کرنا پڑا۔

بیجانگر کا راج۔ جب مسلمانوں کی افواج تیرھویں صدی عیسوی کے ختم اور چودھویں کے شروع میں ملک دکن میں داخل ہوئیں تو میسور کے ملک پر ہوئیسالا خاندان کے راجہ حکمراں تھے اور مغربی جانب دکن پر دیوگیری کے یادو خاندان کا تسلط تھا۔ ہوئیسالہ کے راجاؤں کا راج دھانی دوار سمدر کو ملک کافور اور خواجہ حاجی نے ۱۳۱۰ء میں فتح کر لیا جس کو

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

نظام خاں سکندر لودھی سنہ ۱۵۱۷ء سے سنہ ۱۴۸۸ء

بہلول کی وفات کی خبر سنتے ہی اُس کا ایک بیٹا جس کا نام نظام شاہ تھا عجالتہً دہلی پونہچا اور سکندر کے لقب سے تخت نشین ہوگیا لیکن اِس کی تخت نشینی بھی بلا جھگڑے کے نہ ہوئی کیونکہ خان امرا نہیں چاہتے تھے کہ ایک

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ محمد بن تغلق نے سنہ ۱۳۲۷ء میں اسے بالکل اُجاڑ ڈالا۔ رام چندر یادو خاندان کے راجہ کو سب سے پہلے علاء الدین کی اطاعت قبول کرنی پڑی تھی بعد ملک کافور کو اُس نے ایک خطیر رقم دے کر کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچالی۔ اس کے بیٹے ہرپال نے ہمت کرکے اِن کے دباؤ سے نکلنا چاہا مگر بدقسمتی سے سنہ ۱۳۱۸ء میں قطب الدین مبارک سے شکست کھائی جس نے وحشیانہ طور پر اُس کی زندہ کھال کھنچوائی۔ محمد بن تغلق کے ہوئیسالہ خاندان کے تباہ کرنے کے تھوڑے دنوں بعد اسی خاندان کے پانچ باجگزار بھائیوں نے ملک دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا کے جنوب میں ایک نئی خودمختار سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ان میں سے دو بھائی ہریہر اول اور بکا (سنہ ۱۳۳۶ء – سنہ ۱۳۷۶ء) سلطنت بیجانگر کے دو پہلے راجہ گزرے ہیں۔ اِس نئی سلطنت نے تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی حیرت خیز ترقی کی کہ ان بھائیوں کی زندگی ہی میں مسلمانوں کو مدورے سے نکال باہر کیا جو پانڈوؤں کی قدیم دارالسلطنت تھا۔ اور چولا خاندان کی قدیم سلطنت بھی اِس نئی سلطنت میں ضم ہوگئی۔ عالم و فاضل برہمن مادھو چاریہ اور اُس کا بھائی ساین جو ویدا اور دیگر مذہبی کتابوں کا مشہور شارح ہے پہلے تین راجاؤں کے وزیر تھے۔ ان کی دارالسلطنت شہر بیجاپور میں مقرر ہوئی جو مقام اب ہمپی کے کھنڈر کے نام سے مشہور ہے اور ضلع بلھاری صوبۂ مدراس کے حدود میں واقع ہے۔ جس کی مفصل تاریخ ہم نے "تاریخ بیجانگر" المعروف بہ "ہمپی کے کھنڈر" لکھی ہے۔ یہاں کے راجہ اصل نسل کے کنڑے یعنی کرناٹک والے تھے اور وہ رایان بیجانگر کہلاتے تھے۔ اِن کے عہد میں اِس شہر نے ایسی جلد اور حیرت خیز ترقی کی کہ سنہ ۱۴۴۳ء میں ایک فارس کے ایلچی عبدالرزاق نے اِس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ ملک ایشیا کا یہ ایک نہایت شان دار شہر تھا۔ اِس کے کھنڈروں میں جن کی چھان بین محکمہ آثار قدیمہ نے زمانۂ حال میں نہایت اہتمام سے کی ہے۔ عہد ہنود کی بہت سی عمدہ متعدد عمارات ہیں جو کئی مربع میلوں میں پھیلی پڑی ہیں۔ قنوج اور دہلی کی طرح اِس شہر کے گرد

(بقیہ نوٹ در صفحہ آئندہ)

ایسے شخص کو جو سُنار قوم کی ہندنی کے بطن سے ہو بادشاہ مقرر کیا جائے اِس کا مقابل اِس کا چچیرا بھائی تھا جس کو سکندر نے شکست دی اور پھر بڑی دریا دلی سے اُس کی خطا سے درگزر بھی کی۔ اِس کے بڑے بھائی باربک شاہ جونپوری

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) بھی یکے بعد دیگرے سات فصیلوں کا حصار تھا اس کے بازار نہایت آباد اور اشیائے یا یحتاج سے ایسے ہی بھرے پڑے تھے جیسے عموماً ایشیائی شہروں کے ہوتے ہیں۔ عبدالرزاق سیاح نے اِس شہر کا تذکرہ بہت تفصیل سے کیا ہے۔ جس میں کے چند فقرے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

"یہ شہر ایسا ہے کہ دنیا میں اِس کی نظیر لا عین رأت ولا اذن سمعت۔ یہ اِس ندرت سے بنایا گیا ہے کہ جس کے سات قلعے اور سات ہی فصیلیں بھی ہیں۔ پہلے قلعے کے گرد قدآدم بلند پتھر لگے ہیں۔ جن کے آدھے زمین کے اوپر ہیں اور آدھے زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ یہ اِس ترکیب سے یکے بعد دیگرے نصب کیئے گئے ہیں کہ سوار یا پیدل بہ آسانی قلعہ تک نہ پونہچ سکے۔ ہر بازار میں عالی شان اور مرتفع دالان ہیں۔ جن کے سامنے برآمدے ہیں۔ لیکن راجہ کے دربار عام کا ہال جو محل میں ہے سب سے اونچا ہے۔ بازار بہت چوڑے کشادہ اور لمبے ہیں جہاں دیکھو گلاب کے پھول کثرت سے بکتے رہتے ہیں۔ یہاں کے لوگ اِس طرح اِن پھولوں کے شایق ہیں گویا جسطرح کھانا فرض ہے اُسی طرح یہ بھی شرط زندگی ہیں پیشہ ور لوگوں کی دکانیں سلسلہ وار ہیں۔ جوہری سربازار موتی۔ لعل۔ زمرد۔ ہیرے فروخت کرتے ہیں۔ اِس نغیب خطے میں بہت سے چشمے اور نہریں رواں ہیں جن کی بندشیں گھڑے ہوئے اور چکنے پتھروں کی ہے۔ اِس سلطنت کی آبادی اِس قدر وافر ہے کہ اُس کی تفصیل کے لیئے بہت جگہ درکار ہے۔ راجہ کے محل میں متعدد حوض سونے سے بھرے ہوئے ہیں جن کا ایک ہی ڈلا ہے۔ تخت جو بہت بڑا ہے اُس پر نہایت بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے ہیں" یہاں کی گورنمنٹ کا مفصل حال نیونز ایک پرتگیز سیاح نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں کا راجہ خود مختار اور مطلق العنان ہے جس کے اختیارات بہت بڑے اور سب پر حاوی ہیں خواہ وہ چھوٹا آدمی ہو یا بڑا اُس کے اختیارات پر کسی قسم کی روک نہیں ہے۔ راجہ کے نوکر چاکر (زیادہ تر) عورتیں ہیں جن میں کی بعض مسلح بھی ہیں بسنگا (پرتگیز نے رایان بیجانگر کا یہی نام رکھا تھا) کے راجہ سوا سے گائے کے گوشت

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

نے بھی کچھ ہل چل کی تھی لیکن چند دنوں کے بعد وہ بھی رام ہوگیا۔ سلطان حسین سابق بادشاہ جونپور نے پھر کروٹ لی اور اپنا ملک واپس لینا چاہا لیکن جیساک

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ہے کے سب کچھ کھاتے ہیں۔ گائے کی چونکہ پرستش کی جاتی ہی لہذا گاؤکشی ممنوع ہی یہ لوگ گوشت خنزیر شکار اور ہرن کا گوشت۔ تیتر۔ خرگوش۔ فاختہ بٹیر اور سب قسم کے پرند۔ حتیٰ کہ چڑیاں۔ چوہے۔ بلیاں۔ چھپکلیاں تک کھاتے ہیں اور یہ سب چیزیں شہر میں فروخت ہوتی ہیں۔ اِس سلطنت میں دوسو ضلع ستھے۔ ہر ضلع پر ایک حاکم رہتا ہی جو پورے اختیارات رکھتا ہی مگر ہر حال میں اُس کا وجود راجہ کے رحم و کرم پر موقوف ہی۔ ہر حاکم کو لازم ہی کہ مسلح فوج کی ایک مقررہ تعداد فراہم رکھے۔ اِس طرح فوج کی تعداد دس لاکھ نفری کی تھی۔ سٹیٹ کا محاصل بہت کثیر تھا۔ امرا نوعیش و آرام میں بسر کرتے ستھے۔ لیکن غریب لوگ پسے جاتے ستھے۔ اور بمشکل گزران کرتے ستھے۔ جرائم کی سزا بڑی ہولناک تھی۔ چوری کی سزا عموماً ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا کاٹ ڈالنا تھا۔ اور اگر چوری بڑی ہو تو ٹھوڑی کے نیچے ایک آنکڑا چبھو کر لٹکا دیتے ستھے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ چوریاں بہت کم ہوتی تھیں۔

سولی پر چڑھانا اور دوسری اِسی قسم کی سزاؤں کا اُس زمانے میں بہت رواج تھا۔ مہلک ہتھیاروں سے اکثر دو دشمن لڑکر اپنی نزاع کا تصفیہ کرلیتے تھے جسے انگریزی میں "ڈیوال" کہتے ہیں۔ اِس قسم کی لڑائی وزیر کی اجازت سے ہوتی تھی اور جو لوگ اِس طرز سے اپنے مناقشوں کا تصفیہ کرلیتے ستھے۔ وہ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جو فتح مند رہتا تھا اُسے مغلوب کی جائداد دِل جاتی تھی۔ مسٹر فریڈرک فاسٹ کہتے ہیں کہ اب سے بیس برس پہلے تک ملیبار کے ضلع میں قوم نایر میں ڈیوال کا طریقہ جاری تھا۔ جس کی تعریف و ثنا کتبوں میں گائی جاتی تھی۔ یہ لڑائی تلواروں سے ہوا کرتی تھی۔ ستی کی رسم کا رواج کثرت سے تھا۔ جب کوئی راجہ مرجاتا تھا تو اُس کے ساتھ چار سو یا پانسو عورتیں ستی ہو جاتی تھیں۔ تلنگی عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ زندہ دفن ہو جاتی تھیں۔ یہ خاکہ ہی اُس طرز زندگی کا جو اوائل سولھویں صدی عیسوی میں ایک ہندو سلطنت میں مروج تھا۔ یہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ رایان بیجانگر کو آئے دن اپنے ہم عصر اور ہم سر مسلمان بادشاہوں سے لڑنا پڑتا تھا۔ پہلے سلاطین بہمنیہ سے اور

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا تھا پھر شکست پائی۔ سلطان سکندر نے تب بہار اور ترہت کو جو بادشاہ جونپور کے مقبوضات سے تھے فتح کرلیا لیکن گوالیار کے قرب وجوار کے علاقہ جات کو مطیع کرنے میں بڑا عرصہ لگا۔ سکندر ان مہموں میں ایسا گھِرا رہا کہ باہر ہی باہر رہنا پڑا اور ۱۴۹۰ء تک وہ دِلّی کو نہ آسکا اور تب بھی صرف تین ہفتے دِلّی میں ٹکا تھا کہ پھر دوسری شورشوں کے رفع کرنے کو جانا پڑا۔ اِس طرح کئی برس

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) پھر دکن کے پانچوں مسلمان سلطنتوں سے لڑائیاں رہیں بیجانگر کے راجوں میں سب سے زیادہ مشہور راجہ کشن رائے دیو (۲۹–۱۵۰۹ء) تھا جس نے اڑیسہ۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کی افواج پر غلبہ پایا۔ یہی دکن ہند کا بڑا اور آخری ہندو حکمراں تھا۔ کشن رائے دیو اپنے مذہب کا بڑا پکّا تھا۔ وہ مغلوب دشمنوں کے ساتھ مہربانی مفتوحہ شہروں کے باشندوں کے ساتھ ترحمانہ اور فیاضانہ سلوک۔ اِس کی بڑی فوجی شجاعت جس سے اُس نے اپنے باج گزار سردار اور رعایا کو گرویدہ کرلیا تھا غیر سلطنتوں کے سفیروں اور ایلچیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اُنکا احترام۔ اِس کی موہنی اور دلکش شکل وشمائل۔ اِس کی دل لبھانے والی نظر اور شیریں سخنی جو پاکباز اور عالی شان زندگی کو ممتاز کرتی تھی۔ اِس کا علمی اور مذہبی مذاق اور اس کا اپنی رعایا کے لیئے ایثار نفس اور سب سے بڑھ کر وہ بے حد و بے قیاس دولت جو مندروں کے عطیات میں اور برہمنوں کی داد و دہش میں بخشی جاتی تھی۔ فی الواقع ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے دکن ہند کا یہ سب سے بڑا ممتاز راجہ سمجھا جاتا ہی جس نے صفحات تاریخ کو اپنی روشنی کی جھلک سے منور کردیا ہی" (ماخوذ از رپورٹ سالانہ محکمۂ آثار قدیمہ بابتہ ۹–۱۹۰۸ء ص ۱۸۶ مرتبہ کرشن ساستری) جب سدرسیو برائے نام راجہ ہوا مگر اصلی حکومت اُس کے برادر نسبتی رام راج کے ہاتھ میں تھی جس کے مغرورانہ اور گستاخانہ طرزعمل نے دکن کے پانچوں مسلمان سلطنتوں کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ اُن سبھوں نے آپس میں تنازع تہ کردیئے اور سب مل کر بیجانگر کے راجہ پر پل پڑے۔ طرفین کے بے شمار لشکر جنوری ۱۵۶۵ء میں دارالسلطنت کے قریب ہی دریائے تنگ بھدرا کے شمال میں تالی کوٹہ کے میدان میں جمع ہوئے۔ گو کہ تالی کوٹے کی بستی یہاں سے دور ہی مگر یہ معرکۂ عظیم جنگ تالیکوٹہ ہی کے نام سے تاریخ میں مشہور ہی۔ اِس میں ہندوؤں کو کھلی

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

مختلف مقامات پر گزرے گئے۔ آخرکار سنہ ۱۵۰۴ء میں دِلّی سے دار السلطنت اُٹھا لینے کی صلاح ٹھیری کیوں کہ ایک سال پیشتر دِلّی میں بہت سخت گرمی پڑنے سے

[illegible] کو شکست ہوئی اور رام راج بھی مارا گیا۔ پھر کیا تھا شہر بیجا نگر کو مسلمانوں نے دھڑی دھڑی کرکے ایسا لوٹا کہ اُس کی صورت مسخ ہو گئی اور اب وہ ہمپی کے کھنڈروں کے نام سے مشہور ہے۔

انگریزوں کو زمین کا ملنا۔ گو سلطنت بیجا نگر کا خاتمہ اِس جنگ پر ہو گیا۔ اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئی لیکن سداسیو کے جانشین اِس کے بعد بھی بیجا نگر کے جنوب میں ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر حکمراں رہے جس کی راجدھانی پہلے پین کنڈہ تھی بعد چندراگیری۔ سنہ ۱۶۴۰ء میں چندر گیری کے راجہ نے سالانہ کرایہ پر ایک پٹی ریتیلی زمین کی جو دریائے کوآم کے شمال میں پرتگیزوں کی ڈگمگاتی ہوئی چھاؤنی "سینٹ ٹامی" کے پاس مسٹر فرینسس ڈے ایک انگریز تاجر کو دی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی کونسل کا ممبر مسلی پٹیم میں تھا۔ اِسی خطے پر شہر مدراس کی بنا پڑی۔ سونے کا پتر جس پر یہ دستاویز منقوش کی گئی تھی وہ اُس زمانے میں جب کہ مدراس پر فرنسیسیوں کا قبضہ تھا (سنہ ۱۷۴۶-۴۹ء) میں تلف ہو گئی۔

میواڑ کا راج۔ رانائے میواڑ جو سیسودیا یا گہلوٹ فرقۂ قوم راجپوت کا تھا فی الواقع راجپوت خاندان میں سب سے اول ہے۔ اِس کے آبا و اجداد نے کبھی اپنی بیٹیاں مغلوں کو دینے کی ذلت کو گوارا نہیں کیا اور نہ اُن کے راج نے کبھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کی اِلّا جہانگیر کے عہد میں اور وہ بھی درجۂ مساوات پر۔ قدیم راجدھانی یعنی چتوڑ کا مشہور قلعہ جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں مغلوب ہو گیا تھا۔ اِس پر تین عظیم الشان معرکے ہوئے۔ پہلا محاصرہ سنہ ۱۳۰۳ء میں علاء الدین خلجی کا تھا۔ دوسرا بہادر شاہ بادشاہ گجرات کا سنہ ۱۵۳۴ء میں اور تیسرا اکبر کا سنہ ۱۵۶۷ء میں اِن پیاپے معرکوں کی بدولت راجپوتوں کو اپنی بہادری کے جوہر دکھلانے کے عمدہ موقع ملے جس میں بہت سی عورتیں بھی اُس ذلت سے محفوظ رہنے کے لیے جو مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونے کی مستلزم تھی۔ عزت پر اپنی جان قربان کرکے آگ میں جل مریں اور اِس رسم کو راجپوتوں کی اصطلاح میں "جوہر" کہتے ہیں۔ آخری محاصرے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

وبا پھیل گئی تھی۔ بادشاہ نے ایک کمیٹی قایم کی کہ جمنا کے کنارے کنارے جاکر دیکھیں اور کوئی دوسرا مقام دار الخلافہ کے لیئے انتخاب کریں۔ اِس کمیٹی نے آگرہ پسند کیا چنانچہ آگرہ اِس کام کے لیئے منتخب ہوا۔ اور وہاں دار السلطنت منتقل کی گئی۔ سوء اتفاق سے اِس کے دوسرے ہی سال ۲ ماہ صفر ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء)

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ کچھ دنوں پہلے رانا   دار الحکومت اودے پور کو منتقل کر دیا تھا۔ جو اُس وقت سے اب تک یہیں قایم ہی۔ چتوڑ کے دو منارے "کرتی ستمبھ" اور "جے ستمبھ" ہندو صناعی کی ایک عمدہ یادگار ہیں۔ رانا سانگا اور بابر کی لڑائی کا حال اپنے موقع پر آئے گا۔

اڑیسہ کا راج۔ اڑیسہ بشمول حال کے صوبۂ بہار اور اڑیسہ کے نیز مدراس کے اضلاع گنجام و ویزاگاپٹم مقامی لحاظ سے ہمیشہ ہند کے تاریخی سلسلے سے جدا رہے ہیں۔ بادشاہان دہلی کی سلطنت کے عہد کے بڑے حصے میں اُس ملک پر مشرقی گنگا خاندان حکمراں تھا۔ اِس خاندان کے پہلے راجہ انتت ورمان چولا گنگا نے ستائیس برس (۱۰۷۶-۱۱۴۷ء) تک حکومت کی اور دریائے گنگا اور گوداوری کے درمیانی ملک پر اپنا تسلط بٹھا لیا۔ پوری میں جو مشہور مندر جگنا تھ کا ہی وہ اِسی راجہ کے حکم سے گیارھویں صدی کے اختتام پر بنا تھا۔ مسلمان مورخین اڑیسہ کو "جاج نگر" لکھتے ہیں۔ سب سے پہلی مداخلت مسلمانوں کے ایک عہدہ دار محمد بختیار نے اِس ملک پر ۱۲۰۵ء میں کی۔ پھر بعد میں فیروز شاہ اور دوسروں کی یورشوں کا سلسلہ خاص کر اِس طمع میں ہوا کہ یہاں ہاتھی بہت ملتے تھے۔ اکبر نے اِس ملک کو تقریباً تمام و کمال فتح کر کے بنگال کے صوبہ میں شامل کر دیا۔ اِس صوبے میں ایک عمدہ سلسلہ "انڈو آرین" قسم کے مندروں کا ملتا ہی جن میں نوک دار مینار اور ہتوڑے ستون ہیں۔ ایک عمدہ سورج مندر کونارکا (کنرک) کنگن مقام پر ہی جس کے کتبے سے   راجہ نرسنہوا نے تیرھویں صدی (۱۲۳۸-۶۴ء) میں اُس کی تعمیر یا مرمت کرانا ثابت ہوتا ہی لیکن عمارت کی ظاہری حالت سے اُس کا کچھ حصہ اُس سے بھی زیادہ پُرانا نظر آتا ہی۔ بھُنیشور کے شاندار مندروں کا مجموعہ نہایت قدیم زمانے کی تعمیر معلوم دیتا ہی۔ ۱۲

اتوار کے دن ۹۱۱ھ میں ایک زلزلہ[1] آیا کہ اُس نے سارے ہندوستان اور ملک فارس کو کپکپا دیا۔ یہ ایسا سخت زلزلہ تھا کہ لوگ سمجھے کہ قیامت ہی آگئی اور کہتے تھے کہ ابتدائے آفرینش آدم سے تا ایں دم ایسا سخت سانحہ کبھی نہیں ہوا لیکن سکندر نے پھر بھی آگرے کو نہ چھوڑا بلکہ از سر نو آباد کیا اور سکندر سے لے کر شاہ جہاں کے عہد تک آگرہ ہی دار الخلافہ رہا۔ بایں ہمہ جب تک تاج پوشی کی رسم باقاعدہ طور پر دہلی میں ادا نہ کر لی جاتی تھی تخت نشینی مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ سکندرے کے نام کا موضع جہاں اکبر کا مقبرہ ہے اِسی بادشاہ کے نام سے مشہور ہے جہاں اُس نے ۱۴۹۵ء میں بارہ دری بنوائی تھی سکندر شاہ نے (۲۸) برس کی نمایاں سلطنت کے بعد جس میں اُس نے بہت سی توسیعات کیں۔ بیماری سے ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ / نومبر ۱۵۱۷ء میں آگرے ہی میں انتقال کیا[2]

سکندر شہ ہفت کشور نماند نماند کسے چوں سکندر نماند

اُس کی نعش دِلّی لائی گئی اور خیر پور کی حدود میں ایک عالی شان مقبرے میں دفن کی گئی۔ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ بت پرستی کا سخت مخالف تھا اور جہاں مندر یا بُت ملتے تھے توڑ وا دیتا تھا۔ مسلمان مورخین اِس کا کیرکٹر نہایت عمدہ ظاہر کرتے ہیں اور اِس کے زمانے کو ایک زبردست اور منصفانہ عہد کہتے ہیں۔ ہندو اِس کو کیسا سمجھتے تھے اُس کا کوئی مواد میسر نہیں آیا۔ گو اِس بادشاہ نے (۲۸) برس سلطنت کی مگر دِلّی میں بہت کم رہنے کا اتفاق ہوا۔ تاہم اُس نے قدیم عمارتوں

---

[1] اِس زلزلے کی تاریخ یہ ہے:-

درنہصد و احدے عشر از زلزلہ ہا گردید سواد آگرہ چوں مرحلہ ہا

باآنکہ بناہاش ہمہ محکم بود از زلزلہ شد عالیہا سافلہا

[2] مفتاح التواریخ میں سال وفات خلاف تاریخ فرشتہ کے ۹۱۹ھ ہے اور یہ قطعہ تاریخ وفات کا لکھا ہے اور اِسی حساب سے سلطان ابراہیم کی تخت نشینی کی تاریخ بھی لکھی ہے:-

"چو کرد رخصت عالم نظام خان سلطان زبان بہ تنگ جہانے ز آہ و زاری شد

جہاں سیہ شدہ در چشم ہر کس از مرگش ز حال عالم گفتا سروش تاری شد"

کی درستی میں بہت کچھ روپیہ صرف کیا چنانچہ قطب مینار۔ فیروز شاہ کے مقبرے وغیرہ کی درستی اور ترمیم اسی نے کرائی۔ اسی بادشاہ کے اوائل زمانِ سلطنت میں موٹھ کی مسجد بھی بنی جس کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ ایک موٹھ کے دانہ کی پیداوار کو بڑھاتے بڑھاتے اُس کی آمدنی سے اتنی بڑی مسجد بن گئی۔

سلطان ابراہیم لودھی ۱۵۱۷–۲۶ء

امراء نے سکندر کے تیسرے بیٹے ابراہیم کا انتخاب کیا اور یہی بادشاہ ہوا جونپور کی سلطنت دوسرے بھائی **سلطان جلال** کو دے دی۔

اِس دوعملی کا لازمی نتیجہ مناقشہ اور مجادلہ تھا چنانچہ لڑائی ہوئی جس میں جلال کا خاتمہ ہوگیا۔ پھر اس نے دوسرے بھائیوں کو قید کیا۔ غرض ابراہیم میں باپ کی سی ایک صفت بھی نہ تھی بادشاہ ہوتے ہی اِس کی حالت اور بگڑنی شروع ہوئی۔ یہ بادشاہ بڑا مغرور اور بےانتہا غصیلا تھا۔ امراء کو گھنٹوں اپنے سامنے دست بستہ کھڑا رکھتا تھا۔ اور ہر کس وناکس



ابراہیم لودھی

کو نظرِ حقارت سے دیکھتا تھا۔ بھلا پٹھان اِس توہین کے کب متحمل ہو سکتے تھے اُن کا خیال حق بجانب تھا کہ بادشاہ بھی ہمیں میں کا ایک شخص ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بادشاہ اور صاحبِ تاج و تخت ہے ورنہ سچ پوچھو تو جو ہم سو وہ اُس میں کیا سرخاب کا پر لگا ہے۔ ہم سب نے ہی مل کر اُسے بادشاہ بنایا ہے اور ہمارے ہی پسند و انتخاب دارومدار بادشاہت کا ہے۔ اِس ناچاقی کی وجہ سے عجیب طوفان بےتمیزی برپا تھا۔ کئی امراء اور صوبہ دار یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ ہر پٹھان سردار اپنی اپنی جگہ تن گیا اور خودسر بن بیٹھا۔ اِس عام ناراضی کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اِس خاندان

ف چوں افسر دولت از سر ابراہیم | گردید چو چتر او سعادت آلود
سال تاریخ ہمایوں ساعت | ہاتف گفتہ کہ تاج دولت آسود ۱
۹۱۵

سے سلطنت نکل کر مغلوں میں چلی گئی۔ ابراہیم نے جتنی مدت سلطنت کی اُس کو خانہ جنگیوں ہی سے فرصت نہ ملی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ خود اس کے بھائی علاء الدین نے ایک بڑے بھاری لشکر کے ساتھ چڑھائی کر کے دلّی کو محصور کرلیا۔ ابراہیم کی کچھ تقدیر ہی اچھی تھی کہ اس معرکہ میں کامیاب ہو گیا اور علاء الدین کو محاصرہ اُٹھانا پڑا۔

علاء الدین پنجاب کی طرف نکل گیا۔ اس معرکہ سے پہلے سیری کے بغدادی دروازے کے سامنے بادشاہ نے دہلی کا برجی بت کھڑا کرایا تھا جو ملک دکن کے کسی حملے میں دستیاب ہوا تھا۔ دولت خاں لودھی نام ایک شخص پنجاب کا گورنر تھا وہ بھی خار کھائے بیٹھا تھا۔ اُس نے کابل کے بادشاہ کو پہلے بلوایا تھا۔ بابر ہندوستان کے حالات سن سن کر خود اس ملک پر تاخت کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے آپ تیمور کی وجہ سے بادشاہت کا حق دار سمجھتا تھا۔ لیکن اُس وقت اُسے ازبکوں سے مقابلہ درپیش تھا۔ ادھر آنے کی مہلت نہ ملی۔ اب علاء الدین نے پنجاب پہنچ کر یہ گل کھلایا کہ بابر کو جو مغلوں کا بڑا سردار تھا۔ ہندوستان آنے کی سرسری چھوڑ دی جو سرو دبستان یاد ہائیدن تھا۔ اشارہ کی دیر تھی کہ سنہ ۱۵۲۶ء میں اُس نے دہلی کا عزم بالجزم کرلیا۔ پانی پت کے میدان میں جو دلّی کے شمال میں ہی جو کرکشیتر اور تارائن کے پُرانے میدان ہائے جنگ سے قریب ہی ۸ رجب سنہ ۹۳۲ھ (۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء) کو ابراہیم اور بابر کا مقابلہ ہوا اور اُسی دن مارا گیا اور وہیں پانی پت میں دفن ہوا۔ مدت سلطنت آٹھ سال چند مہینے

آگے چل کر ہم چغتائی مغلوں کے عہد میں سلطنت دہلی کا کمال عروج اور پھر اُس کے زوال کی کیفیت بیان کریں گے کہ یا تو دلّی فلک ہفتم پر پہنچ گئی تھی یا یہ کہ ایسی اسفل السافلین میں جا گری کہ آخری بادشاہ کے وقت میں گورے کے کپڑوں کی سی نام کی بادشاہت قلعہ کے اندر ہی اندر رہ گئی۔ اور بادشاہ دی آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کا پنشن خوار بن گیا۔

خاندان لودھی

بہلول

سنہ ۱۴۵۱-۸۹ء

سکندر (نظام خاں)	سنہ ۱۴۸۸–۱۵۱۷ء
ابراہیم	سنہ ۱۵۱۷–۱۵۲۶ء
زلزلہ	سنہ ۱۵۰۵ء
پانی پت کی پہلی لڑائی	سنہ ۱۵۲۶ء

سلاطین دہلی کا طرز حکومت

دِلّی کے بادشاہوں کی حکومت بالکل مطلق العنان تھی جس کے ساتھ ساتھ یورشین اور قتل کا امتزاج تھا۔ دور دور کے صوبوں پر نگرانی اور گرفت میں ڈھیل تھی اور جن روابط کی پابندی سے یہ لوگ سلطنت دہلی سے وابستہ تھے محمد بن تغلق کے ظالمانہ سلوک کے بعد اُن میں اضمحلال آگیا صوبہ داران و حکام تخت بھی سب اپنی اپنی جگہ خود مختارانہ حکومت کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں مسلمان حاکم تھے اُن کا سلوک ہندوؤں سے اچھا نہ تھا۔ لے دے کے صرف فیروز شاہ تغلق ہی ایک بادشاہ ایسا گزرا ہے جسے رفاہ عام کے امور میں دلچسپی تھی

علوم اور تعمیرات

بہت سے مسلمان شاہزادوں کو فارسی انشاپردازی کا مذاق سلیم تھا۔ جس کی دل کھول کر سرپرستی کی جاتی تھی۔ اِسی طرح بہت سے ہندو راجاؤں کے پُر شوکت درباروں میں بھی علم سنسکرت کی قدر ہوتی تھی۔ بے شمار اعلیٰ درجے کی اُن عمارتوں کا مفصل ذکر اِس کتاب کے حصہ دوم میں آیا ہے جن کی وجہ سے دِلّی کا نام دنیا میں آج تک روشن ہے۔ دِلّی کا چھوٹا سا پیارا نام نہ صرف اننگ پال کی اُس پرانی دِلّی پر محتوی ہو گیا جو صدی عیسوی میں بسائی گئی تھی۔ بلکہ سترھویں صدی کی شاہ جہاں کی آباد کی ہوئی نئی دِلّی یعنی شاہ جہان آباد بھی اُسی میں داخل ہے اور اب ایک اور نئی دِلّی بہ ایما فرمان عطوفت نشان حضور ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند ادام اللہ اقبالہم سنہ ۱۹۱۱ سے زیر تعمیر ہے جو ہندوستان کی جدید سرکاری دارالسلطنت قرار دی گئی ہے ابقاہا اللہ تعالیٰ تا آخر الزمان۔ سلاطین دہلی کی بنا کردہ عمارات مختلف اور غیر ممالک کے جدا جدا اور طرح بطرح کے طرز پر بنائی گئی ہیں جن میں ہندو ماہرین

فن سے جن کے ہاتھوں سے یہ کام بنائے ہیں اپنے عمدہ مذاق اور خوش سلیقگی سے عمدہ عمدہ اختراعات اور ترمیمات کرکے اور جان ڈال دی ہی۔ لوگوں کی زبان پر **پٹھانوں کی عمارات** ایک غلط فقرہ چڑھا ہوا ہی اور اسی طرح **پٹھان بادشاہ** اور **پٹھانوں کی سلطنت** بھی ایک صریح غلطی ہی۔ کیوں کہ یہ لوگ دراصل **ترک** تھے نہ کہ **پٹھان**۔ ہندوستان کے کاریگروں نے زیادہ تر دمشق، قسطنطنیہ اور مصر کی عمارات کے طرز کا تتبع اور تقلید کی ہی۔

اُردو زبان چوں کہ فاتحین ہند کی مادری زبان ترکی یا فارسی تھی اِس ملک کے ہندو باشندوں سے گفتگو اور مراسلت کا سلسلہ قائم کرنے کے واسطے اُردو زبان ایجاد ہوئی جس میں درحقیقت فارسی کا عنصر غالب ہی۔ جس زبان کو فی زمانا ہندوستانی کہا جاتا ہی اُس کی جڑ اور ماخذ دِلّی کی مغربی ہندی اور بالائی حصہ دوآب کی ہندی زبان ہی۔ اِس میں جب فارسی اور عربی کے الفاظ کثرت سے شامل ہوگئے تو یہ **اُردو** کہلانے لگی۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہی جس کے معنی **لشکر** کے ہیں اور پہلا اور اصلی مفہوم اِس لفظ کا مسلمان بادشاہوں کا کیمپ تھا۔ اور یہی کیمپ سلاطین کا دربار بھی تھا۔ چنانچہ مغلوں کے زمانے کے سکوں میں کثرت سے **ضرب اُردو** کا جملہ استعمال ہوا ہی جس کے معنے ہیں کہ یہ سکہ شاہی کیمپ میں مضروب ہوا۔ بدیں وجوہ اُردو کا واقعی اور اصلی مفہوم ہندوستانی زبان کی وہ شق ہی جس کو ہم بھی چغتائی مغربی ہندی کہہ سکتے ہیں جوکہ درباری زبان قرار پائی تھی اور پہلے پہل وہیں اِس کا رواج ہوا پھر یہ سارے اقطاع ہند میں مختلف روپ بدل کر پھیل گئی اور اب یہ ہندوستان کی لنگوا فرینکا ہی سب سے پہلے سولھوین صدی کے ختم پر ریختہ اُردو کا رواج دکن میں ہوا۔ پھر اِس زبان نے انگریزی گورنمنٹ کے عہد میں بہت بڑی ترقی نثر کے لٹریچر میں کی۔

اشاعت اسلام ہم مسلمانوں کے مذہبی جوش اور غلو کو ایک حد تک دیکھتے چلے آئے ہیں کہ جو اُنھوں نے غیر مذہب والے

ہنود ۔ جین اور بدھ مت والوں کے ساتھ مرعی رکھا تھا ۔ زیادہ تر اس تنفر اور تباین کا سبب یہ تھا کہ مسلمان بت پرستی کے سخت مخالف تھے ۔ تاہم بہت سے ہندو راجہ مع اپنے ہمراہیوں کے چند در چند موجبات ترغیب کی وجہ سے یا بعض محض دباؤ سے مسلمان ہو گئے چنانچہ اب تک بھی اُن نو مسلموں کی اولاد مسلمان ہی چلی آتی ہے ۔ غیر مسلموں پر چوں کہ جزیہ قائم تھا ۔ اس سبب سے نیچ قوم کے لوگ زیادہ تر مسلمان ہو گئے کہ کسی طرح اس ٹیکس سے گلو خلاصی ہو ۔ مسلمانوں کے گروہ کے گروہ دیگر ممالک سے برابر چلے آتے تھے ۔ اِن کی آل اولاد پھیلتے پھیلتے ہندوستان میں اور خصوصاً دار الخلافت کے قریب کے شہروں میں مسلمانوں کا عنصر بہت غالب ہوتا چلا گیا ۔

مسلمانوں کی فتوحات کے اسباب

یہ سوال بظاہر ہو سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ گو ہنود اِس ملک میں بکثرت تھے تو پھر بھی مسلمانوں کو ہمیشہ غلبہ ہی رہا اور برابر فتح پہ فتح نصیب ہوتی رہی ۔ دونوں طرف کے لوگ بہادری ۔ دلیری ۔ اور جواں مردی میں یکساں تھے ۔ پھر کوئی وجہ معقول مسلمانوں کے تفوق کی ہونی چاہیئے ۔ بات یہ ہے کہ مسلمان عملاً لڑائی بھڑائی میں ہندوؤں سے بہتر تھے اُن میں مرنے مارنے کے ایک قدرتی جوش کے علاوہ اِن کے جتھے میں آپس میں بڑا ایکا تھا ۔ وہ ہندوؤں کی طرح بات بات میں مذہبی قیود اور قدیم روایات کی پابندی کے مقید نہ تھے ۔ مسلمان فاتحین سرد ملک سے آئے تھے اور گوشت خور تھے اِس وجہ سے اُن کے جسمانی قویٰ بھی قدرتاً ہندوؤں سے اچھے تھے ۔ یہ لوگ ہندوؤں سے بہتر اسلحہ رکھتے تھے اور بابر کے زمانے سے یہ لوگ بڑی بڑی توپوں کا استعمال کرتے تھے اسلام تمام مسلمانوں کو درجۂ مساوات میں رکھتا ہے اور ان میں اخوت یعنی زبردست بھائی چارہ ہے ۔ مسلمان امیر ہو یا غریب ۔ آزاد ہو یا غلام لڑائی کے وقت سب کی ایک صف ہوتی تھی ۔ اور اُن کو یہ کھلی ہوئی برتری ہنود پر تھی جن میں ذات پات (ذات [illegible]) اور آپس کی کشا چھنی بہت کچھ تھی ۔ اتفاق اور یک جہتی ہی کا نام طاقت ہے

اور مسلمانوں میں یہ بات علی وجہ الکمال موجود تھی۔ مسلمان فاتحین کا مختصر سا گروہ بلا یہ موت دو ہی باتوں پر جما ہوا تھا۔ اِن کو موت کا ذرا بھی خوف نہ تھا بلکہ شوق تھا کہ کافر کو مار کر غازی بنیں گے اور دروازے بہشت کے اُن کے واسطے کھل جائیں گے اور درجہ شہادت کا ملے گا یعنی دنیا اور دین دونوں میں سُرخ روئی حاصل ہو گی۔ مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے میں ہندوؤں کے لئے ایسا کوئی مذہبی وعدہ نہ تھا۔ ہندو جنرل شاستر کے قدیم اصول سے زیادہ تمسک کرتے تھے اور ہاتھیوں کی لڑائی پر اُن کو بڑا بھروسہ تھا وہ لوگ سکندر اعظم کے اُس سبق کو بالکل بھولے ہوئے تھے جو اُن کو زمانہ قدیم میں دیا گیا تھا کہ سواروں اور قادر تیر اندازوں اور لائق سرکردوں کے مقابلے میں ہاتھیوں کا وجود ہیچ تھا۔ مسلمانوں کی کامیابی کے اور بھی کئی اسباب غور کرنے سے نکل سکتے ہیں لیکن جس قدر وجوہ ہم لکھ آئے ہیں وہ بھی بالکل کافی ہیں۔

دِلّی عہدِ مُغلیہ میں

۱۵۲۶-۱۷۶۱ء

ہم دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ **التمش** کے زمانے سے لے کر اس زمانے تک کہ جس کی ہم تاریخ لکھ رہے ہیں مغلوں کا دانت ہندوستان کے زرخیز ملک پر تھا۔ ایک نہیں متواتر حملے اُنھوں نے ہندوستان پر کیئے لیکن نہ وہ میر نے کے ارادے سے کبھی آئے نہ اُن کو کبھی ایسا موقع ہاتھ آیا۔ اُن کا مطمح نظر زیادہ تر غارت گری سے دولت سمیٹنا تھا اور بس۔ اس میں شک نہیں کہ **تیمور** کا حملہ بڑا زبردست تھا اُس نے **محمود شاہ** کو کھلی شکست دی اور بالکل داب لیا اور **دِلّی** پر قابض بھی ہو گیا مگر پھر بھی وہ اِس ملک میں نہ ٹکا اور ہندوستان کو سخت بدنظمی کی حالت میں چھوڑ چھاڑ چلتا ہوا بھی کچھ اور لودی کھسوٹ ہوا سلطنت کو **لودھیوں** نے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن **ابراہیم لودھی** کے بھائیوں کے آپس کے تنازع اور خانہ جنگیوں کا یہ افسوس ناک نتیجہ ہوا جیسا کہ

ہمیشہ باہمی مخالفت کا لازمی نتیجہ ہوا کرتا ہی کہ اُنھوں سے اپنی مدد کو بابر کو بلا بھیجا جو ایک بڑی بھاری غلطی اور سخت کوتاہ اندیشی تھی جس پر یہ کہاوت صادق آتی ہی کہ گیدڑ شکار مارنے کے لیئے شیر کو شریک کرے اور پھر یہ توقع کرے کہ شیر نقد مال چھوڑ کر ہونٹ چاٹتا چلا جائے گا ع - ایں خیال ست و محال ست و جنوں مغل آنے پر آئے مگر اُن کے لیئے بھی ہندوستان کوئی تر نوالہ نہ تھا۔ یہاں افغان بڑے شور و پشت سے تھے ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہیں گھونستے ہی رہے۔ غرض یہ کہ کچھ تھوڑے سے وقفے کے بعد بابر اور اُس کی نسل حکمران رہی اور نسل تیموری کا خاتمہ بہادر شاہ پر ہوا۔ جو رنگون میں بحالت جلاوطنی مرے اور برٹش گورمنٹ کا راج یعنی ملکہ معظمہ آن جہانی کوئین وکٹوریہ کی سلطنت قایم ہوئی۔

ظہیر الدین محمد بابر سنہ ۱۵۲۶–۳۰ع

بابر چنگیز خاں اور امیر تیمور کی نسل اور مغلوں کے چغتائی فرقے کا تھا۔ اِس کی پیدائش ۶ محرم ۸۸۸ھ (۱۴ فروری ۱۴۸۳ع) کو ہوئی تاریخ ولادت اِس شعر سے ظاہر ہی ؎

چوں در شش محرم زاد آں شہ مکرم　　تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم

باپ کا نام سلطان عمر شیخ میرزا ابن سلطان ابو سعید مرزا ابن سلطان محمد مرزا میران شاہ ابن امیر تیمور گورکان صاحبقران۔ ماں کا نام قتلق نگار خانم تھا جو بیٹی تھی یونس خاں بادشاہ مغلستان کی اور بڑی بہن سلطان محمود کی۔ اِس نے اپنے باپ کے پاس دار السلطنت فرغانہ میں پرورش پائی۔ بابر کے پہلے حالات کا لکھنا دِلّی کی تاریخ سے غیر متعلق ہی۔ صرف اتنا معلوم کرنا کافی ہوگا کہ وہ بارہ برس کا تھا۔ جب اُس کے باپ نے ۱۴۹۵ع میں انتقال کیا اور اِس کم سنی میں بابر ۵ رمضان روز سہ شنبہ ۸۹۹ھ کو بادشاہ ہوا۔ چند سال اُسے آپس کے لڑائی جھگڑوں میں گزرے ۱۴۹۶ع میں اُس نے سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۰۴ع میں تیر اقبال چمکا زمانے نے مساعدت کی غاؔلے سے نکلا اور کابل میں رفاقنہ کو زیر کیا اور بدخشاں[1]

[1] تاریخ یہ ہی:- تو ئی شاہ شاہاں دوراں کہ شد　　ہمیشہ ترا کار فتح و ظفر

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور قندھار کو مطیع کیا۔ اِس کے بعد ایک عرصہ تک بابر کابل میں رہا اور جنگوں اور دوسرے دشمنوں کو پسپا کرتا رہا۔ جس زمانے میں بابر کابل کا بادشاہ تھا۔ وہ ہندوستان پر ایک دفعہ نہیں بلکہ چار بار حملے کر چکا تھا۔ لیکن ہمیشہ اُسے اپنے ملک کی ضروریات کی وجہ سے واپس جانا پڑا اور لاہور سے آگے بڑھنے کی کبھی نوبت نہ آئی۔ اب بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور تمنائے دیرینہ بر آئی خوشی خوشی پانچویں مرتبہ غرۂ صفر سنہ ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء جمعہ کے دن دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اِس دفعہ کچھ زیادہ لاؤ لشکر بھی ساتھ نہ تھا کل بارہ ہزار فوج تھی لیکن ہاں اِس دفعہ ایک نئی بات تھی کہ جس سے ہندوستان کے کان آشنا نہ تھے یعنی یہ کہ ایک ترکی توپ خانہ بھی تھا۔

پانی پت کی پہلی لڑائی سنہ ۱۵۲۶ء

بابر بلا کسی شدید مزاحمت کے جھپٹا ہوا چلا آ رہا تھا کہ پانی پت کے میدان میں جو دلی سے کوئی پچاس میل شمال کی طرف ہے ۸ جمادی الثانیہ سنہ ۹۳۲ھ (۲۱ اپریل) روز پنجشنبہ کو ابراہیم لودھی ایک لاکھ آدمیوں اور سو ہاتھیوں کا جرار لشکر لے کر بابر کے مقابلے کو آن ڈٹا مگر توپ ایک بھی نہ تھی۔ ابراہیم لودھی کے خیال میں اُس کی فوج بابر کے لشکر کے مقابلے میں بہت زیادہ اور کافی تھی لیکن معاملہ برعکس نکلا ابراہیم کوئی بڑا جنرل نہ تھا اُس نے اپنے لشکر کو ایک لمبی قطار میں کھڑا کیا اور سمجھا کہ بس ایک



بابر بادشاہ

ہی ہلا مغلوں کے بھگا دینے کو کافی ہوگا لیکن مغلوں نے بڑی جواں مردی اور بہادری سے اِس حملے کو سنبھالا۔ جب پہلا دھاوا ہو چکا تو مغلوں نے اپنی رزرو فوج نکالی اور کئی جوابی حملے اِس شد و مد سے کئے کہ لودھیوں کی فوج میں ایک تلاطم پڑ گیا اور اُن کے پیر اُکھڑ گئے۔ اِس میں شک نہیں کہ ابراہیم اپنی ذات سے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ... ترکی ... بدخشان و تاشقند ... ہمایوں ... ۹۲۷ھ

بڑا جیوٹ تھا اور لڑائی میں اُس نے اپنی جان لڑا دی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار لڑائی میں بتاریخ ۸ رجب ۹۳۲ھ (۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء) روز جمعہ لڑتا ہوا مارا گیا اور جہاں سے اُس کی نعش ملی پانچ ہزار مردے اُس کے گرد پڑے تھے۔ سب ملا کر صرف ایک دن میں ابراہیم لودھی کی طرف کے سولہا ہزار آدمیوں کا ستھراؤ ہوا۔ جس کی تاریخ یہ ہے

کشت در پانی پت ابراہیم را ۔۔۔ شاہِ غازی بابر عادل لقب

روز و ماہ و سال وقتِ آں ظفر ۔۔۔ صبح بود و جمعہ و ہفت رجب

بابر نے فتح کے ساتھ ہی اپنے بیٹے ہمایوں کو دار السلطنت آگرے کو روانہ کیا اور خود بھی لڑائی کے پانچویں دن ۱۲ رجب ۹۳۲ھ (۲۴ اپریل ۱۵۲۶ء) بدھ کے دن

لے دلی کی طرح آگرہ بھی ایک بہت بڑا شہر اور تاریخی اعتبار سے نہایت مشہور مقام ہے۔ دلی سے براہِ جی آئی پی ریلوے (۱۲۰) میل کا فصل ہے۔ آگرے کا اگر ہم مختصر سے مختصر بیان بھی لکھیں تو بھی کئی صفحے چاہئیں اور ہمارے پاس اتنی گنجائش کہاں۔ آگرے کے لئے ایک جداگانہ ایسی ہی کتاب کی ضرورت ہے جیسی کہ ہم دلی کی لکھ رہے ہیں۔ انگریزی میں نہ بہت طول نہ زیادہ مختصر مجموعے سائز کی ایک کتاب "اے ہینڈ بک ٹو آگرہ اینڈ دی تاج" مسٹر ای۔ بی۔ ہاول نے بہت خوب لکھی ہے۔ انگریزی داں اصحاب اُس کی طرف رجوع کریں۔ میں یہاں کچھ تھوڑا سا ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ۱۸۸۱ء میں آگرے کی آبادی ایک لاکھ ساٹھ ہزار نفوس تھی۔ یہ شہر جو کسی زمانے میں ممالک مغربی شمالی کا مستقر تھا وہ اِس صوبے میں دوسرے نمبر کا شہر ہے جو دریائے جمنا کے داہنے کنارے پر اُس مقام سے جہاں کہ جمنا اور گنگا ملی ہیں کوئی تین سو میل اوپر واقع ہے۔ دریا اِس شہر کے قریب پہنچ کر ایک دم مشرق کی طرف مُڑ گیا ہے اور عین اُسی موڑ کے گوشے میں لب دریا قلعہ کی عمارت ہے۔ فصیل شہر گیارہ مربع میل کے گرد تھی جس میں سے نصف حصہ آباد ہے باقی نصف میں نالے۔ گڑھے۔ کھلے میدان اور منہدمہ عمارات کے کھنڈر ہیں۔ قلعہ سے بجانب جنوب چھاؤنی ہے اور اِن دونوں مقامات کے درمیان جمنا کے کنارے ذرا مشرق کی طرف ہٹا ہوا تاج گنج کا مشہور روضہ ہے۔ قلعہ کے شمال مغرب میں سول سٹیشن کے مکانات پھیلے ہوئے ہیں۔ سول سٹیشن اور جمنا کے بیچ میں شہر کی آبادی ہے جو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے سب شہروں سے بہتر بنا ہوا ہے اور جس میں زیادہ تر سنگ بست

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دہلی میں داخل ہو کر تخت نشین ہوا - بابر نے اپنے جانے سے پہلے ہی ایک دستہ فوج کا خزانے کی حفاظت اور لوٹ مار موقوف کرنے کے لیئے دلی بھیج دیا تھا

(نوٹ صفحہ گزشتہ کا) مکانات ہیں سطح اراضی زیادہ تر ہموار ہی بجز اس کے کہ شہر اور انگریزی کی کوٹھیوں کے بیچ میں کہیں کہیں دریے اور نالے آ گئے ہیں اور قلعہ اور تاج گنج کے درمیانی حصے میں پیچ در پیچ گھاٹیاں ہیں جن کا سلسلہ جنوب رخ پر چھاؤنی تک چلا گیا ہی۔ آگرہ بہ اعتبار ساخت کے ایک نہایت خوب صورت اور خوش نما شہر ہی۔ اور نہایت قدیم اور نفیس عمارات ہونے کے علاوہ اس شہر کو تاریخی لحاظ سے بڑی عظمت ہی کیوں کہ سلاطین مغلیہ کے زمانے میں آگرہ ایک بڑا معرکۃ الآرا مقام رہا ہی۔ اور اسی وجہ سے یہاں کی بے نظیر اور لاثانی عمارات کو دیکھنے دور دور سے لوگ آتے رہتے ہیں اور سیاحوں اور شائقین علم تاریخ و آثار قدیمہ کے لیئے یہ ایک نہایت دل چسپ مقام ہی۔ غدر ۱۸۵۷ء میں آگرہ پر بھی بڑا معرکہ رہا ہی کیوں کہ وہ ایسے ضلع کے وسط میں ہی جہاں کہ بہت کچھ شورش رہی تھی۔ آگرے کے قلعہ میں سارے انگریزوں نے پناہ لی تھی۔ آگرے اور ٹونڈلے سٹیشن کے درمیان جمنا کا ریل کا پل ہی۔ جس پر بڑی اور چھوٹی پٹڑی کی دونوں لینیں پڑی ہوئی ہیں۔ اس پل کے سولہ در ہیں اور ہر در کی چوڑان ۱۴۲ فٹ ہی۔ ای۔ آئی۔ ریلوے نے حال ہی میں ایک اور پل جمنا پر بنایا ہی جس سے ٹونڈلے سے متھرا کی سیدھی راہ نکل آئی ہی۔ قلعہ میں ایک کمپنی رائل گیریزن توپ خانے کی اور ایک بیٹری رائل فیلڈ توپ خانے کی رہتی ہی۔ ایک پلٹن گوروں کی اور ایک ہندوستانیوں کی چھاؤنی میں بھی رہتی ہی۔ آگرے کی شہرت زیادہ تر تاج گنج کی بے نظیر عمارت کی وجہ سے ہی جس کے ثانی آج کوئی عمارت روئے زمین پر نہیں ہی اور جو دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہی۔ یہ مقبرہ شاہ جہاں کی چہیتی بی بی ارجمند بانو بیگم عرف ممتاز محل کا ہی۔ یہ مقبرہ شاہ جہاں نے اپنی بیوی کی یادگار میں بنایا تھا۔ قلعہ مع اس کے سنگ مرمر کے عالی شان محلات کے جس میں تاج گنج کی طرح سنگ سلیمانی۔ زبرجد۔ یشب۔ عقیق۔ یاقوت۔ لاجورد۔ سیپ وغیرہ وغیرہ بیش قیمت پتھر جڑے ہوئے ہیں اور بے نظیر صاف شفاف موتی مسجد بھی قابل دید ہی۔ آگرے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

پڑا جیوٹ تھا اور لڑائی میں اُس نے اپنی جان لڑا دی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخری حملے میں بتاریخ ۸ رجب سنہ ۹۳۲ھ (۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء) روز جمعہ لڑتا ہوا مارا گیا اور جہاں سے اُس کی نعش ملی پانچ ہزار مردے اُس کے گرد پڑے تھے۔ سب ملا کر صرف ایک دن میں ابراہیم لودھی کی طرف کے سولہ ہزار آدمیوں کا ستھراؤ ہوا۔ جس کی تاریخ یہ ہے:

شکست در پانی پت ابراہیم را ۔۔۔ شاہِ غازی بابر عادل لقب

روز و ماہ و سال وقت آں ظفر ۔۔۔ صبح بود و جمعہ و ہفت رجب

بابر نے فتح کے ساتھ ہی اپنے بیٹے ہمایوں کو دار السلطنت آگرے کو روانہ کیا اور خود بھی لڑائی کے پانچویں دن ۱۲ رجب سنہ ۹۳۲ھ (۲۴ اپریل ۱۵۲۶ء) بدھ کے دن

ملہ دلی کی طرح آگرہ بھی ایک بہت بڑا شہر اور تاریخی اعتبار سے نہایت مشہور مقام ہے۔ دلی سے براہِ جی آئی پی ریلوے (۱۲۰) میل کا فصل ہے۔ آگرے کا اگر ہم مختصر سے مختصر بیان بھی لکھیں تو بھی کئی صفحے چاہئیں اور ہمارے پاس اتنی گنجائش کہاں۔ آگرے کے لیئے ایک جداگانہ ایسی ہی کتاب کی ضرورت ہے جیسی کہ ہم دلی کی لکھ رہے ہیں۔ انگریزی میں نہ بہت طول نہ زیادہ مختصر مجھولے سائیز کی ایک کتاب "اے ہینڈ بک ٹو آگرہ اینڈ دی تاج" مسٹر ای۔ بی۔ ہاول نے بہت خوب لکھی ہے۔ انگریزی داں اصحاب اُس کی طرف رجوع کریں۔ میں یہاں کچھ تھوڑا سا ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں آگرے کی آبادی ایک لاکھ ساٹھ ہزار نفوس تھی۔ یہ شہر جو کسی زمانے میں ممالک مغربی شمالی کا مستقر تھا وہ اِس صوبے میں دوسرے نمبر کا شہر ہے جو دریائے جمنا کے داہنے کنارے پر اُس مقام سے جہاں کہ جمنا اور گنگا ملی ہیں کوئی تین سو میل اوپر وار کو واقع ہے۔ دریا اِس شہر کے قریب پہنچ کر ایک دم مشرق کی طرف مڑ گیا ہے اور عین اُسی موڑ کے گوشے میں لب دریا قلعہ کی عمارت ہے۔ فصیل شہر گیارہ مربع میل کے گرد تھی جس میں سے نصف حصہ آباد ہے باقی نصف میں نالے۔ گڑھے۔ کھلے میدان اور منہدمہ عمارات کے کھنڈر ہیں۔ قلعہ سے بجانب جنوب چھاؤنی ہے اور اِن دونوں مقامات کے درمیان جمنا کے کنارے ذرا مشرق کی طرف ہٹا ہوا تاج گنج کا مشہور روضہ ہے۔ قلعہ کے شمال مغرب میں سول سٹیشن کے مکانات پھیلے ہوئے ہیں۔ سول سٹیشن اور جمنا کے بیچ میں شہر کی آبادی ہے جو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے سب شہروں سے بہتر بنا ہوا ہے اور جس میں زیادہ تر سنگ پسمت

(نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

دہلی میں داخل ہو کر تخت نشین ہوا۔ بابر نے اپنے جانے سے پہلے ہی ایک دستہ فوج کا خزانے کی حفاظت اور لوٹ مار موقوف کرنے کے لیئے دلی بھیج دیا تھا

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کے مکانات ہیں سطح اراضی زیادہ تر ہموار ہی بجز اِس کے کہ شہر اور انگریزوں کی کوٹھیوں کے بیچ میں کہیں کہیں درے اور نالے آ گئے ہیں اور قلعہ اور تاج گنج کے درمیانی حصے میں بیچ در بیچ گھاٹیاں ہیں جن کا سلسلہ جنوب رخ پر چھاؤنی تک چلا گیا ہی۔ آگرہ بہ اعتبار ساخت کے ایک نہایت خوب صورت اور خوش نما شہر ہی۔ اور نہایت قدیم اور نفیس عمارات ہونے کے علاوہ اس شہر کو تاریخی لحاظ سے بڑی عظمت ہی کیوں کہ سلاطین مغلیہ کے زمانے میں آگرہ ایک بڑا معرکۃ الآرا مقام رہا ہی۔ اور اِسی وجہ سے یہاں کی بے نظیر اور لاثانی عمارات کو دیکھنے دور دور سے لوگ آتے رہتے ہیں اور سیاحوں اور شائقین علم تاریخ و آثار قدیمہ کے لیئے یہ ایک نہایت دلچسپ مقام ہی۔ غدر ۱۸۵۷ء میں آگرہ پر بھی بڑا معرکہ رہا ہی کیوں کہ وہ ایسے ضلع کے وسط میں ہی جہاں کہ بہت کچھ شورش رہی تھی۔ آگرے کے قلعہ میں سارے انگریزوں نے پناہ لی تھی۔ آگرے اور ٹونڈلے سٹیشن کے درمیان جمنا کا ریل کا پل ہی جس پر بڑی اور چھوٹی پٹڑی کی دونوں لینیں پڑی ہوئی ہیں۔ اِس پل کے سولہ در ہیں اور ہر در کی چوڑان ۱۴۲ فٹ ہی۔ ای۔ آئی ریلوے نے حال ہی میں ایک اور پل جمنا پر بنایا ہی جس سے ٹونڈلے سے متھرا کی سیدھی راہ نکل آئی ہی۔ قلعہ میں ایک کمپنی رائل گیریزن توپ خانے کی اور ایک بیٹری رائل فیلڈ توپ خانے کی رہتی ہی۔ ایک پلٹن گوروں کی اور ایک ہندوستانیوں کی چھاؤنی میں بھی رہتی ہی۔ آگرے کی شہرت زیادہ تر تاج گنج کی بے نظیر عمارت کی وجہ سے ہی جس کے ثانی آج کوئی عمارت روئے زمین پر نہیں ہی اور جو دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہی۔ یہ مقبرہ شاہ جہاں کی چہیتی بی بی ارجمند بانو بیگم عرف ممتاز محل کا ہی۔ یہ مقبرہ شاہ جہاں نے اپنی بیوی کی یادگار میں بنایا تھا۔ قلعہ مع اُس کے سنگ مرمر کے عالی شان محلات کے جس میں تاج گنج کی طرح سنگ سلیمانی۔ زبرجد۔ یشب۔ عقیق۔ یاقوت۔ لاجورد۔ سیپ وغیرہ وغیرہ بیش قیمت پتھر جڑے ہوئے ہیں اور بے نظیر صاف شفاف موتی مسجد بھی قابل دید ہی۔ آگرے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

بابر جب شہر میں داخل ہوا تو اس نے تزک بابری میں لکھا ہو کہ وہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا۔ درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی۔ حوض شمسی اور حوض خاص دیکھنے گیا تھا اور وہاں کے حالات بھی لکھے ہیں۔ بابر علاء الدین کا محل قطب مینار بہلول اور سکندر لودھی کے باغ اور مقبرے دیکھنے بھی گیا تھا۔ اِس کے بعد بابر کشتی میں سوار ہو کر آگرے چلا گیا۔ پھر بابر کو اپنی زندگی میں آنا نصیب نہ ہوا ہمایوں بابر سے پہلے ہی کابل چلا گیا تھا۔ اور جاتے جاتے دِلّی سے بہت سا خزانہ اپنے ساتھ لے گیا۔ جب یہ خبر بابر نے سنی تو بہت ناراض ہوا اور ہمایوں کو ایک خط بھی ڈانٹ کر لکھا۔ ہمایوں نے ہندوستان میں جونپور اور کچھ حصہ بنگال اور بہار کا فتح کر لیا تھا میوات کے۔ راجہ رانا سانگا سے اور بابر سے سیکری کے قریب ۱۵۲۶ء میں جنگ ہوئی جس میں رانا کے پرخچے اڑ گئے رانا بھاگا اور میوات فتح ہو گیا جس کی تاریخ "فتح بادشاہ اسلام" ہے۔ پھر میدنی راؤ سے معرکہ ہوا جو رانا سانگا کا ایک بڑا سردار تھا اور چندیری کے مستحکم قلعے میں جا بیٹھا تھا۔ راجپوتوں نے اپنی دلاوری کے خوب جوہر دکھلائے اور جب تک ایک شخص کے دم میں بھی دم رہا لڑا کیا۔ آخر کار یہ بھی فتح ہوا جس کی تاریخ "فتح دار الحرب" ہے۔ اِسی طرح راجپوتانے کے بڑے بڑے مقامات پر بابر کا قبضہ ہو گیا اور جا بجا مغلیہ فوج متعین کر دی گئی بہار کو محمود لودھی دابے بیٹھا تھا بابر نے اُسے بھی نیچا دکھایا۔ یوں بابر نے دریائے گنگ کے جنوب کا سارا علاقہ فتح کر لیا چار سال کی قلیل مدت میں پنجاب۔ راجپوتانہ اور بہار سارے ملک پر تسلط ہو گیا رہا افغانستان وہ اس کے سوا تھا۔ لیکن بابر کو ایسی سخت دوادوش پڑی اور اُس نے ایسی جان توڑ کر کوشش کی کہ جس کا بہت بُرا اثر اس کی

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ ؎ سے (۱۹) میل براہ ریل فتح پور سیکری کا مشہور مقام ہو جہاں محلات حمام مسجد اور درگاہ حضرت سلیم چشتی رح قابل دید ہیں۔ دریا کے پار عماد الدولہ کا مقبرہ اور آگرے سے پانچ میل پر سکندرے میں اکبر بادشاہ کی قبر یہ مقامات خاص کر دیکھنے کے قابل ہیں اور یوں آگرے میں دِلّی کی طرح بہت سی قابل دید عمارتیں ہیں جن کے بالاستیعاب دیکھنے کو کئی دن چاہئیں ۱۲۰



ہمایوں کی بیماری

بابر کی اپنی قربانی کے لیے دعا کرنا

سخت پڑا کہ وہ کسی طرح اُن غیر معمولی صعوبتوں کا متحمل نہ ہو سکا۔ اِسی زمانے میں اور ایک تازہ مصیبت آئی کہ ہمایوں ایسا سخت بیمار پڑا کہ معالجین نے اُس کی زندگی سے مایوسی ظاہر کی۔ بابر اپنے پیارے بیٹے پر اپنی جان قربان کرنے کو آمادہ ہو گیا اور رہیل کھنڈ کے علاقے میں بمقام سنبھل جن دفعہ ہمایوں کے بستر کے گرد پھرتے ہوا اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس کی دعا قبول ہو گئی۔ اِدھر ہمایوں چنگا ہونے لگا اُدھر بابر بستر مرگ پر پڑ گیا اور ۶ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ کو دوشنبہ کے دن تپ سے (۴۸) برس کے سن میں اپنے محل نیں آگرے میں انتقال کیا۔ چھ مہینے کے لیئے نور افشاں نامی باغ میں جو آگرے کے سواد میں ہی نعش کو سونپ دیا تھا بعد کابل لے گئے اور پہاڑ کے تلے درختوں کے ایک سایہ دار جھنڈ میں جو نہایت پُر فضا اور دل آویز مقام ہے اور بابر نے بھی پہلے اِس مقام کو اپنے لیئے پسند کیا تھا دفن کیا۔ مولینا شہاب الدین معمائی نے کیا خوب مصرعہ تاریخ صوری اور معنوی کہا ہے ع در نہصد وسی وہفت بود
۹۳۷ھ

اور یہ ابیات بھی اُنھیں کی ہیں۔

(۱) شہ خسرواں شاہ بابر کہ داشت　　دو صد بندہ مانند جمشید و کَے
محمد ہمایوں بجایش نشست　　چو طوما رِ عمرش اجل کرد طَے
چو پرسند تاریخ ای دل بگو　　ہمایوں بود وارث ملک وے
۹۳۷

(۲) بادشاہے کہ شہریار انش　　بندہ بودند خادم و منقاد
چوں وفائے ندید در عالم　　رفت از عالمِ خراب آباد
خرد از سالِ فوتِ او پرسید　　گفت ہاتف "بہشت روزی باد"
۹۳۷ھ

فٹ نوٹ۔ واژین قطعہ بہ بہشت پنج تاریخ وفاتش استخراج می باید یعنی از ہر چہار مصرعہ ہا چہار تاریخ علیحدہ علیحدہ بر می آید و از اعداد حروف بے نقط مصرعۂ اول و حروف نقطہ دار مصرعۂ دوم تاریخ دیگر و از حروف نقطہ دار مصرعۂ اول و حروف بے نقط مصرعۂ دوم تاریخ دیگر و ہمچنیں از مصرعۂ سوم و چہارم بر ہمیں دستور دو تاریخ دیگر استخراج می گردد۔ قطعۂ تاریخ :-

بادشاہ وہر بابر با کمال عدل بود　　واقف احسان عالم مصدر لطف الہ
سالِ جان او گزیدن جانفزو کشش بگو　　جائے فردوس آمد گزید بابر بادشاہ

بابر کی سلطنت کی کل مدت اس کے باپ کے مرنے سے اس کی وفات تک ولایت اور ہندوستان دونوں ملا کر ۳۷ سال ۔ ۹ ماہ ۔ ۲۳ یوم تھی اور خالص ہندوستان میں ۴ سال ۔ ۴ ماہ ۔ ۲۳ یوم تھی ۔ اور بحساب سنہ ہجری ۹۳۷ ۔ ۹ ماہ ۔ ۲۳ یوم تھی ۔ انتقال کے بعد فردوس مکانی

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ (۲) سال فوتش زعقل پرسیدم ۔ ہاتفے بابر وفات کردہ بگفت

(۳) چوں زدنیا برفت بابرشاہ ۔ گشت تاریخ او فقعنا الیہ ۹۳۷

(۴) در ہشتصد ہشتاد و ہشت آمد چو بابر درجہاں ۔ نہصد و سی بود و چوں فتح کرد ہندوستان ۹۳۰

تاریخ ششم ماہ جمادی بود نہصد و سی و ہفت ۔ تا از جہاں بیروں کشید و کرد رخ سوئے جناں

۔۔ روضہ بابر بادشاہ کہ در کابل واقع است تعمیر ساختۂ شاہجہاں بادشاہ است کہ بعد فتح بلخ و بدخشان در سنہ ۱۰۵۶ھ بنا انداختہ و بر محراب آں روضہ ایں چند کلمات مرقوم ساختہ :-

" ایں مسجد لطیف و معبد شریف کہ سجدہ گاہ قدسیاں است و جلوہ گرو بیان بفرمان ادب معلی اعلیٰ نظر گاہ عالم بالا یعنی روضۂ منورہ بادشاہ غفراں پناہ رضواں دستگاہ فردوس مکانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی کہ جز آں عمارتے منواں ساخت بفرمودۂ ایں نیاز مند تمام لشکر سراسر ستائیش سراپا نیایش درگاہ الٰہی ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحبقراں ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بعد فتح بلخ و بدخشان و فرار نذر محمد خان از بلخ و شرعان و تعاقب غریقی از کار طلبان سردارے او در آں سرزمین بآں گروہ فیروزی و ہزیمت او و ظفر سپاہ رزم خواہ در آں میدان کہ محض کرم ساز حقیقی نصیب ایں نیاز مند دولت خواہان ایں بندہ شرمندہ احسان حضرت یزداں گشتہ آخر سال نوزدہم جلوس میمنت مانوس موافق یکہزار و پنجاہ و شش در عرصۂ دو سال بصرف سی ہزار روپیہ انجام یافت ۔ بر مزارش کہ اندرون روضۂ مذکور است ایں ابیات در تاریخ وفات او نوشتہ اند :-

بادشاہ کز جبینش تافتے نور الٰہ ۔ آں ظہیر الدین محمد بود بابر بادشاہ

با شکوہ و دولت و اقبال و عدل دادہی ۔ دوست از توفیق و فیض و فتح فیروزی سپاہ

عالم اجسام را بگرفت و شد روحش رواں ۔ بہر فتح عالم ارواح چوں نور نگاہ

شد چو فردوسش مکاں رضواں زمن تاریخ جست ۔ گفتمش فردوس دائم جائے بابر بادشاہ

لہ (نوٹ صفحہ ۲۴۹) ذکر عمارت چہل زینہ در قندہار قدیم ۔ قلعۂ قندہار قدیم کہ حالا خراب و ویران افتادہ است و نیم کروہ غربی از قندہار جدید فاصلہ دارد و بر سر کوہے واقع است چوں بابر بادشاہ بعد از

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بقیہ پڑا۔ بابر نے چار بیٹے چھوڑے:۔ ہمایوں مرزا۔ کامران مرزا۔ عسکری مرزا۔ ہندال مرزا۔

بابر کا کیرکٹر بابر اپنے حالات زندگی کی ایک نہایت دلچسپ کتاب تزک بابری چھوڑ گیا ہے۔ جس میں بہت تفصیل اور عمدگی سے اس زمانے کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ جن صاحبوں کو شرح حالات

(**بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ**) فتح بدخشاں و کابل و قندہار اطمینانے حاصل ساخت چند سال پیش از فتح ہندوستان اشارت فرمود تا در نزدیکی آں قلعہ بر فراز کوہ مذکور بنائے عمارتے نہند و جہت بالا رفتن آں مکان کوہ را تراشیدہ چہل زینہ مرتب سازند۔ اگرچہ اہلکاران سرکار حسب اشارت علیہ بے توقف در احداث آں مکان مشغول شدند اما چناں مستفاد می گردد کہ ایں عمارت بعد از وفات بابر بادشاہ در ۹۵۲ھ در ایامیکہ ہمایوں بادشاہ از شیر شاہ ہزیمت یافتہ بطرف ایران رفتہ بود باہتمام مرزا کامران و محمد عسکری برادران ہمایوں بادشاہ باتمام رسید و حالا ایں عمارت مشہور است بہ چہل زینہ بر بازوے اندرونی و بیرونی ایں مکان کتابۂ فارسی بسیار مرقوم اند و چناں مفہوم می گردد کہ برخے ازیں کتبہ در ایام ایالت مرزا محمد عسکری منقوش یافتہ و بعضے ازاں حسب الارشارت اکبر شاہ بادشاہ در ۱۰۰۲ھ مرقوم نمودہ اند۔ اگرچہ در بعضے مقام از کہن سالگی حروف کتبہ زائل گشتہ اما ہر قدر کہ منشی موہن لعل کہ در ۱۲۴۸ھ بکابل و قندہار رفتہ بود و نقل گرفتہ قدرے ازاں دریں مقام ثبت می گردد:۔

کتبۂ مرزا کامران و مرزا عسکری " در تاریخ سیزدہ شوال سال نہ صد و بست و ہشت اعلیحضرت گردون سلطنت مملکت پناہ معدلت شعار کرامت آثار لوائیں بزرگ کامگار اعتضاد سلاطین گردوں اقتدار ملاذ مناصر گیتی و ارشہسوار مضمار عدل و احسان و عدل آگاہی زمین و زمان المنصور بانظار عنایت اللہ ابو الغازی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ فتح قندہار نمود در ہمیں سال امر عالی بربنائے ایں رواق جہاں نمائے کہ سر رفعتش بمہا دات ایوان کیوان رسیدہ شرف نفاذ یافت و اتمام آنرا باہتمام فرزند ہمایونش محمد کامران بہادر کہ سر قات کاخ عدالتش از نیا نہ طاق در گزشتہ مفوض گردیدہ و حسب اشارت علیہ بے توقف مہندسان صنا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دیکھنے کا شوق ہو وہ اس کتاب کو ضرور دیکھیں کہ دیکھنے کے قابل ہے۔ ایسے خوش نصیب بہت کم لوگ ہوں گے جنکو بابر جیسی نیک نامی حاصل ہوئی ہو۔ یہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم کا شایق۔ علماء و فضلاء۔ لایق اور شریف لوگوں کی صحبت کا گرویدہ تھا۔ اُس نے اپنی لاجواب کتاب تزک بابری میں

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ کہ مہندسان و استادان ماہر دانشور در ساعت محسنه و طالع فرخنده بر سر بنیاد انداختند و عمّال و اہلکاران چابک دست که به یک سر آمد کشوری و یگانہ مملکتی بودند و فائق حذاقت و مہارت در احداث آں بظہور رسانیدند و چوں شاہزاده مشار الیہ ایالت و حکومت قندہار را به برادر ارجمند سعادت یار مرحمت آثار معدلت شعار محمد عسکری بہادر طول عمره و افاض علی العالمین برّه و احسانه تفویض نمود در ایام ایالت این شاہزاده عالی شان در نہصد و نود و نه از میامن الطاف شاہزاده فیروز بخت که ضمیر منیرش مطرح انوار ابہت است در نہصد پنجاه و سه این عمارت سپہر فرسا باتمام رسید"۔ کتبہ محمد اکبر شاہ بادشاہ منقوش مرات ضمیر ارباب دانش نقش بسته مذکر مملکت قندہار در قبضۂ نصرت آبائی بندگان حضرت شاہنشاه جم جاه فلک بارگاه خلافت پناه ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاه غازی خلد اللہ ملکہ بود و چنانکہ ایالت کشورستانی جنت آشیانی محمد ہمایوں بادشاه غازی طیب اللہ ثراه و جعل الجنة مثواه بمیامن توفیقات ربانی و تائید سبحانی تسخیر دہلی نمود و باز قندہار از تصرف این دودمان بیروں رفت و چوں اقبال دولت شاہنشاہی اکثر اقالیم ربع مسکون را که طول آں از حدود سراندیپ و اڑیسہ و بندر گوراگات و گور بنگالہ تا ٹھٹھہ و بندر لاہوری و ہرمز که مسافت آں قریب بدو سال راه میشود و عرض آں از کابل و کشمیر تا سرحد دکن که قریب یک نیم ساله راه باشد مسخر گردانید در سنه ہزار و ہفت قندہار در حیطۂ تصرف غلامان درگاه خلائق پناه در آمد امید که عنقریب اکثر اکناف عالم را از تائید بخت و اقبال حضرت ظل الہی و شاہزادۂ کامگار گردوں اقتدار سلیم و شاه مراد و دانیال شاه و خسرو شاه و پرویز شاه مسخر اولیائے یزداں گردد آمین رب العالمین تمت فی سنه ہزار و ہفت پوشیده نماند که در زمانیکه اعلیٰ حضرت خاقانی حکومت قندہار را بنواب نادر شاه بیگ خاں کابلی مفوض فرموده بودند بندۂ درگاه محمد معصوم بن سید صفائی ابا بن سید شیر قلندر بن سید حسین زنجیر پای بن باباحسین ابدال ....

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اپنی بھلائیوں۔ برائیوں۔ دانائی اور بھول چوک یعنی محاسن اور معائب دونوں کی من وعن تصویر بلا روو رعایت بڑی خوبی اور راست بازی سے کھینچی ہی۔ یہ کتاب فن ادب میں ایک لاثانی اضافہ ہی۔ بابر بڑا جوان مرد۔ دلیر۔ شہ زور۔ غیر معمولی طور پہ نڈر شخص تھا۔ وہ نرا سپاہی ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ہر طرح سے اعلیٰ درجے کی تعریف وستایش کا مستحق تھا اور جو کچھ اُس کی تعریف بطور ایک اعلیٰ جنرل کے کی جاتی ہی کچھ شک نہیں کہ وہ بالکل واجبی اور حق بجانب ہی۔ اِس میں کلام نہیں کہ بعض وقت اُس میں آبائی تندخوئی کی ایک جھلک سی نظر آ جاتی تھی ورنہ بالعموم اُس کا طرز زندگی ایک مردانہ دار فیاضی کا نمونہ تھا۔ اِس میں اُنس۔ محبت۔ اور نرمی کے قوی جذبات تھے۔ اور اس کو مناظر نیچر کی دلچسپیوں کی طرف ایسا قدرتی ہیجان اور شوق تھا کہ جو ایک ایسے شخص میں ہوتا جو کہ جنگجو۔ خونخوار اور سخت گیر لوگوں میں پیدا ہوا ہو اور اُنھیں میں پرورش پائی ہو۔ ایک بالکل غیر معمولی اور عجیب بات معلوم ہوتی ہی۔ جوش جوانی میں کچھ بادہ خواری کی طرف رغبت تھی لیکن وہ ایسے اپنے ارادہ کا آدمی تھا کہ جس بات کو دل میں ٹھان لیتا تھا اُسے کر کے ہی رہتا تھا۔ رانا سانگا کے معرکے میں اُسے اپنی حالت کا احساس ہوا اور اِس حرکت سے ایسا متنفر ہوا کہ ایک دم بالکل تائب ہو گیا۔ اور اپنے قول و فعل کا ایسا دھنی تھا کہ برسوں کی عادت پر منٹوں میں غالب آگیا اور پھر کبھی بھول کر بھی اُس طرف رُخ نہ کیا۔

ہمایوں ولیہ اوّل ۱۵۳۰-۴۰ سنہ ع

مغلوں میں کا دوسرا بادشاہ **ہمایوں** تھا۔ لفظ "ہمایوں" کے لغوی معنے خوش نصیب کے ہیں مگر پہلے چھ مغل شہنشاہوں میں یہی سب سے زیادہ بدنصیب

بقیہ نوٹ صفحہ (۲۳۸)۔ ۵۲- وسط ربیع الاول ۹۳۰ھ میں لاہور اور دیپال پور وغیرہ مقامات کو فتح کیا۔ جس کی تاریخ بھی "وسط ربیع الاول" ہی اور نیز یہ قطعہ تاریخی ہی۔

ظہیر الدین محمد شاہ بابر ۹۳۰ — سکندر دولت و بہرام صولت
بدولت فتح کردہ خطۂ ہند — کہ تاریخ آمدش فتح بدولت ۹۳۰ھ

(نوٹ صفحہ ۲۳۹ کے لیے دیکھو صفحہ ۲۴۰)

تھا مگر اُس کی بدقسمتی کچھ اُس کے اپنے قصوروں کی وجہ سے نہ تھی بلکہ محرومیٔ بخت [illegible] [illegible] ور عیش پسند بھی ضرور تھا۔ جشن منانے اور دعوتوں [illegible] شایق تھا۔ اس کے ساتھ ہی شراب کباب اور افیون کی طرف بھی رغبت تھی۔ مرنے سے کچھ دنوں پہلے بابر نے ہمایوں کو بُلا کر کہا کہ "بیٹا! اگر تم کو خدا وند کریم نے [illegible] تخت عطا فرمایے تو تم اپنے بھائیوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آنا"۔ ہمایوں نے باپ کی بات پلّے باندھی اور تا بہ زیست باپ کے حکم کی تعمیل باحسن الوجوہ کی اور کیوں نہ کرتا کہ یہ خود بھی بھائیوں پر اپنی جان چھڑکتا تھا۔ اور اُن کی ذرا سی تکلیف بھی اُسے شاق تھی۔ اُن کے پھانس لگتی تو یہ بے چین ہو جاتا تھا۔ باپ کی آنکھوں کا تارا اور بڑا پیارا بھی یہی تھا بابر کا اِس پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ اِس پر اپنی جان دیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ "دنیا بھر میں ہمایوں جیسا یار وفادار اور کوئی نہیں ہے"۔ تخت نشینی

نوٹ متعلق صفحہ ۲۳۹۔ سطر ۵ ہمایوں شب سہ شنبہ ۴ ذی قعدہ ۹۱۳ھ میں قلعہ ارک کابل میں ماہم بیگم کے بطن سے پیدا ہوا جو اعیان و اشراف خراسان کی نسل سے تھیں اور جن کا سلسلہ نسب شیخ احمد جام تک پہونچتا ہے۔ مولنا مروی نے تاریخ تولد "سلطان ہمایوں خان" کہی اور عزیزی نے "شاہ فیروز قدر"۔ "بادشاہ صف شکن" اور "خوش باد" وغیرہ تاریخیں کہے ہیں اور خواجہ کلاں سامانی نے یہ قطعہ کہا ہے

سال مولود ہمایونشس ہست — زادک اللہ تعالی قدرہ
بردہ ام یک الف از تاریخش — تا کشد میل دو چشم بدرا

چوں کہ اللہ کا لام مشدد ہے لہذا دو لام محسوب ہوں گے اور ایک کا تخرجہ تب صحیح تاریخ نکلے گی

نوٹ صفحہ ہذا۔ سطر ۵ ہمایوں سنبھل سے آگرے آکر ۹ جمادی الاولی ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ جلوس کے چند دنوں بعد جمنا کے دریا کی سیر کو برآمد ہوا۔ اور اپنی جبلی سخاوت کی وجہ سے ایک کشتی زر خالص سے بھر کر لوگوں کو بخش دی اس سبب سے "کشتی زر" بھی تاریخ جلوس ہے۔ اور "خیر الملوک" بھی تاریخ جلوس ہے جیسا کہ اس رباعی میں مسطور ہے:-

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے وقت ہمایوں کی عمر (۲۳) سال کی تھی۔ اِس کے تین بھائی تھے۔ کامران ہندال اور عسکری۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے اِن تینوں کو سلطنت میں سے ایک ایک حصہ دے دیا تھا کہ کسی طرح اِن کا دل میلا نہ ہو۔ افغانستان یعنی کابل۔ قندھار غزنی اور پنجاب کامران کے حصے میں آیا۔ سرکار سنبھل عسکری کو۔ سرکار الور ہندال کو مرحمت ہوئی۔ بدخشان مرزا سلیمان بن خان مرزا ابن سلطان محمود بن سلطان ابوسعید کو دیا۔ ہمایوں نے بھائیوں کے ساتھ تو بڑی مہربانی کی مگر اپنے حق میں کانٹے بوئے۔ ؎

نکوئی با بداں کردن چنانست　　که بد کردن بجائے نیک مرداں

افغانستان اور پنجاب دونوں مردم خیز ملک تھے۔ جہاں سے بابر اپنی فوج کے سپاہی بلکہ افسر بھی بھرتی کیا کرتا تھا۔ یہ بھائی درحقیقت برادران یوسف تھے۔ ہمایوں کی مدد تو کیا خاک کرتے انھوں نے بھلائی کا بدلہ برائی سے کیا اور اپنے محسن بھائی سے برسرپرخاش ہوکر اور اُلٹی لڑائی بھڑائی شروع کی کیوں کہ اُن میں کا ہر شخص تاج وتخت کی آرزو میں دیوانہ تھا۔ ؎

کس نیاموخت علم تیر از من　　که مرا عاقبت نشانہ کرد

اِن بھائیوں نے باایں سلوک مسلوک ہمایوں کو جیتے جی کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ بابر کو موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی طاقت اور حکومت کو مستقل اور

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ محمد ہمایوں شہ نیک بخت　　که خیر الملوک است اندر سلوک

چو بر مسند بادشاہی نشست　　شدش سالِ تاریخ خیر الملوک

۹۳۷

بعد شش ماہ از جلوس بہ تسخیر قلعۂ کالنجر متوجہ شد حاکم آنجا دوازدہ من طلا با دیگر اسباب پیشکش کردہ غاشیۂ اطاعت بر دوش گرفت و اکثر ممالک دیگر نیز در تحت تصرف بادشاہ درآمد و در سنہ ۹۴۰ھ قریب دار الملک دہلی بر کنار دریائے جون شہرے اساس فرمودہ نام آں را دین پناہ نہادند و یکے از فضلا تاریخش "شہر بادشاہ دین پناہ" یافتہ۔ چوں در سنہ ۹۴۳ھ سام مرزا برادر شاہ طہماسپ صفوی خواجہ کلاں بیگ را در قندھار محاصرہ نمود مرزا کامراں برادر بادشاہ از لاہور بایلغار رفتہ سام مرزا را شکست داد۔ ایں مصرعۂ تاریخ شد۔ ع۔ زدہ بادشہ کامراں سام را۔ و مولانائے بیکسی ایں تاریخ بطریق تعمیہ گفتہ۔ تاریخ فتح۔

آندم کہ تاج و کاسۂ زر در نظر نمود　　در بزم رزم شکل صراحی و نقش جام

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

مستحکم کر لیتا پس جب کہ سرداران افغانستان نے بابر کی وفات کا حال سنا تو وہ سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمایوں کو سب سے پہلے تو گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ[ا] سے مقابلہ پیش آیا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کو شکست دی اور کھمبایت کے قریب سمندر کے کنارے کنارے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

بہ سدم از خرد کہ چیست تاریخ زرفشاں — افگند بچو لالۂ احمر درین مقام
گفتا سپہر از پی تاریخ این مصاف — افگند تاج زیر زشکست سپاہ سام
۹۴۲ = ۹ + ۲ + ۹ + ۹۲۲

چوں محمد زمان مرزا ابن مرزا بدیع الزماں ابن سلطان حسین مرزا سر بشورش برآوردہ سکہ بنام خود زدہ بود و در آخر فرار نمودہ بسلطان بہادر گجراتی پیوست بنابراں بادشاہ در سنہ ۹۴۲ھ برسر سلطان بہادر لشکر کشید و او منہزم شدہ در مندو گیر تخت تاریخ این واقعہ "ذل بہادر" دریافتند۔ بادشاہ تمام گجرات را متصرف شدہ قلعۂ چانپانیر را نیز فتح نمود تاریخ آں ۹۴۲ھ "دل ہفتم صفر" است۔ بعد ازاں سلطان بہادر گریختہ بسمت بندر دیت رفتہ و در آنجا از دست فرنگیاں کشتہ شد و ہمایوں بادشاہ در اندک فرصت از قندہار تا صوبہ بہار در حیطۂ ضبط آوردہ و استقلالے تمام پیدا کردہ بعیش می گذرانید تا آں کہ از نحوست ایام بسال دہم از سلطنت در نہم صفر سنہ ۹۴۶ھ بر گذر جوسا لب آب گنگ از مضافات صوبۂ بہار عرف عظیم آباد و مرتبہ ثانی بتاریخ دہم محرم سنہ ۹۴۷ھ در قنوج از شیر شاہ سور قوم افغان ہزیمت یافتہ از بے اتفاقی برادران کہ ایشاں ہم مخالف شدہ بودند تنگ آمدہ رو بجانب خراسان و عراق نہاد۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ [ا] بہادر شاہ ولد مظفر شاہ ثانی است۔ بعد فوت پدر خود کہ سلطان محمود بیگڑہ نام داشت در ماہ رمضان سنہ ۹۱۷ھ بہ سلطنت گجرات رسیدہ بود و بعد حکومت چہار سال و نہ ماہ بتاریخ ۲۲ جمادی الثانیہ سنہ ۹۳۲ھ فوت کردہ در گنبد پدر خود مدفون گردید۔ بعد از مظفر شاہ پسرش سلطان سکندر شاہ دو ماہ و شانزدہ روز حکومت نمودہ بتاریخ نوزدہم شعبان سنہ مذکور کشتہ شد بعد ازاں عماد الملک سلطان محمود برادر سکندر شاہ را کہ کودکے پنج سالہ بود بر تخت نشانیدند اما بہادر شاہ پسر بزرگ مظفر شاہ کہ بطرف جونپور رفتہ بود از آنجا بزودی باز آمدہ روز عید رمضان سنہ مذکور قائم مقام آبا و اجداد خود گردید و عماد الملک را بدست آوردہ از جان بکشت و در سنہ ۹۳۷ھ تسخیر مالوہ نمود و بعد از حکومت یازدہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دور تک اُس کا پیچھا کیا جہاں سے بہادر شاہ کشتی میں سوار ہو کر جنوب کی طرف بندر دیو کو بھاگ گیا۔ یہاں اُس زمانے میں پرتگیز لوگ آباد تھے۔ بہادر شاہ نے اُن کے ہاں جا کر پناہ لی مگر تھوڑے ہی عرصے میں پرتگیزوں نے اُسے قتل کر دیا۔ اُس کے بعد ہمایوں نے چمپانیر واقع گجرات کے پہاڑی قلعے پر حملہ کیا۔ جس کا محاصرہ چار مہینے تک رہا۔ آخر ایک رات پہاڑ میں کہ مثل دیوار کے کھڑا تھا۔ لوہے کی میخیں گاڑ تین سو بہادروں کو ساتھ لے خود اُن میخوں کے سہارے سے چڑھ کر قلعے میں داخل ہوا۔ مشہور تھا کہ اِس قلعے میں کسی مقام پر بڑا بھاری خزانہ دفن ہے۔ قلعہ دار سے بہتیرا پوچھا مگر اُس نے کچھ پتہ نہ دیا۔ ہمایوں کے بعض امرا نے یہ صلاح دی کہ اگر اِس پر سختی کی جائے تو ضرور بتا دے گا مگر ہمایوں نے اِس بات کو پسند نہ کیا اور کہا کہ ع۔ گر گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دے۔ بادشاہ نے قلعہ دار کو دعوت دی اور اُس کے ساتھ بہت دوستانہ خاطر تواضع سے پیش آیا اور خوب شراب پلائی۔ جب وہ نشے میں چور ہو گیا۔ تو اُس نے خود بخود سارا راز افشا کر دیا کہ فلاں بڑے تالاب کے نیچے ایک تہ خانہ ہے اور اُس کے اندر خزانہ گڑا ہوا ہے۔ چنانچہ تالاب کا پانی کھنچوا کر کھودا تو واقعی جہاں قلعہ دار نے پتہ دیا تھا۔ وہیں سے خزانہ نکلا۔ یہ سارا خزانہ کئی ایک گجرات کے بادشاہوں کا جمع کیا ہوا تھا جو جوں کا توں برآمد ہوا۔ ہمایوں کا دل بڑا سخی تھا۔ حکم دیا کہ ہر سردار اپنی اپنی ڈھال لے آئے اور جتنا سونا چاندی اُس میں سمائے شوق سے لے جائے۔ اِس موقعہ پر ہمایوں سے یہ بڑی

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ کہ سال از ہمایوں بادشاہ شکست یافتہ بسمت بندر دیت رفت در آنجا بتاریخ سوم رمضان ۹۴۳ھ از دست پرتگیزان مقتول شدہ غرق دریائے فنا گردید تاریخ ایں واقعہ "فرنگیان بہادر کُش" "سلطان البر شہید البحر" - قتل سلطان بہادر - یافتہ اند بعد از وفاتش امرا سلطان محمود ثانی را کہ برادر زادہ او بود بر سریر سلطنت نشانیدند

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ بڑودہ سٹیٹ میں بہادر پور ریلوے سٹیشن سے (۱۵) میل پر چمپانیر کا قدیم شہر اور مشہور قلعہ ایک بہت بلند پہاڑ پر سب سے الگ تھلگ واقع ہے۔ بالا حصار بالکل ناممکن التسخیر ہے گو کہ ہمایوں نے پہاڑ میں آہنی میخیں گاڑ کر ۱۵۳۵ء میں اُسے فتح کر لیا تھا۔ پرانا شہر جو کوئی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بے پروائی ظہور میں آئی کہ اس بے شمار خزانے کے اٹھانے اور لٹانے جشنوں اور دعوتوں میں بہت سا عزیز وقت ضائع کیا اور اُن بڑے بڑے افغان سرداروں کی روک تھام کا کچھ خیال نہ کیا جو اُس کے مقابلے پر تلے بیٹھے تھے۔ گجرات میں اپنے بھائی عسکری کو چھوڑ کر ہمایوں مالوے پہنچا اور وہاں کے حاکم کو بدر کرکے عیش و آرام میں مشغول ہو گیا۔ اس اثنا میں دہلی سے خبر آئی کہ پورب کا کل ملک باغی ہو گیا۔ اور افغان امرائے جونپور۔ بہار اور بنگالے کی بادشاہ بن گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خاص آگرے کے نواح کے چھوٹے موٹے پٹھان رئیس بھی شورشیں کرنے لگے۔ یوں تو بہت سے باغی تھے مگر سب سے زبردست باغی ایک افغان صوبہ دار **شیر خاں** نامی تھا۔ بابر کی وفات کے بعد سے ہمایوں تو جنوب کی طرف گجرات اور مالوے میں لڑتا رہا۔ ادھر پورب میں شیر خاں کو خوب موقع ہاتھ آیا کہ وہ اپنی جگہ خوب مضبوط ہو گیا اور روز بروز زور پکڑتا گیا۔ اُس نے ایک ایک کرکے بہار کے سب قلعے لے لیے اور پانچ برس کی لگاتار کوشش کے بعد اپنے آپ کو بہار بنگالے کا بادشاہ بنا لیا۔ اب تک ہمایوں اُس کی طرف سے بے خبر تھا۔ گجرات سے آگرے جانے کے ایک سال بعد تک بھی عیش و نشاط میں مشغول رہا اور شیر شاہ کے دبانے کی مطلق کوشش نہ کی۔ گجرات[۵۱] کا حال یہ ہوا کہ ہمایوں کے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ سوا سو برس سے اُجاڑ پڑا ہے۔ اب نرا جنگل ہی جنگل ہے۔ جس کے گرد محلات مساجد۔ کنوؤں وغیرہ کے کھنڈر بکھرے پڑے ہیں۔ جو سلطان محمود کی عظمت و جبروت کا ایک ڈھانچہ رہ گئے ہیں۔ ۱۲۔

نوٹ صفحہ ہذا۔ سلہ ۵۱ سلطان محمود شاہ گجراتی پسر لطیف خاں ابن سلطان مظفر شاہ است والدہ‌اش دختر بہرام خاں بادشاہ ولایت سندھ بود از نسل تمیم انصاری و تولد سلطان در سنہ ۹۳۲ھ وقوع یافتہ در سن یازدہ سالگی بعد از فوت سلطان بہادر گجراتی در سنہ ۹۴۳ھ بسلطنت گجرات رسیدہ۔ بہترین زمانہ بادشاہان گجرات سلطان محمود بود کہ ہر کس باندازۂ خویش بناز و نعمت بسر می برد۔ لہذا تاریخ ابتدائے حکومت و کامرانی او از لفظ "خوش حال" مستفاد می گردد۔ او قلعہ سورت را تعمیر نمودہ ۹۴۵ و آں قلعہ بغایت استواری است۔ در طبقات اکبری

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

رخصت ہوتے ہی وہاں کے افغان پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور عسکری کو جو اُن کو دبا نہ سکتا تھا بے دخل کر دیا۔ مالوہ بھی اسی طرح دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب ہمایوں خواب غفلت سے بیدار ہوا کہ یکے بعد دیگرے ملک ہاتھ سے نکلا چلا جا رہا تھا۔ اب یہ سوچا کہ جو ملک اِس طرح نکل گیا ہے کسی نہ کسی طرح اُسے پھر حاصل کرنا چاہیئے۔ بابر کے وقت کے بہادر سورما کچھ لڑائیوں میں کام آئے کچھ اجل طبعی میں مرکھپ گئے۔ ہمایوں نے ایسی کشمکش کی حالت

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ آمدہ کہ صفر آغا نامی غلام سلطان محمود گجراتی کہ "خداوند خاں" خطاب داشتہ در سنہ ۹۴۹ھ این قلعہ را بر ساحل دریائے عماں جہت دفع فساد فرنگیان پرتگیز ساختہ و پیش از آنکہ قلعہ تعمیر یابد فرنگیان انواع خرابی بہ مسلمانان آں دیار می رسانیدند و دراں ایام کہ خداوند خان بہ عمارت آں می پرداخت فرنگیان چند نوبت کشتی ہا ساماں نمودہ بقصد جنگ آمدند اما ہیچ وقت کارے نتوانستند ساخت و چوں بہ اتمام رسید چوکھنڈی زیر دروازہ کہ بزعم فرنگیان مخصوص بہ پرتگال است شروع نمود۔ فرنگیان چوں بہ جنگ و جدال مانع حصار نہ توانستند مبلغ ہائے کلی قبول نمودند کہ آں چوکھنڈی را نہ سازند اما صورت نیافت۔ غرض آں قلعہ یازدہ درعہد اتفاقش بست و درعہ بنا برا عانت استحکام ہر دو سنگ را بہ قلا بہ ہائے آہنی محکم ساختہ و سرب را گداختہ در فرجہا و درزہا ریختہ و لنگرہا فرسنگ اندازہا بنوعے ساختند کہ دیدہ از دیدن خیرہ می ماند۔ سلطان محمود بعد از حکومت ہیزدہ سال و دو ماہ در سیزدہم ربیع الاول سنہ ۹۶۱ از دست غلامے کہ برہان نام داشت شہید شد۔ نعش او را در حظیرۂ سلطان محمود بیگرہ کہ در پائین گنبد شیخ احمد کھٹو واقع است بخاک سپردند۔ سال وفات او از عبارت "حقیق بالشہادت" بیروں می آید و ایں نظم در تاریخ او از شیخ یحییٰ معنی است۔ ۹۶۱ھ

سلطانِ محمود از جہاں چوں روئے خود بر تافتہ
در جنت الماوی شدہ آں جا علم افراختہ

در مجمع وزرائے خود بازمرۂ شہدائے حق
خوش بادشاہی می کند چترِ شہی برداشتہ

تاریخ سالِ رحلتش از عقل جستم باز گو
گفتا کہ ای یحییٰ شنو سلطاں شہادت یافتہ

وچوں سلطان سلیم شاہ بادشاہ دہلی و سلطان برہان نظام شاہ بحری بن سلطان احمد نظام شاہ بحری والی احمد نگر دکن ہم دریں سال ۹۶۱ فوت کردہ بودند مولانا غلام علی والد مورخ فرشتہ قطعہ ذیل در تاریخ وفات ایں ہر سہ بادشاہاں گفتہ۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں اپنے بھائی کامران کو جو کابل اور پنجاب کا حاکم تھا لکھا کہ ایسی اڑی میں کچھ فوج سے مدد دے۔ مگر وہاں سے خلاف توقع سوکھا اور دو ٹوک جواب ملا کہ ع۔ این تمنا نیل بی، نہ تھا گویا۔ ان وجوہ سے ہمایوں کو اپنی فوج میں زیادہ تر نئے سے نئے آدمی بھرتی کرنے پڑے جو آزمودہ کار نہ تھے۔ اب ہندال اور عسکری کو ساتھ لے کر ہمایوں پورب کی طرف چلا۔ اول بنارس کے قریب چنار گڈھ

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ

سہ خسرو را زوال آمد بیک سال — کہ ہند از عدل شاں دار الاماں بود
یکے محمود شاہنشاہ گجرات — کہ ہمچوں دولت خود نوجواں بود
دوم اسلیم شہ سلطان دہلی — کہ در ہندوستاں صاحبقراں بود
سوم نظام شاہ بحری — کہ در ملک دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خسرو — چہ می پرسی "زوال خسرواں" بود
۹۶۱

نوٹ صفحۂ ہذا سلسلہ مرزا پور اور مغل سرائے کے بیچ میں چنار کا مشہور قلعہ ہے جو اسی نام کے ریلوے سٹیشن سے قریباً دو میل کے ایک نہایت پُر فضا مقام پر واقع ہے اور دلی سے یہ مقام براہ ریل (۵۶۴) میل ہے۔ یہ قلعہ ایک ریتیلی چٹان پر بنا ہوا ہے جو دریائے گنگا پر جھکی ہوئی ہے۔ فصیل کا دَور تقریباً ڈیڑھ میل کا ہے۔ موجودہ فصیل مسلمانوں کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس میں کثرت سے اہل ہنود کے زمانے کے نقش و نگار کے پتھر دیواروں اور فرش میں لگے ہوئے ہیں جن میں بعض بعض بہت قدیم زمانے کے ہیں اور بدھ لوگوں کی دستکاری کے معلوم دیتے ہیں جن میں اُسی زمانے کے سے گھنٹیاں اور پھول بنے ہوئے ہیں۔ یہ امر محقق ہے کہ اس مقام پر بکرماجیت راجۂ اُجین نے ۵۶ ق۔ م۔ میں ایک قلعہ بنایا تھا۔ لارڈ وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل (۱۷۷۲–۸۵ء) کو یہ مقام بہت مرغوب تھا۔ چنانچہ اب تک بھی پہاڑی چوٹی پر اُن کے رہنے کی کوٹھی موجود ہے۔ یہ کوٹھی اب بطور بارک کے کام میں لائی جاتی ہے جس میں کچھ پیدل فوج گوروں کی رہتی ہے۔ یہ فوج گورنمنٹ کے مُلکی قیدیوں کی حفاظت کے لیے رکھی گئی ہے جو یہاں رکھے جاتے ہیں۔ پہاڑی کے قریب ہی مسلمانوں کا ایک نہایت خوب صورت قبرستان ہے جس میں بہت سی قبریں بڑے بڑے بزرگوں کی بنی ہوئی ہیں جن میں ایک

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

پر حملہ کیا جس کے سر کرنے میں چھ مہینے لگ گئے۔ شیر خاں اِس وقت بنگال میں تھا۔ موقع اور مہلت ملنے سے وہ اپنی فوج اور خزانے کو لے کر رہتاس واقع بنگال کے مضبوط پہاڑی قلعے میں جا بیٹھا جہاں اُسے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ شیر خاں چاہتا تھا کہ کسی طرح ہمایوں اُس کا تعاقب کرتے کرتے دور تک بنگالے کے ملک میں در آئے تو میں پھر اُس کے پیچھے فوج کا حلقہ ڈال کر اُسے اِس طرح گھیر لوں کہ پھر وہ واپس نہ جا سکے۔ اِسی غرض سے شیر خاں نے بنگالے کا رستہ بالکل کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اِس طرح ہمایوں کو جال میں پھانس لیا اور وہ بلا کسی قسم کی مزاحمت کے بنگالے کے میدانوں کو طے کرتا بڑھتے بڑھتے گور تک جا پہنچا جو اُس زمانے میں بنگالے کا پایہ تخت تھا۔ ہمایوں آپ تو یہاں ٹھیر گیا اور اپنے بھائی ہندال کو اور کچھ تازہ دم فوج لینے کے لیئے آگرے بھیج دیا اور خود حسب عادت معہود لہو و لعب میں ایک برس گھلا دیا۔ آقا کی دیکھا دیکھی امراء اور سردار حتیٰ کہ فوج کے افسر بھی عیش و آرام میں ایسے پڑے کہ کسی کو بھول کر بھی اِس بات کا خیال نہ آیا کہ شیر خاں ہمارے پیچھے فوج لیئے ڈٹا ہوا ہے اِس کا نتیجہ کیا ہونا ہے۔ اور شیر خاں کا یہ حال تھا کہ ہر وقت چوکنا اور مستعد تھا۔ جوں ہی جاسوس نے خبر دی کہ ہمایوں اور اُس کے سارے ہمراہی لہو و لعب میں مشغول اور دنیا و مافیہا سے بے خبر خواب غفلت میں پڑے سو رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی شیر خاں رہتاس سے نکلا اور سب سے پہلے اُس نے بہار اور بنگال کے کل ناکے اِس طرح روک لیئے کہ دلّی جانے کا رستہ قطعاً بند کر دیا۔ اُدھر ہندال نے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ عالی شان خوش نما اور وسیع درگاہ کسی بہت بڑے بزرگ کی ہے جنھیں ہندو اور مسلمان دونوں مانتے ہیں۔ مرزا پور سے بنارس جاتے جاتے چند گھنٹے یہاں ٹھیر کر اِس تاریخی اور دلچسپ مقام کو ایک نظر دیکھ لینا خالی از لطف نہ ہوگا۔ ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ ۵۱ ہمایوں کے بھائیوں کا مختصر حال (۱) مرزا ہندال۔ در ۹۲۴ھ متولد شد

تاریخ تولدش چیست دانی سال تاریخ شہ فرخندہ فال   کوکب برج شہنشاہی بود تاریخ سال

۹ ۲ ۴ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

یہ گُل کھلایا کہ بجائے اِس کے کہ بھائی کو کمک دیتا دہلی کے تخت پر قابض ہو خود بادشاہ بن بیٹھا۔ آخر کار ہمایوں اپنی فوج لے کر بنگالے سے چلا۔ یہ وقت عین برسات کا تھا۔ ندی نالے چڑھے ہوئے تھے۔ چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ جل تھل بھر گئے تھے۔ سڑکیں ساری دلدلیں ہوگئی تھیں ان پر سے گزرنا مشکل تھا۔ موسم بھی ردی تھا۔ ہمایوں کے لشکری اکثر تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے۔ حمل ونقل کے مویشی گھوڑے بیل بہت سے مر گئے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ شہادتش در خیبر کہ از توابع کابل است بتاریخ ۲۰ ذی قعدہ ۹۵۸ھ وقتیکہ تمامی قبائل افغان مہمند و خلیل بہ موافقت مرزا کامران بر عساکر ہمایوں بادشاہ شبخون آوردہ بودند۔ وسے دادہ خرو زرگر کہ از منتسبان مرزا بود مرثیہ گفتہ کہ مطلعش این است۔ ؎

شبے خون جگر مردم چشم شب خون زد | سپاہِ دیدہ از آمد شد خون خیمہ بیرون زد

وتاریخ این واقعہ حسب ذیل است:۔

ہندال محمد شہ فرخندہ لقب | ناگہ ز قضا شہید شد در دل شب
شبخون بشہادتش چو کردند سبب | تاریخ شہادتش ز شبخون بطلب
۹۵۸

ومولنا مرزا ابانی لبطریق تعمیہ این تاریخ گفتہ:۔

شاہ ہندال سرو گلشن ناز | چون ازین بوستانِ دولت رفت
عالمے را بباد سرو قدش | برفلک دودِ آہِ حسرت رفت
گفت تاریخ قمری نالاں | سروِ از بوستان دولت رفت

بعد شہادتش او را پس از چندگاہ بہ کابل بردہ نزدیک مرقد بادشاہ فردوس مکانی مدفون ساختند ودر ۹۵۸ھ ہمیں سال ہمایوں بادشاہ رضیہ بیگم دختر مرزا ہندال را بعقد مناکحت پسر خود محمد اکبر شاہ منعقد نمود۔

(۲) مرزا محمد عسکری۔ چوں تقصیرات عظیم از و بظہور می آمد بنا بر آں ہمایوں بادشاہ بہ جہت تسکین فتنہ وفساد اورا در کابل قید فرمودہ بودند روزے فرصت یافتہ بہ بلخ گریخت واز آں جا متوجہ زیارت حرمین شریفین گردیدہ در وادی کہ میان شام ومکہ معظمہ است پدرود ایں جہاں نمود ایں واقعہ در سنہ ۹۶۱ھ دست دادہ۔ و عسکری بادشاہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

سامان رسد بہت کچھ تباہ اور برباد ہوگیا۔ ناچار ہمایوں کو پلٹنا پڑا۔ لوٹتیوں کو آہستہ آہستہ چل کر اُس تنگ درے پر پہونچا جہاں بنگالے سے بہار کا رستہ تھا۔ یہ درہ راج محل کی پہاڑیوں اور دریائے گنگا کے درمیان واقع ہے۔ شیر خاں پہلے ہی سے تاک لگائے ہوئے یہاں پڑا تھا۔ اور شکار کے پھنسنے کا منتظر تھا۔ اُس نے درے کے سامنے گہری گہری خندقیں کھود رکھی تھیں اور اُونچی اونچی دیواریں کھود کر رستہ بند کر دیا تھا علاوہ بریں افغانوں کی ایک زبردست جماعت سے ناکہ بندی کر رکھی تھی شیر خاں بخوبی جانتا تھا کہ دلی سے تو کوئی مدد آ نہیں سکتی اور اُس کی اپنی فوج بھی روز بروز پھیلتی چلی جارہی تھی اس لیئے وہ میدان میں آکر ہمایوں سے لڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ہمایوں اپنے بھائی ہندال اور کامران کو مدد بھیجنے کے لیئے خط پر خط لکھتا تھا۔ اِسی اُمید اُمید میں وہ پھینے کانٹوں

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ دریا دل" تاریخ وفات اوست اما عدد ش (۲۹) کم می شود

(۳) مرزا کامراں۔ تقصیرات عظیم از و بظہور رسید در آخر چوں دیگر برادران او یعنی مرزا عسکری دستگیر شد و مثل مرزا ہندال بقتل رسید او نیز از ہمہ مایوس گردید پیش سلطان آدم گکھر رفت و سلطان آدم اورا گرفتہ بدرگاہ ہمایوں بادشاہ در کابل فرستاد۔ بادشاہ بنا بر حقوق اخوت حکم بخون ریزی نکرد و حسب الارادہ از نشتر مکحول شدہ رخصت مکہ یافت۔ چنانچہ تاریخ ایں سانحہ در لفظ "نیشتر" ۹۶۰ یافتند و محمد مومن فرنجودی ایں مصرعہ تاریخ یافت۔ ع۔ چشم پوشید زبیداد سپہر۔ و مرزا کامراں در مکہ بعد از سہ سال بتاریخ ۱۱ رذی حجہ سنہ ۹۶۴ھ بعالم بقا انتقال نمود وایں مصرعہ در تاریخ اوست ع بگو شاہ مرحوم در مکہ ماند"۔ قطعۂ تاریخ فوتش این ست:۔

کامراں آنکہ بادشاہی را کس نبو دست ہمچو او درخورد
شد زکابل بکعبۂ و وانجا جاں بحق داد و تن بخاک سپرد
گفت تاریخ ایں چنیں کاہی بادشاہ کامراں بکعبہ بمرد

از مرزا کامراں یک پسر ماندہ بود ابو القاسم مرزا در غایت فطنت و ذکا در جوانی بسال سنہ ۹۷۴ھ بحکم اکبر شاہ در قلعۂ گوالیر کہ آں جا محبوس بود بقتل رسید ع۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پرکاٹے مگر وہاں سے صدا ئے بر نہ خاست۔ سہ

عہد نامہ نوشتیم و جوابے نہ نوشتند
ایں ہم کہ جوابے نہ نوشتند جواب است

بے وفا پٹھانیوں نے اپنا ایک آدمی بھی بنگالے کی طرف جانے نہ دیا اور جو چال چلے وہ ایسی کہ ہمایوں کو زک پہنچے اور اس کی بربادی ہو۔ ہمایوں عجب بیقلش میں پھنسا پائے رفتن و نہ روئے ماندن۔ نہ آگے قدم بڑھا سکتا تھا نہ پیچھے۔ سے ہی بن پڑتی تھی۔ کیوں کہ اگر یہاں رہا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے لشکر میں ایک آدمی بھی نہ بچے گا کہ موت کا بازار گرم تھا۔ اس لیئے مجبور ہو کر شیرخاں سے صلح کے لیئے سلسلہ جنبانی کی۔ شیرخاں نے جواب دیا کہ بنگال اور بہار کے دونوں ملک میرے لیئے چھوڑ دیجئے اور مجھے یہاں کا بادشاہ بنا دیجئے تو میں بادشاہ دہلی کو نہ صرف اپنا شہنشاہ مان لوں گا بلکہ خراج بھی دیا کروں گا۔ ہمایوں نے یہ شرط مان لی اور صلح بھی کرلی۔ اس کے سپاہیوں نے زرہ بکتر اُتار ڈالے کمریں کھول دیں اور روانگی وطن کے لیئے تیاری شروع کرنے لگے۔ گنگا پر پل بندھوایا کہ دوسرے دن عبور کرکے اپنا رستہ لیں گے۔ شیرخان بڑا کائیاں تھا اُس نے جو دیکھا کہ یہ لوگ جل میں آ گئے اور اپنی جگہ بالکل مطمئین ہو کر بے خوف و بے خطر پڑے ہیں تو بہت خوش ہوا کہ وہ موقع جس کا وہ ایک عرصہ سے منتظر تھا من جانب اللہ ہاتھ آگیا۔ ہمایوں کے تھکے ماندے سپاہی خوشیاں منا رہے تھے کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ اب وطن کو چلیں گے اسی خیال سے رات ہوتے ہی لمبی تان کر سو گئے لیکن آدھی رات پر دو بجے اندھیری گھپ رات میں بدعہد افغان ان پر اچانک آن پڑے اور بے چارے نہتوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر دھر دیا۔ یہ واقعہ چونسہ مقام پر ۱۵۳۹ء میں ہوا۔ ہمایوں نے جو یہ طوفان برپا دیکھا گھبرا کر خواب استراحت

تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ ماند از کامراں نام و نشانے۔ تاریخ وفات اوست۔ اما یک عدد کم می شود۔ ۱۲

سے اُٹھا۔ جھٹ پٹ اپنے ارا کین سلطنت کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو اپنی جان ہتیلی پر لے کر بھاگا اور لڑتا بھڑتا گرتا پڑتا کسی نہ کسی طرح دریا کے کنارے جا پونہچا۔ ہمایوں زخمی ہو رہا تھا اور ایسا نڈھال ہو گیا تھا کہ ضعف کے مارے اُسے قدم اُٹھانا محال تھا۔ قریب تھا کہ گر پڑے۔ دریا کو جو دیکھتا ہی تو اُس کی کہیں تھاہ نہیں بھرپور جا رہا ہی اب پار ہو تو کیسے ہو۔ ایسی طغیانی اور تیز دھار میں گھوڑے کیسے تیر کر پار ہو سکتے تھے۔ قریب تھا کہ ہمایوں مارا جائے یا دریا میں ڈوب جائے کہ ایک سقے نے جس کا نام **نظام محمدؐ** تھا جو مشک پھلا کر تیر رہا تھا ہمایوں کو دیکھا۔ جان گیا کہ یہ بادشاہ ہی اور اِس وقت وہ سے مصیبت کا سامنا ہی اگر مجھ سے اِس کا کچھ کام بن آئے۔ تو میرے دن پھر جائیں۔ عرض کی کہ حضور اِس مشک کو ہاتھ سے پکڑ لیں خانہ زاد ابھی پار کر دیتا ہی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بادشاہ نے اِس موقع کو غنیمت جانا اور سقے کی مدد سے دریا پار ہوا۔ ہمایوں بہت خوش ہوا اور ارشاد فرمایا۔ "میاں نظام درحقیقت تم نے بڑا کام کیا۔ اگر تم کبھی آگرے آؤگے تو تین[1] گھنٹے کے لیئے میں تمھیں بادشاہت دونگا۔" سقے کی باچھیں کھل گئیں اُسے صبر کب آ سکتا تھا۔ ہمایوں ابھی آگرے پونہچا بھی نہ تھا کہ آپ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو جا پونہچا اور بادشاہ کو آداب بجا لایا۔ سقے کو دیکھتے ہی بادشاہ کو اپنا وعدہ یاد آیا۔ ہمایوں تھا اپنے قول کا پکا اور پھر بادشاہ کا قول۔ فوراً سقے کو تین گھنٹے تخت پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ سقے نے تخت پر قدم دھرتے ہی جھپا جھپ نذریں لینی شروع کیں اور اپنے قرابت داروں کے نام بڑے بڑے انعام و عطیات کے فرامین جاری کیئے اور اپنے حوصلے کے موافق مشک کے گول گول سکے کٹوا کر اُن پر اپنے نام کی مہر لگوا چمڑے کا سکہ بھی اُنھیں تین گھنٹوں میں چلا دیا۔ تین گھنٹے بات کہتے میں گزر گئے بادشاہت خواب ہو گئی اور وہی مشک گلے کا ہار رہی۔ ہمایوں کا یوں بھاگنا تھا کہ شیر خاں کے لیئے میدان خالی تھا بنگال اور بہار پر تسلط کر لیا۔ مغلیہ سپاہ اول تو خود

[1] بعض کتب میں لکھا ہی کہ آدھے دن کا وعدہ کیا تھا۔ اور وہی پورا کیا۔ ۱۲

بھاگ کھڑی ہوئی تھی کچھ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے اُنہیں شیر خاں نے ۱۵
باہر کیا اور جب دیکھا کہ یہاں امن و امان ہو گیا تو ہمایوں کے تعاقب میں آگرے
پہنچا۔ دلی میں تو ہندال بادشاہ بنا بیٹھا ہی تھا۔ اب اُس کی بھی آنکھیں کھلیں
اور سمجھا کہ اس کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی نے اپنا اور ہمایوں دونوں کا
کھو دیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ ہندال تھوڑی سی فوج اپنے ساتھ لے
ہمایوں کے پاس معذرت کو گیا۔ کامران بھی پنجاب سے آگیا اور وہ بھی معافی
کا خواستگار ہوا۔ ہمایوں نے کہا۔ ع

ازار از جراحت بیگانگاں رسد

مرہم منہ کہ زخم دل از آشنا رسید

اپنی دریا دلی سے دونوں کو چھاتی سے لگا لیا اور اُن کے سارے قصور معاف
کر دیئے اور کہا کہ "بھائی! جو کچھ تقدیر میں تھا سو ہوا۔ خیر۔ مگر اب بھی تم کو چاہئے کہ ہم
تم سب مل کر کمر ہمت باندھیں اور دشمن کو مغلوب کریں" کامران دو مہینے آگرے میں
رہا اور پھر کابل چلا گیا اور جو تھوڑے بہت سپاہی ہمایوں کی مدد کو اپنے ساتھ
لایا تھا اُن کو بھی اُکھاڑا کہ یہاں اب جان کی خیر نہیں ہے بہتر یہی ہے کہ میرے ساتھ چلے
چلو اور یہ بڑے بڑے دے دیئے کہ میں تم کو بڑے بڑے عہدے دوں گا
اور اُنہیں کے ساتھ ہمایوں کے بعض سرداروں اور سپہ سالاروں کو
بھی بھڑ کا کے دے کر لے گیا۔ اِس اثناء میں شیر خاں اپنی فوج کے ساتھ
آموجود ہوا چنانچہ ۱۵۴۰ء میں قنوج پر ایک ایسی زبردست لڑائی ہوئی کہ
پہلے ہی دھاوے میں ہمایوں کی فوج کے پیر اُکھڑ گئے۔ دس برس کی
سلطنت کے بعد ہمایوں کو لاہور کی طرف بھاگنا پڑا۔ اُسے اُمید تھی کہ کامران
آخر بھائی ہے ایسے وقت میں ضرور مجھے مدد دے گا لیکن وہ خود ایسا پست
ہمت نکلا کہ پنجاب کو بھی شیر خاں کے حوالے کر کے کابل جا بیٹھا اور
وہاں کی بادشاہت پر شاکر ہوا۔ ہندال بھی ہمایوں کو اِس عالم بے کسی میں
چھوڑ چھاڑ چلتا بنا۔ ہمایوں بے چارہ دو برس تک مصیبت پر مصیبت جھیلتا
ملک سندھ کے ریگستان میں ٹھوکریں کھاتا مارا مارا پھرا اور جب یہاں

کچھ ٹھکانہ نہ لگا تو فارس پونہچا۔ سندھ کی صحرانوردی کے ایام میں ہمایوں نے ایک چودہ برس کی نوعمر ایرانی خاتون حمیدہ بیگم نام سے ۱۵۴۱ء میں شادی کی اِس صحرا میں ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو اتوار کے دن امرکوٹ کے قلعہ میں عالم غربت و تنہائی میں وہ نامی گرامی لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر جلال الدین محمد اکبر اعظم کے نام سے سب سے بڑا بادشاہ گزرا ہی ترکوں کا دستور تھا کہ جب کوئی شاہزادہ پیدا ہوتا تھا تو بادشاہ اپنی خوشی اور شادمانی میں جشن مناتا تھا اور امرا اور سرداروں کو زروجواہر کی سرفرازی ہوتی تھی۔ غریب الوطن ہمایوں کے پاس امرکوٹ جیسے ویران مقام میں زروجواہر کہاں دھرا تھا ع چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں؟ یہاں کھانے کے ہی لالے پڑے تھے۔ ہاں اِس کی جیب



حمیدہ بانو بیگم ہمایوں بادشاہ

میں ایک مشک نافہ کبھی کا پڑا ہوا تھا اُس کو نکال کر چیرا اور ذرا ذرا سا مشک حاضرین اور ہمراہیوں کو دیا۔ مشک کی بُو سے سارا مکان مہک اُٹھا ہمایوں

سلہ یہ تاریخ ولادت ابوالفضل نے لکھی ہی اور یہی اب مستند گنی جاتی ہو ورنہ دراصل اکبر ۱۴ شعبان ۹۴۹ھ میں جمعرات کے دن پیدا ہوا۔ ولادت کی اصلی تاریخ اِس لیے مخفی رکھی گئی ہی کہ کوئی کچھ جادو ٹونا نہ کر بیٹھے اور ممکن ہی کہ صحیح تاریخ کے پوشیدہ رکھنے میں اور کوئی مصلحت بھی ہو۔ ۱۲

نے بھی شگون نیک سمجھا اور کہا کہ جس طرح یہ مشک ہوا کو معطر کر رہا ہے میں اُمید
کرتا ہوں کہ اسی طرح یہ نو مولود بھی جب پروان چڑھے گا۔ تو بادشاہ ہو کر دنیا
کو اپنی نیک نامی سے معمور کرے گا میں اس کا نام اکبر رکھتا ہوں اور خدا نے
بھی چاہا تو یہ ایک بڑا زبردست بادشاہ ہوگا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمایوں
کی یہ پیشین گوئی مع شہزادہ پوری ہوئی۔ اسی واسطے کہا کرتے ہیں کہ خدا
سے اچھی دعا کرے سرع۔ مزن فالِ بد کا ورد حالِ بد۔ سندھ سے فارس
جاتے جاتے ہمایوں کو قندھار سے گزرنا پڑا یہاں اُس کا بھائی عسکری
حکم راں تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ بھائی کی آؤ بھگت اور مدد کرتا اُس نے
اُلٹا ہمایوں کو گرفتار کرنا چاہا۔ ہمایوں بڑی مشکل سے اپنی بیوی حمیدہ بیگم کو ساتھ
گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ بھاگا۔ اکبر کو اس جلا وطنی میں کہاں کہاں لئے
پھرتا۔ دو برس کی جان تھی وہ چچا کے ہاتھ آیا۔ چچا نے اپنا غصہ اِس ننھی سی
جان پر اُتارا اور قید میں رکھا۔ جب ہمایوں ایران پہنچا تو وہاں کے بادشاہ
طہماسپ شاہ صفوی نے اِس سے شاہانہ برتاؤ کیا اور بڑی
خاطر مدارات کی اور چوں کہ ایرانی بالعموم شیعہ ہوتے ہیں زیادہ تر
کوشش اِس بات کی کی گئی کہ کسی نہ کسی طرح اسے بھی اپنے میں ملالیں
کوئی کہتا ہے کہ وہ شیعہ ہوگیا اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں لیکن ممکن ہے کہ بہ لحاظ
مصلحت وقت و بغرض کار برآری کے اُس نے ہاں کر لی ہو مگر رہا تو وہ
سُنّی ہی۔ طہماسپ نے کچھ عرصہ تک ہمایوں کو اپنے دربار میں بطور معزز
مہمان کے رکھا۔ جب ہمایوں نے اپنا قصد ظاہر کیا تو اُس کے ساتھ بارہ
ہزار جرار ایرانی ساتھ کیئے۔ ہمایوں اِس سپاہ کو لے کر افغانستان پہنچا اور
وہاں جاکر اپنے جگر گوشہ اکبر کو ظالم چچا کے پنجہ سے چھوڑایا۔ دس برس تک
ان بھائیوں سے لڑتا رہا۔ کئی مرتبہ وہ اس کے پنجے میں آئے اور ہمایوں
کے مصاحبین اور امرا نے مشورہ اُن کے قتل کا دیا مگر ہمایوں کا دل
پسیج گیا۔ یہ بُرائی پر برائی کرتے جاتے تھے اور وہ نیکی کن بدریا انداز
پر عمل کرتا تھا۔ اُس کو باپ کا آخری حکم اور اپنا وعدہ ہر وقت یاد تھا۔ وہ بھائیوں

سے نیک سلوک ہی کرتا رہا اور ہمیشہ اُن کی خطاؤں سے درگزر کی۔ ہمایوں بار بار کا بنا بنایا ہے بہ منت و الحاح کہتا تھا کہ تو میرا قوت بازو ہی میرا ساتھ دے۔ مگر اُس نے کبھی ایک نہ سُنی۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اکبر کامران کے ہاتھ آیا تھا۔ ہمایوں کابل کا محاصرہ کیئے پڑا تھا۔ ظالم چچا نے اپنے ننھے سے بھتیجے کو تیروں کی بوچھاڑ میں کابل کی فصیل پر ڈلوا دیا لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے اُس کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ ہمایوں نے تاڑ لیا کہ جب تک کامران کا قرار واقعی علاج نہ ہوگا اکبر کی جان کی خیر نہیں۔ کابل فتح ہوگیا۔ کامران کی احسان فراموشی سے ہمایوں کا دل پک گیا تھا۔ بادلِ ناخواستہ حکم دیا کہ اس کو مکحول کر دیا جائے۔ نابینا کامران جب بھائی کے سامنے ٹٹولتا ہوا آیا تو اُس نے سر دربار حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ "سنو صاحبو! مجھ پر میرے بھائی ہمایوں نے کچھ ظلم نہیں کیا۔ جو سزا مجھے دی گئی ہے درحقیقت میں اس سے بھی زیادہ کا سزاوار تھا" ہندال لڑائی میں کام آیا۔ ہمایوں نے اس کو بھی مروانا گوارا نہ کیا عسکری مرزا نے حج کو جاتے جاتے رستہ ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ فارس میں ہمایوں کے قیام کے حالات ہم آگے چل کر لکھیں گے۔ اِس نوبت پر ہمایوں تاریخ ہند کے میدان سے پندرہ سال کے لیئے غائب ہوگیا[1] اور عرصہ مدت میں سُور خاندان کے بادشاہ حکمراں رہے اب اُن کا حال سنیئے۔

سُور خاندان

۱۵۴۰ء-۵۵

شیر شاہ ۱۵۴۰-۴۵ء	شیر شاہ[1] افغان دراصل پشاور سے آیا تھا اور پٹھانوں کے سُور فرقے کا تھا۔ یہ اور اُس کے بعد کے اور تین افغان بادشاہ خاندان سُور کے بادشاہ

[1] شیر شاہ در ۹۴۶ھ بر ہمایوں بادشاہ غالب آمدہ وبار دیگر در ماہ محرم ۹۵۲ھ در

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

کہلاتے ہیں۔ اس کا اصلی نام فرید خاں تھا۔ اس کا دادا ابراہیم خاں کسی فوجی عہدے کی تلاش میں بہلول خاں لودھی کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کا باپ جونپور کے بادشاہ سلطان سکندر کی سرکار میں جمعدار ہوا اور اس کی بہار میں سہسرام اور خواص پور جاگیر تھی۔ فرید خاں ایک روز بادشاہ کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا کہ اس نے شیر کو تلوار کی ایک ضرب سے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بادشاہ نے اسی وقت اُسے شیر خاں کا خطاب دیا اور جب مساعدت بخت سے یہ دلی کا بادشاہ ہوا تو اس نے شیر شاہ کا خطاب لیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خطاب اُس کو سجتا بھی تھا اور اسم بامسمی تھا وہ شیر کی طرح جری اور پھرتیلا تھا۔ دل ایسا سخت تھا کہ دشمن پر ترس کھانا تو جانتا ہی نہ تھا اگر موقع آن پڑتا تو عہد شکنی کی بھی پروا نہ کرتا۔ بابر کی بادشاہت کے زمانے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ قنوج بہ او محاربہ نمودہ وہزیمت دادہ ملک ہندوستان را بہ تصرف خود آورد و بتاریخ ۱۰ شوال ۹۴۸ھ بر تخت سلطنت جلوس نمود۔ تاریخ جلوس این ست :-

شاہنشہ شیر شاہ گردوں قوت کش ہست نسب رفیع و عالی دودہ

بہ نشست بہ بست و ہفت شوال تخت شاہان جہاں بپائے او سر سودہ

تاریخ جلوس گفت ہاتف از غیب زیب اورنگ سلطنت افزودہ

شیر شاہ بعد از فتح یافتن بر ہمایوں در ۹۴۸ھ بہ فاصلۂ شصت کروہ تخمیناً از شہر لاہور برلب دریائے جہلم قلعۂ سنگین در کمال رفعت و استواری تعمیر ساختہ کہ تا امروز موجود است ونام آں قلعہ "رہتاس خورد" نہادہ و این قلعہ بہ اہتمام جلال خاں کہ پسر خورد شیر شاہ بود انجام یافتہ چنانچہ این تاریخ بر دروازۂ آں قلعہ مرقوم است :-

ز ہجرت گذشتہ تو تاریخ سال بہ نہصد چہل ہشت آمد جلال

بنا کردہ این قلعہ سنگیں حصار شہنشاہ شیر است عالم شعار

نقل است کہ چوں ملو خاں حاکم مالوہ در ۹۴۹ھ از شیر شاہ منہزم شدہ بدست او فتاد و بعد از چندے از و بگریخت شیر شاہ این مصرع خواند ع با ما چہ کردہ دیدی ملو سے خلاف گیری

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں یہ دربار میں حاضر ہوا تھا تو یہ بھی ایک ممتاز عہدے پر مامور کیا گیا اور اس کی بھی ذات جاگیر تھی ایک دن خاصہ پر یہ بھی حاضر تھا۔ کچھ کھانا آیا جو چمچے سے کھایا جاتا ہے۔ یہ پٹھان بھائی ٹھٹھے۔ چمچے وغیرہ کیا جانیں۔ میان سے تلوار نکال اس چیز کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے لگے۔ لوگ جو دسترخوان پر بیٹھے ہنسنے لگے مگر خان نے کسی کے ہنسنے کی ذرا بھی پروا نہ کی اور رکابی صاف کر گئے بابر بڑا زیرک بادشاہ تھا اُس نے دیکھا کہ یہ او جہڑ پٹھان دربار کے ادب قاعدوں سے نابلد ہے اور دسترخوان پر تلوار سے کام لے رہا ہے تو امرا کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ " دیکھتے کیا ہو۔ ابھی یہ پٹھان ہیں پٹھان۔ تلوار ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ تلوار ہی کی چھاؤں میں انھوں نے نشو ونما پائی ہے اور تم دیکھ لینا اِسی تلوار کے بل پر یہ شخص ایک نہ ایک دن کسی بڑے مرتبے پر پہونچے گا " جب ہمایوں نے شیر شاہ پر چڑھائی کی اور چنار گڑھ سے لیا تو شیر شاہ نے بہار میں **رہتاس گڑھ** پر قبضہ کر لیا جو چنار گڑھ سے بھی زیادہ مضبوط قلعہ تھا۔ قلعۂ رہتاس پر قبضہ کرنے میں شیر شاہ بڑی گہری

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ شیخ عبدالحی کہ حاضر بود فی الفور ایں مصرع بدیہہ گفت ع۔ تولیست مصطفیٰ را الاخیر فی العبید ہی۔ در ایامیکہ شیر شاہ قلعہ کالنجر را محاصرہ نمودہ می جنگید اتفاقاً در باروت آتش گرفت و شیر شاہ با اکثرے از امرا سوختہ شد اما ہماں روز فتح کالنجر یافتند و راجہ را کہ کیرت سنگھ نام داشت اسیر کردہ پیش شیر شاہ آوردند چوں مژدۂ فتح بہ شیر شاہ رسید گفت الحمد للّٰہ و جان بحق تسلیم نمود ایں واقعہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۹۵۲ھ بوقوع آمدہ و تاریخ ایں عزیزی در الفاظ " ز آتش مُرد " یافتہ بنا بچہ ازیں رباعی مفہوم گردد۔ رباعی :-

شیر شاہے کہ از مہابت او	شیر و بُز آب را بہم می خورد
چوں برفت از جہاں بدار بقا	گشت تاریخ او " ز آتش مُرد " ۹۵۲

شیر شاہ از بنگالہ و سنارگاؤں تا آب سندھ کہ مسافت یک ہزار پانصد کروہ است در ہر کروہ سرائے ساختہ و چاہ و مسجد از سنگ و خشت پختہ بنا کردہ و بسے شہرہا بنام خود مثل شیر گڈھ کہ در چار کروہے از قنوج است و شیر کوٹ آباداں نمودہ۔ گویند کہ

(نوٹ صفحۂ ہذا کے لیے دیکھو صفحہ ۲۵۸) (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

چال چلا۔ رہتاس کے راجہ سے کہا کہ میں اپنے بال بچوں کو اور خزانے کو کسی محفوظ جگہ رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر میں ہمایوں کے مقابلے میں مارا گیا تو سارے کا سارا خزانہ تم لے لینا۔ راجہ پھنس گیا۔ شیر خاں نے ہزاروں ڈولے طیار کرائے۔ آگے کے دو تین ڈولوں میں تو عورتوں کو بٹھلا دیا اور باقی سب میں ایک ایک مسلح افغان جب ڈولے قلعے میں پونہچے تو راجہ نے احتیاطاً دو تین ڈولوں کے پردے اُٹھا اُٹھا کر دیکھے اُن میں تو عورتیں تھیں ہی۔ شیر خاں کے لوگ راجہ سے معترض ہوئے کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ آپ ہماری بیگمات کی پردہ دری کرتے ہیں یہ تو ہمارے مالک کی بڑی ہتک کی بات ہے۔ راجہ اپنی حرکت پر پشیمان ہوا اور جھجک گیا۔ فوراً ہاتھ روک لیا کہ بات معقول تھی۔ غرض یہ کہ سارے ڈولے بلا مزید دست اندازی کے گزر گئے جب ایک ایک کرکے سب ڈولے قلعے کے اندر پونہچ گئے تو افغان سپاہی ایک دم ڈولوں میں سے کود پڑے اور قلعے کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ اب کیا تھا شیر شاہ کی ساری فوج اندر گھس آئی اور قلعے پر آناً فاناً

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ چوں وی آئینہ دیدے گفتے کہ دریغ! در وقت پیری و نماز شام سلطنت بہ من رسید وگرنہ اہل عالم می دیدند کہ چہا می کردم"۔ مدت سلطنت او از روز ہزیمت ہمایوں بادشاہ در قنوج۔ پنج سال و دو ماہ است و مقبرۂ او در شہسرام است بعد از وی پسرش سلیم شاہ بر سریر سلطنت ہند نشستہ۔ در بعضے تواریخ کہ شیر شاہ در سال ۹۵۳ھ فوت کردہ اما از تاریخیکہ بر کھاری باؤلی در دہلی منقوش است صاف ظاہر است کہ او در سنہ ۹۵۲ھ فوت کردہ۔

نوٹ متعلق صفحہ ۲۵۰ - سطر ۵ فی الواقع ہے بھی یہی بات سپاہی منش لوگ چمچہ کے محتاج کب ہیں۔ خدا نے جو پانچ انگلیوں کا قدرتی چمچہ دیا ہے وہ اس چمچے سے کہیں بہتر ہے نقل ہے کہ ایک پٹھان صاحب نے بازار سے کچھ جامنیں خریدیں اتفاق سے اُس میں ایک بھونرا بھی آگیا۔ جامن اور بھونرا ہم شکل ہوتا ہے خان صاحب جب کھانے لگے تو دیکھا کہ وہ بھنبھنانے لگا۔ خان صاحب کو جو طیش آیا تو بولے "او بھائی! تو چیں کرے یا میں کرے ہم نے پیسہ دیا ہے ہم ضرور کھائے گا" اور جامنوں کے ساتھ بھونرے کو بھی چٹ کر گئے پس یہ لوگ تکلفات اور آرام طلبی کی باتیں کیا جانیں۔ اب تہذیب

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

میں قابض ہوگئی۔ بادشاہ ہونے کے بعد شیر شاہ نے بڑی خوبی اور دانائی سے سلطنت کی۔ اُس نے دیکھا کہ اسگلے مسلمان بادشاہ اپنی شان وشوکت کے زعم میں جزئیات کی طرف کم متوجہ ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے کام کا دارومدار وزراء اور مشیروں پر تھا۔ اور خود آنکھیں بند کر لیتے تھے شروع شروع تو خیر یہ لوگ بھی کچھ کام میں دلچسپی لیتے تھے مگر آگے چل کر ڈھیل ڈال دیتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سارا کاروبار ادنیٰ درجے کے ملازمین کے ہاتھ میں جا پڑتا تھا اور ایسی حالت میں بدنظمی اور ابتری ایک لازمی بات ہے۔ خلاصہ یہ کہ شیر شاہ نے اپنی دانشمندی۔ جواں مردی اور حکمت عملی سے ہمایوں پر فتح پائی اور سور خاندان کی بنا ڈالی۔ شیر خاں محض اپنے قوتِ بازو۔ مستعدی اور قابلیت کی بدولت بادشاہت کے بلند مرتبے پر پہنچا۔ جب وہ بہار کا حاکم تھا جب ہی اُس کے حسنِ انتظام کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ یہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے پہل بندوبست مالگزاری اراضی کا طریقہ جاری کیا جو آگے چل کر اکبر کے عہد میں اور زیادہ باقاعدہ ہوگیا اور جس کی باقیات الصالحات کی جھلک اب تک بھی برٹش گورنمنٹ کے نظم ونسق بندوبست میں موجود پائی جاتی ہے۔ شیر شاہ دل سے رعایا برایا کا بہی خواہ تھا اور وہ عہدہ داروں کے انواع واقسام کے مظالم۔ رشوت ستانی اور زیادہ ستانی کا بخوبی انسداد کرتا تھا۔ اِس کی بادشاہت کے زمانے میں زمین کی پیمائش کر کے جمع مشخص کی گئی رعایا کو اختیار دیا گیا کہ ادائی زر مالگزاری میں خواہ وہ غلہ دیں جسے بٹائی کہتے ہیں یا نقد۔ ہمایوں کی طرف سے جب اُسے اطمینان حاصل ہوا تو سب سے پہلے اُس نے یہی طریقہ جاری کیا جو ایک بڑا اہم کام تھا جس میں سرکار اور


شیر شاہ سوری

تکملہ نوٹ صفحہ ۲۵۷۔ جو اور برچھی توپچے کے ساتھ کانٹا اور کانٹے کے ساتھ چھری دو دو ہتھیار لے کے کھانا کیا ٹھہرا گویا میدان کارزار ہوا۔۱۲

رعایا دونوں کا فائدہ تھا وہ ہر ایک کام کو خود دیکھتا بھالتا تھا۔ گو وہ ایک بڑی بھاری سلطنت کا بادشاہ ذی جاہ تھا۔ مگر کبھی بے کار نہیں بیٹھتا تھا۔ اور سلطنت کے کاروبار میں ہر وقت لگا رہتا تھا جس طرح کوئی غریب مزدور اپنی روزی کمانے میں ہاتھ پاؤں سے اڑا رہتا ہی اسی طرح یہ بھی گتھا رہتا تھا۔ سید القوم خادمہم کا صحیح مصداق تھا۔ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد

خود مہمک کار رہنے کے سوا اسی طرح اپنے ماتحتوں سے بھی رگڑ رگڑ کر کام لیتا تھا۔ اس سے پہلے کسی افغان بادشاہ نے اس خوش اسلوبی اور نیک نامی سے سلطنت نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ رعایا کی پرورش کرنا اور اُن کی حفاظت کرنا بادشاہ کا سب سے بڑا فرض ہی۔ اس کا سلوک ہندوؤں سے بھی اچھا تھا اور بہت سے ہندو بڑے بڑے عہدوں پر مامور اور امور سلطنت میں دخیل تھے جن میں سے ایک **ٹوڈر مل** تھا جو صیغۂ مال کا وزیر تھا۔ شیر شاہ سپاہ کی تنخواہ اکثر اپنے سامنے بٹوایا کرتا تھا اس خیال سے کہ کہیں کسی کی تنخواہ ماری نہ جائے۔ بنگالے سے پنجاب تک اور آگرے سے مالوے تک کی ہر ایک سڑک کے برابر برابر دس دس کوس پر **کاروان سرائیں** بنوا دی تھیں جہاں مسافروں کو مفت کھانا ملتا تھا۔ خطوط پہنچانے کے لیے سڑکوں پر گھوڑوں کی ڈاک بٹھا دی تھی۔ سڑکوں پر دو طرفہ پھل دار درخت لگوائے تھے اور کوس کوس بھر پر مسافروں کے آرام و آسایش کے لیے کنوئیں کھدوا دیئے اور صحیح صحیح فاصلہ معلوم ہونے کے لیے **کوس منارے** بھی بنوائے تھے جن میں سے بہت سے باوجودیکہ پرانی سڑک جُت جُتا کر اب کھیتوں میں مل گئی ہی، موجود ہیں۔ شیر شاہ کو بنگال میں ایک بلوے کو فرو کرنا پڑا علاوہ ازیں اُس نے **مالوے** اور **مارواڑ** کو فتح کیا۔ مارواڑ میں **رائے سین** کے **راجپوتوں** نے بڑا ظلم و ستم ڈھا رکھا تھا۔ شیر شاہ نے یہاں کے راجہ **پورن مل** سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم میری اطاعت قبول کر لو گے تو تم قلعہ سے اپنا مال و اسباب بال بچوں

کو بلا تعرض لے جا سکتے ہو۔ میں نہ مانع و مزاحم ہوں گا نہ تمھارے لوگوں کو کسی قسم کی ایذا یا تکلیف دوں گا۔ راجپوت اِس بھروسے پر قلعہ سے چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے لیکن شیر شاہ اپنی مصلحت کے سامنے اپنے قول قرار کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ سارے راجپوتوں کو قتل کروا دیا۔ اُس کا قول تھا کہ دشمن کے ساتھ پابندی قول و قرار کچھ ضرور نہیں جیسا موقع ہو کام کرنا چاہیئے۔ اِس واقعہ کے دوسرے برس شیر شاہ بندیل کھنڈ میں کالنجر کے قلعے کا محاصرہ کر رہا تھا کہ ۵۲ھ میں ایک فصیل کے اُڑنے سے ہلاک ہوا۔ شہسرام علاقہ بنگال میں دفن ہوا۔ شیر شاہ افغانوں کی طرح ایک لٹیرے گروہ کا صرف ایک معمولی سردار نہ تھا۔ بلکہ وہ حکمرانی اور کارفرمائی کا پورا مادہ رکھتا تھا۔ اس نے انسداد جرائم لوٹ مار۔ قطاع الطریقی کا بہترین انتظام کرکے امن عامہ قائم کردیا تھا۔ اُس نے ہر ایک گاؤں کے لوگوں کو اپنی اپنی حدود کے اندر حفظ امن کا ذمہ وار گردانا تھا۔ اِس میں بھی شک نہیں کہ سزا دینے میں وہ بڑا کڑا تھا اور بالکل وحشیانہ طریقے پر سخت ترین سزائیں دیتا تھا۔ اُس کے نزدیک کوئی شخص محض اپنی وجاہت یا علو مرتبت کے سبب سے کسی رعایت مراعات کا مستحق نہ تھا اُس کا انصاف غریب اور امیر کے لیئے بالکل یکساں تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ کسی غریب سے غریب کسان کی کھیتی کو پامال کرسکے۔ اُس زمانے میں سکے کی حالت نہایت ابتر تھی شیر شاہ نے اِس کی بھی کماینبغی اصلاح کی۔ اُس نے کثرت سے چاندی کے خوش نما روپیئے ڈھلوائے جو یکسانیت کے علاوہ خالص بھی تھے۔ شیر شاہ نے بہت سی مشہور عمارتیں مثل مسجد قلعۂ کہنہ اور شیر منڈل وغیرہ کے بنوائیں لیکن اُن سب میں اُس کا اپنا مقبرہ جو شہسرام میں ہے ہندوستان کی یادگاری عمارتوں میں ایک بے نظیر اور لاجواب عمارت ہے۔ شیر شاہ کی دار السلطنت بھی آگرہ ہی رہا۔ اُس نے فیروز آباد کے گرد ایک فصیل کھچوانی شروع کی تھی جس میں اُس نے ہمایوں کے قلعۂ کہنہ کو بھی لے لیا

تھا لیکن چونکہ اُسے مالوہ اور دوسرے مقامات فتح کرنا مقدّم تھا اور موت نے مہلت نہ دی اِس سبب سے یہ کام وہ پورا نہ کرسکا۔

اسلام شاہ یا سلیم شاہ سور ۱۵۴۵ء

شیر شاہ کے انتقال کے وقت اُس کا بڑا بیٹا عادل خاں کہیں دور تھا اِس لیئے دوسرا بیٹا جلال خاں[1] اسلام شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھ گیا۔ اول تو یہ کہتا رہا کہ میں نے صرف بڑے بھائی کی واپسی تک تخت سنبھال لیا ہے لیکن بڑا بھائی اس سے ڈرتا تھا وہ ایک ریاست لے کر الگ بیٹھ گیا۔ اور تخت و تاج کے دعوے سے درگزرا سلیم نے اُس کے مروا ڈالنے کی کوشش کی وہ اپنی جان کے خوف سے بہار کی طرف بھاگا اور پھر نہ معلوم ہوا کہ اُس کا حشر کیا ہوا اور کہاں گیا۔ کئی امرا نے بغاوت کی مگر سلیم شاہ نے

[1] پسر خورد شیر شاہ است پسر کلانش کہ ولی عہد بود در قلعۂ رنتھنبور اقطاع داشت و جلال خاں پسر خورد نزدیک بود چوں امرا دیدند کہ آمدن عادل خاں زود میسر نمی شود جلال خاں را طلب داشتہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۵۲ھ در کالنجر بر سریر سلطنت نشانیدند و مخاطب بہ اسلام شاہ نمودند اما میان مردم سلیم شاہ اشتہار یافت بعد ازیں درمیان ہر دو برادران جنگ واقع شد و عادل خاں ہزیمت یافتہ از جنگ گاہ بیرون رفت و دیگر کس از و نشان نہ داد و چوں خاطر سلیم شاہ از طرف برادر مطمئن شد سامان جلوس مہیا ساختہ بہ آئین شائستہ در سنہ ۹۵۲ھ بر تخت سلطنت جلوس نمود۔ تاریخ۔

سلطان سلیم شاہ با فر و شکوہ ۔۔۔ کز عدلش ظلم در عدم محبوس است
بنشست بہ تخت و ز راہِ انصافش ۔۔۔ در ملکش ظلم ز آمدن مایوس است
تاریخ جلوسِ سعد او از سرِ ہوش ۔۔۔ سامان جلوس میمنت مانوس است

اکثرے از ممالک ہندوستان در تحت تصرف خود داشتہ در اکبر نامہ مرقوم است کہ او بتاریخ ۲۲ ذی قعدہ سنہ ۹۶۰ھ فوت شد و مدت حکومت او ۸ سال ۲ ماہ ۲ یوم بودہ و در تواریخ فرشتہ مرقوم است کہ او در اوائل سنہ ۹۶۰ھ وفات یافتہ و مدت سلطنت او نہ سال بود و در مرآت جہاں نما مرقوم است کہ او بتاریخ دوم ذی قعدہ سنہ ۹۶۰ھ بہ سبب سمیت قرحہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

سب کی سرکوبی کی اس نے بھی آگرے ہی میں دار السلطنت رکھی مگر چند روز کے لیئے وہ ۱۵۴۶ء میں دلی آیا تھا اور سلیم گڈھ کا قلعہ بنوانا شروع کیا جسے نوز گڈھ بھی کہتے ہیں اور پرانے قلعہ کی فصیل بھی جو نے گچی کی بنوائی۔ ۱۵۵۱ء میں اُس نے پنجاب پر لشکرکشی کی اور وہاں سے پلٹ کر دلی آیا ہی تھا کہ اُسے خبر ملی کہ ہمایوں اپنی سلطنت کی بازیافت کے لیئے بڑھا چلا آرہا ہے۔ اسلام شاہ ہمایوں کے مقابلے کے لیئے فوراً چل پڑا اُس نے اس بات کا بھی انتظار نہ کیا کہ سامان تو درست ہو جائے حتیٰ کہ توپیں کھینچنے کے لیئے کافی بیل نہ تھے تو ایک ایک ہزار آدمی توپ کھینچتے تھے۔ پھر اس زمانے میں سڑکیں پختہ نہ تھیں نہ ندی نالوں پر پل تھے بہرحال دقت اور دشواری بہت پیش آئی۔ لیکن ہمایوں سے مڈبھیڑ کی نوبت نہیں آئی وہ آتے آتے خودبخود پلٹ گیا اور اسلام شاہ جو لاہور چلا گیا تھا آگرے واپس آگیا اور آگرے سے گوالیار چلا گیا کیوں کہ گوالیار اُسے دلی اور آگرہ دونوں سے زیادہ پسند تھا اسلام شاہ نے ۱۵۵۳ء میں نو سال



سلیم شاہ

تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ کہ در یکے اعضائے سفلی او بہم رسیدہ بود رخت ہستی بر بست و بجائے دیگر نوشتہ دیدم کہ بتاریخ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۹۶۱ھ از شدت وجع دنبلے کہ بر مقعد او برآمدہ بود درگزشت۔ تاریخ وفات "سلیم شاہ بگوالیار مرد" است و
۹۶۱
تاریخ دیگر این است :-

سلطان سلیم شاہ کہ از حسن عافیت — آرام زیر سایۂ عرش خدائے یافت
بودم بفکر سالِ وفاتش کہ ناگہاں — ہاتف بزد نوا کہ "بجنات جائے یافت"
۹۶۱

اگرچہ سلیم در گوالیار وفات کرد، اما در شہسرام بہ پہلوئے پدر خود آسودہ است۔ ۱۲

نوٹ صفحۂ ہذا۔ آگرے سے گوالیار براہ ریل (۷۳) میل ہے۔ ۱۲

سلطنت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ علاوہ دوسری عمارتوں کے اِس نے اپنے باپ کی بنوائی ہوئی سرایوں کے بیچ بیچ میں ایک ایک سرا اور بنوا دی اور اسی طرح بعض اوقات الاولاد سرلابیہ اِس نے بھی فیض رسانی عامۂ خلایق اور فلاح و بہبودی رعایا میں حصہ لیا۔ یہ شخص وجیہ۔ خوش رو۔ قد آور اور ذہین بھی تھا۔ علم دوست اور علما کا قدر شناس تھا۔ افسوس ہو کہ اِس کی سلطنت کی ساری مدّت لڑائیوں اور جھگڑوں میں ہی کٹی اگر اسے چین سے بیٹھنا نصیب ہوتا تو اِس کے ہاتھ سے بہت سارے اچھے اچھے کام ہوتے۔ مگر بدقسمتی سے اِس کو زمانہ ہی ایسا متلاطم ملا کہ اُسے اظہار قابلیت کا موقع ہی نہیں ملا۔ اِس نے اپنے باپ کی عمدہ عادتوں کا ایک بڑا حصۂ وراثۃً پایا تھا۔ لیکن، سخت گیر بہت تھا اور باپ کی طرح خوش اسلوبی سے بادشاہت نہ کر سکا۔ اِس کے زمانے میں جیسا کہ کم زور بادشاہوں کے عہد میں ہوا کرتا ہی سازشوں کا بازار بہت گرم رہا۔

فیروز شاہ سُور ۹۶۰ھ

سلیم شاہ کے بعد اُس کی وصیت کے موافق اُس کے لڑکے **فیروز خاں** کو جو صرف بارہ سال کا تھا قلعۂ گوالیار میں تخت پر بٹھلایا لیکن وہ لڑکا بے چارہ صرف تین دن ہی برائے نام تخت پر بیٹھا تھا کہ اُس کے ماموں **مبارز خاں** نے ۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶۰ھ کو قتل کر ڈالا اور خود محمد **عادل شاہ** کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

۵۱ تاریخ جلوس:-

چوں شہ فیروز خانِ با شکوہ | کش غلامی در ربود اجلال ہا
یافت تخت سلطنت جائے پدر | کرد زیر چتر استقلال ہا
سال تاریخش چنیں کردم رقم | بادشاہی یافت و اقبال ہا

۹۶۱

تاریخ قتل:-

شہ دولت افروز فیروز خاں | کہ می کرد ملک ستم را خراب
بہ سال اجل ناگہاں شد رواں | بہ بنیاد معمورۂ عمرش آب
چنیں گفت سال وفاتش خرد | جواں مرگ شد شاہ ہیجا جواب

۹۶۱

محمد عادل شاہ سُور
۹۶۰ھ-۱۵۵۳ء

اِس بادشاہ کو تخت پر بیٹھتے ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ اُس نے پاؤں نکالے۔ اُس کے اطوار اور کردار سے ظاہر ہو گیا کہ اُس میں سلطنت کرنے کی مطلق قابلیت نہ تھی۔ یہ شخص سخت آوارہ۔ شراب خوار اور چھچھورا تھا۔ یہ اپنے خوشامدیوں کے پھندے میں پھنسا ہوا تھا۔ بادشاہت کا ملنا کیا تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ آدمیوں کو اعلیٰ اعلیٰ مراتب پر پہنچا دیا۔ اِس کی عادتیں بہت ناشائستہ اور خراب تھیں کہ لوگوں کو سونے کے تیروں سے مروا کر تماشہ دیکھتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ بادشاہ زادمت نے مالِ مفت دلِ بے رحم۔ وہ اللے تللے اُڑائے کہ تھوڑے ہی دنوں میں خزانے میں جھاڑو پھر گئی اب مشکل یہ آن پڑی کہ یہ خرمستیاں کیسے چلیں۔ لامحالہ رعایا جن دولت پر نگاہ دوڑانی پڑی اور امراء کی باری آئی۔ ایسے عیش و آرام کی مجلس میں مصاحبوں کی کیا کمی اور پھر بادشاہ وقت کی ہم نشینی۔ سبحان اللہ ایسا وقت کسے نصیب ہوتا ہے۔ من جملہ اور اخوان الشیاطین کے ہیمو[۲] بقال کا نام یاد رکھیئے تھا تو یہ ایک ادنیٰ میواتی بنیا ریواڑی کا رہنے والا مگر بادشاہ کی عقلِ کُل تھا بنیئے کو دیکھو اور وزارت۔ بخت کی رسائی اور خدا کی قدرت! یہ

[۱] مبارز خاں کہ نام پدرش نظام سُور کہ برادر شیر شاہ بود بعد کشتن فیروز شاہ کہ خواہر زادۂ او بود تخت نشین شد۔ تاریخ جلوس:-

جابرِ مملکت مبارز خاں	کہ شدہ در رہِ ستم سالک
تخت فیروز خاں گرفت بظلم	گشت بر ملک و دولتش مالک
سالِ تاریخ دولتش گفتم	بادشہ شد مبارزِ مہلک

ابراہیم خاں بنی عم شیر شاہ در ۹۶۲ھ بسبب بے انتظامی ملک و بے خودی بادشاہ لشکر فراہم آوردہ دہلی را متصرف شدہ عادل شاہ طاقت مقاومت در خود ندیدہ بطرف چنار رفتہ بناکامی بود تا آں کہ در ۹۶۳ھ در مونگیر در معرکہ کہ با بہادر شاہ بادشاہ بنگالہ روداد بود کشتہ شد مدت حکومت او در دہلی یازدہ ماہ بود۔

[۲] ہیموں کا مفصل ذکر اکبر بادشاہ کے بیان میں آئے گا۔ ہیموں غالباً ہیم چند یا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

شخص بڑا چلتا پرزہ تھا۔ بادشاہ کے مزاج میں ایسا دخیل تھا کہ مختار کل اور سیاہ سفید کا مالک بن گیا۔ بادشاہ کے بہنوئی ابراہیم سور نے بغاوت کی اور دلی اور آگرے دونوں مقامات پر قبضہ کرلیا۔ عادل شاہ میں نہ اتنا دم تھا نہ ہمت اور نہ اس کو اپنے لایعنی مشاغل سے اتنی فرصت تھی کہ ابراہیم کا مقابلہ کرتا۔ ۵۱

ببیں چہ کرد دگل چہ شنید و صبا چہ گفت اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں

وہ ہر حال میں مگن تھا۔ سلطنت گئی تو گئی اس کے پاس چند مشرقی صوبے تھے ان کو لیئے چنار میں بے غل وغش بیٹھا رہا۔

سلطان ابراہیم سور ۱۵۵۴ء

غازی خان کا بیٹا اور محمد عادل شاہ کا بہنوئی تھا۔ اس نے امرا اور وزرا سے محمد شاہی کو ہموار کرلیا اور ۲ جمادی الاولی سنہ ۹۶۲ھ کو جیسے جھٹ پٹ تخت پر بیٹھا ویسے ہی صرف دو مہینے تین دن کے بعد اس کو احمد خاں محمد شاہ کے بھانجے نے جو آگے چل کر سکندر شاہ ہوا، آگرے کے قریب فرح مقام پر شکست دے کر دہلی پر قابض ہو گیا اور معزول کردیا ابراہیم کو اڑیسے کے حاکم نے سنہ ۹۷۵ھ ۱۵۶۷ء میں قتل کر ڈالا۔

سکندر شاہ سور ۱۵۵۴ء

اگرچہ لڑائی بھڑائی میں یہ کامیاب ہوا لیکن اس بےچارے کی تقدیر میں بادشاہت نہ تھی کیوں کہ ہمایوں نے پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ ابراہیم شکست کھا کر محمد شاہ کے علاقہ میں بھاگ گیا لیکن وہاں ہیمو نے اسے شکست دی اور قریب تھا

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ ہیم راج کا مخفف ہے۔

نوٹ صفحہ ہذا۔ ۵۱ تاریخ جلوس:-

گشت چون تخت منور زتن ابراہیم رفت بر دوست ولا ساوبہ دشمن تو یغ

سال تاریخ جلوسش زخرد می جستم "رونق کالبد سلطنت" آمد تاریخ ۹۶۲

۵۲ آگرے سے (۱۹) میل دلی کی طرف ہے۔ ۱۲

۵۳ برادر زادہ شیر شاہ بود در سنہ ۹۶۲ھ بر سلطان ابراہیم غالب آمدہ بر تخت دہلی نشست

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کہ اُسے گرفتار کر لیتا مگر ہیمو کو بنگالے کی طرف ایک اور مہم درپیش تھی اُس کو اُدھر جانا پڑا اسی سبب سے ابراہیم بال بال بچ گیا ہیمو محمدؐ شاہ سور کو شکست دے کے دلی اور آگرے پر قابض ہو گیا اور اُس نے ہمایوں کی خبر لینے کا ارادہ کیا لیکن یہاں تک نوبت نہ آنے پائی تھی کہ ہمایوں اتفاقی طور پر مر گیا اور اگر ہمایوں زندہ رہتا تو بہت ممکن تھا کہ ہیمو کامیاب ہو جاتا لیکن اکبر کے محافظ بیرم خاں کی دانش مندی اور دلیری کی وجہ تھی کہ باوجودیکہ اِس طرف کی فوج سے اُدھر کا لشکر بہت بڑھا ہوا تھا ہیمو کو پانی پت کے میدان میں ۱۵۵۶ء میں شکست دے کر قید کر لیا۔ سکندر نے ہمایوں کے مقابلے میں سرہند پر شکست کھائی اور پہاڑوں میں جا کر پناہ لی۔ ہمایوں کی اچانک موت سے یہ مہم اکبر کے سر پڑی جو بالکل کم سن تھا۔ یہ مہم کیوں کر اور کس طرح سر ہوئی اِس کا بیان آگے آئے گا۔

اِن چند ہی مہینوں میں سور خاندان کے ایک چھوڑ چار بادشاہ یکے بعد دیگرے ہو گزرے جن میں کے تین تو اس وقت تک زندہ تھے جن میں ۱۵۵۵ء تک برابر کشا کشی رہی۔

سُور خاندان

(۱) شیر شاہ سور — ۱۵۴۰-۴۵ء
(۲) اسلام شاہ یا سلیم شاہ سور — ۱۵۴۵-۵۳ء
(۳) فیروز شاہ سور — ۱۵۵۳ء
(۴) محمدؐ عادل شاہ سور — ۱۵۵۳-۵۴ء
(۵) سلطان ابراہیم سور — ۱۵۵۴-۵۵ء
(۶) سکندر شاہ سور ۱۵۵۵ء

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ وبعد دو ماہ ہمایوں از ولایت رسیدہ بر وغالب آمدہ بار دیگر مالک ملک ہندوستاں گردید۔ تاریخ جلوس۔

سکندر شہ برادر زادۂ شیر — کہ بنشست چند مہ بر تختِ دہلی
ہمایونش ہزیمت داد در جنگ — بہ نہصد شصت دو از سال ہجری۔ ۱۲
۹۶۲

مغلیہ دَور (دوبارہ)

ہمایوں دوبارہ دوم سنہ ۱۵۵۵ء

ہمایوں[1] ٹھٹھہ اور سندھ راہو گیا۔ اُس نے اپنے بھائی کامران سے مدد مانگی مگر کچھ کامیابی کی صورت نظر نہ آئی۔ وہ خود پنجاب کو شیرشاہ کے حوالے کر کے کابل چلا گیا۔ تب ہمایوں نے سندھ کے سرداروں اور مارواڑ کے راجہ مالدیو سے استمداد کی مگر وہاں سے بھی سوکھا جواب ملا۔ اِس طرح وہ انواع و اقسام کی تکالیف اور مصائب برداشت کرتا ہوا چند ہمراہیوں کے ساتھ دشت بادیہ بے آب میں سرگرداں پھرتے پھرتے آخر کار سندھ میں امرکوٹ مقام پر پہنچا جہاں اکبر پیدا ہوا

[1] سرگذشت نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ بعد ہزیمت یافتن از شیرشاہ۔ چوں در سنہ ۹۴۷ھ از شیرشاہ افغان ہزیمت خوردہ رو بطرف عراق نہاد و بعد از حیرانی و پریشانی تمام بعد از اقتضائے چند سال پیش بادشاہ ایران شتافت و ایں قطعہ از واردات و حالات خود بشاہ نوشت۔ قطعہ۔

خسروا ہمہ نیست تا عنقائے عالی ہمتم — قلۂ قاف قناعت را نشیمن کردہ است
روزگار سفلۂ و گندم نماؤ جو فروش — طوطی طبع مرا قائل بار زن کردہ است
دشمنم شیر ست و عمرے پشت برمن کردہ بود — حالے از کین و عدا و ستارۂ بامن کردہ است
التماس از شاہ آں دارم کہ بامن آں کند — آنچہ با سلماں علی در دشت ارزن کردہ است

شاہ ایں مژدہ را شنیدہ مکتوبے بر کمال توقیر و استدعائے تشریف حضور ارسال داشت و ایں بیت در عنوان مکتوب ثبت نمود۔ ؎

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد — اگر ترا گزرے بر مقام ما افتد

چنانچہ در ماہ ربیع الثانی سنہ ۹۵۱ھ در اہر باد شاہ ملاقات شد۔ امرائے سر راہ خصوصاً محمد خاں حاکم ہرات دقیقۂ از لوازم خدمت و بندگی فرو گذاشت نہ نمود و شاہ والا جاہ مقدم ہمایونی را ہمایوں پندا اشتہ آنچہ از لوازم بادشاہی و مہمانداری باشد بجا آوردہ چند روز جشن ہائے خسروانہ داشت و ہمایوں در روز جشن عالی الماس گراں بہا کہ خراج اقلیم ہا بود باو ولیست

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

وہاں سے وہ **قندھار** پہنچا جہاں اُس کا بھائی **عسکری** بہ ماتحتی **کامران** قابض تھا بھٹکتا بھٹکتا چوطرف مارا مارا پھرا اور آخر کار **فارس** پہنچا یہاں کے بادشاہ **طہماسپ** نے جو ایک کٹا شیعہ تھا اُسے بڑی آؤ بھگت اور تپاک سے لیا اور بڑی خاطر مدارات اور مہمان نوازی سے جو ہمایوں جیسے ذی مرتبت بادشاہ کے شایاں تھی پیش آیا لیکن اس ظاہری خاطر تواضع میں اُس کی

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ۔ وپنجاہ لعل بدخشاں برسم ارمغان بشاہ داد وشاہ بعد از چند روز بہ کمال دل داری وخاطر جوئی سامان سلطنت ارزانی داشتہ شاہ مراد پسر خود را با دوازدہ ہزار سوار بکمک ہمراہ داد چنانچہ ہمایوں با امرائے کلی در شروع ۹۵۲ھ متوجہ قندھار شد۔ باید دانست وقتیکہ ہمایوں از شیر شاہ منہزم شدہ در وادی حیرانی وپریشانی سرگردان گردید برادرش مرزا کامران از وجدائی اختیار نمودہ بسمت کابل روان شدہ وآنجا سکہ وخطبہ بنام خود کردہ ابواب کامرانی بر روئے روزگار کشادہ وغزنی وآں حدود را بعسکری داد وخواجہ خاوند محمود را برسم رسالت پیش سلیمان مرزا کہ حاکم بدخشاں بود فرستادہ خواست کہ سکہ وخطبۂ او در بدخشاں نیز باشد۔ مرزا سلیمان فرستادہ را بے نیل مرام باز گردانید کامران ازیں معنی در تاب شب لشکر بہ بدخشاں برد۔ مرزا سلیمان تاب مقاومت نداشت در آشتی زد وخطبہ وسکہ بنام او ساخت بعد ازاں مرزا کامران بہ کابل مراجعت نمود وقندھار را از مرزا ہندال گرفتہ بہ عسکری حوالہ نمود۔ بعد چندے اوقات مرزا سلیمان باز بہ علاقۂ خود متصرف گشت وکامران دوبارہ لشکر بہ آں صوب برد وبہ مرزا سلیمان غالب شدہ قاسم برلاش ومرزا عبد اللہ وجمعے دیگر از ہواخواہاں خود را بسرداری برلاش مذکور گزاشتہ مراجعت نمود۔ خواجہ حسین مروی تاریخ ایں سانحہ را کہ بہ ۱۷ از جمادی الثانیہ روز جمعہ سنہ ۹۴۸ھ رو دادہ بود "جمعہ ہفدہم ماہ جمادی الثانی" یافتہ۔ مرزا کامران مرزا سلیمان را با پسرش مرزا ابراہیم در قید نگاہ می داشت در روزگار بغفلت می گزرانید تا آں کہ کوکبۂ اقبال ہمایوں بادشاہ ارتفاع یافت وموجب خلاصی مرزا سلیمان شد۔ چوں ہمایوں متوجہ قندھار شد وآں قلعہ را تا شش ماہ محاصرہ نمود آخر مرزا عسکری کہ از طرف مرزا کامران حکومت آں جا داشت باماں بیروں آمدہ بملازمت مشرف شد بمقتضائے کرم ذاتی قلم عفو برجرائم او رکشیدہ بجانب کابل توجہ نمود۔ در اثنائے راہ مرزا ہندال

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

ایک ذاتی غرض بھی مضمر تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہمایوں کو جو ایک پکا سُنی تھا کسی نہ کسی طرح شیعہ کرے اور اُس کا ایک مدعا یہ بھی تھا کہ ہمایوں کو ہموار کر کے قندھار کو پھر اپنے ملک میں شامل کرے۔ اِس بات کو تو ہمایوں نے کشادہ پیشانی سے منظور کر لیا۔ رہا تبدیل عقیدہ اِس سے اُس نے کانوں پر ہاتھ دھرے[1] غرض بہت سی ناگفتہ بہ تکالیف اور پریشانیوں کے بعد صورت فلاح کی نظر آئی اور ہمایوں کو چودھا ہزار کے جرّار لشکر سے مدد دی گئی۔ اُس لشکر کی مدد سے ہمایوں نے اُس حصۂ ملک کو جو اُس سے نکل گیا تھا واپس لینے کی کوشش کی۔ چنانچہ بہت دن گزرنے نہ پائے تھے کہ اُس نے **کابل** اور **بدخشاں** کو فتح کر لیا اور ایرانی شاہزادے کے مرنے کے بعد **قندھار** بھی اُس کے ہاتھ آگیا۔ لیکن ہمایوں بے چارے کی تقدیر میں آرام اور چین نہ تھا **اوزبکوں** کے حملوں اور سب سے بڑھ کر بھائیوں کی متواتر بغاوتوں نے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ ومرزا یادگار ناصر برادر بابر شاہ از مرزا کامراں گریختہ بہ پادشاہ پیوستند چوں نزدیک کابل رسیدند ہنگام شب مرزا کامران از کابل فرار نمودہ بہ غزنی رفت۔ ایں فتوحات بہ تاریخ دہم رمضان سنہ ۹۵۲ھ واقع شدہ۔ ایں مصرعہ تاریخ آں فتح است مرع۔ بے جنگ گرفت ملک کابل از وے۔ بعد ازاں ہمایوں بشہر درآمدہ دیدہ بدیدار شہزادہ محمد اکبر کہ با مادر خود در کابل بود۔ روشن ساخت۔ عمرش درآں وقت سہ سال ؤ ماہ و پنج روز بود۔ در اوائل سنہ ۹۵۳ھ چوں ہمایوں بر سر مرزا سلیمان کہ از قید رہائی یافتہ بدخشاں را متصرف شدہ بود رفت مرزا کامراں خبر یافتہ از غزنی آمدہ کابل را باز گرفت۔ چوں ایں قصہ بہ مسامع ہمایوں رسید حکومت بدخشاں بہ مرزا سلیمان دہ حکومت قندھار بہ مرزا ہندال داد و عم خود مرزا یادگار ناصر را کہ موجب فتنہ و فساد بود بقتل آوردہ متوجہ کابل شد و با مرزا کامراں محاربہ نمودہ باز کابل را بتاریخ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۵۴ھ مفتوح ساخت و کامران باز راہ فرار گرفت و تاریخ ایں فتح "کابل را گرفت" یافتند۔ بعد ازیں فتوحات نیز از کامران و عسکری تقصیرات عظیم صدور یافت و چند مرتبہ با ہمایوں جنگہا کردہ اند بالآخر مرزا عسکری دستگیر شد و مرزا ہندال بقتل رسید و مرزا کامران از ہمہ مایوس شدہ پیش سلطان آدم گکھڑ رفت و او بدرگاہ معلّی فرستاد بعد ازاں مکحول شدہ رخصت مکۂ معظمہ یافت۔ ۱۲۔

[1] نوٹ صفحہ ہذا۔ مسٹر ونسنٹ سمتھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ "ہمایوں کے شیعہ ہو جانے کی انگریزی تواریخ میں انکار کی ہی تعدد لکھی ہے۔"

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اِس کی ساری محنت برباد کردی اور اِن اسباب سے جتنے ملک ہمایوں نے اِس مصیبت اور جانکاہی سے فتح کیئے تھے رفتہ رفتہ سب نکل گئے۔ کامران جسے کابل سے بدر کیا تھا گکھڑوں میں جا چھپا مگر اُن کے سردار نے اُسے حوالے کردیا۔ ہرچند امراء نے چاہا کہ ہمایوں اُسے قتل کرکے ہمیشہ کے لیئے اُس کا پاپ چکادے مگر ہمایوں کے دل نے بھائی کے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ کرنے پسند نہ کیئے اور صرف اُسے بادل ناخواستہ مکحول کرکے مکۂ معظمہ بھیج دیا۔ اس وقت ہندوستان کا یہ حال تھا کہ شیر شاہ مر ہی چکا تھا۔ اُس کے بعد اِس خاندان کے تین بادشاہ تخت نشین ہوئے اُن میں سے آخری بادشاہ سلطنت کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ ہمایوں کو اِس بدنظمی کا اچھا موقع ملا۔ بیرم خاں کی سرکردگی میں ہمایوں نے اپنا لشکر روانہ کیا اور دریائے سندھ کو عبور کرکے پنجاب پر حملہ کیا اور سرہند کی لڑائی میں جس میں ہمایوں بہ نفس نفیس موجود تھا سکندر سور کی بڑی بھاری فوج کو شعبان سنہ ۹۶۲ھ میں شکست دی اور پندرہ برس کی معزولی کے بعد اب پھر ہمایوں دلی کے قریب آن پونہچا اور سلیم گڈھ میں تین دن رہ کر رمضان سنہ ۹۶۲ھ (۲۳ جولائی ۱۵۵۵ء) کو دلی اور آگرہ لے لیا۔ بظاہر اسباب ساری مشکلیں طے ہوگئی تھیں اور اب ٹھکانے سے بیٹھنے کے دن آتے تھے کوئی معرکہ یا مہم درپیش نہ تھی۔ ہمایوں اپنے ملک کی تقسیم امراء میں کرنے میں مصروف تھا جو ایک نہایت اہم و دسترگ کام تھا خصوصاً اُس زمانے میں کہ ہر شخص کو اپنی ہی منفعت مدنظر تھی۔ بادشاہ کو علم ہیئت کا بہت شوق تھا وہ ایک عجیب وغریب رصدگاہ بنانے میں منہمک تھا۔ جس میں مختلف رنگ کے شعاعی کمرے اختراع کیئے

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ ہی سے بادشاہ ایران نے اُسے فوجی امداد دی۔ ممکن ہو کہ ضرورت وقتی کے لحاظ سے ہمایوں نے ایسا کیا ہو۔ دل کی باتیں تو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔۱۲

نوٹ صفحہ ہذا۔ سطر ۱۵ محمد بیرم خاں نے اِس فتح کی تاریخ "شمشیر ہمایوں" سے نکالی ہے۔

منشی خرد طالع ہمیون طلبید — انشائے سخن ز طبع موزوں طلبید
تحریر چو کرد فتح ہندوستان را — تاریخ ز "شمشیر ہمایوں" طلبید
۹۶۲ھ

گئے تھے جن کے نام بھی سیاروں پر رکھے تھے۔ اِن کمروں میں ہفتے کے مختلف دنوں میں اُن سیاروں کے اعتبار سے دربار قرار پاتا تھا۔ اگرچہ ہمایوں باعتبار سِن و سال کے ایسا متجاوز نہ تھا لیکن اغلب ہو کہ اُس کے ہوش و حواس میں ایک گونہ فرق ضرور آگیا تھا۔ اُس کی موت علم ہیئت کے تجربوں کی بدولت واقع ہوئی۔ ایک شام کو کہا گیا کہ آج سیر طلوع مشتری و شرف زہرہ کا عجیب نظارہ ہو۔ جو ایک نادر الوقوع مسئلہ علم ہیئت کا تھا اور نیز امرا کی سرفرازی کے لیئے ایک ساعت نیک اور اوان مسعود تھا۔ اِس لیئے ہمایوں **شیر منڈل** کی بالائی منزل پر مشتری اور زہرہ کا قِران دیکھنے چڑھا۔ اِس نظارہ کے بعد جب وہ سیڑھیاں اُتر رہا تھا کہ **مسجد قلعۂ کہنہ** سے مغرب کی اذان کی صدا بلند ہوئی۔ بادشاہ اذان کے پاس ادب سے وہیں سیڑھیوں پر ٹِک گیا۔ جب اذان ختم ہوچکی تو عصا ٹیک کر اُٹھنا چاہتا تھا کہ قضائے کردگار سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر سے عصا رپٹا اور بادشاہ سیڑھیوں پر سے لُڑھکتا ہوا نیچے آن پڑا جس سے بادشاہ کی کنپٹی میں ضرب شدید آئی اور اِسی زخم سے ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ ۲۴ جنوری ۱۵۵۶ء کو انتقال کیا۔[1] یہ عجیب بات ہو کہ ہمایوں کے دادا کا انتقال بھی اِسی قسم کے حادثے سے ہوا تھا۔ وفات کے وقت ہمایوں کی عمر اکیاون سال کی تھی۔ اِس واقعہ کی روایت میں بھی اختلاف ہو بعض کہتے ہیں کہ سیڑھیوں پر سے نہیں گرا بلکہ افیون کی پینک میں شیر منڈل کے چھجے پر سے جھونک نکل کر نیچے

[1] تاریخ فرشتہ میں ہمایوں کی وفات کی نسبت یہ لکھا ہو کہ "در ہفتم آں ماہ ربیع الاول نزدیک وقت غروب آفتاب جنت آشیانی بالائے بام کتاب خانہ برآمدہ لحظہ بنشست و بوقت فرود آمدن ناگاہ موذن بانگ نماز شام شروع نمود آن حضرت بواسطۂ تعظیم و جواب بانگ نماز بر زینۂ دوم بنشست و بوقت برخاستن تکیہ بر عصا کردہ خواست کہ برخیزد عصا لغزیدہ بدر رفت و بادشاہ از نردبان جدا شدہ بر زمین آمدہ چون نزدیکان سراسیمہ شدہ آں حضرت را کہ بیہوش شدہ بود بیرون دولت خانہ بردند بعد از یک لحظہ آفاقت یافتہ سخن گفت و اطبا بمعالجہ مشغول گشتند اما سود مند نیامدہ یازدہم ماہ مذکور بوقت

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

چبوترا ان کے نزدیک سیڑھیوں پر سے گر کر مرنا اس وجہ سے بعید از قیاس ہو کر زینے کی ہیئت ایسی نہیں ہو کہ آدمی اوپر سے پھسلے تو لڑھکتا ہوا ایک دم نیچے آرہے۔ کیونکہ شیر منڈل کا زینہ خم دار ہے۔ یہ بات کچھ بے تکی سی ہو مگر مورخ کا فرض ہو کہ وہ واقعات کو من وعن نقل کردے وہی ہم نے کیا ورنہ ہماری ذاتی راے بلحاظ نوعیت زینے کے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ غروب آفتاب ہمائے مُرغ روحش بہ آشیاں قدس پرواز نمود۔ منتخب التواریخ میں ہمایوں کی وفات کا کچھ اور ہی حال لکھا ہو۔ "ہفت ماہ بعد از فتح دیر سکندر سور اروز پادشاہ بر بالائے بام کتب خانہ کہ در دہلی ترتیب یافتہ بود برآمدہ مردم راکہ در مسجد جامع مجتمع بودند بسعادت کورنش مشرف ساختہ از جمعے کہ از سفر حجاز بتازگی آمدہ بودند از احوال حرمین و گجرات می پرسیدند چوں شام رسید خواستند کہ فرود آیند بزینۂ دوم رسیدہ بودند کہ موذن شروع بہ اذان نمود بمقتضائے تعظیم اذاں ہمانجا ارادۂ نشستن فرمودند ناگاہ پا لیش در دامان پوستین پیچید و عصا بلغزید بیفتادند و بعد دو روز ازیں حادثہ ایں عالم بے وفا را پدرود کردند" مولانا قاسم کاہی نے یہ قطعہ وفات کا کہا ہو:۔

ہمایوں بادشاہ آں شاہ عادل	کہ فیض عام خاص و برعام او فتاد
بنائے دولتش چوں یافت رفعت	اساس عمرش از انجام او فتاد
چو خورشید جہاں تاب از بلندی	بپایان در نماز شام او فتاد
جہاں تاریک شد در چشم مردم	خلل در کار خاص و عام او فتاد
قضا از بہر تاریخش رقم زد	ہمایوں بادشاہ از بام او فتاد

دریں مادۂ تاریخ یک عدد کم می شود مولانا مسعود حصاری ایں مصرعۂ تاریخ یافتہ۔ ع
اصل حق شد ہمیوں بادشاہ۔ و میر عبدالحی ایں مصرعہ یافتہ ع۔ گو واے بادشاہ من از بام او فتاد بعضے ایں مصرعہ یافتند۔ ع وارث ملک جلال الدین باد۔ وشخصے چنیں گفتہ۔ ع ہمایوں کجا رفت و اقبال او مدت سلطنت ہمایوں بادشاہ از ہنگام وفات باپر بادشاہ تا روز وفات او بست و پنج سال و دو ماہ قمری و پنج روز بود ازاں جملہ نہ سال و ہشت ماہ مرتبۂ اول حکومت نمودند و بعد ازاں نزدہ سال طوائف الملوک ماند و مرتبۂ ثانی بعد از فتح ہندوستان تا ہنگام وفات صرف ہفت ماہ و چند روز و مدت عمرش چہل و نہ سال و چہار ماہ و ہشت یوم بود و لقب او بعد وفات "جنت آشیانی" قرار یافت"۔ ۱۲

اِس کے خلاف ہے۔ شیر منڈل کی عمارت موجود ہے۔ سیڑھیاں بھی جوں کی توں برقرار ہیں۔ جس کا دل چاہے جاکر دیکھ لے۔ موت کے واسطے کسی زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ سارا زینہ تو الگ رہا ایک دو سیڑھیوں سے بھی گرنا منجر بہلاکت ہو سکتا ہے۔ ہمایوں کی وفات کا مفصل حال ہم شیر منڈل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

ہمایوں کا کیرکٹر

شخصی اعتبار سے ہمایوں کی شرافت اور نیک طینتی کے سوائے کوئی منہ سے حباب نہیں نکال سکتا۔ اپنے خاندان کے اکثر ممبروں کی طرح یہ بھی اعلیٰ درجے کا تعلیم یافتہ تھا۔ علم ادب اور ریاضیں سے اسے خاص دل چسپی تھی۔ اِس کے پسندیدہ مضامین جن کی طرف اِس کا بڑا میلان طبع تھا۔ ریاضی اور ہیئت تھے۔ رہی اُس کی بادشاہی حیثیت اُس میں البتہ یہ نقص تھا کہ معرکے کے وقت وہ کامیاب نہیں پایا گیا۔ اُس کی کمزوری طبیعت کا عدم استقلال جس کی جھلک اُس کے ہر کام میں نظر آتی ہے۔ غالباً اُس کی افیون نوشی کے سبب سے تھی جس نے اُس کے قویٰ مضمحل کر دیئے تھے۔ وہ بڑا بلند نظر۔ عالی حوصلہ۔ مخیر۔ فیاض اور بدرجۂ غایت رحم دل تھا۔ گو وہ اصل نسل کا ٹیٹ مغل تھا مگر مغلوں جیسی تند خوئی اور تیز مزاجی اُسے چھو بھی نہ گئی تھی۔ حالاں کہ اکبر جیسے ہمہ صفت موصوف بادشاہ میں بھی بعض وقت مغلیت کی جھلک نظر آجاتی تھی۔ اِس کے کیرکٹر کے دونوں پہلوؤں پر اگر ہم نظر ڈالیں تو کچھ شک نہیں کہ ہمایوں ایک عجیب شخص تھا۔ اِس کی جلاوطنی کے زمانے کے حالات جو اِس کے غلام جوہر نامی نے قلم بند کیئے ہیں اُن کو پڑھ کر بے شک ہمایوں کے مصائب اور اُس کی بدقسمتی پر افسوس آتا ہے۔ جس جرأت اور بہادری سے اُس نے مصائب کو انگیز کیا وہ کسی دوسرے کا کام نہ تھا اور اُس کا یہ صبر و استقلال ضرور بے انتہا تعریف کے قابل ہے۔ اگر ہمایوں میں قوت انتظامی کی کچھ کمی تھی اور وہ بابر کے مقبوضات کو قابو میں نہ رکھ سکا تو اس کا بڑا سبب اُس کے حریف شیر شاہ کی بے نظیر پولیٹکل چالیں اور اُس کے لاجواب داؤں گھات اور توڑ جوڑ کی چمک تھی جن کے سامنے ہمایوں کی روشنی ماند پڑ گئی۔ ہمایوں کو علاوہ اِس زبردست مدمقابل کے اُس کے بھائیوں کی غداری نے بڑا بھاری اور لاعلاج نقصان پہنچایا۔ مثل مشہور ہے

بھید سی نکالی جائے۔ ہمایوں سے اتنا بڑا ملک نہ سنبھلنے کی ایک وجہ یہی تھی کہ اس سے پہلے ہندوستان کے لوگ مغلوں سے بگڑ گئے تھے۔ لیکن اب وہ زمانہ آگیا تھا کہ یہاں کے لوگ خود افغانوں کی حکومت کی خواہش کرتے تھے اور اس بات کو پسند کرتے تھے کہ باہر کے لوگ آکر اُن پر حکمرانی کریں۔ یہی وجہ مغلوں کے قدم جم جانے کی ہوئی۔ طول طویل مدت جلاوطنی کے بعد ہمایوں کا دوبارہ کھوئی ہوئی سلطنت کو حاصل کرنا ایک بہت بڑا کام تھا۔ اور ہمایوں ہی جیسا بادشاہ تھا جو ایسی بھاری مہم سر کر سکا ورنہ کسی ایسے ویسے کا کام نہ تھا وہ کبھی کا ہمت ہار کر بیٹھ رہتا۔ اب ہمایوں کو اطمینان حاصل ہوا تھا اور ضرور تھا کہ اگر حیات وفا کرتی تو وہ ایسے کام کرتا جس سے اُس کا نام تاریخ میں نمایاں ہوتا مگر تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ۔ موت نے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے ہمایوں کی اچانک موت نے اکبر کو جو صرف تیرہ برس کا کمسن لڑکا تھا ہندوستان جیسی وسیع سلطنت کا شاہنشاہ بنا دیا۔

اکبر سے پہلے ہندوستان کی کیا حالت تھی

قبل اس کے کہ ہم سلطنت مغلیہ کے استحکام کے حالات لکھیں نہایت ضروری ہے کہ ملک کی وہ عام حالت بیان کریں جو ۱۵۵۶ء میں تھی یعنی یہ کہ اکبر کو دفعتہً کس قسم کے ملک پر حکمرانی کرنی پڑی۔ اس سے پیشتر ہم اُن مختلف حکومتوں کا حال لکھ چکے ہیں جو سلاطین وقت کی کمزوری سے جابجا پھوٹ پڑی تھیں خصوصاً محمد تغلق کی بیدادگری کے زمانے میں تو اپنی اپنی جگہ ہر شخص بادشاہ بن بیٹھا تھا چونکہ زمانہ مابعد میں سلاطین مغلیہ کو ان سب سے مقابلہ اور مجادلہ رہا۔ اس لیئے ان کے حالات پیش نظر رکھنا ضرور ہیں۔ اس زمانے کی تاریخی حالت سمجھنے کے لیئے لازم ہے کہ موجودہ اندرونی حالت بلا کم و کاست بیان کی جائے۔ شریعت اسلام کی رو سے بادشاہ کا انتخاب سربرآوردہ اشخاص اور رعایا برایا کے انتخاب پر موقوف و منحصر تھا لیکن عملدرآمد کے لحاظ سے یہ عمدہ قانون پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ اور بادشاہت توریث پر آن ٹکی تھی۔ بادشاہ کے بعد وزیر کا رتبہ تھا

ہونے کو تو مشیر سلطنت ہوتا تھا۔ مگر یہ سمجھنا کہ ... سلطنت کی باگ فی الاصل اُسی کے دست قدرت میں رہتی تھی۔ عموماً بادشاہ روزانہ دربار عام میں برآمد ہوکر لوگوں کے عرائض خود لیا کرتا تھا۔ اِس طرزِ عمل سے مفاد یہ تھا کہ بادشاہ اور رعایا کے بیچ میں کوئی حدِ فاصل نہ رہتی تھی۔ رعایا کو بادشاہ سے اور بادشاہ کو رعایا سے ایک قسم کی یگانگت اور موانست پیدا ہو جاتی تھی۔ سلطنت کی تقسیم صوبوں میں تھی۔ جس پر ایک ایک صوبہ دار یا طرف دار یا والی رہتا تھا۔ اکبر کی طرح کے ذی ہوش و باخبر اور زبردست بادشاہ کے عہد میں سارے صوبہ دار مطیع و فرماں بردار رہتے تھے۔ اور اوقات مقررہ پر بلا تخلف ند مالگزاری خزانہ عامرۂ شاہی میں داخل ہو جاتا تھا اور اِسی طرح افواج کی مقررہ نفری کا داخلہ برابر ہوتا تھا۔ لیکن بے خبر کم زور اور غافل بادشاہ کا رنگ ڈھنگ کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ صوبہ دار خود مختار بن کر جو چاہتے تھے سو کرتے تھے۔ اکبر کے نظم ونسق سے پہلے فوج کی تنخواہ نقدی دینے کا دستور نہ تھا بلکہ تنخواہ میں جاگیریں توڑ دی گئی تھیں یہ طریقہ بہت تکلیف دہ تھا اور اِس میں اوپر والوں کے مزے رہتے تھے۔ اور لوٹ گھسوٹ غبن کا خوب موقع ملتا تھا۔ اکبر نے فوراً اس طریقے کو مسدود کیا اور حکم دیا کہ سپاہیوں کی تنخواہ بحساب نفری نقد دی جائے۔ تصفیہ قضایا قاضی اور حکام عدالتی کے متعلق تھا۔ تمام مقدمات مالی اور کم درجے کے جرائم کی تحقیقات و تصفیہ قضیات اور حکام عدالت کرتے تھے۔ اِس زمانے میں بزرگان دین اور فقرا کی بھی بڑی کثرت تھی۔ اگرچہ مسلمان مساجد میں وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کرتے تھے۔ مگر پھر بھی وہ بزرگان دین فقرا اور اہل اللہ کے تصرف اور کرامتوں کے معتقد تھے جن کے بعد ان کا مرتبہ بہت ارفع و اعلیٰ تھا اور اُن کا شمار اولیاء اللہ میں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب تک بھی ایسے بزرگوں کے مقبرے اور بڑی بڑی درگاہیں مختلف مقامات

سلہ ہمارے دیکھتے دیکھتے یہی طریقہ حیدرآباد میں بھی جاری تھا۔ جمعداروں کو تنخواہ جمعیت کے معاوضے میں جاگیریں تھیں۔ سرسالار جنگ اول نے اِس طریقے کو یک قلم موقوف کرکے نقدی تنخواہ کا دستور قرار دیا۔ ۱۲

تھے ہیں جہاں کثرت سے لوگ جاتے منتیں مانتے تھے اور نذر و نیاز چڑھاتے تھا ہو جو اُن تمام تکالیف اور سخت سخت مصائب کے جو آئے دن کے حملوں حت کی چھینا جھپٹی جنگ و جدال۔ لوٹ مار۔ اور بار بار خاندانوں کے انقلاب عروج و زوال کے جس کا سامنا رعایا کو تھا مورخوں کی عام رائے بلا اختلاف یہ ہو کہ رعایا کی حالت بالکل طمانیت بخش تھی۔ زمانے کی حالت یکساں نہیں رہتی اُن کا اخلاقی معیار بڑھتا گھٹتا رہتا ہو اور چوں کہ ہم اُس زمانے کے اخلاقی حالات کے سٹینڈرڈ کا صحیح اندازہ نہیں۔ اس لیئے ہم کسی زمانۂ مابعد کی اخلاقی حالت سے اُس وقت کی اخلاقی حالت کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔

بہر حال مورخان ہم عصر کی تحریرات۔ سیاحوں کے سفرناموں سے یہ بات عیاں ہو کہ بعض بعض مقامات پر خاص خاص زمانوں میں مرحلۂ زندگانی ایسا دشوار گوار اور عقدۂ مالاینحل نہ تھا جیسا کہ اب ہو۔ مسلمانوں کو ہمیشہ سے وقایع نگاری کا مذاق سلیم رہا ہو اور بادشاہان وقت نے اپنے عہد کی سوانح لکھوا کر اس ذخیرے میں اور بھی قابل قدر اضافہ کیا ہو اس سبب سے عہد اسلامی کی تاریخ مسلسل اور زیادہ مستند ہو گئی ہو۔ ہندوؤں کے زمانے کی حالت اور ہو۔ اُن کو بمقابلۂ تاریخ زیادہ تر نظم۔ موسیقی۔ صناعی اور دست کاری کی طرف میلان رہا ہو۔ چوں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی بہت سی عمارتیں اب تک باقی ہیں ہم بہ آسانی اِن دونوں کے طرز تعمیر کا مقابلہ اور موازنہ کر سکتے ہیں۔ اور ان دونوں میں ہم کو فرق بیّن نمایاں ہو۔ جیسے جیسے مسلمانوں کی تہذیب اور مذاق بڑھتا گیا ویسے ویسے اُنھوں نے طرز تعمیر میں بھی ترقی کی جس کا معراج الکمال تاج گنج کے بے نظیر و لاجواب روضہ پر آ کر منتہی ہوا اور جس کا شمار حق بجانب عجائبات دنیا میں ہوتا ہو۔ یہ ایک خاکہ ہو ملک کی اُس اندرونی حالت کا جس پر حق سبحانہ و تعالیٰ نے اکبر کو اس کم سنی میں بادشاہ بنا دیا تھا۔

جلال الدین محمد اکبر (اعظم) ۱۵۵۶–۱۶۰۵ء

ہندوستان میں جتنے بادشاہ ہوئے اکبر ان سب میں افضل تر تھا۔ اس کا پورا نام جلال الدین تھا۔ باپ نے پیدائش کے وقت ہی اکبر خطاب

ہوا تھا۔ اکبر کے بیٹے ہیں سب سے بڑا اور کچھ شک نہیں کہ تناول ملک ہوا اور فی الحقیقت یہ بادشاہ اور سب بادشاہوں سے بڑا ہوا ہی۔ اس نے پچاس برس سلطنت کی۔ جس وقت انگلستان میں ملکۂ الزبتھ سریر آرائے سلطنت تھی۔ ملک ہند میں اکبر مالک تخت و تاج تھا۔ اور اُس کا نیر اقبال چمک رہا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہی کہ ان دونوں فرمانرواؤں نے ایک ہی سال عالم فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا۔ باپ کے مرنے کے وقت اکبر کی عمر کُل تیرہ سال کی تھی۔ اکبر پنجاب میں تھا جو ہمایوں نے دِلّی میں قضائی ناگہانی کی موت۔ ایسی بے ہنگام ہوئی جس کا شان و گمان بھی نہ تھا۔ گزشتہ چند سالوں میں گردش لیل و نہار نے ایسا تلاطم برپا کر دیا تھا کہ تخت سلطنت کے کئی دعویدار تاک لگائے بیٹھے تھے۔ اِس لیئے ہمایوں کی موت کو مخفی رکھنا ازبس ضروری تھا۔ اِسی خیال سے برابر سترہ دن تک اِس واقعہ کو پردۂ خفا میں رکھا اور ایک خواجہ سرا کو جو ہمایوں سے شکل و شمائل میں بہت ملتا جُلتا تھا کھڑا کر دیا وہ دربار میں اپنا درشن دکھاتا رہا۔ اِدھر یہ بند و بست کر اُدھر ایک تیز رو صبا رفتار بیرم خاں کے پاس بھیجے گئے جو اکبر کے ساتھ سکندر سور سے سُلطنت

سلہ جس وقت شہنشاہ اکبر خود اختیار صاحب دربار ہوا۔ اُس وقت یہ امیر ملک گیر دربار میں نہ رہا تھا لیکن اِس میں کسی کو انکار نہیں کہ اکبر بلکہ ہمایوں کی بنیاد سلطنت بھی اِس نے دوبارہ ہندوستان میں قائم کی۔ بیرم خاں مرزا جہاں شاہ کی اولاد میں تھا۔ رموز دانش۔ سخاوت۔ راستی۔ حُسن خلق۔ نیاز و خاکساری میں سب سے سبقت لے گیا تھا۔ ابتدائے حال میں بابر بادشاہ کی خدمت میں۔ پھر میں ہمایوں بادشاہ کے حضور میں رہ کر بڑھا چڑھا اور خانخاناں کے خطاب سے سرفراز ہوا پھر اکبر نے وقت بوقت القاب میں ترقیاں دیں۔ نہایت فقیر دوست۔ صاحب حال اور نیک اندیش تھا ہندوستان جو دوبارہ فتح بھی ہوا اور آباد بھی ہوا یہ اِسی کی کوشش اور بہادری اور حُسن تدبیر کی برکت سے ہوا۔ دنیا کے فاضل اطراف و جوانب سے اس کی درگاہ کی طرف رخ کرتے تھے اور دریا مثال ہاتھ سے شاداب ہو کر جاتے تھے۔ اُس کی بارگاہ آسمان جاہ ارباب فضل و کمال کے لیئے قبلہ تھی اور زمانہ اِس کے وجود سے فخر کرتا تھا۔ اخیر عمر میں بسبب

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

تھا کہ باپ کی وفات کی خبر پہنچی - قصبہ کلانور میں جو ضلع گورداسپور کے
[illegible] اور وہیں بیرم خاں نے ایک ساعت نیک دیکھ کر جیسا کچھ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ ۔ اہل نفاق کی عداوت سے بادشاہ کا دل اِس سے پھر گیا اور وہاں
تک نوبت پہنچی کہ جس کا ذکر متن تاریخ میں آیا - بیرم خاں کے خاندانی حالات بخوف
طوالت ترک کیے گئے - اِس کے باپ کا نام سیف علی بیگ تھا جس کی عمر نے وفا نہ کی اُس
کا بیٹا یہ خورد سال بااقبال تھا سیف علی کی موت نے عیال کے ایسے دل توڑ دیئے
کہ کچھ نہ کر سکے - چھوٹے سے بچے کو لے کر بلخ میں چلے آئے - یہاں اِس کے خاندان
کے کچھ لوگ رہتے تھے - چند روز اُن میں رہا کچھ پڑھا لکھا اور ذرا ہوش سنبھالا جب
بیرم خاں نوکری کے قابل ہوا - ہمایوں اُن دنوں میں شہزادہ تھا - خدمت میں آکر نوکر
ہوا - علوم معمولی سے تھوڑا تھوڑا بہرہ حاصل کیا - ملنساری - حسن اخلاق - آداب محفل -
طبع کی موزونی اور موسیقی میں بھی اچھی آگاہی رکھتا تھا - خلوت میں خود بھی گاتا بجاتا تھا اِس
لیئے ہم عمر آقا کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا - ایک لڑائی میں اِس سے ایسا کار نمایاں بن پڑا
کہ دفعتہً شہرہ ہو گیا - اُس وقت سولہ برس کی عمر تھی - بابر بادشاہ نے بلایا خود باتیں
کر کے حال پوچھا اور چھوٹے سے بہادر کا بہت سا دل بڑھایا - وضع ہونہار - پیشانی پر اقبال
کے آثار دیکھ کر قدر دانی کی اور کہا کہ شہزادے کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا کرو - پھر
اپنی خدمت میں لے لیا - سعادت مند لڑکا کارگزاری اور جاں نثاری کے بموجب ترقی پانے
لگا - ہمایوں بادشاہ ہوا تو پھر اُس کی حضوری میں رہنے لگا - اِس شفیق آقا اور وفادار نوکر
کے حالات و معاملات دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں فقط محبت نہ تھی بلکہ ایک قدرتی اتحاد
تھا جس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی - ہمایوں دکن کی مہم میں چانپانیر کے قلعہ کو گھیرے
پڑا تھا - یہ قلعہ ایسی کڈھب جگہ پر تھا کہ ہاتھ آنا بہت مشکل تھا - بنانے والوں نے ایسے
ہی وقت کے لیئے عمودی پہاڑوں کی چوٹی پر بنایا تھا اور گرد اُس کے جنگل اور درختوں
کا بن رکھا تھا - اِس وقت دشمن بہت سا کھانا دانہ بھر کر خاطر جمع سے اندر بیٹھ رہے تھے
ہمایوں قلعے کو گھیرے باہر پڑا عرصے کے بعد پتہ لگا کہ ایک طرف سے جنگل کے لوگ رسد
کی ضروری چیزیں لے کر آتے ہیں - قلعے والے اوپر سے رسی ڈال کر کھینچ لیتے ہیں
ہمایوں نے بہت سی فولادی اور چوبی میخیں بنوائیں ایک رات اُسی چور راستے کی طرف گیا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) پہاڑیں اور قلعہ کی دیوار میں گڑوا کر رستیاں ڈلوا دیں سیڑھیاں لگوائیں اور ادھر اور طرف سے لڑائی شروع کی۔ قلعہ والے تو ادھر جھکے ادھر سے (۳۹) بہادر جانوں پر کھیل کر رستوں اور سیڑھیوں پر چڑھے جن میں چالیسواں دلاور خود بیرم خاں تھا۔ غرض صبح ہوتے ہوتے تین سو جانباز اوپر پہنچ گئے اور خود بادشاہ بھی جا پہنچا صبح کا دروازہ ابھی بند تھا کہ قلعہ فتح ہو کر کھل گیا۔ سنہ ۹۴۶ھ میں چونسے مقام پر شیرشاہ کی پہلی لڑائی میں بیرم خان نے سب سے پہلے ہمت دکھائی۔ اپنی فوج لے کر بڑھ گیا دشمن پر جا پڑا۔ حملہ ہائے مردانہ اور چپقلش ہائے ترکانہ سے غنیم کی صف کو تہ و بالا کر دیا۔ مگر امرائے ہمراہی کوتاہی کر گئے اس لیے کامیاب نہ ہوا۔ اور لڑائی نے طول کھینچا۔ انجام یہ ہوا کہ غنیم نے فتح پائی اور ہمایوں شکست کھا کر آگرہ بھاگا۔ یہ وفادار کبھی تلوار بن کر آقا کے آگے ہوا کبھی سپر بن کر پشت پر رہا۔ دوسری لڑائی نواح قنوج میں ہوئی ہمایوں کی قسمت نے یہاں بھی دفانہ کی بدحالی سے شکست کھائی۔ امراء و فوج اس طرح پریشان ہوئی کہ ایک کو ایک کا ہوش نہ رہا۔ مارے گئے۔ باندھے گئے۔ ڈوب گئے بھاگ گئے اور بیاباں مرگ ہوئے۔ ~

بیاباں مرگ ہے مجنوں یہ خاک آلودہ تن کس کا — ہیں ہے سوزن خار مغیلاں تو کفن کس کا

انھیں میں وہ جاں نثار بھی بھاگا اور سنبھل کی طرف جا نکلا۔ میاں عبدالوہاب رئیس سنبھل سے اس کا پہلے کا اتحاد تھا انھوں نے اپنے گھر میں رکھا مگر ایسا نامی آدمی چھپے کہاں۔ اس نے میترسین لکھنو کے راجہ کے پاس بھیج دیا کہ علاقہ جنگل ہی میں چند روز تم رکھو۔ مدت تک وہاں رہا۔ نصیر خاں حاکم سنبھل کو خبر ہو گئی۔ اس نے میترسین کے پاس آدمی بھیجا۔ میترسین کی کیا تاب تھی کہ شیرشاہی امیر کے آدمیوں کو ٹال دے۔ ناچار بھیج دیا نصیر خاں نے قتل کرنا چاہا۔ یہاں مسند عالی عیسیٰ خاں کہ کہن سال امیرزادہ افغانوں کا تھا شیرشاہ کا بھیجا ہوا آیا تھا۔ اس سے اور میاں عبدالوہاب کی سکندر لودی کے وقت سے دوستی تھی۔ میاں نے عیسیٰ خاں سے کہا کہ نصیر خاں ظالم ایسے نامور اور عالی ہمت سردار کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ ہوسکے تو کچھ مدد کرے۔ میاں کا اور ان کے خاندان کی بزرگی کا سب لحاظ کرتے تھے۔ عیسیٰ خاں گئے اور قید سے چھڑا کر اپنے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

...ی بیرم خان ایک ترکی سردار تھا۔ جو سولہ برس کی عمر سے ہمایوں کا
...م تھا اور اکبر کی پھوپی سے بیاہا ہوا تھا۔ بیرم خاں ایک بہت بڑا قابل

...وت صفحہ ۲۷۸) گھر سے آئے۔ شیر شاہ نے عیسیٰ خاں کو ایک مہم پر بلا بھیجا یہ مالوے
کے رستے میں جا کر ملے۔ بیرم خاں کو ساتھ لے گئے تھے۔ اس کا بھی ذکر کیا۔ شیر شاہ
نے منہ جا کر پوچھا۔ اب تک کہاں تھا؟ مسند عالی نے کہا نصیر خاں قتال کے ہاں پناہ لی تھی
شیر شاہ نے کہا "بخشیدم" عیسیٰ خاں نے کہا خون تو آن کی خاطر سے بخشا اسپ و خلعت
میری سفارش سے دیجئے اور ابو القاسم گوالیار سے آیا ہے۔ حکم دیجئے کہ اُس کے
پاس اُترے۔ شیر شاہ نے کہا قبول۔ شیر شاہ وقت پر لگاوٹ بھی ایسی کرتے
تھے کہ باتوں کرامات کرشمے تھے۔ بیرم خاں کی سرداری کی اب بھی ہوا بندھی ہوئی
تھی۔ شیر شاہ بھی جانتے تھے کہ صاحب جوہر ہے اور کام کا آدمی ہے ایسے آدمیوں
کے یہ خود تابعدار ہو جاتے تھے اور کام لیتے تھے۔ چنانچہ جس وقت وہ سامنے
آیا تو شیر شاہ کھڑے ہو کر گلے ملا اور دیر تک باتیں کیں اور اخلاص کے باب
میں گفتگو تھی۔ شیر شاہ دیر تک دل جوئی کی غرض سے باتیں کرتا رہا اُس سلسلے میں
اس کی زبان سے یہ نکلا "ہر کہ اخلاص دارد خطا نمی کند" خیر وہ جلسہ برخاست ہوا۔
شیر شاہ نے اُس منزل سے کوچ کیا۔ یہ اور ابوالقاسم بھاگے۔ رستے میں
شیر شاہ کا ایلچی ملا وہ گجرات سے آتا تھا اور ان کے بھاگنے کی خبر سن چکا تھا
مگر کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی دیکھ کر شبہ ہوا۔ ابوالقاسم قد و قامت میں بلند بالا اور
خوش اندام تھا جانا کہ یہی بیرم خاں ہے اُسے پکڑ لیا۔ بیرم خاں کی نیک ذاتی اور
جوانمردی اور نیک نیتی پر ہزار آفریں ہے اور خود آگے بڑھا اور کہا کہ اسے کیوں
پکڑا ہے بیرم خاں تو میں ہوں۔ ابوالقاسم کو دس ہزار آفرین۔ کہا کہ یہ میرا غلام ہے
مرد وفادار ہے اپنی جان کو حق نمک پر فدا کرنا چاہتا ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ خیر۔ سب لے قضا نہ
...سکے نہ بچ سکے وہ بے چارہ شیر شاہ کے سامنے آکر مارا گیا۔ اور بیرم خاں
موت کو منہ چڑا کر صاف نکل گئے۔ شیر شاہ کو بھی خبر ہوئی اس ماجرے کو سن کر
افسوس کیا اور کہا جب اُس نے ہمارے جواب میں کہا تھا کہ جنیں است ہر کہ جوہر
اخلاص دارد خطا نمی کند ہمیں اُسی وقت کھٹکا ہوا کہ یہ رکنے والا نہیں۔ جب خدا نے

(بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

بیرم خاں جو ہمایوں کے دم کے ساتھ آخری ایام [illegible]

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۰ سے پھر اپنی خدائی کی شان دکھائی اکبر کا زمانہ تھا اور وہ [illegible] کے سیاہ وسفید کا مالک تھا تو ایک دن کسی مصاحب نے پوچھا کہ مسند عالی [illegible] اُس وقت آپ سے کس طرح پیش آئے تھے۔ خانخاناں نے کہا جان اُنھوں نے بچائی تھی۔ وہ اِدھر آئے نہیں تو کیا کروں اگر آئیں تو کم سے کم چندیری کا علاقہ نذر کروں۔ بیرم خاں وہاں سے گجرات پہنچا سلطان محمود سے ملا۔ وہ بھی بہت چاہتا تھا کہ میرے پاس رہے اِس سے حج کے بہانے رخصت لے کر بندر سورت میں آیا۔ وہاں سے آقا پیارے کا پتہ لیتا ہوا سندھ کی سرحد میں جا پہنچا۔ ہمایوں کا حال سُن ہی چکے ہو کہ قنوج کے میدان سے بھاگ کر آگرہ میں آیا۔ قسمت برگشتہ بھائیوں کے دل میں دغا۔ امرا بے وفا۔ سب نے یہی کہا کہ اب یہاں کچھ نہیں ہوسکتا۔ لاہور میں بیٹھ کر صلاح ہوگی۔ یہاں آکر کیا ہونا تھا کچھ نہ ہوا۔ یہ ہوا کہ غنیم شیر ہو کر دبائے چلا آیا۔ ناکام بادشاہ نے جب دیکھا کہ دغا باز بھائی وقت ٹال رہے ہیں اور چھپنا کی نیت ہے اور غنیم ہندوستان پر چھاتا ہوا سلطان پور کنار بیاس تک آپہنچا ہے۔ ناچار دنیا کو خدا حافظ کہہ کر سندھ کا رخ کیا اور تین برس تک وہاں قسمت آزماتا رہا۔ جب بیرم خاں وہاں پہنچا ہمایوں مقام جون کنارے دریائے سندھ پر ارغونیوں سے لڑتا تھا روز معرکے ہو رہے تھے اگرچہ شکست دیتا تھا مگر رفیق مارے جاتے تھے اور جو تھے اُن سے وفا کی اُمید نہ تھی۔ خانخاناں جس دن پہنچا، محرم ۹۵۰ھ تھی لڑائی ہو رہی تھی۔ اِس لیئے آتے ہی دور سے یہ لطیفہ عرض کیا کہ ملازمت بھی نہ کی سیدھا میدان جنگ میں پہنچا۔ اپنے ٹوٹے پھوٹے نوکروں اور خدمت گاروں کو ترتیب دیا اور ایک طرف سے موقع دیکھ کر حملہ ہائے مردانہ ونعرہ ہائے شیرانہ شروع کر دیئے۔ لوگ حیران ہوئے کہ یہ غیبی فرشتہ کون اور کہاں سے آیا۔ دیکھیں تو بیرم خان! ساری فوج خوشی کے مارے غل مچانے لگی۔ ہمایوں اِس وقت ایک بلندی سے دیکھ رہا تھا۔ حیران ہوا کہ معاملہ کیا ہے۔ چند خدام خواصی میں تھے۔ ایک آدمی دوڑ کر آگے بڑھا اور خبر لایا کہ خانخاناں آپہنچا۔ یہ وقت وہ تھا کہ ہمایوں ہندوستان کی کامیابی سے مایوس ہو کر چلنے کو طیار تھا۔ کُملایا ہوا دل شگفتہ ہو گیا۔ اور اسے [illegible]

[illegible]

...رفاقت دیتا رہا - اکبر بڑا خوش نصیب تھا کہ اُس کو بیرم خاں جیسا دانا وزیر...

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) کہ جاں نثار با اقبال کے آنے کو سب مبارک شگون سمجھے - جب حاضر ہوا تو ہمایوں نے اُٹھ کر گلے لگا لیا - دونوں مل کر بیٹھے - مدتوں کی مصیبتیں تھیں اپنی اپنی کہانیاں سُنائیں - بیرم خاں نے کہا کہ یہ جگہ اُمید کا مقام نہیں - ہمایوں نے کہا چلو جس خاک سے باپ دادا اُٹھے تھے اُسی پر چل کر بیٹھیں - بیرم خاں نے کہا جس زمین سے حضور والد نے پھل نہ پایا حضور کیا لیں گے - ایران کو چلیئے وہ لوگ مہمان پرور اور مسافر نواز ہیں - ملاحظہ فرمایئے کہ امیر تیمور جدّ اعلیٰ حضور کے تھے - اُن کے ساتھ شاہ صفی نے کیا کچھ نہ کیا - اُن کی اولاد نے دو دفعہ آپ کے والد کو مدد دی - ملک ماوراءالنہر پر قبضہ دلایا - تھمنا نہ تھمنا خدا کے اختیار رہی - رہا یہ رہا اور ایران فدوی اور فدوی کے بزرگوں کا وطن ہی - وہاں کے کاروبار سے غلام خوب واقف ہی - ہمایوں کی بھی سمجھ میں آگیا اور ایران کا رُخ کیا - اِس وقت بادشاہ اور امرا سے ہمراہی کی حالت ایک لُٹے ہوئے قافلے کی تصویر تھی یا کاروان وفا کی فہرست جس میں سب نوکر چاکر ملا کر ستر آدمی سے زیادہ نہ تھے



بیرم خاں

لیکن جس کتاب میں دیکھا اول نمبر پر بیرم خاں کا نام نظر آتا ہی - اور حق پوچھو تو اِس کے نام سے فہرست کی پیشانی کو چمکانا چاہیئے تھا - وہ رزم کا بہادر - بزم کا مصاحب سایہ کی طرح پیارے آقا کے ساتھ تھا - جب کوئی شہر پاس آتا تو آگے جاتا اور ایس خوب صورتی سے مطالب ادا کرتا کہ جا بجا شاہانہ شان سے استقبال اور عنایت و عموم وعام سے ضیافتیں ہوتی گئیں - قزوین کے مقام سے شاہ کی خدمت میں نامہ لے کر پہنچا اور اِس خوبی سے وکالت کا حق ادا کیا کہ شاہ اقبال نواز آبدیدہ ہوا - جب تک ایران میں رہے وہ ہُما کا سایہ ہمایوں کے ساتھ تھا - ہر ایک کام اور پیغام اُسی کے ذریعے سے طے ہوتا تھا - بلکہ شاہ اکثر خود بلا بھیجتا تھا - کیونکہ عقل و دانش کے ساتھ اِس کی مزے مزے کی باتیں اور حکایتیں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

عجب جگار اور وفادار شخص ہاتھ آیا۔ کیوں کہ جس زمانے میں اکبر کو تخت ملا و

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۰) اور شعر و سخن۔ لطافت و ظرافت سخن کروہ بھی خوش طبع تھا

جب ہمایوں ایران سے فوج لے کر پھر ادھر آیا تو قندھار کو گھیرے پڑا تھا۔ بیرم خاں کو ایلچی کر کے کامران مرزا اپنے بھائی کے پاس کابل بھیجا کہ اُسے سمجھا کر راہ پر لائے اور یہ نازک کام حقیقت میں اِسی کے قابل تھا۔ رستے میں ہزارے کی قوم نے روکا اور سخت لڑائی ہوئی میدان صاف کر کے کابل پہنچا وہاں کامران سے ملا اور اِس انداز سے مطلب ادا کیے کہ اِس وقت اُس کا پتھر کا دل بھی نرم ہوا۔ اور ہمایوں کو عذر معذرت کے ساتھ صلح کا پیغام بھیجا۔ جب ہمایوں نے قندھار فتح کیا تو جس طرح شاہ سے اقرار کر آیا تھا وہ ایرانی سپہ سالار کے حوالے کر دیا۔ اور آپ کابل کو چلا جسے کامران دبائے بیٹھا تھا۔ امرا نے کہا کہ جاڑے کا موسم سر پر ہے۔ رستہ کوہ صعب ہے عیال اور اسباب کا ساتھ لے چلنا مشکل ہی بہتر ہے کہ قندھار سے بداغ خاں کو رخصت کیا جائے۔ حرم بادشاہی بھی یہاں آرام پائیں گے اور خانہ زادوں کے عیال بھی اُن کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ہمایوں کو بھی یہ صلاح پسند آئی اور بداغ خاں کو پیغام بھیجا۔ ایرانی فوج نے کہا کہ جب تک ہمارے بادشاہ کا حکم نہ آئے ہم یہاں سے نہ جائیں گے۔ ہمایوں لشکر سمیت باہر پڑا تھا۔ ملک برفانی اُس پر بے سامانی غرض سخت تکلیف میں تھے۔ امرا نے سپاہیانہ منصوبہ کھیلا پہلے کئی دن ولایتی اور ہندی سپاہی بھیس بدل کر شہر میں جاتے رہے گھاس اور لکڑیوں کی گٹھریوں میں ہتیار پہنچاتے رہے۔ ایک دن صبح نور کے تڑکے گھاس کے اونٹ لدے ہوئے شہر کو جاتے تھے کئی سردار اپنے بہادر سپاہیوں کو ساتھ لیئے اُن کی آڑ میں دبکے دبکائے شہر کے دروازے پر جا پہنچے یہ جانباز مختلف دروازوں سے گئے تھے چنانچہ گندگان دروازے سے بیرم خاں نے بھی حملہ کیا تھا۔ پہرے والوں کو کاٹ کر ڈال دیا اور دم کے دم میں اِس طرح پھیل گیا کہ ایرانی حیرانی میں آ گئے۔ ہمایوں مع لشکر شہر میں داخل ہوا اور جاڑا آرام سے بسر کیا۔ دوسرے برس ہمایوں نے کابل پر فوج کشی کی اور فتح پائی۔ بیرم خاں کو قندھار کا حاکم کر کے چھوڑ آیا تھا۔ کابل کا فتح نامہ جو ہمایوں نے لکھا تو یہ شعر خود کہے اور اپنے ہاتھ سے

(بقیہ نوٹ پر صفحہ آئندہ)

عجیب پُر آشوب زمانہ تھا۔ سکندر سور نے پنجاب میں اُودھم مچا رکھی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) اُس پر سکے اور فتح نامہ کو محبت نامہ بنا کر بیرم خاں کو بھیجا

شکر للہ کہ باز شادانیم — بر رخ یار و دوست خندانیم

دشمناں را بکام دل دیدیم — میوۂ باغ فتح را چیدیم

روز نوروز بیرم است امروز — دل احباب بے غم است امروز

شاد بادا ہمیشہ خاطر یار — غم ہرگز رو بگرد دیار و دیار

ہمہ اسباب عیش آمادہ است — دل بفکر و جہالت افتادہ است

کہ جمال حبیب کی بینیم — گل ز باغ وصال کی چینیم

گوش خرم شود ز گفتارت — دیدہ روشن شود ز دیدارت

در حریم حضور شاد بہم — بنشینیم خرم و بے غم

بعد ازاں فکر کار ہند کنیم — عزم تسخیر ملک سند کنیم

ہر درے بستہ گر کشادہ شود — ہرچہ خواہیم ازاں زیادہ شود

آنچہ خواہیم از زمان و زمیں — گوید آمین جبرئیل امیں

یا الٰہی میسرم گرداں — دو جہاں را میسرم گرداں

اور خط کے حاشیے پر یہ رباعی لکھی:-

ای آں کہ انیس خاطر محزونی — چوں طبع لطیف خویش موزونی

بے یاد تو ام نیست زمانے ہرگز — چوں می پرسی کہ در فراقم چونی

بیرم خاں نے اس کے جواب میں اس طرح عقیدت ظاہر کی:-

رباعی

ای آں کہ بذات سایۂ بیچونی — از ہر چہ ترا وصف کنم افزونی

چوں می دانی کہ بے تو چوں می گزرد — چوں می پرسی کہ در فراقم چونی

تاریخ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ وطن کے امرا اور شرفا نے کیسی بے وفائی اور نمک حرامی کی تھی مگر اس کی مروت نے سب بے وفاؤں سے کبھی آنکھ نہ چرائی تھی۔ اُسی باپ کی آنکھ سے ہمایوں نے سُرمۂ مروت کا نسخہ لیا تھا۔ اس لیے بخارا سمرقند اور فرغانہ کے بہت لوگ آن موجود ہوئے تھے۔ اول تو قدیم الایام سے توران کی خاک ایران کی دشمن ہے۔ اس کے علاوہ تورانیوں کا مذہب بھی سنت و جماعت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تمہیں ہموں جو ریواڑی کا ایک معمولی بنیا تھا، محض اپنی عقل

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴۵ کہ یہ ایرانی تمام شیعہ غرض ۹۶۱ھ میں ہمایوں کو شبہ ڈالا کہ بیرم خاں قندھار میں خودسری کا ارادہ رکھتا ہے اور شاہ ایران سے سازش رکھتا ہے۔ صورت احوال کے سامان ایسے تھے کہ ہمایوں کی نظر میں اس شبہ کا سایہ یقین کا پتلا بن گیا۔ ع چوں مضامین جمع گردد شاعری دشوار نیست۔ کابل کے جھگڑے ہزاروں اور افغانوں کی سرشوریاں سب اُسی طرح چھوڑیں اور چند سواروں کے ساتھ گھوڑے مار کر خود قندھار پر جا کھڑا ہوا۔ بیرم خاں بڑا رمز شناس اور معاملہ فہم تھا۔ اُس نے بدگویوں کی بدی اور ہمایوں کی بدگمانی پر ذرا دل میلا نہ کیا اور اس عقیدت اور عجز و نیاز سے خدمت بجا لایا کہ خود بخود چغل خوروں کے منہ کالے ہو گئے۔ دو مہینے ہمایوں وہاں ٹھیرا۔ ہندوستان کی مہم سامنے تھی۔ خاطر جمع سے کابل کو پھرا۔ بیرم خاں کو بھی حال معلوم ہو گیا تھا چلتے ہوئے عرض کی غلام کو حضور اپنی خدمت میں لے چلیں منعم خاں یا جس جاں نثار کو مناسب سمجھیں یہاں چھوڑیں۔ ہمایوں بھی اُس کے جوہروں کو پرکھ چکا تھا۔ اس کے علاوہ قندھار ایک ایسے نازک موقع پر واقع ہوا تھا کہ اُدھر ایران کا پہلو تھا اور ترکان اُزبک کا اُدھر سرکش افغانوں کا اس لیئے وہاں سے بیرم خاں کا سرکانا مصلحت نہ تھا۔ بیرم خاں نے عرض کی اگر یہی مرضی ہو تو ایک اور سردار میری اعانت کو مرحمت ہو چنانچہ بہادر خاں علی قلی خاں سیستانی کے بھائی کو زمین داور کا حاکم کر کے چھوڑا۔ ایک دفعہ کسی ضرورت سے بیرم خاں کابل میں حاضر ہوا تھا عید رمضان کی دوسری تاریخ تھی۔ ہمایوں بہت خوش ہوا اور بیرم خاں کی خاطر سے باسی عید کو تازہ کر کے دوبارہ جشن شاہانہ کے ساتھ دربار کیا۔ قبق اندازی اور چوگان بازی کے ہنگامے گرم تھے بیرم خاں اکبر کو لے کر میدان میں آیا۔ اس دس برس کے لڑکے نے جاتے ہی کدو پر تیر مارا اور ایسا صاف اُڑایا کہ غل مچ گیا۔ بیرم خاں نے مبارکباد میں قصیدہ کہا۔ مطلع۔

شہا قبق ربود خدنگ تو از کجک   گرد از ہلال صورت پروین شہاب چک

اکبر کے عہد میں بھی کئی سال قندھار اس کے نام پر رہا۔ شاہ محمد قندھاری اس کی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴۷ پر)

کیاست کی بدولت وزارت کے عہدۂ جلیلہ پر جا بیٹھا تھا۔ محمود شاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷،۸،۲) طرف سے نائب تھا وہی انتظام کرتا تھا۔ ہمایوں نے آکر کابل کا انتظام کیا اور لشکر لے کر ہندوستان کو روانہ ہوا۔ بیرم خاں نے عرضیاں دوڑانی شروع کیں کہ غلام خدمت سے محروم نہ رہے۔ ہمایوں نے فرمان طلب بھیجا وہ اپنے پرانے کار آزمودہ دلاوروں کو لے کر پشاور میں جا ملا۔ اس کو سپہ سالاری کا خطاب ملا اور صوبۂ قندھار جاگیر ہوا۔ جس وقت پنجاب میں داخل ہوئے اِدھر اُدھر کے ضلعوں میں بڑے بڑے لشکر افغانوں کے پھیلے ہوئے تھے۔ مگر دو بار آ چکا تھا۔ کہ اُنھوں نے کچھ بھی ہمت نہ کی لاہور تک سب بے جنگ ہمایوں کے ہاتھ آیا۔ ہمایوں لاہور میں ٹھیرا اور امرا کو آگے روانہ کیا۔ افغان جہاں کہیں تھے گھبرائے ہوئے تھے اور آگے کو بھاگے جاتے تھے جالندھر پر لشکر شاہی کا مقام تھا خبر آئی کہ تھوڑی دور آگے افغانوں کا انبوہ کثیر جمع ہو گیا ہے مع اہل و مال سب ساتھ ہے۔ تردی بیگ مال کے عاشق تھے اُنھوں نے چاہا کہ بڑھ کر ہاتھ ماریں۔ خانخاناں نے کہلا بھیجا کہ مصلحت نہیں۔ بادشاہی جمعیت تھوڑی ہے غنیم کا انبوہ ہے اور خزانہ و مال اس کے پاس ہے ایسا نہ ہو کہ پلٹ پڑے اور مال کے لیے جان پر کھیل جائے۔ اکثر امرا اِس رائے سے متفق تھے اُس نے نہ مانا اور چاہا کہ اپنی جمعیت کے ساتھ دشمن پر جا پڑے۔ دوستوں میں تلوار چل گئی۔ طرفین سے بادشاہ کو عرضیاں گئیں وہاں سے ایک امیر فرمان لے کر آیا۔ اپنوں کو آپس میں ملایا اور لشکر آگے روانہ ہوا۔ ستلج پر آ کر پھر اختلاف ہوا خبر لگی کہ ماچھی واڑے کے مقام پر تیس ہزار افغان ستلج پار پڑے ہیں۔ خانخاناں اُسی وقت اپنی فوج لے کر روانہ ہوا۔ کسی کو خبر نہ کی اور مارا مار دریا اُتر گیا۔ شام قریب تھی کہ دشمن کے قریب جا پہنچا۔ جاڑے کا موسم تھا سواروں نے خبر دی کہ افغان ایک آبادی کے پاس پڑے ہیں۔ اور خیموں کے آگے لکڑیاں اور گھاس جلا جلا کر سینک رہے ہیں تاکہ جاگتے رہیں اور رات کی بھی حفاظت رہے۔ اس نے اور بھی غنیمت سمجھا۔ دشمن کی کثرت کا ذرا خیال نہ کیا۔ ایک ہزار سوار جاں نثار سے فوج دشمن کے پہلو پر جا کھڑا ہوا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

[illegible] کے ساتھ سے اصل میں سارا عمل [illegible]

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۰ ، افغان بجواڑے کے مقام پر پانی کے کنارے پڑے تھے سر اُٹھایا تو موت جھانکتی پر نظر آئی۔ گھبرا گئے احمقوں نے جتنی لکڑیوں اور گھاس کے ڈھیر تھے سب میں بلکہ اُن کے ساتھ آبادی کے چھپروں میں بھی آگ لگا دی کہ خوب روشنی ہو جائے گی تو دشمن کو اچھی طرح دیکھیں گے۔ ترکوں کو اور بھی موقع ہاتھ آیا خوب تاک تاک کر نشانے مارنے لگے افغانوں کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔ علی قلی خاں سیستانی اور دوسرے سرداروں کو خبر ہوئی وہ بھی اپنی فوجیں لے کر دوڑا دوڑ آن پہنچے۔ افغان بدحواس ہو گئے مال و اسباب چھوڑ چھاڑ سیدھے دِلّی کو بھاگ گئے۔ بیرم خاں نے فوراً خزانوں کا بند و بست کر لیا۔ جو عجائب و نفائس گھوڑے ہاتھی ہاتھ آئے عرضی کے ساتھ لاہور کو روانہ کیے۔ ہمایوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک جیئے گا ہندوستان میں کسی بندے کو بردہ نہ سمجھے گا چنانچہ جو عورت لڑکا لڑکی گرفتار ہوئے تھے سب کو چھوڑ دیا اور ترقی اقبال کی دعائیں لیں۔ اُس وقت ماچھی واڑے میں بڑی آبادی تھی۔ بیرم خاں آپ وہاں رہا اور سرداروں کو جا بجا افغانوں کے پیچھے روانہ کیا۔ دربار میں جب عرضی پیش ہوئی۔ القاب خطاب خانخاناں یار وفادار ہمدم غمگسار کے الفاظ بڑھائے اور سنبھل کی سرکار اِس کی جاگیر لکھی گئی۔ سکندر سور اسّی ہزار افغان کا لشکر جرار لیئے سرہند پہ پڑا تھا۔ اکبر بیرم خاں کے سایۂ اتالیقی میں اِس پر فوج لے کر گیا مہم مذکور بھی خوش اسلوبی سے طے ہوئی۔ اُس کی فتح نامے اکبر کے نام سے جاری ہوئے۔ بارہ تیرہ برس کے لڑکے کو گھوڑا اُڑا لے کے سوا اور کیا آتا تھا مگر وہی بات ہے۔ ع۔ ای بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ جب ہمایوں نے دِلّی پر قبضہ کر لیا تو جشن شاہانہ ہوئے۔ امرا کو علاقے خلعت انعام و اکرام ملے سب انتظام خانخاناں کی تجویز اور اہتمام سے تھے۔ سرہند کا صوبہ اِس کے نام ہوا۔ سنبھل علی قلی خاں سیستانی کو ملا۔ پٹھان پنجاب کے پہاڑوں میں پھیلے ہوئے تھے سنہ ۹۶۳ھ میں اُن کی جڑ اکھاڑنے کے لیئے اکبر کو [illegible]

شیر شاہ کے بعد ... کی طرح تاج ... ہیموں ...

جب وقت ہیموں ... کو دے کر بھیجا۔ اس مہم کے ابھی کل کا ... خانخاناں
... میں دیئے۔ اتالیقی و سپہ سالاری کا عہدہ تھا اور اکبر سے خان بابا
کہتا تھا۔ جو بہار شہزادہ پہاڑوں میں دشمن شکاری کی مشق کرتا پھرتا تھا کہ دفعتاً
ہمایوں کے مرنے کی خبر پہنچی۔ خانخاناں نے اس خبر کو بڑی احتیاط سے چھپا
رکھا۔ لشکر کے امراء کو نزدیک و دور سے جمع کر لیا۔ شاہانہ دربار کیا اور
تاج شاہی اکبر کے سر پہ رکھا۔ اکبر باپ کے عہد سے اس کی خدمتیں اور
عظمتیں دیکھ رہا تھا۔ اور جانتا تھا کہ برابر تین پشت کا خدمت گزار ہے۔ چنانچہ
اتالیقی اور سپہ سالاری پر وکیل مطلق کا منصب زیادہ کیا۔ عنایات
و اختیارات کے علاوہ خطاب خان بابا القاب میں داخل کیا۔ اکبر دربار
اور لشکر سمیت جالندھر میں تھا جو خبر پہنچی کہ ہیموں ڈھوسر نے آگرہ لے
کر دلی مار لی۔ تردی بیگ حاکم وہاں کا بھاگا چلا آتا ہے۔ سب حیران رہ گئے
اور اکبر بھی بچپن کے سبب سے گھبرا گیا۔ وہ اسی عمر میں جان گیا تھا۔ کہ ایک
سردار کتنے پانی میں ہے۔ بیرم خاں سے کہا خان بابا تمام ملکی و مالی کاروبار کا
تمھیں اختیار ہے۔ جس طرح مناسب دیکھو کرو میری اجازت پہ نہ رکھو۔ خانخاناں
نے اسی وقت امراء کو بلا کر مشورت کی ہیموں کا لشکر لاکھ سے زیادہ سنا گیا
تھا۔ اور بادشاہی فوج بیس ہزار تھی۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ دشمن کی طاقت
اور اپنی حالت ظاہر ہے۔ ملک بیگانہ۔ اپنے تئیں ہاتھیوں سے کچلوانا اور چیلوں کوؤں
کو گوشت کھلانا کون سی بہادری ہے۔ اس وقت مقابلہ مناسب نہیں کابل کو چلنا چاہیئے
وہاں سے فوج لے کر آئیں گے اور سال آئندہ میں افغانوں کا خوب علاج کریں گے
خانخاناں نے کہا جس ملک کو دو دفعہ لاکھوں جانیں دے کر لیا اُس کو بے تلوار ہلائے
چھوڑ جانا ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔ بادشاہ تو ابھی بچہ ہے۔ اُسے کوئی الزام نہ دے گا
اِس کے باپ نے عزتیں بڑھا کر ایران توران تک ہمارا نام روشن کیا وہاں کے
سلاطین و امراء کیا کہیں گے۔ اور سفید ڈاڑھیوں پر بیہودہ سیاہی کا دھبہ کیا زیب دے
گا۔ اُس وقت اکبر تلوار ٹیک بیٹھا اور کہا۔ خان بابا درست کہتے ہیں۔ اب کہاں جانا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور دِلی پہ قبضہ کر چکا تھا۔ اور دلی کی طرف نہ صرف مغلوں سے بلکہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸} اور کہاں آ این مرے مارے ہندوستان نہیں چھوٹا جا سکتا غرض یا تحنۃ بچہ کی اِس تقریر سے بڈھوں کی خشک رگوں میں جرأت کا خون سر سرایا اور کوچ کا حکم ہو گیا دِلی کی طرف فتح کے نشان کھول دیئے۔ خانخاناں فرزانگی۔ سخاوت۔ شجاعت کے لحاظ سے یکتا تھا مگر جوہری زمانہ کی دکان میں ایک عجب رقم سے تھے کسی کو بھائی کسی کو بھتیجا بنا لیتے تھے تردی بیگ کو بھی تقان تردی کہا کرتے تھے مگر بات یہ ہے کہ دلوں سے دونوں امیر آپس میں کھٹکے ہوئے تھے دونوں ایک آقا کے نوکر تھے۔ خانخاناں کو اپنے بیت سے حقوق اور اوصاف کے دعوے تھے اسے جو کچھ تھا قدامت کا دعویٰ تھا۔ منصبوں کے رشک اور خدمت کی رقابت سے دونوں کے دل بھرے ہوئے تھے اب ایسا موقع آیا کہ خانخاناں کا تیر تدبیر نشانے پر بیٹھا چنانچہ اِس کی بے ہمتی اور نمک حرامی کے حالات کیا جنئے کیا پر اسے نے حضور میں عرض کر دیئے تھے۔ جس سے کچھ قتل کی بھی اجازت پائی جاتی تھی اب جو وہ شکست کھا کر شکستہ حال شرمندہ صورت لشکر میں پہنچا تو اُنھوں نے موقع غنیمت سمجھا۔ اِن دنوں آپس باہم شکر رنجی بھی تھی چنانچہ مُلّا پیر محمدؐ نے جا کر ولایت کی کرامت دکھائی کہ اِن دنوں خانخاناں کے خیر خواہ خاص تھے۔ پھر شام کو خانخاناں سیر کرتے ہوئے نکلے پہلے آپ اُس کے خیمے میں گئے پھر وہ اُن کے خیمے میں آیا۔ بڑی گرم جوشی سے ملے توقان بھائی کو بڑی تعظیم اور محبت سے بٹھایا خود ضرورت کے بہانے دوسرے خیمے میں گئے۔ نوکروں کو اشارہ کر دیا تھا اُنھوں نے بے چارے کا کام تمام کر دیا۔ اکبر تیرہ چودہ برس کا تھا شکرے کا شکار کھیلنے گیا ہوا تھا جب آیا تو خلوت میں مُلّا پیر محمدؐ کو بھیجا اُنھوں نے پھر اُس سر دار مردار کی طرف سے اگلے پچھلے نمک حراموں کے نقش بٹھائے اور یہ بھی عرض کی کہ فدوی خود تغلق آباد کے میدان میں دیکھ رہا تھا۔ اِس کی بے ہمتی سے فتح کی ہوئی لڑائی شکست ہو گئی۔ خان خاناں نے عرض کی ہے کہ حضور دریائے کرم ہیں فدوی کو خیال ہوا کہ اگر آپ نے اگر اِس کی خطا معاف کر دی تو پھر تدارک نہ ہو سکیگا مصلحت وقت پر نظر کر کے غلام نے اُسے مارا تو سخت گستاخی کی ہے اور موقع نہایت نازک ہے اگر اِس وقت چشم پوشی کی تو سب کام بگڑ جائے گا۔ اور حضور کے بڑے بڑے امرا

(بقیہ نوٹ پر صفحہ آئندہ)

کے لیے بڑھا چلا آتا تھا بلکہ بائی سکندر کی گوشمالی بھی مدِ نظر تھی۔

یہ لوٹ صفحہ ۸۷، ۲۷۶ میں۔ نمک خوار ایسا کریں گے تو مہمات کا سر انجام کیوں کر
رکا اس لیے یہی مصلحت تھی اگرچہ گستاخانہ جرأت ہے مگر اس وقت حضور معاف فرمائیں
یرے نے ملا کی بھی خاطر جمع کی اور جب خانخاناں نے حضوری کے وقت عرض کی تو
س وقت بھی اُسے گلے سے لگایا اور اُس کی تجویز پر آفرین و تحسین کرکے فرمایا کہ
ں تو مکرر کہہ چکا ہوں اختیار تمہارا ہے کسی کی پروا اور کسی کا لحاظ نہ کرو اور حاسدوں
ور خود مطلبوں کی ایک بات نہ سنو جو مناسب دیکھو وہ کرو۔ ساتھ یہ مصرع پڑھا ع
دست گر دست شود ہر دو جہاں دشمن گیر۔ یہ انتظام دیکھ کر ایک ایک مغل سوار
اپنے تئیں کیکاؤس اور کیقباد سمجھے ہوئے تھا ہوشیار ہو گیا اور خودسری
ور نفاق کا خیال بھلا کر سب ادائے خدمت پر متوجہ ہو گئے یہ سب کچھ ہوا۔ اور
ں وقت سب حریف و یک بھی گئے مگر دلوں میں زہر کے گھونٹ پی پی کر رہ گئے غرض
نی پت کے میدان میں ہیموں سے مقابلہ ہوا اور ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی
اکبری سکے کا نقش فتوحات کے تمغوں پر بیٹھ گیا مگر اس معرکے میں جتنی بیرم خاں
ی ہمت اور تدبیر تھی اُس سے زیادہ علی قلی خاں کی شمشیر تھی۔ ہیموں زخمی شکستہ
بستہ اکبر کے سامنے لاکر کھڑا کیا گیا۔ شیخ گدائی کنبوہ نے اکبر کو کہا کہ جہاد اکبر
کیجئے۔ ہمت اکبر نے گوارا نہ کیا۔ آخر بیرم خاں نے بادشاہ کی مرضی دیکھ کر
شعر پڑھا۔ ؎

چہ حاجت تیغِ شاہی را بخونِ ہر کس آلودن
تو بنشین و اشارت کن بچشمے یا بہ ابروئے

ور بیٹھے بیٹھے ایک ہاتھ جھاڑا۔ پھر حضرت شیخ نے خود ایک ہاتھ پھینکا۔ مرے کو
مریں شاہ مدار۔ ع۔ اچھا ہوا کہ دل کا یہ ارماں نکل گیا۔ خان خاناں تمہارے
رتبے کو زمانے نے مانا۔ کون تھا جو تمہاری بہادری کو تسلیم نہ کرتا۔ میدان جنگ
ں مقابلہ ہو جاتا تو بھی تمہارے لیے بیٹے بے چارے کا مار لینا فخر نہ تھا چہ جائیکہ
س حالت میں نیم جان مردے کو مار کر اپنی دلاوری اور عالی ہمتی کے دامن پر کیوں
[illegible] بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خان خاناں نے اسے زندہ کیوں نہ رکھا بجنسہ

([illegible])

ہیموں محمد شاہ سے جو سلطنت کا دعویٰ دار تھا [illegible]

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۳) آدمی تھا رہتا تو بڑے بڑے کام کرتا۔ یہ سب سمجھنے کی باتیں ہیں۔ جب معرکے کا وقت ہوتا ہے تو عقل چرخ میں آجاتی ہے۔ موقع نکل جاتا ہے۔ تو صلاحیں بتاتے ہیں۔ انصاف شرط ہے۔ اُس وقت کو تو دیکھو کہ کیا عالم تھا۔ شیر شاہ کا سایہ ابھی آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹا تھا۔ افغانوں کے شور و شر سے تمام کشور ہندوستان طوفان آتش ہو رہا تھا۔ ایسے زبردست اور فتح یاب غنیم پر فتح پائی۔ گرداب فنا سے کشتی نکل آئی اور وہ بندھ کر سامنے حاضر ہوا ہے۔ دل کا جوش اِس وقت کس کے قابو میں رہتا ہے اور کسے سوجھتا ہے کہ یہ بے گا تو یوں سے فلاں کارخانے کا انتظام خوب ہوگا۔ غرض فیروزی کے ساتھ دِلّی پہنچے اور ادھر اُدھر فوجیں بھیج کر انتظام شروع کر دیا۔ اکبر کی بادشاہی تھی اور بیرم خاں کی سربراہی۔ دوسرے کا دخل نہ تھا۔ اگرچہ امرا دربار اور یاری سرداران خان خاناں کے بالیاقت اختیار دوں کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ مگر کام ایسے پیچیدہ پیش آتے تھے کہ اِس کے سوا کوئی ہاتھ نہ ڈال سکتا تھا۔ سب کو اُس کے پیچھے پیچھے چلنا ہی پڑتا تھا۔ اِسی عرصے میں کچھ جزوی جزوی باتوں پر بادشاہ اور وزیر میں اختلاف پڑا۔ اِس پر یاروں کا چمکانا غضب۔ خدا جانے نازک مزاج وزیر کئی دن تک سوار نہ ہوا یا قدرتی بات ہوئی کہ کچھ بیمار ہوا۔ اِس لیے کئی دن حضور میں نہ گیا۔ موقع وہ کہ سنہ دوم جلوس میں سکندر کوہستان جالندھر میں محصور ہوا۔ اکبری لشکر قلعۂ مانکوٹ کو گھیرے ہوئے تھا۔ خانخاناں کے دبل نکلا تھا کہ سوار بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اکبر نے فتوحا اور لکھنہ ہاتھی سامنے منگائے اور لڑائی کا تماشہ دیکھنے لگا یہ بڑے دھادے کے ہاتھی تھے۔ دیر تک آپس میں ریلتے دھکیلتے رہے اور لڑتے لڑتے بیرم خاں کے خیموں میں آن پڑے۔ تماشائیوں کا ہجوم۔ عوام کا شور و غوغا۔ بازار کی دکانیں۔ پامال ہو گئیں اور ایسا غل مچا کہ بیرم خاں گھبرا کر باہر نکل آیا۔ خانخاناں کو شمس الدین محمد خان آتکہ کی طرف خیال ہوا کہ اِس نے کچھ بادشاہ کے کان بھرے ہوں اور ہاتھی بھی بادشاہ کے [illegible] سے اُدھر ہو لئے ہوں گے۔ تاہم اتکہ لیاقت کی پتلی [illegible]

[illegible] مقابلہ پر [illegible] کر ایک خود مختار [illegible]

[illegible] ۲۷ [illegible] تھی۔ خانخاناں نے اس کی زبانی کہلا بھیجا کہ اپنی دانست میں کوئی خطا ایسی نہیں آتی کہ خانہ زاد سے ظہور میں آئی ہو۔ پھر اس قدر بے اعتنائی کا سبب کیا ہے۔ اگر بد اندیشوں کی طرف سے کوئی بات خلاف واقع حضور تک پہنچی ہے تو ارشاد ہو کہ فدوی اُس کا عذر کرے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ فدوی کے خیمے پر ہاتھی ہول دیئے۔ اس عرض معروض کے ساتھ ایک بی بی محل میں مریم مکانی کی خدمت میں پہنچی۔ انہوں نے جو حال تھا وہ خود ہی بیان کر دیا اور کہا کہ ہاتھی اتفاقاً اُدھر آن پڑے بلکہ قسمیہ کہا کہ نہ کسی نے تمہاری طرف سے کہا ہے نہ حضور کو کچھ خیال ہے۔ لاہور میں پہنچے تو اتکہ خاں اپنے بیٹوں کو لے کر خانخاناں کے پاس آئے اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ میں نے خلوت یا جلوت میں ہرگز تمہارے باب میں حضور سے کچھ نہیں کہا اور نہ کہوں گا لیکن خانخاناں کی خاطر جمع اب بھی نہ ہوئی اکبر کی دانائی کا نمونہ اس عمر میں اتنی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمہ سلطان بیگم ہمایوں کی پھوپی کی بیٹی بہن تھی اور اپنے مرنے سے چند روز پہلے اس کی نسبت بیرم خاں سے ٹھیرا دی تھی۔ اس موقع پر کہ ۹۶۴ھ اور ۲ جلوس تھے اور لاہور سے آگرے کو جاتے تھے جالندھر یا دِلّی کے مقام میں اکبر نے اس کا عقد کر دیا کہ اتحاد کا رشتہ اور مضبوط ہو گیا۔ بڑی دھوم دھام ہوئی۔ خانخاناں نے بھی جشن شاہانہ کے سامان کیئے۔ اکبر بموجب اس کی تمنا کے مع امرا کے خود اس کے گھر گیا۔ خانخاناں نے پادشاہی جان نثاروں اور لوگوں کے انعام و اکرام میں وہ دریا بہائے کہ جو سخاوت کی شہرتیں زبانوں پر تھیں دامنوں میں آن پڑیں۔ اس شادی میں بیگمات نے بڑی تاکید سے صلاح دی مگر بخاری اور ماوراء النہری ترک کہ اپنے تئیں امرا کہہ کہہ کر فخر کرتے تھے۔ اس قرابت سے سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ ایرانی ترکمان اور وہ بھی نوکر۔ اُس کے گھر میں ہماری شہزادی جائے۔ یہ ہمیں ہرگز گوارا نہیں۔ تعجب ہے کہ پیر محمد خاں نے اس آگ پر اور بھی تیل ٹپکایا۔ ایرانی تورانی کا بہانہ تھا۔ شیعہ سنی کا افسانہ۔ رشک۔ وہی منصب اور اُس کے اختیارات تھا۔ آل تیمور اور آل بابر کی انھیں کیا پروا تھی۔ خود نمک حرامیاں کرتے بابر کا [illegible] ایک پہلو کیا۔ ہندوستان میں آ کر پوتے کے ایسے خیر خواہ بن گئے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور ہندو راجاؤں کا نامی گرامی خطاب بکرماجیت لیا تھا کابل [illegible]

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۰ سے) اور بیرم خان بھی کچھ نیا امیر نہ تھا۔ پشتوں کا امیرزادہ تھا۔ اس کے علاوہ اِس کی ننھیال کا خاندان تیموری سے رشتہ بھی تھا۔ گکھڑ کی قوم کو قدیم سے دعویٰ ہے۔ کہ ہم نوشیرواں کی اولاد ہیں۔ جہلم پار سے اٹک تک کی پہاڑیوں میں یہ لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمیشہ سے سرشور تھے اور حکومت کے دعوے رکھتے تھے۔ اِس وقت بھی ایسے ایسے ہمت والے سردار اِن میں موجود تھے۔ کہ شیر شاہ اُن کے ہاتھوں سے تھک گیا تھا۔ بابر اور ہمایوں کے معاملات میں بھی اِن کے اثر پہنچتے رہتے تھے۔ اِن دنوں میں **سلطان آدم** گکھڑ اور اُس کے بھائی بڑے دعوے کے سردار تھے اور ہمیشہ لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ خانخاناں نے سلطان آدم کو حکمت عملی سے بلایا وہ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری کی معرفت آیا۔ دربار میں پیش کیا۔ اور خانخاناں نے اسے رسم ہندوستان کی بموجب دستار بدل بھائی بنایا۔ ذرا اِس کی ملک داری کا اندازہ تو دیکھو۔ خواجہ **کلاں بیگ** ایک پرانا سردار بابر کے عہد کا تھا اِس کا بیٹا **مصاحب بیگ** کہ شرارت اور فتنہ انگیزی میں بے اختیار تھا۔ خانخاناں نے ایک مفسدانہ جرم پر اُسے مروا ڈالا۔ اِس میں بھی قتل کے بانی ملا پیر محمد تھے مگر دشمنوں کو تو بہانہ چاہیئے تھا۔ بدنامی کا شیشہ خانخاناں کے سینے پر توڑا اور تمام امرائے شاہی میں غل مچ گیا۔ بلکہ بادشاہ کو بھی اِس کے مرنے کا افسوس ہوا۔ ہمایوں اِسے مصاحب منافق کہا کرتا تھا اور اِس کی بداعمالیوں سے نہایت تنگ تھا۔ جب کابل میں کامران سے لڑائیاں ہو رہی تھیں تو یہ کمبخت ایک موقع پر ہمایوں کے پاس تھا۔ اور کامران کی خیرخواہی کے منصوبے کھیل رہا تھا۔ اندر اندر اُسے پرچے بھی دوڑا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں ہمایوں کو زخمی کروا دیا۔ فوج نے شکست کھائی انجام یہ ہوا کہ کابل ہاتھ سے نکل گیا اکبر خورد سال۔ پھر بے رحم چچا کے پنجہ میں پھنس گیا۔ اِس کا قاعدہ تھا۔ کہ کبھی ادھر ہوتا تھا کبھی اُدھر چلا جاتا تھا۔ اور یہ اُس کا ادنیٰ کمال تھا۔ ہمایوں ایک دفعہ [illegible] کابل میں کامران سے لڑ رہا تھا۔ اس موقع پر یہ ہوا کہ [illegible]

بدخشان کا مرزا سلیمان سے چکا تھا۔ غرض اکبر کے پاس

بقیہ نوٹ صفحہ (۲۷۸) کے ساتھ تھے۔ ایک دن میدان جنگ میں کسی نے آ کے خبر دی کہ مبارز بیگ مارا گیا۔ ہمایوں نے بہت افسوس کیا اور کہا کاشکے اِس کی جگہ مصاحب مارا جاتا۔ ہمایوں کے بعد اکبری دور شروع ہوا تو شاہ ابوالمعالی جا بجا فساد کرتا پھرتا تھا۔ یہ اُس کے مصاحب بن گئے اور مدت تک اُس کے ساتھ خاک اُڑاتے پھرے۔ خان زماں باغی ہو گیا تو اُس کے پاس جا موجود ہوئے۔ بیٹے کو مہردار کروا دیا۔ آپ عہدہ دار بن گئے۔ چند در چند بند و بستوں کے بعد دِلّی میں آئے۔ خانخاناں نے اِس کے باب میں اصلاح مزاج کی تدبیریں کی تھیں مگر ایک کارگر نہ ہوئی اور وہ راہ پر نہ آنا تھا نہ آیا اور دار الخلافہ میں فساد کی تخم ریزی کرنے لگا۔ بیرم خاں نے قید کر لیا اور تجویز کی کہ مکہ کو روانہ کر دے۔ ملا پیر محمدؐ اُس وقت خانخاناں کے مصاحب تھے۔ اور یہ خون کے عاشق تھے۔ اُنھوں نے کہا قتل۔ پھر بھی قیل و قال کے بعد یہ ٹھیری کہ ایک پرزہ پر قتل ایک پر نجات لکھ کر بند تکیہ کے نیچے رکھ دو۔ پھر ایک پرچہ نکالو وہی حکم غیب ہے۔ تقدیر الٰہی یہ کہ پیر کی کرامات سچی نکلی اور مصاحب دِلّی میں قتل ہوا۔ امرائے بادشاہی میں غل مچ گیا کہ قدیم الخدمتوں کی اولاد اور خاص خانہ زاد مارے جاتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ تیموری خاندان کا آئین ہے کہ خاندانی نوکروں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ بادشاہ کو بھی اِس امر کا خیال ہوا۔ مصاحب بیگ کی آگ ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ کہ ایک شعلہ اور اُٹھا۔ پیر محمدؐ اب بڑھتے بڑھتے امیر الامرا کے درجے کو پہنچ کر وکیل مطلق ہو گئے تھے۔ سنہ ۳ جلوس میں بادشاہ مع لشکر دِلّی سے آگرے کو چلے۔ خان خاناں اور پیر محمدؐ ایک دن صبح کے وقت شکار کھیلنے چلے جاتے تھے۔ خانخاناں نے اپنے رکابداروں سے پوچھا کہ بھوک لگی ہے ناشتے کے لیئے رکاب خانے میں کچھ موجود ہے؟ پیر محمدؐ خان بول اُٹھے کہ اگر ذرا ٹھیرئیے تو کچھ حاضر ہے وہ حاضر ہو۔ خانخاناں نوکروں سمیت ایک درخت کے نیچے اُتر پڑے دستر خوان بچھ گیا۔ تین سو پیالی شربت کی اور سات سو غوریاں کھانے کی موجود تھیں۔ خانخاناں متعجب ہوا منہ سے کچھ نہ کہا پر دل میں خیال رہا۔ ؎

گر تو بے خبریں کاندریں مقامی چہ دشمنانِ حسودند دوستانِ غیور

اِس وقت کوئی ملک تھا ہی نہیں۔ اب اکبر کو یہ مشکل [illegible]

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸۔ اِس کے علاوہ چوں کہ ملّا اب وکیل مطلق تھا ہر وقت حضور میں حاضر رہتا تھا۔ سب کی عرضیاں اُس کے ہاتھ پڑتی تھیں۔ تمام امرا اور اہل دربار اسی پاس حاضر ہوتے تھے۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ وہ کم حوصلہ۔ مغرور۔ بے رحم اور کمینہ مزاج تھا۔ اہالی موالی اشراف وہاں جاتے تھے۔ اور ذلت اُٹھاتے تھے اِن پر بھی بعضوں کو بات نصیب نہ ہوتی تھی۔ آگرے سے پہنچ کر ملّا کچھ بیمار ہوئے۔ خانخاناں خبر کو گئے کوئی اُزبک غلام دروازے پر تھا۔ اُسے کیا خبر تھی کہ ملّا اصل میں کیا ہے اور خانخاناں کا رتبہ کیا ہے اور دونوں میں قدیمی علاقہ کیا ہے وہ دن بھر میں بہت سے بڑے بڑوں کو روک دیا کرتا تھا۔ اپنی عادت کے بموجب اُنھیں بھی روکا اور کہا کہ جب تک دعا پہنچے ٹھیریں جب بلائیں گے تب جائیے گا۔ ملّا آخر خانخاناں کا چالیس برس کا نوکر تھا۔ تعجب پر تعجب ہوا۔ جز بز ہو کر رہ گیا۔ اور زبان سے نکلا۔ ع۔ بے خودم کردہ را درماں نباشد۔ لیکن یہ آنا بھی آخر خانخاناں کا آنا تھا۔ یا قیامت کا آنا تھا۔ ملّا سنتے ہی خود دوڑے آئے اور کہتے جاتے تھے۔ معذور فرمائیے دربان آپ کو پہچانتا نہ تھا۔ یہ بولے بلکہ تم بھی! اس پر بھی یہ ہوا کہ خانخاناں تو اندر گئے خانی ملازموں میں سے کوئی اندر نہ جا سکا فقط طاہر محمد سلطان میر فراغت نے بڑی دھکا پیل سے اپنے تئیں اندر پہنچایا۔ خان خاناں دم بھر بیٹھے اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن بعد خواجہ امینا (جو آخیر میں خواجہ جہاں ہو گئے) اور میر عبد اللہ بخشی کو ملّا کے پاس بھیجا اور کہا کہ تمھیں یاد ہوگا۔ کتاب بغل میں مارے طلب علمی اور نامرادی کی وضع سے تم قندھار میں آئے تھے۔ ہم نے تم میں قابلیت دیکھی اور اخلاص کی صفتیں پائیں اور کوئی کوئی خدمت بھی تم سے اچھی بن آئی۔ چنانچہ بدترین درجہ فقر و طالب علمی سے عرش المراتب خانی و سلطانی اور درجۂ امیر الامرائی تک پہنچا دیا مگر تمھارا حوصلہ دولت و جاہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ خطر ہے کہ کچھ ایسا فساد نہ اُٹھاؤ جس کا تدارک مشکل ہو جائے۔ اِن مصلحتوں پر نظر کر کے چند روز یہ غرور کا اسباب تم سے الگ کر لیتے ہیں۔ تاکہ بگڑا ہوا مزاج اور بے قرار دماغ ٹھیک ہو جائے۔ مناسب ہے کہ علم و نقارہ اور اسباب حشمت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

پھر واپس جاکر وہاں کی خبر لے اور پھر ہندوستان کا رخ کرے یا یہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) سپرد کردو۔ ملا کی کیا مجال تھی جو دم مار سکتے۔ وہ غرور کا مواد جس نے بہت انسان صورتوں کو بے عقل اور خبطی کر رکھا ہے بلکہ انسانیت اور آدمیت کے رستے سے گرایا اور گراتا ہے۔ جنگل کے بھوتوں میں ملایا اور ملاتا ہے۔ اسی وقت حوالہ کردیا۔ وہ وہی ملا پیر محمد رہ گئے جو کہ تھے۔ پہلے قلعہ بیانہ کے قید خانے میں بھیج دیا۔ ملا نے بہت سے عذر معذرت کے خط لکھے۔ عجز و انکسار سے پہنچ کر سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی کہ بے وقت تھی۔ چند روز بعد براہ گجرات مکہ کو روانہ کر دیا اس کی جگہ حاجی محمد سیستانی کو بادشاہ کا استاد اور وکیل مطلق کر دیا کہ وہ بھی اپنا ہی دامن گرفتہ تھا۔ جب بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا کچھ نہ کہا مگر رنج ہوا۔ شیخ گدائی کمبوہ شیخ جمالی کے بیٹے تھے۔ اور ساتھیوں میں داخل ہو گئے تھے۔ جس وقت ہمایوں کی سلطنت بگڑی اور خانخاناں پر وقت پڑا تو انھوں نے گجرات میں کچھ رفاقت کی تھی اب انھیں صدارت کا منصب دے کر کل اکابر و مشایخ ہند سے اونچا بٹھایا۔ خود ان کے گھر جاتے تھے بلکہ بادشاہ بھی کئی دفعہ گئے تھے۔ اور اس پر لوگوں نے بہت چرچا کیا تھا۔ اور کہتے تھے ع۔ سگ نشستہ بجائے گیباجی۔ اب وہ وقت آیا کہ یا تو خانخاناں کی ہر تجویز عین تدبیر تھی یا ہر بات نظروں میں کھٹکنے لگی اور حکموں پر نارضامندیاں بلکہ شور و غل ہونے لگے۔ خیر۔ وہ برائے نام وزیر تھا۔ مگر عقل و تدبیر کا بادشاہ تھا جب لوگوں کے چرچے سنے اور بادشاہ کو بھی کھٹکتے دیکھا تو گوالیار کا علاقہ مدت سے خود سر تھا۔ بادشاہی فوج بھی گئی تھی۔ کچھ بندوبست نہ ہو سکا تھا اب اس نے بادشاہ سے کچھ مدد نہ لی خاص اپنی ذاتی فوج سے گیا۔ اور اپنے جیب خرچ سے لشکر کشی کی۔ آپ جا کر قلعہ کے نیچے ڈیرے ڈال دیئے مورچے باندھے اور حملہ ہائے شیرانہ و شمشیر دلیرانہ سے قلعہ توڑا اور ملک فتح کردیا بادشاہ بھی خوش ہو گئے۔ اور لوگوں کی زبانیں بھی قلم ہو گئیں۔ ملک مشرقی میں افغانوں کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ کہ کوئی امیر ادھر جانے کا حوصلہ نہ کرتا تھا خان زماں کہ بیرم خاں کا داہنا ہاتھ تھا اور اس پر بھی دشمنوں کا دانت تھا۔ اس

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

کہ اُسی وقت ہندوستان کی دو مرتبہ کھوئی ہوئی سلطنت کو اپنے زیر

بقیہ نوٹ صفحہ ٢٧٨ سے۔ لنے ادھر کی مہم کا ذمہ لیا اور ایسے اپنے کارناموں سے کہ رستم کے نام کو پھر زندہ کر دیا۔ چندیری اور کالپی کا بھی وہی حال تھا۔ خانخاناں نے اِس پر بھی ہمت کی مگر امیروں نے بجائے مدد کے بدمددی کی بنانے کے عوض کام کو خراب کیا۔ غنیموں سے سازشیں کرلیں۔ اِس لیئے کامیاب نہ ہوا۔ فوج ضایع ہوئی روپیہ برباد ہوا اور ناکام چلا آیا مالوے کی مہم کا چرچا ہو رہا تھا۔ بذات خود گیا اور اپنے خرچ خاص سے اِس مہم کو سر کرنے کا ارادہ کیا۔ امرا دربار مدد کی جگہ بدخواہی پر کمربستہ ہوگئے۔ اطراف کے زمینداروں میں مشہور کیا کہ خانخاناں پر بادشاہ کا غضب ہے اب اِس کا رعب داب کیا رہا انجام یہ ہوا کہ وہاں سے بھی ناکام پھرا۔ بنگالے کی مہم کا بیڑا اُٹھایا وہاں بھی وہ شخص دغاباز دوستوں نے دونوں طرف مل کر کام خراب کر دیئے نیک نامی تو درکنار سب سے پہلے الزاموں پر یہ طرّہ زیادہ ہوا کہ خان خاناں جہاں جاتا ہے جان بوجھ کر کام خراب کرتا ہے۔ بات وہی ہے کہ اقبال کا ذخیرہ ہو چکا جس کام پر ہاتھ ڈالتا تھا بنا ہوا بگڑ جاتا تھا۔ اللہ اللہ یا تو وہ عالم کہ جو بات ہے۔ پوچھو خان بابا سے جو مقدمہ ہے۔ کہو خانخاناں سے۔ سلطنت کے سفید و سیاہ کا کل اختیار۔ آفتاب اقبال اِس اوج پر کہ جس سے اونچا ہونا ممکن نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اس نقطے پر پہنچ کر ٹھیرنے کا حکم نہیں۔ افسوس اب اِس کے ڈھلنے کا وقت آگیا۔ ظاہری صورتیں یہ ہوئیں کہ بادشاہی ہاتھیوں میں ایک مست ہاتھی فیلبانوں کے قابو سے نکل گیا اور بیرم خاں کے ہاتھی سے جا لڑا۔ ہر چند بادشاہی فیل بان نے روکا مگر ایک تو ہاتھی اُس پر مست۔ وہ تب نہ سکا اور ایسی بے جگہ ٹکر ماری کہ بیرم خاں کے ہاتھی کی انتڑیاں نکل پڑیں۔ خان بڑے خفا ہوئے اور فیل بان شاہی کو قتل کیا۔ اِن ہی دنوں ایک خاصے کا ہاتھی مستی میں آکر جمنا میں اُتر گیا اور بدمستیاں کرنے لگا۔ بیرم خان بھی کشتی میں سوار سیر کرتے پھرتے تھے کہ ہاتھی اپنی ہتیائی کرنے لگا۔ اور جھپٹ کر کشتی پر آیا۔ یہ حال دیکھ کر کناروں سے غل اور دریا میں شور اُٹھا۔ ملاح بھی گھبرا گئے۔ ہاتھ پاؤں مارتے تھے اور دل ڈوبے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

فرشتے - ایک سے بچے بیرم خان کے سوا اکبر کے دوسرے سارے امراء

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کہ جانتے تھے ۔ خان پر عجب حالت گزری - بارے مہاوت نے ہاتھی کو دبا لیا اور بیرم خاں اس آفت سے بچ گئے ۔ اکبر کو خبر پہنچی - مہاوت کو باندھ کر بھیج دیا مگر یہ بھی چال چوکے کہ اسے بھی وہی سزا دی - اکبر کو بڑا رنج ہوا اور تھوڑا بھی ہوا ہوگا تو بڑھانے والے موجود تھے ۔ قطرے کو دریا بنا دیا ہوگا - غلطی پر غلطی یہ ہوئی کہ بادشاہ کے خاصے کے ہاتھی امراء کو تقسیم کر دیئے کہ اپنے اپنے طور پر مفیں صیار کرتے رہیں - خان خاناں کے دشمن تو بہتیرے تھے مگر ماہم بیگم - ادہم خاں اس کا بیٹا۔ شہاب خاں اس کا رشتہ کا داماد اور اکثر رشتے دار ایسے تھے کہ اندر باہر ہر طرح کی عرض کا موقع ملتا تھا - اکبر ماہم بیگم کا اور اُس کے لواحقوں کا حق بھی بہت مانتا تھا - یہ علامہ بڑھیا ہر دم لگائی بجھائی رہتی تھی اور جو اُن میں سے موقع پاتا تھا بات بڑھاتا تھا - کبھی کہتے تھے کہ یہ حضور کو بچہ سمجھتا ہے اور خاطر میں نہیں لاتا بلکہ کہتا ہے کہ میں نے تخت پر بٹھایا جب چاہوں اُٹھا دوں اور جسے چاہوں بٹھا دوں - کبھی کہتے کہ شاہ ایران کے مراسلے اِس کے پاس آتے ہیں اور اس کی عرضیاں جاتی ہیں فلاں سوداگر کے ہاتھ تحفے تحائف بھیجے تھے - درباری رقیب جانتے تھے کہ بابر اور ہمایوں کے وقت کے پرانے پرانے خدمت گزار کہاں کہاں ہیں اور کون اشخاص ہیں - جن کے دل میں خان خاناں کی رقابت یا مخالفت کی آگ سلگتی ہو اُن کے پاس آدمی بھی بھیجے - شیخ محمدؐ غوث گوالیاری کا دربار سے کیوں کر سلسلہ ٹوٹا - وہ اُن سب باتوں کو خان خاناں کے اختیارات کا پھل سمجھتے تھے اُن کے پاس بھی خطوط بھیجے اور برکات انفاس کے طلبگار ہوئے - وہ مرشد کامل تھے نیت خالص سے شریک ہوئے - باوجود تمام اوصاف و کمالات اور دانائی و فرزانگی کے بیرم خاں میں چند باتیں تھیں جو زیادہ تر اس کی برہمی کا سبب ہوئیں (۱) اولوالعزم صاحب جرأت شخص تھا جو مناسب تدبیر دیکھتا تھا کر گزرتا تھا اُس میں کسی کا لحاظ نہ کرتا تھا اور اُس وقت تک زمانہ ایسا پایا تھا کہ سلطنت کی نازک حالتوں اور بھاری مہموں میں دوسرا شخص ہاتھ بھی نہ ڈال سکتا تھا - اب وہ وقت نکل گئے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

کی صلاح کابل جانے کی تھی لیکن اکبر نے اپنے اتالیق بیرم خاں کی ر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کے سے تھے۔ پہاڑ کٹ گئے تھے دریا پایاب ہو گئے تھے۔ کام ایسے پیش آتے تھے کہ اور بھی کر سکتے تھے۔ مگر یہ بھی جانتے تھے کہ خانخاناں کے ہوتے ہمارا چراغ نہ جل سکے گا۔ (۲) وہ اپنے اوپر کسی اور کو بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ پہلے وہ ایسے مقام میں تھا کہ اُس سے اوپر جانے کو رستہ بھی نہ تھا۔ اب سڑک صاف بن گئی تھی اور ہر شخص کے ہوتے باوجود اُسکے کان تک پہنچ سکتے تھا پھر بھی اس کے ہوتے بات کا پیش جانا مشکل تھا۔ (۳) عظیم الشان مہموں اور پیچیدہ معرکوں کے لئے ایسے با لیاقت شخصوں اور سامانوں کا طیار رکھنا واجب تھا جن سے وہ اپنی برجستہ تدبیروں اور بلند ارادوں کو پورا کر سکے۔ اس کے لئے زلوں کی نہریں اور چشمے قابو میں ہونے چاہئیں۔ جاگیریں اور علاقے اب تک اُس کے ہاتھ میں تھے اب اُن پر اوروں کو بھی قابض ہونے کی ہوس ہوئی لیکن یہ خطر ضرور تھا۔ کہ اس کے سامنے قدم جمنے مشکل ہوں گے۔ (۴) اس کی سخاوت اور قدردانی۔ ہر وقت با لیاقت اشخاص کا مجمع اور بہادر سپاہیوں کا انبوہ اس قدر فراہم رکھتی تھی کہ تیس ہزار ہاتھ اس کے دسترخوان پر پڑتا تھا۔ اسی واسطے جس مہم پر چاہتا تھا۔ فوراً ہاتھ ڈال دیتا تھا۔ اس کی تدبیر کا ہاتھ ہر ملک و مملکت میں پہنچ سکتا تھا۔ (۵) اسے یہ خیال ضرور ہوگا۔ کہ اکبر وہی بچہ ہے جو میری گود میں کھیلا ہوا یہاں بچے کے لہو میں خود مختاری کی گرمی سر سرانے لگی تھی۔ اس پر حریفوں کی اشتعالک ہر وقت گرمائے جاتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر جو جو خدمتیں اس نے عقیدت و اخلاص سے کی تھیں اُن کے نقش اکبر کے دل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی اُس کے یہ بھی تھا۔ کہ کسی کو نوکر نہ رکھ سکتا تھا۔ کسی کو کچھ دے نہ سکتا تھا۔ خان خاناں کے متوسل اچھے اچھے علاقوں میں تعینات تھے جو خاص بادشاہی نوکر کہلاتے تھے وہ ویران جاگیریں پاتے تھے۔ بھلا یہاں چھوٹتا ہی کہ سنہ ۹۶۷ھ سنہ جلوس اکبر اور بیرم خاں مع اہل دربار آگرہ میں تھے۔ مریم مکانی دلی میں تھیں۔ حریف ساتھ لگے ہوئے تھے اور ہر دم فساد کے منتر اس پر دم کرتے چلے آتے تھے بیان لینے کے مقام

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

...اتفاق کیا جو خان بابا کے نام سے زیادہ تر معروف تھا۔ غرض

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ میں یہی ذکر ایک جلسے میں چھڑا۔ مرزا شرف الدین اکبر کے بہنوئی بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے صاف کہہ دیا کہ بیرم خاں نے بندوبست کرلیا ہو کہ آپ کو تخت سے اُٹھا دے اور کامران کے بیٹے کو بٹھا دے۔ خود غرضوں کی صلاحیں مطابق ہوئیں اور اکبر شکار کو اُٹھا آگرے سے جالیسر اور سکندرہ ہوتے ہوئے خورجہ ہو کر سرائے بجھل میں آن اُترے۔ ماہم نے رستے میں دیکھا کہ اِس وقت بیرم خاں سے میدان خالی ہو۔ بسورتی صورت بنا کر اکبر کے سامنے آئی اور کہا کہ بیگم کا ضعیفی اور ناطاقتی سے عجب حال ہو گئی خط میرے پاس آئے ہیں۔ حضور کے دیکھنے کو ترستی ہو۔ بادشاہ کو بھی اِس بات کا خیال ہو گیا۔ ادہم خاں اور اکثر فتنہ والے کہ صاحب رتبہ امیر تھے۔ دِلّی ہی میں تھے اِسی عرصے میں اِن کی عرضیاں پہنچیں آخر لہو کا جوش تھا بادشاہ کا دل کڑھا اور دلّی کو چلے۔ شہاب الدین پنج ہزاری امیر اور ماہم کا رشتہ دار تھا۔ اِس کی بی بی پاپا آغا مریم مکانی کی رشتہ دار تھی۔ اِس وقت دِلّی کا حاکم تھا۔ دِلّی پچیس تیس کوس رہی ہوگی کہ وہ بڑھ کر استقبال کو پہنچا اور بہت سے نذرانے پیش کش گزرانے اور شہاب الدین احمد خاں ہو گیا۔ بعد اِس کے خلوت میں گیا۔ کانپتی ہانپتی صورت بنا کر بولا کہ حضور کے قدم دیکھے زہے طالع مگر اب جاں نثاروں کی جانوں کی خیر نہیں۔ خان خاناں سمجھے گا کہ حضور کا دلّی میں آنا ہمارے اشارے سے ہوا ہو۔ پس جو مصاحب بیگ کا حال ہوا سو ہمارا ہو گا۔ محل میں ماہم نے بھی رونا رویا بلکہ اِس کے اختیارات اور انجام کی قباحتیں دکھا کر تنکے کو پہاڑ کر دکھایا اور کہا کہ اگر بیرم خاں ہو تو حضور کی سلطنت نہیں اور سلطنت تو اب بھی وہی کرتا ہو۔ سردست تو یہی مشکل ہو کہ وہ سمجھے گا کہ آپ میری بے اجازت آگئے۔ اِن کی اشارت سے گئے۔ اتنی طاقت کس میں ہو کہ اُس کا مقابلہ کر سکے اُس کے غصے کو سنبھال سکے اب شفقت شاہانہ یہی ہو کہ اجازت ہو جائے ہم قدیمی خانہ زاد خانۂ خدا کو چلے جائیں وہاں غائبانہ دعاؤں سے خدمت بجا لائیں گے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

طیاری کرکے فوج ہمیت دہلی کو روانہ ہوا۔ دلّی پر اسی زمانے میں ہیموں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) اکبر نے کہا میں خان بابا کو تمہاری عفو تقصیر کے لیے لکھتا ہوں چنانچہ شقہ لکھا کہ ہم آپ مریم مکانی کی عیادت کو یہاں آئے ہیں اِن لوگوں کا اِس میں کچھ دخل نہیں ہے اِس خیال سے اِن کے دل بہت پریشان ہیں تم ایک خط اپنی مہر و دستخط سے اِنھیں لکھ بھیجو کہ اِن کی تشفی خاطر ہو جائے اور اطمینان سے ادائے خدمت میں مصروف رہیں وغیرہ وغیرہ۔ اتنی گنجائش دیکھتے ہی سب پھوٹ بہے شکایتوں کے دفتر کھول دیئے۔ شہاب الدین احمد خاں نے اصلی اور وصلی کئی مقدمے اور مثلیں طیار رکھی تھیں۔ اِن کے حالات حاضر کیئے دو تین فقرے گواہی کے لیئے طیار رکھے تھے۔ اُنھوں نے گواہیاں دیں غرض بیرم خاں کی بد اندیشی اور بغاوت کے ارادے ایسے بادشاہ کے دل پر نقش کر دیئے کہ اُس کا دل پھر گیا اور سوا اس کے چارہ نہ دیکھا کہ اپنی حالت کو اُن کی صلاح و تدبیر کے حوالے کر دے۔ ادھر خانخاناں کے پاس جب شقہ پہنچا اور ساتھ ہی ہوا خواہوں کے خطوط پہنچے کہ دربار کا رنگ بے رنگ ہے تو کچھ حیران ہوا کچھ پریشان ہوا۔ کمال عجز و انکساری کے ساتھ عرضی لکھی اور قسم ہائے شرعی کے ساتھ لکھا جس کا خلاصہ یہ کہ جو خانہ زاد اِس درگاہ کی خدمت وفا و اخلاص سے کرتے ہیں غلام کے دل میں ہرگز اُن کی طرف سے برائی نہیں وغیرہ وغیرہ یہ عرضی خواجہ امین الدین محمود کہ پھر خواجہ جہاں ہوئے اور حاجی محمد خاں سیستانی اور رسول محمد خاں اپنے معتبر سرداروں کے ہاتھ روانہ کی اور کلام اللہ ساتھ بھیجا کہ قسموں کا وزن زیادہ ہو۔ یہاں کام حد سے گزر چکا تھا۔ تحریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ کلام مجید بالائے طاق اور عجز و نیاز کے امانت دار قید ہو گئے۔ شہاب الدین احمد خاں با ہر وکیل مطلق ہو گئے۔ ماہم اندر ہی بیٹھی بیٹھی حکم احکام جاری کرنے لگی اور مشہور کر دیا کہ خان خاناں حضور کی غضبی میں آیا۔ بات منہ سے نکلتے ہی دور پہنچ گئی امرا اور ملازم دربار جو آگرے میں خان خاناں کے پاس تھے۔ اُٹھ اُٹھ کر دلّی کو دوڑے۔ دامن گرفتہ لوگ۔ اپنے ہاتھ کے رکھے ہوئے نوکر الگ ہو ہو کر چلنے شروع ہوئے۔ یہاں جو آتا ماہم اور شہاب الدین اُس کا منصب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

[illegible] نے اکبر کے معتمد اعظم تردی بیگ کو شکست دے کر

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۷ بڑھاتے جاگیریں اور خدمتیں دلواتے۔ صوبجات ہند
اطراف وجوانب میں جو امراء تھے اُن کے نام احکام جاری کیے شمس الدین خاں
اتکہ کو بھیرہ علاقہ پنجاب میں حکم پہنچا کہ اپنے علاقے کا بندوبست کرکے
لاہور کو دیکھتے ہوئے جلد دِلّی میں حاضر حضور ہو۔ منعم خاں بھی احکام وہدایات
کے ساتھ کابل سے طلب ہوئے۔ یہ پُرانے سردار کہنہ عمل سپاہی تھے
کہ ہمیشہ بیرم خاں کی آنکھیں دیکھتے رہے۔ ساتھ ہی شہر پناہ اور قلعۂ دہلی
کی مرمت اور مورچہ بندی شروع کردی۔ واہ رے بیرم تیری ہیبت یہاں
خان خاناں نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا۔ شیخ گدائی اور چند اشخاص
کی یہ رائے تھی کہ ابھی حریفوں کا پلّہ بھاری نہیں ہوا آپ یہاں سے جریدہ سوار
ہوں اور نشیب و فراز سمجھا کر پھر دست د کو قابو میں لائیں کہ فتنہ انگیزوں
کو فساد کا موقع نہ ملے۔ بعض کی رائے تھی کہ بہادر خاں کو فوج دے کر
مالوے پر بھیجا جائے۔ خود وہاں چلو اور ملک تسخیر کرکے بیٹھ جاؤ پھر جیسا موقع
ہوگا دیکھا جائے گا۔ بعض کی صلاح تھی کہ خان زماں کے پاس چلو۔ پورب
کا علاقہ افغانوں سے بھرا ہوا ہے صاف کرو اور چند روز وہاں بسر کرو۔ خانخاناں
ہر شخص کا بلکہ زمانے کا مزاج پہچانے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا۔ اب حضور کا
دل مجھ سے پھر گیا۔ کسی طرح سنبھلنے کی نہیں۔ تمام عمر دولت خواہی میں گزاری
بڑھاپے میں بدخواہی کا داغ پیشانی پر لگانا۔ ہمیشہ کے لیے منہ کالا کرنا ہے۔
اِن خیالوں کو بھول جاؤ۔ مجھے حج و زیارات کا مدّت سے شوق تھا۔ خدا نے
خود سامان کردیا ہے۔ اُدھر کا ارادہ کرنا چاہیے۔ امراء و رفقا جو ساتھ تھے
اُنھیں خود دربار کو رخصت کردیا۔ وہ سمجھا اور خوب سمجھا کہ یہ سب بادشاہی نوکر
ہیں۔ اِنھوں نے اگرچہ مجھ سے بہت فائدے اُٹھائے ہیں۔ بلکہ اکثر میرے
ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں لیکن اُدھر بادشاہ ہے اگر میرے پاس رہے تو بھی عجب
نہیں کہ اُدھر خبریں دے رہے ہوں یا دینے لگیں اور آخر کو اُٹھ بھاگیں بہتر
ہو کہ میں خود اُنھیں رخصت کردوں۔ وہاں جا کر شاید کچھ اصلاح کی صورت نکالیں

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دیا تھا۔ ہیموں پنجاب کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) کیوں کہ آخر مجھ سے نقصان نہیں پایا۔ پایا ہو تو فائدہ ہی پایا ہی۔ بیرم خاں خان زماں کے بھائی بہادر خاں کو فوج دے کر مالوے کی مہم پر بھیج چکا تھا دربار کا یہ حال دیکھ کر واپس بلا بھیجا۔ دربار سے اِس کے نام بھی حکم طلب پونہچا۔ یہ دونوں بھائی خانخاناں کے دو بازو تھے مبادا کہ اکھڑے ہوں اور یہ بھی خیال تھا کہ ذاتی فائدے کی اُمید پر اُس سے پھر پی اُلٹے مڑیں۔ اگر نہ مڑیں تو منحرف تو نہ ہوں مگر بہادر خان بچپن میں اکبر کے ساتھ کھیلا ہوا تھا اور اکبر اسے بھائی کہتا تھا۔ اِس لیئے ہر بات میں اِس سے بے تکلف تھا۔ غالباً اِن کے ڈھب کا نہ نکلا ہوگا۔ اور خان خاناں کی طرف سے صفائی کے نقش بٹھاتا ہوگا اِس لیئے بہت جلد اِسے اُٹھا دے کا حاکم کر کے مغرب سے مشرق میں پھینک دیا۔ شیخ گدائی وغیرہ رفقا نے صلاح میں دیں اور خانخاناں نے بھی چاہا کہ آپ حضور میں حاضر ہو اور جو باتیں جرم و گناہ قرار دی گئی ہیں اُن کی عذر و معذرت کر کے صفائی کرے لیکن حریفوں نے یہ بھی نہ چلنے دی۔ اُنھیں یہ ڈر ہوا کہ جب یہ اکبر کے سامنے آیا اپنے مقاصد کو پر اثر تقریر کے ساتھ اِس طرح ذہن نشین کرے گا۔ کہ جو نقش ہم نے استنے دنوں میں بٹھائے ہیں۔ سب مٹ جائیں گے اور بنی بنائی عمارت کو چند باتوں میں ڈھادے گا۔ اکبر کو یہ ڈرایا کہ وہ خود صاحب فوج و لشکر ہی۔ امرا سب اُس سے ملے ہوئے ہیں۔ نمک حلالوں کی تعداد بہت کم ہی۔ اگر وہ یہاں آیا تو خدا جانے کیا صورت ہو۔ بادشاہ ابھی لڑکا ہی تھا ڈر گیا۔ اور صاف لکھ بھیجا کہ آنے کا ارادہ نہ کرنا ملازمت نہ ہوگی۔ اب تم حج کو جاؤ پھر آوگے تو پہلے سے زیادہ خدمت پاؤگے۔ بڈھا خدمت گزار اپنے مصاحبوں کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ کہ تم کیا کہتے تھے اور میں کیا کہتا تھا۔ اور اب کیا کہتے ہو۔ غرض حج کا ارادہ مصمم کیا۔ اکبر کی خوبیوں کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ میر عبداللطیف قزوینی کہ اب ملا پیر محمدؐ کی جگہ استاد تھے۔ دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے۔ اُنھیں فہمائش کر کے بھیجا اور زبانی پیغام دیا کہ تمھارے حقوق خدمت

(بقیہ نوٹ پر صفحہ آئندہ)

[illegible] میں ڈبھیڑ ہوئی۔

[illegible] ۹۶۷ھ) اور اخلاص عقیدت عالم پر روشن ہے ابھی تک ہماری طبیعت سیر و شکار کی طرف مائل تھی کاروبار ملکی تم پر چھوڑ دیئے تھے۔ اب مرضی ہے کہ مہمات خلائق کو خود انجام فرمائیں۔ تم مدت سے ترک دنیا کا ارادہ رکھتے ہو اور سفر حجاز کا شوق ہے یہ نیک ارادہ مبارک ہو۔ پرگنات ہندوستان سے جو علاقہ پسند ہو وہ لکھو تمھاری جاگیر ہو جائے گا۔ گماشتے تمھارے اس کا محاصل جہاں تم کہو گے پہنچا دیں گے۔ یہ پیغام بھیجا اور فوراً خود بھی اُسی طرف کوچ کیا۔ چند امرا کو آگے بڑھایا کہ خانخاناں کو سرحد کے باہر نکال دو جب یہ لوگ قریب پہنچے تو اُس نے اُنھیں لکھا کہ میں نے دنیا کا بہت کچھ دیکھ لیا۔ اور کر لیا۔ اب سب سے ہاتھ اُٹھا چکا مدت سے ارادہ تھا کہ خانۂ خدا اور روضہ ہائے مقدسہ پر جا کر بیٹھوں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوں الحمدللہ کہ اب اِس کا سلسلہ ہاتھ آیا۔ اُس دریا دل نے سر و چشم کہہ کر قبول کیا اور بہت خوشی سے تعمیل کی۔ ناگور سے طوغ و علم۔ نقارہ۔ فیل خانہ۔ تمام اسباب امیرانہ اور شوکت شاہانہ کا سامان حسین قلی بیگ اپنے بھانجے کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جھجر کے مقام میں پہنچا۔ اِس کی عرضی جو مضامین نیاز اور صدق دل کی دعاؤں سے سہرائی ہوئی تھی درگاہ میں پڑھی گئی اور حضور خوش ہو گئے۔ اب وہ وقت آیا کہ خانخاناں کے لشکر کی چھاؤنی بچھائی نہ جاتی تھی۔ جو رفیق دونوں وقت ایک قاب میں کھانے پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ بہت اُن میں سے چلے گئے انتہا کہ شیخ گدائی بھی الگ ہو گئے فقط چند رشتہ دار اور وفا کے بندے تھے وہی ساتھ رہے جن میں ایک حسین خاں افغان بھی تھا۔ ابوالفضل اکبر نامے میں کئی ورق کا ایک فرمان لکھتے ہیں جو دربار سے اُس محروم القسمت کے نام جاری ہوا۔ اُسے پڑھ کر بے درد بے خبر لوگ ضرور نمک حرامی کا جرم لگائیں گے۔ لیکن جس نے بیرم خاں کے جزوی حالات کو نظر انصاف سے دیکھا ہوگا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آئے گا بلکہ آتش غضب سے جگر جلے گا۔ اور دھواں منہ سے نکلے گا۔ فرمان مذکور میں اِس کی تمام خدمتوں کو مٹایا ہے اِس کے اقربا کی جاں فشانیوں کو خاک میں ملایا ہے اُسے خود پروری اور خویش پروری اور ملازم پروری کے الزام لگائے ہیں

(بقیہ نوشتہ آئندہ)

پانی پت کی دوسری لڑائی سنہ ۱۵۵۶ء

اُس لڑائی کا سارا معاملہ بیرم خاں کے سر تھا جس کی پیش بینی فراست اور دانش کا یہ ثمرہ کہ اِس جنگ میں اکبر کو فتح ہوئی ہیموں ہکم

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۰ کے اُس پر جرم لگاتے ہیں کہ پٹھان سرداروں کو بغاوت کی ترغیب دی خود فلاں فلاں طریقوں سے بغاوت کے منصوبے باندھے اِس میں علی قلی خاں اور بہادر خاں کو بھی لپیٹ لیا ہی۔ بڑھاپے کی نمک حرامی اور بے وفائی سے خبیث خیالات اور کثیف الفاظ سے کاغذ کو سیاہ کیا ہی۔ اِن دردوں کو کون جانے؟ بدنصیب بیرم خاں جانے یا جس ناکام کی بیرم خاں جیسی خدمتیں برباد ہوئی ہوں۔ اُس کا دل جانے۔ کم ظرف دشمن کسی طرح اِس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ چند امیروں کو فوج دے کر بھیج دیا تھا کہ بیرم خاں کو ہندوستان کی سرحد سے نکال دیں جب وہ نزدیک پہنچے تو اُس نے لکھا کہ میری کوئی ہوس باقی نہیں میں سب سے ہاتھ اُٹھا چکا میں تو خود جا رہا ہوں تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔ وہ سب چلے گئے۔ خانخاناں نے ناگور پہنچ کر خبر پائی کہ مارواڑ کے راجہ ناگور نے گجرات دکن کا رستہ روک رکھا ہی۔ دور اندیشی کر کے ناگور سے رُخ پھیرا اور بیکانیر سے ہوتا ہوا قندھار کے رستے مشہد مقدس کی راہ لی۔ حریفوں نے زمینداران اطراف کو لکھا بڈھا شیر ادھموا ہو گیا۔ اِس کا شکار کرو زندہ نہ جانے پائے جہاں پاؤ کام تمام کرو۔ ساتھ ہی ہوائی اُڑائی کہ خانخاناں پنجاب کو بغاوت کے ارادے سے چلا ہی۔ دربار سے جو احکام جاری ہو رہے تھے اُنھیں دیکھ دل ہی دل میں گھُٹ رہا تھا۔ ایسا دِق ہوا کہ رائے بدل گئی اِن سفلوں کو کیا خاطر میں لاتا تھا صاف کہدیا کہ جن مفسدوں اور بدکرداروں نے حضور کو مجھ سے ناراض کیا ہی۔ اب اُنھیں سزا دے کر بادشاہ سے رخصت ہو کر حج کو جاؤں گا۔ فوج بھی جمع کرنی شروع کی اور امرائے اطراف کو مضامین و حالات مذکورہ سے اطلاع دی۔ ناگور سے بیکانیر آیا۔ راجہ کلیان مل اِس کا دوست تھا۔ اور حق پوچھو تو حریفوں کے سوا کون تھا جو اِس کا دوست نہ تھا۔ وہاں آئے دھوم دھام کی ضیافتیں ہولیں کئی دن آرام لیا اتنے میں خبر آئی کہ ملا پیر محمد تمھیں ہندوستان سے جلاوطن کرنے آتے ہیں۔ وا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ہوا تیر لگنے سے زخمی ہوا۔ وہ ہاتھی پر چڑھ کر میدانِ جنگ سے بھاگا ہی چاہتا تھا کہ گرفتار ہو گیا اور اکبر کے حضور میں لایا گیا۔ بیرم خاں نے اکبر سے معروضہ کیا کہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ جل کر خاک ہو گیا۔ ملّا کا اس طرح آنا کچھ چھوٹا زخم نہ تھا مگر انھوں نے قناعت نہ کی اِس پر داغ بھی دیا یعنی ناگور میں ٹھیر کر خان خاناں کو ایک خط لکھا اُس میں طنز کی چنگاریاں تو بہت سی تھیں مگر ایک شعر بھی درج تھا۔ ع

آمدم در دل اساس عشق محکم ہمچناں ؛ نعمت جانِ بلا فرسودہ ہمدم ہمچناں

خان خاناں نے بھی ترکی کا جواب ترکی لکھا مگر فقرہ اُس میں بہت برجستہ واقع ہوا تھا۔ ”آمدن مردانہ اما رسیدہ توقف کردن زنانہ“۔ ہر چند چوٹیں پہلے سے بھی کر رہا تھا۔ اُس نے یہ فقرہ بھی لکھا۔ مگر مسجد کے ٹکڑ گدا کو چالیس برس نمک کھلا کر امیر الامرا بنایا تھا آج اُس سے یہ باتیں سننی پڑیں۔ عجب صدمہ دل پر گزرا۔ چنانچہ اِس شکستگی کے عالم میں ایک عریضہ حضور میں لکھا جس کے کچھ فقرے ہاتھ آئے ہیں وہ خون کے قطرے ہیں جو دل افگار سے ٹپکے ہیں۔ اُن کا رنگ دکھلانا بھی واجب ہے:-

”چون بموجب اظہار و آرزوے حاسداں حقوقِ خدمت دیرینۂ ما سطر آں دودمان پامال تہمت کفرانِ نعمت در خدمت ولی نعمت گردیدہ و معاندان در حلال دانستن خون رافضی فتوے دادہ اند۔ برائے محافظت جان کہ در ہمہ مذہب واجب است۔ می خواہم بہ دریافت خود را ازیں بلیہ نجات دہم۔ بدیں ہیئت (کہ باظہار اہلِ غرض اسباب یعنی آمادہ می دانند) در خدمت آں خداوند (ہر چند نفس الامر ارادۂ بیت اللہ باشد) آمدن کفر می دانند بر عالم ظاہر است کہ در خاندان ما ترکان نمک حرامی بظہور نیامدہ لہذا راہ مشہد اختیار نمودہ ام کہ بعد طواف روضۂ امام علیہ السلام و عتبات نجف اشرف و کربلائے معلّی و خواندن فاتحہ در آں مکانہائے شریف برائے بقائے سلطنت و عمر آں ولی نعمت از سر نو احرام کعبۃ اللہ بندم۔ التماس آنست کہ اگر بندہ را در جرگہ نمک حراماں واجب القتل می دانند یکے از بندہ ہائے بے نام و نشاں را تعین فرمایند کہ سر بیسر مرا بریدہ برساں جلوہ دہاں برائے تنبیہ و عبرت دیگر بدخواہان دولت بحضور بیاورد۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ والّا سرداری فوج سوائے ملائے خارجی کہ از نمک پروردہ ہائے نمک بکرامت اخراجی فدوی است بدیگرے از بندہ ہائے درگاہ والا مقرر شود“

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جہاں پناہ اپنی شمشیر قہر بار سے اِس کا جھگڑا تمام فرمائیں۔ لیکن اکبر کی عالی ظرفی اور بلند نظری نے اِس امر کو گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ مرے ہوئے کو کیا مارنا

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۷) اس نازک موقع پر بدنصیبی کا پیچ تھا اُس وفادار جاں نثار نے چاہا تھا کہ اپنی اور بادشاہ کی ناراضی کا پردہ رہ جائے اور عزت کی پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ملک سے نکل جائے مگر قسمت نے بڈھے کی ڈاڑھی لونڈوں یا طفل مزاج بڈھوں کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ بدنیت بداندیش نہ چاہتے تھے کہ وہ سلامت جانے پائے۔ غرض جب بات بگڑ جائے اور دل پھر جائیں تو الفاظ و عبارت کا زور کیا کر سکتا ہے۔ البتہ اتنا ہوا کہ جب بادشاہ نے یہ عرضی پڑھی تو آب دیدہ ہوئے اور دل کو رنج ہوا۔ ملّا پیر محمدؐ کو بلا لیا اور آپ دلّی کو پھرے مگر حریفوں نے اکبر کو سمجھایا کہ خانخاناں پنجاب کو چلا ہے اگر پنجاب میں جا پہنچا اور وہاں بغاوت کی تو مشکل ہوگی۔ پنجاب ایسا ملک ہے کہ جس قدر فوج اور سامان فوج چاہیں ہر وقت بہم پہنچا سکتا ہے۔ کابل چلا گیا تو قندھار تک قبضہ کر لینا اس کے آگے کچھ دشوار نہیں اور خود نہ کر سکا تو دربار ایران سے مدد لانی بھی اسے آسان ہے۔ ان مصلحتوں پر نظر کرکے فوج کی سرداری شمس الدین محمدؐ خاں اتگہ کے نام کی اور پنجاب کو روانہ کیا۔ سچ پوچھو تو آگے جو کچھ ہوا اکبر کے لڑکپن اور ناتجربہ کاری سے ہوا۔ سب مورخ بالاتفاق لکھتے ہیں کہ بیرم خاں کی نیت میں فساد نہ تھا۔ اگر اکبر شکار کھیلتا ہوا خود اُس کے خیمے پر جا کھڑا ہوتا تو وہ قدموں پر آ ہی پڑتا۔ بات بنی بنائی تھی یہاں تک طول نہ کھنچتا۔ نوجوان کچھ بھی نہ کرتا تھا۔ جو کچھ تھے بڑھیا اور بڑھیا والوں کے کرتوت تھے۔ خانخاناں نے اہل و عیال اور مرزا عبدالرحیم تین برس کے بیٹے کو جو خانخاناں ہو کر اکبری سپہ سالار ہوا تھا تمام نقد و جنس و مال و دولت اور اسباب کے ساتھ بھٹنڈے کے قلعے میں چھوڑا۔ شیر محمدؐ دیوانہ اس کا خاص الخاص ملازم قدیم الخدمت اور ایسا با اعتبار تھا کہ بیٹا کہلاتا تھا وہ بھٹنڈے کا حاکم تھا۔ اس کے بھروسے پر خاطر جمع کرکے دیپال پور کو روانہ ہوا۔ دیوانے نے مال و اسباب سب ضبط کر لیا اور آدمیوں کی بڑی بے عزتی کی۔ خانخاناں کو جب خبر پہنچی تو خواجہ مظفر علی اور درویش محمدؐ اذبک کو بھیجا شیر محمدؐ دیوانے کو سمجھائیں۔ دیوانے کو کتے نے کاٹا تھا۔ بھلا وہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

[illegible] بیرم خاں سے صبر نہ ہو سکا خود ہیموں کا خاتمہ کر دیا۔ اکبر کو بیرم خاں کی یہ [illegible] اکا دجرائت سرو بار ناگوار ضرور ہوئی مگر خون سکائسے گھونٹ پی کر رہ گیا [illegible] زبان سے ایک لفظ نہ نکالا۔ اس طرح پانی پت کی لڑائی میں مغلوں نے دوبارہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸) کب سمجھتا تھا۔ ع۔ اے عاقلاں کنارہ کہ دیوانہ مست شد۔ ان دونوں کو مفسد ٹھیرا قید کر کے حضور میں بھیج دیا۔ دوستوں نے یہ نوبت پہنچائی [illegible] رنج کچھ تھوڑا نہ تھا۔ اس پر عیال کا قید ہونا اور دشمنوں کے ہاتھ میں جانا غرض نہایت [illegible] ہوا۔ حیران پریشان غیرت و غصہ میں بھرا ہوا تھارہ کے گھاٹ سے ستلج اترا اور جالندھر پر آیا۔ دربار دہلی میں بعض کی رائے ہوئی کہ بادشاہ خود جائیں۔ بعض نے کہا کہ فوج جائے۔ اکبر نے کہا کہ دونوں رایوں کو جمع کرنا چاہیئے۔ آگے فوج جائے پیچھے ہم ہوں۔ چنانچہ شمس الدین محمد خاں اتکہ بھیرہ سے پہنچ لیئے تھے۔ انھیں فوج دے کر آگے بھیجا۔ یہ بھی کوئی جنگ آزمودہ سپہ سالار نہ تھا۔ البتہ نیک طبع متحمل۔ سن رسیدہ شخص تھا۔ اہل دربار نے اسی کو غنیمت سمجھا۔ بیرم خاں کو اول خیال تھا کہ اتکہ خاں پرانا رفیق ہے وہ اس آگ کو بجھائے گا۔ مگر خان خاناں کا منصب ملتا نظر آتا تھا۔ وہ بھی آتے ہی ہمدمان حضور میں داخل ہو گئے۔ اہم کی عقل کا کیا کہنا صاف پہلو بچا لیا اور بیٹے کو کسی بہانے سے دلی میں چھوڑ دیا۔ خان خاناں جالندھر پر قبضہ کر رہا تھا۔ کہ خان اعظم ستلج اتر آئے اور گناچور کے میدان پر ڈیرے ڈال دیئے۔ خانخاناں کے لیئے اس وقت دو ہی پہلو تھے یا لڑنا اور مرنا یا دشمنوں کے ہاتھوں قید ہونا اور مشکیں بندھوا کر دربار میں کھڑے ہونا۔ خیر وہ خان اعظم کو سمجھتا کیا تھا۔ جالندھر کو چھوڑ کر پلٹا۔ خانخاناں نے اپنے آقا پر تلوار کھینچی بہت برا کیا لیکن ذرا چھاتی پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ جو جو خیال اور رنج و ملال اس وقت اس کے مایوس دل پر چھائے ہوئے تھے۔ ان پر نظر نہ کرنی بھی بے انصافی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو جو [illegible] ہمتیں اس نے بابر اور ہمایوں سے لے کر اس وقت تک کی تھیں وہ ضرور اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں گی۔۔۔۔ سب سے زیادہ یہ کہ جو گروہ مقابل نظر آتا ہے ان میں اکثر وہ نظر آتے دکھائی دیتے ہیں جو ان وقتوں میں اس کا منہ تکتے تھے۔ اور ہاتھوں کو دیکھتے تھے۔ یا کل کے لڑکے ہیں کہ جنھوں نے ایک بڑھیا کی بدولت نوجوان بادشاہ کو

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ہندوستان کی سلطنت حاصل کی ۔ اس فتحیابی کے بعد دلّی اور آگرہ پر بلا غل و غش قبضہ کرلیا ۔ اگرچہ دلّی ہندوستان کا پایہ تخت تھا لیکن اکبر نے آگرے کو دار الخلافہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کے بہتسلا رکھا ہے ۔ یہ باتیں دیکھ کر اسے ضرور خیال ہوا ہوگا کہ جو پہلو ہو ان بیٹوں اور ناداہوں کو جنھوں نے کچھ نہیں دیکھا ایک دفعہ تماشا تو دکھا دو کہ حقیقت ان کی بھی بادشاہ کو معلوم ہو جائے ۔ پرگنہ دکدار نواح گناچور میں (مسٹر بلاک مین لکھتے ہیں کہ کنور پھلور ۔ گوناچور کے جنوب مغرب میں تھا ۔ فرشتہ لکھتا ہو کہ یہ لڑائی ماچھی واڑے کے باہر ہوئی ۔ جو بلاک مین نے لکھا ہو یہ ملّا صاحب کا قول ہو اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہو ۔ دکن کے فرشتہ کو پنجاب کی کیا خبر) کہ جنوب مشرق جالندھر پر تھا ۔ خانخاناں کے رفیق تعداد میں تھوڑے سے تھے ۔ مگر مروت اور مردانگی کے جوش نے ان کی کمی کو بڑھا دیا تھا ۔ ہزاروں دلاوروں نے اِس کی قدردانی کے ہاتھ سے فیض پائے تھے ۔ اُن سب کا مول یہ گنتی کے آدمی تھے جو رفاقت کے نام پر جان قربان کرنے نکلے تھے ۔ وہ خوب جانتے تھے کہ بڑھا جوان مرد ہی اور مرد کا ساتھ مرد ہی دیتا ہو ۔ وہ اِس غصّہ میں آگ ہو رہے تھے ۔ کہ مقابل میں وہ لوگ ہیں جنھیں بوالہوسی نے مرد بنایا ہو ۔ جب تلوار مارنے کے وقت تھے تو کچھ نہ کرسکے اب میدان صاف ہو تو نوجوان بادشاہ کو بہتسلا کر چاہتے ہیں کہ بڑھے خانہ زاد کی محنتیں برباد کریں سو وہ بھی ایک بڑھیا کے بھروسے پر وہ نہ ہو تو اتنا بھی نہیں ۔ اُدھر بڑھے سید یعنی خان اعظم نے بھی فوجوں کی تقسیم کرکے صفیں باندھیں ۔ قرآن سامنے لاکر سب سے عہد و پیمان لیئے ۔ بادشاہی عنایتوں کا اُمیدوار کیا سوا تنی ہی اِس بچارے کے پاس کرامات تھی جس وقت سامنا ہوا تو بیرم خانی فوج نہایت جوش و خروش سے آگے بڑھی ۔ جب قریب پہنچی تو یک دلی نے ان کی جانوں کو اُٹھا کر اِس طرح فوج بادشاہی پر دے مارا گویا بیرم کے گوشت کا ایک ٹکڑا تھا کہ اُچھل کر حریف کی تلواروں میں جا پڑا ۔ جو مرنے تھے مرے ۔ جو بچے آپس میں ہنستے کھیلتے اور دشمنوں کو ریلتے دھکیلتے چلے ۔ فتح و شکست کی نسبت مورخوں میں اختلاف ہو ۔ اکبر اور جہانگیری مورخ کہتے ہیں کہ آخیر میں بیرم خاں نے شکست کھائی ۔ خافی خاں کہتے ہیں کہ ان مصنفوں نے رعایت سے بات کو چھپایا ہو ورنہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ہجرت کیا اور اِس سبب سے دلی بالکل ویران ہوگئی اور اب صرف ہمایوں کے وقت کے چند بڑے ٹکڑے باقی رہ گئے۔ جو یہاں رہ پڑے یہیں مر کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸ کی شکست اتکہ خاں پر پڑی اور بادشاہی لشکر پریشان ہوگیا بادشاہ خود بھی لودھیانہ سے آگے بڑھ چکا تھا۔ اب خود شکست کے سبب سے خواہ اِس لحاظ سے کہ ولی نعمت کے سامنے ہوکر لڑنا اسے منظور نہ تھا۔ بیرم خاں اپنے لشکر کو لے کر تلواڑہ جنگل کی طرف پیچھے ہٹا۔ اکبر لشکر کو ماچھی واڑہ پر چھوڑ کر لاہور پہنچے کہ دارالسلطنت ہے ایسا نہ ہو کہ وہاں فتنہ طلب لوگ اُٹھ کھڑے ہوں۔ یہاں خاص و عام کو اقبال کی تصویر دکھا کر تشفی دی اور پھر لشکر میں پہنچے دامن کوہ میں بیاس کے کنارے پر تلواڑہ اُن دنوں مضبوط مقام تھا اور راجہ گنیش وہاں راج کرتا تھا۔ خان خاناں پیچھے ہٹ کر وہاں آیا۔ راجہ نے بہت خاطر کی اور سب سامانوں کا ذمہ لیا اُس کے میدان میں لڑائی جاری ہوئی۔۔۔۔۔ ملا صاحب لکھتے ہیں ایک موقع پر لڑائی ہو رہی تھی اکبری لشکر میں سے راجہ گنیش کا نہایت سجیلا جوان وتا ور اور دیدار و امیرزادہ تھا میدان میں زخمی ہو کر گرا۔ بیر مخانی جوان اُس کا سر کاٹ کر مبارک باد کہتے لائے۔ خانخاناں نے دیکھ کر افسوس کیا رومال آنکھوں پر رکھ کر رونے لگا۔ اور کہا "سو لعنت ہے اِس زندگی پر میری شامت نفس سے ایسے ایسے جوان ضائع ہوتے ہیں" باوجودیکہ پہاڑ کے راجہ اور رانا برابر چلے آتے تھے فوج اور ہر طرح کے سامان سے مدد دیتے تھے اور آیندہ کے لیئے وعدے کرتے تھے مگر اِس نیک نیت نے ایک کی نہ سُنی۔ انجام کا خیال کر کے آخرت کا رستہ صاف کر لیا۔ اُس وقت جمال خاں اپنے غلام کو حضور میں بھیجا کہ اجازت ہو فدوی حاضر ہوا چاہتا ہے۔ اُدھر سے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری فوراً چند سرداروں کو لے کر روانہ ہوئے کہ دلجوئی کریں اور لے آئیں۔ ابھی لڑائی جاری تھی وکیل دونوں طرف سے آتے جاتے تھے۔ خدا جانے تکرار کس بات پر تھی۔ منعم خاں سے نہ رہا گیا۔ چند امرا اور مقربان بارگاہ کے ساتھ بے تحاشا خان خاناں کے پاس چلا گیا۔ کہن سال سردار تھے۔ کہنہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

وہیں زمین کے پیوند ہوئے۔ چوں کہ اکبری پالیسی ہندوؤں کے دل [illegible]
لینے کی تھی۔ جن سے اُس نے رشتہ ناطہ بھی [illegible] رضا سے کیا تھا۔ کران

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸(۲) عمل سپاہی تھے۔ قدیمی رفاقتیں تھیں دیر تک دل سے لگے درد کہتے رہے۔ منعم خاں کی باتوں سے اسے یقین آیا کہ جو کچھ پیام آئے ہیں واقعی ہیں فقط سخن سازی نہیں ہے۔ غرض خانخاناں چلنے کو طیار ہوا۔ بابا زنبور اور شاہ قلی محرم دامن پکڑ کر رونے لگے کہ ایسا نہ ہو جان جائے یا عزت پر حرف آئے۔ منعم خاں نے کہا کہ اگر زیادہ ڈر ہے تو ہمیں یرغمال میں یہاں رہنے دو

خیر یہ پرانی محبت کی شوخیاں تھیں اور رفیقوں نے بھی روکا۔ پہاڑ کے راجہ اور رانا مرنے مارنے کا عہد باندھے موجود تھے مگر وہ نیکی کا پُتلا اپنے نیک ارادے سے نہ ٹلا اور سوار ہو کر چلا۔ جو فوج اس کے مقابلے پر دامن کوہ میں پڑی تھی اس میں ہزاروں ہوائیاں اڑ رہی تھیں کوئی کہتا تھا کہ امرائے شاہی جو یہاں سے گئے ہیں انہیں بیرم خاں نے پکڑ رکھا ہے کوئی کہتا تھا ہرگز نہ آئے گا وقت ٹالتا ہے اور سامان بہم پہنچاتا ہے۔ پہاڑ کے راجہ مدد کو آئے ہیں۔ کوئی کہتا تھا صلح کا پیچ مارا ہے۔ رات کو شب خون مارے گا۔ غرض جتنے منہ اُتنی ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ جریدہ لشکر میں داخل ہو گیا۔ تمام فوج نے خوشی کا غل مچایا اور نقاروں سے دور دور خبر پہنچائی۔ کچھ میل فاصلے پر حاجی پور دامن کوہ میں بادشاہ کے خیمے تھے۔ سنتے ہی حکم دیا کہ تمام امرائے دربار استقبال کو جائیں اور قدیمی عزت و احترام سے لائیں۔ ہر شخص جاتا سلام کرتا تھا اور پیچھے ہو لیتا تھا۔ وہ شاہنشاہی سپہ سالار جس کی سواری کا غل نقارے کی آواز کوسوں تک جاتی تھی اس وقت چپ چاپ۔ سکوت کا عالم تھا وہ آگے آگے خاموش چلا آتا تھا۔ اس کا گورا گورا چہرہ اُس پر سفید ڈاڑھی ایک نور کا پُتلا تھا کہ گھوڑے پر دھرا تھا۔ چہرے پر مایوسی برستی تھی اور نگاہوں سے ندامت ٹپکتی تھی تمام انبوہ چپ چاپ پیچھے تھا سناٹے کا سماں بندھا ہوا تھا۔ جب بادشاہی خیمے کا کلس نظر آیا تو گھوڑے سے اُتر پڑا۔ ترک جس طرح گنہگار کو بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں۔ اس نے آپ کمر سے تلوار کھول کر گلے میں ڈالی۔ پٹکے سے اپنے ہاتھ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

روابط میں اور استحکام ہو جائے اور اسی لحاظ سے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے اور مناصب بھی دیئے اور انھیں خیالات کی بنا پر جنوبی حصۂ ہند

بقیہ نوٹ صفحہ (۲۷۰) باندھے۔ عمامہ سر سے اُتار کر گلے میں لپیٹا اور آگے بڑھا۔ جیسے پاس پہنچا تو خبر سن کر اکبر بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ لب فرش تک آیا۔ خانخاناں نے دوڑ کر سر پاؤں پر رکھ دیا اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا۔ بادشاہ بھی اِس کی گود میں کھیل کر پلا تھا آنسو نکل پڑے اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور اُس کی قدیمی جگہ یعنی دست راست پر پہلو میں بٹھایا آپ اُس کے ہاتھ کھولے دستار سر پر رکھی۔ خانخاناں نے کہا آرزو یہی تھی کہ حضور کی نمک حلالی میں جان کو قربان کروں اور شمشیر بند بھائی جانثاروں کا ساتھ دیں۔ حیف کہ تمام عمر کی جانفشانی اور جاں نثاری خاک میں مل گئی اور خدا جانے ابھی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ یہی شکر ہے کہ اخیر وقت میں حضور کے قدم دیکھنے نصیب ہو گئے۔ یہ سن کر دشمنوں کے دل پانی ہو گئے۔ دیر تک تمام دربار مرقع تصویر کی طرح خاموش رہا کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ ایک ساعت کے بعد اکبر نے کہا کہ خان بابا اب صورتیں تین ہیں جس میں تمھاری خوشی ہو کہہ دو۔ (۱) اگر حکومت کو جی چاہتا ہے تو چندیری اور کالپی کا ضلع لے لو وہاں جاؤ اور بادشاہی کرو (۲) اگر مصاحبت پسند ہے تو میرے پاس رہو۔ جو عزت و توقیر تمھاری تھی اُس میں فرق نہ آئے گا۔ (۳) حج کا ارادہ ہے تو بسم اللہ روانگی کا سامان خاطر خواہ ہو جائے گا۔ چندیری تمھاری ہو چکی محاصل تمھارے گماشتے جہاں کہو گے پہنچا دیا کریں گے۔ خانخاناں نے عرض کی کہ قواعد اخلاص و اعتقاد میں اب تک کسی طرح کا قصور اور فتور نہیں آیا یہ سارا تردد فقط اِس لیئے تھا کہ حضور میں پہنچ کر رنج و ملال کی بنیاد کو آپ دھوؤں الحمد للہ جو آرزو تھی پوری ہو گئی اب عمر آخر ہوئی کوئی ہوس باقی نہیں۔ تمنا ہے تو یہی ہے کہ آستانۂ الٰہی پر جا پڑوں اور حضور کی عمر و دولت کی دعا کیا کروں اور یہ معاملہ جو پیش آیا۔ اِس سے بھی مطلب فقط یہ تھا کہ فتنہ انگیزوں نے جو مجھے اوپر سے اوپر باغی بنا دیا تھا اِس شبہ کو خود حضور میں پہنچ کر دور کروں۔ غرض حج کی بات قائم ہو گئی حضور نے خلعت خاص اور خاصہ کا گھوڑا عنایت کیا۔ منعم خاں دربار سے اپنے خیمے میں لے گیا خیمے ڈیرے اسباب خزانے سے لے کر باورچی خانے تک جو تھا سب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کا مقام آگرہ دار السلطنت کے لیے زیادہ مناسب و موزوں خیال کیا گیا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۵ حوالے کرکے آپ نکل آیا۔ بادشاہ نے پانچ ہزار روپیہ نقد اور بہت کچھ اسباب دیا۔ ماہم اور ماہم [illegible] سے سوا کوئی [illegible] صاحب [illegible] جب اس کی [illegible] حاجی محمد خاں سیستانی کہ ان کا مصاحب اور رفیق قدیم تھا بادشاہ نے اسے فوج دے کر رستے کی حفاظت کے لئے ساتھ کیا۔ رستے میں ایک دن کسی بن میں گزر ہوا۔ پگڑی کا کنارہ کسی ٹہنی میں اس طرح الجھا کہ پگڑی گر پڑی۔ لوگ اسے برا شگون سمجھتے ہیں۔ اس کے چہرے پر بھی ملال معلوم ہوا حاجی محمد خاں نے حافظ کا شعر پڑھا۔

در بیاباں چوں بشوق کعبہ خواہی زد قدم — سرزنش ہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

یہ سن کر وہ ملال خوشی کا خیال ہو گیا۔ پٹن گجرات میں پہنچا یہیں سے گجرات کی حد شروع ہوتی ہے۔ عہد قدیم میں اسے نہر والہ کہتے تھے۔ موسیٰ خاں فولادی وہاں کا حاکم اور حاجی خاں الوری بڑی تعظیم سے پیش آئے اور دھوم سے ضیافتیں کیں۔ اس سفر میں کچھ کام تو تھا نہیں۔ اس لیے جہاں جاتا تھا۔ دریا۔ باغ۔ عمارات کی سیر کرکے دل بہلاتا پھرتا تھا۔ ایک دن شام کے قریب سہس لنگ ان کے تالاؤ میں یہاں کی مشہور سیرگاہ تھی۔ سہس ہندی میں ہزار کو کہتے ہیں اور لنگ ۔ کمر کو۔ اس تالاب کے گرد ہزار مندر تھے۔ شام کو جب اس کے گنبدوں پر دھوپ ہوتی تھی تو ان کی روشنی اور کلسوں کی چمک کا پانی میں عکس اور کناروں کا سبزہ عجب بہار دیتا تھا اور جب چراغ جلتے ان میں روشنی ہوتی تھی تو اس کے عکس جو پانی میں پڑتے تھے تو سارا تالاؤ جگمگ جگمگ کرتا تھا۔ نواڑے پہ بیٹھا پانی پر ہوا کھاتا پھرتا تھا۔ مغرب کے وقت کشتی سے نماز کے لیے اترا مبارک خاں لوہانی ایک افغان تیس چالیس افغانوں کو لے کر ملاقات کے بہانے آیا۔ مصافحہ کرنے میں پاس آکر پشت پر ایک خنجر مارا کہ سینے سے پار نکل آیا ایک اور ظالم نے سر پر تلوار ماری کہ کام تمام ہو گیا۔ اس وقت کلمہ اللہ اکبر زبان سے نکلا غرض شہادت جس کا وہ بڑا مشتاق تھا نصیب ہوئی۔ لوگوں نے مبارک سے پوچھا کہ کیا سبب تھا جو یہ غضب کیا؟ کہا کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ [illegible])

سکندر سور نے پنجاب میں گڑبڑ مچا رکھی تھی اکبر نے مناسب سمجھا کہ سب سے پہلے اِس کا قلع قمع کرنا چاہیئے۔ سکندر سوالک کے پہاڑوں میں مانکوٹ میں

پناہ لیے ہوئے صفحہ ۲۷۰ پر ماچھی واڑے کی لڑائی میں ہمارا باپ مارا گیا تھا ہم نے اُس کا بدلہ لیا۔ نوکر جا کر یہ حال دیکھ کر تتر بتر ہو گئے لاش سے خون پڑا بہتا تھا اور کوئی نہ تھا کہ آکر خبر بھی لے۔ اُس بے کس کے کپڑے تک اُتار لیئے گئے۔ اب رحمت ہو۔ ہوا پر کہ خاک کی چادر اُڑھا کر پردہ کیا۔ آخر وہیں کے فقرا اور مساکین نے شیخ حسام الدین کے مقبرے میں کہ مشائخ کبار میں مشہور تھے اور سلطان الاولیا کے خلفا میں سے تھے دفن کر دیا۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن ۱۴ جمادی الاولی ۹۶۸ھ میں ہوا۔ شیخ عبدالقادر بداؤنی نے یہ مصرع بطور تعمیہ تاریخ شہادت میں کہا ہے۔ ع
گفت گلِ گلشن خوبی نماند۔ گل کے اعداد گلشن خوبی سے خارج کرو تو تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ قاسم ارسلان نے یہ تاریخ کہی ہے:۔

بیرم بطواف کعبہ چوں بست احرام — در راہ شد از شہادتش کام تمام
در واقعہ ہاتفے پئے تاریخش — گفتا کہ شہید شد محمد بیرام ۹۶۸

نقل ایک شب دربار خاص میں ہمایوں بیرم خاں سے کچھ کہہ رہے تھے۔ رات زیادہ ہو گئی تھی۔ نیند کے مارے بیرم خاں کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ بادشاہ کی بھی نگاہ پڑ گئی۔ فرمایا۔ "بیرم! من چہ می گویم شما خواب می کنید"۔ بیرم نے کہا "قربانت شوم۔ از بزرگاں شنیدہ ام کہ در سہ مقام محافظت سہ چیز واجب است۔ در حضرت بادشاہان حفظ چشم۔ در خدمت درویشاں نگہداری دل۔ در پیش علما پاسبانی زبان۔ در ذات حضور صفات سہ گانہ جمع می بینم۔ فکری کنم کہ ہم کدام شان را نگہ دارم" اِس جواب سے بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ دہلی میں جو ایک محلہ تیراہہ بیرم خاں (گزر فیض بازار) کے نام سے مشہور ہے وہ بھی بیرم خاں سے ہے۔ بیرم خاں کے حالات تمام تر مولانا آزاد دہلوی کی لاجواب کتاب دربار اکبری سے کچھ مختصر کر کے لکھے گئے ہیں پھر بھی کئی صفحے ہو گئے۔ بیرم خانی دریا کو ہم کوزے میں کیوں کر بند کر دیں طوالت آنکھیں دکھا رہی ہے مگر مولانا کی باغ و بہار تحریر کے اقتباس شدہ بہاروں سے کیوں کر چشم پوشی کی جائے۔ ۱۲

قلعہ بند ہو گیا تھا کہیں چھ مہینے کے محاصرے کے بعد راہ راست پر آیا اور اُس نے اطاعت قبول کی اور بنگال کو چلا گیا۔ اب ہندوستان میں اکبر کے منصب

نوٹ صفحہ ۲۸۰ لے یہ تخت اب تک موجود ہے جو ایک پختہ چبوترے پر اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ زمانہ مابعد میں اس کے گرد باغ اور کچھ نفیس مکانات بنا دیئے گئے تھے جن کا مال مسالا سب ریل کے ٹھیکے دار لے گئے۔ حال ہی میں اس مقام کی نگہداشت کی جانے لگی ہے اور جو کچھ ان لوگوں کی دست برد سے بچ رہا تھا اُسے محفوظ کر کے ایک تختی لگا دی گئی ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مشہور مقام جہاں اکبر جیسا زبردست اور نامور بادشاہ تخت نشین ہوا یہی تھا۔ تاریخ ولادت از مولانا نور الدین:۔

چوں کلک قضا نشاں تقدیر نوشت — آیات ابد را ہمہ تفسیر نوشت

از بہر ولادت شہنشاہ جہاں — تاریخ شہنشۂ جہاں گیر نوشت

ملک الشعرا ابو الفیض فیضی نے تخت نشینی کی یہ تاریخ کہی ہے:۔

للہ الحمد کہ آمد بوجود ✤ آں کہ از کون و مکاں منتخب است ✤ بادشاہے کہ زشاہان جہاں ✤ اکبرش نام جلال الدین لقب است

شب و روز و مہ و سال میلاد ✤ شب یکشنبہ و پنجم رجب است

صحیح تاریخ تخت نشینی کی روز جمعہ نصف النہار ۲ ربیع الثانی $\frac{٩٦٣}{١٥٥٦}$ہ ہے جب کہ اکبر کی عمر چودہ سال کی تھی جس کے پچیس [۲۵] دن بعد ۲۸ ربیع الثانی [۱۱ فروری] چہار شنبہ کو نوروز ہوا اور اسی سے سال الٰہی اکبر شاہی شروع ہوا جس پر میر عبد الحی صدر امین نے یہ بیت پڑھی۔ سہ

اگر نوروز عالم رفت برباد — گل صد برگ سوری را بقا باد

اس میں اگر لفظ گل کو بجائے اضافت کے یا سے پڑھیں یعنی "گلے" تو سنہ جلوس بھی نکلتا ہے اور کام بخش اور مصرعۂ جلوس خداوند عالم پناہ سے بھی ۹۶۲ [۹۶۳]

اور عزیزی نے یہ قطعہ لکھا ہے:۔

از خطبۂ شاہ رفعت منبر شد — وز سکۂ عدل کار ہا چوں زر شد

بنشست بہ تخت سلطنت اکبر شاہ — تاریخ جلوس "نصرت اکبر" شد

۹۶۳

نوٹ صفحہ ۴۰۹ لہ ہیمو بقال۔ تمام مورخ ہیمو کے حال کو بیک اتفاق ...

...تی رہا تب اُسے انتظامات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ٣٠٩ کے سخت عبارتوں میں ادا کرتے ہیں لیکن اِس کی لیاقت اور ترقی کی رفتار میں قلم کو کھینچ کر تعریف کے میدان میں لاتے ہیں اِس میں شک نہیں کہ وہ دلی کے قریب ریواڑی کا غریب بنیا قوم کا ڈھوسر تھا۔ جو بنیوں کا ایک ذلیل فرقہ ہے وہ گلی گلی لونوں لونوں کی آواز لگاتا پھرتا تھا۔ یہ بھی درست ہے وہ بدن کا حقیر صورت کا کم رو آنکھ سے بھینگا یا کانتڑاں تھا۔ لیکن اِس کے چُست انتظام۔ چست تدبیریں اور جنگی فتوحات کو کون چھپا سکتا ہے۔ اِس کے دو صاف کی باتیں اور فتوحات کی حکایتیں ضرور سیاہی کے پردے میں رہیں اور برائیوں نے حرف بحرف سیاہی کا لباس پہنا۔ مورخوں کا یہ اعتراض درست ہے کہ اِس ذات و صفات پر اس نے اکبر کے منہ پر تلوار کھینچی جس کے سر پر سات پشت سے سلطنت کے نشان جھومتے تھے لیکن اِس کا کیا جواب ہے کہ سلطنت کسی کی میراث نہیں۔ ع
ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔ اگر دو تین پشت بھی سلطنت اِس کے خاندان میں رہ جاتی تو ہم دکھا دیتے کہ کتنے خوشامدی مورخ پیدا ہو جاتے وہ اِس کے کارناموں کو کہیں سے کہیں پہنچاتے اور خاندان کے پست سلسلے کو اوتاروں سے جا ملاتے۔ جن قدموں سے وہ ترقی کی سیڑھی پر چڑھا دیکھنے کے قابل ہیں۔ قسمت کی زنجیر اِس کو گلی کوچوں سے کھینچ کر سلیم شاہ کے بازار لشکر میں لے گئی۔ رفتہ رفتہ وہاں دکان کھول لی آدمی رسا تھا بازار کا چودھری ہو گیا۔ سلیم شاہ باوجود جباری اور قہاری کے کمینہ مزاج بھی بشدت تھا اور کم رتبہ لوگوں سے گھل مل جاتا تھا اِسے ہم زبانی کا موقع ملنے لگا۔ شدہ شدہ بازار کا کوتوال بنا چند روز میں مقدمات فوجداری بھی اِس کے سپرد ہو گئے۔ نمک حلال با لیاقت نے اور زیادہ محنت اور ہمت دکھائی۔ بادشاہ سرشور افغانوں سے بے زار تھا۔ اُن کا توڑنا مدنظر تھا۔ اُسے کام کا بوجھ سہارتا دیکھتا تھا اِس لیے خدمتیں دیتا اور منصب بڑھاتا تھا روز بروز صاحب اقتدار ہوتا گیا۔ انتہا یہ کہ جب ہمایوں ایران سے کابل میں آگیا اور کامران بھاگ کر ادھر آیا تو دربار سلیم شاہی سے لاہور تک اُس کے لینے کو گئے۔ سلیم شاہ کے بعد محمد عدلی بادشاہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اکبر کا بچپنا اگرچہ اکبر ابھی کم عمر ہی تھا مگر وہ اپنی بساط سے زیادہ فن جنگ میں تجربہ حاصل کر چکا تھا - اس کا باپ مملکت کے انتظام و ترتیب

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۹) وہ عیش اور بے خبری کو لطفِ زندگی سمجھتا تھا - ہندوستانی لوگ عجیب آفت ہیں - عادل شاہ کو عدلی اور عدلی کو اندھلی کہتے تھے - اُس نے ہیمو کو بسنت رائے بنایا اور اُس کے اختیارات کو اور بھی مطلق العنان کیا یہاں تک کہ وزیر اور وکیل مطلق ہو گیا - ہیمو نے بھی باوجودیکہ ایک بے علم بے حقیقت بنیا تھا مگر لیاقت اور تدبیر کے ساتھ وہ دلاوری دکھائی کہ جس کی اُمید نہ تھی - چنانچہ جب کرّانی سردار دربار سے کنارہ کش ہو کر بنگالے میں جا بیٹھے تو عادل شاہ خود فوج لے کر چنار پر گیا - طرفین نے دریا کے کنارے لشکر ڈالا اور مقابل آن پڑے - ہیمو نے ایک دن کہا کہ اگر ایک حلقہ ہاتھیوں کا اور فوج مناسب مجھے مل جائے تو کرّانیوں کے دھوئیں اُڑا دوں - بادشاہ نے سب سامان دیا اور ہیمو نے اِن کے انبوہ کو تہ و بالا کر دیا - ابراہیم سور عدلی کا بہنوئی تھا اور صاحب فوج و علم و امیر تھا عدلی نے چاہا کہ اُسے گرفتار کر لے - عدلی کی بہن نے اپنے شوہر کو خبر کر دی وہ چنار کو بھاگا - آگرہ وغیرہ مار کر میانہ ولایت کو دبا کر نشان بادشاہی علم کیا - ہیمو فوج جرار اور ہاتھی بے شمار لے کر اس کے تعاقب میں گیا اور کالپی پر بڑا سخت معرکہ ہوا - گو ابراہیم بڑی پامردی سے لڑا مگر ہیمو کے ہاتھوں شکست کھائی - ابراہیم بیانے کی طرف آیا اور لشکر جمع کر کے طیار رہا - ہیمو پیچھے پیچھے آیا - ابراہیم نے دس کوس آگے بڑھ کر میدان کیا - یہاں بھی خوب رن پڑا - مگر قسمت سے کون جیت سکے - ہیمو نے شکست دے کر قلعہ بیانہ میں قلعہ بند رکھا اور اطراف وجوانب میں خوب لوٹ مار مچائی - استے میں عدلی کا فرمان پہنچا کہ بہت بھاری بلا کا سامنا درپیش ہے محاصرہ اٹھاؤ اور جلد آؤ - وہاں محمود کوڑیہ ایک افغان نامی کے ساتھ مقابلہ تھا - در مقام چھپرکٹہ کہ کالپی سے پندرہ کوس ہے دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے - کوڑیہ کے ساتھ افغانوں کی فوج آراستہ - ہاتھی دیو کوہسار اور سامان بے حد و حساب - جب سے ہمایوں آیا تھا اپنے بیچ میں دریائے جمن جاری سے بے فکر پڑا تھا کہ ایک رات ہیمو بے خبر

(بقیہ نوٹ پر صفحہ آئندہ)

جشن منور ہوا کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہو کہ اکبر کی تاریخ نظم شروع سے اُن ۔۔۔ پہنچ چکی تھی - جو بابر اور ہمایوں کے نظم و نسق میں تھے - بابر اور ہمایوں

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۹ کی اُس پر جا پڑا - لطف یہ کہ ہاتھیوں کے حلقے میں جمن پار ۔۔۔ ہو کسی کو جرأت ہوئی نہ ہاتھ ہلانے کی مہلت نہ دی - افغانوں کا یہ عالم ہوا کہ سر کو پاؤں کا ہوش نہ جوتی کو پگڑی کا - بھاگے ڈوبے - قتل ہوئے اور کوڑیہ بچا را تو ایسا گیا کہ پھر پتہ ہی نہ لگا - ساتھ ہی اِس کا بیٹا لشکر بے شمار جمع کر کے عدلی پر چڑھ آیا اور میدان جنگ میں عدلی کو مار کر اپنے باپ کے پاس پہنچا دیا - اب ہیمو خود صاحب فوج و لشکر ہو گئے - چغتائی مورخ بنئے کی ذات عزیب سمجھ کر جو چاہے سو کہیں مگر اِس کے قواعد بندوبست درست اور احکام ایسے چست ہو گئے تھے کہ پتلی دال نے گوشت کو دبا لیا - افغانوں میں جو با ہم کشاکشی اور بے انتظامی رہی اُس میں ہیمو ایک جنگی اور با اقبال راجہ بن گیا - ممالک مشرقی میں اِس سال مینہ نہ برسا بڑا سخت قحط پڑا - دہلی آگرے کے اطراف شہروں میں قیامت آ رہی تھی - ڈھائی روپیہ سیر مکئی کا نرخ تھا اور وہ بھی ہاتھ نہ آتی تھی - ہیمو کی لیاقت اور حسن تدبیر کہ اِس حالت میں بھی اُس نے سپاہیوں کی خور و نوش کا وہ انتظام رکھا کہ ہزاروں جنگی ہاتھی سب چاول اور گھی شکر کے ملیدے کھاتے تھے - سپاہیوں کا تو کیا کہنا ہو - جب خدائی آفت آتی ہو تو ہر طرف سے انسان گھر جاتا ہو - عدلی افغان تو آگرے سے لشکر لے کر نکل گیا اِدھر اُدھر اپنے رقیبوں کو دباتا پھرتا تھا - قلعہ میں ایک افغان سردار آیا کہ رسد اور سامان جنگ کا بندوبست کرے سامان کی موجودات لیتا تھا ایک دن صبح کا وقت چراغ لیئے حجروں کو دیکھتا پھرتا تھا کہیں چراغ کا گُل جھڑ پڑا - کوٹھے باروت کے تھے یا پہلے اِن میں باروت بھری ہوئی تھی کہ پل کے پل میں آدھا قلعہ اُڑ گیا - پتھر کی سلیں - ستون - محرابیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دو دو کوس پار کہیں کی کہیں جا پڑیں - ہزاروں آدمی اور جانور اُڑ گئے - اِسی زمانے میں اکبر کے قدم مبارک ہندوستان میں پہنچے جب یہ بلائیں مع ۔۔۔ دلیلیں ٹکڑوں میں چنگیزی آئین چلا آتا ہو کہ امرا سے سپاہی تک دونوں ۔۔۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

[illegible] ہونے کے فاتح تھے اور کوئی بات ان سے ظہور میں [illegible]

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۹} بادشاہی دسترخوان بچھتا تھا جس پر دوست دشمن کی تمیز نہ تھی۔ سب کو برابر کھانا کھلاتے تھے۔ شیرشاہ نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا تھا۔ ہیمو ہندو دھرم تھا وہ بھی ایک وقت سب کو کھانا دیتا تھا۔ ہیمو کی ذات کچھ ہی ہو مگر اُس کے کارنامے بہ آوازِ بلند نقارے بجاتے تھے کہ وہ اپنی ذات سے عالی ہمت۔ حوصلے والا اور آقا کے لیے مستعد خدمت گزار اور چست خدمت گار تھا۔ بند و بست اور انتظام۔ چستی اور چالاکی اُس کی طبیعت میں داخل تھی۔ محنت اور عرق ریزی سے دلی شوق رکھتا تھا۔ افسوس کہ اکبر اُس وقت لڑکا تھا اگر ہوش سنبھالا ہوتا تو ایسے شخص کو ہرگز اس طرح ہاتھ سے نہ کھوتا۔ اسے رکھتا اور دلاسے سے کام لیتا۔ وہ جوہر نکالتا اور عمدہ خدمتیں کرکے دکھاتا جن سے ملک کو ترقی اور بنیادِ ملک کو استحکام حاصل ہوتا۔

ہیمو کی ہمت کی ناکامی کے اسباب یہ تھے۔ بادشاہی لشکر کی کمی اور کم سامانی اور اُس کے مقابل میں ہیمو کے لشکر کی کثرت اور فراوانی دستگاہ پر نظر کرکے خان زماں کی اِس فتح یابی پر لوگ حیرت کی نظر سے دیکھیں گے لیکن زمانہ شناس اور صورت حال کے نباض صاف کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیوں کہ ہیمو باوجود ساری باتوں کے ایک بڑے نکتے سے غافل تھا۔ اسے سمجھنا چاہیے تھا کہ میں کس لشکر اور کن لشکریوں سے کام لے رہا ہوں۔ یہ نہ میرے ہم قوم ہیں نہ ہم وطن نہ ہم مذہب جو کرتے ہیں یا کریں گے یا پیٹ کی مجبوری یا اُمیدِ انعام یا جان کے آرام کے لیے کرتے ہیں۔ اور میری میٹھی زبان۔ خوش خوئی۔ دردخواہی اور محبت نمائی اِس کا جزوِ اعظم تھا۔ پھر یہ ساری باتیں عارضی ہیں۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ اِس کی فتح ہماری اور ہماری قوم کی فتح ہے اور ہم مر بھی جائیں گے تو ہماری اولاد اِس کامیابی کی کمائی کھائے گی فتوحات کے مشتاق اور ہمت والے مہاجن کو جن باتوں نے بھلاوے میں ڈالا وہ کیا تھیں؟ (۱) خزانہ وافر شیرشاہ اور سلیم شاہ کا اپنے قبضے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

یک ہند کے مختلف مذاہب اور عقائد کے فرقوں کا جو ایک دوسرے سے مغائر اور مخالف تھے کبھی خیال بھی نہ آیا۔ ان میں میل جول۔ اتفاق سے مجالست و یک جہتی کی اسی طرح

بقیہ نوٹ صفحہ (۳۰۹) میں تھا (۲) ہزاروں بھوکوں کا انبوہ گرد رہتا تھا۔ (۳) بہت سے خوشامدی اور پیٹ کے بھوکوں کی خوشامد اور جاں نثاری کے دعوے۔ یہ سب باتیں معمولی اتفاقات زمانہ تھے کہ جن سے ہوا بندھ گئی تھی اور دوں پر رعب بیٹھ گیا تھا وہ اس چہار کی روشنی کو اقبال کار و زر روشن سمجھ کر بے نیاز ہو گیا اور ایسے سخت حکم دینے لگا جنہیں سرشور پٹھان برداشت نہ کر سکتے تھے۔ شیر شاہ اور سلیم شاہ بھی سخت خدمتیں لیتے تھے لیکن یہ تو سمجھو وہ کون تھے جن کی سلطنت اپنی قوم کی سلطنت تھی۔ ایک بنیئے کی میزبانیاں جسے چار دن پہلے بازار لشکر میں پرچون بنیئے کی دکان لگائے دیکھ چکے تھے۔ کون اٹھائے اور کیوں اٹھائے خصوصاً جب کہ وہ بکرماجیت بن جائے۔ وہ پیٹ کے مارے اگرچہ کچھ نہ کر سکتے تھے مگر دل سے دعائیں کرتے تھے ع۔ خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ آخر وقت پر اس کا نتیجہ نکلا کہ سب پہلو بچا کر الگ ہو گئے۔ (ملخص از دربار اکبری) ہیمو کے قتل کا واقعہ روز پنجشنبہ ۲ محرم سنہ ۹۶۴ھ میں ہوا۔ ہیمو نے جو مال و متاع شیر شاہ سلیم شاہ اور عدلی شاہ کے زمانے میں فراہم کیا تھا سب لوٹ کھسوٹ میں غارت ہوا اسی وجہ سے اس واقعہ کی تاریخ نثار زر ہا ہوئی اور تاریخ کا شعر یہ ہے

دبیر صنع بر لوح بقا با خامۂ قدرت ۔۔۔ رقم زد بہر سال طبع او بگرفت ہیمو را

کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں پندرہ سو ہاتھی۔ خزانہ و مال و اسباب بے حساب ہاتھ آیا مقتولین کے سروں کا ایک مینار بنا کر کھڑا کیا تھا ہیمو کے قتل کے متعلق مختلف اقوال ہیں کوئی کہتا ہے کہ اس کا سر بیرم خاں نے قلم کیا کوئی کہتا ہے کہ نہیں اکبر نے خود بداؤنی کہتا ہے کہ اکبر نے اپنی شمشیر کو ایک مرے ہوئے شخص کے خون میں آلودہ کرنے سے انکار کیا ابوالفضل فیضی اور صاحب تاریخ داؤدی یہ سب بھی اسی امر پر متفق ہیں کہ اکبر نے خود نہیں مارا۔ لیکن جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ اکبر نے اپنے کسی درباری کو اس کا سر اتار لینے کا حکم دیا۔ احمد یادگار کہتا ہے کہ اکبر نے ہیمو کے ناپاک جسم سے اس کا سر جدا کیا۔ ڈی لاؤٹ بھی اسی سے اتفاق کرتا ہے کہ یہ "فعل قبیح" اکبر نے اپنے ہاتھ سے کیا۔ مسٹر سمتھ نے احمد یادگار اور ڈی لاؤٹ کے اقوال کی تائید میں ایک بڑا مضمون رائل ایشیاٹک سائٹی کے جرنل سنہ ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ دشمن کا سر کاٹ لینا خواہ وہ بیرم خاں نے کاٹا ہو یا خود اکبر نے فعل قبیح کے کریہ الفاظ سے کیوں تعبیر کیا گیا ایسے واقعات تو اس وقت بادشاہوں کو پیش آتے ہی رہتے ہیں اور حال کا مہذب زمانہ بھی اس سے بدتر فعل کا مرتکب رہا ہے جیسا کہ ہم نے جنگ یورپ میں دیکھ لیا کہ زار روس کی کیا حالت نہ بنی اور اس کے کنبے والوں سے کیسا وحشیانہ برتاؤ کیا گیا کہ تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ۱۲

پھونکھیں۔ اکبر کو نہایت ہی تعجب تھا کہ یہ کیا ماجرا تھا کہ ہمایوں ایک ہی جھٹکے میں اپنی ساری کمائی کھو بیٹھا اور ایک بہت تھوڑے عرصے میں سارا ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ بابر کے پوتے کے سر اس بات کا سہرا تھا کہ وہ بات کی تہ اور مدعا کی جڑ تک پہنچ گیا۔ اکبر کے اوائل زمانِ سلطنت میں جب کہ سارا کاروبار بیرم خاں کے ہاتھ تھا اور وہی بالکل سیاہ و سفید کا مالک تھا یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ بالکل بیکار بیٹھا تھا۔ نہیں۔ بلکہ وہ ان معاملات پہ کافی غور کرتا رہتا تھا اور آخر کار وہ اس صحیح نتیجے پر پہنچا کہ اگر میں اس خاندانِ مغلیہ کی بقا اور استحکام چاہتا ہوں تو مجھے اس مخلوقِ عالم کا جن کو خالقِ اکبر نے میرے سپرد کیا ہے حقیقی معنوں میں باپ بننا چاہیئے اور اس ضمن میں مجھے اپنی جڑیں مضبوط گاڑنی چاہئیں۔ اور یہی وہ باتیں ہیں جو اس سے پہلے کسی بادشاہ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئیں۔ غرض یہ کہ اکبر کو اس بات کی دھن لگ گئی کہ ملک میں اتفاق پیدا کرنا۔ اختلاف کے جملہ اسباب کو دور کرنا۔ عقائدِ مختلفہ اور کالے گورے کے امتیاز کو مٹانا اور جس طرح ممکن ہو اس وسیع سلطنت کو مستحکم کرنا اور سب سے بڑھ کر خلق اللہ کو جن کی تقدیریں میرے دامنِ دولت سے وابستہ ہیں خوش حال و فارغ البال رکھنا۔ ایک باخبر بادشاہ کے یہی اہم فرائض ہیں اور یہی وہ سب مشکل امور اور شان دار ذمہ داریاں تھیں جن کا بھاری بوجھ اکبر نے اپنے سر لیا۔ بیرم خاں کا اقتدار حد سے بڑھ گیا تھا مگر اس پر بھی اس کی اُمنگ کی کچھ حد نہ تھی اس کے مزاج میں روز بروز نخوت اور خود سری بڑھتی جاتی تھی۔ اس کی سخت گیری اور کج خلقی سے سارے امرا بد دل ہو گئے تھے بلکہ دشمنی کرنے لگتے تھے۔ جب تک کہ ملک میں ایک دانش مند اور تجربہ کار سپہ سالار کی ضرورت تھی بیرم خاں کا وجود بلکہ حفظِ امن قایم رکھنے کے لیئے لازمی تھا کیوں کہ بیرم خاں ہی ایک ایسا شخص تھا جو لشکر کو اپنی مٹھی اور قابو میں رکھ سکتا تھا لیکن اب جب کہ ملک میں چاروں طرف امن و امان کا سکہ بیٹھ گیا تو درحقیقت بیرم خاں کی ضرورت باقی نہ رہی اور اس کی وہی پالیسی جو پہلے قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اب جابرانہ اور ظالمانہ سمجھی جانے لگی اور اس کے سارے کام خود غرضی پر محمول ہونے لگے۔ بیرم خاں نے اکبر کو کئی موقعوں پہ ناخوش کر دیا تھا کچھ تو اکبر کا دل بیرم خاں کی زیادہ از ضرورت حکومت

اور بیاگی سے پھٹ گیا تھا اور اس کے علاوہ محلات کی طرف سے بھی دباؤ پڑنے لگا تھا جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو اکبر نے بھی دل میں ٹھان لی کہ کسی نہ کسی حکمت سے بیرم خاں کی سخت گرفت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیئے۔ اب وہ زمانہ تھا کہ اکبر کو بذات خود سلطنت کی پوری قابلیت حاصل ہو چکی تھی اور اسے اس بات کی ضرورت باقی نہ تھی کہ کسی کا سہارا ڈھونڈے۔ اس لیئے اس نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر اعلان کر دیا کہ ما بدولت نے امور سلطنت اپنے دست قدرت میں لے لیئے ہیں اور ہمارے احکام کے سوا اور کسی کے احکام واجب التعمیل نہیں ہیں۔ بیرم خاں کو اپنے حقوق سابقہ کا غرہ تھا اور سر میں اور بڑی ہوا بھری ہوئی تھی خلاف توقع اپنی بے اختیاری دیکھ کر اس نے علم بغاوت بلند کیا لیکن امرا میں سے کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا مگر پھر بھی اس نے کچھ فوج جمع کر کے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ گو وہ کتنا ہی بڑا پولیٹیشن ہو مگر اکیلا کر کیا سکتا تھا۔ اگرچہ اکبر ابھی کم سن تھا مگر مقابلہ ایک کہنہ سال تجربہ کار سے آن پڑا اکبر کو ناچار خود جانا پڑا۔ خلاصہ یہ کہ بیرم خاں کو شکست ہوئی جو ہونی بھی چاہیئے تھی۔ بیرم خاں شکست کھا کر پہاڑوں کی طرف بھاگا لیکن گرفتار کر کے یہ بڈھا نوجوان بادشاہ کے حضور میں لایا گیا۔ بادشاہ اپنی عالی ظرفی کو کام میں لایا اور اس کی دیرینہ خدمات اور سابقہ جاں نثاریوں کا خیال کر کے اس کی خطا اپنی دریا دلی سے بخش دی اور بڑی عزت و احترام سے اسے مکہ معظمہ جانے کی رخصت دی۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص برسر اقتدار ہوتا ہے تو جہاں ہزاروں بہی خواہ ہوتے ہیں وہیں دشمن بھی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے شخص کا چپ چاپ نکل جانا آسان بات نہ تھی۔ اس کو اس کے ایک دیرینہ دشمن نے جس کا باپ اس کے ہاتھ سے چند سال پیشتر مارا گیا تھا۔ خنجر بھونک کر ختم کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۵۶۱ء میں ہوا۔ اکبر نے اس طرح بیرم خاں کی زبردست گرفت سے نجات پائی لیکن حق بات یہ ہے کہ وہ اولوالعزم شخص تھا جس نے اکبر کو اس کے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت دلوائی جو اس وقت ایک چیونٹیوں بھرا کباب تھی۔ یہ اسی کا دل و دماغ تھا اور اسی کی بہترین خدمات کا نتیجہ تھا کہ اس قدر جلد اس نے ملک میں امن و امان قایم کر دیا اور یوں سمجھو کہ چپکے پکائے کھانے کا خوان اپنے آقا کے سلطنت کا دستر خوان پر رکھ دیا۔ ہم اس معاملے میں نہ اکبر کا قصور پاتے ہیں نہ بیرم خاں کی خطا۔ اکبر کو

ایک نہ ایک دن زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینا ہی تھا۔ لیا اور خوب کیا کہ لیا۔ بیرم خاں کبھی نہ بگڑتا مگر دشمنوں نے کچھ ایسی لگائی بجھائی کی کہ بادشاہ کا دل اس وزیر باتدبیر سے پھاڑ دیا اور اس کی خرابی اور آبروریزی کے درپے ہو گئے اور ایسی حالت میں بیرم خاں کو سوائے اس کے چارۂ کار نہ تھا کہ وہ حفاظت خود اختیاری میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دشمنوں کو نیچا دکھائے ورنہ اُس کا دلی منشا اپنے آقا سے مقابلہ و مجادلہ نہ تھا۔ بیرم خاں سے مطلع صاف ہونے کے بعد لوگوں کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں نوجوان بادشاہ کیوں کر امور انتظام سلطنت کو چلاتا ہے۔ نوجوان بادشاہ۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں معلوم ہو جاتے ہیں جو مبصر ہیں ان میں سے کسی کو ذرا بھی شک نہ تھا کہ تخت شاہی پر جو لڑکا براج رہا ہے وہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ اُس کی خداداد قابلیت۔ اعلیٰ درجے کی مہارت فنون سپاہ گری و جنگ۔ بے نظیر تدبر و معاملہ پولٹیکل فراست و کیاست یہ سب صفات اللہ تعالیٰ نے اُس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں۔ اکبر نے اپنی دوراندیشی سے آیندہ کا ایک نہایت عمدہ پروگرام اپنے ذہن میں قرار دے لیا تھا۔ آیندہ کی فتوحات نظم و نسق اور سب سے بڑھ کر وہ امور جن سے کہ سلطنت استحکام پاتی ہے۔ ان ساری باتوں کا پورا پورا خاکہ اپنے ذہن میں جما لیا تھا۔ بیرم خاں کی معزولی کے بعد یعنی ۱۵۶۱ء میں براہ راست سلطنت شروع کی۔ پانی پت کی لڑائی کے پانچ برس کے اندر ہی اندر اکبر نے دلی۔ آگرہ۔ پنجاب۔ اجمیر۔ گوالیار۔ لکھنؤ اور جونپور سب مقامات فتح کر لیے تھے۔ اکبر کی لڑائیاں اور فتوحات کے اگرچہ نہایت عظیم الشان معرکے ہیں لیکن ہم اُن کا ذکر بہت اختصار سے کریں گے کیوں کہ اکبر کو جو عظمت اور نام آوری حاصل ہوئی ہے وہ محض ایک فاتح کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ اکبر کے نام نامی نے اس کے اعلیٰ درجے کے منتظم و مدبر ہونے کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں دوامی شہرت حاصل کی ہے۔

اکبر کی فتوحات کے کارنامے

جب ہم کسی سلطنت کو "سلطنت مختصرہ" کہیں تو اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ سلطنت

یسے فراغ و اطمینان کا تھا جیسا کہ آج کل ہم کو ہندوستان میں میسر ہے۔ اکبر کی ساری طول طویل
ت سلطنت میں کبھی تلوار کو نیام نہیں کیا گیا اور بڑے بڑے امرار کو کبھی آرام سے بیٹھنا
ا۔ ان معرکوں کے حالات سازشوں، قتل۔ بلووں اور جنگوں کے افسانوں سے
بھرے پڑے ہیں۔ اکبر کو اگرچہ غضب کا غصہ تھا مگر اسی کے ساتھ رحم اور عفو بھی پرلے
سے کا تھا اور کبھی اس نے سختی اور بے رحمی کے کاموں پر مبادرت نہیں کی۔
بتہ دیگر امرار اکثر اوقات مغلوں کی جبلی تندخوئی کو کام میں لاتے تھے چنانچہ بدایونی
ی ملا پیر محمد خاں کی اس خوں ریزی سے جو اوائل عہد اکبری میں مالوے میں ظاہر ہوئی
ی سہم گیا ہے۔ ما اکبر کی سلطنت کے زریں کارنامے ان متعدد جنگوں میں نہیں ہیں جو اسی
م کی لڑائیاں تھیں جیسی کہ دنیا جہاں میں ہوتی ہیں بلکہ وہ اکبر کا ذاتی کیرکٹر اور اس کی اولو العزمی
یسی ہے۔ جس کے سبب سے آج اس کا نام نامی مثل آفتاب جہاں تاب کے روشن ہے۔

بنگال میں شیر شاہ ثانی سے مقابلہ

اکبر کو زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیئے ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ اسے بنگال میں شیر شاہ ثانی کی شورشوں کو رفع کرنا پڑا جس نے شورخان واق کے چند لوگوں کی معیت میں بڑی شورش برپا کر رکھی تھی۔ اکبر کے ایک بڑے مور اور معتبر جنرل خان زماں خاں[۵] نے اسے شکست دی لیکن وہ عجب طرح کا

---

۵ امیر الامرا خان زماں علی قلی خان سیستانی و بہادر خاں پسران حیدر سلطان ازبک بودند و ہر دو ادرمان جری پر شجاعت و سخاوت آراستہ وحید رسلطان در ملازمت جنت آشیانی (ہمایوں) امتیاز م داشت و بعد از وے محمد اکبر شاہ بجلدوے نیکو خدمت ہائے او ولایت شرقیہ جونپور را جاگیر ہر دو برادران مقرر داشتہ آخر بانمک حرامی اختیار کردہ فتنہ و فساد در ملک انگیختہ بودند و علم معری بر افراشتند و از بادشاہ باغی شدہ کسان بطلب مرزا محمد حکیم کہ برادر شاہ بود بکابل فرستادہ واعیہ لبہ خواندن بنام او داشتند چنانچہ غزالی مشہدی کہ دراں ایام بخدمت خان زماں خاں ممتاز بود ایں ہ یافتہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وارث ملک است محمد حکیم۔ بنابراں بادشاہ خانخاناں م خاں را ہمراہ اکبر آباد گزاشتہ خود در ماہ جمادی الثانیہ ۹۷۴ھ بر سر محمد حکیم کہ از کابل اہور رسیدہ بود رواں شد۔ چوں ایں خبر بہ او رسید از لاہور گریختہ بکابل رفت و اکبر شاہ بادشاہ ازاں جا مراجعت نمودہ بسر علی قلی خاں و برادرش رواں شد و لشکر کشی نمودہ در ناکہ پور دقیہ زد و بر خود آیند

سہر بہر آدمی تھا کہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ آخرکار اکبر کو خود اس مہم پر جانا پڑا جب کہیں جا کر

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کہ تربیت بسنت کردہ غربی از شہر الہ آباد بفاصلہ دار د رسیدہ بجوار گنگ فرود آمد
علی قلی خان نیز لشکر فراہم آوردہ تا چند روز با پادشاہ محاربہ داشت تا آں کہ بتاریخ غرۂ ذی الحجہ سنہ ۹۷۴
روز دوشنبہ علی قلی خان و برادرش بہادر خاں ہر دو در جنگ کشتہ شدند۔ چنانچہ شیخ ابوالفضل
در دفتر اول اکبر نامہ کہ در سنہ ۱۰۱۰ھ تصنیف شدہ می فرماید کہ ایں فتح شگرف کہ کارنامۂ اقبال
روز افزوں تواند بود در عرصۂ قریۂ سنگرول از مضافات جوے پیاک کہ دریں ایام بخطاب الہ باس
اساس سعادت یافتہ روے دادہ و آں را مصر جامع ساختہ فتح پور نام نہادند۔ و ایں آں فتح پور است
کہ از شہر الہ آباد بفاصلہ شش کروہ بطرف مغرب واقع است بر کنار دریاے گنگ مابین بیگم سرائے
و عالم چند و تاریخ ایں فتح دولت آئیں از عبارت "فتح اکبر مبارک" بر می آید و قاسم ارسلان در وفات
خان زماں و بہادر خاں ایں قطعہ تاریخ بطریق تعمیہ یافتہ است۔ قطعہ۔

قتل علی قلی و بہادر ز جور چرخ ۔۔۔ جاناں سپہر از زمیں بیدل کہ چوں شدہ

جستم ز پیر عقل چو سال وفات شاں ۔۔۔ آہے ز دل کشید و بگفتا دو خون شدہ

در مصرعۂ آخر کلمۂ "آہ" بمعنی یک عدد است کہ اگر از الفاظ "دو خون شدہ" دور کردہ شود تاریخ
بر آید۔ دیگرے گفتہ "قتل دو نمک حرام بے دیں" اگرچہ ایں تاریخ یک عدد زیادہ می شود لیکن چوں ایں
واقعہ در سنہ ۹۷۵ بوقوع آمدہ مضایقہ ندارد و شخصے دیگر ایں تاریخ گفتہ کہ آں ہم یک عدد زیادہ دارد

چوں خان زماں ازیں جہاں رخت بباد ۔۔۔ بنیاد فلک سراسر از پا افتاد

تاریخ وفاتش ز خرد جستم گفت ۔۔۔ فریاد ز دست فلک بے بنیاد

از جملہ اسیران و قتیلان ایں معرکہ یکے خوش حال بیگ است کہ بحسن سیرت و صورت آراستگی
تمام داشت و ایں قطعہ تاریخ اوست :۔ قطعہ

خوشحال کہ بود دیدۂ اہل خرد ۔۔۔ برگشت ز پادشاہ از طالع بد

مقتول چو شد بہ محبت خان زماں ۔۔۔ تاریخ آمد ز گل رخ زیبا قد

از کلام ابوالفضل کہ مذکور شد چناں استفادہ می گردد کہ اکبر شاہ الہ آباد را کہ دراں وقت بہ پیاگ
اشتہار داشت بہ الہ باس موسوم ساختہ بود چنانچہ او می گوید کہ چوں ایں فتح دولت پیراے بود نمود
ہماں روز موکب معلی بسوے الہ باس کہ بعضے صبحے دہقان دراں صد و غبار انگیز فتنہ بودند نہضت
والا فرمود و شادکاماں ساحت آں زمیں بود و مقدس گیتی خدیو صبح دولت و برافت شب دراں
(واقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

ذلیل مغرور

غیر شاہ کی طرح ادہم خاں نے بھی سر اٹھایا۔ یہ بھی اکبری عہد کا ایک بہت بڑا مستند جرنیل تھا جو اکبر کا دودھ شریک بھائی بھی تھا۔ اسے مالوے کی مہم پر باز بہادر کو مطیع کرنے کو بھیجا گیا تھا۔ اس مہم میں ادہم خاں کو پوری کامیابی ہوئی لیکن اس کی نیت بدل گئی۔ سارا مال و اسباب غنیمت دبا لیا اور اس سے بھی زیادہ اس نے ایک ذلیل حرکت یہ کی کہ باز بہادر کی حسین بیوی روپ متی پر دست درازی کرنی چاہی مگر وہ بڑی غیرت دار اور باہمت عورت تھی بپاس حفظ ناموس اس نے اپنی جان دے دی۔ یہ واقعہ بھی اکبر کے کانوں تک پہنچا۔ اکبر کو ادہم خاں کے اس مغلوب پنے پر بڑا غصہ آیا اس کی سرکوبی کو خود گیا۔ مال غنیمت کی نسبت بادشاہ نے کچھ باز پرس نہ کی مگر ان حرکات پر اسے فوراً خدمت سے معزول کر دیا۔ لیکن ادہم خاں کے کان پر جوں نہ چلی اس سے بھی بڑھ کر اس نے یہ جرأت کی کہ اس نے اتگہ خاں الملقب بہ خان اعظم شمس الدین محمد خاں وزیر اعظم کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ اوائل زمانِ سلطنت میں اکبر اپنی رضاعی ماں ماہم انگہ سے ملنے کئی دفعہ دلی آیا تھا۔ یہ وہی ماہم انگہ ہے جس کے اثر سے بیرم خاں وزیر معزول ہوا تھا اور اکبر نے اٹھارہ برس کی عمر میں سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ ماہم انگہ ہی کی خاطر تھی جو ادہم خاں کو مالوے کی کمان ملی تھی۔ اکبر کی ایک دوسری رضاعی ماں کا شوہر اتگہ خاں تھا جسے دادا کہتے ہیں یہی بادشاہ کا وزیر باتدبیر تھا جس پر بادشاہ کو حد درجے اعتماد تھا اور اس کے رسوخ ہی کی وجہ سے ادہم خاں اس سے بہت جلتا تھا۔ ادہم خاں نے آتش رشک و حسد میں اتگہ خاں کو عین دربار میں قتل کر دیا۔ اکبر شور و غل سن کر محل سے نکل آیا اور نصف تلوار نیام سے کھینچ لی اور چاہتا تھا کہ ادہم خاں کے دو ٹکڑے کر دے لیکن پھر سوچا کہ خون میں ہاتھ رنگنا ایک بادشاہ

بقیہ نوٹ (صفحہ ۳۲۵) عرصہ بیان کشائے منزل فرمودند روز سوم روے توجہ بجانب بنارس آوردند چون مردم بنارس از ناموافقی دروازہ جونپور بستہ بودند حکم تاراج شد و بزودی بخشش فرمودند کہ بعد ازاں توجہ را بطرف جونپور انعطاف دادند و بعد چند روز از جونپور کوچ فرمودہ بطرف کنٹرہ مانکپور رفتند و از انجا انفراغ خاطر یافتہ خانی خاناں جاگیر علی قلی خاں بہادر خاں از جونپور و بنارس و غازی پور تا کنار آب جون رجعت بہ منعم خاں خانخاناں تفویض نمودہ او را رخصت بدان صوبہ فرمودند و مرکب ہمایون بدولت و اقبال روز شنبہ ۲ ذی الحجہ سنہ ۹۷۳ھ بصوب مستقر الخلافت توجہ نمودند و سعد محرم سنہ ۹۷۴ھ بطالع اقبال بدار الخلافت آگرہ رسیدند۔ ۱۲

سے کے مرتبے کے شایاں نہیں فوراً تلوار نیام میں کرلی اور ڈانٹ کر پوچھا کہ مردود اتو
یہ کیا غضب کیا؟ - ادہم خاں نے بادشاہ کے سامنے ہاتھ جوڑے اور رحم کا خواستگار
ہوا مگر اکبر نے ایک ایسا مکا مارا کہ وہ چاروں شانے چت جا پڑا - گو اکبر کو ادہم خاں کی
کتنی ہی محبت ہو مگر یہ حرکت اُس نے ایسی زبون کی تھی کہ اس سے درگذر کرنا ممکن
نہ تھا حکم دیا کہ جس مقام پر اس نے شمس الدین اتگہ خاں کو قتل کیا ہے وہیں اسے لے جاؤ اور اسی محل
کے کوٹھے پر سے اسے نیچے گرا دو - پہلی دفعہ کے گرانے میں وہ سخت جان نہ مرا
کچھ جان باقی تھی کہ پھر دوبارہ گرایا گیا جب کہیں اس کا خاتمہ ہوا - تھوڑے ہی دنوں
بعد ماہم انگہ جو اس بیٹے کی موت میں کڑھ کڑھ کر اسی مقبرے میں دفن ہوئی جس میں
ادہم خاں مدفون ہے اور جو پرانی دلی (قطب صاحب) میں ہے - مرزا عزیز[1] کوکلتاش
اتگہ خاں کو باپ کے مناصب بجز وزارت کے سرفراز ہوئے - مرزا کے حالات
زندگی بہت مفصل ہم نے حصۂ دوم میں لکھے ہیں - یہ بھی اکبر کا بڑا منہ چڑھا تھا بعض
بعض وقت یہ بھی بے ڈھنگے ناز کر بیٹھتا اور بات بات پر روٹھ جاتا تھا اس سے بھی بارہا حرکات
نامناسب ظہور میں آئے مگر اکبر ہمیشہ درگزر کرتا رہا اور کبھی سخت سزا نہ دی بلکہ ہمیشہ یہی
کہہ کر ٹال دیا کرتا تھا کہ مرزا کے اور میرے درمیان دودھ کا دریا حائل ہے۔ مرزا نوبت بہ

[1] مخاطب بہ اعظم خان کوکلتاش پسر خورد خان اعظم مشہور بانکہ خاں بود کوکہ و کوکلتاش بر اور رضاعی
را می گویند زیرا کہ اکبر بادشاہ در خوردگی شیر مادر اعظم خاں کہ جیجی نام داشت نوشیدہ بود و با او ہم عمر و ہم بازی
بودہ است در سنہ ۱۰ از جلوس بخطاب اعظم خاں نام بر آمدہ دیپال پور بجاگیر او مقرر شد و در سال ۳۲
از جلوس عقد مناکحت دختر مرزا با شاہزادہ مراد منعقد گردیدہ در سنہ ۱۰۰۰ھ سوء المزاجی بادشاہ بطرف خود دریافتہ الادۂ
حج کرد و با فرنگیان دوستی بہم رسانیدہ از بندر بلاول کہ نزدیک سومنات است بر جہازے کہ بنام الٰہی
با فرزندان خود سوار شدہ بحج رفت - شیخ عبد القادر بدایونی تاریخ روانگی بطرف مکہ یافتہ :- ع

چو پرسیدم بدل تاریخ ایں سال بگفتا میرزا کوکہ بحج رفت
۱۰۰۲

بعد از مراجعت در احمد آباد گجرات سکونت نمود و در انجا سال ۱۹ از جلوس جنت مکانی یعنی جہانگیر بادشاہ در سنہ ۱۰۳۳ھ باجل طبعی مسافر
دار الملک بقا گردید - لاشش را از انجا بدہلی آوردہ متصل روضۂ پدر او خان اعظم آنکہ خان مدفون
ساختند و بر قبر او عمارت عالی کہ شصت و چہار ستون دارد و سرتاپا از سنگ مرمر است تعمیر نمودند
و آں عمارت حالا بچونسٹھ کھنبہ مشہور است - ۱۲

احمد آباد، گجرات اور مالوے کا صوبہ دار ہوا لیکن سدا کسی کی نہ رہی نہ رہے گی اس غریب کے واسطے زوال ستلزمات سے تھا۔ سنہ ۱۵۹۳ء میں اس کے متعلق شکایات کی تحقیقات شروع ہوئی تو سب چھوڑ چھاڑ کہ معظمہ کا رستہ لیا وہاں سے دوسرے برس واپس آیا اور اکبر کے عقائد مذہبی کا پیرو ہو گیا۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد مرزا عزیز کا ایک خط پکڑا گیا جس میں اس نے اکبر ہی کی شان میں زہر اگلا تھا۔ جہانگیر نے اس نمک حرامی کی علت میں اس کے مناصب اور جاگیرات سب ضبط کر لیں اور قید کر دیا۔ سنہ ۱۶۰۸ء میں پھر بہت کچھ سعی و سفارش سے قصور معاف ہوا اور وہی منصب اور مراتب سابقہ پر سرفرازی ہوئی۔ آخر کار سنہ ۱۶۲۴ء میں (۵۸) برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوا اور حضرت نظام الدین کی درگاہ کے پاس چونسٹھ کھمبے کی نہایت نفیس عمارت میں دفن ہوا۔

اکبر پر ایک قاتلانہ حملہ سنہ ۱۵۶۴ء

سنہ ۱۵۶۴ء میں اکبر پھر دہلی آیا اور۔ اس مرتبہ کچھ قدرت خدا ہی کا کرشمہ تھا کہ جان سلامت رہی۔ بادشاہ ماہم انگہ کے مدرسے کے پاس سے گزر رہا تھا جو قلعۂ کہنہ کے سامنے ایک باغی امیر کے کسی ملازم نے ایک تیر کمان میں جوڑ کر آسمان کی طرف اس طرح چلایا کہ گویا اس نے کسی پرند کا نشانہ باندھا ہے۔ بادشاہ کے جلوس میں جو لوگ تھے انھوں نے بھی اس تیر انداز کو دیکھا مگر وہ خالی الذہن تھے سمجھے کہ کوئی شخص شکار کھیل رہا ہے لیکن اس ناشدنی نے دفعتاً بادشاہ ہی پر تیر مارا جو اکبر کے شانے میں لگا۔ تیر کی شان اس پر لوگ ٹوٹ پڑے اور دم کے دم میں اس کی تکا بوٹی کر ڈالی اور اس دارو گیر میں کچھ ایسی گڑبڑ مچی کہ دھکا پیلی میں کئی شخص زخمی ہو گئے شکر ہے کہ وہ تیر زہر آلودہ نہ تھا اور تیر بھی اچٹتا ہوا سا لگا تھا۔ زخم ہلکا سا آیا۔ تھوڑے سے دنوں میں غسل صحت ہو گیا۔ ع۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ سنہ ۱۵۸۱ء میں اکبر کابل جانے کے قصد سے برآمد ہوا اور دلی سے گزرا مگر ایک نحس تارا دیکھ کر اس مہم سے دست کش ہو گیا۔

اکبر نے بہاری مل کی لڑکی سے شادی کی سنہ ۱۵۶۲ء

راجپوت خاندانوں میں شادی کرنے کی بیل ہمایوں نے کی اسی طرح اکبر نے بھی راجپوت راجاؤں کی

بیٹیاں لیں اور اُن کے باپ بھائیوں اور اعزہ اقربا کو بڑے بڑے عہدوں
اور مناصب جلیلہ پر سرفراز کیا۔ یہ وہ پالیسی تھی جس سے ہندو اکبر کے گرویدہ
بن گئے اور بیگانگی یگانگی سے بدل گئی کیوں کہ اس قسم کی قرابت داری سے غیریت کا
پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ سنہ ۱۵۶۲ء میں امبیر (جے پور) کے راجہ بہاری مل کی لڑکی
سے شادی کی۔ بہاری مل کا بیٹا راجہ بھگوان داس اکبر کے بڑے جرنیلوں میں تھا
بھگوان داس کا متبنّی راجہ مان سنگھ ایک بڑے رتبے کا سپہ سالار تھا۔ اکبر کا بڑا

ف۱ راجہ بھگوانداس پسر راجہ بہاری مل کچھواہہ است کہ از عقیدت مندی بپایۂ والا رسیدہ بود و دخترش جودھ بائی نام بعقد مناکحت شاہزادۂ سلیم یعنی جہانگیر بادشاہ درآمدہ و راجہ بھگوانداس پنج روز بعد از وفات راجہ ٹوڈر مل در روز عزای او سوار شدہ بود و پس از مراجعت استفراغ کردہ بعد ازاں حبس بول شدہ بہ ایں درد دوازدہم محرم سنہ ۹۹۸ھ رخت ہستی ازیں جہاں بربست۔ و دراں ایام اکبر شاہ در کابل بود چوں خبر فوتش شنید تاسف خوردہ کنور مانسنگہ را کہ فرزند رشید او بود بخطاب راجگی و منصب والای پنج ہزاری عز امتیاز بخشید۔ ف۲ در تذکرۃ الامرا مرقوم است کہ اول در ششم سال اکبری ہمراہ پدر بخدمت بادشاہ رسیدہ بمنصب سرپا افراختہ در رکاب بسعادت خدمت می نمود و در ایام کنوری در اکثر معارک مصدر جہود نمایاں شد خصوص در سنہ ہفدہم در کارزار گجرات شمشیر ہا زدہ و در سنہ ۲۱ در جنگ رانا پرتاب سنگہ زمیندار اودے پور کارہا بظہور آوردہ چنانچہ ملا عبدالقادر بداؤنی در تالیف خود نوشتہ است ع ہندو می زند شمشیر اسلام۔ و در سنہ ۲۶ ج در تعیناتی شاہزادۂ مراد بہ مقابلۂ محمد حکیم برادر خورد اکبر شاہ کہ دراں ایام سر و بغی پیمودہ بود در صوبہ کابل بحرب صعب پیوستہ ظفریاب گشتہ و در سنہ ۳۰ ج بعد فوت مرزا حکیم برای آوردن واماندہ ہای مرزا بکابل رفتہ و ہمہ را [illegible] آوردہ و در سنہ ۳۱ ج برای تنبیہ افاغنۂ یوسف زئی و بہ نظم کابل مقرر شدہ و در سنہ ۳۲ ج بہ نظم بہار بجای تغیر سعید خاں مباہات اندوختہ در سنہ ۳۴ ج بعد فوت پدر بہ منصب پنج ہزاری و بخطاب راجگی سربلند گردید و در سنہ ۳۵ ج در ایام نظم بہار تردّدات نمایاں کردہ بہ تسخیر ممالک اوڑیسہ مکرر ضرب صعب کردہ و بہ تلاشہای کہ در [illegible] در سنہ ۳۹ ج بہ نظم بنگالہ از تغیر سعید خاں نام برآوردہ و در سنہ ۴۳ ج درجن سنگہ پسر خود را در صف جنگ عیسیٰ زمیندار بہاٹی و [illegible] کہ بحرب صعب پیوستہ بود بکشتن دادہ و در سنہ ۴۴ ج بحضور آمدہ پیش کشی از تحائف بنگالہ کہ در حصر نیاید گذرانید [illegible] صوبہ رفتہ از سنہ ۴۵ ج بنا بر تنبیہ اعدا فیل سوارہ با افواج کثیرہ در آب رود خانہ [illegible] در حلنزدہ باد او بطالع بسلامت گذشتہ و موجب حیرت نظارہ گیاں شدہ [illegible] شدہ در سنہ ۴۸ ج بمنصب ہفت ہزاری بخطاب فرزندی والا رتبہ گشتہ در سنہ ۱ ج جہانگیری بہ مہم دکن رفتہ [illegible] امور عظیمہ ماندہ در سنہ ۹ ج جہانگیری کہ موافق سنہ ۱۰۲۳ھ در آنجا فوت کردہ و بعد ازیں [illegible]

شہزادہ سلیم (جہانگیر) اسی جانی کے تعلق سے ۹۷۷ھ میں پیدا ہوا اور

جہانگیر نامہ مسطور است کہ اگرچہ واہب العطایا اکبر شاہ را پیش ازیں فرزندے چند عطا کردہ بود لیکن چوں
ہمہ در کودکی معدوم ساز گشتہ بودند لہٰذا مدام بدرویشان و گوشہ نشیناں التجامی بردند شیخ سلیم چشتی
بزرگے صاحب حالت در کوہے متصل موضع سیکری کہ حالا بہ فتح پور سیکری اشتہار دارد بسر می بردو مردم
آں نواحی از شیخ موصوف اعتقاد تمام می داشتند چوں آوازہ خدا شناسی و ایزد پرستی و ریاضت کشی شیخ
بسامع بادشاہ رسید چندے از منسوبان ستر اوقات عصمت در آنجا بودہ بامید تولد فرزند در قرب جوار
شیخ کہ کاشانہ داشت بودند و در آں فضائے رفیع محل بادشاہی اساس عالی نہادہ بوارہ از خدا بسیار بخش امید وار
آمدن قدوم دولت افزائی گوہر یکتائی خلافت می بودند تا آں کہ بسال چہاردہم جلوس موافق روز چہار شنبہ
ہفدہم ماہ ربیع الاول سنہ ۹۷۷ھ گوہر یکتائی خلافت در منزل شیخ موصوف از نہاں خانۂ صدف بطون
بساحت وجود قدم نہاد۔ چوں ایں نوید افزا در اکبر آباد بہ مسامع بادشاہ رسانیدند از جملہ آثار شکر کہ
بمعرض تہنیت بظہور آمد آں بود کہ جمیع زندانیاں ممالک محروسہ را از سلاسل قید و مستخلص ساختند و آں
گوہر یکتائے خلافت بمناسبت شیخ موصوف بسلطان سلیم موسوم گردید اما پدرش ہموارہ بہ "شیخو بابا"
مخاطب می ساخت و چوں در آں ایام کہ بادشاہ جویائے فرزند بود معاملہ با ایزد خود رفتہ بود کہ چوں این نیت
بحصول انجامد از ابواب شکر از دارالخلافہ آگرہ پیادہ بزیارت روضۂ متبرکہ خواجہ معین الدین چشتی
کہ سرچشمۂ اولیائے ہند و از مقربان درگاہ الٰہی اندر فتہ لوازم اطاعت ایزدی بتقدیم رسانند۔ چوں آنجناب
گوہر درج خلافت در سال امید آمد ایفائے نذر از شرائط حق گزاری شناختہ در روز جمعہ ۱۲ شعبان سنہ مذکور
از دارالخلافہ آگرہ پیادہ قدم در سعادی مرحلہ پیمائی و بیاباں نوردی نہادند و از راہ فتح پور سیکری در دوازدہ
روز بروضۂ قدسیۂ خواجہ موصوف کہ در اجمیر واقع است و از آگرہ یک صد و چہل کروہ است رسیدند
و مراسم شکر و سپاس بجا آوردند و بعد چندے عمارات عالی بنیاد و مساجد و خانقاہ در آں حواشی طرح انداختہ
اساس عبادت نہادند۔ ولادت سلطان شاہ مراد در سال پانزدہم جلوس شب پنجشنبہ سوم محرم سنہ ۹۷۸ھ
در منزل شیخ سلیم چشتی در فتح پور سیکری بوقوع پیوست۔ اکبر شاہ بجہت مراسم شکر گزاری ایں عطیۂ
عظمی باز عزم زیارت روضۂ خواجہ معین الدین چشتی نہضت بطرف اجمیر فرمودند و روزے چند آداب زیارت
بتقدیم رسانیدند و بعد ریں ایام حکم رفعت اساس بایجاد و احداث حصار شہر اجمیر نفاذ یافت چنانچہ
در عرصۂ سہ سال جمیع عمارات قلعہ و منزل شاہنشاہی صورت اتمام یافت۔ خواجہ حسین مروی در ولادت
ایں ہر دو شاہزادہ ہائے بلند اقبال یعنی سلطان سلیم و شاہ مراد بر تہنیہ رباعی گفتہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اکسی زمانے میں اکبر نے فتح پور سیکری کی بنا ڈالی۔ جہانگیر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کہ از بیت اول اسم سلطان سلیم با تاریخ ولادت و از بیت دوم نام سلطان شاہ مراد با تاریخ ولادت استخراج می یابد و از مجموعۂ ابیات بیتے استخراج یافتہ کہ از مصرعۂ اول تاریخ ولادت شاہزادۂ اول و از مصرعۂ دوم تاریخ ولادت شہزادۂ دوم حاصل می شود۔ تاریخ:-

سلطان	شد دید ز مہر و لطف بے پایاں را	در سیم نمودہ آں سہ دوران را	سلیم
شاہ	دل سوے شہی کشید ز حسن و جمال	از چشم نمود تاز آبرواں را	مراد

(اعداد: ۹۷۷، ۹۷۷، ۹۷۸)

بیت استخراج۔ دی بہر سیم آں سہ دل کش نمود ناز لطف بیاں نمود دراں شہد حسن از دو

مولانا قاسم ارسلان قصیدۂ گفتہ کہ از مصراع اول اسم و تاریخ شاہزادۂ سلیم و از مصراع دوم نام تاریخ شاہزادہ مراد واضح و لائح می گردد و مطلع آں قصیدہ ایں است:-

ز نور پاک چو سلطان سلیم شد نازل — لوائے شاہ مراد ابن اکبر عادل

و ہم خواجہ حسین مروی قطعہ گفتہ کہ از مصرعۂ اول تاریخ ولادت سلطان سلیم و از مصرعۂ ثانی تاریخ تولد سلطان مراد ظاہر می گردد۔ قطعہ

۹۷۷ داد دو شہزادہ بشاہ ایں سپہر — چہرۂ آں ہر دو بہ از آفتاب ۹۷۸

۹۷۷ اول از و ثانی شاہ جہاں — ثانی از و لیبر عالی جناب ۹۷۸

۹۷۷ آں یکے از مین بشاہ سریر — مژدہ رساں بود لبعد فتح یاب ۹۷۸

۹۷۷ آں دگر باعث امن و اماں — مہر زمہ دادہ با و مہد خواب ۹۷۸

۹۷۷ مژدہ کہ مولود زشہ اول است — گفتہ از و مصرعے اول جواب ۹۷۸

۹۷۷ از دو میں مصرعۂ ابیات ہم — مولد شہزادۂ ثانی بیاب ۹۷۸

۹۷۷ باد مدام آں شہ و شہزادہ را — جاہ سکندر فرا فراسیاب ۹۷۸

شاہزادگان سلیم اور مراد سے پہلے بھی اکبر کو دو توام فرزند ۹۷۲ھ میں ہوئے تھے جو ایک مدت کے بعد قضا کر گئے۔ بادشاہ نے ایک کا نام مرزا حسن اور دوسرے کا مرزا حسین رکھا تھا قاسم ارسلان نے ان دو گوہر شاہوار کے تولد کی یہ تاریخ کہی تھی:- تاریخ

شد شاہ یگانہ را دو فرزند خلف — آمد دو گہر ز درج مقصود کلف

وز راں پے تاریخ ولادت بنوشت — بنمود دو ماہ رو ستارۂ اوج شرف

۹۷۲

(بقیہ نوٹ پر صفحہ آئندہ)

[illegible] کے راجہ کی لڑکی رانی

[illegible] فتح پور سیکری سعادت ولادت یافتہ بودند بادشاہ آں موضع را مبارک دیدہ بنیاد عمارت نہادند بناے عالی دراں مقام نہادند واں موضع را پایہ تخت خود گردانیدند چنانچہ [illegible] درعرصۂ چہاردہ سال بازعمارات وباغات ومنازل وجاہاے خوش مکانہا دلکش گردیدہ بعد از فتح گجرات نام ایں موضع را فتح آباد خیال فرمودہ بودند لیکن بزبان عالمیان ہمیں فتح پور اشتہار یافت مسجد فتح پور سیکری - ایں مسجد بر بالاے کوہ فتح پور سیکری است ومسجد شیخ سلیم چشتی مشہور است وشیخ موصوف از نذر و نیاز والی احمد آباد واکبر بادشاہ کہ جہت ولادت جہانگیر مقرر کردہ بود بناے ایں مسجد رفیع در ۹۷۶ھ انداختہ ودر مدت چہار سال در ۹۷۹ھ پیرایہ باتمام پوشانیدہ شیخ عبدالقادر بدایونی تاریخ بنیاد ایں چنیں یافتہ - تاریخ -

هٰذِهِ الْبُقْعَةُ قُبَّةُ الْاِسْلَامِ رَفَعَ اللّٰهُ قَدْرَ بَانِيْهَا
قَالَ رُوْحُ الْاَمِيْنِ تَارِيْخَهَا لَا يُرٰى فِي الْبِلَادِ ثَانِيْهَا

ودیگرے "بیت معمورہ آمدہ از آسماں" یافتہ واشرف خاں میر منشی در تاریخ اتمامش ایں قطعہ گفتہ -

در زمانِ شہ جہاں اکبر — کہ از و ملک را انتظام آمد
شیخ الاسلام مسجدے آراست — کز صفا کعبہ احترام آمد
سالِ اتمام ایں بناے رفیع — "ثانی المسجد الحرام" آمد
۹۷۹

[illegible] جہانگیر نامہ مسطور است کہ ایں عمارتیست عالی واز سیاحاں روے زمیں استماع افتادہ کہ مثل ایں مسجد در ہیچ بلادے از معمورۂ جہاں نیست - عمارتش از سنگ - در غایت صفا اساس یافتہ - پنج لک روپیہ در تعمیر آں صرف شدہ وایں مسجد بر فراز کوہ سیکری طرف جنوب واقع است در غایت ارتفاع ونہایت تکلف ودر مقابل دروازۂ کلاں بسمت شمال مائل بمشرق روضۂ شیخ سلیم چشتی است بلند دروازہ در ۹۸۳ھ تعمیر یافتہ وتاریخ آں ازیں مصرعہ اخراج می باید - ع - شدہ رشک طاق سپہر بلند
۹۸۳

وبہ بالاے دروازۂ مذکور ایں عبارت وابیات بفارسی وعربی منقوش است - کتبۂ فارسی اینست -
حضرت شاہنشاہ فلک بارگاہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ فتح ملک دکن ودان دیس کہ سابقاً مسمی بہ خاندیس بود نمودہ در سنہ ۴۶ الٰہی موافق سنہ ۱۰۱۰ھ بفتح پور رسیدہ عزیمت آگرہ فرمودند -

تا نام زمین و آسمان است — تا نقش وجود در جہان است
نامش بسپہر ہمنشیں باد — ذاتش بجہاں ابد قریں باد

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

جو دفعہ بالی سے کردی - یہ انہیں رستے ناتوں کا ثمرہ تھا [illegible]

بقیہ (نوٹ صفحہ گذشتہ) بلندی ایں دروازہ ۱۲۹ است - و جائے کہ پیش دروازۂ کلاں یا [illegible] عالی ذیب افزائے سپہر بود اعتضاد الدولہ نواب اسلام اللہ خاں صوبہ دار بنگالہ آنرا تعمیر ساختہ بود کہ ہمشیرۂ ابوالفضل بود منکوحۂ اوست و مادر نواب اکرام خاں و روضۂ لاڈلی بیگم در اکبرآباد واست و محل فتح پور سیکری تعمیر ساختۂ نواب اکرام خان است کہ ہنوز آں مکان با تمام نرسیدہ بود کہ بانیش فوت کرد و ایں تاریخ مکانست :-

سالِ تاریخش چو پرسیدم ز عقل
گفت زیبا منزلِ اسلام خاںؒ

شیخ سلیم چشتی پسر شیخ بہاء الدین از اولاد شیخ فرید الدین گنج شکر است - شیخ در ۸۸۴ھ متولد شدہ و کلمۂ نجم معرفت تاریخ ولادت اوست - مدت العمر روز کاطی می نمود در کوہے متصل موضع سیکری ابسر می برد - سہ مرتبہ حج رفتہ و سال تشریف آوردن او از حج بہ موضع سیکری ۹۴۵ھ است چنانچہ تاریخ آں دریں مصرع یافتہ اند - ع - ماہِ اوجِ شرف بہند آمد - اکبر بادشاہ با ایشاں اخلاص و اعتقاد بسیار بود - عمرے دراز یافتہ در ۲۷ رمضان ۹۷۹ھ انتقال نمود - شیخ ناجی تاریخ وفات حضرت موصوف است - روضۂ او بالائے کوہ فتح پور سیکری در مقابل بلند دروازہ بسمت شمال مایل بہ مشرق واقع است - کتبہ بر مرقد شریف -

تاریخ وفات شیخ الاسلام شیخ سلیم چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

مغیث ملت و پیر طریق شیخ سلیم
کہ در کرامت و قربت جنید و طیفور است

منور است از و شمع خانوادۂ چشت
فرید گنج شکر را خلف ترین پور است

دو بیں مباش ز خود فانی و بحق باقی
کہ سال رحلتش اندر زمانہ مشہور است

(اس تاریخ میں دراصل چار شعر ہیں لیکن اس مقام پر صرف تین ہی شعر لکھے ہیں تیسرا شعر تحریر نہیں ہے)

کسے کہ جرعہ کشِ بادۂ محبت اوست
ہزار کرد تہی خم ہنوز معمور است

دیگر - چو با سالکم کنی از بن کز آں بے دوئی آید
خرد گوید سن رحلتش خود فانی بحق باقی

از مجمع الواصلین - عارفے بے نظیر شیخ سلیم
مرشد و رہنمائے ہفت اقلیم

از صوم بست و ہفتم بود
کہ بخلدش ز دہر نقل نمود

سال ترحیل آں ولیِ کریم
ہاتفم گفت بدر خلد سلیم

در فتح پور بر بلندی کوہ
مرقد اوست با علو و شکوہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

مکمل سنت میں اکبر محل راجپوتانے کا مالک اور اودے پور کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴۱) از تذکرۃ الشعرا تصنیف محمد افضل سرخوش :-

حقیقت ملت و دیں شیخ اسلام آنکہ در تربت ۔۔۔ زشبلی و جنید ار باز پرسی گو بہت ثانی

ربود از عرصۂ دنیا ے دوں گوے کمالیت ۔۔۔ ز درویشاں بدرویشی ز سلطاناں بسلطانی

فنا از خود بقا باحق بود معلوم درویشاں ۔۔۔ ازاں شد سال تاریخش بحق باقی ز خود فانی

فتح پور سیکری کی نہایت مکمل اور بہترین تاریخ "آثار اکبری" محمد سعید احمد صاحب مارہروی نے لکھی ہے۔ شائقین اُسے ملاحظہ فرمائیں۔

(نوٹ صفحہ ۳۳۴) سلہ جودھ بائی چندر بنسی خاندان کی راج کنواری اور خاندان تیموریہ کے ایک شاہنشاہ کی پاٹ رانی ہونا ایک نادر الوقوع قرآن السعدین ہے کہ مسلمان دولہا اور ہندو رانی۔ رانی جودھ بائی ایک ہندو شاہی خاندان کی راج کنواری تھی مگر ایک مسلمانی شاہنشاہی خاندان میں بہو بن کر آئی تو اُس نے اس مذہبی تباین کو اس حسن خوبی سے نبھایا کہ جو ایک نہایت فرزانہ اور نیک باطن بی بی کا حق ہے۔ یہ شادی ہندو مسلمانوں کے باہمی پولیٹیکل اور سوشل تعلقات کے لحاظ سے بہت قابل یادگار ہے۔ اپنی ہم رتبہ رانیوں کی طرح اس دانش مند رانی کا وجود مسعود بھی ان دو متضاد قوموں کے بیچ میں ایک ایسا حلقہ بن گیا تھا جو دو زنجیروں کو آپس میں ملاکر ان کی قوت کو دو چند کر دیتا ہے۔ افسوس کہ جو مفید اور خوش گوار ارتباط و اعتبار کئی سو برس تک ہندو مسلمانوں کو بے انتہا فائدہ پہنچاتا رہا وہ اب ناسمجھی اور خود غرضی کے ہاتھوں کیسا رائگاں ہو رہا ہے۔ جودھ بائی والی جودھ پور کی بیٹی اور راجہ مالدیو کی پوتی تھی۔ ان کا خاندان راٹھور راجپوتوں کا بہترین خاندان ہے۔ رانی کی تاریخ ولادت اور مبلغ علم دونوں کا حال معلوم نہیں۔ ہاں جودھ بائی کے جو حالات گوش زد ہوئے اور اس کا طرز عمل صاف بتلا رہا ہے کہ وہ جاہل محض نہ تھی بلکہ اعلیٰ درجے کی شائستہ سلجھی ہوئی سمجھ کی تیز طبیعت اور حاضر جواب تھی۔ ذکاوت کے ساتھ طبیعت میں چلبلاپن اور متانت میں گندھی ہوئی شوخی بھی تھی وہ نری نور کی پتلی نہ تھی بلکہ ناز انداز اور کرشمہ سب کچھ اس میں تھا جو اپنی حریف غالب نورجہاں بیگم جیسی فرزانہ و مشہور زمانہ سوکن کی مدِ مقابل تھی۔ معیار تعلیم ممکن ہے کہ کم ہو مگر تہذیب اور تربیت میں کسی بات کی کمی نہ تھی۔ یہ رانی اکبر جیسے اولوالعزم شاہنشاہ کی بہو اور جہانگیر کی بی بی تھی۔ یوں تو تیموری خاندان میں کئی رانیاں بیاہ کر آئیں مگر جس مان منت - (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

رانا کو چھوڑ کر سب راجپوت راجاؤں کا شاہنشاہ بن گیا

(بقیہ نوٹ صفحہ (۳۳۴) چاؤ چونچلوں سے یہ راج کماری آئی کسی کو بات نصیب نہ ہوئی۔ رانی جودھ بائی تو رسے سہرے پنچوں کی دی ہوئی ایسی بہو تھیں کہ جن کو گھر کی ٹھہ کہتے تھے۔ شہنشاہ ذی جاہ اکبر اعظم نے خواستگاری کی اور مساوات کے برتاؤ کا وعدہ کیا راجہ نے عزت افزائی سمجھ کر بخوشی قبول کیا۔ جہاں پناہ بنفس نفیس مع شاہزادگان والا تبار و امرائے نامدار برات چڑھا کر جودھ پور تشریف لے گئے۔ مہان اور میزبان دونوں والا شان۔ اکبر کے کیسے جلال شادی کی چہل پہل اور گہما گہمی سے جنگل میں منگل ہو گیا اور راجستان کا ریگستان گلزار ارم بن گیا۔ راجہ نے بھی بڑا ٹھاٹ کیا۔ قرب جوار کے رجواڑوں۔ بھائی بھتیجوں اور تمام برادری کو مدعو کیا اور کئی دن تک دو طرفہ جشن شاہانہ اور دھوم دھام کی دعوتیں رہیں۔ راجہ کے محل میں عظیم الشان منڈھا چھوایا گیا جس کا طلائی کلس کوسوں سے جھلکتا نظر آتا تھا۔ اسی منڈھے میں اس انمول جوڑے کی ریت رسمیں ہوئی۔ وہی منڈھا ہے جو آج تک چلا آتا ہے اور ڈومنیاں گاتیں اور گھر والوں کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہیں۔ وہ یہ ہے:۔

ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل — نیکا منڈھا چھواؤ رے
پربت بانس منگا مورے بابل — بانوں منڈھا چھواؤ رے
سگنی نجومی جوتشی — سب ہی نیگ بلاؤ رے
جیسی لاڈلی بیٹی رے بابل — ویسا ہی کاج رچاؤ رے
منڈھے اوپر کلس براجے — ویسے رکھے راجہ رائو رے
ستک ہاتھی سو بھا دینا — بابل دل دریاؤ رے
سونا بھی دینا روپا بھی دینا — دینا جہات جڑاؤ رے
ایک نہ دینی سر کو رے کنگھی — میری ساس تند بولی بول رے
نو مہینے گرب میں رکھا — آج نہ راکھی جائے رے
بھائی کو دینی اونچی اٹریا — ہم کو دینا بدیس رے
رے بابل گھر آپنا — ہم تو چلے پیا کے دیس رے
تمہاری رے بیٹی تمہارے محلوں کی چیری — ہم باندی غلام رے
تمہاری رے بیٹی تمہارے محلوں کی رانی — تم صاحب سردار رے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

[illegible] کہ اس وقت ازبکوں کا معرکہ درپیش تھا اور اس کے بندوبست میں

[illegible] (۴۴۴) اس شادی میں دونوں قسموں کی یعنی ہندوانی اور مسلمانی رسمیں ادا کی گئیں جب رخصت کا وقت آیا اور دولہن کو پالکی میں سوار کیا تو دولہن کے باپ نے حسب قاعدہ بہت عجز و انکسار کے الفاظ کہے اور بادشاہ کی تشریف لانے اور اعزاز و احترام سے بیاہ کے جانے کا شکریہ ادا کیا۔ اکبر نے اس عقیدت و وفاداری کا نہایت تلطف آمیز جواب دیا منڈے کے آخری بند میں انھیں سوال جواب کی طرف اشارہ ہے۔ کیا سماں ہے کہ دولہن پالکی میں سوار باہر دولہا اور دونوں سمدھی کھڑے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہو سکتی ہے کہ اکبر نے پالکی کا (پالکی کی طرح کی ایک سواری ہے جو تزک شاہی میں داخل تھی جس کے چار ڈنڈے ہوتے تھے اور ہر ڈنڈے میں چار کہار لگتے تھے۔ اس پر سونے کا کلس ہوتا تھا اور کچھ رتھ سے ملتی جلتی تھی۔ یہ سواری بادشاہ کی بیگمات اور بہو بیٹیوں کے لیے مخصوص تھی اور بڑی عزت کی سواری سمجھی جاتی تھی۔ وہ انھیں اسی میں آتی جاتی تھیں) ڈنڈا خود اٹھایا اور دوسری طرف بیٹے کو لگایا بادشاہ کا جھکنا تھا کہ امرا ٹوٹ پڑے اور کندھا دینے میں سبقت کرنے لگے۔ کہاروں بیچاروں کی نوبت نہ آئی کہ پالکی ہاتھوں ہاتھ شاہی کیمپ میں جا پہنچی۔ اللہ رے رانی جودھا بائی کی خوش اقبالی کہ جس بادشاہ کی شمشیر آبدار کے سامنے چاند اور سورج سر جھکاتے تھے (یعنی چندر بنسی اور سورج بنسی خاندان) یہ لڑکی اس کے کندھے پر سوار ہو۔ العظمۃ للہ۔ جہیز کا کیا پوچھنا ہے۔ بے حد و شمار تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اور لوازمات کے ساتھ لونڈیاں۔ باندیاں۔ چیریاں۔ مگانیں۔ نائنیں وغیرہ وغیرہ مختلف اہل خدمات کا ہجوم غفیر تھا۔ پھر سہیلیاں اور ٹھاکر زادیاں اس پر طرہ۔ یہ بجائے خود ایک چھوٹا لشکر تھا اور کیا تھا جو نہ تھا۔ رانی جودھا بائی کے محل کی عالی شان سر بفلک عمارت اب بھی فتح پور سیکری کی بہترین عمارت ہے۔ یہ شادی خانہ آبادی نہیں بلکہ ملک کی آبادی ایسی تھی کہ اس کی یادگار میں آج تک عورتوں کی زبان زد یہ گیت چلے آتے ہیں۔ (۱) مسکی ری مورا نبرا [illegible] آیا سلطان انجو (۲) میں تو تمہارے ڈیرے آئی رے جلال (جلال مخفف ہے جلال الدین کا جو اکبر کا نام تھا) دوسرا گیت تمام ساچوتانے میں آج تک گایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے واقعات کی یادگاری میں گیت بنا لینا ہندوستان کا رواج ہے۔ چنانچہ جب [illegible] دکن کے ارادے سے عالمگیر بادشاہ دکن گئے اور وہاں کے مقام سے الساطول پکڑا کہ بار برس گزر گئے [illegible] اپنے اپنے [illegible]

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

معروف تھا اور دوسری طرف اُسے پنجاب جانا پڑا کہ وہاں اُس کے سپرد تھے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۴) سخت بے چین ہوئے اُن پر آسے لیے کے تقاضے شروع کیے تو انھوں نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ اس نامہ و پیام کے مضمون کو کس درد بھرے لہجے میں اس ہندی کے گیت میں ادا کیا ہے:۔

دلی شہر سہاونا اور کیچن بسے نیر	سب کے کنت بجور کے لے گئے عالم گیر
صاحب کی بنتی کرو اور من میں لکھو نیر	اب کے بچھڑے جب ملیں جب پلٹیں عالم گیر

دلی میں برسات کے موسم میں ایک ملا لگایا جاتا ہے اُس میں بھی دلی والی بیویوں کے اسی زمانے کے انتظار کو کیسی اچھی طرح بیان کیا ہے۔ ؎

ای ہو! جو بجا آؤن کہہ گئے آسے نبارہ ماس	چھپتر پرانے ہو گئے اور کرٹر کن لاگے پانس

غرض ان گیتوں سے کھوج نکالنا غلط نہیں۔ بلاشبہ اس سے پہلے بھی شاہنشاہ اکبر نے خود راجہ بہاری مل مہاراجہ جے پور کی بیٹی سے شادی کی۔ جودھ بائی کے علاوہ کچھواہہ خاندان کی ایک دوسری رانی جہانگیر کے حبالۂ نکاح میں آئی مگر جودھ بائی کی شادی میں کچھ اور ہی بات تھی۔ دُنیا کا قاعدہ ہے کہ پھول کے پہلو میں خار ضرور لگا ہوا ہو۔ جہاں آسائش ہو وہاں کاہش بھی ہے۔ رانی جودھ بائی کو جہاں سب کچھ اعزاز تھا وہاں نورجہاں کا گہن بھی لگا ہوا تھا مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس رقیبانہ منزل زندگی کو بڑے صبر و تحمل استقلال اور بلند حوصلگی سے طے کیا اور سوکناپے کی جلن میں اپنی زندگی کو سوختہ کرنے کے بجائے مذہبی اور تمدنی معاملات کی دلچسپی میں اپنا وقت گزارا۔ ساتھ ہی اس کے وہ اپنی مشہورِ آفاق سوکن کے مقابلے میں کبھی ہیٹی بھی نہیں رہی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جہاں پناہ رانی کے محل میں آئے اور فرمایا "نورجہاں کہتی ہیں کہ میرے منہ سے جو خوشبو آتی ہے وہ کسی اور کے منہ میں نہیں آتی کیا یہ بات سچ ہے؟" مہارانی۔ "میرے شامہ نے کوئی دوسری بو نہیں سونگھی جو حضور کے اور غیر کے بوسے دہن میں تمیز کر سکوں" فی الواقع یہ جواب بڑا تڑاقے کا تھا جس کے دینے کی جودھ بائی حقدار تھی اور نورجہاں پر بڑی بھاری چوٹ تھی کیونکہ جہانگیر اُس کا دوسرا شوہر تھا۔ الغرض رانی کی طبیعت کی شوخی۔ ایک دفعہ جودل میں آئی تو بی بی (یعنی حضرت فاطمہ) کی نیاز کی نورجہاں کو بھی بلایا۔ بیگم بڑے ٹھاٹھ اور کروفر سے آئیں۔ نیاز طیار ہوئی تو سب بیبیاں شریک ہوئیں مگر نورجہاں دبیں (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

...مرزا نے جو اکبر سے بارہ برس چھوٹا تھا کابل سے نکالے جانے کے بعد

...(شاعر ۴۴) کسمسا کر رہ گئی کہ اس نیاز میں صرف وہی عورتیں شریک ہو سکتی ہیں
بیوہ نہ ہوئی ہوں۔ رانی نے ہر چند اصرار کیا مگر نورجہاں نے کہا کہ "نہیں۔ اس نیاز کے
آپ ہی ہیں۔ تشریف لے جائیے" نورجہاں نے بادشاہ سے اس خفت کی بہت
شکایت کی۔ رانی سے پوچھا۔ رانی۔ میں کیا کروں یہ نیاز ہی ایسی مقدس و مطہر بیوی کی ہے کہ ہم تم
نہیں کھا سکتے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ باوجود نورجہاں جیسی زبردست مدمقابل کے بیاہتا
ہونے کی حیثیت سے جو مرتبہ قدرتاً جودھ بائی کو حاصل تھا اس کی تقویت شاہزادہ خورم (شاہجہاں)
ولی عہد کی ولادت باسعادت سے بھی ہو گئی۔ وہ جشن کیسا ہوگا اور کیا کچھ انعام اکرام
لوگوں کو ملے ہوں گے جس کی زچہ گیریاں آج تک بھی چلی جاتی ہیں جن سے اُس وقت
کی دولتمندی۔ فارغ البالی۔ شہزادے کے پیدا ہونے کی خوشی اور رانی صاحبہ کے
میکے کا حال اور وہاں کے تعلقات کی کیفیت کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے:۔

(۱) مانگے ہے جودھابائی کا راج — للاجی کا مال نہ چھوے
تھال بھر موتی جودھ رانی لائیں — وہ بھی نہ لیوے یہ دائی (للاجی الخ)

غرض ساری زچہ گیری اسی طرح ہے کہ "شال دوشالے جودھ رانی لائیں" اور "ہاتھی گھوڑے
جودھ رانی لائیں" مگر دائی کے خطرے میں کوئی چیز نہ آئی وہ جودھابائی یعنی جہانگیر کا آدھا
راج پاٹ ہی لینے پر اڑی رہی۔

(۲) میرے بابل کو لکھیو سندیس۔ جھنڈولا آج ہوا
بابل ہمارے نگری کے راجہ تو بیرن بادلیس۔ جھنڈولا آج ہوا
رس بھری کچھڑی لاہور بابل تو نوبت باجے ہمیش جھنڈولا آج ہوا

مولوی نصیر الدین حیدر صاحب نے جو دلی کے خاندان شاہی سے ہیں اپنے مضمون بالا میں لکھا ہے کہ رانی صاحبہ طیب
مسلمان ہو گئی تھیں اور بی بی کی نیاز سے استدلال کیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں اگر وہ جودھ بائی کا محل اور میں
...قلعہ دیکھتیں تو شاید ایسا نہ لکھتیں۔ رہی نیاز اب بھی بہت سے ہندو منگا ہوں پر نذر نیاز چڑھاتے
...میں تعزیہ داری کرتے ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ مسلمان بھی ہیں۔ پھر جس عورت کا پلا مسلمان سے باندھ دیا
...اور ہندویت کا چولی دامن کا ساتھ ہو جاتا تو یقیناً اس کو اپنے مذہب اصلی میں تو دخل باقی نہیں رہ سکتا اور معاملہ
...آخر کو عاجز ہو جاتا ہے اور جودھ بائی کا بھی یہی حال رہا ہوگا کہ نیم ہندو نیم مسلمان۔ ۱۲

لوگوں کو ہموار کر کے ایک گہری سازش کی تھی اور پنجاب پر قبضہ کیا چاہتا تھا۔

(نوٹ صفحہ ۳۳۹) لہ اکبر کا سوتیلا بھائی کابل کا حاکم تھا۔ بغاوت کر کے ہندوستان پر آیا اور لاہور تک پہنچ گیا۔ اکبر نے آگرے سے فوج روانہ کی اور پھر آپ بھی سوار ہوا۔ پانی پت پر پہنچا تھا کہ حکیم مرزا بموجب عادت کے بھاگ گیا۔ اکبر سرہند پہنچا۔ خواجہ شاہ منصور سرہند کے صوبہ تھے۔ ان سے کیا امرا کیا عام اہل دربار مدت سے جلے ہوئے تھے۔ حکیم مرزا کے نوکروں اور اس کے امرا کی طرف سے جعلی خطوط خواجہ کے نام اور کچھ خواجہ کے خط اس کے نام پر بنا کر پیش کیے۔ موقع ایسا تھا کہ اکبر کو یقین آگیا اور سمجھا کہ حقیقتہً ادھر ملا ہوا ہے۔ ٹوڈرمل کی ان سے چشمک تھی تعجب ہے کہ راجہ مان سنگھ نے بھی اٹک سے تین خط گرفتار کر کے بھیجے۔ بادشاہ بھی متردد تھے قید کر کے ضامن مانگا۔ ان بے چارے کا ضامن کون ہو۔ مسلمانوں نے ثواب اور ہندوؤں نے پُن کمائے۔ نواح انبالہ منزل کچھ کوٹ پر بے جرم و بے خطا منصور کی میراث خواجہ منصور کے گلے باندھی۔ تاریخ ہوئی۔ "ثانی منصور حلاج" شیخ ابوالفضل نے کئی جگہ اس کی لیاقت کو عمدہ سارٹیفکٹ دیئے ہیں۔ قتل کے مقام پر لکھتے ہیں۔ اگرچہ فضیلت علمی نہ رکھتا تھا مگر پکا محاسب۔ جانچ کر بات کہنے والا۔ نکتہ فہم۔ خوردہ گیر۔ کاروبار کا بوجھ سنبھالنے والا فصیح بیان۔ خوش کلام۔ خوش وضع۔ خوش نما۔ انداز نیک اطوار تھا۔ کچھ کوٹ کی منزل میں درخت سے لٹکا دیا۔ ملا پیر محمد صاحب خطوں کی گرفتاری کا حال کس خوبی سے لکھتے ہیں۔ صبح کو خدمت رای سے فرمایا اس نے منزل کچھ کوٹ میں پھانسی سے لٹکا دیا اور شاہی کا منطلہ گلے کا پٹہ رہا کہ قیامت تک لٹکا کرے گا۔ اِیَّاکَ وَخِلْطَۃَ الْمُلُوْکِ فَاِنَّھُمْ یَسْتَعْظِمُوْنَ عِنْدَ السَّلَامِ رَدَّ الْجَوَابِ وَیَسْتَحْقِرُوْنَ عِنْدَ الْعِقَابِ ضَرْبَ الرِّقَابِ۔ خدمت سلاطین سے بچنا کہ سلام کرو تو جواب دینا بھی بڑی بات سمجھتے ہیں اور خفا ہوں تو گردن مارنی کچھ بات ہی نہیں۔ ع۔ خوش باش کہ ظالم نبرد راہ سلامت خیال کرو بادشاہ منصور کا ذکر ہے اور نشتر کی نوکیں کہاں کہاں چبھوتے جاتے ہیں۔ ہاں اصل نصیحت کا مضمون دل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔ ؎

نباشی بکار جہاں سخت گیر کہ ہر سخت گیرے بود سخت میر
بآساں گزاری دمے می گزار کہ آساں زید مرد آساں گزار

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

غرض اکبر یلغار پنجاب میں پہونچا اور حکیم مرزا کی قرار واقعی سرکوبی کر کے نہایت ہمت واستقلال سے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھایا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۵۸۱ء کا ہے۔

ازبک لوگوں نے یہ ایک غلط افواہ پھیلادی کہ اکبر ازبکوں سے ناراض تھا اور اسی وجہ سے اُن پر اعتماد باقی نہ رہا تھا۔ نمک حرام خان زماں صوبہ دار جونپور ازبکوں سے جاملا اور ان کو ابھار کر بڑی شورش برپا کر دی جس کے فرو کرنے میں اکبر کو پورے دو برس لگے اور تلاطم میں خان زماں مارا گیا۔

راجپوتوں سے معرکہ آرائی اور چتوڑ کی لڑائی سنہ ۱۵۶۷-۶۸ء

ازبکوں کے معرکے کے بعد راجپوتوں سے کناچھنی رہی۔ سنہ ۱۵۶۷ء میں اکبر نے چتوڑ کے فتح کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ اس وقت ہندوستان میں کم سے کم سو راجہ تھے۔ اکبر کا دلی منشا یہ تھا کہ ان کو اپنا دوست بنا کر ان کی مدد سے شمالی ہند کے پٹھان

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۹) اب جب حکیم مرزا کی مہم کا خاتمہ ہوا تو کابل میں پہونچ کر اکبر نے بہت تحقیقات کی۔ سازش کی بو بھی کہیں سے نہ نکلی۔ یہی معلوم ہوا کہ کرم اللہ۔ شہباز خاں کمبو کے بھائی بعض امرا خصوصاً راجہ ٹوڈرمل کی اشتعالک سے یہ قبیلے بنے تھے۔ اکبر نے اس کے خون ناحق سے اور اس نظر سے کہ ایسا کاردان اہل کار ہاتھ سے گیا بہت افسوس کیا اور کہا کرتے تھے کہ جس دن سے خواجہ مرا تمام حساب درہم برہم ہو رہے ہیں اور محاسب کا سر رشتہ ٹوٹ گیا ایسا محاسب خوردہ گیر نکتہ سنج شخص کم ملتا ہے۔ خواجہ ہزاری منصب تک پہونچے چار برس صدارت کی اور استقلال واستحقاق سے وزارت کی۔ محمد حکیم مرزا برادر علاتی اکبر بادشاہ است بتاریخ ۱۵ رجادی الاولی سنہ ۹۶۱ھ در کابل متولد شدہ۔ تاریخ ولادت او "ابوالمفاخر" و "ابوالفضائل" (۹۶۱) یافتہ اند۔ از طرف برادر خود محمد اکبر شاہ حکومت کابل داشت و باغوائے افغان نمکحرام علی قلی خان باغی شدہ در جمادی الثانیہ سنہ ۹۸۹ھ / ۱۵۸۲ء بارادۂ تسخیر ہندوستان تا بہ لاہور رسیدہ بود چوں شنید کہ اکبر شاہ لشکر کشی کردہ بر سرمی آید از لاہور باز بکابل مراجعت کرد و در دیار لعیر سی و دو سالگی از کثرت مے نوشی در سنہ ۳۰ ع موافق شعبان سنہ ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء فوت کردہ۔ چوں فرزندان مرزا خورد سال بودند فرمان بہ راجہ بھگوان داس و پسرش کنور مان سنگھ حاکم پنجاب صادر گشت کہ بکابل رفتہ آں ولایت را بہ تصرف بندگان درگاہ آرند خود بکابل تشریف بردند۔



اکبر ہندوانی لباس میں



جیارانی اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر)



رانا پرتاب سنگھ



رانا اودے سنگھ

ہو لگتے ہی مر گیا۔ سردار کے مرنے سے محصورین کا دل چھوٹ گیا۔ انھوں نے راجپوتوں کی قدیم رسم کے موافق جوہر کرکے عورتوں اور بچوں سب کو جلا دیا اور پھر کیسریا بانے (زعفرانی کپڑے) پہن تلواریں سونت سونت کر قلعے سے نکلے اور یہاں تک لڑے کہ آٹھ ہزار سب کے سب کٹ مرے اور ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا۔

رانا پرتاب سنگھ

رانا اودے سنگھ نے بیالیس برس کی عمر میں انتقال کیا اس کے بعد اس کے بیٹے راجستان کے مشہور رانا پرتاب سنگھ سے معرکہ آرائی پیش آئی۔ گو بہت سے معرکے رہے

۵ۓ۔ رام پرشاد کھوسلا اور من موہن کی ہسٹری آف انڈیا میں تیر سے مارا جانا لکھا ہے۔

۵۵ۓ۔ چوں محمد اکبر شاہ در ۹۷۵ھ بقصد تسخیر قلعہ چتوڑ روانہ آں سمت شدند وقلعہ را محاصرہ نمودہ نقب را زیر برج قلعہ کندیدہ از باروت معمور نمودند روز چہار شنبہ ۲۶ ماہ رجب ۹۷۵ھ از جمادی الاخری سنہ مذکور در باروت آتش دادند۔ برج قلعہ از بیخ و بنیاد با تمامی سپاہ کہ بر سر آں برج کار گذار بودند ہوا گرفتہ متفرق ومتلاشی شدند و سنگہا بہ فرسنگہا رفت و آواز ایں قلعہ تا پنجاہ کروہ بیشتر رسیدہ موجب استغراب متبعان گردید و بعد از چند روز قلعہ مفتوح شد و قریب سی ہزار کس از قوم راجپوت کہ در قلعہ بودند بہ قتل رسیدند۔ مرزا اسیری تاریخ فتح را چنیں یافتہ۔ تاریخ۔

چو گلگونہ اندیشۂ بادشاہ ... سوے عزم چیتور کردند زیں
بہ اندک زماں فتح آں قلعہ کرد ... کہ بادا جہانش بزیر نگیں
چو تاریخ پرسیدم از عقل گفت ... ندارد کسے یاد فتح چنیں
۹۷۵

و کسے دیگر گفتہ۔ دل گفت کہ "بکشاد بزودی چیتور"
۹۷۵

بعد فتح چوں پادشاہ برائے نیاز خواجہ معین الدین چشتی دیگ روئیں بسیار کلاں ترتیب داد میر عطاء اللہ ولد کافی ایں تاریخ یافتہ۔

شاہ دیں پرور جمشید سریر ... خسرو عہد محمد اکبر
ساخت ہنگام پئے فتح چیتور ... دیگ روئیں تن واژدر پیکر
بہر تاریخ وے از عالم غیب ... دیگ چیتور کشاد یکسر
۹۷۵

مگر پھر بھی آخر دم تک اودے پور کے باحمیت خاندان نے اپنی بیٹی مسلمانوں کو نہیں دی پر نہ دی۔ پرتاب سنگھ کی رگوں میں غیرت اور حمیت کا خون جوش زن تھا اور اکبر کے لیے ایک بڑی مشکل کا سامنا تھا جب اس نے مان سنگھ کو اودے پور کی مہم سر کرنے کو بھیجا جس طرح اودے سنگھ نے اکبر کی اطاعت قبول نہ کی تھی اسی طرح اس کے بیٹے پرتاب سنگھ نے بھی جب تک دم میں دم رہا سر نہ جھکایا۔ رانا پرتاب سنگھ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک چتوڑ دوبارہ نہ لے لوں گا نہ چاندی سونے کے تھال میں کھانا کھاؤں گا نہ پیال کے بستر کے سوا کسی اور بستر پر سوؤں گا نہ ڈاڑھی کو بل دے کر چڑھاؤں گا لیکن کچھ معاملہ ہی ایسا بے ڈھنگا ہو گیا تھا کہ یہ بہادر لڑتے لڑتے مر گیا مگر چتوڑ لینا نصیب نہ ہوا۔ خود رانا تو محاصرے کے زمانے میں قلعے میں نہ تھا بلکہ جنگل بیابانوں میں سرگردان پھرتا تھا۔ بعد میں اس نے ایک نیا شہر گھاٹیوں کے جال میں اپنے باپ کے نام پر بسایا یعنی اودے پور اور وہیں اپنی دارالسلطنت منتقل کر لی۔ اودے پور کے رانا آج تک نہ ڈاڑھی کو بل دیتے ہیں نہ چاندی سونے کے تھالوں میں پتے بچھائے بغیر کھاتے ہیں نہ سیج پر پیال بچھائے بغیر لیٹتے ہیں۔ عام رائے یہ ہے کہ اس معزز خاندان کے لوگوں میں سولہ آنے خالص راجپوتی خون بھرا ہے راجپوتوں کا ایک یہی خاندان ہے جو جائز طور پر فخر کر سکتا ہے کہ ہم نے نہ مسلمان بادشاہوں کی اطاعت قبول کی نہ ڈولے دیئے۔ اگرچہ بہادر رانا کو اس کے علاقے سے مسلمانوں نے بدر کر دیا تھا اور اس نے پہاڑوں اور سندھ کے جنگلوں میں پناہ لی تھی لیکن وہ ہمت نہ ہارا تھا۔ بارہا شیر کے ان مقامات سے نکلا اور مغلوں کے لشکروں کو تہ و بالا کر کے بڑی بڑی شکستیں دیں۔ کئی مرتبہ پرتاب سنگھ کا سارا مال و متاع لوٹ کھسوٹ لیا گیا اور بالکل تہی دست بیک بینی و دو گوش رہ گیا یہاں تک کہ بال بچوں اور اپنے چند رفقا سمیت فاقہ کشی کی نوبت پہنچ گئی لیکن وہ ایسا ہمت کا مستقل اور دل کا غنی اور طبیعت کا غیور تھا کہ جان پر بن گئی مگر مسلمانوں کے سامنے گردن خم نہ کی اور ان کی اطاعت قبول کرنے کے بجائے وہ مر جانے کو ترجیح دیتا تھا۔ اکبر کو اس مہم میں غیر معمولی مشکلات

پھنس گئی تھی اور بہت دن لگ گئے تھے اس کو اس سے بھی زیادہ اور اہم امور درپیش تھے اس نے سوچ لیا کہ اس زبردست دشمن کے پیچھے بہت کچھ اوقات عزیز کا ضائع ہوا اور کوئی امید نہیں کہ یہ قوی اور چالاک دشمن قابو میں آسکے ناچار اس قصد کو ملتوی کرنا ہی مناسب خیال کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ گو اکبر نے لاکھ جتن کیے یہ سرکش شاہ جیسے جینا تو کجا معنی دربار تک بھی نہ آیا اور پھر سنبھل کر نئی طاقت سے اپنے پاؤں کھڑا ہوگیا اور اب تک بھی اس خاندان کا وہ علاقہ جوں کا توں بحال و برقرار ہے۔

رنتھنبور اور کالنجر سنہ ۱۵۶۰ء

سنہ ۱۵۶۰ء میں اکبر نے راجپوتانے میں رنتھنبور اور بندیل کھنڈ میں کالنجر دو ایسے مشہور قلعے فتح کیے جو سارے ہندوستان میں سب سے زیادہ مستحکم خیال کیے جاتے ہیں۔ میواڑ کے علاقے میں اور سنگا کا ایک مضبوط قلعہ رنتھنبور بھی

ا۔ چوں رائے سرجن راجۂ رنتھنبور بار دیگر سرکشی آغاز نہادہ بنابراں محمد اکبر شاہ باز در سنہ ۹۷۶ھ بارادۂ تسخیر آں قلعہ رفتند و بتاریخ سوم شوال سنہ مذکور آں قلعہ را کہ سلطان علاء الدین خلجی با آں ہمہ حشمت و اجلال بعد از محاصرۂ یک سال دست تصرف براں یافتہ بود بایامن اقبال ... مفتوح ساختند و مولانا شیری ایں تاریخ یافت:۔ ؎

قلعۂ کفر چو از دولت شہ یافت شکست	شہ کفار شکن یافتہ شیری سالش

ہم دریں ایام یعنی در سنہ ۹۷۲ھ عبدالمجید آصف خاں بارانی درگاوتی حاکمۂ گڑھ کتنگ کہ مابین صوبۂ رنتھنبور و مالوہ و بہار و دکن است محاربۂ عظیم نمود چنانچہ رانی دو زخم تیر برداشتہ چوں عرصہ را تنگ دید خود را بخنجر کشت و پسرش کہ متحمن بود بعد از تردد نمایاں بقتل رسید و ایں رانی تیر و بندوق خوب می انداخت۔ ہمچو شنیدہ سے کہ شیرے نمودار شدہ آب نخوردے تا بزخم بندوقش از جان سیر نکردی و ہمراہ بہادر دیگراں چند بار صف جنگ آراستہ غالب آمدہ بود بس ازاں کہ او باپسر کشتہ شد و قلعۂ چوراگڈھ مفتوح گردید ہمشیرزاں کہ با رانی و پسرش تعلق بودند جوہر قرار دادہ در یک محوطہ از چوب و تیل و ہیزم و امثال آں تعبیہ کردند و در میاں دو قایم محوطۂ مذکور ... آتش زدہ خود را ... دعا کسر خنجر ... از عجائبات قدرت آں کہ چوں بعد از چہار روز دیرآں محوطہ را کشادند دو زناں زندہ برآمدند کہ ... سنگ ... از آتش محافظت کردہ بود یکے از آں زناں کہ کملاوتی نام داشت خواہر رانی درگاوتی بود و دوم دختر راجہ بیراگڈھ کہ او را بنام پسر رانی نامزد کردہ بودند و ہنوز بخانۂ او نرسیدہ بود۔ ایں دو زناں زندہ ... در علیہ سلطنت آوردہ شدند۔ ۱۲

راجہ سرجن یہاں کا راجہ تھا۔ اس کے محاصرے میں بھی اکبر کو تعجیل فتح کی اور قلعے کے فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ راجہ توڈرمل کا دستور تھا کہ محاصرے کے زمانے میں کبھی کبھی عارضی طور پر لڑائی موقوف کر کے بات چیت کے وقت طرفین کے آدمی آپس میں ملتے جلتے تھے اور باہم دیگر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک بار اکبر کا سپہ سالار راجہ مان سنگھ سرجن سے باتیں کرنے قلعے میں چلا گیا۔ اکبر بھی عصا بردار کا بھیس بدل کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ سرجن دیکھتے ہی تاڑ گیا۔ اس نے اکبر کے ہاتھ سے عصا لے لیا اور اس سے نہایت عزت و تعظیم سے جو ایک جلیل القدر بادشاہ کے مرتبے کے شایاں تھی پیش آیا اور صدر مقام پر بٹھلایا۔ اکبر مسکرایا اور فرمایا "کہو بھئی راجہ سرجن! اب کیا ارادے ہیں؟" مان سنگھ نے راجہ کو جواب کی مہلت نہ دی جھٹ کہنے لگا "تم نے کہاں کا بکھیڑا پھیلا رکھا ہے۔ مناسب اور مصلحت وقت یہی ہے کہ میواڑ کے راجہ کا تو تم ساتھ بہت دے چکے اب اسے چھوڑ دو۔ قلعہ بادشاہ کے حوالے کرو اور شاہی دامن عاطفت میں آجاؤ۔" اکبر بولا "اگر تم میری اطاعت قبول کر لو تو ایک کیا ہے ایسے ایسے پچاس رجواڑوں کا تم کو حاکم بنا دوں گا اور راج پاٹ تمہارا ہی رہے گا۔" مان سنگھ کو اتنا موقع کافی تھا اسے شیشے میں اتار لیا اور کہا کہ "دیکھو جہاں پناہ کس مہربانی سے تم کو مخاطب فرما رہے ہیں اور کیسی اچھی طرح تم سے پیش آئے۔ بادشاہ سلامت راجپوت راجاؤں کی کیسی عزت افزائی فرماتے ہیں۔ سرجن بھی موقع محل دیکھ کر مان گیا اور سر تسلیم خم کر کے قلعہ کی کنجیاں اسی آن بادشاہ کے سپرد کر دیں۔ دربار اکبری میں قلعہ رنتھنبور کے واقعہ کو ذرا صراحت سے یوں لکھا ہے کہ: شیر شاہ کے بعد اس قلعہ میں اس کا غلام حاکم تھا۔ اس نے اکبر کا اقبال طلوع دیکھ کر اپنی حالت پر نظر کی۔ ڈرا کہ مبادا شعاع اقبال سے جل جائے۔ سنہ ۹۶۶ھ (۱۵۵۹ء) میں راجہ سرجن کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ سرجن رانا کے عزیزوں میں تھا۔ اس نے بہت سے مکانات اور محل بنوائے۔ باہر بھی دور دور تک عملداری پھیلائی۔ جب اکبر قلعہ چتوڑ کی فتح سے فارغ ہوا تو سنہ ۹۷۶ھ میں اکبر نے رنتھنبور کے قلعہ پر فوج کشی کی۔ اس وقت رائے سرجن ہاڑا راج کرتا تھا۔ یہ قلعہ [illegible] سلطنت کی

[…]ے پہاڑوں کے بیچ میں جا کر کوہ مدن کی چوٹی پر آباد تھا۔ اس پہاڑ پر […] پتھر اور درختوں میں چھپا ہے تو ہے۔ مدن پہاڑ کو کہتے ہیں۔ تھنبور […] یعنی جوشن پوش پہاڑ۔ وہ برائے نام قلعہ تھا مگر حقیقت میں ملک خدا کی تھا […] کے گرد فصیل کھنچی ہوئی تھی۔ کہیں فصیلیں تھیں کہیں پہاڑوں کی دھاروں پر قدرتی فصیلیں تھیں۔ اس کے محاصرے میں بھی سخت دشواریاں پیش آئیں۔ پہلے دمدموں سے کامیابی ممکن نہ تھی چنانچہ اسکا انتظام بھی ٹوڈرمل کو کہ وزیر مطلق ہو گیا تھا اور قاسم خاں میر بحر کو سپرد ہوا۔ اُس نے کمال عرق ریزی اور بڑے انتظام سے اُسکا بندوبست کیا۔ بہادروں نے دروں میں گھس کر اور پہاڑوں پر چڑھ کر اونچے اونچے مقام پیدا کیے جس کی بلندی قلعے کی عمارتوں کو […] نظر سے گھورتی تھی۔ ان پر ساٹھ ساٹھ منی توپیں چڑھائیں۔ ایک ایک توپ کو دو دو سو بیل اور سات سات آٹھ آٹھ سو کہاروں نے کھینچا اور اُن پہاڑوں کی چوٹیوں اور دھاروں پر مورچوں میں جما دیا کہ جہاں چیونٹی کے پاؤں پھسلتے تھے۔ ایک ایک توپ پانچ پانچ سات سات من کا گولہ اگلتی تھی جب آگ کے بادل سے لوہا برسنا شروع ہوا۔ پتھروں کے سینے پھٹ گئے اور پہاڑ تہ و بالا۔ قلعے کے مکانات فرش زمین ہو گئے اور مکان والے بلبلا اٹھے راجہ چتوڑ کا حال دیکھ چکا تھا۔ گھبرا گیا۔ بعض ٹھاکروں اور زمینداروں کو بیچ میں ڈالا دودا۔ بھوج اپنے دونوں بیٹوں کو دربار میں بھیجا اور یہ بھی کہا کہ کوئی امیر اگر مجھے لے جائے تو میں بھی حاضر ہوں۔ بادشاہ نے حسین قلی خاں کو بھیجا۔ راجہ قلعے کے باہر تک استقبال کو آیا۔ بہت تعظیم و احترام کیا اور قلعے میں لے جا کر […] خان نے راجہ کی بھی تشفی کی اور اپنے ساتھ دربار میں لاکر حضور میں پیش کیا۔ اس نے سونے کی کنجیاں اور گراں بہا پیشکش نذر کیں اور تیسرے دن قلعہ سپرد کیا تاریخ ہوئی "[…] فتح متین"۔ جو وجہ تسمیہ اوپر لکھی ہے وہ اکبرنامے سے لی ہے۔ جہانگیر نے […] واقعات میں اپنے تزک میں لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی کے زمانے میں رائے ہمیر

[…] اکبر جیسا بیدار […] بھیس بدل کر راجہ مان سنگھ کے ساتھ خود قلعے میں سرجن راجہ کے پاس گیا تھا گو یہ بات کچھ قرین قیاس نہ ہو مگر ملا صاحب نے اپنی تاریخ ہند میں یہی روایت لکھی ہے۔

یہاں کا راجہ تھا۔ سلطان نے جب فوج کشی کی تو بڑے لمبے میعاد کے محاصرے
میں بڑی محنتوں اور کوششوں سے فتح پائی تھی۔ میرے والد اکبر نے ایک مہینے
بارہ دن میں فتح کر لیا۔ میں نے قلعۂ مذکور کو دیکھا دو پہاڑ برابر برابر ہیں۔ ایک کا
نام رن ہے دوسرے کا تھنبور۔ قلعہ تھنبور پر ہے دونوں لفظ مل کر رنتھنبور مشہور
ہو گیا۔ اگرچہ قلعہ نہایت مضبوط ہے اور پانی بھی بہت ہے مگر رن بڑی مضبوط فصیل ہے
اور حصار کی فتح اسی پر منحصر ہے۔ چنانچہ والد بزرگوار نے فرمایا کہ توپیں رن پر چڑھا دو
اور قلعے کے اندر کی عمارتوں کو سامنے دھر لو۔ پہلی ہی توپ کو آگ دی تو راجہ کے
سرجن کی جو کنڈی پر گولا لگا۔ اس کی ہمت کی بنیاد اکھڑ گئی گھبرا گیا اور قلعہ حوالے
کر دیا۔ قلعے کی تمام عمارتیں ہندوانی طور پر بنی ہیں اور مکان بے ہوا اور کم فضا
بنائے ہیں۔ پسند نہ آئے اور دل نہ لگا جی نہ چاہا کہ ٹھیروں۔ ایک حمام نظر آیا کہ
قلعے کے پاس رستم خاں کے ایک ملازم نے بنایا تھا۔ باغچہ اور بالاخانہ بھی ہے
گو مختصر ایک حد میں گھرا ہوا ہے ہوا فضا کے لطف سے خالی نہیں اور تمام قلعے میں اس
سے بہتر جگہ نہیں۔ رستم خاں میرے والد کے امرا میں سے تھا اور بچپن سے
شہزادگی میں تربیت پا کر محرمیت اور قرب خدمت حاصل کیا تھا۔ اس اعتماد کے سبب
سے قلعۂ مذکور اس کے سپرد کیا تھا۔ قلعہ دیکھ کر میں نے حکم دیا کہ یہاں کے قیدیوں کو
حاضر کرو۔ سب کے حال سنے۔ خونی یا جس کے چھوڑنے میں فتنہ و آشوب کا
خطرہ ہو اُسے تو قید رکھا باقی سب کو چھوڑ دیا اور ہر ایک کو خرچ و خلعت بھی عنایت کیا۔
جب ہندو اکبر کے حامی اور مددگار ہو گئے تو راجپوتوں کی مدد سے اکبر نے ہندوستان
کی افغانی سلطنتیں ایک ایک کر کے سب لے لیں۔ بہار۔ بنگالہ۔ اوڑیسہ۔ کشمیر
سندھ۔ مالوہ۔ گجرات۔ خاندیس۔ کابل اور قندھار سب فتح کر لئے۔ الغرض
اکبر اپنے اخیر زمانہ سلطنت میں کوہ بندھیاچل کے شمال میں کل ہندوستان کا اور
دکن میں خاندیس احمدنگر اور برار کا بادشاہ تھا۔ ایک وقت میں اکبر کو دکن کے فتح
کرنے کا خیال ہوا۔ احمدنگر کے نظام شاہی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی
وفات پر سلطنت کے چار دعویدار پیدا ہو گئے ان میں سے ایک نے اکبر سے
مدد مانگی۔ اکبر نے اپنے بیٹے مراد کو اس کی کمک پر بھیجا۔ چاند بی بی نے قلعہ کی

عادل شاہی سے اس کا مقابلہ کیا۔ آخر کار برار کی سلطنت اکبر کے حوالے کی گئی۔ ۱۰۰۸ھ تک اکبر خود دکن گیا اس نے احمد نگر اور آسیر گڑھ کے قلعے فتح کیے اور خاندیش کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ بیجاپور[1] اور گولکنڈہ[2] کے بادشاہوں نے نذریں دے کر سفیر بھیجے اور اکبر کے تیسرے بیٹے دانیال کی شادی بیجاپور کے بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی۔

فتح گجرات

چتوڑ کی مہم کے بعد ملک گجرات کی فتح کا عظیم الشان معرکہ تھا جو مدت سے خود مختار چلا آتا تھا اور جس پر عارضی طور پر ہمایوں نے ۹۴۲ھ میں قبضہ کر لیا تھا۔ ہمایوں کی اتنی مداخلت بھی اکبر کی دست اندازی کے

[1]۔ عادل شاہیوں کا پایہ تخت۔ بمبئی سے جنوب مشرق میں ناک کی سیدھ (۲۴۰) میل کے فاصلے پر واقع ہے جی آئی پی آر کے ہوٹگی جنکشن سے جو شولاپور سے صرف دو سٹیشن آگے اور بمبئی سے (۲۹۲) میل ہے سدرن مرہٹہ ریلوے کی چھوٹی لین بدلنی پڑتی ہے۔ ہوٹگی سے بیجاپور (۵۹) میل ہے۔ اس طرح ریل کے رستہ بمبئی سے بیجاپور (۳۵۱) میل ہے۔ یہاں عادل شاہیوں کی حکومت ۱۴۸۹ء سے ۱۶۸۶ء تک رہی اور نو بادشاہ ہوئے ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے قبضہ کیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گیا ۱۷۲۴ء تک بیجاپور اورنگ زیب کے صوبہ دار کے ماتحت تھا جس کا مستقر حیدر آباد دکن تھا۔ ۱۷۲۴ء میں جب نظام الملک نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو بیجاپور سلطنت نظام میں داخل ہو گیا پھر مرہٹوں سے صلح ہو گئی اور ساٹھ لاکھ روپے کے معاوضے میں بیجاپور ۱۷۶۰ء میں پیشوا کے قبضے میں دے دیا گیا۔ مرہٹوں نے اسے بہت تاراج کیا ۱۸۱۸ء میں بیجاپور پر ستارے کے راجہ کا قبضہ ہوا اور اس کے بعد ۱۸۴۸ء میں بیجاپور ستارے سمیت برٹش گورنمنٹ کے قبضے میں آ گیا۔ یہ بہت بڑا تاریخی مقام ہے اور یہاں کی عالی شان عمارات قابل دید ہیں۔

[2]۔ زمانہ سلف میں گولکنڈہ ایک چھوٹا سا قلعہ ہندو راجاؤں کے زیر فرمان تھا بعد میں راجگان ورنگل کا اس پر تسلط ہوا پھر ۱۳۶۴ء سے ۱۵۱۲ء تک سلاطین بہمنیہ گلبرگہ کی حکومت رہی آخر میں زمام سلطنت سلاطین قطب شاہیہ کے ہاتھ میں آئی جو ۱۶۸۷ء تک رہی اور چھ بادشاہ ہوئے ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے لشکر کشی کی اور ابو الحسن تانا شاہ کو قید کر کے قلعہ دولت آباد میں بھیج دیا اور یہ سارا ملک سلطنت مغلیہ میں شامل ہو کر اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ گولکنڈے کا مشہور قلعہ حیدر آباد دکن سے جانب مغرب پانچ میل پر واقع ہے اس کے حصار کا دور تین میل سے زیادہ ہے فصیل میں (۸۷) برج ہیں جن پر اب تک قطب شاہی توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ قلعے کے پہلے آٹھ دروازے تھے لیکن اب صرف چار دروازے ہیں۔

[illegible] تھا جو جتنی میں سے بہ وہ مغربی ہندوستان کا صنعتی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ کے ارادے سے گجرات کے امرا کی باہمی کشاکشی سے اور تقویت ہو گئی اور بدون کسی بڑی جنگ و جدال کے گجرات فتح ہو گیا اور وہاں کا کم ہمت بادشاہ مظفر شاہ ایک کھیت میں چھپا ہوا پکڑا گیا جس کے ساتھ حقارت آمیزی کا برتاؤ کیا گیا اور تیس چالیس روپیہ ماہانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ چند سال بعد یہ بھاگ گیا اور پھر سر اٹھایا مگر خودکشی سے اپنی جان کا خاتمہ کر لیا۔

سورت کے بلوے کا فرو کرنا ۱۵۷۳ء

سورت کا مشہور قلعہ اوائل ۱۵۷۳ء میں ڈیڑھ مہینے کے محاصرے کے بعد لیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اکبر کو پرتگیزوں سے سابقہ پڑا جنھوں نے ایک سفیر گو آسے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

کھمبایت میں پہلی مرتبہ بادشاہ نے سمندر کا نظارہ کیا۔ جون کے مہینے میں اکبر فتح پور سیکری کو واپس آیا اور ابھی پہنچتے دیر نہ ہوئی تھی کہ نو مفتوحہ ملک سے شورش کی خبر آئی۔ اکبر نے بڑی پھرتی سے فوج تیار کر لی اور اگست میں سیکری سے خود روانہ ہوا۔ ایک تیز رو سانڈنی پر سوار ہو کر احمد آباد تک کہ آٹھ سو میل کا فاصلہ ہے نو دن میں جا دھمکا۔ بلوائیوں کے شان گمان میں بھی نہ تھا کہ اس قدر جلد اکبر اُن کی سرکوبی کو آن پہنچے گا۔ بڑے کشت و خون کے بعد باغیوں کا

لہ چوں اکبر شاہ در ۹۸۰ھ بقصد تسخیر گجرات و استیصال فساد مرزا ابراہیم حسین و مرزا محمد حسین کہ سر بشورش آوردہ گجرات و نواحی آں را متصرف شدہ بودند رفتہ آں ولایت را فتح نمود۔ تاریخ آں نواب خانخاناں ایں چنیں گفتہ :- یوم الاحد ثانی ربیع الاول - اتوار ربیع اول کی دوجی و شاعرے فتح گجرات آمد تاریخ یافت چوں بادشاہ ایں تاریخ را شنید شاعر را طلیدہ پر سید کہ تاریخ چنیں بے اوبانہ چرا گفتی او گفت کہ من ایں تاریخ نگفتہ ام بلکہ شاہ گجرات آمدہ گفتہ ام۔ بادشاہ خندیدہ او را انعام بخشید۔ ملا احمد جرکن ولد ملا حسین نقشی سکہ بنام بادشاہ کندہ بایں تاریخ گوہر ایند و سرفرازی یا گردید :-

خسروا سکۂ گجرات بنام تو زدند	ملک را سایۂ عدل تو تبارک بادا
ای خوش آندم کہ تو تاریخ وی از من پرسی	گویمت سکۂ گجرات مبارک بادا

... اکبر ... (۴۴) دن کے بعد واپس آگیا۔ تاریخ میں ایسی مثال
بہت کم ملے گی کہ کسی بادشاہ نے اتنی صعوبت سفر اٹھا کر اس قدر مسافت
... طے کی ہو اور یوں مکمل فتح حاصل کی ہو۔ اسی فتح کی خوشی میں سیکری کو فتح پور کا
نام دیا گیا اور یہ مقام ۱۵۸۵ء تک دار الخلافہ رہا۔

بنگال کا بادشاہ داؤد شاہ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں بنگال کی سلطنت بھی چودھویں صدی سے خود مختار بادشاہوں کی زیر حکومت تھی۔ **سلیمان شاہ** یہاں کا ایک قابل بادشاہ تھا جس کا ایک جرنیل راجو عرف کالا پہاڑ نے جگناتھ جی کے مشہور مندر کو ...

... بدانکہ ... از فتح گجرات تاریخ شده در سنه ۹۸۰ بجهت تنبیه و تادیب مرزا ابراهیم حسین ... پسران مرزا سلطان محمد که ولایت سورت و بروچ و برودہ و چانپانیر را در تصرف خود داشتند و در قلعهٔ سورت که بر کنار دریای شور واقع بود متحصن شده بودند از ... احمد آباد گجرات متوجه شده در ۲۵ شعبان سنه مذکور به بندر سورت رسیدند و در کنار حوض وسیع نزول فرمودند و این فتح بتاریخ ۲۳ شوال ظهور یافت و اشرف خان میر منشی در فتح آن قلعه گفته:۔

کشور کشای اکبر غازی که بی سخن | جز تیغ او قلاع جهان را کلید نیست
تسخیر کرد قلعهٔ سورت به حملهٔ | این فتح خیر بهار زبے بخت سعید نیست
تاریخ فتح شد که عجب قلعهٔ گرفت | اینها ز دولت شه عالم بعید نیست

۱؎ در سنه ۹۸۲ھ اکبر شاه را خبر رسید که داؤد شاه ولد سلیمان کررانی بعد از گذشته شدن ... ادعائے ... در ولایت بنگاله فرمان روا شده و شهر تانده را که اکبر خان زمان زمان علی قلی خان بنا نهاده معمور گردانیده بود ... لودی خان را که قلعهٔ رهتاس در تصرف داشت متعهد گردانیده هلاک ساخته۔ از استماع این خبر بادشاه ... بر کشتی نشسته متوجه آن سمت شدند۔ چون در بنارس رسیدند بعرض رسانیدند که از بهر گشایش این عقدهٔ مشکل ... فتح کرا باشد۔ فال گرفته شود بهتر است بنابراں در همین روز سید میرک اصفهانی که در علم جفر بے نظیر بود بامر عالی صورت این ... الکتاب جفر جامع در مجلس بادشاهی بحضور راجیان مملکت استخراج کرد چنانچه ... از ترکیب حروف این بیت

... جود دی اکبر از بخت همایوں | هر دو ملک از کف داؤد بیرون

... تاریخ ... ربیع الثانی سنه ۹۸۲ھ بر کشتی سوار شده بجانب بنگاله ... گرفت ... تاریخ آن فتح را مصرعه ملک سلیمان ز داؤد رفت۔ یافتند۔ ۱۲

اور تمام ملک اڑیسہ پر حاوی ہوا تھا۔ یہ اپنے آپ کو برائے نام اکبر کے زیرِ حکم سمجھتا تھا۔ جب اس بادشاہ نے ۱۵۷۲ء میں انتقال کیا تو کچھ وقفے کے بعد جو لڑائی جھگڑوں میں گزرا اس کا بیٹا داؤد شاہ جانشین ہوا جو مغلوں سے برگشتہ تھا۔ یہ اوباش اور بداطوار تھا جس کو سلطنت کے کاروبار سے کچھ سروکار ہی نہ تھا۔ اکبر گو گجرات میں گتھا ہوا تھا مگر اس کی دوربین نگاہ ادھر بھی پڑ رہی تھی اور جوں ہی اس نے مغربی حصۂ ہند کی چول بٹھلا دی اس نے راجہ ٹوڈرمل کو بجانب مشرق اس مہم پر روانہ کیا۔ ۱۵۷۴ء میں کہ عین موسم بارش تھا اکبر خود اس رزم گاہ پر بمقام پٹنہ پہنچا اور داؤد کو شکست دے کر پٹنے پر قبضہ کر لیا۔ داؤد جان بچا کر اڑیسے کی طرف بھاگ گیا۔ اکبر اوائل ۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری کو واپس چلا آیا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد بنگال کے بادشاہ کو سر تسلیم خم کرنا پڑا اور خراج بھی دینے لگا لیکن بہت جلد وہ اپنے قول و قرار سے پلٹ گیا۔ دوسرے برس جولائی ۱۵۷۶ء میں داؤد شاہ گرفتار ہوا اور وہیں عہدہ داروں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ بنگال کی خود مختار سلطنت کا اس طرح خاتمہ ہوا۔

راجپوتوں کی شورش
گوگنڈے کی لڑائی ۱۵۷۶ء

جس وقت بنگالے میں میدان کارزار گرم تھا تو عساکر سلطانی کو راجپوتانے کی ایک نہایت خطرناک شورش کو فرو کرنا پڑا جو اودے پور کے رانا پرتاپ سنگھ کی سرکردگی میں برپا ہوئی تھی۔ رانا کو راجہ مان سنگھ نے گوگنڈہ مقام پر جو ہلدی گھاٹ بھی کہلاتا ہے اور اودے پور کے شمال میں ہے جون ۱۵۷۶ء میں شکست دی۔ راجپوتوں کو قابو میں رکھنے کے لیے پچاس تھانے پہاڑوں میں بنائے گئے تھے لیکن سچ پوچھیے تو اودے پور کا ملک کبھی پوری طرح مطیع نہیں ہوا۔ بلکہ پرتاب سنگھ نے اپنے کھوئے ہوئے ملک کا بہت سا حصہ اکبر کی وفات سے پہلے ہی رفتہ رفتہ بازیافت کر لیا تھا۔

جنگ بست سالہ کے نتائج

۱۵۷۶ء میں یعنی پانی پت کی دوسری لڑائی کے بیس برس بعد اکبر اصلی ملک ہندوستان یعنی بندھیاچل کے پہاڑوں کے شمالی حصۂ ملک میں زبردست بادشاہ بن گیا تھا اور اس نے

اگرچہ ۔۔۔ تک تمام شورش پسند باج گزاروں کو کلا یا جزا مطیع کر لیا تھا لیکن لڑائی بھی ہوتی رہتی اور بادشاہی سرداروں کو بنگال اور بہار میں سنہ ۱۵۸۶ء تک بہت کچھ کام کرنا پڑا اور ان صوبوں میں پورا امن و امان سنہ ۱۵۹۲ء تک نصیب نہ ہوا۔

بنگال اور بہار کی بغاوت سنہ ۱۵۷۹ء

سنہ ۱۵۷۹ء میں بنگال میں ایک بڑی سخت بغاوت شروع ہوئی جس کی دو وجہ تھیں ایک تو یہ کہ حکام وقت نے سختی کر کے لوگوں کی معافیات و عطیات میں بہت کاٹ چھانٹ کر دی تھی اور دوسرے اکبر کے مذہبی عقاید جو اسلام کے صریح خلاف تھے اسلام سے مباینت کا تخم تو اوائل عمر سے ہی عقاید صوفیہ کا نتیجہ تھا۔ ابو الفضل کا دربار میں سنہ ۱۵۷۵ء میں آنا تھا کہ وہ دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی اور اس پر سنہ ۱۵۷۹ء میں اکبر نے علماء سے جبراً فتویٰ حاصل کیا کہ بادشاہ وقت کو مذہبی معاملات میں دست اندازی کا حق ہے۔ بنگال کے باغی اکبر کی جگہ اس کے سوتیلے بھائی محمد حکیم والی کابل کو تخت پر بٹھلانا چاہتے تھے جو زیادہ پابند شرع اور صحیح الاعتقاد تھا۔ انجام اس بلوے کا یہ ہوا کہ بڑی حکمت عملی سے یہ شورش دب دبا گئی۔

کابل کا انضمام سنہ ۱۵۸۵ء

محمد حکیم مرزا بچپنے سے صوبہ کابل کا فرماں روا تسلیم کیا گیا تھا۔ اور کابل پر جداگانہ مسلسل فرماں روا ہوتے ہی چلے آتے تھے جو بادشاہ ہند سے بالکل علیحدہ خود مختار تھے۔ سنہ ۱۵۸۲ء میں محمد حکیم مرزا نے اپنے بھائی اکبر کے تخت ہند پر دانت لگایا اور پنجاب پر حملہ آور ہوا لیکن سخت شکست پائی اور اس کو اکبر کی اطاعت قبول کرنے کے سوا مفر نہ تھا۔ حکیم مرزا نے کثرت شراب نوشی سے جولائی سنہ ۱۵۸۵ء میں انتقال کیا۔ اس کی موت نے اکبر کے لیے میدان صاف کر دیا اور کابل بھی سلطنت مغلیہ میں شریک کر کے ہندوستان کا ایک صوبہ قرار دیا گیا۔

تیرہ برس تک لاہور اکبر کا دار السلطنت رہا

حکیم مرزا کی موت اور دیگر چند امور ضروری کی وجہ سے اکبر کو ہند کے شمال و مغرب کی طرف جانے کی ضرورت پڑی۔ اکبر فتح پور سیکری سے

سنہ ۱۵۸۵ء کے موسم خزاں میں روانہ ہو کر (اٹک بنارس) میں اواخر ماہ دسمبر میں پہنچا۔ اکبر شمالی حصہ ہند میں نومبر سنہ ۱۵۹۸ء تک رہا اور اس عرصے میں کوئی غیر معمولی لاہور دارالخلافہ رہا۔ سنہ ۱۵۸۵ء کے آخر میں لشکر شاہی کے چار ٹکڑے ایک دوسرے میں سے تھے۔ کچھ تو کابل کی سڑک پر درہ خیبر کی طرف سے تھے۔ کچھ ملک پشاور میں یوسف زئیوں بلوچیوں اور کشمیر کی طرف سے تھے۔ اکبر نے فتح کشمیر کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ سنہ ۱۵۸۶ء میں اُس لشکر کو جو یوسف زئیوں کے مقابلے پر گیا تھا شکست فاحش ہوئی اور اسی میں راجہ بیربل جو اکبر کا سب سے پیارا اور دلی دوست تھا مارا گیا۔ یوسف زئیوں کو بہت سخت سزائیں دی گئیں مگر وہ مطیع نہ ہو سکے۔

کشمیر اور سندھ کی فتح
سنہ ۱۵۸۶-۸۷ء سنہ ۱۵۸۸ء

بابر کے وقت سے ہر ایک مسلمان بادشاہ کی یہی خواہش رہی کہ کسی نہ کسی طرح کشمیر جنت نظیر کو فتح کریں لیکن بابر اور ہمایوں دونوں میں سے کسی کو بھی اتنی مہلت نہ ملی جو وہ کشمیر لے سکتے۔ بابر کا بھانجا حیدر مرزا دوغلات جو تاریخ رشیدی کا مشہور مصنف ہے یہاں کا والی تھا جس نے گیارہ برس سنہ ۱۵۵۱ء تک بڑی دانشمندی اور فراست سے حکومت کی۔ سنہ ۱۵۷۰ء میں کشمیر کے مسلمان بادشاہ نے اکبر کا بادشاہ ہونا برائے نام تسلیم کر لیا اور اکبر کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اکبر ایسا نادان نہ تھا کہ کشمیر کا سپاٹا مار دیتا اور وہ چاہتا تھا کہ پہلے زیر کوہ میدان صاف کر لوں جب پہاڑوں کی طرف پرواز کروں۔ جب اُس نے ادھر سے اطمینان حاصل کر لیا تو پھر کشمیر پر چڑھائی کی۔ اکبر کے سورما سرداروں نے بدون کسی بھاری اشکال کے سنہ ۱۵۸۶-۸۷ء میں کشمیر فتح کر لیا اور اُس وقت کشمیر ہندوستان کا حصہ قرار پا کر کابل کے صوبے میں شامل کر دیا گیا۔ اس کے کچھ دنوں آگے چل کر بڑی سخت اور طویل لڑائی کے بعد صوبہ سندھ جو جزاً سنہ ۱۵۸۸ء میں لیا جا چکا تھا پوری طرح فتح کر لیا گیا۔ اور ملتان کے صوبے میں ملا دیا گیا۔ قندھار بھی

…ن سے ۱۵۹۰ء میں فتح کر لیا۔

…سالہ جنگوں کا نتیجہ

۱۵۹۶ء تک اکبر تمام شمالی ہند میں خلیج بنگالہ سے لے کر مغرب میں بحیرہ عرب تک اور علاوہ اس کے مشرق میں دریائے …ند ھ اور بڑا حصہ سلطنت افغانستان کا بھی اس کے مقبوضات میں … صرف دکن کی فتح باقی رہ گئی تھی لیکن اکبر کی تقدیر میں نہ تھا کہ یہ مہم … کے پیمانے کے سوا پوری طرح سر ہو۔

دکن کے حملے کی طیاری

اکبر مدت سے دکن کے حملے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ دکن کے …رار اور بادشاہوں میں آپس میں اتفاق نہ تھی اور سب متفق ہو کر کسی … دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ملکی معاملات کے جھگڑوں کے سوا …یعہ سنیوں کی آئے دن کی کھٹ پٹ نے اکبر کے لیے رستہ صاف کر دیا۔ …اکبر نے اپنے ایلچی دکن کی چاروں سلطنتوں۔ خاندیس۔ بیجاپور۔ گولکنڈہ (حیدرآباد) اور احمدنگر کو بھیجے اور ان سے اطاعت کا خواہاں ہوا۔ خاندیس … چھوٹا سا علاقہ تھا وہاں کے بادشاہ نے فوراً اطاعت قبول کر لی جس کی وجہ … سے برہان پور اور آسیر گڑھ … سے رستہ کھل گیا لیکن دوسری … نے سرتابی کی۔

احمدنگر کا محاصرہ ۱۵۹۵ء

دکن سے کئی خفیہ طلبیاں آئیں اکبر ادھار کھائے بیٹھا تھا دسمبر ۱۵۹۵ء میں اکبر نے اپنے … فرزند شہزادہ مراد کو احمدنگر کو روانہ کیا لیکن …ہزادے اور خانخاناں میں جو اس مہم پر اس کے ساتھ تھا اَن بن ہو جانے سے … کام بگڑ گیا۔ چاند بی بی جس کو چاند سلطانہ کہتے تھے بڑی بہادر ا…

احمدنگر ایک بڑا فوجی اور سول سٹیشن جی آئی پی ریلوے … لین پر ہے۔ …مردم شماری قریب چالیس ہزار نفوس … ہے۔ احمد نظام شاہ نے ۱۴۹۴ء میں آباد … تھا اور تاریخ دکن کے واقعات … چار صدیوں تک احمدنگر میں (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جری شہزادی تھی و خود زرہ پہن ہاتھ میں شمشیر برہنہ لے فصیل سے اُس شگاف

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) بڑے بڑے واقعات ہوئے ہیں شہر کے اطراف بارہ فیٹ اونچی فصیل ہے جو ۱۵۶۲ء میں بنی تھی شہر کے مشرق میں نصف میل پر مسلمانوں کا بنایا ہوا قلعہ ہے جو ۱۵۵۹ء میں بنا تھا۔ یہ قلعہ پختہ اور مدور ہے جس کا قطر نصف میل کا ہے اور جس کے گرد ایک گہری خندق اور تقفلی دار پل ہے جسے جب چاہو سمیٹ لو اور جب چاہو دراز کر دو۔ ۱۸۰۳ء میں گورنمنٹ برطانیہ نے اس قلعے کو لے لیا۔ فصیل میں اُس وقت جو شگاف پڑا تھا وہ اب تک بھی موجود ہے اور لارڈ ولزلی اُس وقت کے کمانڈنگ افسر نے جو ایک درخت نصب کیا تھا وہ اب تک بھی سرسبز شاداب ہے قلعے میں اب سلاح خانہ اور کتب خانہ وغیرہ ہے۔ احمدنگر فوجی بریگیڈ کا مستقر ہے۔ یہاں توپ خانہ اور دو پلٹنیں گوروں اور دو دیسی پیدلوں کی رہتی ہیں۔ ضلع کا مستقر ہے۔ عمارات قدیمہ سب تباہ اور برباد ہو گئیں۔ سولھویں صدی کی بنی ہوئی ایک مسجد میں کلکٹر صاحب کی کچہری ہے جج صاحب کی کچہری کا مکان بھی ایک نہایت خوب صورت شاہی محل ہے جو ۱۶۰۰ء کا بنا ہوا ہے۔ اسی طرح جیل اور سول ہاسپٹل کی عمارتیں قدیم شاہی زمانے کی ہیں۔ شہر کے باہر اب بھی شاہی زمانے کے ذرائع آب رسانی کے کچھ نشان باقی ہیں۔ شہر سے چھ میل پر صلابت خاں کا مقبرہ ایک پہاڑ پر بنا ہوا ہے جو اب بطور سینیٹوریم (دار الصحت) کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ۱۹۰۰ء کی جنگ بوئر کے بعد یہیں بوئر قیدیوں کا کیمپ تھا جو بعد صلح کے برخاست کر دیا گیا۔ اس اثنا میں جو لوگ مر گئے اُن کی یادگار میں ایک ستون بنا گیا ہے جس کے دو طرف مرنے والوں کے نام کندہ ہیں باقی دو طرف انگریزی اور ڈچ زبانوں میں مناسب حال کتبہ ہے۔ ملخصاً (حاشیہ صفحہ ۵۵ ۳ ...) برہان الملک کی حقیقی بہن تھی۔ نہایت عفیفہ۔ پاک دامن۔ دانش مند۔ باتدبیر۔ عالی ہمت۔ دریا دل۔ اسی واسطے **نادرۃ الزمانی** اُس کا خطاب تھا **علی عادل شاہ** بادشاہ **بیجاپور** سے منسوب تھی۔ علی عادل شاہ ابراہیم عادل شاہ کا چچا تھا وہ مر گیا تو ابراہیم عادل شاہ بادشاہ ہوا۔ بیگم مذکور نے جب دیکھا کہ خاندان برباد ہوا اور خاندانی سلطنت گھر سے جاتی ہے تو امرا کو جمع کیا۔ سب کو فہمائش کی۔ آپس کے نفاق کا انجام دکھایا۔ اور جب لشکر اکبری آیا تو بڑی ہمت اور حوصلے سے اُس کا مقابلہ کیا۔ ابراہیم عادل شاہ از روئے قرابت اُس کا دیور تھا ایک مراسلت روانہ کی۔ اُس نے **سہیل خاں** خواجہ سرا کو جو نہایت بہادر اور باتدبیر امیر تھا پچیس ہزار (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ان کی مفری ہوئی جو ایک معرکے میں ہو گیا تھا۔ قلعہ سر نہ ہوا چاند بی بی نے شہزادے سے مل کر بیدار کا ملک دے دلا کر ٹالا۔

احمد نگر کی فتح سنہ ۱۶۰۰ء

چاند بی بی بے چاری قتل ہو چکی تھی کہ سنہ ۱۶۰۰ء کے موسم خزاں میں احمد نگر کا دوبارہ محاصرہ اکبر کے سب سے چھوٹے بیٹے **شہزادہ دانیال** نے کیا اور اکبر نے احمد نگر کا ایک جداگانہ صوبہ قرار دیا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ بڑا حصہ اس ملک کا تب بھی احمد نگر کے مقامی شاہی خاندان کے تحت تھا اور یہ علاقہ تمام و کمال سنہ ۱۶۳۷ء عہد شاہجہان تک مفتوح نہیں ہوا۔

آسیر گڑھ کا محاصرہ اور فتح سنہ ۱۶۰۱ء

چاندنی جی آئی پی ریلوے اسٹیشن سے جنوب میں (۲۲۴) میل ہے آسیر گڑھ کا مشہور قلعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قلعے کو آسا اہیر نے سنہ ۱۳۷۰ء میں بنایا تھا اور اسی کے نام سے مشہور رہا لیکن یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے کہ یہ اہیر کون تھا مگر یہ امر یقینی ہے کہ یہ قلعہ سنہ ۱۳۷۰ء میں خاندیس کے بادشاہوں کے قبضے میں آیا۔ اگرچہ اکبر نے سنہ ۱۵۹۱ء میں خاندیس کے والی کو مجبور کر لیا تھا لیکن وہ زمانہ ایسا تھا کہ ادھر پیٹھ موڑی اور وہاں کچھ کا کچھ ہو گیا اس نے بھی مقامی امراء کا ساتھ دیا اور مخالفت پر تل گیا۔ یہاں کے والی کے قبضے میں آسیر گڑھ کا قلعہ تھا جو **برہان پور** کے شمال مشرق میں **ست پڑے** پہاڑ کی ایک شاخ پر واقع ہے اور موقعی حالت کے لحاظ سے ملک دکن کا باب ہے اس لیے اکبر کو بغرض امن راہ و ترقی ملک اس قلعے کو جو ہندوستان کے سارے

(بقیہ نوٹ صفحہ (۴۵۵) فوج دے کر روانہ کیا اور فرماں روایان دکن نے بھی فوجیں روانہ کر کے بندوبست کیا کہ سب کو اپنے اپنے انجام نظر آنے لگے تھے۔ بیگم مذکور نے قلعے کی حفاظت میں ہمت عالی ظاہر کی کہ امرائے جنگ آزمودہ جو رستمی کا دعویٰ رکھتے تھے سب کی گردنیں خم ہو گئیں۔ محاسن سلطانی کے اوصاف سے آراستہ دیکھ کر خاص و عام نے **سلطان کا تاج** اس کے نام پر رکھا وہ چاند بی بی سلطان مشہور ہوئی اور جب (دوبارہ) اکبری فوج نے احمد نگر فتح کیا تو مر گئی۔ تعجب یہ کہ کسی کو تحقیق نہ ہوا کہ کس طرح مر گئی۔ از دربار اکبری ۱۲

قلعوں میں سب سے زیادہ باموقع مستحکم اور مضبوط ہوسے لینا ازبس ضرور تھا۔ اوائل ۱۶۰۰ء میں اکبر نے پہلے برہان پور لیا اور پھر اس قلعے کا محاصرہ شروع کیا جو گیارہ مہینے سے کچھ اوپر ہی اوپر رہا جب کہیں اوائل جنوری ۱۶۰۱ء جو مطابق ۴۶ سنہ الہی کے تھا بڑی مشکل سے فتح ہوا۔ ونسنٹ سمتھ صاحب لکھتے ہیں کہ اکبر اس قلعے کی فتح سے عاجز ہو گیا تھا اس نے مال و زر دولت سے (جسے وہ رشوت کے رکیک لفظ سے تعبیر کرتے ہیں) فتح حاصل کی ۱۷۶۰ء میں باجی راؤ پیشوا اس پر قابض ہوا اور ۱۷۷۹ء میں مہاراجہ سیندھیا کے تحت میں آیا۔ ۱۸۰۳ء میں جنرل ولزلی نے گولہ باری کر کے لیا اور سورج انجن گاؤں کے صلحنامہ کی رو سے دوسرے ہی برس پھر مہاراجہ سیندھیا کو دے دیا گیا۔ پھر ۱۸۱۹ء میں انگریزوں نے اس وجہ سے محاصرہ کیا کہ یہاں کے قلعہ دار نے آپا صاحب معزول راجہ ناگپور کو یہاں پناہ دی تھی سر جان میلکم نے برابر چھ بیس دن گولہ باری کر کے قلعے کو لے لیا تب سے اب تک یہ قلعہ برٹش گورمنٹ کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ برہان پور اور کھنڈوے کے ریلوے سٹیشنوں کے درمیان ریل سے گزرتے ہوئے یہ قلعہ ایک پہاڑ پر الگ تھلگ کھڑا نظر آتا ہے۔ اسی پہاڑ پر بستی ہے جو (۵۰ گز) اونچا اور سطح سمندر سے بارہ سو سے لے کر تیرہ سو فیٹ تک بلند ہے اس قلعے کی فصیل ساٹھ ایکڑ زمین کو محاط کئے ہوئے ہے۔ قلعے میں داخل ہونے کے صرف دو ہی رستے ہیں باقی دو طرف اسی فیٹ سے ڈیڑھ سو فیٹ تک کی گہرائی ہے۔ قلعے میں آبنوشی کے وافر ذرائع ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتے۔

اکبر کی آخری فتوحات

احمد نگر کی فتح پر اکبر کی فتوحات کی طول طویل فہرست کا خاتمہ ہوتا ہے اکبر کو دکن میں اور زیادہ زور آزمائی کا موقع نہیں ملا۔ اُس کی ساری طاقت صرف ہو چکی تھی۔ جب اکبر کی زندگی کے آخری چار سالوں کی جان توڑ کوششوں کا خیال کیا جاتا ہے تو بے تکلیف وہ ناامیدی اور ناکامیابی سے دل پر رنج ہوتا ہے۔ آسیر گڑھ کی

فتح کے بعد اکبر اپنے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے دانیال[۵] کو دکن کے جنوبی اور مغربی صوبوں پر بطور وائسرائے مقرر کرکے اسی سال آگرہ چلا آیا۔ دانیال کی خاطر سے خاندیس کے ملک کا نام دان دیس قرار پایا

اکبر کے اصول فتح

فتوحات اکبری کی ایک لمبی فہرست ہم اوپر دے آئے ہیں اگر اس پر ہم کچھ ریمارک نہ کریں تو یہ سمجھا جائے گا کہ اکبر صرف ایک قابل بادشاہ تھا جس کی طبیعت میں محاربہ اور جہانگیری کا ولولہ تھا۔ لیکن اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ ایک بلند نظر عالی ہمت بادشاہ کا فرض عین ہے کہ وہ اپنے مقبوضات کی توسیع میں تا بہ امکان کوشش کرے لیکن فتح مند اکبر کا مطمح نظر محض ہوس ملک گیری سے بہت اعلیٰ وارفع تھا۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اکبر نے اوائل زمان سلطنت سے ہی یہ بات ٹھان لی تھی کہ تمامی ملک

---

[۵] در زمانیکہ اکبر شاہ بارادۂ تسخیر گجرات رفتہ بودند موکب اقبال در حدود سرکار ناگور نزول اجلال فرمودہ قاصدان خجستہ مقدم از اجمیر رسیدند و نوید مسرت افزائے تولد فرزندے بہ وصایتیم ملاوتش در شب چہار شنبہ ۱۰ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۷۹ھ بود در اجمیر شریف بہ بقعۂ قدسیہ شیخ دانیال نام درویشے از بطن دختر راجہ بہارا مل کچھواہہ کہ بادشاہ او را بسبب ایں کہ زمان ولادت خود یک رسیدہ بود بخانۂ درویش موصوف گذاشتہ بودند بوقوع آمدہ مولد گرامیش کہ خانۂ شیخ دانیال بود بنا براں شہزادہ بسلطان دانیال موسوم گردید۔ سلطان دانیال بعمر (۳۴) جہت افراط شراب در غرہ ذی الحجہ سنہ ۱۰۱۳ھ شش و نیم ماہ پیش از وفات پدر در برہان پور رحلت نمود۔ او را بشکار تفنگ بسیار میل بود یک تفنگ را جنازہ نام کردہ ایں بیت براں نقش نمودہ بود ؎

از شوق شکار تو شود جاں تر و تازہ ہر کس کہ خورد تیر تو افتد بجنازہ

پدر منع شراب کردہ بود۔ نزدیکان از ترس بادشاہ شراب نزد او نمی آوردند چوں دو سہ روز گذشت بیتاب شد بمرشد قلی تفنگچی زاری کردہ گفت کہ اندک شراب بمن برساں او گفت بچہ طریق بیارم اگر کسے داند من کشتہ خواہم شد گفت در ہماں تفنگ کردہ بیار۔ مرشد قلی تفنگ را از شراب پر کردہ آورد چوں نام تفنگ از زبانش آمدہ بود حق تعالیٰ ہماں نوع کردہ یعنی کہ از آں تفنگ شراب خوردن ہماں بود و جاں دادن ہماں۔ تاریخ فوتش از لفظ غایب استخراج می باید۔ دانیال را دو پسر مرزا بایسنغر و مرزا ہوشنگ بودند ایں ہر دو بطفل در عہد جہانگیر مقید بودند و در سنہ ۱۰۳۷ھ بحکم شاہ جہاں در لاہور بقتل رسیدند۔ ۱۲

ہند پر ایک ایسی حکومت قایم کرے جس میں ملکی اور غیر ملکی۔ ہندو اور مسلمان سب مل کر ملک کی بہبودی میں کامل کوشش کریں۔ اکبر اپنے کو بارگاہ ایزدی کا خلیفہ سمجھتا تھا اور یہ باور کرتا تھا کہ خدا نے اُسے اسی لیئے پیدا کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسی بہتر حکومت قایم کرے کہ جو خود اپنا وطن سے بھی بن نہ پڑی ہو۔ سنہ ١٦٠٠ء کے قریب باپ کی (۵۰) سال کی طول طویل مدت سلطنت سے تنگ آکر شاہزادہ سلیم نے تخت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت شہزادے کی عمر تیس سال کی تھی۔ یہ اجمیر کا حاکم تھا اور راجہ مان سنگھ اس کا نایب تھا۔ راجہ مان سنگھ بنگالے کا صوبہ دار بھی تھا وہاں ایک افغان رئیس کے باغی ہوجانے کی وجہ سے اُسے وہاں جانا پڑا۔ راجہ مان سنگھ کے جاتے ہی سلیم کے سر پر بھوت سوار ہوا۔ سمجھا کہ باپ تو دکن میں گھرا ہوا ہے اور صوبہ دار بھی دور دراز حصص ملک میں مختلف مقامات پر ہیں اس خیال سے سنہ ١٦٠١ء میں الٰہ آباد پہنچ اودھ اور بہار پر قبضہ کرلیا اور جو کچھ مال خزانہ ہاتھ آیا لے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ سلیم نے اکبر کے خلاف اس بات کی شہرت دی کہ وہ مذہب اسلام سے برگشتہ ہے۔ ابو الفضل کے ہاتھ میں اُس کی باگ ہے جس ناچ نچاتا ہے ناچتا ہے۔ قرآن شریف کی تعلیم کا ستیاناس کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو بادشاہ ہونے کا کوئی حق نہیں ہے مسلمان اور ہندو سب کو چاہیئے کہ میرا اتباع کریں۔ اکبر نے جب صاحبزادے کی یہ بلند پروازی سنی تو محبت اور نرمی سے بھرا ہوا ایک خط لکھا اور سمجھایا کہ بیٹا! تم ابھی بچے ہو اور نادان ہو۔ اب بھی اگر سنبھل جاؤ تو میں تمہاری خطا سے درگزر کروں گا۔ خط لکھنے کے بعد ہی کوچ در کوچ دہلی پہنچا۔ سلیم نے جرأت تو ایسی کی مگر واہ رے دبدبۂ اکبری کسی نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا اور سلیم اب سمجھا کہ جو کچھ اس نے کیا واقعی قبل از وقت اور صریح نادانی کی حرکت تھی۔ غنیمت ہے کہ سلیم نے اپنی خطا کا اعتراف کیا اور باپ سے عفو خطا کی خواستگار ہوا مگر کچھ صفائی نہ ہوئی۔ دربار کی باریابی بند تھی۔ آخرکار سلطانہ سلیمہ بیگم[1] جو بیرم خاں کی بیوی تھیں اور اُس کی وفات کے بعد محل شاہی

[1] سلیمہ سلطان بیگم گل رخ بیگم کی بیٹی تھیں اور ہمایوں کی سگی بھانجی تھی۔ گل رخ بیگم مرزا نور الدین محمد چغانیان کاشغر سے منسوب تھیں۔ یہ بی بی نہایت عالی طبیعت رکھتی تھیں۔ بڑی نیک طبیعت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں حائل ہو گئی تھیں بیچ بچاؤ کو بڑھیں اور اونچ نیچ سمجھا بجھا کر باپ بیٹوں میں میل ملاپ کرا دیا اور سلیم کے لیئے دربار کھل گیا۔ سلیم اب بنگالے اور اڑیسے کا صوبہ دار ہو کر اپنے مستقر کو چلا گیا۔

ابوالفضل کا قتل سنہ ۱۶۰۲ء

سلیم نے گو بظاہر عذر معذرت کر لی تھی مگر دل میں وہی دشمنی تھی اس دفعہ اس نے اور ایک نہایت نازیبا حرکت کی جس کی نسبت وہ جانتا تھا کہ باپ کو اس سے سخت صدمہ پہنچیگا سلیم کو خبریں پہنچ رہی تھیں اور جانتا تھا کہ شیخ میری طرف سے بد دل ہو رہا ہے اب باپ بھی ناراض ہوگا اسے کسی نہ کسی طرح ختم کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔ ابوالفضل کچھ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ دکن سے مہم پر گوالیار کی طرف جا رہا تھا سلیم نے آپ تو الگ رہا مگر بندیل کھنڈ کی ایک چھوٹی سی ریاست اورچھا کے راجہ نرسنگ راؤ بندیلہ کو آنکھ دے دی کہ نروار اور گوالیار کے آس پاس

[illegible]

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۰) رکھتی تھیں۔ بڑی نیک طینت خوش بیان شیریں کلام حاضر جواب۔ باسلیقہ اور صاحب تدبیر تھیں۔ جب خاندان سلطنت میں کوئی معاملہ الجھتا تھا تو انھیں کی دانائی اور عقل کی رسائی اور حسن تقریر سے سلجھتا تھا۔ پڑھی لکھی سخن فہم اور سخن شناس تھیں اور اہل سخن کی قدر کرتی تھیں۔ طبع سلیم کی لہر میں کبھی شعر بھی کہہ دیتی تھیں اور مخفی تخلص کرتی تھیں ان کی ایک فرد مشہور ہے۔ **بیت**

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام   مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

ہمایوں نے مرنے سے چند روز پہلے انھیں بیرم خاں کے ساتھ نامزد کر دیا تھا اکبر نے سنہ ۹۶۵ھ میں اس تجویز کی تعمیل کی۔ یہ شادی بھی تعجب سے خالی نہیں کیوں کہ تزک جہانگیری سنہ ۱۰۲۱ھ میں جہاں ان کے مرنے کا حال لکھا ہے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۹۶۱ھ میں پیدا ہوئیں۔ شادی کے وقت تقریباً پانچ برس کی ہونگی۔ اس سے مقصود خانخاناں کا اعزاز اور سلطنت کے رشتے مضبوط کرنا تھا بیرم خاں کی وفات کے بعد اکبر نے خود سلیمہ بیگم سے نکاح کر لیا۔ اور یہ گلرخ بیگم اکبر کی پھوپی گجرات کے رستے حج کو گئیں۔ چار حج متواتر کیے۔ سنہ ۹۹۰ھ میں داخل ہندوستان ہوئیں۔ سنہ ۱۰۲۱ھ عہد جہانگیری میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ۱۲

انعام اکرام اور پنج ہزاری منصب کا وعدہ کیا۔ راجہ نے خوشی سے منظور کر لیا ہزار سوار اور تین ہزار پیادے لے کر تین چار کوس پر آن لگا اور جاسوسی کے لیئے قراول ادھر ادھر پھیلا دیئے کہ خبر دیتے رہیں۔ شیخ کو اس گھات کی بالکل خبر نہ تھی جب دکن سے واپس ہوتے ہوئے کالے باغ میں پہنچا اور ادھر کا رخ کیا تو راجہ کو خبر لگی وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ یکایک آ کر ٹوٹ پڑا اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ شیخ اور اس کے رفیق بڑی بہادری سے لڑے مگر دشمنوں کی تعداد بہت تھی اس لیئے سب کٹ کر کھیت رہے اور ناحق بے چارہ ابوالفضل قتل ہوا۔ اس کی لاش دیکھی تو بارہ زخم آئے تھے اور ایک درخت کے نیچے پڑا تھا میاں سے اٹھا کر سر کاٹا اور شہزادے کے پاس بھیج دیا وہ بہت خوش ہوا۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن یکم ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ کو ہوا۔ ابوالفضل نیک سیرت۔ بڑا ذی علم اور وفادار تھا۔ اکبر کو اپنے کل نمک خواروں میں سب سے زیادہ اسی پر اعتماد تھا۔ وہ اکبر کا بڑا بھاری مشیر۔ ایک اعلیٰ درجے کا فلاسفر اور دوست مخلص تھا۔ اکبر نے جب اس کے قتل کی خبر سنی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ دو دن تک دانہ پانی نہ چھوا نہ بستر کو پیٹھ لگائی۔ اکبر کو ابھی خبر نہ تھی کہ یہ حرکت کس کی ہے اور سلیم کی طرف تو شبہ بھی نہ تھا کہ اس سے ایسی ناشایستہ حرکت ظہور میں آئی ہو گی۔ اکبر نے اس قتل ناحق کا انتقام نرسنگ راؤ سے خاطر خواہ لے لیا۔ سلیم نے جو اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں اس میں اس نے اس فعل کے ارتکاب کا اقرار کیا ہے اور اس کو وہ ایک کار ثواب سمجھتا ہے۔ رفتہ رفتہ اکبر پر بھی اصلی واقعہ کھل گیا تو بے اختیار کہنے لگا۔ "ہائے شیخو جی بادشاہت لینی تھی تو مجھے مارنا تھا شیخ بے چارے کو کیوں مارا" اس کا بے سر لاشہ آیا تو یہ شعر پڑھا۔ ؎

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ زاشتیاقِ پائے بوسی بے سر و پا آمدہ

باون برس چند مہینے کا سن مرنے کے دن نہ تھے مگر موت نہ دن دیکھتی ہے نہ سات جب آ جائے وہی اس کا وقت۔ ابوالفضل کی قبر اب بھی آنتری میں موجود ہے جو گوالیار سے (۱۴) میل دلی سے بمبئی جاتے ہوئے سنٹرل انڈیا

پھول ڈالکر تیسرا لطیفہ ہے۔ اس کی قبر ایک غریبانہ وضع کی عمارت ہے اُس کے دل کی
روشنی اور نیک نیتی کی برکت ہے کہ آج تک آنتری کے لوگ ہر جمعرات کو وہاں
چراغ جلاتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں:۔

مجنوں کی مراد کے چلے جاتے ہیں صحرا کی طرف — گور مجنوں پہ کہیں آج چراغاں ہوگا
ہاتھ جب ہوں گے مرے گبر و مسلمان تو دو — ایک میں دست صنم ایک میں قرآں ہوگا

اکبر کی تصویر

اکبر کی تصویریں جا بجا موجود ہیں مگر چونکہ سب میں اختلاف
ہے کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیئے ہم اُس کی تصویر کو
پیش کرتے ہیں جو جہانگیر نے اپنی تزک میں عبارت اور الفاظ سے کھینچی ہے۔ حلیہ
یہ تھا۔ بلند بالا۔ میانہ قد۔ گندمی رنگ آنکھیں اور بھوئیں سیاہ
گورے پن نے صورت کو خنک نہیں کیا تھا۔ نمکینی زیادہ تھی۔ شیر اندام۔ سینہ کشادہ
چھاتی اُبھرا ہوا۔ دست و بازو لمبے بائیں نتھنے پر ایک مسا آدھے چنے کے برابر
جو لوگ علم قیافہ میں مہارت رکھتے ہیں اسے بڑی
دولت و اقبال کا نشان سمجھتے ہیں۔
آواز بلند تھی گفتگو میں لذت اور قدرتی نمکینی تھی
سج دھج میں عام لوگوں سے کچھ مناسبت
نہ تھی فرِ خداداد اُس کے صورت حال
سے نمودار تھی یہ تو وہ تصویر ہے جو بیٹے نے
باپ کی کھینچی اب دوسرے مورخوں نے
جو اس تصویر میں رنگ بھرا ہے وہ ملاحظہ



اکبر بادشاہ

ہو۔ اکبر میانہ قد اور خوب رو تھا۔ سینہ چوڑا چکلا اور بازو لمبے تھے۔ آنکھیں اور بال
سیاہ۔ چہرہ سرخ و سفید تھا مگر بڑی عمر میں سنولا گیا تھا۔ یہ آدھا ایرانی النسل تھا
اور آدھا ترک نژاد۔ اسی وجہ سے فارسی اور ترکی دونوں زبانیں خوب بولتا تھا۔ بدن کا
گٹھا کسا اور توانا تھا۔ گھوڑے کی سواری کا بڑا شوقین تھا۔ پیدل چلتا تھا تو ایک
ایک دن میں تیس تیس چالیس چالیس میل کا سفر طے کر جاتا تھا۔ بندوق کا نشانہ
لگانے میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اُس کے پاس بہت سی بندوقیں تھیں جن کے

تاہم یہی الگ الگ تھے۔ درست انداز کا ذکر پہلے آچکا ہے جس سے
چتوڑ کے جیمل کو مارا تھا۔ اس بندوق سے اکبر نے انیس سو شکار کئے
تھے۔ ڈاڑھی منڈواتا تھا اور ڈاڑھی منڈوں کو پسند کرتا تھا۔ چوں کہ اس کی کئی بیویاں
ہندنیاں تھیں یہ اسی کا اثر تھا۔ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی تھی اکبر کا دل نرم پڑتا جاتا
اکبر کو بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ کیسی کیسی بھاری بھاری لڑائیاں لڑیں
مگر اس نے کبھی کسی ملک کو اجاڑا نہیں اور نہ کسی جگہ کی رعایا کو لوٹا کھسوٹا۔ لیکن باپ
کے برعکس بیٹا جہانگیر یعنی سلیم نہایت بے رحم تھا۔ ایک دفعہ اکبر نے سنا کہ
شہزادے صاحب نے کسی کی جیتے جی کھال کھچوا لی۔ اکبر کو بڑا افسوس ہوا اور
کہنے لگا۔ "تعجب ہے کہ جو شخص مری بکری کی کھال اترتی دیکھ کر کڑھے اُس کا بیٹا
کیوں کر کسی جیتے جاگتے انسان پر ایسا ظلم و ستم روا رکھ سکتا ہے۔" اکبر کی تعلیم
بالکل معمولی تھی مگر اس کے مذہبی خیالات بہت وسیع تھے وہ کہا کرتا تھا کہ ہر مذہب
میں راستی اور نیکی کا عنصر موجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ ہر جگہ اس
کے دیدار سے مشرف ہو سکتا ہے۔ مسلمان مسجد میں۔ ہندو مندر میں عیسائی گرجے
میں یکساں طور پر اس کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ اپنی آزاد خیالی اور بے تعصبی کی وجہ سے
وہ ہندوؤں پر بڑا مہربان تھا۔ اکبر کے عہد میں ہر شخص کو پوری پوری مذہبی آزادی
تھی۔ ہر شخص مختار و مجاز تھا کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اس کے سکے پر
یہ شعر کندہ تھا۔ ؎

راستی موجب رضائے خداست — کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

اس کو شوق تھا کہ اپنے دربار میں ہر قوم و ملت کے عالموں اور پیشواؤں کو بلاتا۔
اکثر جمعرات کو مجلس مباحثہ عبادت خانے میں منعقد ہوتی اور یہ لوگ اپنے اپنے
مذہب کی تائید میں تقریریں کرتے۔ سنی۔ شیعہ۔ برہمن۔ پارسی۔ عیسائی یہودی
سب باری باری سے اپنے مذہب کی صداقت کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے
مدتوں یہ بحث مباحثہ جاری رہا آخر کار اکبر نے ایک نیا مذہب نکالنے کا ارادہ کیا
جس کا نام **دینِ الٰہی** رکھا۔ جس مذہب کی جو بات پسند آئی وہی اکبر نے دینِ الٰہی میں
لے لی۔ دینِ الٰہی کے تعلیمی اصول یہ تھے کہ خدا ایک ہے اور اکبر اس کا خلیفہ ہے۔ اکبر کہتا تھا

اگر کوئی خدائے تعالیٰ کا کرشمۂ قدرت مشاہدہ کرنا چاہتا ہو تو آفتاب۔ آگ اور ستاروں کو دیکھے۔ جس طرح قدیم آرین قوم کے لوگ ان کی پرستش کرتے تھے تم بھی کر سکتے ہو۔ لیکن اکبر نے کبھی کسی پر ذرا سا بھی دباؤ نہیں ڈالا کہ وہ عقائد میں اس کے ہم زبان ہو۔ لیکن اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ یعنی لوگوں کی عادت میں داخل ہو کہ جو دین بادشاہ کا وہی ہمارا۔ بہت سے لوگ اکبر کی خوشامد اور اپنا رسوخ جمانے کے لیے سبھیرٹیا دعسان دین الٰہی کے کلمہ گو ہو گئے مگر اکبر کا مرنا تھا کہ یہ مذہبی گرم جوشی سرد پڑ گئی اور یہ نیا مذہب بھی اس کے موجد کے ساتھ دفن ہو گیا۔ اور بھٹکے بھٹکائے لوگ اپنے اپنے ٹھکانے سر آن لگے۔ اکبر کے صلح کل ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی کئی بیبیاں مختلف مذاہب کی تھیں ہر بی بی اپنے اپنے طریقے پر چلتی تھی۔ ہندو دھرم بیویوں کے مندر الگ پوجاری جدا۔ وہ اس معاملے میں بالکل آزاد تھیں کہ جس طرح ان کا دل چاہے اپنے معبود کی پرستش کریں۔ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد　　　کسے را با کسے کارے نباشد

کبھی کبھی تالیف قلوب کے لیئے خود بھی ماتھے پر تلک لگا لیتا تھا اور گلے میں زنار (جنیو) بھی ڈال لیتا تھا۔ جیسا کہ اس تصویر سے واضح ہو جس میں اکبر ہندووانی لباس میں دکھلایا گیا ہو۔ آخر عمر میں اکبر کچھ ضعیف العقل ہو گیا تھا اور اپنے آپ کو کچھ درجۂ انسانیت سے برتر سمجھنے لگا تھا۔ کسی ملّا نے بادشاہ کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اس سال تو بادشاہ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہو سال آیندہ دیکھیئے گا کہ خدائی کا دعویٰ کرے گا"۔ اکبر کے سکہ پر اللہ اکبر مضروب تھا۔ جس کے ظاہری معنے تو یہ ہیں کہ اللہ بڑا ہو مگر اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اکبر اللہ ہو۔ چنانچہ فیضی نے ایک نظم میں لکھ ہی دیا تھا کہ اکبر کا دیدار خدا کا دیدار تھا۔ ایسی حالت میں راسخ الاعتقاد اور پکے دین دار مسلمان علما۔ فضلا۔ محدث اور فقہا کیوں کر اکبر کو سراہ سکتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے

لہ یہ بات تو کوئی قابل اعتراض کے نہیں کیوں کہ اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ کے بھی قریب قریب یہی معنے ہیں اور پھر شعرا کا مبالغہ ایک خاصہ [redacted]

سلیم کو پڑھاوے سے چڑھاوے دیئے۔ سلیم کی بغاوت انھیں حضرت کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا۔

اکبر کی اولاد اور شہزادہ سلیم کی ولی عہدی

ضرور نہیں کہ دنیا میں سب طرح کا امن و فراغ ایک شخص واحد کی ذات میں جمع ہو جائے۔ اکبر نے اولاد کی طرف سے سکھ نہ پایا۔ شاہزادہ مراد اکبر کی وفات سے پانچ برس پہلے ہی سدھار گیا۔ دانیال وہ بھی ڈیڑھ برس پہلے باپ کو داغ مفارقت دے گیا۔ دونوں شراب خانہ خراب کی بھینٹ چڑھے۔ رہا سلیم شراب پر وہ بھی مرا ہوا تھا۔ مگر اس نے قویٰ اچھے پائے تھے جھیل لے گیا۔ دو بیٹوں کے جواں مرگی کا داغ دیا تو تیسرے صاحب کی اولوالعزمی نے بغاوت کے پردے میں بڈھے باپ کو چین نہ لینے دیا۔ پیری و صد عیب اکبر کی کمر بیٹھ گئی۔ افیون[1] کا شغل کرنے لگا جس نے سکھا کر اچور کر دیا۔ نقاہت اور کمزوری کے آثار آشکارا ہونے لگے۔ ؎

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

راجہ مان سنگھ اور دوسرے بلند پایہ امرا جو گورمنٹ کی روح رواں تھے سلیم کے ہاتھ میں اختیارات چلے جانے سے سہمے ہوئے تھے۔ ان سب نے ایک ایسی گہری چال چلی کہ سلیم کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینا چاہا اور کوشش اس کی کی کہ اکبر سلیم کے بیٹے خسرو کو اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ لیکن خدائی سلیم کی طرف تھی۔ ع۔ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست۔ کسی کی کچھ نہ چلی۔ ؎

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

اکبر کے آخری حالات چشم دید کسی نے لکھے نہیں البتہ توزک جہانگیری میں اس کا ذکر ہے جس کی نسبت وِنسنٹ سمتھ لکھتے ہیں کہ اس میں کثرت سے جھوٹ اور بالکل

---

[1] یہ قول ونسنٹ سمتھ صاحب کا ہے۔ اور مارسڈن صاحب لکھتے ہیں کہ اکبر کی غذا بہت کم تھی اس نے شاید ہی کبھی شراب پی ہو افیم کبھی کھائی ہی نہیں۔ دونوں روایتوں میں بعد المشرقین اور آسمان زمین کا فرق ہے۔ اب فیصلہ کون کرے اور کیوں کر کرے۔ ۱۲

بے بنیاد باتیں لکھی ہیں۔ اُن کے نزدیک خلاف اَھْلُ الْبَیْتِ اَبْصَرُ بِمَا فِی الْبَیْتِ (گھر کا بھید کچھ گھر والا ہی خوب جانتا ہے) ایک ڈچ مصنف وان ڈن بروک (Vanden Broeck) (سنہ ۱۶۲۸-۲۹ء) کی تحریر بہت موثق اور معتبر ہے کہ اُس کا ماخذ سرکاری وقائع ہیں۔ وہ یہ ہے۔ "بادشاہ کے سنبھل جانے کی ابھی توقع تھی کہ شہزادہ سلیم حضوری میں باریاب ہوا۔ بادشاہ نے اپنی دستار سلیم کے سر پر رکھ دی اور کمر سے وہ تلوار باندھ دی جو کہ اُس کے باپ ہمایوں کی تھی"۔ یہ واقعہ چوں کہ سیدھا سادا ہے بالکل قرینِ قیاس ہے۔ خسرو کی پلاٹ ممکن ہے کہ کچھ جان رکھتی ہو لیکن اُس میں ناکامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امرائے جاں نثار اور وفادار جنھوں نے اکبر کا نمک کھایا تھا وہ کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے اور ہرگز اس بات کے روادار نہ تھے کہ جس بادشاہ کی ساری عمر ہم تابعداری کرتے رہے اور جاں نثاری کا دم بھرتے تھے اس خاص معاملے میں شاہی منشا کے خلاف ذرا سی بھی سلسلہ جنبانی کریں۔

اکبر کا علمی مذاق

اکبر خود کوئی ذی علم شخص نہ تھا بلکہ ایک زمانہ تو اُس پر ایسا کٹھن گزرا کہ لکھنا پڑھنا تو کجا اُس کی جان کے بھی لالے پڑے ہوئے تھے

سلہ ونسنٹ سمتھ صاحب اپنی تاریخ کے صفحہ ۷ ۱۸ – ۸۸ میں لکھتے ہیں کہ "اکبر اپنے خاندان کے دوسرے ممبروں کی طرح علم دوست اور ہنر (پرور) تھا۔ لڑکپن میں وہ پڑھنے سے بھاگتا رہتا تھا اور مدت العمر پڑھنے لکھنے سے جاہل (محض) رہا۔ پڑھنا تو در کنار وہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتا تھا لیکن وہ مداومت کے ساتھ لوگوں سے پڑھوا پڑھوا کر سنا کرتا تھا اور اس طرح اُس نے کان کے ذریعہ سے ایسا اکتساب کیا کہ بہت سے لوگ آنکھوں سے (بھی) نہیں کر سکتے۔ اُس کا حافظہ حیرت انگیز طور پر قوی تھا اور سمجھ اُس کی بڑی تیز تھی"۔ ہم بھی تسلیم کرتے کہ اکبر کی تعلیم باقاعدہ نہیں ہوئی کیوں کہ اُسے حصول علم کا موقع ہی نہیں ملا۔ سر منڈا تے ہی اولے پڑے۔ لیکن یقیناً وہ ایسا کندۂ ناتراش بھی نہ تھا کہ اپنا نام تک نہ لکھ سکے ہم نے خود سر سید اور نواب محسن الملک مرحومین مغفورین کو دیکھا ہے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کیوں کہ وہ اپنے ظالم چچا کے پاس قید تھا جس نے اس کی تعلیم و تربیت عمداً تغافل کیا۔ ہاں اکبر کو یہ شوق ضرور تھا کہ وہ اوروں سے پڑھوا پڑھوا کر کتابیں سنا کرتا تھا۔ اکبر نے ایک بڑا بھاری کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں چوبیس ہزار کے قریب قلمی کتابیں تھیں جن کی قیمت کا اندازہ ونسنٹ سمتھ صاحب ۶۵ ½ لاکھ روپیہ لگاتے ہیں اُس کو نقاشی کا بڑا شوق تھا اور بہت سی عمدہ عمدہ تصویریں اُس کے ہاں جمع تھیں اُس کے دربار میں اٹھارہ مشہور مصور ملازم تھے۔ شعر و سخن کا اچھا مذاق رکھتا تھا اور موسیقی کا بھی دلدادہ تھا کانوں کا رسیا تھا گانا سن کر بہت محظوظ ہوتا تھا۔ تان سین نامی مشہور گویّا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۷) کہ دونوں انگریزی سے نابلد محض تھے مگر چوں کہ انگریزی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا ایسی سمجھنے لگے تھے جیسا کہ اُس کا حق ہے۔ پس اکبر کیا گوش نعوذ آ دار وسکے کیلئے سے مستغنی تھا اگر ایسا تھا تو بڑا اگھٹل تھا۔ اکبر کی جہالت پر ہزار علم و فضیلت قربان۔ مبلغ علم کی جو غرض و غایت تھی وہ بوجہ احسن اُسے حاصل تھی۔ لاکھ عالم اس ایک جاہل پر صدقے کیا تھا۔ خیر۔ اکبر لکھ بھی سکتا تھا اور پڑھ بھی سکتا تھا مگر نہ کہ جیسے فیضی اور ابوالفضل۔ وہ ایسا ہی عالم تھا جیسے کہ سرسید، محسن الملک، منشی ذکاء، مولوی نذیر احمد، حالی، شبلی وغیرہم کہ جو دورِ آخری کے مستند علماء و فضلاء تھے ان میں سے ایک بھی یونیورسٹی کا ڈگری یافتہ نہ تھا مگر کیا سارے ہندوستان میں کوئی بڑے سے بڑی ڈگری والا خواہ اُس کے نام کے ساتھ ساری اے بی سی ڈی کا دُم چھلا لگا ان کی گرد کو بھی پہنچ سکتا ہے؟ ۔ یک من علم را دہ من عقل باید۔ تو اکبر کی دہ من عقل میں تو کچھ بھی کلام نہیں۔ وہ بچپنے ہی میں اچھے اچھوں کے کان کترتا تھا۔ ع

اس چھوٹے سے سن میں یہ بلا ہو	پھر دیکھیئے آگے آگے کیا ہو

سو آگے چل کر وہ کیا ہوا کسی پر مخفی نہیں۔ اکبر جاہل محض ہو یا عالم متبحر نتیجہ واحد۔ اس جاہل کا ایک قطعہ ہمارے ہاتھ لگا ہے جسے ہم تبرکاً لکھتے ہیں ناظرین دیکھیں اور انصاف کریں کہ یہ جاہل کا ہے؟ قطعہ

دوشینہ بکوئے مے فروشاں	پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنوں ز خمار سر گرانم	زر دادم و درد سر خریدم

بدگمانی کا خدا بھلا کرے لوگ کہہ دیں گے کہ فیضی یا ابوالفضل سے کہلوا لیا ہوگا اور نام اپنا کر دیا۔ اس کا جواب میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ ۱۲



: پیر کی موت



تان سین اکبر کے سامنے گا رہا ہے



اکبر اور اُس کے نو رتن

[illegible] نے بجانے کو بلایا جاتا تھا۔ تصویر کو دیکھو اس میں تان سین اکبر کے سامنے [illegible] ستار بجا کر گا رہا ہے اور وہ توجہ سے سُن رہا ہے۔ یہ ایک بہت پرانی تصویر کی نقل ہے جو اُس وقت کھینچی گئی تھی جب اکبر کی عمر اُس وقت سے کم تھی جب کہ اس کی تصویر نورتن کے ساتھ بنی تھی۔ تان سین ایک بڑا مشہور شاعر اور گویا تھا جس کو اکبر نے ریواں کے راجہ کے پاس سے جبراً بلوا لیا تھا۔ ابوالفضل کہتا ہے کہ فن موسیقی کا ایسا باکمال اُستاد ہزار برس سے ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا تھا اور یہ بات واقعی ہے کیوں کہ اب تک بھی گویئے اس کا نام سنتے ہی ادب سے کان پکڑ لیتے ہیں۔ اکبر کے فن تعمیر کے مذاق سلیم اور شوق کی مادی یادگار فتح پور سیکری کی وہ متعدد عمارتیں ہیں جو آج تک بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ونسنٹ سمتھ صاحب یہاں بھی چوٹ کرتے ہیں کہ اکبر نے اس شہر کی تعمیر میں جہاں چند سال ہی دارالسلطنت رہی ایک رقم خطیر برباد کر دی۔

نورتن اکبری

اکبر کا دربار تو واقعی دربار تھا۔ کیسے کیسے چندہ جواہرات اکبر کی قدرشناس نگاہ نے چُن کر آسمان سلطنت کو جگمگا دیا تھا۔ اگر سب کا بیان لکھیں تو بس اسی کے ہو رہیں لیکن بمصداق مشتے نمونہ از خروارے بڑے بڑے نامی گرامی ارباب کا ذکر جا بجا آ ہی گیا ہے اب نو رتن کا ذکر اور سن لیجئے جو اس چودھویں رات کے چاند کے گرد کے ستارے تھے۔ اکبر کے خاص مصاحبین کو چھوڑ کر بھی اُس کے ہم نشین مشاہیر زمانہ اور بڑے بڑے جید علمائے وقت تھے جن میں کا ایک ایک فرد فرید سلطنت چلانے کی ذاتی قابلیت رکھتا تھا۔ ہندو ہو یا مسلمان کسے باشد۔ ع۔ متاع نیک ہر دکاں کہ باشد۔ اکبر کی پرکھ اور انتخاب لاجواب تھا۔ اور سچ کہا ہے کہ ع۔ قدر جوہر شہ بداند یا بداند جوہری۔ نقد بھی تو ایسا ہو جانباز بھی ہوں تو ایسے۔ اکبر نے قدر دانی اور عزت افزائی میں بھی حوصلہ شاہی دکھلایا۔ ذروں کو آفتاب بنا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو مسلمان سب دل و جان سے اپنے بادشاہ پر فدا اور جہاں اُس کا پسینہ گرے خون بہانے کو طیار رہتے تھے۔ راجہ بکرم کے دربار میں جس طرح نورتن تھے اُسی طرح اکبر کے دربار میں بھی تھے۔ سامنے کے صفحہ پر جو تصویر ہے اس میں بادشاہ اپنے نورتن کے عین درمیان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس تصویر میں

اکبر کے بڑھاپے کے زمانے کی شکل ہے۔ اس کے داہنی طرف ہندو [illegible] کی طرف وہ دیکھ رہا ہے ان میں سے دوسرا اور تیسرا مان سنگھ اور ٹوڈرمل ہیں بائیں جانب مسلمان امرا ہیں۔ اکبر کی بائیں جانب دوسرا اور تیسرا فیضی اور ابوالفضل ہیں یہ دونوں بھائی اکبر کے نہایت [illegible] خیرخواہ تھے۔ مصور دکھلا رہا ہے کہ خود اکبر میں اخلاص سند ابوالفضل کے سوا اور تینوں ہندوؤں کی داڑھیاں [illegible] ہیں باقی سب مسلمانوں کی داڑھیاں ہیں اکبر کے ہاتھ میں ایک پیچیان حقے کی نے جو اس کے آگے رکھا ہوا ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ راجہ بھگوان داس اور راجہ مان سنگھ دونوں فوج اکبری کے سپہ سالار اور صوبہ دار تھے۔ مان سنگھ پہلے بنگالے کا صوبہ دار ہوا پھر بہار کا پھر دکن کا اور آخر کابل کا۔ اس نے اڑیسے کا ملک فتح کر کے ممالکات اکبری میں شامل کیا۔ اکبر کو اپنے فوجی افسروں میں سب سے بڑھ کر بھروسہ راجہ مان سنگھ ہی پر تھا۔

مہیش داس المعروف بہ راجہ بیربل

کوئی برہمن کہتا ہے کوئی بھاٹ کالپی کا رہنے والا تھا۔ بدایونی اس کا نام گدائی برہمن داس لکھا ہے۔ ابتدا میں دوسرے بھاٹوں یا منگتا برہمنوں کی طرح کبت پڑھ پڑھ کر بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ اس کے بعد رام چندر بھٹ کی سرکار میں نوکر ہو گیا۔ جب قسمت نے زور مارا تو ابتدائے جلوس میں کہیں اکبر سے ملاقات ہو گئی۔ گویا پارس ہاتھ لگا۔ خدا جانے کیسی شبھ گھڑی تھی کہ دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی اور اکبر کے مزاج میں ایسا دخل پیدا کیا کہ ایک جان دو قالب کا مضمون ہو گیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے لطائف و ظرائف مشہور و زبان زد خاص و عام ہیں اور بدایونی بھی اس کی ظرافت اور صداقت کی تعریف کرتا ہے۔ پہلے کب رای اور پھر راجہ بیربل بنے سفارت کا کام بھی وقتاً فوقتاً اس سے لیا جاتا تھا۔ اگرچہ بظاہر دو ہی ہزار کا منصب تھا لیکن عنایت اس قدر تھی کہ کچھ ٹھکانا داد و دہش کا نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے رہتے تھے۔ صاحب السیف و القلم بھی خطاب میں مستزاد ہوا یعنی تلوار اور قلم دونوں کے دھنی بنے اب باقی کیا رہا۔ اکبر کے بڑے گہرے دمساز اور محرم راز تھے کسی قسم کا پردہ نہ تھا یہاں تک کہ بعض وقت حرم سرا کے اندر بھی بلا لیے جاتے تھے

ادھر چونکہ ان کے چٹکلوں اور چہلوں کا وہی وقت تھا کہ خلوت خاص اور مقام تکلف ہوتا تھا۔ ۹۹۴ھ میں مہم سواد اور باجوڑ پر زین خاں کوکہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے۔ انھوں نے وہاں سے امداد کے واسطے لکھا۔ دربار میں تجویز در پیش تھی کہ کون امیر بھیجا جائے۔ ابوالفضل نے درخواست کی کہ فدوی کو بھیج دیا جائے۔ بیربل نہ معلوم مسخرے پن سے یا اس خیال سے کہ بادشاہ مجھے جدا نہ کریں گے مفت کرم داشتن کا مضمون ہو جائے گا۔ جھٹ بول اٹھے کہ غلام کو بھیج دیا جائے۔ چونکہ ان کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے قرعہ ڈالا۔ موت کے فرشتے نے ان ہی کا نام پیش کر دیا۔ اکبر کو اگرچہ ایک دم کو ان کی جدائی گوارا نہ تھی مگر نہ معلوم کس طرح اجازت دی اور اپنے خاصہ کا توپ خانہ ساتھ کیا اور بڑی محبت سے رخصت کیا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا بیربل جلد آنا۔ غرض سب بے چارے آفت کے مارے گئے۔ [illegible] راجہ محلوں کے شیر تھے مرد شمشیر زن نہ تھے۔ [illegible] کے گئے کہ پھر لوٹ کر آنا نصیب نہ ہوا اور مارے [illegible] یوسف زئیوں کے ہاتھ سے مارے بھی گئے تو ایسے کہ لاش تک کا پتہ نہ لگا۔ اکبر کو ایسا رنج ہوا کہ دو دن برابر کھانا نہ کھایا۔ ان کے لطائف کثرت زبان زد ہیں مگر ثقاہت سے گرے ہوئے ہیں۔ ایک پہیلی ان کی لکھی جاتی ہے۔ باتوں کا صراف اس سے بھی ان کی لیاقت اور متانت کا کھوٹا کھرا پرکھ لے گا۔ پہیلی۔ (دال پوڑا)

ٹکی میں غرق سوا میں میٹھا۔ بن بیلن وہ بیلا ہے   کہیں بیربل سنیں اکبر۔ یہ بھی ایک پہیلا ہے

فیضی اور ابوالفضل

مسلمان افسروں میں اکبر کے سب سے بڑے معتمد شیخ ابوالفیض فیضی اور شیخ ابوالفضل تھے۔ فیضی اکبر کے سلسلہ میں ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔ اس کے چھ برس بعد ابوالفضل جو صرف اٹھارہ برس کا گبرو جوان تھا حضوری میں باریاب ہوا اور درباریوں کے زمرے میں شامل کر لیا گیا۔ یہ دونوں بھائی اکبر کے داہنے بائیں ہاتھ سمجھے جاتے اور جاں نثار تھے اور اکبر ہی کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اکبر بھی ان کی بڑی خاطر مدارات کرتا تھا اور جان سے عزیز جانتا تھا اور اسی خلوص عقیدت پر ابوالفضل کی

جان قربان ہوئی۔ سلیم اس بات کو دیکھ نہ سکتا تھا کہ اس کا باپ اس سے زیادہ دوسروں پر اعتماد کرے۔ جوں جوں دن گزرتے تھے سلیم کے دل میں حسد کی آگ زیادہ بھڑکتی چلی جاتی تھی۔ آخرکار سلیم نے اسے قتل کرا کے ہی چھوڑا۔

فیضی بڑا عالم و فاضل تھا۔ فارسی اور سنسکرت دونوں زبانوں کا استاد مانا جاتا تھا۔ کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ فیضی اپنے بھائی کے کام میں بھی بڑی امداد دیتا رہتا تھا۔ فیضی شیخ مبارک ناگوری کا بڑا بیٹا تھا۔ ۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوا۔ باپ نے ابوالفیض نام رکھا اور خود تعلیم و تربیت دی۔ فیضی نے بہت جلد جملہ علوم عقلی و نقلی میں جو اس زمانہ میں مروج تھے کمال حاصل کیا۔ ۹۷۴ھ / ۱۵۶۶ء میں جب کہ اکبر نے چتوڑ پر چڑھائی کی تھی کسی تقریب سے دربار میں اس کا ذکر ہوا۔ اکبر نے فوراً طلب فرمایا۔ فیضی حاضر ہوا۔ اس وقت حضور جس بارگاہ میں تھے اس کے گرد جالی کا کٹہرہ لگا تھا۔ یہ اس کٹہرے کے باہر کھڑے کیے گئے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اس طرح کام کا ندہ نہ آسکے گا۔ اسی وقت یہ قطعہ موزوں کر کے پڑھا: قطعہ

بادشاہا درون پنجرہ ام — از سر لطف خود مرا جا دِہ

زاں کہ من طوطی شکر خایم — جائے طوطی درون پنجرہ بہ

اکبر اس خوش کلامی سے مسرور ہوا اور پاس آنے کی اجازت دی۔ جو قصیدہ انھوں نے اول دربار میں پڑھا اس میں تین کم دو سو شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے۔

سحر نوید رساں قاصد سلیمانی — رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

جو شہزادہ پڑھنے کے قابل ہوتا تھا اکبر فیضی ہی کو اس کا استاد مقرر کرتا تھا۔ ۹۹۰ھ میں آگرہ، کالپی، کالنجر تحقیقات معافی کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ ۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء میں ملک الشعرا کا خطاب مرحمت ہوا۔ ۹۹۹ھ / ۱۵۹۱ء میں راجی علی خاں حاکم خاندیس کی سفارت پر بھیجے گئے جہاں سے ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء میں واپس ہوئے۔ ۱۰ر صفر ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء کو ضیق النفس اور تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔

آدھی رات کا سماں تھا کہ اکبر کو خبر پہنچی کہ فیضی اس جہان سے رخصت ہونے والا ہے۔ اکبر اسی وقت گھبرایا ہوا حکیم علی کو ساتھ لے کر فیضی کے پاس پہنچا۔ بیمار کے پلنگ کے پاس دوزانو بیٹھ کر اس کا سر اٹھا کر کہنے لگا شیخ جیو ہم

ہو جس میں تمہارے علاج کے لیے حکیم کو ساتھ لایا ہوں۔ تم بولتے کیوں نہیں؟" جواب بولتا کون؟ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی جب جہاں پناہ کو بادشاہ نے نہایت رنج والم سے اپنی پگڑی زمین پر پٹک دی اور چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ فیضی کی مشہور تصانیف یہ ہیں:۔ تفسیر سواطع الالہام بے نقط۔ موارد الکلم بے نقط در علم اخلاق۔ انشائے فیضی۔ دیوان تباشیر الصبح۔ مرکز ادوار۔ سلیمان و بلقیس۔ نل دمن۔ ہفت کشور۔ اکبرنامہ۔ ترجمہ لیلاوتی وغیرہ۔ بعض تاریخ والے ان کی کل تصانیف ایک سو ایک بتلاتے ہیں۔ مرتے وقت کتب خانے سے (۴۶۰۰) جلدیں نفیس صحیح کی ہوئی برآمد ہوئیں۔ مذہب کے متعلق مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ "چون شیخ بمذہب مقید نہ بود ایں مصرعہ در تاریخ وفات او گفتہ اند ع۔ فاضی، شیعی، طبعی، دہری۔ تاریخ وفات۔

شیخ فیضی کہ فیض بے حد داشت — گرچہ در زعم خود موحد بود
در رہ دیں فساد پیدا کرد — نزد ارباب شرع مفسد بود
زاں سبب خامہ قضا و قدر — بنوشت آنکہ در تاریخ ملحد بود

ابوالفضل ۶ محرم ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء کو پیدا ہوا۔ ۲ برس سوا برس کی عمر میں صاف باتیں کرنے لگا۔ پندرہ برس کی عمر میں زیور علم سے آراستہ ہو کر درس دینے لگا۔ ۹۸۱ھ / ۱۵۷۴ء میں حسب الطلب بمقام فتح پور دربار اکبری میں حاضر ہوا۔ مزاج شناسی۔ ادب۔ خدمت اور اطاعت گزاری علم و لیاقت سے اس طرح اکبر کا دل ہاتھ میں لیا کہ ہر وقت روئے سخن انہیں کی جانب ہوتا تھا۔ اول بیستی (بیس سواروں کا افسر) کا منصب عطا ہوا۔ ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء میں ہزاری اور ۱۰۰۷ھ میں دوہزاری اور ۱۰۰۸ھ میں پچاس ہزار روپیہ نقد انعام سے سرفراز ہوئے۔ اسی سال آسیر میں ایسی کارگزاری دکھائی کہ اس صلے میں ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء میں حسب الطلب دکن سے دارالخلافہ کو روانہ ہوئے اس وقت شاہزادہ سلیم باپ سے بگڑا بیٹھا تھا اور وہ یہ سب کارستانی ابوالفضل ہی کی سمجھتا تھا اور سارے چغل خور یہ سمجھ کر نالاں تھا اور راجہ نرسنگ راو بندیلہ کے ذریعہ سے اسے قتل کروا دیا جس کا مفصل حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اکبر کو اس واقعہ جانکاہ سے سخت صدمہ ہوا۔ ع۔ ہم سے اک یار بچھڑا ایسا کہ جی چھوٹ گیا۔ ۵

شہنشاہ جہاں را دوفا آتش دید و ہم شد ... سکندر سافلک ...

اکبر نے شیخ عبد الرحمن ولد ابو الفضل کو اور چند امرا کے ساتھ بھیجا اور راجہ کا قلع قمع کر دیا۔ امرائے اکبری کے دلوں کا حال اس نکتہ سے کھلتا ہے کہ کوکلتاش نے تاریخ لکھی۔ سے

یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ یَحْکُمُ اللّٰہُ مَا یُرِیْدُ ... تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید

یعنی اگر لفظ سر باغی جو حرف ب ہے اُس کے دو عدد خارج کر دو تو تاریخ نکلتی ہے۔ مگر ابوالفضل نے خود خواب میں کہا ہے کہ میری تاریخ تو بندہ ابو الفضل ہے۔ اور ایک تاریخ

1011

صاحب مفتاح التواریخ کی ہے:۔

سرِ آہ و آرام چوں برکشیدم ... ابوالفضل جاں داد تاریخ گفتم

1011 = 2 - 1013

ابوالفضل نے اپنی ساری عمر اکبر کی خیر خواہی اور وفاداری میں بسر کی اور وہ اکبر کا بڑا مورد عنایات تھا۔ عالم جید ہونے کے علاوہ ایک سورما سپاہی اور فنون حرب کا ماہر اور ایک بڑے دالو گھات کا جنرل تھا۔ یہ سب سے اعلیٰ جنگی عہدے پر پہنچا اور بڑھتے بڑھتے وزارت کے جلیل القدر عہدے سے سرفراز و ممتاز ہوا۔ ابوالفضل کی زندہ یادگار اکبر نامہ اور آئین اکبری موجود ہیں۔ آئین اکبری کی تعریف حد بیان سے باہر ہے۔ آئین اکبری میں صرف آئین و قوانین کا ذکر ہے بلکہ دربار اکبری کی شکل ہو بہو نہایت حسن و خوبی سے سامنے کھڑی کر دی ہے۔ ممالک محروسہ کا مفصل بیان اور امور سلطنت کی پوری پوری تشریح کی ہے۔ غرض یہ کہ عہد اکبری کے نہایت دل چسپ اور مفصل حالات اس میں درج ہیں حقیقت میں اگر آئین اکبری نہ لکھی جاتی تو اکبری عہد کے کارناموں اور سلطنت کے ضوابط اور قوانین سے آج ہم اُسی طرح ناواقف ہوتے جیسے اس سے پہلے عہد کے بادشاہوں کے آئین و قوانین کے حال سے ہیں۔ ہندوستان میں اسلامی عہد کی کوئی تاریخ اس سے بہتر نہ پہلے لکھی گئی نہ اس کے بعد کسی نے لکھی۔ شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی آج تک دھوم ہے اور ہندوستان میں اب تک وہ سب سے بڑا انشا پرداز مانا جاتا ہے۔ بالعموم لوگ ابوالفضل کو کفر سے منسوب کرتے تھے چنانچہ صاحب مفتاح التواریخ لکھتے ہیں کہ تکفیر شیخ زبان زد خاص و عام است بعضے کیش برہمن بوی منسوب کنند



علامہ ابوالفضل



راجہ بھگوانداس



راجہ ٹوڈرمل



راجہ مان سنگہ

ٹوڈرمل

جیسے دیکھو مجتمع صاحب النصاب۔

راجہ ٹوڈرمل ذات کے ٹنڈن کھتری اور لاہور علاقہ اودھ کے رہنے والے تھے۔ یہاں سے ... تنگ دستی اور افلاس کی حالت میں پلا تھا۔ اول عام متصدیوں کے زمرے میں ملازم ہوئے لیکن اپنی لیاقت اور کارگزاری کی بدولت بہت جلد ترقی پاکر دیوان کل کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ یہ پہلے ایک عرصے تک شیر شاہ کی سرکار میں رہ چکا تھا۔ بڑا اچھا محاسب تھا۔ بندوبست اراضی اور مالگزاری کے اصول و فروع کا اتنا بڑا واقف کار اور ماہر تھا کہ دربار اکبری میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ فن سپہ گری میں کمال رکھتا تھا اور ایک اعلیٰ درجے کا سپہ سالار تھا۔ چتوڑ، رنتھنبور، سورت، گجرات، بنگالہ، خیبر اور پشاور وغیرہ کی مہم پر بھیجا گیا اور صوبہ دار بھی رہا۔ ان معرکوں میں سپہ گری اور سرداری کے خوب جوہر دکھائے۔ ۹۹۸ھ/۱۵۹۰ء میں بادشاہ کا جشن ضیافت اپنے گھر میں سرانجام دیا۔ اکبر بندہ نواز اور وفاداروں کا کارساز تھا۔ ان کے گھر جا کر ان کی عزت ایک سے ہزار ہو گئی۔ ۹۹۳ھ/۱۵۸۴ء میں منصب چار ہزاری عطا ہوا۔ روز دوشنبہ ۱۱ محرم ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء میں بمقام لاہور انتقال کیا۔ دنیا کا یہی چلن ہے کہ جب کوئی آدمی سر بسر اور دہ ہو جاتا ہے تو اس کے سو دشمن سو دوست ہو جاتے ہیں۔ زندگی میں تو منہ سے بھاپ نکالنے کی مجال نہیں زبان کاٹ لی جائے مرنے کے بعد دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ ٹوڈرمل جیسے پالیٹشن اور یگانۂ عصر کی نسبت کسی دل جلے نے یہ تاریخ کہی ہے جسے لکھتے ہوئے بھی ہمیں شرم آتی ہے۔ اسی قسم کی تاریخ بیجا نگر کے مشہور وزیر بہا تیر رام راج کی بھی ہے "فتح دین مرگ بیں" کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ ہندو تھے مسلمانوں نے دل کی بھڑاس نکالی لیکن اسی طرح کسی دل جلے ہندو نے بھی اورنگزیب کی وفات کا مادہ "مطلا موا" (۱۱۱۸) سے نکالا ہے۔

ٹوڈرمل آنکہ ظلمش آفاق را گرفتہ — چوں شد سوئے جہنم گشتند خلق خرم
تاریخ رفتن او از پیر عقل جستم — شادی کناں بگفتا ٹوڈر رفت در جہنم

اکبری عہد کے بہت سے آئین و قوانین اور دفتر دیوان کے دستور العمل اسی سے منسوب ہیں کتابوں میں نقل ہوتے چلے آتے ہیں۔ ٹوڈرمل کا نام پہلے پہل بندوبست

اراضی جاری کرنے سے مرجان ملک کو عرصے میں بہت مشہور [illegible] بندوبست اکبر نے مالگزاری کے قواعد جاری کیے اور کل ملک کی [illegible] بندوبست اور تشخیص جمع قرار پائی۔ یہ بندوبست پہلے یکسالہ پھر بعدہ دہ سالہ میعاد کا تھا۔ کے لحاظ سے زمین کے ۳ آٹھ درجے قرار دیئے گئے تھے اور انہیں مدارج کے لحاظ سے زرلگان کا قرار داد کیا جاتا تھا۔ بٹائی کا طریقہ جس میں کچھ غلہ سرکار لیتی تھی کچھ کاشتکار اور زمیندار کا ہوتا تھا یہ طریقہ یک قلم موقوف کر کے نقدی سسٹم جاری کیا گیا۔ تحصیل داروں۔ محصلوں۔ کامداروں۔ شق داروں۔ محصولداروں۔ عملداروں کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ رعایا سال بسال ایک رقم مقررہ داخل کر کے بے فکر ہو جاتی تھی تحصیل داروں۔ محصلوں۔ پیادوں اور مذکوریوں کی آئے دن کی بھینٹ پوجا سے رعایا چھٹ گئی اور طرح طرح کے جو محصولات اور بیگاریاں رعایا سے وصول کی جاتی تھیں سب موقوف کر دی گئیں۔

ملک کی تقسیم

کل ملک ذیل کے پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن میں سے بارہ ہندوستان میں تھے اور تین دکن میں۔ آگرہ۔ احمد آباد (گجرات)۔ اجمیر۔ الہ آباد۔ بنگالہ مع اڑیسہ۔ بہار۔ دہلی۔ کابل بشمول کشمیر۔ لاہور۔ مالوہ۔ ملتان بشمول سندھ۔ اودھ۔ احمد نگر۔ جو پوری طرح شاہ جہاں کے زمانے میں فتح ہوا۔ برار۔ خاندیس یا داندیس۔ صوبے سو سے زیادہ سرکاروں یعنی ضلعوں میں تقسیم تھے اور اضلاع کی اندرونی تقسیم پرگنوں اور محالوں اور دستوروں میں تھی مثلاً آگرے کے صوبے میں تیرہ سرکار اور (۲۰۳) پرگنے تھے۔ سرکار آگرے کا رقبہ (۱۸۶۴) مربع میل تھا جس میں (۳۱) پرگنے اور چار دستور تھے۔ ہر صوبے میں ایک ایک سپہ سالار ہوتا تھا جو صوبہ دار کہلاتا تھا۔ صوبہ دار یا تو شاہی خاندان سے ہوتا تھا یا کوئی بڑا معتبر امیر ہوتا تھا جس کے اختیارات بہت وسیع ہوتے تھے۔ صوبہ دار کے ماتحت ایک دیوان ہوتا تھا جو صیغۂ مال کا ذمہ دار تھا۔ ایک فوجدار ایک کوتوال ایک میر عدل یعنی منصف اور ایک قاضی رہتا تھا۔

رعایا کی عام حالت جزیہ اور دیگر محصولات کی موقوفی

اکبر کے عہد میں رعایا ایسی خوش حال اور فارغ البال تھی اور [illegible] نہ تھی

بادشاہوں کے زمانے کے مقابلے میں اب محصولات کا بوجھ بہت ہلکا ہو گیا تھا۔ اوائل زمانِ سلطنت یعنی سنہ [illegible]ء میں جب کہ اکبر بالکل جوان تھا اور اس کی عمر صرف (۲۲) سال تھی اور بیشتر اس کے کہ فیضی اور ابوالفضل جیسے آزاد خیال لوگوں کا اثر پڑا ہو اکبر نے بطور خود جزیہ کا محصول جو صرف ہندوؤں سے لیا جاتا تھا بالکل موقوف کر دیا۔ یہ محصول چوں کہ قومی تفریق پر مبنی تھا ہندوؤں کو بہت شاق تھا اس کی موقوفی نے اکبر کی ہر دل عزیزی کو بہت ترقی دی اور نیز مسلمان اور غیر مذہب والوں کی تفریق اٹھ کر یکسانیت نے نہایت عمدہ اثر پیدا کیا۔ اسی طرح تیرتھ اور جاتراؤں کے جانے والوں سے جو محصول لیا جاتا تھا وہ بھی چھوڑ دیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اوائل زمانِ سلطنت ہی میں اکبر کی پالیسی یہ تھی کہ ملک میں خوش حالی اور تہذیب کو ترقی دیئے بغیر سلطنت کا استحکام ایک امر محال ہے۔

منصبداران

عاملانہ عہدہ داروں کا شمار فوجی افسروں کے زمرے میں ہوتا تھا خواہ وہ کسی خدمت پر مامور ہوں اور یہ لوگ منصبدار کہلاتے تھے۔ جن کے مدارج (۳۳) تھے جن کی تفریق بلحاظ تعداد اس جمعیت کے تھی جو ان کو رکھنی پڑتی تھی جمعیت کی تعداد دس ہزار سے کر دس نفری تک تھی۔ منصبداروں کی تنخواہ بلحاظ ان کے مدارج کے مقرر تھی اور عملاً ان کو اس تعداد میں جمعیت نہیں رکھنی پڑتی تھی جیسا کہ ان کے منصب کے لوازمہ میں ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے منصب خاندان شاہی کے واسطے مخصوص تھے۔ منصبداروں کا طریقہ فارس کے ملک سے لیا گیا ہے جس کی باقاعدہ ترتیب اکبر کے عہد میں سنہ ۷۴-۱۵۷۳ء میں کی گئی۔ بہت سے امراء کو معافی اور مشروط الخدمت بیش قرار محاصل کی جاگیریں تھیں۔ علماء اور مشائخین اور بزرگان دین کو معافیات تھیں جو سیورغال کہلاتی تھیں۔

فوج اور فنانس

اکبر ایک عرصے سے ان خرابیوں اور بدنظمیوں سے مطلع تھا جو تنخواہ جاگیر سے مستلزم تھیں اکبر نے اس بدنما طریقہ کو یک قلم مسدود کر کے فوج کی تنخواہ نقدی مقرر کر دی تھی۔ جمعیت بیشتر سواروں کی تھی جن کی فراہمی منصبداروں اور جاگیرداروں کے

وستے تھی جو اکثر جھوٹی تعداد لشکری بتلانے کے عادی تھے۔ اکبر نے اس امر میں بہت کچھ اصلاح کی۔ فوج مستقل کی تعداد بہت کم تھی۔ اکبر کے آخری عہد میں پچیس ہزار کی تعداد تھی جن میں سے نصف سوار باقی گولنداز اور پیدل تھے۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا طریقہ ۱۵۷۳ء سے قطعاً مسدود کر دیا گیا۔ خزانۂ عامرہ کی بڑی آمدنی زر مالگزاری تھی جو نقدی اور بٹائی دونوں شکلوں میں وصول ہوتی تھی۔ ۱۶۰۵ء میں اراضی مالگزاری کی تخمینی تعداد (۱۹) ملین پونڈ تھی۔ جنگی اور متفرق آمدنی بھی اسی کے لگ بھگ تھی لیکن اس تعداد کی صحت میں کلام ہے۔

ٹکسال اور سکے

ٹکسال کی بڑی بھاری عمارت فتح پور سیکری میں ہے جو باہر سے ۲۶۴ × ۲۳۰ ہے۔ چاروں طرف ۴۵ فٹ چوڑے دالان در دالان ہیں۔ جن کے در محراب دار اور چھت جدا جدا گنبدوں کی ہے۔ مشرق و مغرب میں چودہ چودہ اور شمال جنوب میں تیرہ تیرہ در ہیں۔ اس عمارت کا افتتاح ۱۵۷۸ء ۹۸۶ھ میں ہوا تھا۔ پہلے ٹکسال کا اہتمام چودھریوں کے سپرد تھا پھر مہتمم مقرر کیے گئے چنانچہ آگرہ اور فتح پور کی ٹکسال کے داروغہ خواجہ عبدالصمد شیرازی شیریں رقم مقرر ہوئے چار یاری روپیہ سب سے پہلے اسی ٹکسال میں مسکوک ہوا تھا۔ اکبری سکے کئی قسم کے اور مختلف وزنوں کے تھے جن میں سے بعض یہ تھے۔

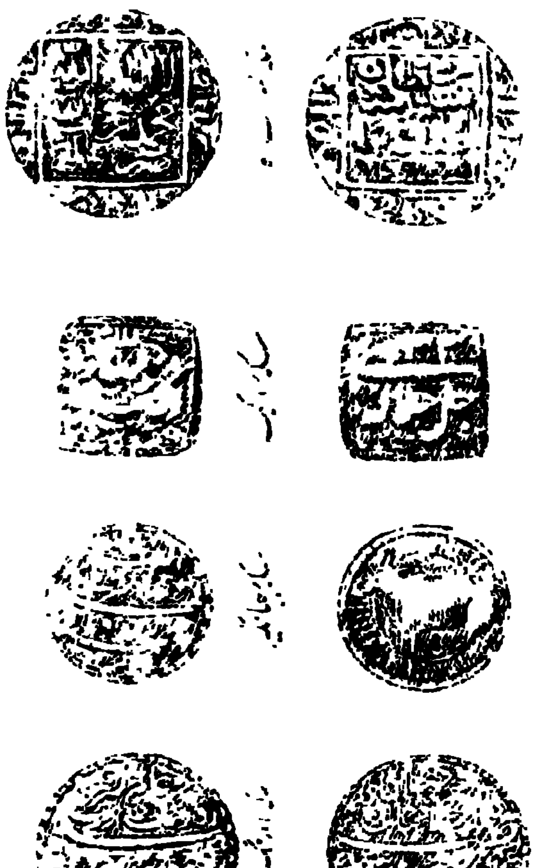
(۱) روپیہ وزن ۱۱½ ماشہ ایک طرف کلمۂ طیبہ۔ حاشیہ پر بصدق ابی بکر۔ بعدل عمر۔ بحیاے عثمان۔ بعلم علی۔ دوسری طرف جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ۔ ضرب دار السرور فتحپور ۹۸۹۔ (۲) روپیہ وزن ۱۱½ ماشہ۔ حاشیہ کٹا ہوا (سن) ۹۹۲ (۳) پیسہ۔ وزن ایک تولہ ۸ ماشہ ۷ سرخ۔ ایک طرف دار الضرب فتحپور۔ دوسری طرف مہر الہی ۴۸۔ ملک الشعرا فیضی کی یہ رباعی بھی مسکوک تھی۔ ایک طرف یہ بیت تھی،

خورشید کہ ہفت بحر ازو گوہر یافت　　سنگ سیہ از پرتو ان جوہر یافت
کان از نظر تربیت او زر یافت　　وان زر شرف از سکۂ شاہ اکبر یافت

بیچ میں۔ اللہ اکبر جل جلالہ۔ اور دوسری طرف یہ رباعی منقوش تھی۔

این سکہ کہ پیرایۂ امید بود　　با نقش دوام نام جاوید بود
سیماے سعادتش ہمین بس کہ بدہر　　یک ذرہ نظر کردۂ خورشید بود

سال الہی اور مہینا اس کے بیچ میں تھا اور ایک دوسرے سکے میں ایک طرف



السلطان الاعظم الخاقان المعظم الخلیفۃ المتعالی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ وابد عدلہ و احسانہ
اور دوسری طرف یہ رباعی ملک الشعراکی تھی:۔ رباعی۔

ایں نقد روانِ گنج شاہنشاہی | با کوکب اقبال کند ہمراہی
خورشید بپرورش ازاں روکہ بدہر | یابد شرف از سکۂ اکبر شاہی

اور بعض سکوں پر ذیل کی رباعی بھی تھی:۔ رباعی۔

ایں سکہ کہ دست بخت را زیور باد | پیرایۂ نہ سپہر و ہفت اختر باد
زریں نقدیست کار از وچوں زر باد | در دہر روان بنام شاہ اکبر باد

نگین شاہنشاہی

مولانا مقصود مہر کن نے بڑی صنعت اور ندرت سے سطح فولادی پر نام نامی والا صاحبقران خط رقاع میں کندہ کر کے خط نستعلیق فارسی میں بادشاہ کا نام اور اس کے گرد۔ ع راستی موجب رضائے خدا است کس ندیدم کہ گم شد از راہ راست نقش کیا تھا۔

اکبر کی مذہبی الجھنیں

ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

اکبر کی لیشف میں ایک بڑا نازک مرحلہ مذہبی عقائد کا ہے۔ مذہب اُس خاص تعلق کا نام ہے جو بندے اور اس کے خالق کے درمیان ہے۔ جس کو سوائے خدا کے اور کوئی جان نہیں سکتا۔ مذہبی معاملات میں انسان کو احتساب کا حق حاصل نہیں ہے مگر حضرت انسان ہر معاملے میں دخل در معقولات کے عادی ہیں اور اسی وجہ سے مورخین نے زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں اور جس کو دیکھو وہ ایک نئی بات کہتا ہے خصوصاً انگریزی مورخین نے تو اس باب میں اکبر کی بڑی مٹی پلید کی ہے اور ایسی ایسی باتیں گھڑی ہیں کہ اسلام سے تو وہ یقیناً خارج ہو گیا لیکن اسی پہ اکتفا کرتے تو بھی ٹھیک تھا۔ اکبر کو اسلام کا مخالف۔ دشمن اور شریعت کے احکام کا توڑنے والا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ فیضی اور ابوالفضل آزاد خیال لوگ تھے بھائی لکیر کے فقیر نہ تھے۔ اس خیال کے آدمی اس تہذیب اور آزادی کے زمانے میں بھی دہریہ اور کافر کہلاتے ہیں۔ سید احمد خاں مرحوم و مغفور نے ذرا اُن کی کی تھی

کافر اور نیچری کیا کیا کہلائے۔ پھر اس زمانے کا کیا کہنا جس میں مذہبی قیود اور پابندیاں
بمقابلۂ زمانۂ حال کے بہت تھیں۔ غرض یہ کہ یہ حضرات خود ڈوبے ہوئے تھے تو ڈوبے
تھے اکبر کو بھی لے ڈوبے ان کی صحبت نے اکبر کے عقیدے کو جو پہلے ہی
متزلزل تھا اور بھی متزلزل کر دیا۔ بچپنے میں تو اکبر حافظ شیرازی کے کلام
کی بدولت صوفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اہل ہنود سے بچپنے سے گہرا سابقہ
رہا اور وہ ازدواج کی شکل میں پھولا پھلا۔ مغایرت یگانگت اور قرابت سے بدل گئی
ان وجوہ سے ضرور ایک حد تک اس کا رجحان ہندو مذہب کی طرف پایا جاتا ہے اور اسی
کشمکش کا نتیجہ تھا کہ وہ کسی مذہب پر بھی بالاستقلال قایم نہ رہ سکا۔ وہ عیسائی۔ ہنود۔
مسلمان۔ جینیوں غرض یہ کہ ہر قوم و ملت کے مذہبی مباحثوں کو بڑے شوق سے
سے سنتا تھا مگر صاف طور پر وہ کبھی بھی کسی ایک مذہب کا پیرو نہ بنا۔ جزوات
عقیدے کے دو پادری ۱۵۷۸ء میں بنگال میں وارد ہوئے تھے ان کا اس
ملک میں آنا تھا کہ اکبر نے مذہب عیسوی کی چھان بین شروع کی۔ چونکہ طبیعت
میں کرید تھی بس اسی کی دھن لگ گئی۔ اکبر نے پرتگیزوں کو بندر گوا میں لکھا
کہ تمہارے مذہبی علما کو بھیجو۔ انھوں نے منہ مانگی مراد پائی۔ ایک چھوڑ تین تین
مشن پاپائی بھیج دیئے۔ یہ لوگ ۱۵۸۰ء سے ۱۵۸۳ء تک اور ۱۵۹۰ء سے
۱۵۹۱ء اور ۱۵۹۵ء سے تا اختتام دور اکبری بلکہ اس کے کچھ بعد تک بھی
دربار میں حاضر باش رہے۔ اکبر پڑھا لکھا نہ تھا اس کی میٹھی میٹھی
باتوں سے انھیں یقین ہو گیا کہ ہم نے میدان مار لیا اور اکبر کو عیسائی بنا لیا لیکن حقیقت
نفس الامر یہ تھی کہ وہ صرف ان کو ٹٹولتا تھا۔ اس نے کبھی ان کی باتوں پر کان نہ دھرا
و نسنٹ سمتھ صاحب نے اکبر کی مذہبی کیریکٹر کی ایک بہت بری اور مسلمانوں کا
دل دکھانے والی تصویر کھینچی ہے۔ مسلمانوں کا ماثورہ اذکروا موتاکم بالخیر یعنی
تم مرے ہوئے لوگوں کا ذکر بھلائی سے کرو۔ ہر صاحب بہادر نے اکبر کو بالکل
بالکل جہنمی قرار دیا ہے۔ لیکن نقل کفر کفر نباشد میں ایک مورخ کی حیثیت سے اس کو
آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے یورپین مورخوں کی
رائے بھی عرض کروں گا جس سے ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے اصلیت کیا ہے تا کہ

اور حشو و زوائد کس قدر ہے۔ اگرچہ اکبر کبھی بھی اس بات کا فیصلہ نہ کر سکا کہ ہم سر مذہبوں میں سچا کون سا تھا لیکن اس نے بالکل صاف طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ اسلام جھوٹا ہے اور یہ عقیدہ اس کا تقریباً ۱۵۸۰ء سے تھا اور اسی سال میں اس نے سربرآوردہ علمائے اسلام سے ایک فتویٰ لکھوا لیا تھا کہ بادشاہ مذہبی معاملات میں احکام صادر کرنے کا مجاز ہے۔ اس فتوے کے بعد سے وہ علانیہ اسلام کا دشمن ہو گیا اور اس نے بہت سے ایسے احکام جاری کئے جو صریح اس کی مذہبی آزادی کے اصول کے خلاف تھے مثلاً نماز جماعت اور اذان موقوف کر دی گئی۔ روزے حج بند۔ جیسا بدایونی نے لکھا ہے کہ "تمام احکام و عبادات اسلام خواہ وہ خاص ہوں یا عام ...... سب میں شک و شبہ کیا جاتا تھا اور ان کی تضحیک اڑائی جاتی تھی" مسلمانوں کے مذہبی احساس کی کھلی توہین کی جاتی تھی۔ مثلاً یہ کہ مسجدوں کو اصطبل بنا دیا اور حضرت پیغمبر صاحب کی نسبت برا خیال قائم کیا گیا۔ ایسے عقائد رکھنے کے بعد تعجب ہے کہ اکبر کا تخت کیسے قائم رہا۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو اس سے بڑھ کر اس کی بے انتہا قوت اور لوگوں کے دلوں پر قبضہ (وقدرت) رکھنے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اگر انگریزی گورنمنٹ ان میں سے ایک بات بھی کر بیٹھے تو وہ ایک ہفتہ بھی نہ ٹک سکے۔ جب اکبر کو کسی مذہب سے تشفی نہ ہوئی تو اس نے پرانے مذہب سے عمدہ عمدہ باتیں چن کر ایک نیا مذہب کھڑا کرنے کا ارادہ کیا۔ اکبر کی یہ صریح حماقت تھی کہ اسے یقین تھا کہ وہ بادشاہت کے زور سے ایسی ایک ایجاد کر سکتا ہے جو موجودہ مذاہب کے قائم مقام ہو اور اس مذہب کو تمام سلطنت کے لوگ ایک باہمی اتحاد کی بندش کی طرح قبول کر لیں گے۔ یہ ایک دیوانوں کا سا خواب تھا اس کا نیا مذہب توحید کے ساتھ (بس تھا) بادشاہ کو نیم خدا یا زمین پر خدا کا قائم مقام قرار دیتا تھا۔ اس نے اس مذہب کا نام **توحید الٰہی یا دین الٰہی** رکھا تھا۔ خاص خاص ابن الوقت درباریوں نے اس مذہب کو قبول کر لیا اور چار قول جن کی پابندی (اس مذہب میں) ضروری تھی یہ تھے کہ اکبر کی ملازمت میں وہ جان و مال آبرو دین سب قربان کر دیں گے لیکن وہ ضرور کے ہر توحید پرست صوفی ... (دین توحید پسند) تھا جو اس کے مذہب کے ساتھ بلکہ شاید اس سے پہلے ہی مر گیا ... گی

اس کے آخری دنوں بہت سی باتوں میں عملاً ہندو ہو گیا تھا۔ اس نے ہندوؤں کی بہت سی باتیں اختیار کر لی تھیں مثلاً ڈاڑھی منڈوانا۔ گائے کے گوشت سے پرہیز رکھنا بلکہ زیادہ تر ہر قسم کے گوشت سے بھی۔ اس نے بہت سے قواعد ایسے جاری کیے جن کی جڑ ہندوانی طریقے کی تھی اور ستی ہونے کی اجازت نہ دی بجز ملیکہ عورت کی رضامندی متحقق ہو۔ لیکن بایں ہمہ واقعات تھوڑا سا ثبوت اس بات کا بھی ملتا ہے کہ اکبر نے بستر مرگ پر باقاعدہ طور پر اسلامی عقیدے کا اقرار کیا" (تاریخ ونسنٹ سمتھ صاحب صفحہ ۱۰۵ تا ۱۰۷) "اکبر نے مذہب اسلام کو کبھی استقام سے پاک نہیں پایا۔ کسی شخص منفرد کی رائے اس کے نزدیک قطعی نہ تھی۔ اس کو ہندوؤں کی وہ ثابت قدمی جس سے وہ باوجود تکالیف اور دوسرے نقصانات محصولات واقساط ہا کے جو وہ ہمیشہ سے مسلمانوں کی حکومت میں جھیلتے آئے) اپنے مذہب پر قایم رہتے تھے۔ بہت پسند تھی۔ اکبر کا خیال تھا کہ ان کے مذہب میں کچھ نہ کچھ بات تو ایسی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے عقیدے پر اس خلوص سے قایم ہیں اور یہی حال عیسائیوں۔ پارسیوں اور دیگر اقوام کا تھا۔ کیا سبب ہے کہ مذہب اسلام محض اس وجہ سے کہ وہ بادشاہ وقت کا مذہب ہے جبراً ان لوگوں کے سر منڈھا جاوے۔ ہر حال میں ہر شخص کی گو کہ شکلیں مختلف ہوں مگر اسی ایک قادر مطلق کی عبادت کرتا ہے۔ یہ وہ مشکلات تھیں جو شروع سے اکبر کے دل میں کھٹکتی تھیں وہ ہمدردی کا متلاشی تھا۔ لیکن درباری حلقہ کے کسی مسلمان میں بھی اس کا وجود نہ تھا بلکہ وہ مذہبی معاملات میں اس قسم کی کاوش کو ایک گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ اکبر کو اپنے درباری امرا کے تعصب مذہبی سے نفرت ہو گئی تھی جو دوسرے مذاہب کے لوگوں سے تکلیف دہ حقارت سے پیش آتے تھے۔ لیکن جلد ہی اکبر کے ہاتھ ایک موقع آیا کہ ایک بزرگ شیخ مبارک جو عربی النژاد تھے راجپوتانے میں آن رہے تھے۔ وہ بڑے ذی علم آدمی تھے جن کا دل زمانے کے تعصبات کی وجہ سے ہٹ گیا تھا۔ ان کے دو بیٹے **فیضی** اور **ابو الفضل** تھے جن کی تعلیم خود ان کے عالم و فاضل باپ نے نہایت وسیع پیمانے پر دی تھی۔ فیضی ایک بڑا طبیب۔ بڑا عالم اور بڑا شاعر تھا۔ ابو الفضل نے اپنی علمی اور پولیٹکل

قابلیتوں کی بدولت نام پایا۔ جب اکبر چتوڑ کا محاصرہ کیئے پڑا تھا اُس کے کانوں تک فیضی کا شہرہ پہنچا اور اُسے طلب فرما لیا۔ فیضی کی قابلیت نے بادشاہ کو بہت ایسا گرویدہ کر لیا اور ملک الشعرا بنے۔ فیضی کی قابلیت نہایت اعلیٰ درجے کی تھی۔ اُس نے رامائن اور مہا بھارت کے کچھ حصے اور نیز دیگر کتب کا سنسکرت سے ترجمہ کیا۔ سات برس تک اکبر کے دربار میں فیضی اپنی شان دار عالمانہ زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوا۔ فیضی ہی نے اپنے بھائی ابوالفضل کو بھی دربار میں باریاب کرایا۔ ابوالفضل کو جو فیاضانہ تعلیم اُس کے باپ نے دی تھی اُس سے اُس کا دائرۂ معلومات بہت وسیع ہوگیا تھا۔ اُس کے وسیع خیالات اور نظر بالغ نے اکبر کے دل پر اثر کیا اور جیسا آدمی وہ چاہتا تھا اُسے مل گیا۔ ابوالفضل چند ہی دنوں میں اکبر کا دلی اور موقر دوست بن گیا اور اکبر کی دلی خواہش کسی ہم درد اور ہم خیال مصاحب کے ملنے کی پوری ہو گئی۔ اکبر امور عظام میں جنمیں وہ تنہا یا اُس کے درباری سلجھا نہ سکتے تھے ایسے امور میں وہ ابوالفضل سے مشورہ اور مدد لیتا تھا۔ ابوالفضل اکبر کی ناک کا بال تھا۔ اُن کا باہمی ارتباط اور دوستی معمولی قسم کی نہ تھی اور مشہور ہے کہ اکبر کا ابوالفضل پر ایسا بھروسہ تھا کہ بادشاہ کے لیئے دوا ورمن بھی اپنے ہاتھ سے یہی بناتے تھے اور سچ بات یہ بھی ہے کہ ابوالفضل نے بھی جاں نثاری میں کچھ کمی نہیں کی۔ ابوالفضل اور بادشاہ کے درمیان جو یگانگت اور اعتماد کا گہرا تعلق تھا اس سے دربار کے دوسرے امرا حسد کرنے لگے تھے کہ ایک معمولی شخص کو جو کس مپرسی کی حالت میں کسی کونے کھدرے میں پڑا تھا۔ بادشاہ نے اس قدر منہ چڑھا لیا اور سلطنت کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر پہنچا دیا۔ ابوالفضل کے غیر معمولی عروج کی ایسی آگ بھڑکی کہ شہزادہ سلیم نے اُسے قتل کروا دیا۔ چوں کہ اکبر میں خود علم کی کمی تھی اُسے ابوالفضل جیسے شخص کا میسر آجانا اکبر کے لیئے ہر طرح سے ایک قابل قدر نعمت تھی۔ اکبر کے مذہبی خیالات پر انھیں دونوں بھائیوں نے دہریت کا رنگ چڑھا یا اور اس میں یہاں تک غلو ہوا کہ ایک نیا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا

(اقتباس از تاریخ ہند مصنفہ رام پرشاد کھوسلا اور من موہن صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۶)

کرنل میلین اور اکبر

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

کرنل صاحب ٹھیرے فوجی سردار جن کی قلم تلوار کا کام کرتی ہے۔ اس سے تو مسٹر سمتھ صاحب ہی بسا غنیمت تھے۔ رحمت بر نباش اول۔ کرنل صاحب نے اکبر کا تسمہ باقی نہیں چھوڑا۔ آپ نے اکبر کی سوانح عمری لکھی ہے اس کے صفحہ (۱۷۶) پر جو ریمارک کیے ہیں اس کا ترجمہ لکھتا ہوں "اکبر کثرت سے نماز پڑھنے۔ روزہ رکھنے خیرات دینے اور حج کا مخالف تھا (اب اس کی لامذہبی میں کون سی کسر رہ گئی) گویہ مخالفت ممنعت کی حد تک نہیں پونہچتی تھی۔ ختنہ کی رسم سے مسلمان باز نہیں رکھے جا سکتے تھے لیکن اکبر نے حکم دے دیا تھا کہ جب تک لڑکے کی عمر بارہ برس کی نہ ہو یہ تقریب نہ کی جائے۔ ہندوؤں کی خاطر سے وہ گاؤ کشی کا بھی مخالف تھا بلکہ اس کے برعکس اس نے سور کے ذبح اور اس کے جواز کا فتوی دے رکھا تھا (یعنی جو چیز نص قرانی سے حرام قطعی ہے اُسے حلال کر دیا یعنی حکم خدا کو اکبری عدالت اپیل نے منسوخ کر دیا۔ عیاذاً باللہ) مسلمان کتوں کو نجس سمجھتے ہیں چنانچہ اس زمانے کے متعصب مسلمان بھی یہی رائے رکھتے ہیں (مگر نہ اتنا ناپاک جیساکہ سور) لیکن اکبر نے کتے کو پاک ٹھیرا دیا۔ مسلمانوں میں شراب حرام ہے لیکن اکبر اعتدال سے شراب کے استعمال کا موئید تھا (شراب تو چوری چھپے بہت سے مسلمان پیتے ہیں البتہ یہ بات کہ گناہ کریں اور اس پر اصرار اور جسارت نہایت مذموم ہے) خاکسار عرض نہیں کر سکتا کہ یہ باتیں کہاں تک سچ ہیں اور ان کا ماخذ کیا ہے۔ صاحب بہادر کی قلم سے مترشح شدہ بات کی تردید بھلا کالے منہ کا کوئی نیٹو کیا کر سکتا ہے اور کرے گا تو منہ کی کھائے گا لیکن ناظرین مارسڈن صاحب کی رائے ان کی کتاب حکایات ہند کے صفحہ (۹۰۸) پر ملاحظہ فرمائیں جو کرنل صاحب ہی کی طرح گورے چمڑے کے اور ان ہی کی ٹکر کے ہیں۔ اس فقرے کو ہم بجنسہ نقل کر دیتے ہیں:-

"Akbar did not eat much food and scarcely ever drank any wine, nor did he eat opium"

(ترجمہ) اکبر کی غذا بہت کم تھی۔ اس نے شاید ہی کبھی شراب پی ہو

الیوں کبھی ملی نہیں۔" دونوں راوی انگریز۔ دونوں کے بیان میں اثبات ونفی کا فرق۔ اب ناظرین فرمائیں کہ کیا کہتے ہیں؟ لیکن یہ باتیں سب تو سب ان میں سے اگر ایک بھی سچ ہو تو اکبر جیسے سمتھ صاحب نے مکذب اور دشمن اسلام لکھا ہو میرے نزدیک بھی ایسا شخص کبھی مسلمان ہو نہیں سکتا۔

ہیول صاحب کی معتدل رائے

ای۔ بی۔ ہیول صاحب کی کتاب آگرہ اینڈ تاج کے صفحات (۲۳ تا ۲۵) سے ہم ذیل کا اقتباس کرتے ہیں:

"اکبر نے ایک اعتدال پسند دین کی بنیاد ڈالی تھی مسلمانوں کی نماز موقوف کر کے اس کی بجائے ایک زیادہ وسیع خیال کی نماز قایم کی گئی تھی جو زیادہ تر ہندوؤں سے ماخوذ تھی۔ دین الٰہی نے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں پکڑی اور اکبر کی وفات کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکبر نے مرتے وقت ایک سنی مسلمان کا سا عقیدہ اختیار کیا تھا لیکن یہ بات پایۂ تصدیق کو نہیں پہنچی۔ اکبر کے مذہبی نظام میں ایک سیاسی چال نمودار تھی۔ اس کی تمام پالیسی کا دارومدار اس امر پر تھا کہ وہ مختلف مذاہب اور عقاید اور فرقوں کو ملا دینا چاہتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے اس مدعا کو ہر بات میں پیش نظر رکھتا تھا۔ وہ اپنے وزراء اور امراء بلا لحاظ مذہب و ملت اور بلا کسی تخصیص کے اپنی رعایا میں سے چن لیتا تھا۔ اکبر نے راجپوتانے کے ہندو خاندانوں میں شادی بیاہ بھی کر لیا تھا۔ وہ روزانہ انصاف رسانی کے لیئے دربار میں بیٹھتا تھا اور ہارون الرشید کی طرح بعض اوقات تبدیل لباس کر کے تن تنہا عوام میں پھرتا تھا تاکہ اسے رعایا کے اصلی حالات معلوم ہوں اور وہ حکام کی بداعمالیوں کی روک تھام کر سکے۔ متعصب مسلمانوں میں لامحالہ اس کے دشمن پیدا ہو گئے تھے لیکن اسی کے دانشمندانہ اور تمام مذاہب سے معتدلانہ سلوک اور اس کی فیاضانہ پالیسی کی بدولت اکثر حصص (ملک) سے دشمنی کو بے کار کر دیا تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ اکبر سے پہلے یا اس کے بعد بھی کوئی بادشاہ اپنے حصول مقصد میں ایسا کامیاب نہیں ہوا۔ وہ اب بھی ہندوستان کے ایک دل عزیز حکمرانوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے جنگی اور شکار کے قابل قدر کارنامے۔ اس کے دانشمندانہ اور ظریفانہ اقوال۔ اس کی درباری شان و شوکت۔ اس کی

علوہمتی۔ انصاف رسانی (اور معدلت شعاری) اب تک گیتوں اور قصوں میں منقوش ہیں

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

اس اہم معاملہ پر جس کہ بڑے بڑے مستند ارباب قلم فرسائی کر چکے ہیں میرا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے

لیکن امر حق نگلا نہیں جاتا۔ انگریزوں نے اکبر کے مذہب کا خاکہ جیسا اڑایا ہے وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مسلمان مورخین نے بھی اس بارے میں کچھ کمی نہیں کی اس لیے مسلمانوں کے اقوال نقل کرنا بے سود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس سارے قضیئہ نامرضیہ کا لب لباب یہ ہے کہ اکبر ایک وسیع الخیال۔ بلند نظر بالکل بے تعصب اور اعتدال پسند بادشاہ تھا اور اپنی تمام رعایا کو بلاقید مذہب و ملت یکساں سمجھتا تھا وہ مذہبی رکاوٹوں کو دور کر کے سب کو ملا دینا چاہتا تھا لیکن یہ بات فطرت الٰہی کے خلاف ہے۔ مذہبوں کا اختلاف تا قیامت رہے گا۔ دنیا میں چاہے لاکھوں مباحثے ہوں مگر دین کی تفریق نہ مٹی ہے نہ مٹے گی۔ اکبر ایسا نادان نہ تھا کہ وہ ایسی موٹی بات بھی نہ سمجھتا ہو پھر بھی وہ نیک نیتی سے اس مغایرت کو دور کرنے کی کوشش کرتا تھا جو ایک مذہب والے کو دوسرے سے ہوتی ہے کہ آپس میں کٹے مرتے ہیں اور اس مدعا کا حصول اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ وہ اعتدال کی پالیسی اختیار نہ کرتا اور اعتدال کی پالیسی جب ہی بار ور ہو سکتی ہے کہ ہم دوسرے مذہب والوں کا دل نہ دکھائیں۔ اکبر کی مذہبی پالیسی کا فیصلہ دو لفظوں میں ہے مرنج و مرنجاں اور اسی پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

اکبر کی زندگی کے آخری دن

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اکبر کو ریاضت جسمانی اور مردانہ کھیلوں کا بہت شوق تھا وہ ایک بڑا جری سوار تھا اور بے دھڑک ہر کسی خطرہ اور محل خطر میں جا گھستا تھا۔ دشمنوں کے ساتھ جو وہ عالی ظرفی کا بڑا برتاو کرتا تھا ہمیشہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان کے نیچ کے تعلقات بھی مخلصانہ اور وفادارانہ تھے وہ اپنے بچوں کا لاڈ بہت اٹھاتا تھا ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولاد کی طرف سے وہ خوش نصیب نہ تھا۔ دو شہزادے دانیال اور مراد شراب کی بھینٹ چڑھے اور شہزادہ سلیم نے باپ کے مقابلے میں بغاوت کی تھی وہ بھی آپ سن چکے۔ مگر واہ رے اکبر وہ ہمیشہ برائیوں کو بھول جاتا تھا اور عفو و درگزر اس کے خمیر میں داخل تھا۔ اکبر کی زندگی کے آخری دن سلیم کی بے عنوانیوں کی وجہ سے بہت تلخی سے گزرے۔

فوتِ اکبرشہ[1]

گرامی تنش پاک شستند زآب
معطر بکافور و مشک و گلاب

کفن جامہ کردند تابوت جائے — سپہ زنا چیمش بعمر خدائے
و تختش بہ تختہ درانداختند — باسکندریش وطن ساختند
وردیمہ کردند بروے فراز — شجاکش سپہ وند گشتند باز

قمری حساب سے (۶۴) برس کا سن اس پر بادشاہت کا بوجھ اور وہ بھی ایسے
غیر منتظم ملک کا۔ آئے دن کے جھگڑے جھانسے۔ انگریزی مثل ہے کہ Uneasy
lies a head who wears a crown (جس سر پر تاج ہوتا ہے اس کو کبھی چین نصیب
نہیں ہوتا) اس پر طرہ یہ کہ اولاد کا دکھ۔ دو بیٹے کیا مرے کہ دونوں بازو ٹوٹ گئے
ایک جو رہا ہے وہ قرنشاں۔ ایسی حالت میں کیسا ہی ہاڑ ہوتا تو جھل جاتا۔ اکبر کو کوئی خاص
مرض نہ تھا ہاں دل کا آزار ضرور تھا۔

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں — سوز غم ہائے نہانی اور ہے

اکبر کے گرد پریشان حال درباریوں کا ہجوم تھا جن سے اُن کا مالک آن کی آن میں ہمیشہ
ہمیشہ کو چھٹا چاہتا تھا۔ اُن کی ساری امیدیں خاک میں ملنے والی تھیں۔ شب پنجشنبہ
۱۳ جمادی الثانیہ ۱۰۱۴ھ (۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء) (۵۲) برس کی طول طویل مدت سلطنت کے بعد آگرے میں
انتقال کیا۔[2]

آفاق از مصیبت او سینہ چاک شد
خلقے بمرد و زیں غم جانکاہ خاک شد

شہزادہ سلیم بھی اس وقت موجود نہ تھا اُسے باپ کا آخری
دیدار بھی نصیب نہ ہوا۔ ع۔ ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

---

[1] "فوت اکبرشہ" میں اکبر کی وفات کا سال ۱۰۱۴ھ نکلتا ہے۔
[2] ناظرین یاد رکھیں کہ سلاطین مغلیہ کی وفات کے بعد اُن کو ان تعظیمی الفاظ سے یاد کیا کرتے ہیں۔
بابر کو فردوس مکانی۔ ہمایوں کو جنت آشیانی۔ اکبر کو عرش آشیانی۔ ۱۲

شاہزادہ خسرو[1] کے طرفداروں نے کچھ دبی زبان سے اس کا نام پیش کیا
لیکن راجہ رام داس نے شہزادہ سلیم کے جانشینی پر زور دیا اور مجبت

[1] سلطان خسرو فرزند بزرگ جہانگیر بادشاہ بود ولادتش در لاہور سنہ ۳۴ ج اکبر شاہی رمضان ۹۹۶ھ دست دادہ مادرش کہ ہمشیرۂ راجہ مان سنگھ بود جودھ بائی نام داشت و چون کہ سلطان خسرو داماد اعظم خان وزیر اکبر شاہ بود چنانچہ بعد وفات اکبر شاہ راجہ مان سنگھ و اعظم خان ہر دو متفق شدہ خواستند کہ خسرو را بر تخت نشانند اما جہانگیر پسر بعد از جنگ بدست آوردہ محبوس نمود بعد ازیں نیز سلطان خسرو از پدر باغی شدہ سر بشورش بر آوردہ بود و مردمان شاہی حسب الحکم بادشاہ او را با ہمراہیانش بدخشی پسر مرزا شاہ رخ و حسن بیگ و عبد الرحیم گرفتہ و مسلسل بہ زنجیر نمودہ بحضور فرستادند۔ بادشاہ خسرو را در حبس نگاہ داشتند و حسن بیگ را در پوست گاؤ و عبد الرحیم را در پوست خر و بعضے بسواری خر تشہیر گردانیدند و دیگران را کہ رفیق شاہزادہ بودند در دیہ دو جانبی شہر بدار کشیدند۔ مدتے شہزادہ محبوس ماند آخر از خوف پدر از اکبر آباد گریختہ بہ الہ آباد رفت و در انجا رخت اقامت انداخت تا آں کہ در سنہ ۱۰۳۱ھ بتاریخ ۱۳ ربیع الاول درگزشت۔ مزارش در الہ آباد بفاصلہ یک کروہ غربی از قلعہ موجود است در باغے کہ مشہور بباغ "سلطان خسرو" است و گرد باغ مذکور چہار دیواری است سنگین کہ حسب الحکم جہانگیر بادشاہ از باقی ماندہ چونہ و مصالح قلعہ تعمیر یافتہ۔ اما در بعضے تواریخ مرقوم است کہ در ایامیکہ شاہ جہان یعنی مرزا خرم حسب الحکم پدر بہ تسخیر ولایت دکن رفت برادر خود خسرو را نیز ہمراہ خود برد و دراں دیار در سنہ ۱۰۳۱ھ او را شہید کرد و در جہانگیر نامہ نیز مسطور کہ او در دکن بعارضۂ قولنج فوت کرد۔ اگر ایں سخن راست باشد مزارش در شہر الہ آباد چگونہ تعمیر یافت۔ اما چون باز در ہموں کتاب مسطور است کہ بعد تکفین و تدفین حسب الحکم بادشاہ نعش او را جہت احقاق شہادت او از قبر بر آوردہ بودند شاید کہ بعد ازاں روانۂ الہ آباد کردہ باشند۔ زیرا کہ قبر مادرش در انجا بود۔ بالجملہ اندرون احاطۂ مذکور چہار روضہ ہا گنبدہائے عالی شان ہستند یکے خورد کہ بطرف مغرب است معلوم نیست کہ آں مدفن کیست۔ بعضے گویند کہ ایں روضۂ بی بی تنبولن است۔ گنبد دوم عمارتیست سنگین گویند کہ ایں مزار جودھ بائی مادر سلطان خسرو ست سودائے بر مزاج او استیلا یافتہ افیون خوردہ خود را ہلاک ساختہ۔ اصل تربت او اندرون

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

محفوظ تھا وہ حامرہ اور قلعہ پر راجپوت سواروں کے زبردست پہرے لگا دیئے۔ خزانہ میں دو سو ملین (ایک ملین دس لاکھ کا ہوتا ہے) روپیہ تھا اور اس کے علاوہ اور دوسرے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) روضہ است واں سہ دوست نہر چہار طرف و تربت کہ بلندی سقف است نقلی است از سنگ مرمر ساختہ اند و گنبدے بر آں تعمیر یافتہ۔ تاریخ در باغی لب لوح ۱۰۱۱ و گرد ایں تربت مرقوم است این است۔ تاریخ بر لوح مزار شاہ بیگم :-

چوں چرخ فلک زگردشش خود آشفت　در زیر زمیں آئینہ خود بہ نہفت

تاریخ وفات شاہ بیگم جستم　از غیب ملک بخلد شد بیگم گفت

رباعی گرد تربت مذکور - بیگم نز بعفت رخ جنت آراست　از اقلیم عدم ز نور عزت آراست

سبحان اللہ زہے کمال عفت　کز حسن عمل چہرۂ جنت آراست

در روضۂ کہ در وسط باغ بمقابل دروازۂ کلان ست می گویند کہ ہمشیرۂ سلطان خسرو ایں عمارت را در برائے مدفن خود تعمیر ساختہ بود لیکن وفاتش جائے دیگر بوقوع آمدہ ایں عمارت ہمچناں خالیست۔ اشعار بسیار اندرون گنبد بخط نستعلیق مرقوم است اما چندے ازاں اشعار بوجہ کہن سالگی زائل شدہ اند۔ مصرعۂ اول ازاں اشعار ایں ست ع عدم آں روز کہ مارخت ازیں خانہ بریم۔ و تاریخ تعمیر آں عمارت کہ مشتمل بر سہ بیت بود بر پیشانی دروازۂ آں روضہ کندیدہ بودند۔ اما بیت مطلع بسبب امتداد ایام زائل گشتہ دو بیت دیگر این ست :-

بر و ملائک رحمت ہمیشہ نور نثار　زہے نمونۂ خلد بریں بمرکز خاک

خرد ز سال بنائش بصفحۂ فکرت　نوشت با قلم اختراع روضۂ پاک ۱۰۳۴

در روضۂ کہ اندرون احاطۂ مذکور بسمت مشرق است مرقد سلطان خسرو است و اشعار و تاریخ وفات او کہ اندرون روضہ قریب گنبد مرقوم است اینست :-

آہ افسوس آسماں سا سیرت بے داد شد　آرے آرے کار چوں بر ظلم آمد داد شد

زندگی زد خیمہ بیروں از دیار خرمی　دید چوں بنیاد عالم را خراب آباد شد

اہل او باقی اند آگاہ از فلک کا حدث او　ہر کجا زد شعلۂ خاکسترش برباد شد

گلبنے ہر جا کہ بینی برگ ریز اندر پے است　بلبل ایں باغ بودن مصلحت از یاد شد

گل ضداری را اطراوت چیست کز غم داغ مرگ　از پے چاک قبا صد سوزن فولاد شد

چوں طلب رانم حدیثے را کہ می سوزد بہ آہ　مشکل است اما جہاں تا ہست ایں معتاد شد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کچھ قلعوں میں وافر خزانہ جمع تھا۔ تیسرے دن راجہ مان سنگھ اور خان اعظم نے باپ میں اوپری دل سے ملاپ کرا دیا۔

اکبر کا کیرکٹر

سلطان محمد تغلق یا جہانگیر بادشاہ کی طرح اکبر کو صفات متضادہ کا مرکب تو نہیں کہہ سکتے تاہم اس کا خاصۂ طبعی پیچ دار ضرور تھا اور اس کی تہ کو پہنچنا کچھ آسان بات نہ تھی۔ بہر حال وہ انسان تھا فرشتہ نہ تھا۔ کمزوریاں اور نقائص جو لازمۂ بشریت ہیں اس میں بھی تھیں۔ اکثر مورخین نے جو اکبر کی تصویر کھینچی ہے تو سارے کا سارا روشن رخ دکھلایا ہے جس میں سایہ کی جھلک تک نہیں جو یقیناً صحیح نہیں۔ اوائل زمان سلطنت میں یعنی بیرم خاں کے زوال کے بعد اس کے مشیر اچھے نہ تھے۔ خصوصاً ملا پیر محمد جس نے مالوے میں بڑا ستم ڈھایا مگر بظاہر اس سے کچھ پرسش بھی نہیں کی گئی۔ اختتام مدت سلطنت پر جب کہ اکبر چالیس برس تک اختیارات غیر محدود برت چکا تھا اس کی فیاضانہ طبیعت ایک خاص حد تک بگڑ گئی تھی اور چند نامناسب حرکات اس سے سرزد ہوئیں مثلاً

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۸) آں گل رعنا کہ بود آرائے گلشن صد دریغ — عندلیباں را برنگ و بوئے او دل شاد شد

چاک پیراہن شد از خار قضا در باغ غم — ہم زمیں بگریست ہم از آسماں فریاد شد

شد قبا بر قامت مردم قبا در ماتمش — شاہ خسرو را بسوئے خلد چوں ارشاد شد

آں تن نازک کہ بروے بود پیراہن گراں — در تہ خاک جفا افسوس استعداد شد

شد غریق رحمت حق چوں ولی پاک بود — خاص درگاہ خدا او ہمدم او تاد شد

سلی ارشد سال فوتش فیض لائق باز گو — صفۂ جنت ز جان پاک او آباد شد

۱۰۳۱ ۱۰۳۱

بعد وفات خسرو مرزا خرم کہ برادر سومی بود خواست کہ سلطان پرویز را نیز کہ برادر دومی او بود گم کشد تا بے خلش غیرے بعد فوت پدر بر تخت نشیند لیکن شہزادہ پرویز از قضائے الٰہی در ۱۰۳۵ھ فوت شد خسرو را دو پسران بودند یکے داور بخش دوم گرشاسپ وایشان حسب الارشاد مرزا خرم یعنی شاہجہاں بادشاہ در عنفوان جلوس او یعنی ۱۰۳۷ھ بقتل رسیدند۔ **سلطان پرویز** پسر دومی جہانگیر در کابل متولد شدہ مادرش کہ صاحب جمال نام داشت دختر خویش زین خاں کوکہ بود در عمر (۳۸) سالگی بتاریخ ششم ماہ صفر ۱۰۳۵ھ در دکن فوت کردہ معتمد خاں صاحب جہانگیر نامہ بدیہہ این تاریخ گفتہ۔ "وفات شاہزادہ پرویز" ۱۲

۱۰۳۵

وغیرہ وابستہ مذہب اسلام کی اہانت۔ اس زمانے میں اُسے افیون کھانے کی بُری لت پڑ گئی تھی اور غالباً اسی سے اُس کی زندگی گھٹ گئی۔ جوانی میں وہ بعض اوقات اعتدال سے زیادہ شراب پی جاتا تھا۔ جزوائٹ اکبر کے حالات کا سب سے بہتر خاکہ پیش کرتے ہیں اور وہ بجا طور پر اکبر کی سرگرمی اور عدل و انصاف رسانی کی تعریف کرتے ہیں۔ اُس زمانے کا انصاف بھی وحشیانہ اور ظالمانہ تھا کہ لوگوں کو عموماً سولی پر چڑھایا جاتا تھا۔ ہاتھیوں سے اُن کے ٹکڑے اُڑوائے جاتے تھے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے۔ لیکن اکبر جہانگیر اور شاہجہاں کی طرح ایسے ہولناک مناظر کا دیکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ اکبر میں سب سے بڑھ کر نقص اُس کی خود پسندی کا تھا جس کی تصدیق مورخ بدایونی کی تحریرات سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی اَن تھک پرجوش کی وجہ سے وقتاً فوقتاً مہمل حرکات کر بیٹھتا تھا۔ اکبر کے خلاف میں جو کچھ کہنا تھا کہا جا چکا لیکن با ایں ہمہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اکبر بڑے بڑے بادشاہوں میں کا ایک تھا جس کا مقابلہ ہندوستان بھر میں صرف اسوکا سے کیا جا سکتا ہے اور وہ اپنے ہم عصر یورپین سلاطین ملکہ الزبتھ انگلینڈ (سنہ ۱۵۵۸-۱۶۰۳ء) اور ہنری چہارم فرانس (سنہ ۱۵۹۳-۱۶۱۰ء) سے پوری طرح ہم سری کر سکتا تھا۔ اس کے جسمانی قوی غیر معمولی طاقت کے تھے۔ اُس کی دلیری ایسی ہی بے دھڑک تھی جیسی کہ سکندر اعظم کی۔ اُس کے گجرات کے معرکے اور اُس کا احمد آباد کا نو روزہ سفر بے شک بڑے بہادرانہ کام تھے۔

اکبر کی کہانی جزوائٹ کی زبانی[1]

جگہ کی قلت سے ہم اس دلچسپ بیان کے نقل کرنے سے مجبور ہیں

جو فقرہ جزوائٹ کے پادری نے اکبر کی نسبت سنہ ۱۵۸۲ء میں لکھا ہے جب کہ اُس کی عمر چالیس سال تھی تاہم چند فقرے لکھنے سے باز بھی نہیں رہا جاتا۔ اکبر کی غذا صد درجے بالکل معمولی اور سادی تھی۔ وہ صفات حسنہ۔ شعور وافر۔ دانش مندی۔ فراست (دکیاست) کا مجموعہ تھا اور غایت درجے کا سمجھ دار تھا۔ علاوہ ازیں وہ بڑا فراخ حوصلہ۔ فیاض۔ خوش اطوار اور مہربان تھا مع ہذا وہ اپنی بھاری بھرکم سینے (خودداری)

[1] حضرت عیسیٰ مسیح کے اُس کیتھولک فرقے کا پادری جس کی اگنوشی اس لویولا نے سنہ ۱۵۳۴ء میں بنا ڈالی تھی۔

اور کرارے پن کو جانے نہ دیتا تھا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں وہ در انہ آسکتا تھا خواہ وہ معاملات جنگ ہوں یا نظم و نسق (مملکت) یا فنون حرفت۔ اس کا مزاج کبھی قابو سے باہر نہ ہوتا تھا لیکن (بمصداق اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ الْحَلِیْمِ[1]) کبھی کبھی جب بپھر جاتا تھا تو پناہ بخدا۔ چونکہ فطرتاً شریف الطبع دردمند اور مہربان تھا اس وجہ سے ہمیشہ عفو (و درگزر) پر تلا رہتا تھا۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے کہ وہ بڑوں میں بڑا اور چھوٹوں میں چھوٹا تھا۔ اس کے خیالات کی تہ کو پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا اگرچہ وہ دل میں بات رکھنے اور کپٹ سے (بالکل) آزاد تھا تاہم وہ حقیقۃً محتاط اور خود دار[2] تھا۔ اکبر کی یہ تصویر گو صرف ایک خاکہ ہے مگر نہایت عمدہ ہے۔ اکبر کی فتوحات اور نظم و نسق کے کارنامے تاریخ کے صفحوں پر صاف طور پر نمایاں ہیں۔ سلطنت مغلیہ کا اصلی بانی (دبانی) اکبر ہی تھا اور اس نے حکومت کی بنیاد ایسی مستحکم قائم کی جس کو کوئی اس کی زندگی تک ہلا نہ سکا۔ وہ ایک پختہ مدبر کی طرح وسیع خیالات رکھتا تھا وہ ملازمین کا انتخاب۔ ان سے کام لینا اور ان کا رکھ رکھاؤ خوب جانتا تھا۔ تمام مذاہب کی آزادی یہ اس کی اپنی (ایجاد کردہ) پالیسی تھی جسے یورپ یا اسلامی ملک ایشیا میں اس زمانے میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ وہ پرشان تعریف جو ورڈز ورتھ (یورپ کے ایک مشہور شاعر) نے ایک ہیرو کی کی تھی جو اب عالم گمنامی میں ہے وہ بجنسہ اکبر اعظم پر صادق آتی ہے:—

'Yet shall thy name, conspicuous and sublime,
Stand in the spacious firmament of time,
Fixed as star; such glory is thy right:[3]

اکبر کا کیرکٹر قند مکرر

اکبر جیسے عظیم الشان بادشاہ کے کیرکٹر نگاری کا پورا پورا حق تو ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسی بحث پر ایک جداگانہ کتاب

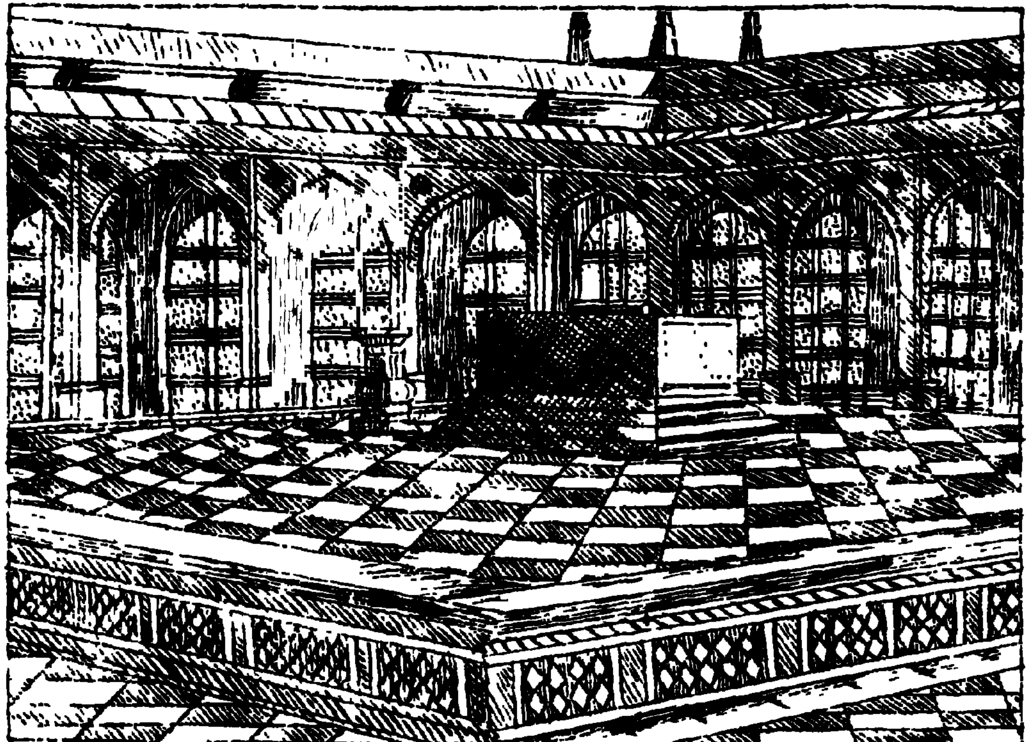
---

[1] حلیم آدمی کے غصے سے خدا کی پناہ یعنی اول تو حلیم آدمی کو غصہ آتا نہیں اور جو آتا ہے تو پھر بہت آتا ہے۔

نوٹ: اوپر کی دونوں سرخیاں ہم نے سمتھ صاحب کی تاریخ ہند سے ترجمہ کی ہیں دیکھو صفحہ (۱۸۰) اند (۱۹۰) کتاب انگریزی

[2] جزوات کا بیان محتوی جو اٹیلین زبان کے پیروچی اور بارٹولی کے مختلف جملوں کے ترجمے پر۔

[3] تیرا نام (نامی) جو نمایاں اور عظیم الشان ہے وہ زمانے کے وسیع آسمان پر تارے کی طرح قائم رہے گا ایسی (عظمت و) شان (در حقیقت) تیرا حق ہے (یعنی تجھے شایاں ہے) ۱۲



اکبر بادشاہ کی قبر بمقام سکندرہ آگرہ

لکھی جاوے مفید مختصر اور کافی ہے کہ مسلمان بادشاہوں میں مشکل سے ہم ایک شخص بھی اکبر کے جوڑ کا نکال سکیں حقیقت ایسا بادشاہ کوئی نہیں گزرا جس نے خود ہی سلطنت کی بنیاد ڈالی ہو اور پھر آپ ہی اس کو مستحکم بھی کیا ہو۔ اکبر کی تعریف میں کرنل **میلیسن** سے بڑھ کر کیا لکھا جا سکتا ہے جو انھوں نے اپنی اس مفید مختصر کتاب کے خاتمہ پر لکھی ہے جو اکبر جیسے عظیم الشان شاہنشاہ کی **سوانح عمری** ہے۔

اگرچہ اکبر کے یورپین ہم عصر سلاطین اپنے اپنے ملکوں میں بڑے عالی مرتبہ گزرے ہیں جب کہ اکبر ہندوستان کے تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا ملکہ الزبتھ انگلستان کی حکمران تھی اور ہنری چہارم فرانس میں لیکن ان سے مقابلہ کرنے میں بھی اکبر کے لیے کوئی جھجکنے کا موقع نہیں ہے۔ اس کی شہرت کی بنیاد اس کے کام ہیں جو اس کے بعد بھی باقی رہے ..... جب ہم اس زمانے پر نظر کرتے ہیں جس میں کہ اکبر نے کیا (دوسرا) وہ طریقے جن کا اس نے معقول مقاصد کے لیے رواج دیا تو ہم کو بجز اس کے گریز نہیں کہ اکبر کو ہم ان لوگوں میں کا ایک فرد سمجھیں کہ جن کو خدا کسی قوم کے نازک وقت میں (خاص اسی غرض سے) بھیجتا ہے کہ وہ پھر اس قوم کو اس امن و اعتدال کی راہ پر لگائے کہ صرف وہی ایک یقینی طریقہ لاکھوں نفوس کی فارغ البالی کا ہے[1]"

اکبر کا آخری ٹھکانا

اکبر سکندرے کے ایک باغ میں آسودہ ہے جو آگرے کے غرب میں تین کوس پر ہے۔ یہ روضہ خود اکبر نے اپنی زندگی میں بنوایا تھا جس کا نام **بہشت آباد** قرار پایا۔ اکبر کے روضے کا حال تاریخ آگرے سے متعلق ہے مختصر یہ کہ جیسا جلیل القدر بادشاہ تھا ویسا ہی عالی شان روضہ بھی ہے۔ قلم میں طاقت کہاں جو اس کا نقشہ کھینچے۔ زبان میں ایسی گویائی کہاں جو ایک شمہ اس کی نفاست اور ندرت کا بیان کر سکے شائقین خود جا کر اس سرزمین پر آنکھیں بچھائیں یا کتابوں میں دیکھ کر دل بہلائیں بس سوا اس کے کیا کہہ سکتا ہوں ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اتنے بڑے بادشاہ کے مرنے پر بے شمار مرثیے اور لاتعداد تاریخیں ہوئیں۔ ان میں

[1] دیکھو صفحہ (۱۶۴) تاریخ ہند رام پرشاد کھوسلا اور من موہن۔

یہ مصرع مشہور ہے۔

ع۔ الف کشید ملائک ز فوت اکبر شاہ
اور ایک ع۔ بادشاہ عالم جاوید اکبر شاہ

اکبر نے بحساب قمری (۵۲) سال سلطنت کی عزیزی نے یہ مصرع وفات کا کہا ع۔

پنجاہ و دو سال حکم راند اکبر شاہ۔

تاریخیں۔ (۱) جلال الدین محمد شاہ اکبر | ز دنیا گشت سوے خلد راہی
چو رضوان دید حیراں شد کہ این کیست | ندا آمد "یکے ظل الٰہی"
(۲) شاہ گیتی ستاں جلال الدین | کہ چو او در جہاں ندارد یاد
رخت بربست زیں سرائے فنا | ماند ز و یادگار دانش وداد
ہر کسے سال فوت او می جست | لجۂ ام ایں گہر بساحل داد
فوت اکبر شہ است تاریخش | جائے او در جوار رحمت باد
(۳) شاہ اکبر جلال دولت و دیں | کہ ز و از قدر بر فلک خرگاہ
ماہی عمر او فتاد بشست | تو بتتش در گزشت از پنجاہ
نخل شاہیش چوں ز پا افتاد | گشت تاریخ فوت اکبر شاہ

۱۰۱۴=۱-۱۰۱۵

	سن	م	ی
شاہزادگی کا زمانہ روز ولادت سے ہمایوں کی وفات تک	۱۳	۸	۷
مدت سلطنت	۵۱	۳	۱

عمر بحساب سال قمری

سکندرے کی عمارت سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے جو ایک وسیع احاطے کے اندر ہے۔ اس احاطے کے چار دروازے ہیں جن میں سے تین بند طرف ایک بڑا دروازہ سمت جنوب کا کھلا ہوا ہے اس دروازے کے دو طرفہ اشعار منقوش ہیں جن کا پڑھا جانا بوجہ بلندی کے دشوار ہے۔ پہلی بیت یہ ہے۔ ؎

مرحبا خورم فضائے برتراز باغ بہشت | مرحبا عرش بریں عالی بنا بر تر بتے

ابیات اندرون دروازۂ کلاں

بفرماں شاہنشہ ذوالجلال | کہ باشد شہنشاہیش بے زوال
شد آراستہ آں چناں روزگار | کہ حیراں شد اندیشۂ ہوشیار

جگیتی بہ فیض ازل بادشاہ | بود سایۂ نور ذات الہ
چو از دہر آں سایہ گردد نہاں | فتد سایۂ دیگر اندر جہاں
بدینساں بود تا سرانجام کار | بہ نزد خرد گردش روزگار
زمانہ دگرگوں شود ہر نفس | نگردد بیکگونہ باہیچ کس
فلک رتبہ شاہ اکبر عرش گاہ | کہ زینتش گوہ گستے چو گاہ
نشستے چو بر تخت شاہنشہی | گرفتے جہاں فرۂ ظل الٰہی
فروزندۂ افسر و تخت بود | گرفتہ رحیم وجوان بخت بود
دل روشن و جان آگاہ داشت | جہاں خورد داد و گرفت و گزاشت
بباغ جہاں تخم نیکی بکشت | بہ آن گرفت از ریاض بہشت
روانش چو انوار خورشید و ماہ | فروزندہ باد از نور الہ

شمالی رویہ دروازے پر۔ شاہ اکبر زروے دانائی | گرد طاہر ز دہر فانی دست
دولتش بود بے زوال از آں | دل بدنیائے با زوال نہ بست
مرغ روحش چو بود طائر عرش | رفت برآشیان خویش نشست

اسی دروازے کی پیشانی پر۔ طاقے کہ از رواق نہم چرخ برتر است
روشن ز سایہ اش رخ تابندہ اختر است
ایں طاق زیب نہ فلک و ہفت کشور است | از روضۂ منورۂ شاہ اکبر است

اکبر کی قبر کا بالائی تعویذ جو زینہ چڑھ کر کھلے چبوترے پر ہے وہ ایک ہی سنگ مرمر کے ٹکڑے سے بنا ہے۔ اُس پر کوئی گنبد ہے نہ چھت۔ تعویذ قبر کے چاروں طرف نودنہ نام باری تعالیٰ کے نہایت خوش نما بیل بوٹوں میں کندہ ہیں۔ سرہانے اللّٰہ اکبر پائنتی میں جل جلالہ۔ تربت کے گرد جو چار دیواری ہے اس پر سنگ موسیٰ سے اشعار کندہ ہیں:۔

بنام شہنشاہ ملک قدم | کہ ذاتش مبرا بود از عدم
ہمہ بادشاہان روے زمیں | از و صاحب تاج و تخت و نگیں
کند از عدم آشکارا وجود | بود ذات او مظہر عدل و جود
ز لطفش کہ و مہ طلبگار کام | بود درگہش قبلۂ خاص و عام
نگارندۂ جوہر آب و خاک | طرازندۂ گوہر جان پاک

دو عالم ز فیض ازل آفرید یکے کرد پنہاں و دیگر پدید
بجنشید آنگاه سرائے سپنج بشاہان با افسر و تاج و گنج
کہ از عدل ایشاں شود روزگار شگفتہ تر از باغ در نوبہار
رہ داوری را چو گیرند پیش شناسند بیگانہ را ہمچو خویش
شہے کو چنیں زیست در روزگار بود سایۂ ذات پروردگار
ز صد صد فزوں بود شصت سال کہ شاہ اکبر آں سایۂ ذوالجلال
ببالاے زرینہ مسند نشست کہ بر تخت او گشت افلاک پست
جہاں را بپا است از عدل داد دل اہل عالم از او گشت شاد
بپایۂ تختش از ہر گروہ شدہ جمع مردان صاحب شکوہ
بہر ار فگندے نظر عین خاک بگوہر شدے بہتر از جان پاک
گرفتے بیک حملہ ملکے برزم بپایان ابر و بادے ببزم
چو لطف خدا لطف او عام بود بہر کار بخشش بانجام بود
بدرگاہ او ہر کہ بردی پناہ چو اندیشہ رفتے بشاہی بماہ
جہاں پر شد آوازہ اش در جہاں کہ در دل نگنجید راز نہاں
چو پرداخت آں گنج بے رنج زمیں کہ کرد آفرینش جہاں آفریں
بگیتی دو افزوں ز پنجاہ سال چنیں کرد شاہی ز روے جلال
چو از عدل آباد کرد ایں جہاں سوے آں جہاں رفت روشن روان
بہ ہفت کشور از ایں بیش بود کنوں ہشت جنت مسخر نمود
بنزد خرد مند ہشیار دل سراسیمہ ایں عالم آب و گل
مجو مہر از جو ہر نہ سپہر کہ با کس بپایاں نبرد است مہر
سپہر است پر کینہ مہرش مدار کہ با کینہ در دہر ناید بکار
جہاں ہست مانند موج سراب ازاں تشنہ دل کی شود کامیاب
نہ بست است پیماں کس روزگار کہ نشکست آں را بہنگام کار
نماند بگیتی کسے جاوداں ز دست اجل کس نبرد است جاں
چہ خوش گفت آں کامل نکتہ سنج کہ از گوہر دانش اندوخت گنج

جہاں ای برادر نماند بکس دل اندر جہاں آفرین بند و بس
شد از عدل شاہ اکبر کامگار بسان بہشت برین روزگار
جہاں گشت خرم بدوران او [illegible] بفرمان او
وے دہر بے مہر پیمان گسل [illegible] دل
ز تاثیر [illegible] ایں جہاں [illegible] باد وال
روانش [illegible] شاد باد [illegible] باد باد

روضے کے نیچے اصل قبر ہے۔ اس کے مشرق میں ایک [illegible] سے حجرے میں سنگ مرمر کی ایک قبر ہے جس کے گرد آیات کلام مجید منقوش ہیں اور پائین کی طرف ہذا القبر آرام بانو [illegible] ہے۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک پختہ کنواں ہے مگر خشک۔ یہ قبر کے مغرب [illegible] اور ایک حجرے [illegible] سنگ مرمر کی قبر مع آیات قرآنی اور [illegible] بوٹوں کے نہایت خوشنما [illegible] ہذا القبر شکر النساء بیگم [illegible] شادی [illegible] تھیں۔ ان کے سوا اور ایک دختر شاہزادہ خانم تھی [illegible] بیگم نے ۱۰۳۲ھ میں چالیس سال کی عمر میں [illegible] دنیا میں آئی [illegible] انتقال کیا [illegible] بڑی چہیتی بیٹی تھی۔ شکر النساء بیگم کی قبر کے پاس ایک [illegible] قبر سنگ مرمر کی سلیمان شکوہ پسر عالم شاہ بادشاہ کی ہے۔ جو محمد اکبر شاہ ثانی کا بھائی تھا جس نے ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ (۲۴ فروری ۱۸۳۸ء) میں آگرہ میں انتقال کیا اور اکبر شاہ کے روضے میں مدفون ہوا۔ قبر سنگ مرمر کی ہے جس پر یہ قطعہ اور عبارت کندہ ہے۔

اللہ محمد علی فاطمہ حسن و حسین

چو فرمود رحلت سلیمان شکوہ ز دار فنا سوئے [illegible] بقا
بسال دو صد الف و پنجاہ و سہ بذی قعدہ [illegible] ت و نہم زیر سرا
دراں دم ز ہاتف ندا ایں رسید بگو "کرد بر شاہ رحمت خدا"

لوح منورۂ مرشد زادہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر ابن محمد شاہ عالم بادشاہ غازی ۱۲۵۳...

اس کے علاوہ اور بھی چند قبریں ہیں جن پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہے ان میں سے کوئی ایک سی شاید رقیہ سلطانہ بیگم دختر مرزا ہندال اور منکوحۂ کلاں اکبر بادشاہ کی ہے جنھوں نے

سنہ ۱۰۱۳ھ میں بمقام آگرہ رحلت کی۔

عہد اکبری کی بعض نادر ایجادیں

گوئے آتشیں - اکبر کو چوگان بازی کا بہت شوق تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کھیلتے کھیلتے شام ہو گئی بازی ابھی تمام نہ ہوئی اس لیئے سنہ ۹۸۳ھ میں ایک ایسی گیند بنائی کہ اندھیرے میں شعلے کی طرح جاتی معلوم ہوتی تھی گیند تو لکڑی کی ہوتی تھی مگر اوپر کچھ ایسا مسالا لگا دیتے تھے کہ وہ جگمگا اٹھتی تھی جیسے آج کل کی ریڈیم ڈایل کی گھڑی - ہندسوں پر فاسفورس چڑھا دینے سے رات کو وہ ہندسے روشن ہو جاتے ہیں جب ایک دفعہ اُسے آگ دے دیتے تھے تو چوگان کی چوٹ اور سنبھلنے یا لڑھکنے سے بجھتی نہ تھی - واہ! - رات کی بہار دن سے زیادہ ہوتی تھی

چار ایوان یا عبادت خانہ

سنہ ۹۸۳ھ میں فتح پور میں اس نام کا ایک نفیس مکان طیار ہوا - یہ گویا ایک اسمبلی روم علماء و عقلاء کا تھا جس میں مسائل مذہبی - مہمات سلطنت - مقدمات ملکی پیش ہوتے تھے اور جو کتابی یا عقلی اختلاف ان میں ہوتے تھے وہ یہاں کھل جاتے تھے - اصلی غرض تو اس کی یہی تھی مگر ہوا برعکس کہ آپس کے رشک و اختلاف باہمی کے سبب سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔

گنگ محل

گفتگو ہوئی کہ انسان کی طبعی اور مادری زبان کیا ہے؟ - خدا کے ہاں سے کیا مذہب لے کر آتے ہیں اور پہلے کیا کلمہ ان کی زبان سے نکلتا ہے سنہ ۹۸۸ھ میں اس کی تحقیق کے لیئے شہر سے الگ ایک وسیع عمارت بنوائی - تقریباً بیس بچے پیدا ہوتے ہی ماؤں سے لے لیئے گئے اور وہاں جا کر کھلائیں انائیں پالنے والی - دوائیں - خدمت گزار - کیا عورتیں کیا مرد سب گونگے ہی رکھے کہ گفتگوئے انسانی کی آواز تک کان میں نہ جائے - آرام و آسایش کے سامان کمال فارغ البالی کے ساتھ موجود تھے - مقام کا نام **گنگ محل** تھا - چند سال کے بعد اکبر وہاں گیا - خدمت گاروں نے بچوں کو لا کر آگے چھوڑا - چھوٹے چھوٹے بچے چلتے پھرتے کھیلتے کودتے بولتے بھی تھے مگر بات کا ایک لفظ سمجھ میں نہ آتا تھا جانوروں کی طرح غائیں غائیں کرتے تھے - گنگ محل میں پلے تھے گونگے

نہ ہوتے تو کیا ہوتے[1]

آنکھ مچولی یہ سنگ سرخ کی نہایت مضبوط عمارت فتح پور سیکری میں ہے جو نشست گاہ ارتال اور دیوان خاص سے ملی ہوئی ہے۔ اس کی نسبت مختلف روایتیں مشہور ہیں جن میں سب سے زیادہ یہ مشہور ہے کہ اکبر بیاں بیگمات کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرتا تھا مگر یہ محض خرافات معلوم ہوتی ہے کیوں کہ عقل سلیم اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرتی کہ اکبر سا بیدار مغز بادشاہ بیگمات سے آنکھ مچولی کھیلنے کے واسطے دیوان خاص کے قریب بیگمات کے محل سے بالکل علیحدہ یہ عمارت بنواتا۔ اکبر کیا رنگیلا محمد شاہ یا پیا واجد علی شاہ تھا کہ جو اپنا عزیز وقت اس طرح ضائع کرتا۔ قرینہ اور طرز عمارت اس بات پر دال ہے کہ یہ عمارت کسی فرضی غرض یا خزانے کی

تقسیم اوقات ذرا اس کی تقسیم اوقات کو دیکھو اور پھر خیال کرو کہ یہ بیہودہ روایت کہاں تک صحیح ہو سکتی ہے۔ ... شام کو تھوڑی دیر آرام سے کر علماء وحکماء کے جلسے میں آتا تھا۔ یہاں مذہب کی خصوصیت نہ تھی ہر طریق اور قوم کے صاحب علم جمع ہوتے تھے۔ ان کے مباحثے سن سن کر معلومات کے خزانے کو معمور کرتا تھا۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جو عرضیاں حکام و عمال نے بھیجی ہوتیں انھیں سنتا تھا اور خود حکم مناسب صادر کرتا تھا۔ آدھی رات گویا انہی میں مصروف ہوتا اس کے بعد

[1] لنگڑ محل پر مجھے اپنے بچپنے کا ایک چشم دید واقعہ یاد آیا۔ ضلع اعظم گڈھ میں ریڈ صاحب مہتمم بندوبست تھے جو آگے چل کر گورنمنٹ صوبہ متحدہ کے چیف سکرٹری ہو گئے تھے۔ میرے والد مرحوم وہاں بندوبست کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ریڈ صاحب ان انگریزوں میں تھے جو اپنے حسن اخلاق سے ہندوستانیوں کو گرویدہ کر لیتے ہیں۔ مجھ پر بڑی شفقت پدرانہ فرماتے تھے میں اکثر ان کی کوٹھی پر جایا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ان کے ہاں کوئی سولہ سترہ برس کا ایک لڑکا تھا جو خاک روب کا کام کرتا وہ گونگا تھا۔ بچوں کو ہر بات کی کرید ہوتی ہے میں نے معلوم کیا کہ ریڈ صاحب ایک دن شکار کو گئے۔ جنگل میں ریچھ کی گوی پر ان کو تین بچے خوش فعلیاں کرتے نظر آئے غور سے دیکھا تو اس میں ایک آدمی کا بچہ بھی تھا جو ریچھ کے بچوں کی طرح چاروں ہاتھ پاؤں سے چلتا تھا انہوں نے فوراً اسے پکڑوا لیا وہ کوئی تین چار برس کا تھا۔ بالکل وحشی جانور۔ انسان کی شکل سے خائف ہوتا کچھ نہ تھا۔ صاحب نے اسے پالا پرورش کیا۔ جب وہ بڑا ہوا تو وہ بھی غائیں غائیں کرتا تھا بول نہ سکتا تھا۔ ریچھ کسی بچے کو اٹھا لایا اور اپنی گوی میں اپنے بچوں کے ساتھ اسے پالا۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ خونخوار درندے جانور سے کس طرح پلواتا ہے۔ یہ اس کی قدرت کے کھیل ہیں۔ ۱۲

آرام کرتا تھا لیکن بہت ہی کم سوتا تھا۔ اس کی نیند بالعموم تین گھنٹے ہوتی تھی بلکہ اکثر رات جاگتا رہتا تھا۔ علی الصباح ضروریات سے فارغ ہوکر۔ نہا دھو کر دو گھنٹے یاد الہی میں مصروف رہتا اور آفتاب کے ساتھ دربار میں طلوع ہوتا تھا۔ وہاں خاص و عام ادنی و اعلی سب کی عرض معروض سنتا۔ جب اس سے فارغ ہوتا اصطبل فیل خانہ۔ شتر خانہ۔ آہو خانہ وغیرہ میں جاکر جانوروں اور کارخانوں کو دیکھتا تھا۔ پھر دوپہر کا کھانا کھاکر تھوڑی دیر قیلولہ کرکے پھر بارگاہ عدالت کو آراستہ کرتا اور سوتے وقت بھی علمی کتابیں سنا کرتا تھا۔

فرش پچیسی محل خاص اور دیوان خاص (فتح پور سیکری) کے درمیان میں ایک سنگین فرش ۲۱۷½ × ۱۵۱ ہے جو پچیسی کا فرش کہلاتا ہے۔ یہ دیوان خاص کے فرش سے بلند اور محل خاص کے فرش سے نیچا ہے۔ اس کے مشرقی اور مغربی کنارے پر دالان دروازان تھے جن کا اب بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ فرش کے درمیان ایک بہت بڑا نقشہ پچیسی کا بنا ہوا ہے جس کے بیچوں بیچ سنگ سرخ کا ایک معمولی تخت (چوکی نما) بنا ہوا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ اس تخت پر بیٹھ کر پچیسی کھیلا کرتے تھے اور پچیسی کے خانوں میں بجائے گوٹوں کے غلام یا لونڈیاں سرخ اور سبز زرد اور سیاہ لباس میں ہوتی تھیں جو صرف اشارے سے ایک خانے سے دوسرے خانے میں جیسا ہوتا پڑے منتقل ہوتی رہتی تھیں[1]۔

مردم شماری ۹۸۹ھ میں حکم ہوا کہ تمام جاگیردار۔ عامل۔ بخش دار وغیرہ وغیرہ سب مل کر دفتر مردم شماری نام بنام بقید پیشہ وحرفہ مرتب کریں۔

خیر پورہ۔ دھرم پورہ شہروں اور منزلوں میں جا بجا دو دو مقام مقرر ہوئے کہ ہندو مسلمان وہاں کھانا کھائیں اور آسائش و آرام پائیں۔ مسلمانوں کے لیئے خیر پورہ ہندوؤں کے لیئے دھرم پورہ۔

شیطان پورہ بازاروں کے کوٹھوں پر بازاری عورتیں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے۔ بازاروں سے ان کے ڈیرے ڈنڈے اٹھا کر شہر کے باہر ایک جگہ بسایا اور شیطان پورہ نام رکھا۔

---

[1] پھر جب یہ ہو تو آنکھ مچولی میں کیا قباحت ہی ؟ سے زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔ مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

اس کے لیئے بھی قاعدے مقرر تھے۔ داروغہ، منشی، چوکیدار تعینات تھے جو کسی طوائف کے گھر رہتا یا اُسے اپنے گھر لے جاتا اُس کا نام درج رجسٹر ہوتا۔ بے اس کے پرندہ پر نہ مار سکتا تھا۔ رنڈیاں نئی نوچی نہ بنا سکتی تھیں۔ پھر بھی اندر ہی اندر کام ہو جاتے تھے پتہ لگ جاتا تو دارو گیر ہوتی۔ رنڈی سے پوچھا جاتا کہ یہ کام کس کا رگزاری کا تھا۔ اُن کو بتلا پڑتا۔ امیر کو خلوت میں بُلا کر خوب لعنت ملامت کی جاتی۔ بلکہ بعضوں کو تنبیہ بھی کر دیا۔ اس روک تھام سے علاوہ فسق و فجور میں بہت کچھ کمی ہو گئی۔ لوگ اس کوچے میں جاتے ضرور تھے کہ چوری چوری سے گیا تو کیا پھیرا پھیری سے بھی گیا مگر قدم پھونک پھونک کر رکھتے تھے کہ خبر ہو گئی تو بُری گت بنے گی۔

جشن نوروزی

نوروز ایک عالم افروز دن ہے کہ ایشیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اسے عید مانتے ہیں اور بالفرض کوئی بھی نہ ملنے تو موسم بہار ایک قدرتی جوش ہے کہ اپنے وقت پر خود بخود ہر دل میں ذوق شوق پیدا کرتا ہے۔ یہ امر کچھ انسان یا حیوان پر منحصر نہیں بلکہ اُس کا اثر ہر شے میں جان ڈال دیتا ہے انتہا یہ کہ مٹی میں سرسبزی اور سبزی میں گل کاری کرتا ہے۔ بس اسی کا نام عید ہے۔ ترک چنگیزی کہ کچھ مذہب نہ رکھتے تھے اور جاہل محض تھے باوجود اس کے ادنیٰ صاحب مقدور سے لے کر امرا و بادشاہ تک اس دن گھروں کو سجاتے تھے خوان یغما لگاتے تھے سب مل کر لوٹتے لٹاتے تھے اور اسے سال بھر کے لیئے مبارک شگون سمجھتے تھے ایرانی پہلے سے بھی مانتے تھے۔ زردشت نے آ کر اُس پر مذہبی سکہ لگایا کیوں کہ اس کے خیالات کے بموجب آفتاب سب سے روشن دلیل خداشناسی اور حق جوئی کی ہے۔ ہندو بھی اس خیال میں اُن سے متفق ہیں خصوصاً اس جہت سے کہ ان کے بعض مہاراجگان جلیل القدر کے جلوس اور اکثر بڑی بڑی کامیابیاں اسی دن ہوئی ہیں ہیں۔ اکبر کو انھیں فرقوں سے تعلق تھا اس لیئے وہ بھی نوروز کے دن جشن شاہانہ کے سامان فصل بہار کی شان دکھاتا تھا اور سلطنت کا نوروز مناتا تھا۔ چوں کہ وہ ہندوستان میں اور ہندوؤں میں اُسے رہنا سہنا اور گوارا کرنا تھا اس لیئے ان کی ریت رسوم کی بھی بہت باتیں داخل کر لی تھیں ... دیوان عام و خاص کے گرد (۱۲۰) ایوان عالی شان تھے جن کی عمارت کو خوش نما اور بیش بہا پتھر سنگین اور رنگین کیا تھا۔ ایک ایک ایوان ایک ایک امیر باتدبیر کو عنایت ہوا کہ ہر عالی حوصلہ

اُسے آراستہ کرکے اپنی قابلیت اور علو ہمت کا نمونہ دکھایا۔ ایک طرف دولت خانہ خاص تھا وہ خدمت گاران خاص کے سپرد ہوا کہ آئینہ بندی کریں۔ سبھا منڈل کہ جلوہ گاہ خاص سجایا گیا اور تمام مکانات کے در و دیوار کو پرتگالی بانات رومی و کاشانی مخمل۔ بنارسی زربفت و کمخواب سیلے دوپٹے تاش تمامی۔ گوٹے ٹھپے۔ بیک منقیش کے خلعت پہنائے کشمیر کی شالیں اڑھائیں۔ ایران و ترکستان کے قالین پانداز میں بچھائے۔ ملک فرنگ اور چین اور ماچین کے رنگا رنگ پردے۔ نادر تصویریں۔ عجیب و غریب آئینے سجائے شیشہ اور بلور کے کنول۔ مردنگ قندیلیں جھاڑ فانوس قمقمے لٹکائے۔ شامیانے تمبو آسمانی خیمے بلند کیے۔ مکانات کے صحنوں میں بہار نے آکر گلکاری کی اور کشمیر کے گلزار کو تراش کر فتح پور اور آگرے میں رکھ دیا۔ اسے مبالغہ نہ سمجھنا جو اُس وقت ہوا اُس سے بہت کم ہے جو آج لکھا گیا۔ جب عالم ہی اور تھا وہ اصل حال تھا جو آج خواب و خیال ہے۔ وہ وہ سامان جمع تھے کہ عقل دیکھتی تھی اور حیران تھی۔ اگلے وقتوں کے امرا کو بھی ہر قسم کی عجیب و غریب اور عزیز الوجود چیزوں کا شوق ہوتا تھا اور جس قدر یہ سامان زیادہ ہوتا تھا اُس سے اُن کا سلیقہ اور ہمت و حوصلے کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ اوصاف عموماً امیری کے لازمے تھے مگر قاعدہ ہے کہ ہر شخص کو بہ مقتضائے طبیعت خاص خاص قسم کی چیزوں کا یا مختلف صنائع اور بدائع میں سے ایک دو کا دلی شوق ہوتا ہے بلکہ بعضوں کے عہدے اور منصب اشیائے خاص سے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ خان خاناں اور خان اعظم کے ایوان ملک ملک کے صنائع و بدائع سے ایک کامل نمائش گاہ بنے ہوئے تھے جن کے در و دیوار فصل بہار کی چادر کو ہاتھوں پہ پھیلائے کھڑے تھے اور ستون ایک باغ کو بغل میں لیے تھا اکثر امرا نے اسلحہ حرب کے عمدہ عمدہ نمونے دکھائے تھے کہ ہندوستان سے جمع کیے تھے اور اور ملکوں سے منگائے تھے۔ شاہ فتح اللہ نے اپنے ایوان میں علوم و فنون کا طلسم باندھ کر بات میں نکتہ اور نکتے میں باریکی پیدا کی تھی۔ گھڑیال اور گھنٹے چل رہے تھے۔ علم ہیئت کے آلات۔ کرے۔ ربع مجیب۔ اسطرلاب نظام فلکی کے نقشے اور اُن کی مجسم صورتوں میں سیارے اور افلاک چکر مار رہے تھے۔ جرِّ اثقال کی کلیں اپنا کام کر رہی تھیں علم کیمیا اور علم نیر نجات کے شعبدے ساعت بساعت رنگ بدل رہے تھے دانایان فرنگ موجود تھے بیلان (بیلوں) کا خیمہ کھڑا تھا۔ ارغنوں (ارگن) کا صندوق

رنگ برنگ کی کہانیاں سناتا تھا۔ ممالک روم و فرنگ کی عمدہ صنعتیں اور انوکھی دستکاریاں جادو کا عالم اور اچنبھے کا تماشا تھیں۔ اُنھوں نے تھیٹر کا ہی سماں باندھا تھا۔ جس وقت بادشاہ آکر بیٹھے موسیقی فرنگ نے مبارکباد کی نغمہ سرائی شروع کی۔ باجے بج رہے تھے۔ فرنگی شعبدات رنگ برنگ بدل کر آتے تھے اور غائب ہو جاتے تھے۔ پرستان کا عالم نظر آتا تھا ...... نوروز سے لے کر اٹھارہ دن تک ہر ایک امیر نے اپنے اپنے ایوان میں ضیافت کی حضور رونق افروز ہوئے اور بے تکلف اور دوستانہ ملاقات سے محبت و اتحاد کی بنیادوں میں استواری کی۔ امرا نے اپنے رتبے کے بموجب پیشکش گزرانی۔ ارباب طرب اور اہل نشاط کے طوائف۔ کشمیری۔ ایرانی۔ تورانی۔ ہندوستانی۔ گویئے۔ ڈوم ڈھاڑھی میراثی۔ کلاونت۔ گائک۔ ناٹک۔ سپردائی۔ ڈومنیاں۔ پاتر۔ کنچنیاں ہزاروں ہزار جمع ہوئیں۔ دیوان خاص اور دیوان عام سے لے کر بازاروں کے نقار خانوں تک جا بجا مقامات تقسیم ہو گئے تھے۔ جدھر دیکھو راجہ اندر کا اکھاڑا تھا۔

جشن کی ریت رسوم

روز جشن سے ایک دن پہلے مبارک ساعت شبھ لگن میں ایک سہاگن بی بی اپنے ہاتھ سے دال دیتی اسے گنگا جل میں بھگوتی۔ بیٹھی پیس کر رکھتی جشن کی ساعت قریب آئی۔ بادشاہ اشنان کو گئے۔ رنگین جوڑا۔ ساعت اور ستاروں کے موافق حاضر۔ جامہ پہنا۔ کھڑکی دار پگڑی راجپوتی انداز سے باندھی۔ مکٹ سر پر رکھا۔ کچھ اپنا خاندانی کچھ ہندوانی گہنا پہنا۔ جوتشی اور نجومی اسطرلاب لگائے بیٹھے ہیں۔ جشن کی ساعت آئی۔ برہمن نے ماتھے پر ٹیکا لگایا۔ جواہر نگار کنگن ہاتھ میں باندھ دیا۔ کوئلے دہک رہے ہیں۔ خوشبوئیاں طیار ہیں۔ اُدھر ہون ہونے لگا۔ چوکے میں کڑاہی چڑھی ہے۔ یہاں اس میں بڑا پڑا وہاں بادشاہ نے تخت پہ قدم رکھا نقارۂ دولت پر چوٹ پڑی۔ نوبت خانے میں نوبت بجنے لگی کہ گنبد گردوں گونج اٹھا۔ خوانوں اور کشتیوں پہ زرنگار تورہ پوش پڑے۔ موتیوں کی جھالر لٹکتی امرا سینے کھڑے ہیں۔ سونے روپے کے بادام پستے وغیرہ میوہ جات روپے اشرفیاں۔ جواہر۔ اس طرح نچھاور ہوئے جیسے اولے برستے ہیں۔ دربار ایک مرقع قدرت الٰہی کا تھا۔ راجوں کے راجہ مہاراجہ اور بڑے بڑے ٹھاکر کہ خاک سے سر نہ جھکائیں۔ ایرانی تورانی سردار کہ رستم و اسفندیار کو خاطر میں نہ لائیں۔

خود۔ زرہ۔ بکتر۔ چار آئینہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ تصویر کا عالم کٹہرے میں خاص شہزادوں کے سوا کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ اول شہزادوں نے پھر امرا درجہ بدرجہ نذریں دیں۔ سلام گاہ پر گئے وہاں سے تخت گاہ تک تین جگہ آداب و کورنش بجا لائے۔ عجب چیز تھا سجدہ کہ "آداب زمین بوس" کہلاتا تھا ادا کیا تو نقیب نے آواز دی کہ "آداب بجا لاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت مہابلی بادشاہ سلامت" ملک الشعرا نے سامنے آکر قصیدہ مبارکباد پڑھا۔ خلعت و انعام سے سربلند ہوا۔ برس میں دو دفعہ تُلادان ہوتا تھا۔ (۱) نوروز۔ سونے کی ترازو کھڑی ہوتی۔ بادشاہ بارہ چیزوں میں تُلتا تھا سونا چاندی۔ ابریشم۔ خوشبوئیاں۔ لوہا۔ تانبا۔ جست۔ توتیا۔ گھی۔ دودھ چاول ست نجا (۲) جشن ولادت۔ قمری حساب سے ۵ رجب کو ہوتا تھا۔ اس میں چاندی۔ قلعی۔ کپڑا۔ بارہ میوے شیرینی۔ تلوں کا تیل۔ سبزی۔ سب برہمنوں اور عام فقیروں غریبوں کو بٹ جاتا تھا۔ (از دربار اکبری)

مینا بازار یا زنانہ بازار ترکستان میں دستور ہے کہ ہفتہ میں دو دفعہ یا ایک دفعہ شہروں اور اکثر دیہات میں بازار لگتے ہیں۔ بادشاہ نے اسے اصلاح و تہذیب کے ساتھ رونق دی۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ہر مہینے معمولی بازار کے تیسرے دن قلعے میں زنانہ بازار لگتا تھا۔ جب جشن نوروزی کے آداب آئین شان و شکوہ میں اپنے خزانے خالی کر لیتے اور آرائش اور زیبائش کی بھی ساری دستکاری خرچ ہو چکتی تو ان ایوانوں میں جو درحقیقت ایجاد اور عقل و شعور کے بازار تھے۔ زنانہ ہو جاتا وہاں محلات کی بیگمات آتی تھیں کہ ذرا ان کی آنکھیں کھلیں اور سلیقے کی آنکھوں سے سگھڑاپے کا سرمہ لگائیں۔ امرا اور شرفا کی بیبیوں کو بھی اجازت تھی جو چاہے آئے اور تماشہ دیکھے۔ دکانوں پر تمام عورتیں بیٹھ جاتی تھیں۔ سوداگری اور سودا زیادہ تر زنانہ رکھا جاتا تھا۔ خواجہ سرا قلماقنیاں۔ اردا بیگنیاں۔ اسلحہ جنگ سجے۔ انتظام کے گھوڑے دوڑاتی پھرتی تھیں عورتیں ہی پہروں پر ہوتی تھیں۔ مالیوں کی جگہ مالنیں چمن آرائی کرتی تھیں۔ اس کا نام خوشروز تھا۔ نیک نیت بادشاہ آپ بھی آتا تھا اور اپنی رعیت کی بہو بیٹیوں کو دیکھ کر ایسا خوش ہوتا تھا کہ ماں باپ بھی اتنا ہی خوش ہوتے ہوں گے۔ جہاں مناسب جگہ دیکھتے تھے بیٹھ جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم۔ بہنیں۔ بیٹیاں پاس بیٹھتی تھیں۔ امرا کی

سیدانیاں آکر سلام کرتیں۔ نذریں دیتیں۔ بچوں کو سامنے حاضر کرتیں۔ ان کی نسبتیں حضور
میں ٹھہرا پاتی تھیں اور حقیقت میں یہ بھی آئین سلطنت کا ایک جز تھا۔ کیوں کہ یہی لوگ اجزائے
سلطنت تھے۔ شطرنج کے مہروں کی طرح باہم تعلق رکھتے تھے اور آپس میں ایک ایک
دوسرا ایک کو پونچ رہا تھا ان کے باہمی محبت اور عداوت۔ نفاق اور اختلاف اور
ذاتی نفع و نقصان کے اثر بادشاہ کے کاروبار پر پہنچتے تھے۔ ان کی نسبتوں کے معاملے
خواہ اس جشن پر خواہ کسی اور موقع پر۔ ایک مبارک تماشہ دکھاتے تھے۔ کبھی دو گھروں
میں ایسا بگاڑ ہوتا تھا کہ دونوں یا ایک ان میں سے راضی نہ ہوتا تھا اور بادشاہ چاہتے
تھے کہ ان میں بگاڑ نہ رہے بلکہ اتحاد ہو جائے۔ اس کا یہی علاج تھا کہ دونوں گھر ایک
ہو جائیں۔ جب وہ کسی طرح نہ مانتے تھے تو بادشاہ کہتے تھے کہ اچھا یہ لڑکا یا لڑکی ہمارے
تھیں اس سے کچھ کام نہیں۔ وہ یا اس کی بی بی نانا خانہ زادی سے کہتے۔ حضور!
لونڈی بھی اس بچے سے دست بردار۔ آخر حضور ہی کے سینے پالا تھا محنت بھر پائی۔
باپ کہتا۔ کرامات! بہت مبارک۔ مگر خانہ زاد کو اب اس سے کچھ واسطہ نہیں غلام
حق سے ادا ہوا۔ بادشاہ کہتے بہت خوب۔ ہم نے بھی وصول پایا۔ کبھی بیگم بیاہ کا
ذمہ لے لیتیں کبھی بادشاہ لے لیتے اور شادی کا سرانجام اس طرح ہوتا کہ ماں باپ سے
بھی نہ ہو سکتا۔ دنیا کے معاملات سخت نازک ہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں جس کے فوائد کے ساتھ
نقصان کا کھٹکا نہ لگا ہو۔ اسی آمد و رفت میں سلیم (جہانگیر) کا دل زین خاں کوکہ کی بیٹی پر
آیا اور ایسا آیا کہ قابو ہی میں نہ رہا غنیمت ہوا کہ اس کی ابھی شادی نہ ہوئی تھی اکبر نے خود
شادی کر دی۔ لیکن قابل عبرت وہ معاملہ ہے جو کہن سال بزرگوں سے سنا ہے یعنی یہی
مینا بازار لگا ہوا تھا۔ بیگمات پڑی پھرتی تھیں۔ جیسے باغ میں قمریاں یا ہریاول میں ہرنیاں
جہانگیر ان دنوں جوان لڑکا تھا۔ بازار میں پھرتا ہوا چمن میں آ نکلا۔ ہاتھ میں کبوتر کا جوڑا تھا سامنے کوئی پھول
کھلا ہوا نظر آیا کہ عالم سرور میں بہت بھایا۔ چاہا کہ توڑ لے۔ دونوں ہاتھ رکے ہوئے تھے وہیں ٹھہر گیا سامنے سے
ایک لڑکی آئی شہزادے نے کہا کہ بوا ذرا ہمارے کبوتر تھامے رہو ہم وہ پھول توڑ لیں لڑکی نے دونوں کبوتر لے لیے شہزادے نے
کیاری میں جا کر چند پھول توڑ لیے پھر کر آیا تو دیکھا کہ لڑکی کے ہاتھ میں ایک کبوتر ہے۔
پوچھا کہ دوسرا کبوتر کیا ہوا؟ عرض کی۔ صاحب عالم! وہ تو اڑ گیا۔ پوچھا۔ ہیں۔ کیوں کر
اڑ گیا؟ اس نے ہاتھ بڑھا کر دوسری مٹھی بھی کھول دی کہ حضور یوں اڑ گیا۔ اگرچہ دوسرا

کبوتر بھی ہاتھ سے گیا مگر شہزادے کا دل اس انداز پر لوٹ گیا۔ پوچھا تمھارا کیا نام ہے؟ عرض کی مہرالنسا خانم پوچھا تمھارے باپ کا کیا نام ہے؟ عرض کی مرزا غیاث حضور کا ناظم بیوتات ہے۔ کہا کہ اور امرا کی لڑکیاں محل میں آیا کرتی ہیں۔ تم ہمارے محل نہیں آتیں ہو؟ عرض کی۔ میری اماجان تو آتی ہیں مجھے نہیں لاتیں۔ ہمارے ہاں لڑکیاں گھر سے باہر نہیں نکلا کرتیں آج بھی بڑی منتوں سے یہاں لائی ہیں۔ کہا تم ضرور آیا کرو ہمارے ہاں بڑی احتیاط سے پردہ رہتا ہے کوئی غیر نہیں آتا۔ وہ سلام کر کے رخصت ہوئی۔ جہانگیر باہر آگیا مگر دونوں کو خیال رہا۔ تقدیر کی بات ہے کہ پھر جو مرزا غیاث کی بی بی بیگم کے سلام کو محل میں جانے لگی تو بیٹی کے کہنے سے اسے بھی ساتھ لے لیا۔ بیگم نے دیکھا۔ بچپن کی عمر۔ اس میں ادب قاعدے کا لحاظ۔ سلیقہ اور تمیز اس کی بہت بھلی معلوم ہوئی۔ باتیں چینیں پیاری لگیں۔ بیگم نے بھی کہا کہ اسے تم ضرور لایا کرو۔ آہستہ آہستہ آمد و رفت زیادہ ہوئی۔ شہزادے کا یہ عالم کہ جب وہ ماں کے پاس آئے تو وہاں موجود۔ وہ دادی کے سلام کو جائے تو یہ وہاں حاضر۔ کسی نہ کسی بہانے سے خواہ مخواہ اس سے بولنا بات چیت کرنا تو اس کا طور ہی کچھ اور۔ نگاہوں کو دیکھو تو انداز ہی کچھ اور۔ غرض بیگم تاڑ گئی اور خلوت میں بادشاہ سے عرض کی۔ اکبر نے کہا مرزا غیاث کی بی بی کو سمجھا دو چند روز لڑکی کو یہاں نہ لائے اور مرزا غیاث سے کہا کہ لڑکی کی شادی کر دو۔ جب خان خاناں بھکر کی مہم پر تھا تو طہماسپ قلی بیگ ایک بہادر نوجوان شریف زادہ ایران سے آیا تھا اور مہم مذکور میں کار نمایاں کر کے اس کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ شریف نواز شرافت پرست اسے ساتھ لایا تھا اور حضور میں اس کی خدمتیں عرض کر کے دربار میں داخل کیا تھا۔ اس نے شجاعت اور دلاوری کے دربار سے شیر افگن خاں کا خطاب حاصل کیا تھا۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ نسبت ٹھہرا دی اور جلدی ہی شادی کر دی۔ یہی شادی اس نوجوان نامراد کی بربادی تھی۔ تدبیر میں کوتاہی نہیں ہوئی۔ تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے؟ انجام اس کا یہ ہوا کہ جو نہ ہونا تھا سو ہوا۔ شیر افگن خاں موت کا شکار ہو کر جہان مرگ دنیا سے گیا۔ مہرالنسا بیوہ ہوئی۔ چند روز کے بعد جہانگیری محلوں میں آ کر نور جہاں بیگم ہو گئی۔ افسوس نہ جہانگیر رہے نہ نور جہاں رہی۔ ناموں پر دھبہ

رہ گیا۔ (از دربار اکبری)

سواری کی سیر

سلطنت کی شکوہ اور دولت وحشمت کے انبوہ جشن سالگرہ اور جشن جلوس پر بہار دکھاتے تھے۔ بارگاہ جلال آراستہ۔ تخت مرصع زریں وسیمیں چبوترے پر جلوہ گر۔ تاج اقبال میں ہُما کا پر۔ چتر جواہر نگار سر پر۔ زربفت کا شامیانہ موتیوں کی جھالر۔ سونے روپے کے استادوں پر تنا۔ ابریشمیں قالینوں کے فرش۔ در و دیوار پر شالہائے کشمیری۔ مخملہائے رومی۔ اطلسہائے چینی لہراتے۔ امرا دست بستہ دو طرفہ حاضر۔ چوبدار۔ خاص بردار اہتمام کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے زرق برق لباس۔ سونے روپے کے نیزوں اور عصاؤں پر باناتی اور سقرلاطی غلاف۔ طلسمات کی پتلیاں تھیں خدمت کرتی پھرتی تھیں۔ شادی ومبارکبادی کی چہل پہل اور عیش وعشرت کی ریل پیل ہوتی تھی۔ بارگاہ کی دونوں طرف شہزادوں اور امیروں کے خیمے۔ باہر دونوں طرف سواروں اور پیادوں کی قطار۔ بادشاہ دو منزلی راوٹی (جھروکے) میں آ بیٹھتے۔ اس زردوزی خیمہ۔ سایۂ اقبال کا شامیانہ۔ شہزادے۔ امرا۔ سلاطین آتے۔ انھیں خلعت وانعام ملتے۔ منصب بڑھتے۔ روپیئے اشرفیاں سونے چاندی کے پھول اولوں کی طرح برستے۔ یکایک حکم ہوتا کہ ہاں نور برسے۔ فراشوں اور خواصوں نے منوں بادلا مقیش کتر کر جھولیوں میں بھر لیا ہے اور صندلیوں پر چڑھ کر اڑا رہے ہیں۔ نقارخانے میں نوبت جھڑ رہی ہے۔ ہندوستانی۔ عربی۔ ایرانی۔ تورانی۔ فرنگی باجے بجتے ہیں۔ غرض گہا گہی تھی اور ناز ونعمت کے لیئے صلائے عام تھا۔ اب دولہا کے سامنے سے عروس دولت کی برات گزرتی ہے۔ نشان کا ہاتھی آگے اس کے بعد اور ہاتھیوں کی قطار۔ پھر ماہی مراتب اور نشانوں کے ہاتھی۔ جنگی ہاتھیوں پر فولادی پاکھریں۔ پیشانیوں پر ڈھالیں۔ بعض کے مستکوں پر دیوزادی نقش ونگار۔ بعض کے چہروں پر گینڈوں۔ ارنے بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کلوں سمیت چڑھی ہوئی۔ ہیبت ناک صورت ڈراونی مورت سونڈوں میں گرز۔ برچھیاں تلواریں لیئے۔ سانڈنیوں کا سلسلہ جن کے سو سو کوس کے دم۔ گردن کھچی۔ سینے تنے۔ جیسے لقا کبوتر۔ پھر گھوڑوں کی قطاریں۔ عربی ایرانی ترکی ہندوستانی آراستہ پیراستہ ساز و یراق میں غرق۔ چالاکی میں برق۔ اچھلتے مچلتے کھیلتے کودتے شوخیاں کرتے چلے جاتے تھے۔ پھر شیر پلنگ چیتے گینڈے بہتیرے جنگل کے جانور سیدھے سادھے شائستہ۔ چیتوں کے چھکڑوں پر نقش ونگار۔ مخمل زرکار کی آنکھوں پر

زر دوزی ٹوپ دہ اور اُن کے بیل کشمیری شالیں مخمل وزربفت کی جھولیں اوڑھے سونے کے سروں پر سنگوٹیوں کلنگیاں اور تاج۔ سنگ مصوروں کی قلمکاری سے قلمدان کشمیر بادلہ میں جہاجمن گلے میں گھنگرو چھم چھم کرتے چلے جاتے تھے۔ شکاری گتے کہ شیر سے منہ نہ پھرائیں شکار کی بو پر پتال سے پتہ نکال لائیں۔ پھر خاصے کے ہاتھی آتے۔ ان کے زرق برق کا عالم اللہ اللہ۔ آنکھوں کو چکا چوند آتی تھی۔ یہ خاص الخاص جا رہے تھے ان کی جھلا بور جھولیں۔ موتی اور جواہر ٹنکے زیوروں میں لدے پھندے۔ قوی ہیکل سینوں پر سونے کی ہیکلیں لٹکتی۔ سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے جھومتے جھلاتے خوشش مستیاں کرتے چلے جاتے تھے۔ سواروں کے دستے پیادوں کے قشون (پلٹنیں) سپاہ ترک کے ترکی اور تاتاری لباس وہی جنگ کے سلاح ہندوستانی فوجوں کا اپنا اپنا بانا۔ کیسریٔ دگلے۔ سورما راجپوت ہتیاروں میں ادیچی سجے۔ دکھنیوں کے دکھنی سامان۔ توپ خانے آتش خانے اُن کی فرنگی ورومی وردیاں۔ سب اپنے اپنے باجے بجاتے۔ راجپوت شہنائیوں میں کرکے گاتے اپنے نشان لہراتے چلے جاتے تھے۔ امراء و سردار اپنی اپنی سپاہ کو انتظام سے لیئے جاتے تھے جب سامنے پہنچتے سلامی بجالاتے۔ دمامے پر ڈنکا پڑتا سینوں میں دل دہل جاتے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ فوج اور لوازمات فوج اور ہر شئی کی موجودات ہوجاسے کوتاہی ہو تو پوری ہوجاسے قباحت ہو تو اصلاح میں آسے۔ ایجاد مناسب اپنی جگہ پاسے۔ (از دربار اکبری)

سفر میں بارگاہ کا کیا نقشہ تھا؟ جب دورے کا سفر یا شکار کا لطف منظور نظر ہوتا تھا تو مختصر لشکر اور ضروری شکوہ سلطنت کے اسباب ساتھ لیئے جاتے تھے۔ لیکن چار دانگ ہندوستان کا شہنشاہ چالیس لاکھ سپاہ کا سپہ سالار۔ اُس کا اختیار بھی ایک عالم کا پھیلاؤ تھا۔ آئین اکبری میں جو لکھا ہے آج کے لوگوں کو مبالغہ نظر آتا ہے۔ مگر یورپ کے سیاح جو اُس وقت یہاں آئے اُن کے بیان سے بھی حالات مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ بارگاہ کی شان و شکوہ کا قدری سجاوٹ میں کب آسکتی ہے۔ شکاریں اور پاس کے سفر میں جو انتظام ہوتا تھا اُس کا نقشہ یہ ہے:۔ **گلال بار**۔ یہ چوبی سراپردہ۔ خرگاہ کی وضع کا ہوتا تھا تسموں سے مضبوطی کی جاتی تھی سرخ مخمل۔ بانات۔ قالینوں سے سجاتے تھے۔ گرد عمدہ احاطہ

ایک قلعہ تھا۔ اس میں مضبوط دروازہ قفل کنجی سے کھلتا تھا۔ سو گز سے سو گز یا زیادہ حضور کا بچاؤ
ہوتا۔ اس کے شرقی کنارے پر **بارگاہ**۔ بیچ کے استادوں پر دو کڑیاں۔ چوبیں کڑیوں
میں تقسیم ہر ایک کا چوبیس گز طول۔ چودہ گز عرض دس ہزار آدمی پر سایہ ڈالتی تھی۔
ہزار پھرتیلے فراش ایک ہفتے میں سجاتے تھے۔ چرخیاں۔ پہیے وغیرہ جرّ
ثقیل کے اوزار زور لگاتے تھے۔ لوہے کی چادریں اُسے مضبوط کرتی تھیں
نقد سادی بارگاہ جس میں مخمل زربافت۔ کمخواب۔ زربفت کچھ نہ لگائیں دس ہزار
کی لاگت میں کھڑی ہوتی تھی اور کبھی اس سے بھی زیادہ بوجھ دیتی تھی۔ بیچ میں **چوبیں**
راوٹی دس ستونوں پر کھڑی ہوتی تھی۔ ستون تھوڑے تھوڑے زمین میں گڑے ہوتے
سب باہم برابر مگر دو اونچے۔ اُن پر ایک کڑی۔ اوپر اور نیچے داسہ مضبوطی کرتا تھا۔
اس پر کئی کڑیاں۔ اُن پر لوہے کی چادریں کر نر مادگی انہیں وصل کرتی تھی۔ دیواریں
اور چھتیں نرسلوں اور بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئیں۔ دروازے دو یا ایک۔ نیچے کے
داسے کے برابر چبوترہ۔ اندر زربفت و مخمل سجاتے تھے باہر بانات سلطانی۔ پیٹیں
نواڑیں اُس کی کمر مضبوط کرتی تھیں۔ گرد سراپردے۔ اس سے ملا ہوا ایک چوبیں محل
دو منزلہ۔ اٹھارہ ستون اُسے سر پر لیئے کھڑے رہتے تھے۔ چھ چھ گز بلند چھت
تختہ پوش اس پر چوگزے ستون۔ نر مادگیوں سے وصل ہو کر بالاخانہ سجاتے تھے۔
اندر باہر اسی طرح سے سنگار کرتے تھے۔ لڑائیوں میں اس کا پہلو شبستان اقبال سے
ملا رہتا تھا۔ اسی میں عبادت الٰہی کرتے تھے۔ یہ پاک مکان ایک صاحب دل تھا۔
ادھر کا رخ خلوت خانۂ وحدت پر اُدھر کا نگار خانۂ کثرت پر۔ آفتاب کی عظمت
بھی اسی پر بیٹھ کر ہوتی تھی۔ پھر اول حرم سرا کی بیبیاں دولت دیدار حاصل کرتی تھیں۔
پھر باہر والے حاضر ہو کر سعادت کے ذخیرے سمیٹتے تھے۔ دوروں کے سفر میں
ملازمت بھی یہیں ہوتی تھی۔ اسی کا نام **دو آشیانہ منزل** تھا اور اسی کو جھروکہ
بھی کہتے تھے۔ **زمیں دوز**۔ طرح طرح کے انداز پر ہوتے تھے۔ ایک کڑی بیچ
میں یا دو۔ بیچ میں پردے ڈال کر الگ الگ گھر کر دیتے تھے۔ **عجائبی**۔ نو شامیانے
چار چار ستونوں پر ملا کر کھڑے کرتے تھے۔ پانچ چوگوشے۔ چار مخروطی اور یک تخت
بھی ہوتے تھے ایک ایک کڑی بیچ میں۔ **منڈل**۔ پانچ شامیانے سے ہیں چار چار

ستونوں پر تانتے تھے۔ کبھی گرد کے چار کو لگا دیتے تھے تو خلوت خانہ ہو جاتا تھا کبھی ایک طرف کبھی چاروں طرفیں کھول کر جی خوش کرتے تھے۔ اٹھ کھمبا۔ سترہ شامیانے جدا اور ملے ہوئے سجاتے تھے۔ آٹھ آٹھ ستونوں پر۔ خرگاہ شیخ ابوالفضل کہتے ہیں مختلف وضع کی ہوتی ہیں۔ یک دری اور دو دری۔۔۔ بید وغیرہ لچکدار لکڑی کی سوئی سوئی اور پتلی پتلی ٹہنیاں سکھاتے ہیں اور چھوٹی بڑی موقع موقع سے کاٹ کر ایک مدور ٹٹی کھڑی کرتے ہیں۔ بلند قد آدم۔ اس پر ویسی ہی موزوں اور متناسب لکڑیوں سے بنگلہ چھاتے ہیں۔ اوپر موٹے موٹے صاف عمدہ اور خوش رنگ نمدے منڈھتے ہیں۔ اندر بھی دیواروں پر گل کاری کے نمدے اور قالین سجاتے ہیں اور ان کی پٹیوں سے حاشیے چڑھاتے ہیں یہ سب انھیں کی دستکاری ہوتی ہے۔ چوٹی پر گز بھر مدور روشن دان کھلا رکھتے ہیں۔ اس پر ایک نمدہ ڈال دیتے ہیں۔ برف پڑنے لگی تو یہ نمدہ پھیلا رہا ورنہ کھلا رکھتے ہیں جب چاہا لکڑی سے کونا الٹ دیا لطف یہ ہے کہ اس میں لوہا بالکل نہیں لگاتے لکڑیاں آپس میں پھنسی ہوتی ہیں جب چاہا کھول ڈالا گٹھے باندھے۔ اونٹ گھوڑوں گدھوں پہ لادا اور چل کھڑے ہوئے۔

حرم سرا بارگاہ کے باہر موزوں مناسب چوبیں چوبیں راوٹیاں۔ ۱×۲ گز طول و عرض بیچ میں قناتوں کی دیواریں۔ اس میں بیگمات اترتی تھیں۔ کئی خیمے اور خرگاہ اور کھڑے ہوتے تھے اس میں خواصیں اترتی تھیں۔ آگے سائبان زردوزی۔ زربفت۔ مخملی بہار دیتے تھے۔ اس سے ملا ہوا سراپردہ گلیمی کھڑا کرتے تھے یہ ایسا بادل تھا کہ اس کے اندر کئی خیمے اور لگاتے تھے۔ اردو بیگنیاں اور عورتیں ان میں رہتی تھیں۔ اس کے باہر دولت خانۂ خاص تک سو گز عرض کا ایک صحن چھوڑ جاتے تھے کہ مہتابی کہلاتا تھا۔ اس کے دونوں طرف بھی پہلی طرح سراچہ سمان باندھتا تھا۔ دو دو گز پر چھ گزی چوب کھڑی گز بھر زمین میں گڑی۔ سروں پر برنجی شمسے۔ اُسے اندر باہر دو طنابیں تانے رہتی تھیں۔ چوکی دار برابر پہرے پر حاضر۔ اس شاہی خانے کے بیچ میں ایک صُفّہ (چبوترا) اُس پر چار چوبہ شامیانہ۔ اُس پر بادشاہ جلوس فرماتے تھے۔ خاصان درگاہ کے سوا کسی کو اجازت نہ تھی کہ باریاب ہوں۔ گلال بار سے ملا ہوا انیس گز قطر کا دائرہ کھینچتے تھے۔ بارہ حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ گلال بار کا دروازہ ادھر نکالتے تھے۔ بارہ شامیانے بارہ گز کے

اس پر شامیانے تانے جاتے تھے۔ اس کے آگے ایک سرا پردہ تھا جس میں جھروکے تھے اور بادشاہ ان میں بیٹھ کر اُمرا کو سلام دیتے تھے اور وہاں سے آگے ایک کھلا میدان اس میں ہزار گز کا بارگاہ خاص تھا جس میں دیوان خانہ خاص بنا ہوا تھا اور ان خیموں کی صورت میں آراستہ ہوتا تھا۔ کو اپنی پسند کے موافق سجاتے تھے۔ اس کے پیچھے ایک اور خیمہ دو منزلہ ہوتا تھا جس کو دو آشیانہ منزل کہتے تھے۔ اس میں بادشاہ صبح کو جھروکے درشن پر بیٹھتے تھے۔ درشن جھروکہ کے پاس خلوت خانہ میں ایک خیمہ ہوتا تھا جس میں بادشاہ خاص خاص امیروں کو بلا کر مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس کے پیچھے بادشاہ کے آرام کے لئے خیمے لگے ہوتے تھے جن میں بیگمات ہوتی تھیں اور ان کی حفاظت کے لئے خواجہ سرا اور

اس پر سائبانی کرتے تھے اور قناتیں انھیں خوش نمائی سے تقسیم کرتی تھیں۔ اس خلوت خانہ کو ایچکی خانہ کہتے تھے۔ مناسب انداز سے ہر مقام پر ایک صحت خانہ یعنی پاخانہ ہوتا تھا۔ اسی سے ملا ہوا ایک گلیمی پردہ سرا۔ ڈیڑھ سو گز مربع تھا۔ اس کی چوبیں بھی اسی طرح قبتوں سے تاج دار تھیں۔ بیچ میں بارگاہ وسیع۔ ہزار فراش اسے سجاتے تھے۔ بہتر کمروں میں تقسیم اور پندرہ گز کا شہتیر اس کے اوپر قلندری کھڑی کرتے تھے۔ خیمے کی وضع کی ہوتی تھی اوپر مومجامہ وغیرہ۔ اس کے پچاس شامیانے بارہ گز کے دامن پھیلائے کھڑے تھے یہ دولت خانہ خاص تھا۔ اس کا دروازہ بھی زنجیر قفل کنجی سے محفوظ ہوتا تھا۔ بڑے بڑے امیر سپہ سالار بخشی بے اجازت نہ جا سکتے تھے ہر مہینے اس بارگاہ کو نیا سنگار ملتا تھا۔ اندر باہر رنگین نقشی بوقلموں فرش اور پردے چمن کھلا دیتے تھے۔ اس کے گرد ساڑھے تین سو گز کے فاصلے پر طنابیں کھنچی تھیں۔ تین تین گز پر ایک ایک چوب کھڑی ہوئی۔ جا بجا پاسبان ہشیار۔ یہ دیوان خانۂ عام کہلاتا تھا۔ ہر جگہ پہرے دار۔ اخیر میں جا کر بارہ طناب کے فاصلے ایک طناب ساٹھ گز کی نقار خانہ۔ اس میدان کے بیچ اکاس دیا روشن ہوتا تھا۔ اکاس دیئے کئی ہوتے تھے۔ ایک یہاں اور ایک سراپردے کے آگے کھڑا کرتے تھے۔ چالیس گز کا طولانی ستون ہوتا تھا اُسے پندرہ طنابیں تانے کھڑی رہتی تھیں دور تک روشنی دکھاتا تھا اور بھولے بھٹکے وفاداروں کو اندھیرے میں در دولت کا رستہ بتاتا تھا اور اس کے دائیں بائیں کا حساب لگا کر امرا کے خیموں کے پتے لگا لیتے تھے۔ سو ہاتھی۔ پانسو اونٹ۔ چار سو چھکڑے۔ سو کہار پانسو منصب دار اور احدی۔ ہزار فراش پانسو بیلدار۔ سو سقے۔ پچاس نجار ریختے خیمہ دوز۔ مشعلچی تیس چرم دوز۔ ڈیڑھ سو حلال خور اس آباد شہر کے ساتھ چلتے تھے۔ پیادے کا مہینا تین روپیئے سے چھ روپے تک۔ ڈیڑھ ہزار گز کے ہموار خوش نما قطعۂ زمین پر بارگاہ خاص کا سامان پھیلتا تھا۔ تین سو گز گول فاصلہ دے کر دائیں بائیں پیچھے پہرہ دار کھڑے ہوتے تھے۔ پشت پر بیچوں بیچ میں سو گز کے فاصلے پر مریم مکانی گلبدن بیگم اور بیگمات اور شہزادہ دانیال۔ دائیں شاہزادۂ سلطان سلیم (جہانگیر) بائیں پر شاہ مراد پھر ذرا بڑھ کر توشہ خانہ۔ آبدار خانہ

خوشبو خانہ وغیرہ تمام کارخانے ہر گوشے پر خوشنما چوک۔ پھر اپنے اپنے رتبے سے دونوں طرف۔ غرض لشکر اقبال اور بارگاہ جلال ایک چلتا ہوا شہر تھا۔ جہاں جا کر اترتا تھا عیش و عشرت کا میلہ ہوتا تھا جنگل میں منگل ہو جاتا تھا۔ چار چار پانچ پانچ میل تک دو طرفہ بازار لگ جاتے تھے۔ سارا لاؤ لشکر اور سامان مذکور ایک طلسمات کا شہر آباد ہو جاتا تھا اور گلال بار بیچ میں قلعہ نظر آتا تھا۔

شکوہ سلطنت[1] جب دربار آراستہ ہوتا تھا۔ بادشاہ با اقبال اورنگ سلطنت پر جلوہ گر ہوتا تھا **اورنگ** ہشت پہلو موزوں اور خوش نما تخت تھا۔ گنگا جمنی عنصروں سے ڈھلا ہوا۔ دریا نے دل۔ پہاڑ نے جگر نکال کر پیش کش کیا۔ لوگ سمجھے کہ الماس۔ لعل۔ یاقوت اور موتیوں سے مرصع ہے:۔ ؎

بایست انجم از پی ترصیع تاج و تخت ناز م فروتنی کہ جواہر قرار یافت

سر پر چتر زرکار و زرتار جواہر نگار۔ جھالروں میں مروارید و جواہرات جھلمل جھلمل کرتے تھے۔ سواری کے وقت سات چتر سے کم نہ ہوتے تھے کوتل ہاتیوں پر چلتے تھے **سایہ بان** بیضوی تراش گز بھر بلند۔ دستہ چتر کے برابر اور اسی طرح زربفت اور مخمل زربافت سے سنگار تے تھے۔ جواہرات اور مروارید سے ٹکے ہوتے۔ چالاک خاص بردار رکاب کے برابر لیئے چلتے تھے۔ دھوپ ہو تو سایہ کر دیتے تھے اور اسے **آفتاب گیر** بھی کہتے تھے **کوکبہ**۔ چند سونے کے گولے صیقل اور جلا سے مبارک ستاروں کی طرح دفعتاً پیش گاہ دربار میں آویزاں ہوتے تھے اور یہ چاروں بادشاہ کے سوا کوئی شاہزادہ یا امیر نہ رکھ سکتا تھا۔ **علم** سواری کے وقت لشکر کے ساتھ کم سے کم پانچ علم ہوتے تھے۔

[1] شاہی لوازمے۔ ماہی مراتب کا اب زمانہ نہ رہا اب تو افسانہ رہ گیا پس ان مادے میں ان کی خیالی تصویریں ذہن میں جمنا مشکل ہے اسی وجہ سے ہم نے ایک جھلک دکھلا دی ہے۔ یورپ کے سلاطین میں بھی بہ تبدیل ہیئت یہ سب کچھ ہے جسے ریگلیا Regalia کہتے ہیں جس میں بہت سی چیزیں ہیں مگر بڑی تاج۔ Orb سلطانی گوئے Sceptre (سپتر) عصا شمشیر عدل۔ مہمیز Ampulla (ایمپیولا) سر میں تیل لگانے کا ایک ظرف جس پر پرند کی شکل بنی ہوئی ہوتی ہے) وغیرہ وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں جو زیادہ تر تاج پوشی کے وقت کام آتی ہیں اور پرانی رسموں کی وہاں بھی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے لوازمہ یہ ہیں اور یورپ کے وہ۔ ہر ملکے و ہر رسمے۔ مگر بات ایک ہی ہے۔ ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است۔ ۱۲

ان پر بانات کے غلاف رہتے تھے۔ میدان جنگ میں کھل کر ہوا میں لہراتے تھے۔ **چتر توغ**۔ ایک قسم کا علم تھا مگر علم سے چھوٹا کئی قطاس (سرا گائے یعنی پہاڑی گائے کی دم) کے لپٹے اس پر طرہ۔ **تمن توغ** اسے بھی چتر توغ ہی سمجھو اس سے ذرا اونچا ہوتا تھا۔ یہ دونوں شہزادوں کے لیئے خاص تھے **جھنڈہ**۔ وہی علم پلٹن اور رسالے رسالے کا الگ ہوتا تھا بڑا معرکہ ہو تو تعداد بڑھا دیتے تھے نقارے کے ساتھ الگ ہوتا تھا۔ **گورکہ** عربی میں دمامہ کہتے ہیں۔ ایک نقار خانے میں کم وبیش اٹھارہ جوڑیاں ہوتی تھیں **نقارہ** کم وبیش بیس جوڑیاں۔ **دہل**۔ کئی ہوتے تھے۔ کم سے کم چار بجتے تھے **کرنا**۔ سونے چاندی اور پیتل وغیرہ سے ڈھالتے تھے۔ چار سے کم نہ بجتی تھیں۔ **سرنا**۔ ایرانی اور ہندوستانی کم سے کم نو نغمہ سرائی کرتی تھیں **نفیر**۔ ایرانی ہندوستانی فرنگی ہر قسم کی کئی نفیریاں نغمہ ریزی کرتی تھیں۔ **سنگ** گائے کے سینگ کی وضع پیتل کے سنگ ڈھال لیتے تھے اور دو بجتے تھے **سنج** (جھانج) تین جوڑیاں بجتی تھیں پہلے چار گھڑی رات رہے اور چار گھڑی دن رہے نوبت بجا کرتی تھی۔ اکبری عہد میں ایک آدھی رات ڈھلے بجنے لگی کہ آفتاب چڑھاؤ کے درجے میں قدم رکھتا ہے۔ دوسرے طلوع کے وقت۔ (از دربار اکبری)

سلطنت اکبری کے اہم واقعات

ہمایوں کی وفات اور اکبر کی تخت نشینی جنوری ۱۵۵۶ء۔ پانی پت کی دوسری لڑائی ہیمو کی شکست اور وفات نومبر ۱۵۵۶ء۔ پنجاب پر تسلط ۱۵۵۶ء - اکبر کا امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینا مارچ ۱۵۶۰ء۔ جزیہ کی موقوفی ۱۵۶۵ء۔ چتوڑ کا محاصرہ ۱۵۶۷-۶۸ء۔ فتح پور سیکری کی بنا ۱۵۶۹ء گجرات کی فتح ۱۵۷۲ء سورت کی فتح۔ گجرات کے بلوے کا فرو کرنا۔ قلعۂ آگرہ کی تکمیل ۱۵۷۳ء۔ دربار میں ابو الفضل کی باریابی۔ جاتریوں پر محصول کی معافی ۱۵۷۴ء۔ بنگال اور بہار کی فتح۔ داؤد شاہ کی وفات ۱۵۷۴-۷۶ء۔ راجپوتوں کی شورش۔ گوگنڈے کی لڑائی ۱۵۷۶ء اکبر کی خلافت کا فتویٰ ۱۵۷۹ء۔ محمد حکیم کی وفات اور کابل پر تسلط ۱۵۸۵ء۔ لاہور بطور دار الخلافہ ۱۵۸۵-۹۸ء راجہ بیربل کی شکست یوسف زئیوں کے مقابلے میں ۱۵۸۶ء۔ فتح کشمیر ۱۵۸۶-۸۷ء فتح سندھ ۱۵۹۰ء سلاطین دکن کی جانب سفیروں کا جانا ۱۵۹۱ء۔ قندھار کا

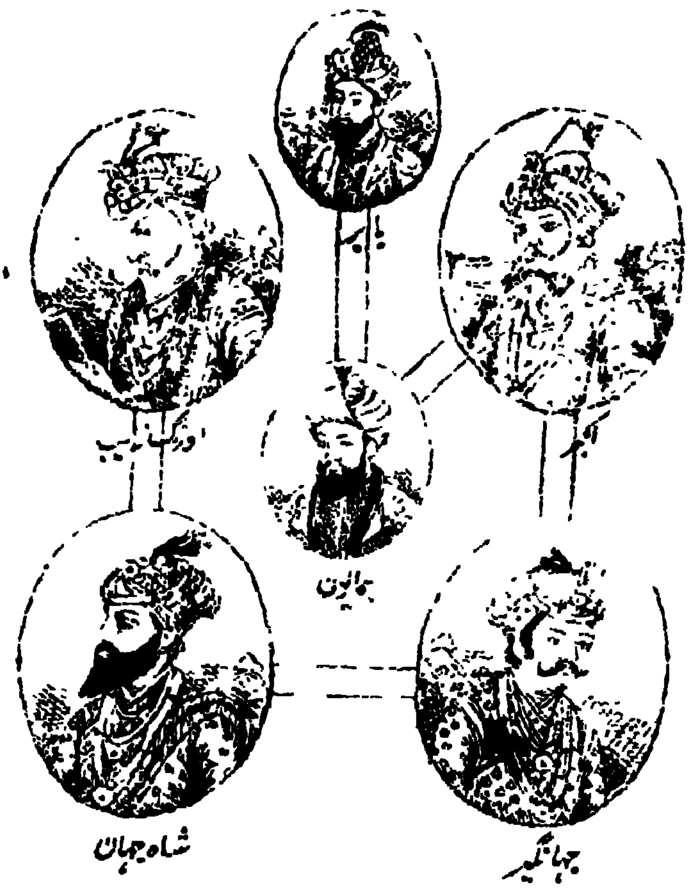
العام ۱۵۹۵ء۔ چاند بی بی سے احمد نگر پر مقابلہ ۱۵۹۵ء۔ ہندوستان کا ۱۵۹۸ء شاہزادہ مراد کی وفات ۱۵۹۹ء۔ احمد نگر کی فتح ۱۶۰۰ء۔ قلعہ آسیر گڑھ کی فتح ۱۶۰۱ء۔ شاہزادہ سلیم کی بغاوت اور ابوالفضل کا قتل ۱۶۰۲ء۔ اکبر کی وفات اکتوبر ۱۶۰۵ء۔

جہانگیر ۲۷-۱۶۰۵ء اکبر نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے ہی شہزادہ سلیم کو ولی عہدی کے لئے نامزد کر دیا تھا سلیم کی ماں راجپوتنی تھی اس وجہ سے یہ بھی نصف راجپوت تھا۔ سلیم کے دونوں بھائی مراد اور دانیال اکبر کی حیات میں ہی مر چکے تھے لیکن اس کے بیٹے

---

۵ پیدائش روز چہار شنبہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ۔ تاریخ ولادت "در شہوار لجۂ اکبر" "گوہر درج اکبر شاہی" "شاہ عاقبت محمود" بعض شعرا نے ایک الف بڑھا کر "ظل الہی" اور "سلطان مسند شاہنشاہی"۔ خواجہ حسن مروی نے ایک قصیدہ (۱۳) بیتوں کا کہہ کر حضور اکبر بادشاہ میں گزرانا جس کا صلہ دو لاکھ تنکہ ملا جس کے ہر پہلے مصرعے سے تاریخ جلوس اور دوسرے سے تاریخ تولد جہانگیر نکلتی ہے:-

۹۶۳ للہ الحمد از پی جاہ و جلال شہریار — گوہر مجد از محیط عدل آمد در کنار ۹۷۷
ء طائرے از آشیان جاہ و جود آمد فرود — کو کبے از اوج عز و ناز گردید آشکار ء
ء گلبنے این گونہ نمو ذدہر دور چمن — لالۂ زینگونہ نکشود از میان لالہ زار ء
ء شاد شد دنیا کہ باز از آسمان عدل و داد — باز دنیا زندہ شد کز مہر ایام بہار ء
ء آں ہلال برج و قدر وجود و جاہ آمد برون — وان نہال آرزوے جان شاہ آمد ببار ء
ء شاہ تسلیم و فا سلطان ایوان صفا — شمع جمع سبے دلاں کام دل امیدوار ء
ء عادل کامل محمد اکبر صاحب قران — بادشاہ نامدار و کام جوے کامگار ء
ء کامل و دانائے قابل اعدل شاہاں بدہر — اصل اعلیٰ عاقل بے عدیل روزگار ء
ء سایۂ لطف الٰہ آں لائق تاج و نگیں — بادشاہ دیں پناہ آں عادل عالم مدار ء
ء مجلس دیبا اسمد چار بیں وال نور وسوز — مرکب دیبا سماک رامح آمد سبزہ دار ء
ء سلیم سح جو گوہر دریاے جود — از ہوائے اوج دبا شاہباز و جہاں کار ء
ء علم موثقی افروز زیب شہ اکبر — نور و لا افروز دستے زیب تاج شاہوار ء



شاہان مغلیہ



جہانگیر بادشاہ



رانی جودھ بائی جہانگیر کی راجپوت بیگم



نور جہاں جہانگیر کی بیگم



ممتاز محل



شاہ جہاں

سلطان خسرو نے جو جودھ بائی کے بطن سے تھا اپنے ماموں راجہ مان سنگھ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

۳۴۹ مہری گوید کہ می زیبد بآں مہ پارہ را — از پی زیب وجمال زہرہ سازم گوشوارہ ۹۷۸
دایۂ ابر بہار از مہربانی ہائے فضل — سبزہ باگل ہم زباں گو ہر لبو گردہ بارہ
از کلام او بیان حال معنی مستفاد — در کمال او بناسے دین و دنیا استوارہ
بندہا نہا از ہجوم قہر آرد الاماں — باہدو کہ داند زبان تیغ گوید الفرارہ
موکب منصور روی زنجاک از عات — یمن گوشہ اندیش بایسے مرد انند از یسارہ
حکم آں ملکے کہ دارد حکم بر آب رواں — پیری باسیاہی روز لیل و نہارہ
ای چو منبع لاینزال آفتاب ملک دین — پایہ از اسے معالی سایۂ پروردگارہ
والی والاعلم عالم دل وکیواں سریر — والی والامعالی عادل عدل تبارہ
مالک مال جہاں ای پادشاہ بحر وبر — انہار بے پایاں از کریاں یادگارہ
شاہ صبح عدل وداوی ماہ شام جاہ وگاہ — برق کہ دعزم بجز فی کوہ کاہ بردبارہ
منبع عملی واحساں معدن از لطف وکرم — بابہا بادل ودیں پرور دو ہم پرہیزگارہ
حامی دین نبی ای ماحی آثار بد — والی عنیا علم کافی کرم کوہ وقارہ
کی بجودت ماند آبے از حیا پیش حیات — باوجودت می عزبہ جود از ابر بہارہ
بادشاہا سلک لولوے نفیس آوردہ ام — ہدیہ از کان گرامی بازجوی وگوش دارہ
کس ندارد ہدیۂ زیں بہ اگر دارد کسے — ہرکہ دارد گو بیا چیزے کہ آرد گو بیارہ
یاس بیک ابیات فرخ سیکے بے عیب مدہ — ہر بیکے ہے زوی مقصود دریاے دو بارہ
مصرع اوّل زدست سال جلوس بادشاہ — از دوم مولود نور دیدۂ عالم برارہ
تا بود باقی حساب روز ہا سے ماہ وسال — واں حساب از سال وماہ وروز ودوراں تکرارہ
شاہ ما پایندہ بادو باقی آں شہزادہ ہم — روز ہاسے بے حسیب سالہاے بے شمارہ

دراں وقتیکہ اکبر شاہ مریض بود شاہزادۂ سلیم درہما ے ایام بعزم ملاقات پدر از الہ آباد بہ آگرہ آمدہ ہنوز در کنار آب اقامت داشت کہ اکبر شنقار شد. اکثر امرا و اعیان دولت بسلطنت سلطان خسرو ولد شاہزادۂ سلیم کہ درخدمت جد امجد حاضر بود اتفاق داشتند شیخ فرید کہ از امراے معتبر آں سلسلہ بود ویک دو نفر دیگراں از ارکان دولت مخالفت جمہور اختیار نمودہ بخدمت شاہزادہ ما

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اور اپنے خسرو خان زماں کی مدد سے جو اکبر کا سب سے منہ چڑھا سپہ سالار تھا آنا جا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سلیم رفتہ لوازم خدمت بتقدیم رسانیدند و بر سائر امرا و ارکان دولت ظاہر کہ با وجود پسر ارشد اکبر تمشیت مہم چوں حال بدیں منوال دید از آگرہ فرار نمودہ تا صد لاہور رفت وجمع از جنود چغتائی و تیرہ بختان ہزارہ و افغان و راجپوت وغیرہ ذالک از ہر طرف بوے پیوستند تا قریب ہزار کس بر سر شاہزادہ جمع شدند کہ طلیعۂ شاہ سلیم نمایاں شد۔ شاہزادہ عطفۂ عناں نمود از طرفین حربے بنہایت صعب بوقوع پیوست شاہزادہ شکست فاحش یافتہ فرار اختیار نمود و بر کنار آب لاہور کشتی بانان او را شناختہ بدلیج خاں حاکم لاہور سپردند۔ خان مذکور او را بطریق ملائمت و بعہد ات دل خواہ نزد خود آوردہ بعد از وصول موکب شاہی بہ نظر بادشاہ رسانید و بادشاہ مظفر و منصور مراجعت نمودہ ۲۰ رجادی الثانی سنہ ۱۰۱۴ھ در دار الخلافت اکبر آباد در سن (۳۸) سالگی بر سریر سلطنت جلوس فرمودند۔ سید محمد کرمانی ایں تاریخ جلوس گفت:۔

شد بلند مکاں چو اکبر شاہ | برفت و طفل تمنا بدہر ماند یتیم
بجائے او خلف او نشست مند تاریخ | بجائے اکبر شہ بادشاہزادہ سلیم

وچونکہ قیاصرہ روم نیز سلطان سلیم نام داشت خود را جہانگیر نام نہادند وچونکہ در ایام شاہزادگی از دانایان ہند شنیدہ بود کہ بعد از اکبر شاہ نورالدین نامی مالک تخت و تاج گردد بنابراں لقب خود نورالدین ساخت وایں تاریخ از کشفی است:۔

شاہ جہانگیر چو از فر بخت | گشت فروزندہ گر عالم چو مہر
گفت خرد سال جلوس سعید | شاہ جہانگیر نقیب سپہر

وایں تاریخ بہ تعمیہ از مکتوب خاں داروغۂ کتاب خانہ و نقاش خانہ است:۔ ۱۰۱۴ھ

صاحب قران ثانی شاہنشہ جہانگیر | باعدل و داد بنشست بر تخت کامرانی
اقبال و تخت و دولت فتح و شکوہ و نصرت | پیشش کمر بخدمت بستہ بشادمانی
سال جلوس شاہی تاریخ شد چو بنہاد | اقبال سر بپاے صاحب قران ثانی

۱۰۱۳ + ۱ = ۱۰۱۴ھ

و در کلمات الشعراء تصنیف سرخوش مرقوم است کہ بادشاہ با وجود شرب مدام شعر خوب می فہمید چنانچہ روزے شاعرے قصیدۂ در مدحش ہمیں کہ مصرعۂ اول خواند۔ ع۔ اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا۔ فرمودند از وزن و تقطیع خبرداری گفت نہ۔ فرمودند اگر عروض داں می بودی گردنت می زدم شاعر بخود ماند کہ آیا چہ خطا واقع شد۔ بیشتر طلبیدہ فرمودند کہ ایں مصرعہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

شاہی حاصل کرنے میں بڑا زور مارا اور خسرو اور مان سنگھ دونوں نے بنگال کی طرف نکل جانے کا قصد کیا لیکن لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے آخر کار راہِ راست پر آ گئے اور لوگوں نے نئے بادشاہ جہانگیر کے قدموں میں ان کو ڈال کر شکر رنجی کو رفع دفع کرا دیا۔ بہر حال شاہزادہ سلیم تقریباً ستائیس برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ جس شخص کا بچپنا عیش و نشاط میں گزرا ہو اور جس کی غضبناکی [illegible] رحمی سے اونے زبان زد خاص و عام ہوں اس سے کسی بڑے کام کی توقع نہیں ہو سکتی تھی لیکن تخت پر بیٹھتے ہی کچھ ایسا بار سلطنت پڑا [illegible] کل [illegible] طبیعت کا ورق الٹ دیا اور بالکل کا یا پلٹ ہو گئی [illegible]

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱۶ [illegible] کتندہ [illegible]
مولانا سے جامی [illegible] فارسی [illegible]
تتبع نمودہ۔ بادشاہ ایں مطلع [illegible]

ساغر [illegible]	[illegible] پیمانہ [illegible]
سکہ۔ آگرہ۔ سکہ زد در شہر اکبر خسرو گیتی پناہ	شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ
سکۂ احمد آباد۔ سکہ زد در احمد آباد ز عنایات الہ	[illegible] سلطنت نور الدین [illegible] ماہ

وبر مہرہائے صد تولہ و پنجاہ تولہ و بست تولہ [illegible] تولہ ایں ابیات بحکم شاہی آصف خان نقش نمود۔ بر یک روئے آں ایں بیت سکہ شد ؎ بخود زبر زر کلک تقدیر　　رقم د[illegible] شاہ نور الدین جہانگیر و بطرف دیگر [illegible] شد چوں ریزش سکہ نورانی جہاں "آفتاب مملکت" تاریخ آں [illegible] فاصلہ [illegible] و دنیا ہر دو مصرع ضرب مقام و سنہ ہجری و سنہ جلوس و سکۂ نور جہانی کہ بعوض مہر معمول [illegible] دو دانگ زیادہ۔ بر آں ایں بیت قرار گرفت :-

روئے [illegible] ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ　　شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

وطرف دیگر ایں بیت بودہ۔ بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور　　بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

اگرچہ خطبہ بنام نور جہاں نبود لیکن سکہ منقش گردید۔ بادشاہ چنداں محبت و [illegible] نور جہاں داشت کہ تمام امور سلطنت و مہام مملکت بقبضہ واقتدار او کرد و فرامین بنام امرا ممالک محروسہ صادر می شد ایں مہر بر آں ثبت می گردید۔

نور جہاں گشت بحکم الہ　　ہمدم و ہمراز جہانگیر شاہ

اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ چنگی کے محصولات عائد کرنے میں بڑی بڑی خرابیاں تھیں
اُن سب کو رفع کیا اور یہ بھی حکم دیا کہ فوجی لوگ لوگوں کے مکانات مسکونہ میں نہ رہا کریں۔ وحشیانہ
سزائیں ناک کان کاٹنا یک قلم بند کردیں۔ اگرچہ خود بدولت شراب کے دلدادہ تھے
لیکن بہت سختی سے شراب اور تمامی منشیات کے انسداد کے احکام جاری کیے۔
لوگوں کی داد رسی بلا روک ٹوک ہونے کی غرض سے ایک طلائی زنجیر لٹکائی گئی جو
زنجیر عدل کہلاتی تھی۔ یہ زنجیر تیس گز لمبی تھی جس میں ساٹھ گھنٹیاں سونے کی
لٹکتی تھیں۔ وزن میں چار من۔ ایک سرا اس کا شاہ برج شاہی چیمبر میں لٹکتا تھا
اور دوسرا جمنا کے کنارے۔ اکاس دیہ میں جوں ہی کسی نے زنجیر ہلائی فوراً بادشاہ کو خبر
ہوجاتی تھی۔ اگرچہ جہانگیر کو مذہب کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی۔ گو بعض اوقات
بظاہر وہ اپنے آپ کو بڑا پکا مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا پھر بھی اس کے
نزدیک مذہب ایک دوسرے درجے کی چیز تھی۔ اکبر کا ایجاد کردہ سن شمسی قمری
ساتھ ساتھ برتا جاتا تھا اس سبب سے اس کی سلطنت کے واقعات میں سنتوں کا خلط
مبحث ہوگیا ہے۔ جہانگیر اکبر کی طرح ہندوؤں پر مہربان تھا اور بہ حیثیت مجموعی اس کا عہد بہ
مغتنمات سے تھا۔

سلطان خسرو کا بلوہ

تخت نشینی کے چار مہینے بعد تک معاملات اچھی طرح
چلتے رہے لیکن کھچڑی سازشوں کی اکبر کے
زمانے سے پک رہی تھی اور آگ آہستہ آہستہ سلگتے سلگتے بلوے کی شکل میں بھڑک
اٹھی اور سنہ ۱۶۰۶ء میں جہانگیر کا بڑا بیٹا سلطان خسرو آگرے سے بہ ارادۂ بغاوت
نکل کھڑا ہوا۔ باپ بیٹوں کی باہمی نااتفاقی نے ایسی جڑ پکڑی تھی کہ زیادہ دنوں تک نبھ
نہ سکی۔ خسرو نے لاہور پر قبضہ کرلیا لیکن جہانگیر نے اس کا تعاقب کیا اور ایک ہی مہینے
میں مواج بحال کردیا۔ خسرو کو کھلی شکست ہوئی۔ وہ دریائے چناب پار ہوکر کابل کی
طرف نکل جانا چاہتا تھا کہ گرفتار ہوگیا اور بادشاہ کے حضور میں پابہ زنجیر کرکے لایا گیا
جہانگیر اول ہی سے بددل تھا اب نفرت اور بڑھ گئی اور غیظ و غضب کی کچھ انتہا نہ رہی
جن لوگوں نے خسرو کا ساتھ دیا تھا ان میں سے سات سو آدمی اور یہ روایت ہے
تین سو ہاتھیوں کے پیروں تلے روندوا دیے گئے اور جب کہ ایک واویلا اور

چشم و عائشہ بھی ہوئی تھی تو خسرو کو ایک ہاتھی پر سوار کر کے ان میں سے ایک ایک شخص کا نام بآواز بلند پڑھ پڑھ کر سناتا تھا کہ یہ فلاں ہیں اور وہ فلاں یعنی اور چرکا دیا۔ خسرو کی بصارت کو کم کر کے دور سے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سولہ برس قید رہنے کے بعد ۱۶۲۲ء قید زندگی سے آزاد ہوا۔ سرکاری روایت یہ ہے کہ وہ قولنج کے [illegible] مرا لیکن اس امر کے یقین کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ خسرو اپنی موت سے نہیں [illegible] اس کے سوتیلے بھائی شاہزادہ خورم (شاہجہاں) کے حکم سے گلا گھونٹ کر اس کا کام تمام کیا گیا۔ شاہجہاں نہیں چاہتا تھا کہ سلطنت کا اور کوئی دعوے دار [illegible] اس لئے اپنا رستہ صاف کر لیا۔ ؎

شربت سلطنت و جان جہاں شیریں است — کہ شہان از پئے او خون برادر ریزند
خون آزردہ دلاں را ز پئے ملک مریز — کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

خسرو کی بغاوت کے متعلق ۷ مئی ۱۶۰۶ء روز چہار شنبہ کے ذیل میں جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ "بلحاظ مملکت اس باغ سے جہاں کہ میں مقیم تھا لاہور تک سڑک کے دو طرفہ میں نے تھم گڑوا دیئے تھے اور حکم دے دیا تھا کہ باغیوں اور ان کے شرکاء سب کو ان پر لٹکا کر سولی دے دی جائے۔ اس طرح ان لوگوں میں سے ہر ایک شخص کو غیر معمولی سزا دی گئی۔"

لڑائیاں

جہانگیر اگرچہ کیا بہ اعتبار عقل و دانش اور کیا بلحاظ اخلاق اپنے باپ سے کم تھا لیکن وہ کچھ نادان نہ تھا۔ جو سلطنت اسے وراثت میں ملی تھی اس نے بلا کسی قسم کی مزید سعی و کوشش کے بخوبی اپنے قابو میں محفوظ رکھا۔ اوائل زمان سلطنت میں وہ کابل گیا اور کچھ برس بعد وہیں ایک بلوہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اسے فرو کیا۔ ہندوستان کے اندرونی صوبے اپنی اپنی جگہ منتظم حالت پر تھے کوئی زیادہ ہل چل ان میں نہیں ہوئی تاہم اوقات مختلف میں راجپوتانہ۔ بنگال اور دکن میں اور نگرہ اور کابل پر فوج کشی کرنی پڑی۔

جہانگیر کا مطمح نظر

جہانگیر کے باپ کو اور خود اسے بھی بالذات دو باتوں کی بڑی تمنا اور آرزو تھی۔ ایک تو یہ کہ اپنی آبائی سلطنت کو جو دریائے آکسس (سیحون) کے اس پار تھی وہ کسی نہ کسی طرح پھر ہاتھ

آ جائے اور دوسرے یہ کہ جنوبی ہند پر پورا تسلط میسر آسکے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان مقاصد
میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا لشکر کبھی دریائے آکسس سے آگے نہ بڑھا۔ دوسرے
وہ جو فتح نصیب ہوئی وہ قندھار تھا جسے سلطنت کے شروع زمانے ہی میں ایرانیوں
سے لیا تھا لیکن سنہ ۱۶۲۱ء کے اواخر میں پھر وہ ہاتھ سے نکل گیا۔

دکن دکن میں اگرچہ احمد نگر اکبر کے عہد میں سنہ ۱۶۰۰ء میں مفتوح ہو گیا تھا لیکن
ملک عنبر ایک حبشی وزیر نے پھر چھین لیا اور ایسا دبایا کہ شاہی لشکر ہٹتے
ہٹتے برہان پور میں جا کر ٹکا۔ سنہ ۱۶۲۱ء میں دکن کی حالت تشویش ناک ہو گئی تھی۔

ضلع بمبئی سے (۳۱۰) میل بمبئی پریزیڈنسی کے اختتام اور صوبۂ وسطی (سنٹرل پراونسز)
کے شروع پر واقع ہے۔ شہر ریلوے سٹیشن سے تقریباً تین میل دریائے تاپتی کے قریب
واقع ہے۔ اس شہر کو سنہ ۱۴۰۰ء میں ناصر خاں خاندیس کے پہلے خود مختار بادشاہ نے بسایا تھا
دو سو برس بعد اکبر بادشاہ نے فتح کیا۔ سنہ ۱۷۲۰ء میں آصف جاہ نظام الملک نے دکن پر
قبضہ کیا اور برہان پور ہی میں رہنے لگے اور یہیں سنہ ۱۷۴۸ء میں وفات پائی چنانچہ
آپ کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں پیشواؤں کا قبضہ ہوا اُن سے سنہ ۱۷۷۸ء میں مہاراجہ
سیندھیا نے لیا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں انگریزی فوج نے بسرکردگی جنرل ولزلی (جو بعد میں
ڈیوک آف ونگٹن ہو گئے) لیا اور سنہ ۱۸۰۵ء انجن گاؤں کے صلح نامے کی بموجب دوسرے ہی
برس پھر مہاراجہ موصوف کے تفویض کر دیا گیا۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں سرحدی شمول وخروج میں
برہان پور برٹش گورنمنٹ کے قبضے میں آ گیا جب سے سنٹرل پراونسز کے ضلع نماڑ کا سب
ڈویژن ہے۔ سنہ ۱۶۱۴ء میں سر طامس رو جیمس اول بادشاہ انگلستان کا سفیر یہیں شاہزادہ
پرویز پسر جہانگیر بادشاہ سے جو اور برہان پور کی خدمت میں باریاب ہوا۔ یہاں ٹیورنیر سیاح
بھی دو مرتبہ سنہ ۱۶۴۱ء اور سنہ ۱۶۵۸ء میں آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ یہ بہت بڑا شہر ہے مگر بہت
ویران اکثر مکان خس پوش ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس شہر میں بڑا بیوپار کپڑے کا ہوتا ہے جو دور دور کے
ملکوں۔ فارس۔ ٹرکی۔ مسکوویا۔ پولینڈ۔ عربستان۔ قاہرۂ اعظم اور دوسرے مقامات پر جاتا
ہے۔ شہر میں آب رسانی کا کافی انتظام تھا۔ پانی نہایت ستھرا ملتا تھا اور پانی پہنچانے میں
بڑی قابلیت فن انجنیری کی صرف کی ہے اب تک بھی شہر کے گرد آٹھ نہروں کے نشان موجود
ہیں۔ شہر میں دو نفیس مسجدیں ہیں جن کی بلند مینار درختوں کے جھنڈوں میں سے سر اٹھائے

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

ملک عنبر ایک بڑا قابل سپہ سالار تھا جس نے خان خاناں کو شکست دی تھی۔ ملک عنبر نے بعض مرہٹہ سرداروں سے جو جابجا زور پکڑتے جاتے تھے ساخت باخت کر لی تھی اور مرہٹوں کی طرح چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے چنانچہ آگے چل کر اس نے اورنگ زیب کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ جہانگیر نے سب سے پہلے خان خاناں کی جگہ خان جہاں لودھی کو مقرر کیا جہانگیر کے عہد میں گو عارضی طور پر شہر احمد نگر قبضہ ہو گیا تھا مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

بنگال عثمان خان نامی ایک افغان نے بنگال میں سر اٹھایا جو اکبر کے زمانے سے شورش کر رہا تھا۔ اس کا خاتمہ ۱۶۱۲ء میں باغی کے قتل پر ہوا۔

میواڑ امر سنگھ میواڑ کا راجہ وہی بہادر پرتاپ رانا کا بیٹا تھا۔ راجپوتوں کے فرقے کا بڑا سرپرست اور وہ رئیس تھا جس کے آبا و اجداد نے ہمیشہ اکبر دونوں سے ہمسری کا دعویٰ کیا تھا اور کبھی ان کے آگے سر نہ جھکایا تھا۔ اب سال جلوس دہم ۱۶۱۴ء میں شاہزادہ خرم نے اسے زیر کیا۔ شاہزادے نے اس کا ایسا پیچھا لیا کہ اس کا ناک میں دم آگیا اور اس قدر تنگ آگیا کہ آخر کار ہتھیار ڈال دیئے وہ اور اس کا بیٹا کرن سنگھ دونوں شہزادے کے پاس آئے۔ شہزادہ بڑی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۲۰) ریلوے سٹیشن سے بھی نظر آتی ہیں۔ شہر کے گرد فصیل ... بنی ہوئی ہے مربع میل پر محیط ہے۔ بادشاہی قلعے کے کھنڈروں میں اب صرف ایک ترکی حمام متعلق بزنانہ محل بطور نمونے کے باقی رہ گیا ہے جو اچھی حالت میں ہے جس کی چھت گنبد دار ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے اور ایک سطح سیوتر سے بنی جو شکم در ... اسی فٹ بلند ہو دریائے تاپتی کا نہایت خوش نما نظارہ ہوتا ہے جو محل کی دیوار سے ٹکرا کر لہریں مارتی ہے اور تپتی کے مقابل میں آسیر گڑھ کا مشہور قلعہ ہے۔ برہان پور کی بڑی مشہور صنعت سنہری اور روپہلی تارکشی اور بیش قیمت کمخواب اور ریشمی پارچہ جات ہیں اور یہاں سوتی کپڑا بھی اچھا بنتا ہے۔ ریلوے سٹیشن کے قریب ہی پانچ منٹ کے رستے پر لال باغ واقع ہے برہان پور کی مشہور تفریح گاہ ہے۔ بہت سے مسلمان بزرگان دین کے مزار ہیں اس جنوری سے اپریل اور اگست سے اکتوبر تک رہتے ہیں جس میں سب سے بڑھ کر حضرت پیر گٹ شاہ بھکاری کا عرس ہے جس میں پانچ ہزار سے کر دس ہزار تک مجمع ہوتا ہے۔ ڈاک بنگلہ شہر برہان پور میں قلعے کے اندر ہے اور سٹیشن کے پاس روئی کے پیچ اور جننگ فیکٹریاں ہیں اور شہر کے اندر بھی کئی روئی کی گھرنیاں ہیں۔ ۱۲۰

خاطر مدارات سے جو شاہان اُن کے علاوہ تبت کی تھی پیش آیا اور اسی وجہ سے انھوں نے بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی۔ جہانگیر نے ان دونوں باپ بیٹوں کے قد آدم سنگ مرمر کے مجسمے بنوا کر آگرے میں باغ کے اندر جھروکے کے پاس لگوائے تھے۔ افسوس ہے کہ امتداد زمانے کی وجہ سے اب یہ دل آویز یادگار باقی نہیں رہی۔

کانگڑے کی فتح

ایک دوسری عظیم الشان فتح کانگڑے[۱] کے مشہور قلعے کی بھی جو پنجاب میں ہے اور جسے اکبر بھی فتح نہ کرسکا تھا وہ ۱۶۲۰ء میں عہد جہانگیری میں فتح ہوا۔ جہانگیر اس فتح پر بہت ناز کرتا تھا۔ بعد فتح بادشاہ خود وہاں گیا اور قلعہ میں ایک بیل ذبح کر کے ہندوؤں کے مقدس مقام کو ناپاک کیا اور وہیں ایک مسجد بنائی۔

طاعون

سنہ ۱۰ جلوس میں پنجاب میں طاعون کی مہلک وبا پھوٹی جس کا نام بھی پہلے کوئی ہندوستان میں نہ جانتا تھا۔ یہ وبا دلی سے لے کر کشمیر تک ہندوستان کے بیشتر مقامات میں پھیل گئی۔ اس میں بھی چوہے اسی طرح مرتے تھے جیسے کہ اب اس طاعون سے مر رہے ہیں جس کا منحوس قدم ہندوستان میں ۱۸۹۶ء سے پھر آیا ہے اور اب تو اس نے اپنے ڈیرے ہندوستان میں ڈال دیئے ہیں اور سال گزشتہ سے ان کے یار غار مسٹر انفلوانزا نے آن کر طاعون سے بھی زیادہ تہلکہ ڈال دیا اور ہندوستان میں جھاڑو پھیر دی۔ ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت۔ اب خدا کے فضل سے برٹش گورنمنٹ کے بابرکت عہد میں ہر طرح کا امن امان ہے۔ لوٹ مار نہیں۔ جنگ وجدال نہیں تو یوں خلق خدا سمٹتی چلی جاتی ہے۔ اب دیکھیئے ہندوستان کب ان بلیات سے نجات پاتا ہے؟

نور جہاں بیگم

جہانگیر کی سلطنت کا سب سے مہتم بالشان واقعہ جس نے بادشاہ کی طبیعت پر ایک دائمی اثر ڈالا ایک ایرانی لیڈی

---

[۱] وادی کانگڑہ۔ کوہ ڈلہوزی و شملہ کے درمیان یہ وادی ہے۔ جس کا قدرتی منظر ساری دنیا کے بہترین مناظر میں شمار ہوتا ہے لیکن موسم سرما میں وہاں گزر نہیں ہوسکتا۔۱۲



نورجہاں بیگم شاہی بچوں میں

مہرالنسا کی شادی تھی جو سنہ ۱۶۱۱ء میں ہوئی۔ چوں کہ یہ بیگم آگے چل کر بنفسہا سلطنت کا
کاروبار چلانے لگی اور سیاہ و سفید کی مالک ہو گئی اس لیے یہ واقعہ ایک خاص اہمیت

لہ چوں سلطنت ہندوستان بہ جہانگیر بادشاہ رسید از مدت آتش عشق آں دختر در سینہ او شعلہ می زد در سید شیر افگن خاں را کہ در آں زمان در صوبہ بنگالہ جاگیر داشت بحضور طلب داشت و در پے آں شد کہ او را بحیلتے بکشد و آں دختر را بتصرف خود آرد چنانچہ یک مرتبہ شیر افگن خاں را ایراں آورد و حکم داد تا بشمشیر و تیر با شیر شرزہ مقابلہ کرد و آں شیر را کشت و از آں روز بہ شیر افگن خاں مشہور شد۔ مرتبہ دیگر بادشاہ اشارہ فرمود تا فیلے دیوانہ را در برابرش آوردند و آں جوان مردانہ نیز آں را بشمشیر بکشت بعد ازاں از بادشاہ رخصت حاصل نمودہ بمحل جاگیر خود رفت در آنجا در سنہ ۱۰۱۵ھ قطب الدین خاں کوکہ را اکبر اسے کشتن شیر افگن خاں بہ صوبہ داری ملک بنگالہ سرفرازی یافتہ کشتہ وقتے چند از ہمراہیانش بقتل رسانیدہ خود نیز از دست ایشاں شہادت یافت بعدہ نعش بادشاہ دختر او را ازانجا طلب داشتہ بعقد نکاح خود در آورد و نامش کہ پیش ازیں مہرالنسا بود بہ از شرف النسا نورجہاں بیگم مبدل ساخت و چنداں محبت و الفت با او داشت کہ تمام امور مہام سلطنت بقبضۂ اقتدار او کردہ۔ نورجہاں بیگم در فراست و نکتہ دانی [illegible] داشت و در سخن گوئی و شعر فہمی و حاضر جوابی از زنان عالم ممتاز اکثر با جودھ بائی کہ زوجۂ جہانگیر و ہمشیرۂ راجہ مان سنگھ بود مباحثہ می داشت اگرچہ از بیگم اشعار دلپذیر بسیار است و مخفی تخلص اوست اما در ایامیکہ ستارۂ دمدار در ماہ محرم سنہ ۱۰۲۷ھ طلوع شدہ ایں بیت خوب گفتہ۔ ؎ ستارہ نیست بدیں طول سر برآوردہ فلک بشاطری شب کمر برآوردہ۔ نوبتے بسلخ رمضان پس از رویت ہلال ایں مصرعہ بر زبان بادشاہ کہ شراب را بسیار دوست می داشت گذشت ع ہلال عید باوج فلک ہویدا شد۔ بیگم فی الحال مصرعۂ دوم بہ بدیہہ رسانید ع کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد بادشاہ تحسین کرد ایں ابیات ہم از وست:

؎ نورجہاں گرچہ بصورت زن است   در صف مرداں زن شیر افگن است

رباعی

کشا غنچہ اگر از نسیم گلزار است   کلید قفل دل ما تبسم یار است
نہ گل شناسد و نہ رنگ و نہ عارض و نہ زلف   دل کسے کہ بحسن و ادا گرفتار است

؎ دل بصورت ندہم تا نشود سیرت معلوم   بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم
زاہد ہول قیامت مفگن در دل ما   ہول ہجراں گزراندیم و قیامت معلوم

روزے بادشاہ پیراہنے با تکمۂ لعل پوشیدہ بود بیگم ایں بیت بدیہہ گفت۔

؎ ترا نہ تکمۂ لعل است بر لباس حریر   شدہ است قطرۂ خون منت گریباں گیر

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

رکھتا ہے۔ اس واقعہ پر بخوبی عبور حاصل کرنے کے لیے ہم کو چند سال پیچھے ہٹنا پڑے گا یعنی وہ زمانہ کہ جب اکبر نے **عبادت خانہ** کھولا تھا۔ نورجہاں کا دادا **خواجہ محمد شاہ** ترکستانی ایران کا وزیر اعظم تھا اور دوسرے رشتہ دار بھی اعلیٰ عہدوں پر تھے۔ خواجہ محمد شاہ کے بعد اس کے بیٹے **مرزا غیاث** کا ستارہ کچھ ایسا گردش میں آیا کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گیا۔ وہ ایک بڑا جید منشی تھا لوگوں نے کہا کہ ہندوستان میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ بالآخر تنگ آ کر اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہنے اور

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) روز سے بعد فراق بنچہ روزہ۔ وقت ملاقات از فرط نشاط اشک شادی از چشم بیگم صاحبہ رواں شد۔ بادشاہ فرمود ع۔ گوہر اشک بچشم تو غلطیدہ می رود۔ بیگم صاحبہ مصرعہ ثانی فی البدیہہ گفت ع۔ آبیکہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود۔ ایں **رباعی** ہم از وست:۔

چون بردارم ز رخ بہ تیغ زگل فریاد برخیزد | زنم بر زلف اگر شانہ ز سنبل داد برخیزد
بایں حسن بکمالاتی چو در گلشن گزر سازم | زجان بلبلان شور مبارکباد برخیزد

وقتے ملک الشعرا **طالب آملی** معتوب بادشاہ بود و در حالت محبوسی ایں **بیت** بہ بیگم نوشت:۔

ز شرم آب شدم آب را شکستے نیست | بحیرتم کہ مرا آبروے از چہ شکست

بیگم بدیہہ نوشتہ فرستاد کہ "یخ بست و شکست"۔ بالجملہ چوں بیگم در سلک مناکحت بادشاہ در آمد از قدوم میمنت لزوم خود شبستان خسروی را منور ساخت پدرش خواجہ ایاس کہ بخواجہ غیاث مشہور بود از الطاف خسروی بمرتبۂ وزارت رسید و بخطاب **اعتماد الدولہ** سربلندی حاصل ساخت و پسرش **ابوالحسن** بپایہ بلند سرفرازی یافتہ بخطاب **اعتقاد خاں** و میر سامانی و بعد ازاں بخطاب **آصف خاں** معزز شدہ در ۱۵ جلوس شاہجہاں فوت کرد و صبیۂ آصف خاں **ارجمند بانو بیگم** در عقد مناکحت شاہزادہ مرزا خورم یعنی **شاہجہاں بادشاہ** در آمدہ بہ **ممتاز محل** مخاطب گشت و دختر نورجہاں بیگم کہ از **شیر افگن خاں** بود با **سلطان شہریار** پسر خورد جہانگیر بادشاہ منسوب گردید و اعتماد الدولہ در ۱۰۳۲ھ در اکبرآباد فوت کردہ صاحب اقبال نامۂ جہانگیری می نویسد کہ در ہنگامیکہ جہانگیر بادشاہ نوبت دوم در ۱۰۳۲ھ بصوب کشمیر تشریف می بردند اعتماد الدولہ ہمراہ بود چوں نزدیک قلعۂ **کانگڑہ** رسید بیمار شدہ در ماہ ربیع الاول سال مذکور جان بجان آفریں سپرد و مقبرہ او در اکبرآباد واست و گنبد عالی و روضۂ رفیع بر تربت او عمارت یافتہ بسنگہاے رنگا رنگ و ایں عمارت عالی و باغ آں سمت اکبرآباد بر کنار

تلاش معاش کے لیے ہندوستان روانہ ہونے پر مجبور ہوا۔ چنانچہ اُس نے اپنی بیوی کو جو حاملہ تھی اور قطع منازل سے معذور تھی ایک مریل ٹٹو پر سوار کیا اور آپ پاپیادہ ساتھ ہوا اور تن بہ تقدیر ہندوستان کا رُخ کیا۔ چند دنوں کے بعد یہ قافلہ قندھار پونہچا اتنا راہ میں یہ لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مہرالنسا قرار پایا۔ مصائب کی انتہا ہو چلی تھی صعوبت سفر اور اُس پر دو دو تین تین دن کے کڑاکے کے فاقے اور سفر پر سفر۔ ایسی حالت میں کہ اپنی ہی جان وبال تھی اس لڑکی کی پرورش دوبھر معلوم ہوئی۔ یہ لڑکی جنگل بیابان میں پیدا ہوئی ماں باپ خستہ حال اسے کہاں اُٹھائے پھرتے۔ نہ پاس رہتی نہ دو دانے دانہ دن۔ عجب خلجان تھا۔ ناچار ماں نے کلیجے پر پتھر رکھا اور اُس خوب صورت موہنی مورت کلیجے کے ٹکڑے کو یا دیدہ و پرنم سڑک کے کنارے ایک جھاڑی کے نیچے لٹا کر چھوڑ دیا اس خیال سے کہ دوسرے دن اسی رستے سے ایک قافلہ گزرنے والا ہے کیا عجب ہے کہ کسی بندۂ خدا کی نظر پڑ جائے اور اسے ترس آ جائے اور وہ اُٹھا لے۔ اس مصیبت کے وقت میں اس لڑکی کا پیدا ہونا عذاب جان ہو گیا اور بڑی منحوس قدم معلوم دیتی تھی کہ ماں باپ کی مصیبتوں میں اس نے آ کر اور اضافہ کر دیا انھیں کیا خبر تھی کہ یہ معصوم ننھی سی جان اس قدر باکمال ہوگی کہ ایک دن قیصر ہند کے مرتبے پر پونہچے گی اور اپنی فراست اور دانائی کا نقشہ ہمیشہ کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۲۴) دریائے جمن واقع است۔ اندرون وبیرون روضہ آیات قرآن بخط طغری مرقوم است بیچ جا فارسی نیست و نام طغری نویس عبدالنبی قریشی بود در ۱۰۳۲ھ بتمام رسانیدہ اصل تربت اعتمادالدولہ در وسط روضہ از سنگ زرد است و متصل آں تربتے دیگر است از ہماں سنگ در بالاے سقف در زیر گنبد و تربت نقلی است کہ آں ہر دو یک تحت از سنگ مرمر است وسوائے ایں تربت ہا چار تربت دیگر اندرون روضہ مذکور است کہ از سنگ مرمر ساختہ اند اما بر ہیچ یکے ازیں تربتہا چیزے ننوشتہ اند و نواب یمین الدولہ آصف خاں و نیز کہ آصف جاہ ہم خطاب داشت در زمان شاہجہاں بادشاہ در اواخر ماہ شعبان سنہ ۱۰۵۱ھ در غم ماتم خواہر خود کہ ممتاز محل نام داشت و در عمر (۷۲) سالگی در لاہور فوت کردہ و نور جہاں بیگم در سنہ ۱۰۵۵ھ ایں جہاں را پدرود نمود مرقدش در لاہور است بہ پہلوے مقبرۂ جہانگیر بادشاہ و ہیچ نوشتہ ندارد۔ نور جہاں بیگم را خواہرے بود منیجہ بیگم زوجۂ قاسم خاں یکے از امراے جہانگیری و شاعرے لطیفہ پرداز و سخن ساز بود۔ اصل قاسم خاں از شیراز است۔ ۱۲

لیے تاریخ کے صفحات پر چھوڑ جائے گی اور اس کا نام ہمیشہ عزت اور فخر کے ساتھ لیا جائے گا۔ ہندوستان کا سفر ابھی بہت باقی تھا۔ منزل مقصود دور۔ ہمیں سخت پہاڑ تھے راستے برف سے اٹے ہوئے۔ زاد راہ ندارد۔ ٹٹو اول ہی مریل تھا کھانے کو نہ ملنے سے وہ بھی بیٹھ گیا۔ غیاث کی بیوی اول ہی دبلی پتلی اور کمزور، دیر سے زچہ چل نہ سکتی تھی۔ لڑکی کو چھوڑا اور ادھر سے منہ موڑا اور آگے کو چلی مگر پاؤں سے کہ اٹھتے نہ تھے۔ دل تھا کہ کھنچا چلا جاتا تھا۔ ایک ایک پاؤں من من کا تھا۔ قدم آگے دھرتی تھی مگر مڑ مڑ کر اپنی نور نظر کو دیکھتی جاتی تھی اور آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔ آخر ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے پیر پکڑ لیے۔ آخرکار وہاں سے نہ چلا گیا اس نے اپنے شوہر سے بے قرار ہو کر کہا "دیکھنا جی! مجھ سے تو چلا نہیں جاتا۔ ایک تو میں مریض دوسرے زچہ تیسرے فاقہ اس پہ پیدل چلنا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ یہیں مر رہیں کہ ہماری مصیبت کا تو خاتمہ ہو۔ چلتے چلتے یہ وقت آیا مگر ابھی ہم کچھ بھی دور نہیں آئے۔ خدا کے واسطے تم جھپٹ کر جاؤ اور میری بچی کو اٹھا لاؤ۔ جو ہم پر گزرے گی وہ اس معصوم پر بھی گزرے گی مجھ سے کب ہو سکتا ہے کہ اس ننھی سی جان کو جنگل بیابان لق و دق میدان میں چھوڑ دوں جہاں سانپ بچھو اور درندوں کا ڈر ہے۔ پھر خدا معلوم وہ بچی بھی ہے یا ختم ہو گئی۔ باپ کی بھی آخر ممتا تھی۔ کہنے کی دیر تھی پلٹا اور آناً فاناً میں جہاں لڑکی کو ڈال گیا تھا پہنچا۔ دیکھا تو وہاں ایک ملک التجار اترا ہوا ہے لڑکی کو ان لوگوں نے اٹھا لیا اور وہیں ایک سائبان تلے پڑا ہے۔ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ جب اس تاجر کا گزر ہوا تو اتفاقاً اس کی نظر پڑ گئی دیکھا کہ ایک لڑکی چاند کا ٹکڑا۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب جھاڑی میں پڑی منہ میں ہاتھ لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور ایک بڑا سا کالا ناگ اپنا ہیبت ناک پھن پھیلائے اس پر جھوم رہا ہے اور قریب ہے کہ اسے ڈس لے۔ تاجر نے فوراً سانپ کو مار ڈالا اور بچی کو اٹھا کلیجے سے لگا لیا یہ ہیں میرے مالک کی قدرت کے کھیل۔ ؎

ازیں قطرہ لولوے لالہ کند وزیں سرو آں قد بالا کند

وہ یوں جان کو بچاتا اور اس طرح غیروں سے ملواتا اور بے کسوں اور بے بسوں کی مدد کرتا ہے۔ ملک التجار کا دل ان کی داستان مصیبت سنکر موم ہو گیا۔ اور کمال مہربانی و لطف و عنایت سے پیش آیا۔ اس نے ان کی کفالت اپنے ذمے لی اور بیوی بچے سمیت

ہندوستان پہنچا دیا۔ جب یہ ایرانی دلی میں پہنچا تو اسی سوداگر کے ذریعے سے
س کی رسائی اکبر کے دربار میں ہوئی۔ آدمی تھا ہوشیار۔ چرب زبان اور اکبر جیسا
سدان۔ کشادہ پیشانی قدردانی کی۔ معقول خدمت ملی۔ باپ اور بھائی دونوں
بن آئی۔ دن دونی رات چوگنی ترقی کی پینگ بڑھنے لگی۔ غیاث نے جلد امتیاز
عروج پایا۔ چند ہی دنوں میں میر خزاین کا معزز عہدہ پایا۔ ان کا رسوخ بڑھتا گیا
رالنساء کی ماں بلا روک ٹوک محل شاہی میں آنے جانے لگی مہرالنساء بھی کبھی کبھار
ں کے ساتھ چلی جاتی تھی۔ جب یہ لڑکی جوان ہوئی تو اس کی خوب صورتی و
انی حاضر جوابی سلیقہ و علمی قابلیت کا چرچہ ہونے لگا … سب کے کانوں تک پہنچا
ہی۔ غرض یہ کہ مہرالنساء کی آمد و رفت جب محل شاہی میں ہونے لگی۔ لڑکی تھی نایاب
لیم کی نگاہ پڑی بے تاب ہو گیا۔ ؎

جب نظر سے نظر دوچار ہوئی ایک برچھی جگر کے پار ہوئی
دل گیا ہاتھ سے نگاہ کے ساتھ صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

لڑکی کی نسبت علی قلی خاں نامی ایک امیرزادے سے قرار پا چکی تھی جس کا باپ
ایران میں شاہ اسمعیل کے ہاں ایک اعلی عہدے پر ملازم رہ چکا تھا اور وہ خود بردوان
بنگالے کا حاکم تھا۔ یہ شخص بڑا جری تھا۔ اس نے ایک ہی ضرب شمشیر سے شیر کے
ٹکڑے کر ڈالے تھے تب ہی سے شیر افگن خاں کا خطاب ملا تھا۔ سلیم بے
ار تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس لڑکی سے جو نہایت حسین اور نازنین حسن صورت اور
سیرت دونوں سے آراستہ اور پیراستہ تھی اور دلی بھر کی نوجوان عورتوں میں ب
ایک ان صفات سے متصف تھی اپنی شادی ہو جائے۔ مگر کوئی صورت بن نہ
قی تھی آخر کار دل کڑا کر کے مہرالنسا کے باپ سے خواستگاری کی مگر اس نے جواب
کہ صاحب عالم! قصور معاف۔ خانہ زاد قول ہار چکا ہے اور قول مرداں جان دارد
در ہوں اور خواستگار معافی۔ مگر جہانگیر کا عشق ایسا سرسری نہ تھا کہ وہ اسی بات پر
ہو جاتا۔ یہ انکار اصرار کا تازیانہ ہوا۔ شدہ شدہ اکبر کے کانوں تک یہ افسانہ عشق
پا۔ اکبر کے دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک ایسی لڑکی کے لیے جو دوسرے کی ہو چکی دباؤ
سے صاف انکار کر دیا اور مرزا غیاث کو بلا کر تاکید کر دی کہ میاں یہ معاملہ رنگ لائے گا

(اور واقعی آگے چل کر رنگ بھی کیسا لایا کہ باید و شاید) تم جھٹ پٹ اپنی لڑکی کی شادی کر دو۔ چھٹی ہوئی۔ چنانچہ مہرالنسا کی شادی شیر افگن خاں سے ہو گئی اور وہ اپنے دولہا کے ساتھ بنگال کو چلتی ہوئی۔ یہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی اور میاں سلیم ہاتھ ملتے کے ملتے رہ گئے۔ اب وہ وقت آ گیا کہ "میاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا" یعنی شاہزادہ سلیم۔ شہنشاہ جہانگیر ہو گئے۔ مہرالنسا اور شیر افگن تو ایک طرف سارے ہندوستان کی باگ اس کے دست قدرت میں تھی۔ آخر شہنشاہ تھا۔ جو چاہتا اور جس طرح چاہتا چشم زدن میں کر سکتا تھا۔ سلیم کے دل میں مہرالنسا کی آگ جو سلگ رہی تھی قوت و اقتدار نے اسے بھڑکا دیا۔ جہانگیر نے شیر افگن کے توڑ پر قطب الدین کو بنگال کا صوبہ دار کر کے بھیجا جو حضرت سلیم چشتیؒ کا داماد اور خود بادشاہ کا رضاعی بھائی تھا۔ اس کے پاس فرمان پر فرمان جانے لگے کہ جس طرح بھی ہو شیر افگن کو اس بات پر آمادہ کر دے کہ وہ مہرالنسا سے دست بردار ہو جائے۔ شیر افگن اسم بامسمی سپاہی تھا۔ شیر دل۔ لومڑی یا بھیگی بلی نہ تھا۔ شرافت کا خون اس کی رگوں میں موجزن تھا۔ ہاتھ بیچے تھے ذات نہیں بیچی تھی۔ کوئی اپنی کالی کلوٹی بیوی کو بھی اس ذلیل و نامردانہ طریقے سے نہیں چھوڑتا چہ جائے کہ یہ حسن کی دیوی اور نور کی پتلی۔ ملی ملائی نعمت الٰہی کو اپنی پست ہمتی سے چھوڑ بیٹھتا۔ معاملے نے طول پکڑا۔ ادھر سے سختی ادھر سے ہٹ۔ بادشاہ کشیدہ خاطر ہو گیا اور وہ بات سچ ہو گئی کہ دنیا کے سارے جھگڑے بکھیڑے تین زئیوں پر محدود ہیں۔ زن۔ زر۔ زمین بس یہ معاملہ زن کا تھا۔ ابھی تک دور دور سے گفتگو تھی اب دو بدو کی نوبت آئی۔ طلبی پر طلبی اور تقاضے پر تقاضا جانے لگا۔ شیر افگن اپنی جگہ ڈٹا بیٹھا تھا صاف بدل گیا اور کہا "جائیں نہیں آتا"۔ ناچار قطب الدین بردوان پہنچا اور ایک ناخواندہ مہمان یہ قضائے مبرم کی طرح سیدھا شیر افگن کے گھر جا دھمکا مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ طرفین سے سخت کلامی پر تل گئے۔ ؎

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم تم سے تو ہونے لگی
چاہیے پیغام بر دونوں طرف
لطف کیا جب دوبدو ہونے لگی

نوبت بایں جا رسید کہ شیر افگن نے غیظ آلود ہو کر خنجر آبدار کمر سے کھینچ قطب الدین کو ٹھنڈا کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی شاہی سپاہی جو قطب الدین کے ساتھ تھے شیر افگن پر ٹوٹ پڑے اور

ایسے کاری زخم لگائے کہ وہ بھی جاں بر نہ ہو سکا۔ گورنر کا قتل کر دینا معمولی بات نہ تھی علاوہ بریں وہ بادشاہ کا دودھ شریک بھائی بھی تھا۔ شاہی لشکر نے مہرالنسا کے محل پر گھیرا ڈال دیا مہرالنساء قید کر کے جہانگیر کے روبرو دربار میں حاضر کی گئی۔ محل میں رہنے کا حکم ہوا۔ زندگی کے دن کاٹنے لگی۔ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔ ع

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر ۔۔۔ پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

وہ بھی شریف زادی تھی۔ جب سے اس کا پلہ بندھ گیا تھا اس کی وفادار اور غمگسار بیوی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ شیر افگن کی تصویر کو اپنے دل سے مٹا دیتی۔ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے شوہر کے قاتل کی طرف رخ کرتی جس کی سفاکی سے وہ سہاگن سے رانڈ ہو گئی۔ برسوں وہ اپنے شوہر کے سوگ میں ملول اور کبیدہ خاطر رہی۔ گو جہانگیر کا میلان



جہانگیر بادشاہ



نور جہاں بیگم

طبع ادھر تھا مگر یہاں مہرالنساء کی سرد مہری کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن بڑی طرح آن پھنسی تھی اس جنجال سے نکلنا محال تھا۔ اسی حالت میں چار برس اور بروایتے کامل چھ برس گزر گئے رونے پیٹنے سے دل کی بھڑاس نکل چکی تھی۔ غم و الم کے اشتداد میں زمانہ کے امتداد نے ڈھیل ڈال دی تھی۔ کچھ اوپر والوں نے اونچ نیچ سمجھایا۔ منت سماجت کی۔ بڑھاوے چڑھاوے دیئے آخر کار تابکے وہ بھی سمجھ دار تھی انجام کار اس کی پیش نظر تھا نرم پڑ گئی۔ جہانگیر کے دل میں مہرالنساء کی محبت نے اسی وقت سے گھر کر لیا تھا جب کہ وہ شیر افگن کی منگیتر تھی لیکن اب جبکہ وہ مستقل طور سے محل شاہی میں رہنے لگی۔ بمصداق۔ ع

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اُس کے حسن و جمال کو گو وہ اب (۳۴) سال کے عمر میں زوال پر تھا مگر پھر بھی بڑے کمال پر تھا۔ اُس کی حاضر جوابی۔ سلیقہ مندی اور دیگر خصائل حمیدہ کو دیکھ کر جہانگیر نے شادی کی کئی بار درخواست کی مگر وہ یہی کہہ کہہ کر ٹال دیتی تھی ۔ع یاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی اُتار دے ۔ لیکن بادشاہ کا اصرار جب حد سے گزر گیا تو سمجھی کہ دنیا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر ۔ خیر اسی میں ہے کہ ہاں کروں ۔ ؎

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

چنانچہ ۶ھ جلوس ۔ مئی ۱۶۱۱ء میں نہایت دھوم دھام ۔ تزک و احتشام سے امید و بیم بر آئی اور جہانگیر نے شاہی شان و شوکت سے اپنی شادی رچائی :۔ ؎

ایں کہ دیدی مراتب جز ویست کار کلی ہنوز در قدر است

شادی کے بعد مہر النسا کا وہ مرتبہ تھا کہ سلاطین مغلیہ کی کسی بیگم کو نصیب نہیں ہوا۔ محل میں داخل ہوتے ہی نور محل خطاب ملا اور نور جہاں ہوئیں۔ دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ امور سلطنت کا کل کاروبار اسی کے ہاتھ میں آگیا۔ فرامین شاہی پر اس کے دستخط۔ سکے پر بادشاہ کے ساتھ اس کا نام۔ دربار میں جھروکے میں یہ موجود و عرائض یہ سنے اور حکم بھی یہی لکھے ۔ باپ اعتمادالدولہ کو قلمدان وزارت ملا بھائی آصف خاں کو اعلیٰ منصب ۔ غرض کہ اس کے اقتدار کی کوئی حد نہ رہی ۔ جو کچھ وہ چاہتی تھی کرتی تھی ۔ اُس کی مرضی ہی قانون تھی ۔ بادشاہ کی طبیعت پر اسے پورا قابو حاصل تھا بغیر اس کی مشورت و صلاح کے وہ کچھ نہ کرتا تھا اور اکثر کہا کرتا تھا کہ "امور سلطنت کے انجام دینے کے لیئے نور جہاں کافی ہے ۔ بجز ایک جام شراب کے مجھ کو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں" ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

اس نے بادشاہ کے مزاج میں بڑا بھاری تغیر پیدا کر دیا ۔ جہانگیر کی شراب خواری کو گھٹایا ۔ اُس کی تند مزاجی کو دھیما کیا ۔ غرض جتنی باتیں قابل اعتراض تھیں تا بہ امکان اُن کی اصلاح کی ۔ اپنی دانش مندی اور حسن تدبیر سے بادشاہ کو راہ راست پر لگا لائی ۔ مظلوموں کی پناہ گاہ ۔ دردمندوں کی چارہ ساز ۔ بے آسوں کی آس ۔ ہر شخص کی ملجا و ماویٰ تھی سخی ایسی کہ ہاتھ میں کوڑی نہیں ۔ داد و دہش وہ کہ اس ہاتھ سے اُس ہاتھ کو خبر نہیں ۔ غریب

اور لاوارث لڑکیوں کی ماں بن کر گنتیاوان دیتی ان کی شادیوں کا خرچ اٹھاتی ان کو جہیز اپنی طرف سے دیتی۔ کہتے ہیں کہ کم سے کم پانسو لڑکیوں کی شادی اس نیک نہاد ملکہ نے اپنے صرف سے کرائی۔ امورات خانگی میں اس کے سلیقے کا کیا پوچھنا اس کی طبیعت میں خاص جدت تھی۔ زیور۔ لباس اور کھانوں اس نے طرح طرح کی ایجادیں کیں۔ گلاب کا عطر اسی نے نکالا۔ اس کی طبیعت میں شوخی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی غرض بڑی چلبلی طبیعت پائی تھی۔ شعر و سخن کا بھی مذاق سلیم تھا کبھی کبھی برجستہ اشعار کہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری اور فنون سپہ گری میں بھی ملتے کافی دستگاہ تھی۔ ایک بار بادشاہ شکار کھیلنے گیا نور جہاں ساتھ تھی۔ ہانکے والوں نے پہلے ہی سے چار شیر گھیر رکھے تھے۔ بادشاہ کی اجازت سے دو شیروں کو اس نے گولی سے مارا اور دو کو تیروں سے گرا دیا۔ اس کی پھرتی جوانمردی اور قادر اندازی نشانہ بازی سے لوگ دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہزار اشرفیاں نچھاور کی جائیں اور ایک انگشتری جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی بیگم کو پہنائی۔ شاہجہاں کی تخت نشینی کے بعد نورجہاں کی وہ بات نہیں رہی اور نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ رونق جہانگیر کے دم کے ساتھ گئی لیکن پھر بھی شاہجہاں بڑی خاطر مدارات سے پیش آتا تھا اور ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ لیکن نورجہاں کا دل ٹوٹ چکا تھا اور دنیاوی عیش و عشرت سے اس کی طبیعت ہٹ گئی تھی۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد وہ گیارہ برس جی اور سفید کپڑوں سے رنڈاپا کاٹا۔ بہتر برس کی عمر میں ۱۰۵۵ھ میں لاہور میں سفر آخرت اختیار کیا اور اپنے شوہر کے قریب ایک علیحدہ گنبد میں دفن ہے جو اب بہت خستہ حالت میں ہے اس کے مقبرے کی خراب و خستہ حالت یاس و حسرت اور بیکسی کی ایک زندہ تصویر ہے اس پر نہایت دردناک اشعار تحریر ہیں من جملہ ان کے ایک شعر یہ ہے۔ ؎

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے   نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یہ اشعار دنیا کی بے ثباتی ظاہر کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو دنیا کے عیش و عشرت میں غرق ہیں نہایت سبق آموز ہیں۔ ہم نے نورجہاں کے خلاف کوئی بات کسی تاریخ میں نہیں دیکھی مگر۔ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد   عیب نماید ہنرش در نظر

رام پرشاد کھوسلا کی تاریخ میں نورجہاں کی ساری باتیں لکھ لکھا کر ایک سٹر سٹری چھوڑ دی ہے کہ "بادشاہ پر نورجہاں کے رسوخ نے ایک عمدہ اثر ڈالا تھا لیکن جہانگیر کی سلطنت کے آخری زمانے میں اس نے اپنے اقتدار کے استعمال کا برا بر طریقہ اختیار کیا۔ دربار میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہوا اور ملکہ نے خود رشوت لینے کی مثال قایم کی" صفحہ ۱۶۹ بھلا نورجہاں کو دیکھیئے اور رشوت۔ توبہ توبہ اسے کس بات کی کمی تھی۔ اب اس رشوت کا حال بھی سنیئے۔ جب سر طامس رو نے ہندوستان میں تجارت کی اجازت چاہی تو بادشاہ نے جواب دیا کہ ملکہ سے کہو وہی ملک کی فرماں روا ہے۔ اس سبب سے لازم آیا۔ نورجہاں کے بھائی آصف جاہ کو ایک بیش قیمت جڑاؤ زیور نذر کیا جاے۔ نذر گزرتے ہی سر طامس کا مدعا حاصل ہو گیا یعنی ہند میں تجارت کی اجازت مل گئی (منقول از مارسڈنز ہسٹری) اگر اسی کا نام رشوت ہے تو اس تہذیب اور آزادی کے زمانے میں روے زمین کی کوئی سلطنت اس عیب سے پاک اور اس الزام سے بری نہیں۔ نورجہاں والیۂ سلطنت اور کنگن کی رشوت! چہ خوش۔ مختصر یہ کہ یہ ہرگز رشوت نہیں بلکہ محض ایک ذریعہ اظہار شکریہ اور امتنان کا ہے۔ نورجہاں کے بھائی نے سر طامس سے قرار داد نہ کیا ہوگا کہ اگر تم زیور دو تو تمھارا کام ہو جاے گا بلکہ سر طامس نے اپنی غرض کے لیئے سو خوشامدوں سے پیش کیا ہوگا اور اس کا قبول ہو جانا ہی سر طامس کی بڑی عزت افزائی اور کامیابی تھی۔

شاہزادۂ خورم کی بغاوت

نورجہاں نے اپنی جڑ مضبوط کرنے کے لیئے اپنی بھتیجی یعنی آصف خاں کی بیٹی مشہور زمانہ ممتاز محل لیڈی آف دی تاج کی شادی جہانگیر کے تیسرے بیٹے شاہزادۂ خورم سے کر دی علاوہ انہیں اپنی ربیبہ لڑکی (گیلڑ) کی شادی جو پہلے شوہر سے تھی جہانگیر کے سب سے چھوٹے بیٹے شہریار سے کی۔ پہلے تو نورجہاں دل و جان سے شہزادۂ خورم کی ممد و معاون تھی کہ بھتیج داماد تھا لیکن دکن میں اس نے بڑی نمایاں فتوحات حاصل کیں اور اس کا بڑا شہرہ ہو گیا اور نورجہاں کچھ کھنچ گئی اور اب وہ اپنے سگے داماد شہریار کی طرف جھکی۔ شہزادہ پرویز باپ کا منہ چڑھا اور لاڈلا تھا وہ اس لاڈ کے گھمنڈ میں سلطنت کا خیالی پلاؤ پکا رہا تھا۔ نورجہاں چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح شاہجہاں جو ہر بات کی ٹوہ لیتا رہتا تھا آنکھوں سے اوجھل ہو جاے اس لیئے اس نے جہانگیر کو یہ پٹی پڑھائی کہ قندہار حال میں ایرانیوں سے فتح کیا گیا ہے اس کے انتظام

کے لیے کسی ہوشیار کار آزمودہ جنرل کی ضرورت ہے میری نظروں میں اس کام کی سرانجام دہی بجز شاہجہان کے اور کوئی نہیں کر سکتا لہذا اسی کو بھیجنا چاہیئے۔ شاہجہان تاڑ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور جانے سے صاف انکار کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کر دیا۔ شاہی لشکر ... کے تعاقب ... روانہ کیا گیا لیکن شاہجہان مقابلہ پر نہ آیا اور مانڈو کی طرف ہٹ گیا ... اس نے ... صوبہ دار گجرات اور خان خاناں نے ساتھ چھوڑ دیا اور شاہجہان تنہا رہ گیا تو مجبوراً اس کو اپنا صوبہ بدلنا پڑا اور اس نے ... بنگال اور بہار دبا بیٹھا۔ شاہزادہ پرویز اور مہابت خاں ... پہنچ گئے۔ شاہجہان ... بری طرح شکست پائی ... مچھلی بندر کی طرف بھاگا بعد دکن کا رستہ لیا۔ وہاں ملک عنبر نے اسے بڑی آؤ بھگت سے لیا۔ باایں ہمہ شاہجہان سے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی ... بادشاہ وقت سے مقابلہ کچھ آسان کام نہ تھا۔ ناچار بادشاہ کے سامنے سر اطاعت خم کیا۔ بادشاہ نے اس شرط پر معافی دی کہ شاہجہان اپنے دونوں بیٹوں دارا اور اورنگ زیب کو بطور یرغمال دربار شاہی میں بھیج دے۔

دکن کی مہم اور شہزادہ خسرو کی وفات

دکن میں ... کچھ ... تھی ... قطب ... بیجاپور ... شاہزادہ ... شاہجہان کا خطاب دے کر دکن کو بھیجا ... خطاب سے صاف ظاہر ... کہ وہی ولی عہد قرار پایا۔ بادشاہ خود ... مگر تب تک شاہزادہ ملک عنبر کو شکست دے کر احمد نگر ... پھر بادشاہ گجرات ہوتے ہوئے ۱۶۱۸ء میں آگرہ واپس آگیا۔ ۱۶۲۰ء ... عنبر نے سر اٹھایا اور پھر شاہجہان نے اسے شکست دی۔ اسی زمانے میں شہزادہ خسرو نے جسے شاہجہان نے ... کر کے قید سے چھڑا لیا تھا۔ وفات پائی۔

شاہجہان کی آخری بغاوت

۱۶۲۳ء میں پھر شہزادہ خورم نے دارالخلافہ آگرے پر قبضہ کرنے کے قصد سے بغاوت کی

لیکن دو مرتبہ پہلے وہ زک پا چکا تھا اب سے کے دلی کی طرف بڑھا اور فرید آباد میں جو دلی سے (۱۹) میل ہے آکر ٹھیرا۔ جہانگیر اس وقت دلی ہی میں تھا چونکہ جنگ کے واسطے طیار نہ تھا گھبرا گیا لیکن عین وقت پر مدد پہنچ جانے سے ہمت بندھ گئی بیٹے کی سرکوبی کو باپ چلا اور تغلق آباد میں دونوں طرف کے لشکروں کا مقابلہ ہوا لیکن لڑائی غیر قطعی رہی بہر حال شہزادے کی فوج بکھر گئی اور اس کو بھاگتے ہی بن پڑی۔ شاہجہاں بہت سرگردان اور پریشان ہو گیا تو آخر کار ۱۶۲۵ء میں راہ راست پر آیا اور باپ سے میل ملاپ کر لیا۔

مہابت خاں کا بلوہ

مہابت خاں کا ذکر اوپر آچکا ہے وہ کابل کا گورنر تھا۔ اس کا اصلی نام زمانہ بیگ تھا جو سلیم کی شہزادگی کے زمانے میں اس کا ہمدم اور مصاحب تھا۔ جہانگیر جب بادشاہ ہوا تو بمقتضائے ؎

قدیمان خود را بیفزائے قدر | کہ ہرگز نیاید ز پروردہ غدر

سب سے پہلے اپنے یار وفادار زمانہ بیگ کے مراتب بڑھائے اور مہابت خاں کا خطاب دے کر بیش قرار منصب مقرر کیا۔ یہ شخص روز بروز عروج پکڑتا جاتا تھا۔ نورجہاں بڑی پالیٹیشن تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی شخص حد سے زیادہ بڑھ جائے۔ اس کی بڑھتی ہوئی قوت سے نورجہاں کھٹک گئی اور چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کو نیچا دکھاؤں۔ سوچتے سوچتے اس نے یہ چال چلی کہ اس پر صوبہ داری بنگال کے زمانے میں کچھ تغلب تصرف کرنے کا الزام منڈھ کر اسے دربار میں کھنچوا بلایا۔ مہابت خاں بھی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھا وہ بھی بڑا کائیاں تھا نورجہاں کی چال بازی کو فوراً سمجھ گیا ؎

بے خودی بے سبب نہیں غالب | کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مہابت خاں کے دل میں بھی نورجہاں کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی پہلے تو ٹالے بالے دیتا رہا لیکن آخر کار چلا اور اپنے کیل پرزے درست کر کے پانچ ہزار جرار راجپوت ساتھ رکھ لیے کہ خدا جانے کیا اتفاق پیش آئے اور یہ اونٹ کس کل بیٹھے۔ جب وہ پہنچا جہانگیر کابل جا رہا تھا اس کا کیمپ دریائے جہلم کے کنارے پڑا ہوا تھا۔ کشتیوں کا پل بندھا ہوا تھا شاہی فوج دریا پار ہو چکی تھی۔ بادشاہ مع چند ساتھیوں کے باقی رہ گیا تھا۔ مہابت خاں کو پورا یقین تھا کہ وہ ذلیل و خوار کیا جائے گا اور اس کی مٹی پلید ہو گی۔ پس اس نے موقع کو

غنیمت جان کر راجپوتوں کی فوج سے گھیر ڈال دیا اور بادشاہ کو اپنی حراست میں لیا۔

کس نیاموخت علم تیر از من
که مرا عاقبت نشانہ نکرد

نورجہاں کو اس از غیبی گولے کا بڑا صدمہ ہوا لیکن اس نازک وقت میں بھی اس نے اپنی دوربینی اور دانائی کو جانے نہ دیا۔ وہ مہابت خاں کے پنجے سے نکل کر ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو کر دریا پار پہنچ اپنے بھائی سے جا ملی۔ وہاں پہنچ کر اس نے شاہی فوج کو بہت سخت سست کہا اور افسروں کو بلا کر لعنت ملامت کی کہ تم نے جیتے جی بادشاہ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ تمام فوج کو طیار کیا خود تیر کمان لے کر ہودے میں بیٹھی۔ دیکھا تو کشتیوں کا پل پہلے ہی غنیم نے جلا دیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا ہاتھی دریا میں ڈالا۔ ایک طرف سے جہاں پانی کم تھا فوج نے دریا کو بہ مشکل عبور کیا پانی کی رو تیز تھی۔ جا بجا گڑھے تھے۔ بہت سے لوگ ڈوب گئے۔ بارود سب بھیگ کر چوپٹ ہو گئی۔ جو بچ کر نکلے رہے ان میں اتنا دم نہ رہا کہ دم خم والے راجپوتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ تاب نہ لا کر فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ نورجہاں کا ہاتھی زخمی اور فیل بان مارا گیا شہریار کے بچے جو اس کے ساتھ ہودے میں تھے زخمی ہوئے۔ مجبوراً نورجہاں نے اپنے تئیں مہابت خاں کے حوالے کیا اور جہانگیر کے ساتھ قید میں چلی گئی۔ قید کے زمانے میں نورجہاں نے مہابت خاں پر یہ ظاہر ہونے دیا کہ وہ اس قید سے ناراض ہیں۔ نورجہاں کے تریا چرتر نے مہابت خاں پر ایسا رو غن قاز ملا کہ وہ ان کی حفاظت کی طرف سے بالکل غافل ہو گیا۔ نورجہاں نے چند ملازم ایسے رکھے جو افغانیوں کو بادشاہ کی حمایت میں اٹھنے کے لیے ابھارتے تھے۔ مہابت خاں راجپوتوں کا بہت گرویدہ تھا۔ یہ بات افغانوں کو ناگوار تھی اس لیے سارے افغان ادھر سے ٹوٹ کر ادھر آن ملے۔ ایک دن موقع پا کر نورجہاں اٹھ کھڑی ہوئی۔ فوج تو اس کے ساتھ تھی ہی اور مہابت خاں خواب خرگوش میں تھا غرض یہ کہ اپنے ساتھ بادشاہ کو بھی قید سے نکال لائی۔ نورجہاں اگر چاہتی تو مہابت خاں کے پرخچے اڑا دیتی لیکن ایک مجبوری یہ تھی کہ اس کا ہاتھ پتھر کے تلے دبا ہوا تھا کہ اس کا بھائی آصف خاں مہابت خاں کے پاس قید تھا اور مصلحت وقت نہ تھی کہ زخمی شیر کو اور بپھرا دیا جائے مبادا کوئی اور خطرناک حالت پیدا ہو جائے۔ مہابت خاں

کے

بھاگ کر کسی قریب کے شہر میں پناہ لی اور اپنے قصوروں کی معافی چاہی۔ اس کی درخواست اس شرط پر منظور ہوئی کہ وہ شاہزادہ خورم کا مقابلہ کرکے اسے شکست دے۔ معاملہ رفع دفع ہوا۔ آصف خاں قید سے چھوٹا۔ مہابت خاں اجمیر کو چلے جہاں سارا شاہزادہ خورم تباہ و خستہ حال پڑا تھا۔ ایسے وقت میں شہزادہ پرویز کی موت نے خورم کو خورسند کر دیا اور از سر نو اس کی ہمت بندھ گئی اور اس نے یہ منصوبہ گانٹھا کہ اگر مہابت خاں کو منت سماجت سے ہموار کر لوں تو پھر تمام ملک دکن کی حکومت مل جائے گی۔ مصرع - تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ - مہابت اور یہ لوگ ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ جہانگیر کی موت نے صورت واقعہ ایکدم بدل دی۔

انگریزوں کے حق میں مراعات تجارت اور سر ٹامس سفیر کی آمد

ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا چارٹر - ملکہ الزبتھ کے زمانے میں سنہ ۱۶۰۰ء سال کے بالکل آخر پر لندن کی تجارتی کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کرنے کا ملا۔ پرتگیزوں اور ڈچوں نے اپنے مد مقابل انگریزوں کی دخل دہی کی سخت مخالفت کی لیکن اس کا نتیجہ سنہ ۱۶۱۲ء و سنہ ۱۶۱۵ء کی بحری لڑائی سے ہوا جو بندر سورت کے قریب سوالی پر پرتگیزوں سے ہوئی اور جس میں انگریزوں نے انہیں شکست دے کر فتح پائی۔ فارس پر بندر ہرمز پر قبضہ کر لیا۔ کرامویل نے سب سے پہلے صلح نامہ سنہ ۱۶۵۴ء پرتگیزوں سے مشرقی تجارت پر انگریزوں کا حق تسلیم کرا لیا۔ انگریزوں کی پہلی تجارتی کوٹھی سورت پر سنہ ۱۶۱۲ء میں کھولی گئی۔ سنہ ۱۶۱۳ء میں بادشاہ جہانگیر نے سورت۔ کھمبایت۔ گوگو اور احمد آباد میں کوٹھیاں بنانے کی پروانگی دی۔ سنہ ۱۶۱۵ء میں شہنشاہ دہلی کی طلب پر جیمس اول بادشاہ انگلستان نے سر طامس رو کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ دربار شاہی میں سر طامس کی بڑی عزت توقیر اور خاطر تواضع ہوئی اور سفیر مذکور چار برس تک حاضر باش رہا۔ روابط و ارتباط کی پینگ بڑھنے لگی۔ بادشاہ اور سفیر میں ایک گونہ یگانگت اور موانست پیدا ہو گئی۔ سر طامس نے جو حالات دربار کے لکھے ہیں ان سے بہت کچھ معلومات کا اضافہ ہوتا ہے اور وہ قابل قدر بھی ہیں۔ سر طامس سے پہلے ایک اور یورپین جنٹلمین کپتان ولیم ہاکنز

ایسٹ انڈیا کمپنی کا تاجر ہندوستان میں موجود تھا جو بادشاہ کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھا۔ اس نے ۔ ع ۔ نمک خوردی نمک دان را شکستن پر عمل کیا کہ بادشاہ سے [illegible] اور ظالمانہ طرز عمل پر انتہا تنفر کیا ہے۔ اسی زمانے میں مسٹر [illegible] اور طامس کوریاٹ نامی دو انگریز اور بھی ہندوستان میں تھے۔ سنہ [illegible] میں [illegible] اور جہاں گرد تھا **اصفہان** کو جاتے جاتے **دلی** سے گزرے تھے انھوں نے لکھا ہے کہ جوں ہی بادشاہ [illegible] تمہارے [illegible] دارالخلافہ سے [illegible] مفلس اور [illegible] ایسٹ انڈیا کمپنی کا [illegible] لاہور جاتے جاتے دلی سے گزر [illegible] لکھا ہے [illegible] کو [illegible] کرنا [illegible] یورپین تھا جس نے دلی دیکھی۔

جہانگیر کا تخت

یہ تخت [illegible] سے [illegible] برس پہلے [illegible] میں [illegible] سلیم کے واسطے بنوایا گیا تھا جو اب تک موجود ہے اور قلعہ اکبر آباد [illegible] میں شاہ جہاں کے محل کے بالا خانے پر دریا کے [illegible] انسوس [illegible] کے عرض میں [illegible] دو ٹکڑے ہوگئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقص کب اور کس سبب [illegible] تخت کا طول [illegible] اور عرض [illegible] سل کی سطح [illegible] ساخت میں لوہے کی آمیزش کی وجہ سے ایک جگہ سرخی جھلکتی [illegible] عام طور پر [illegible] کی جاتی ہے کہ اس تخت سے [illegible] لیکن [illegible] صاحب [illegible] میں اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں [illegible] تخت [illegible] اشعار ذیل کندہ ہیں:-

ابیات اکبر شاہ۔ بادشاہے کہ تیغ او سازد   چون [illegible] سر عدو بد و نیم

باد این تختگاہ فرخندہ   تکیہ گاہ خدایگان کریم

تک خسروان پایہ ملک

مہر و مہ را عیار بہ زر و سیم

درِّ دُرجِ شاہِ مہر تابندہ[1] — لولوئے بے بہا چو درّ یتیم
پئے تاریخ او در بفکر شدم — مژدۂ جستم از خدائے کریم
تا فلک تختگاہ خورشید است — گفت ماند سریر شاہ سلیم

ہم آمدی پیش از جلوس شاہ سلیم و بعد آں نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

ابیات جہانگیر بادشاہ ہمیشہ با منور بود رہبر الہ — سر بر حضرت سلطان سلیم اکبر شاہ
چوں شاہ سلیم وارث تخت و نگیں — بر تخت نشست بست گیتی آئیں
شد اسم مبارکش جہانگیر چو ذات — از نور عدالت لقبش نورالدین

جہانگیر کی وفات
سنہ ۱۶۲۷ء

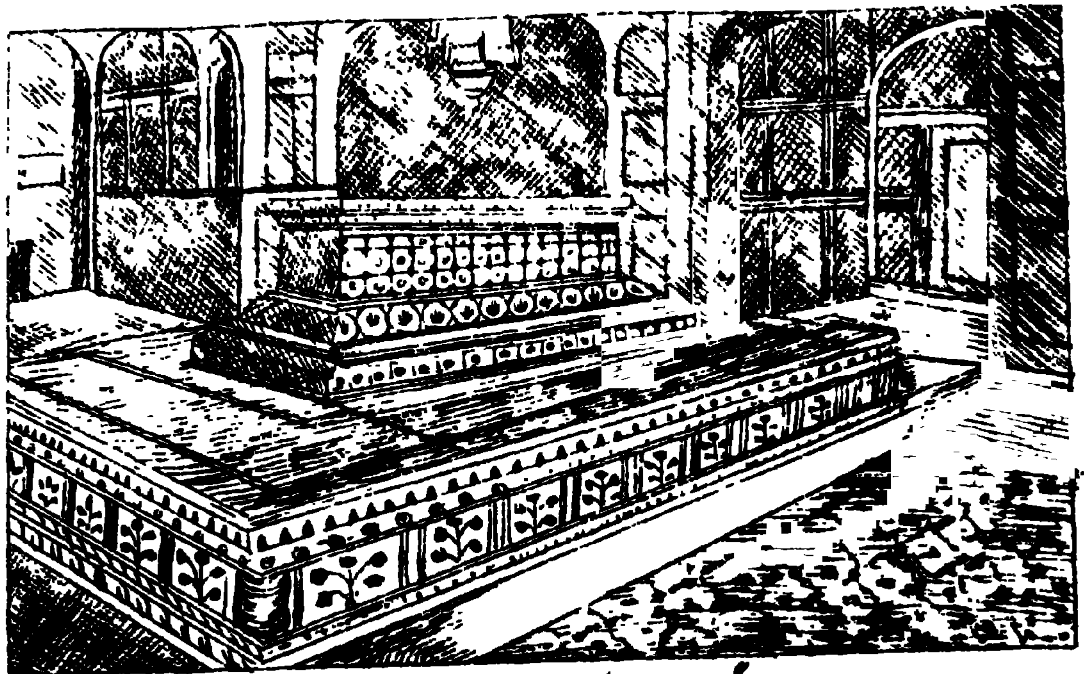
جہانگیر کو کشمیر بہت پسند تھا اور وہ کشمیر ہی میں موسم گرما بسر کیا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ اس کی صحت بہت خراب تھی اور کشمیر کی آب و ہوا سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا ضیق النفس کے سخت مرض میں وہ مبتلا تھا۔ اکتوبر سنہ ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپسی میں بیماری کا اشتداد ہوا اور (۵۹) برس کی عمر میں (۲۲) برس کی سلطنت کے بعد ایک اتوار کے دن ۲۸ صفر سنہ ۱۰۳۷ھ کو (۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء) انتقال کیا[2] اور لاہور کے قریب شاہدرے میں ایک نہایت شاندار

---

[1] جنرل صاحب نے اس شعر کو یوں نقل کیا ہے۔ سند۔ زصفا و نور ضیا — گوہرے بے بہا چو درّ یتیم
میں نے دیکھا نہیں جو تصحیح کر سکوں۔ ۱۲

[2] در سنہ ۱۰۳۶ھ بطرف کابل تشریف بردند از انجا بکشمیر رفتند و در انجا بیمار شدہ کوچ سوئے لاہور نمودند و در اثنائے راہ انتقال نمودند نعش او را تجہیز و تکفین نمودہ بطرف لاہور روانہ ساختند و بشاہدرہ در آں طرف آب لاہور در باغے کہ نورجہاں بیگم اساس نہادہ بود آنجا کش سپردند و بر مرقدش ایں آیات قرآنی مرقوم است :- بسم اللہ الخ۔ ھو الغفار لذنوبہ قال اللہ تبارک و تعالیٰ قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم تا انہ ھو الغفور الرحیم کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیمۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور وقل رب اغفر وارحم وانت ارحم الراحمین سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ مرقد منورہ اعلیٰ حضرت غفران پناہ نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ توفی سنہ ۱۰۳۷ھ۔ تاریخ ہائے وفات۔ ع جہانگیر از جہاں عزم سفر کرد۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)



جہانگیر بادشاہ کی قبر بمقام شاہدرہ لاہور

مقبرے میں جو دریائے راوی کے شمالی کنارے پر ہے دفن کیا گیا۔

قطعہ تاریخ وفات شہنشاہ جہاں شاہ جہانگیر — کہ صیت عدل او بر آسماں رفت
چو نورالدین محمد بود نامش — ازاں از تیغ عدلش نور جہاں رفت
چہ گویم نام او کو حاتم طی — بعہد ہمتش نام و نشاں رفت
گلستان جہاں بے آب و رنگ است — بہار از وفات او ز جہان رفت
ازیں ماتم سراچہ رخت بربست — جہاں غمگین شدہ او کامران رفت
چو تاریخ وفاتش جست کشفی — خرد گفتا "جہانگیر از جہاں رفت"

وریں تاریخ یک عدد کم می شود۔ عمر وقت تخت نشینی ۳۸ سال ۳ ماہ ۲ یوم۔ مدت سلطنت ۲۲ سال ۸ ماہ ۱۵ یوم۔ عمرش ۶۰ سال ۱۱ ماہ ۲۶ یوم۔ جہانگیر اتفاق پسران داشت یکی بودند۔ خسرو پرویز خرم جہاں دار شہریار۔ ازاں میان خسرو پرویز جہاں دار در زمین حیات پدر فوت شدند و شہریار ہمراہ داور بخش و گرشاسپ پسران سلطان خسرو طہمورث و ہوشنگ فرزندان شاہزادہ دانیال بعد وفات جنت مکانی (جہانگیر) بہ آصف خان حسب اشارہ شاہجہان بشہادت رسیدہ بہ نہاں خانہ عدم شتافتند۔ سلطان داور بخش عرف مرزا بلاقی پسر شہزادہ سلطان خسرو بود وقتیکہ جہانگیر بادشاہ فوت کرد شاہجہان بطرف دکن بود بنابراں آصف جاہ اعظم خان وزیر بجہت انتظام ملک سلطان داور بخش را از حبس برآوردہ رواج بوری بادشاہ ساختند و مکنون ضمیر شان بود کہ بروقت رسیدن شاہجہان از دکن او را بر سریر سلطنت نشانند۔ عزیزی تاریخ جلوس داور بخش گفتہ اما یک عدد کم می شود۔ ع

چو شد سلطان داور بخش از بخت — بسان خور بروئے تخت والا
بجیب فکر سر بردم بپاسش — خرد تاریخ گفتا "تخت بالا" ۱۰۳۷

چوں سہ ماہ و چند روز بریں گذشت و آمد آمد شاہ جہاں از دکن گوش زد خاص و عام گردید دولت خواہان بادشاہی روز یکشنبہ ۲۲ جمادی الاولی ۱۰۳۷ھ در ایوان دولت خانہ لاہور خطبہ بنام شاہ جہاں خواندند و حسب نوشتہ شاہجہان مرزا بلاقی را دستگیر ساختہ محبوس نمودند و بروز چہارشنبہ ۲۲ جمادی الاولی سنہ الیہ آصف خاں مع دیگر کسان متذکرہ بالا راہی عدم ساختہ۔ ع

شدہ سریر جہاں بادشاہ داور بخش — چو رخت بست زعالم سیاہ شد ملکت
سپہر چادر نیلی بسر کشید و بگفت — نماند مالک اقبال یاور دولت ۱۰۳۷

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

جہانگیر کا کیرکٹر

جہانگیر کی نسبت یہ کہنا امر واقعی ہے کہ وہ ایک دانشمند شہزادہ تھا اُسے بچپنے میں لاڈ میں ستیاناس کر دیا تھا۔ بڑا ہوا تو ضدی اور بگڑا رئیس نکلا غضب ہوا۔ اگر مخالفت نہ کی جاتی تو بڑی اچھی طبیعت کا تھا اور جو چاہو اُس سے آسانی نکال سکتے تھے لیکن جب بھڑک جاتا تھا یا غصہ چڑھ جاتی تھی تو پھر ایسا غضبناک ہو جاتا تھا کہ الامان۔ محمد بن تغلق کی طرح بڑی متضاد صفات کا مرکب تھا ہم کو جہانگیر کے حالات بخوبی اس وجہ سے معلوم ہیں کہ اُس نے بیس سال سلطنت کے واقعات ایک مستند کتاب میں چھوڑ گیا ہے مزید برآں اور بھی ہندوستانی اور یورپین مورخین نے اس کے حالات قلمبند کئے ہیں اور اس کی شبیہ یا تصویروں کی تعداد بہت ہے جو کچھ عدد تصویریں ہیں نہایت عمدہ دستکاروں نے بنائی تھیں۔ اس لیے ہم جہانگیر کو اُس اصلی حیثیت میں دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ وہ درحقیقت تھا۔ ایشیائی مطلق العنان بادشاہت کا نمونہ۔ نرمی اور سنگدلی انصاف اور تلون مزاجی۔ تہذیب و شائستگی اور وحشیانہ بے رحمی۔ فہم سلیم و عقل سے خفیف الحرکاتی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳۹) سلطان شہریار پسر ... جہانگیر بادشاہ بود و دختر نورجہان بیگم که از نطفه شیر افگن خان بود در حبالهٔ نکاح او آمده بعد وفات جہانگیر نورجہان بیگم خواست تا داماد خود سلطان شہریار را بر سریر سلطنت نشاند۔ آصف خان برادر نورجہان این معنی را قبول نکرده سلطان داور بخش را پادشاه ساخته روانه طرف لاہور شدند۔ و سلطان شہریار که در لاہور بود چون خبر فوت شدن جہانگیر شنیده بتحریک زن دست تصرف بخزائن و سایر کارخانجات پادشاہی دراز کرده ہر کس ہرچه خواست می داد و بقدر سیم آوردن لشکر پرداخت و در عرصه یک ہفته ہفتاد لک روپیه به منصبداران قدیم و جدید داده لشکر از آب گذرانیده بطرف آصف خان داور بخش را بر فیل سوار کرده روی بعرصه کارزار نهاده ... شہریار ... دست داده در حمله اول شکست یافته شہریار افتاده فرار نموده بقلعه درآمد۔ آصف خان او را بدست آورده قید نمود و بعد از چندی حسب الحکم داور بخش ہر دو چشمش ... معدوم الفروغ ساختند۔ شاہزاده را ... داشت تاریخ این واقعه که در سنه ... دست داده خود به نظم آورده۔ تاریخ

ز نرگس گلاب ارچه نتوان کشید کشیدند از نرگسانم گلاب

اگر از تو پرسند تاریخ آن بگو کور شد دیدهٔ آفتاب

۱۰۳۷ھ

متضاد حرکات کی ایک عجیب و غریب معجون مرکب تھا۔ جہانگیر کو اپنے انصاف پر بڑا ناز تھا۔ وہ جب کبھی کسی بڑے امیر پر قتل کا فتویٰ صادر کرتا تو کہا کرتا تھا۔ "خدا نہ کرے کہ میں ایسے معاملات میں شاہزادوں کی پاس خاطر ملحوظ رکھوں۔ سب امیر امراء انصاف کے سامنے کس شمار قطار میں ہیں" لیکن اس انصاف میں خونریزی اور بے رحمی کا عنصر غالب رہتا تھا جس میں شاذونادر رحم کی جھلک نظر آتی تھی۔ مثلاً سیکڑوں آدمیوں کو بلا پس و پیش تیز دھار دار سولیوں پر چڑھوا دیتا تھا۔ اسے اپنی بیویوں اور اولاد سے بے انتہا محبت تھی۔ ان میں سے کسی کے گزر جانے کا بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ اگر ہرن کے شکار میں شکاریوں کی بدقسمتی سے اتفاقاً شکار ذرا بھی بگڑا تو بس ان کی شامت آگئی اور بن موت مر گئے۔ ان کی کونچیں کٹوا دیتا تھا اور ذرا بھی رحم نہ آتا تھا۔ جہانگیر کو مناظر قدرت اور فنون کا بڑا مذاق تھا۔ وہ خود نقاشی میں عمدہ مہارت رکھتا تھا اور گاہے رنگا رنگ کی سبزی دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ ڈھاک کی کلی کو کہا کرتا تھا کہ "اس کی کلی ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ بس دیکھے ہی جاؤ نظر ہٹانے کو دل نہیں چاہتا۔" ایڈورڈ ٹیری جو سر طامس رو کے پادری تھے کہتے ہیں کہ اگرچہ بادشاہ بالالتزام اپنے قول کے ایفا کا خیال نہ رکھتا تھا لیکن پھر بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آزاد تجارت۔ امن و امان کی زندگی۔ بادشاہ اور رعایا کے لین دین میں وقعت یہ سب باتیں انگریزوں کو اسی بادشاہ کے عہد میں نصیب ہوئیں۔ بہرحال جہانگیر کی سلطنت اور اس کی زندگی کے حالات کو جس طرز سے آج تک مورخین نے بیان کیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔ (ترجمہ از تاریخ ونسنٹ سمتھ صفحہ ۳۹۷)

"جہانگیر کا دور سلطنت کسی نمایاں کام کے لیے مشہور نہیں ہے۔ مسٹر کین لکھتے ہیں کہ "وہ بادشاہ یا انسان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی عمدہ نمونہ نہ تھا! رہا نظم و نسق ملک میں اور بھی زیادہ ہیٹا تھا۔" ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ تمام سلطنت میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اوپر سے نیچے تک رشوت خواری کا بازار گرم تھا۔ سر طامس رو نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جو دربار کی ناگفتہ بہ حالت پر روشنی ڈالتا ہے۔ سفیر صاحب کا کچھ کام بادشاہ سے اٹکا ہوا تھا۔ ہر چند کوشش کی مگر بدون وزیر کی مٹھی گرم کرنے کے کام نکلتا نظر

[illegible] جہانگیر [illegible] کے بیان میں کر آئے ہیں۔

نکلا دیتا تھا کہ فوراً کام بن گیا۔ مسٹر الیٹ لکھتے ہیں کہ اوائل زمان سلطنت میں بارہ احکام جاری کیے تھے جو دیکھنے کو تو کاغذ پر بہت خوش نما معلوم دیتے تھے لیکن اُن پر عمل دخل بھی نہ تھا۔ کپتان ہاکنز اور ٹیری صاحبان لکھتے ہیں کہ لوٹ مار۔ اندھیر اور بدنظمی اُس زمانے کا دستور تھا لیکن باوجود ان تمام باتوں کے لوگ مالا مال اور خوش حال تھے (ماخوذ از تاریخ رام پرشاد کھوسلا صفحہ ۲) سچ ہے اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی یعنی حق بات نکلی نہیں جاتی ع

عیب مے جملہ گفتی ہنرش نیز بگو۔ جہانگیر کے کریکٹر کی بہت بڑی تصویر مسٹر ہاکنز اور ٹیری نے کھینچی ہی نہیں سکن اُن کی زبان سے بھی آخر میں کہنے کو تو ایک چھوٹا سا فقرہ نکلا مگر وہ ایسا جامع اور مانع ہے کہ سارے عیب دُھل گئے جہانگیر اس سے بھی بدرجہا بدتر ہوتا جیسا کہ ہم کو دکھلایا گیا ہے لیکن جب اُس کے عہد میں رعایا **مالا مال اور خوش حال تھی** تو اس سے بڑھ کر کسی بادشاہ کے لیے کیا **کامپلی منٹ** ہو سکتا ہے مبارک ہے وہ بادشاہ جس کے سایہ میں رعایا امن چین اور سُکھ سے رہے کہ بادشاہ کی اعلیٰ ترین صفات نہیں ہیں اُس کے فرائض اولیں میں یہ بات داخل ہے کہ خلق خدا جو اُس کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ اُس کو وہ خوش رکھے اور اس کے سوا سب حشو و زوائد ہیں۔

شاہ جہان
۱۶۲۸-۱۶۵۸ء

جہانگیر کی وفات کے وقت اُس کے دو بیٹے موجود تھے۔ شاہزادہ **خورم** یعنی شاہ جہاں جو ان دونوں میں بڑا اور اپنے سارے خاندان میں سب سے زیادہ لائق تھا اُس وقت دور و دراز فاصلے پر دکن میں تھا۔ چھوٹا **شہریار** لاہور میں تھا۔ **آصف خاں** جس کی لڑکی **ممتاز محل** کی شادی **شاہجہان** سے ہوئی تھی وہ تو بوجہ دامادی کے اسی کی جانشینی کا آرزومند تھا لیکن شاہ جہان کے آنے میں دیر تھی آصف خان نے جو شاہجہاں کا ہمیشہ سے خیر خواہ تھا محض اس خیال سے کہ تخت خالی نہ رہے شاہ جہاں کے آنے تک عارضی طور پر خسرو کے بیٹے **داور بخش** عرف مرزا بلاقی کو تخت پر بٹھلا دیا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے اسی کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ آصف خاں نے ایک تیز رو قاصد کے ذریعے سے شاہ جہاں کو خبر دی چنانچہ شاہجہاں چل پڑا اور حکم دیا کہ مصلحت وقت یہی ہے کہ سب سے پہلے شہریار کو قتل کر دیا جائے۔ **شہریار** نے جو نورجہاں کا لاڈلا تھا اس کے زور پر لاہور میں فوج جمع کر لی اور اس ارادے میں تھا کہ **نورجہاں** کی مدد سے وہ کامیاب

...لین سے تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل۔ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

شہریار تو پہلے ہی سے لوگوں میں **ناشدنی** کے نام سے مشہور تھا آصف خان کے ایک ہی سلے میں اس بے چارے کے چھکے چھوٹ گئے اور پسپا ہوا سو ہوا۔ غیر غریب کی آنکھیں بھی نکلوا ڈالیں۔ اس کے ساتھ نور جہاں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور دنیا سے کچھ ایسا دل ہٹا کہ بالکل ادھر سے رخ موڑ یاد الٰہی میں رہیں۔ خیرات و مبرات میں لگ گئیں۔ شاہ جہان نے نہ صرف شہریار کو بے کار کر دیا بلکہ اسی طرح جن جن لوگوں کی نسبت دعوی داری سلطنت کا خیال تھا سب کو چن چن کر قتل کر دیا مگر یہ کام کچھ ایسے چھپاتے ہوئے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی اور اسی وجہ سے مورخین کے بیانات میں مقتولین کے نام اور یہ کہ وہ کس طرح مارے گئے اختلاف ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ شہریار اور شاہ جہاں کے دو چچیرے بھائی سب مارے گئے۔ شاہ جہاں نے جب اپنے تمام ہم سروں کو ... کر دیا تب ... تخت نشین ہوا

---

(۱) سب سے بڑے شاہزادے خسرو کا کیا انجام ہوا، وہ ذکر آ چکا ہے۔ دوسرے شہزادے پرویز نے اپنے باپ کی وفات سے ایک سال پہلے انتقال کیا۔ ایک شہزادہ جس کا نام جہاندار تھا وہ بچپنے ہی میں مر چکا تھا۔ ۱۲

(۲) خلف سوم محمد جہانگیر بادشاہ است ولادتش بتاریخ ۳۰ ربیع الاول سنہ ۱۰۰۰ھ (۵ جنوری ۱۵۹۲ء) روز پنجشنبہ در لاہور از بطن نواب جودہ بائی دختر راجہ بھگوان داس راجہ جودھ پور بوقوع آمدہ و شہزادہ بہ مرزا خرم موسوم گشتہ و چون پدرش در ۱۰۲۶ھ بنا بر تسخیر ولایت دکن فرستاد او را بخطاب شاہ جہان ملقب ساخت بعد از آن کہ بر سریر فرمان روائی نشست و این ابیات و قصائد در تاریخ تولد او گفتہ از آں جملہ یکے از سخنوراں این قطعہ انشا نمودہ کہ بعد از رفع آحاد از عبارت "صاحبقران ثانی" کہ سیزدہ می شود تاریخ تولد استخراج می باید۔ **قطعہ**

شاہنشہ زمانہ دانشور یگانہ — اسکندر نخستیں صاحبقران ثانی
دیں پرور معظم شاہ جہاں کہ باشد — از جبہہ اش ہویدا فر جہانستانی
چندیکہ عالم از مقدمش جواں شد — می تافت از جبینش نور خدایگانی
از چار دہ نیابد دیگر چو او خدیوے — کار قرین حکمش تائید آسمانی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

شاہ جہاں ۱۶۲۸-۵۹ء

ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں صاحب قران ثانی کا جشن تاج پوشی بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ شاہ ۱۰۳۷ھ

(بقیہ از صفحہ گزشتہ) از چار دہ گذر کن تا عقل بر تو خواند   تاریخ مولدش را "صاحبقران ثانی"

دیگر

ز عدل شاہ نورالدین جہانگیر   منور گشت از مہ تا بماہی

بدین شاہنشہی با دانش و داد   کہ درگاہش گذر عالم پناہی

خدا از بس کرم شہزادہ داد   بما نداز در سوم داد خواہی

بتخت بادشاہی چوں نشیند   کند نہ آسمانش پاسگاہی

بعہد دولتش آسودہ گردید   ز بس عدلش رعایا و سپاہی

شود شاہ جہان از لطف یزداں   دہد بخت بلندش زین گواہی

چو او بر سر نہد افسر بماند   شہاں را رتبۂ صاحب کلاہی

بدوراں نشں نہ بیند دیدۂ مہر   ز امر نافذش روئے مناہی

جہاں افروز شد چوں شاہ خورم   بعصر دل فروز بادشاہی

خرد تاریخ سال مولدش را   رقم زد "ظل جہانگیر الٰہی"

این قصیدہ ایست کہ از ہر مصرعہ تاریخ تولد بر می آید۔

100 خدا وجود بعتادہ عالم و امکاں   برائے شاہ جہاں بادشاہ ظل جہاں 1000

1000 ز لطف یزداں بہ عدل وجود ہفت اقلیم   بود با فرو با کاہ ازیں سلیماں شاں 1000

1000 ز جود شاہ جہاں بادشاہ ملک آرائے   پدید از در شاہوار صدف عماں 1000

1000 ز جام قوت او باد با حیات ابد   مدام بادہ ء الطاف و قدرت یزداں 1000

1000 نشاط شادی و کام طرب بہا دالہ   بیاد شاہ چو آں بادشاہ کام رساں 1000

1000 بداد وجود باحساں شہنشہ آفاق   حلیم و عالی و دانا نواز ملک ستاں 1000

1000 بود نجوم گو ہر ازاں صاحب قرآں کہ بود   بود چو آں صاحب قران ہیچ قراں 1000

1000 بذہن ثانی او ایں پناہ ملک بود   کہ صد قران زند ایں بے بحال اندر قراں 1000

1000 ہزار سال چو از ہجرت آمدہ بوجود   شہنشہے کہ بود زندگی عالمیاں 1000

1000 ہزار قرن بماناد آنکہ بر دم از د   بود بعہد جہاں صد ہزار جاں شاداں 1000

مغل کی خون کی بہ نسبت راجپوتی خون زیادہ تھا۔ اُس کی ماں راجپوتنی تھی اور باپ بھی نصف راجپوت تھا۔ تخت نشینی کے وقت سارے ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان تھا اس لیئے شاہ جہاں کو بڑی بڑی عمارتیں بنانے کا کافی موقع ملا۔ تیس برس کے زمان سلطنت میں اس بادشاہ نے وہ وہ شہر آباد کیئے اور مسجدیں اور مقبرے بنوائے کہ جن کا ثانی ہندوستان میں نہیں۔ آگے چل کر ہم بعض بعض اُن مشہور عمارتوں کا ذکر کریں گے جن کی وجہ سے شاہ جہان کے نام نامی نے تمام دنیا میں ایک ابدی شہرت حاصل کی ہے

دو بیت شاہ جہان بر ایں دو زدہ بیت — بر قسمت از بسعد و ازدوم نجم تابان ۱۰۰۰

از اول در دوازدہ بصفہ ساۂ نشد — گردید بودشاہ جہان پناہ جہان ۱۰۰۰

چوں جہانگیر بادشاہ ودیعت حیات سپرد شاہجہان در دکن اقامت داشت بعد سہ ماہ و ہشت روز از وفات پدر از انجا مراجعت نمودہ بتاریخ ہشتم جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۷ھ در سن سی و ہفت سالگی در دار السلطنت آگرہ بر سریر فرمانروائی جلوس فرمودند۔

شعرائے نکتہ سنج و فضلائے والا طبع تاریخ جلوس او بسلک نظم کشیدند ازان جملہ از میر عبدالرشید این تاریخ است

برشدہ بر تخت باقبال بخت — شاہ جہاں ثانی صاحبقراں
آں غنچہ دیں بود کہ از فیض او — گشت جہاں غنچۂ باغ جناں
باغ جہاں خورم و سرسبز شد — از کرم بادشہ کامراں
خضر بقا یوسف مصری وجود — عالم پیر از نظر او جوان
آمدہ تاریخ جلوسش زغیب — شاہ جہاں باشد شاہ جہاں
۱۰۳۷

تاریخ از میر محمد صالح — تا بود از آدم و عالم نشاں — شاہ جہاں باشد شاہ جہاں
۱۰۳۷

تاریخ از میر شوقی — بادشاہ زمانہ شاہ جہاں — خورم و شاد و کامران باشد
حکم او بر خلائق عالم — ہمچو حکم قضا روان باشد
بہر سال جلوس او گفتم — تا جہاں باد در جہاں باشد
۱۰۳۷

ملا کلیم کاشی — بادشاہ بحر و بر شاہ جہاں — کز صفا چون مہر تابان آمدہ
از ملک شاہ زیادہ شود — سال تاریخ جلوسش چرخ گفت — وارث ملک سلیمان آمدہ

سعدی گیلانی این مصرعہ گفت جلوس شاہ جہاں داد زیب ملت و دین داز زینت شرع
۱۰۳۷

سید احمد بخش داد داد۔ در ضمنہ بیست و پنجم بہمن سہم تاریخ ہمی آید ۱۲

تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے اپنے سگے بھائی شہریار دو چچیرے بھائیوں اور دو بھتیجوں کو قتل کروا دیا تاکہ اُس کے سوا تخت و تاج کا کوئی دعوی دار باقی نہ رہ جائے۔ اگرچہ شاہجہاں کی سلطنت کا آغاز ایک گونہ بے رحمی کے ساتھ ہوا تاہم اُس نے ملک کا انتظام بڑی خوبی سے کیا اور وہ جہانگیر سے بدرجہا بہتر نکلا۔ وہ نہ جہانگیر جیسا کاہل اور عیش پسند تھا اور نہ اتنا شرابی تھی۔ اکبر کی طرح یہ بھی ہندو مسلمان دونوں کو برابر سمجھتا تھا۔ تمام رعایا برایا اس کے حسن سلوک سے بہت خوش تھی۔ راجپوت تو اس کو اچھا خاصا راجپوت ہی سمجھتے تھے اور خوشی سے اس کے ساتھ ہوکر اُس کے دشمنوں سے لڑے۔

دکن کے معاملات

یہ اطمینان کی حالت تھوڑے ہی دنوں رہی کہ دکن کے صوبہ دار سپہ سالار خان جہاں لودھی نے بغاوت[1] کی۔ مغلیہ لشکر جو اس کی سرکوبی کو گیا تھا خان جہاں نے بعض مرہٹہ سرداروں کی مدد سے اسے شکست دی اور دکن کی حالت پہلے سے بھی زیادہ مخدوش ہوگئی۔ اگر خان جہاں اپنے ساتھ کے سلاطین کو ملانے میں کامیاب ہو جاتا تو شاہ جہاں کی سلطنت کی حالت بہت خطرناک ہو جاتی۔ جب دکن کے مطلع پر ایسی گھنگھور گھٹا چھا گئی تو بادشاہ نے اپنے بڑے زبردست سپہ سالار مہابت خاں کو اس کے مقابلے پر روانہ کیا اور چند روز بعد خود بھی بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جا پہنچا اور خان جہاں کے چھکے چھڑا دیئے۔ خان جہاں اب جا بجا چھپتا پھرتا تھا۔ اُس نے آخرکار بیجا پور میں جاکر سر چھپایا لیکن عادل شاہ بادشاہ بیجا پور نے رخ نہ دیا اور مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ جب ادھر سے مایوسی ہوئی تو خان جہاں نے بندیل کھنڈ کا رخ کیا لیکن وہاں کے سرداروں نے بھی کانوں پر ہاتھ دھرے۔ جب کسی طرف سے سہارا نہ ملا اور سب خان جہاں کو ادھر میں چھوڑ چھاڑ الگ ہو گئے تب بھی وہ اکیلا بڑے دم خم سے لڑتا رہا اور آخرکار دس برس کی متواتر لڑائی کے بعد کالنجر میں موت نے اُس کی مردانگی اور ہمت کا خاتمہ کر دیا۔ احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ کو ایک نئی مصیبت کا سامنا ہوا۔ ملک عنبر جو اس سلطنت کا دار و مدار تھا اُس کے مرنے سے بڑی گڑبڑ مچ گئی یہ تو معلوم ہی کہ نظام شاہ نے خان جہاں

[1] دولت آباد کے قریب خلد آباد میں ایک بڑا چبوترا ہے جس پر مولانا فریدالدین ادیب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کو کمک دی تھی اس بات پر مغلوں کا جنرل اعظم خان بگڑا بیٹھا ہی تھا اب اس لئے
خبرلی حالاں کہ بانی مبانی فساد کا مرچکا تھا۔ بیجاپور کا بادشاہ محمد عادل شاہ اب تک ان معاملات سے
الگ تھلگ تھا اب اس نے بھی دیکھا کہ خیر نہیں اگلا گر بچھلا ہوشیار مغلوں کی بلا اس کے سر پر بھی آنے والی تھی اس
لیئے بمصداق ع۔ دو دل یک شود بشکند کوہ را۔ وہ آگے چلکر احمد نگر والوں سے مل
گیا کہ ہم دونوں مل کر مغلوں کی ٹکر سنبھال لیں گے مگر احمد نگر میں خود سازشوں کا بازار
گرم تھا۔ ملک عنبر کے بیٹے **فتح خاں** نے جو مدتوں سے قید تھا۔ **نظام شاہ** کو

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) فرید الدین یگانہ۔ فخر الدین شمس الملک اور مبارک۔ غوری چاروں بزرگوں کے مزار ایک بڑے پختہ
چبوترے پر بنے ہوئے ہیں جس کے نیچے تہ خانے ہیں سلاطین نظام شاہیہ میں سے کسی کی قبر کی
چبوترے کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر پہلے کسی زمانے میں گنبد ہوگا اسی چبوترے کے مغرب میں ملک عنبر کا گنبد ہے جس کا زمانہ
(۱۵۴۶-۱۶۲۶) کا ہے اور جو مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کا وزیر تھا۔ چند حبشی غلاموں کے ساتھ مرتضیٰ نظام شاہ کی سپاہ میں حبشیوں کی طرح ملازمت
میں داخل ہو کر خداداد عقل و شجاعت کی بدولت مرتضیٰ نظام شاہ کی مملکت کو سپاہ مغلیہ کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا
اور رفتہ رفتہ حسن تدبیر اور زور تقدیر سے سلطنت نظام شاہیہ کا وزیر ہوگیا۔ ملک عنبر فنون سپہ گری
و قواعد سرداری میں یگانۂ روزگار تھا۔ ملک کی آبادی میں ساعی اور رعایا کی بہبودی میں سرگرم تھا
اعلیٰ درجے کا عادل و منصف متقی اور پرہیزگار تھا۔ **اورنگ آباد** کو جس کا قدیم نام **کھڑکی**
تھا اسی نے ۱۰۲۳ھ میں آباد کیا۔ ملک عنبر نے ۲۹ شعبان ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ء) میں اسی سال کی عمر میں۔ وفات
پائی روضے (خلد آباد) میں حضرت منتجب الدین اور حضرت سید یوسف معروف بہ راجو قتال حسینی
کی درگاہوں کے درمیان جگہ پائی۔ عرس وغیرہ کے لیئے پہلے **عنبر اپور** (جو اب بگڑ بگڑا کر امبڑ کہلاتا
ہے اور ضلع اورنگ آباد کی ایک تحصیل ہے) نیم زمین انعام تھی اب وہ بھی نہ رہی۔ ملک مذکور کی بنائی ہوئی کئی
عمارتیں اب بھی موجود ہیں اورنگ آباد میں دو مسجدیں ایک چوک کی پشت پر اور دوسری نواب
پورہ میں یہ دونوں "کالی مسجدیں" مشہور ہیں۔ تیسری یادگار۔ جامع مسجد کے جس کے تین درجے ملک عنبر
کے بنوائے ہوئے ہیں اور دو اورنگ زیب کے چوتھی یادگار۔ وہ نہر ہے جو اورنگ آباد کے گوشہ شمال
و مشرق سے پہاڑوں میں سے کاٹ کر لائی گئی ہے اور فصیل شہر سے دو مقامات پر تقسیم ہوگئی ہے۔
پانچویں یادگار۔ اورنگ آباد کا **کھڑکی** (دیجر گڑھ) دروازہ ہے۔ اورنگ آباد کی عمارتوں میں **رابعہ دورانی**
کے **مقبرے** کے بعد اس عالی شان دروازے کا نمبر ہے۔ **کالا چبوترہ** جس پر اب خونیوں کی
گردن ماری جاتی ہے ہاتھیوں کا تماشہ دیکھنے کے واسطے ملک عنبر ہی کا بنوایا ہوا ہے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قتل کرکے ایک کم سن بچے کو برائے نام تخت پر بٹھایا۔ شاہ جہاں کی اطاعت قبول
کرلی۔ عادل شاہ نے نا واجب بیباکی سے مغلیہ لشکر کا مقابلہ کیا تھا ضرور ہوا
کہ اس حرکت کا اسے مزا چکھایا جائے لہذا بیجاپور کا محاصرہ کرلیا گیا لیکن بیجاپور کے
لشکر کے پیادوں کے مدافعتی حملوں اور زبردست مقاومت کی وجہ سے مغلوں کو
سردست کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور ناچار محاصرہ اٹھانا پڑا مہابت خاں کو دکن
کا صوبہ دار کرکے وہیں چھوڑ دیا۔ فتح خاں نے گو دہلی اور بیجاپور کا ساتھ چھوڑ
الگ ہوگیا تب مہابت خاں نے دولت آباد کا محاصرہ کیا اور ۱۶۳۳ء میں فتح کرلیا
فتح خاں نے بھی اطاعت قبول کرلی اور احمد نگر کے صغیر سن بادشاہ کو ۱۶۳۳ء میں قید

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۴) ملک عنبر کا گنبد۔ اطراف کے گنبدوں میں بڑا شاندار اور نمایاں ہے۔ یہ گنبد ملک عنبر نے
اپنی زندگی ہی میں بنوالیا تھا۔ احاطہ کے اندر کچھ تو درخت کھرنی کے ہیں اور گنبد کے معروف بہت
سی قبریں ہیں جو ملتی جلتی جاتی ہیں۔ چار دیواری کی مشرقی دیوار کے باہر ایک بلند چبوترے پر مسجد
بنی ہوئی ہے۔ مسجد بہت بے مرمت ہوگئی تھی حال میں سرکار عالی نظام کی جانب سے اس کی خاطر خواہ
مرمت کرادی گئی ہے۔ ملک عنبر کا گنبد مدتوں اسبابِ خانہ دستور بنا رہا لیکن اب اس سے سامان اٹھا دیا گیا
(ماخوذ از واقعات مملکت بیجاپور جلد ۳ صفحہ [illegible])۔

۵۱ دولت آباد کے قلعہ کا مختصر سا نوٹ اوپر آچکا ہے قلعہ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد تھی جو اب
ویران ہے اس مسجد میں علاء الدین (جو غالباً سلطان احمد شاہ بہمنی کا بھائی تھا جس کا زمانہ سلطنت
۱۴۳۵-۵۷ء تھا) کا بنا ہوا ایک بلند مینار سو فیٹ اونچا ہے جس کا دو سینچے سے بنے ہیں۔ یہ
مینار قلعہ دولت آباد کی فتح کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ اس کے نیچے چو میں کمرے ہیں مینار
کے اوپر کلس چڑھا ہوا ہے۔ مینار کے بیچوں بیچ ایک برآمدہ ہے جہاں ہر جگہ
کے اطراف ایک عمدہ کٹہرا ہے۔ یہ مینار بیدر کے خواجہ جہاں وزیر کے مدرسہ کے مینار کی طرح
مینا کاری لاجوردی سنہری کہکشاں کی طرح کے رنگوں کا ایرانی کام کا تھا۔ وہ رنگ [illegible] اور چمک
دمک سب جاتی رہی اب اس کا صرف کچھ نشان باقی رہ گیا ہے۔ مینار کے شمال [illegible]

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اب ہم کو الیار کے قلعے میں جو سیٹھ پرنیان تھا بھیج دیا۔ احمد نگر کی چول تو ہل بیٹھ گئی رہا سہا پورا ابھی قابو میں نہیں آیا۔ اگرچہ مہابت خاں نے اپنی پوری قوت صرف کردی مگر کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئی۔ اس ابتری میں ایک شخص **شاہ جی بھونسلے** نامی مرہٹے سردار نے فائدہ اٹھایا جس کے خاندان نے آگے چل کر ہندوستان

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

اور جنوب کی طرف ایک مسجد ہے جس کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ کتبیوں کے کسی بڑے مندر کو جو کالی کے مندر کے نام سے مشہور تھا توڑ کر بنائی ہے چنانچہ مینار کی بائیں جانب اب بھی اس مندر کا کچھ حصہ باقی ہے۔ مسجد مرف مندر کے درمیانی حصے میں ہے اس مندر پر ایک بہت پرانا کتبہ ہے لیکن وہ اس مندر کی شمالی دیوار میں نصب تھا جو اکھاڑ کر رایل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی میں بھیج دیا گیا ہے۔ اب تو مسجد کے دروازے پر یہ شعر کندہ ہے :-

ایا سلطان علاء الدین قطب شاہ مبارک باد ایں فرخندہ بنیاد

مسجد کے جنوب رخ مینار کی جڑ میں ایک بڑے پتھر پر یہ اشعار کندہ ہیں :-

بود ست یکے بزرگ شاہے بر مسند سلطنت چو ماہے
بس محتشم و غیور و دانا کس را چہ مجال لا و الا
در معرض او کہ در کس گوید جمشید سخن بتر کس گوید
محمد شہ ہمینست نامش چہ جام جم و چہ جاہ جامش
دارد پسرے کہ بر فلک نیست در خطۂ بید رست فلک نیست
سلطان علاء الدین بست نامش شیریں تر از انگبیں کلامش
بودست یکے کمر ملازم در حضرت شہ ستادہ دائم
لفظ چو شکر دو چشم پر نور بستہ کمرے چو لے ستادہ از دور
سلطان کہ بر و نگاہ کردے صد نوع دعائے شاہ کردے
روزے نگرش بسوئے خود خواند لطفش بنمود و نیز بنشاند
گفتا کہ عیان و دل خود ماز تو شادیم ایں دولت آباد ترا بہ تحفہ دادیم
یارب کہ بدیں دولت آباد بمانی تا روز قیامت بدل شاد بمانی

سلہ نقل راپچ عقل۔ نامو زونیت اشعار کی ذمہ داری ہم پر نہیں ... [illegible]

کی تاریخ میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اور جو ملک عنبر کے علاقے کا ایک بڑا نامور سردار تھا اُس نے احمد نگر کے تخت پر اپنی طرف سے ایک اور شہزادے کو بٹھا مغرب کی طرف کا جو ملک نکل گیا تھا وہ سارے کا سارا پھر لے لیا اور دکن کی بدنظمی کی پھر وہی حالت ہو گئی جو کہ پہلے تھی۔ مجبوراً شاہ جہاں کو دوبارہ ۱۶۳۵ء میں دکن جانا پڑا آسے دن کی یورشوں سے تنگ آکر محمد عادل شاہ نے ۱۶۳۶ء میں صلح کر لی اور بعوض ایک خطیر سالانہ خراج کے احمد نگر کی مملکت کا ایک بڑا حصہ مغلول کی طرف سے اس کو دیا گیا اس طرح ۱۶۳۷ء میں احمد نگر کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا شاہ جی نے بھی مطیع ہو کر شاہی فوج کی ملازمت اختیار کر لی۔ گولکنڈے کے بادشاہ نے بھی اطاعت قبول کر کے ادائی خراج کا معاہدہ کر لیا اس طرح دکن کا فرار واقعی انتظام کر کے شاہجہاں ۱۶۳۷ء میں واپس آگیا۔

قندھار پر قبضہ ۱۶۳۷ء

شاہ جہاں ابھی دکن ہی میں تھا کہ جس سال (۱۶۳۷ء) احمد نگر فتح ہوا علی مرداں خاں نے جو شاہ فارس کا

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۹

بندۂ لبس بزرگ روحانی — یعنی پرویز عبد سلطانی
فرماں شدہ حکم او مرتب — دور روز رواں شود شبا شب
چوں سکہ لعل او ر نمودند — ماہی و مراتبش فزودند
موے سراوش شانہ کردند — درحال وروا روانہ کردند
آمد بدیار دولت آباد — مجموع براوراں شدند شاد
بنیاد عمارتے بکردند — بستند میاں کساں کہ مردند
بنیاد بنائے او سہ سال است — زیں حرف چو بگذری وبال است
تاریخ منار دولت آباد — در شعید و جمل منہ شد آباد ۱۱۴۴ ۱۲۴۴
ایں عمارت چو دستۂ گل شد — زامر پرویز بن قرلقل شد

۱؎ تاریخ پل علی مرداں خاں۔ ایں پل قریب دریائے سرخاب است مابین قندھار و پشاور و آں را نواب علی مرداں خاں وزیر شاہجہاں در ۱۰۵۴ھ تعمیر ساختہ و بر لوح ایں ابیات مرقوم است۔

وزمانِ ثانی صاحبقراں شاہ جہاں — بادشاہے داد گستر ظل وہاب حمید
خان عالیشان علیمرداں شد از بہر خدا — بانی ایں پل بفال فرخ و بخت سعید
سال تاریخش چو جستم از خرد داد ایں جواب — بانی ایں پل علیمرداں شد از لطف حبیب
۱۰۵۴

ایک عہدہ دار تھا ایک لاکھ روپیے بطور خود قندھار حوالہ کر دیا اور خود بھی شاہجہاں کی اطاعت قبول کر کے شاہی ملازمت میں شامل ہو گیا۔ علی مرداں خاں کو پیشگاہ سلطانی سے بڑا مرتبہ سرفراز ہوا۔ اس نے ہی آبپاشی کے لیئے شروع شروع بعض نہریں کھدوائیں جن میں سے مغربی نہر جمنا اب تک بھی اُس کے فن انجنیری کی ایک عمدہ یادگار باقی ہے۔

بلخ[۵۱] اور بدخشاں کی مہم سنہ ۱۶۴۳ء

علی مردان خاں نے سنہ ۱۶۴۳ء میں بلخ پر لشکرکشی کی۔ اس کے پیچھے ہی شہزادے مراد کو بطور شریک کے امداد بھیجا گیا۔ جو بدخشاں کے اُس پہاڑی خطہ پر جو بلخ کے مشرق میں ہے قابض ہو گیا لیکن خدا جانے کیا بات ہوئی کہ

---

[۵۱] قلعۂ جلال آباد۔ شہر جلال آباد برکنار دریاے اٹک است بڑے آبادی آں جلال الدین محمد اکبر شاہ در سنہ ۹۸۷ھ وقت مراجعت از کابل بہ شمس الدین خافی حکم دادہ بود او در عرصہ دو سال آباد ساخته بفاصلہ سہ کروہ از شہر جلال آباد جا باغ کہ آنرا باغ صفا و باغ وفا نیز گویند موجود است و ایں باغ را بابر بادشاہ در سنہ ۹۱۴ھ احداث ساخته بود و شاہجہاں بادشاہ در سنہ ۱۰۴۸ھ قلعۂ در جلال آباد تعمیر نمودہ بود حالا مسمار است اما سنگے کہ بروں تاریخ آں قلعہ مرقوم است در مسجد جلال آباد امروز موجودہ است۔ وہو ہذا:۔

بحکم شاہ جہاں اہتمام خاں بنہاد | بروے ساخت و ریں بناے خیر مآل
ز آسمان و زماں تا اثر بود پیدا | مباد خوبی ایں قلعہ در شکنج زوال
حساب سال بنایش ز عقل می جستم | ندا رسید بگوشم دو بناے فرخ فال

تاریخ فتح بلخ و بدخشاں۔ چوں در سنہ ۱۰۵۶ھ شاہجہاں با جمعیت سہ لکھ سوار متوجہ قندھار شد و بلخ را فتح ساخت و محمد خاں والی توران مغلوب شدہ بگریخت نصری شیرازی ایں ابیات در تاریخ گفتہ:۔

شکر للہ کز عنایات خداوند جہاں | کرد فتح ملک توراں سرور مالک رقاب
بادشاہے غازی عادل شہنشاہ جہاں | آنکہ کرد او را جہاں از جملہ شاہاں انتخاب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

مہم کو چھوڑ چھاڑ وہ بلا اجازت واپس چلا آیا۔ تب اُس کے معاوضے میں اورنگ زیب بھیجا گیا۔ اگرچہ لڑائی کا طور امید افزا تھا لیکن اورنگ زیب کی دانشمندانہ رائے یہ قرار پائی کہ گو اس وقت عارضی فتح ہو بھی جائے مگر بلخ پر مستقلانہ قبضہ رکھنا ناممکن اور غیر ضروری دونوں ہے۔ اورنگ زیب کی صلاح کے موافق شاہجہاں نے فوج کی واپسی کا حکم دے دیا۔ لیکن واپسی کے وقت بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔ ایک بڑی تعداد لشکر کی برف میں ہلاک ہوگئی اور اس بڑے بھاری لشکر میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ بچے اور وہ بھی ۱۶۴۷ء میں جب کابل پہنچے تو ادھ موئے تھے۔ دوسرے ہی سال ۱۶۴۸ء میں پھر ایرانیوں نے قندھار[۱] پر

(بقیہ نوٹ برصفحہ ۴۵۱)

گشت در تسخیر عالم ثانی صاحبقران — ایزد او را کرد در کشورستانی کامیاب
در روش عزم جہانگیری شبے گر گزرد — گیرد اقبالش جہاں را صبح پیش از آفتاب
سال ایں تاریخ جست از عقل دانشور ضمیر — گفت با طبعش ز راہ تعمیہ کای نکتہ یاب
والی توراں بر آر از ملک توراں بعد از آں — ثانی صاحبقراں ملک بجایش کن حساب

وچوں نذر محمد خاں زر و قبیلہ و املاک را ہمانجا گزاشتہ راہ خود پیش گرفتہ بود چنانچہ تاریخ آں مرزا عبدالرزاق مصنف کتاب مجموع الصنائع خوب گفتہ۔

شدہ ز بلخ و بدخشاں نذر محمد خاں — زر و قبیلہ و املاک را گزاشت و زآں

یعنی چوں از اعداد بلخ و بدخشاں اعداد نذر محمد خاں بدل ۹۵۸ بود اعداد زر و قبیلہ و املاک ازو دہ شود تاریخ بر آید۔ نذر محمد خاں پس از چند اوقات در ہند آمدہ بعد از استقامت چند سالے در ہندوستان روانہ مکہ شدہ در اثنائے راہ در نواحی سمنان سلخ جمادی الثانیہ ۱۰۶۱ھ فوت کردہ۔

---

[۱] در ۱۰۵۹ھ شاہ عباس ثانی صفوی بادشاہ ایران قلعۂ قندہار را فتح ساختہ از دست مردمان شاہجہاں بادشاہ برآورد ارباب طبع سلیم را در فتح ایں قلعہ شیعۃ البنیان تواریخہا بخاطر رسیدہ در رشتۂ نظم و بیان کشیدہ از انجملہ ایں مصرعہ از خان ذی شان مرتضیٰ قلی خان (بقیہ برصفحۂ آیندہ)

ضہ کر لیا اور اس طرح یہ ملک ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے مغلوں کے قبضے سے نکل گیا۔ اس
عہ پھر بھی اورنگ زیب کو محاصرے کے لیئے بھیجا گیا تھا لیکن کوئی مفید نتیجہ مترتب
ہوا۔ تب اورنگ زیب کو دکن کا صوبہ دار مقرر کر کے بھیجا گیا۔ دارا شکوہ کا بادشاہ
کے حضور میں بڑا رسوخ اور عروج تھا۔ اورنگ زیب کے اس سے الگ ہونے سے پہلے
سے تھی وہ چاہتا تھا کہ قندھار کی مہم پر میں جاؤں اور فتح کی شہرت اور ناموری حاصل
کروں کیوں کہ اس کا لشکر بہت آراستہ و پیراستہ تھا۔ دارا نے اپنی ساری ثروت صرف کر دی انعامات تو بہت تقسیم کیے
لیکن ایسی بے کلی ہو گئی تھی کہ کسی کے سمجھانے سے نہ سدھری غرض کہ صد ہا کسی طرح رو برو نہ ہوا اور دارا
کو بڑا نقصان اٹھانے کے بعد ۱۶۵۳ء میں بحالت مجبوری محاصرہ اٹھانا پڑا۔
اس کے بعد دو سال تک بادشاہ ٹوڈرمل کی تجویز بندوبست مالگزاری اراضی کی ترمیم میں
مصروف رہا۔ وزیر با تدبیر سعد اللہ خاں علامی نے ۱۶۵۵ء میں انتقال کیا
اس کی نسبت الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ جتنے وزرا ہندوستان میں گزرے
ان سب سے زیادہ لائق اور سب میں راست باز تھا۔ اگر اس دانش مند وزیر کی حیات
مستعار اور چند دن وفا کرتی تو جو الجھنیں دکن میں آگے چل کر پڑیں اور جو باعث تھیں زوال
سلطنت مغلیہ کی وہ شاید ظہور پذیر نہ ہوتیں۔

گجرات کا ہولناک قحط ۱۶۳۰-۳۲ء

دکن کی لڑائیوں کے شروع شروع کے
زمانے میں صوبہ گجرات اور خاندیس میں
۱۶۳۰-۳۲ء میں ایک ایسا ہولناک قحط
پڑا کہ الہی توبہ۔ اس قحط کا ذکر بادشاہ نامے اور پیٹر منڈی کے سفرنامے
میں ہے۔ پیٹر منڈی اسی زمانہ قحط میں سورت سے آگرے ہوتا ہوا پٹنہ گیا تھا اور اسی رستے
سے واپس آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ لوگ اس ڈر سے سفر نہیں کرتے تھے کہ انہیں رستے میں آدم خور

یہ نوٹ بر صفحہ ۴۵۴ تورجی باشی است ... ع۔ اولین فتح صاحب قرانی۔ و دیگر شاعران نیز چنیں
نظم ع علی ہمی کشاید در قندھار ع دست ولایت آمد و نمود ع ۱۰۵۹ آمد کلید مملکت ہند قندھار۔ بعد
در ۱۰۶۲ھ شہزادہ اورنگ زیب در ۱۰۶۳ھ شاہزادہ دارا شکوہ پسران شاہ جہاں بادشاہ برائے
فتح ایں قلعہ بر قندھار رفتند و بے نیل مرام مراجعت نمودند۔ ۱۲

پکڑ کر کھا نہ جائیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کو کاٹ کاٹ کر کھانے لگے تھے تمام زمین پر مردوں ہی مردوں کا ستھراؤ تھا۔ مسٹر منڈی کو ایک چھوٹا سا ڈیرہ لگانے کی بھی جگہ نہ ملتی تھی قصبوں میں جہاں دیکھو ہر عمر کے مرد عورتوں کے مُردوں کی ٹانگیں گھسیٹ کر ننگے مادر زاد باہر پھینک دیتے تھے اور وہیں وہ پڑے پڑے سڑ لیتے تھے۔ رستے نعشوں سے ایسے اٹ گئے تھے کہ رستہ چلنا مشکل تھا۔ سورت سے لے کر برہان پور تک یہی حال تھا۔ وبا کا وہ حال تھا اور تپ اور پیچش کا وہ بازار گرم تھا کہ ایک سورت ہی سورت کی یہ صورت حال تھی کہ اکیس انگریز تاجروں میں سے سترہ مر گئے۔ یہاں خلق اللہ پر یہ مصیبت گزر رہی تھی اور وہاں برہان پور کے شاہی کیمپ میں ہر چیز اُٹھی چلی آتی تھی۔ ع کجا دانند حال ما سبک ساران ساحلہا۔ منڈی تو لکھتا ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی بندوبست نہ تھا مگر بادشاہ نامے میں لکھا ہے کہ بہت سے محتاج خانے کھولے گئے تھے اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ بیس ہفتوں میں خیرات کیا گیا اور گیارھواں حصہ مالگزاری کا بھی معاف کر دیا گیا۔

ہندوؤں کے مندروں کا مسمار کرنا ۱۶۳۲ء

شاہ جہاں ایک متعصب[۱] مسلمان تھا۔ اکبر اور جہانگیر کی پالیسی کے خلاف اُس نے ۱۶۳۲ء میں ساری مملکت میں نو تعمیر شدہ مندروں کے انہدام کا حکم دیا۔ صرف ایک بنارس کے ضلع میں (۷۶) مندر ڈھائے گئے۔ دوسرے مقامات کا حال معلوم نہیں۔

فورٹ سینٹ جارج کی تعمیر

شاہ جہاں کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مشرقی ساحل پر مدراس میں زمین خرید کر کے

---

[۱] جہاں کسی بادشاہ نے اپنے مذہب کی ذرا بھی ترجیح کی کہ تعصب کا الزام دھر گیا۔ یہ تو بتلائیے کہ مذہب کا حامی کون بادشاہ نہیں؟ ڈیفنڈر آف دی فیتھ کے کیا معنے ہیں؟ ونسنٹ سمتھ صاحب صاحب قلم ہیں جو چاہیں لکھیں اُن کی گرفت کر کون سکتا ہے۔ مسٹر بارسٹن لکھتے ہیں کہ "اکبر کی طرح یہ بھی ہندو مسلمان دونوں کو برابر سمجھتا تھا.... راجپوت اس کو اچھا خاصا راجپوت سمجھتے تھے"۔ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ متضاد اقوال کیسے ہیں۔ ان میں سے کس کی بات قابل وثوق ہے۔ ایک آسمان پر چڑھا دیتا ہے تو دوسرا زمین میں گاڑ دیتا ہے۔ جتنے مُنہ اُتنی باتیں رہی اصل حقیقت وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ۱۲

فورٹ سینٹ جارج تعمیر کیا۔ ملک بنگال میں بھی ایک کمپنی نے ایک چھوٹی سی کوٹھی بنالی جو دریائے گنگا کے دہانے پر کلکتہ سے تیس میل شمال کی طرف ہگلی میں واقع تھی۔ اکبر اور جہانگیر دونوں عیسائیوں اور ان کے مذہب سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اور جہانگیر نے اس میں یہ بھی مفاد مدنظر رکھا تھا کہ یورپین تجارت سے ملک کو فائدہ پہنچا۔ پرتگیزوں نے ہگلی میں ایک قلعہ بنالیا تھا لیکن ان لوگوں نے عنایات سلطانی کی قدر نہ کی جبری قزاقی اور لونڈی غلاموں کی تجارت شروع کر دی اور ان کی شوخ چشمی یہاں تک بڑھی کہ ممتاز محل کی جناب میں گستاخی کی۔ ملکہ کو جب کچھ عروج اور دبدبہ تھا تو تاریخ بیان نہیں کرتی اس نے ان کو قرار واقعی سزا دلوائی۔ ملکہ کی وفات کے دو برس بعد ۱۶۳۲ء میں شاہجہاں کے ایک عہدہ دار نے پرتگیزوں کے قلعہ پر گولہ باری کی۔ دس ہزار آدمی مارے گئے یا تو بارود سے اڑائے گئے یا غرق کیے گئے یا آگ میں جلا دیے گئے۔ ان میں سے چار ہزار یا پانچ ہزار قیدی آگرے بھی لائے گئے تھے۔ اور ان کو ہر طرح کا عذاب دیا گیا۔ برنیر لکھتا ہے کہ ان کے مصائب کی نظیر[1] زمانہ حال میں ڈھونڈے سے نہیں آتی لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ مستحق بھی اسی کے تھے۔ شاہجہاں نے آگرے کے گرجا کی مٹی گروا دی لیکن اصلی عمارت برقرار رکھی جو اب تک موجود ہے۔

میر جملہ

گولکنڈہ اور بیجاپور دونوں اپنا اپنا خراج پابندی سے ادا کرتے چلے آتے تھے۔ میر جملہ جواہرات کا ایک تاجر تھا وہ اپنی دانائی اور فراست کی وجہ سے عبداللہ قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کا وزیر ہو گیا۔ میر جملہ تو ایک مقامی جنگ میں گتھا ہوا تھا اس کا بیٹا میر امین ایک آوارہ منش نوجوان تھا۔

---

[1] اسیران جنگ کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے ہم نے کسی کو نہ دیکھا نہ سنا۔ بے رحمی اور سفاکی کی جو کہو تو اب ہم نے بچشم خود یورپ کی جنگ کو گو نہیں دیکھا مگر وہاں کے مظالم اور قتل اور غارت گری۔ آتش زنی۔ لوٹ مار۔ بم باری۔ زہریلی گیس کے ہیبکوں اور طرح بطرح کے نوایجاد مہلک آلوں تارپیڈو اور ہوائی جہازوں سے ملکوں کے اجاڑنے کے حالات جو سنے تو خدا دشمن کو بھی وہ روز بد نہ دکھلائے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج جو جو کلیں انسان کی جان لینے کی چل پڑی ہیں ان کا اس زمانے میں وجود بھی نہ تھا۔ ۱۲

بادشاہ کا اُس پر عتاب ہوا اور قید کیا گیا۔ اول تو میر جملہ نے اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے بہت کچھ عرض معروض کیا لیکن پذیرانہ ہوا تب میر جملہ بددل ہو گیا اور ادھر سے لوٹ ادھر اورنگ زیب سے جا ملا۔ اورنگ زیب کی سفارش پر شاہ جہاں نے عبداللہ شاہ کو فرمان بھیجا کہ میر امین قید سے چھوڑ دیا جائے لیکن یہاں اس کی بھی کچھ پروا نہ کی گئی۔ ۱۶۵۶ء میں شاہ جہاں نے اپنے تیسرے بیٹے اورنگ زیب کو ایک بڑا بھاری لشکر دے کر ملک دکن کی تسخیر کو روانہ کیا۔ اورنگ زیب نے آتے ہی اچانک گولکنڈے کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ شاہ نے جب دیکھا کہ معاملہ بے ڈھب ہے فوراً میر امین کو چھوڑ دیا اور اُس کی جائداد بھی واپس دے دی اور خود بھی بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی علاوہ اس کے اپنی بیٹی کی شادی اورنگ زیب کے بیٹے **سلطان محمد** سے کر دی۔ اس کے بعد **بیدر** کا قلعہ فتح ہوا۔ یہ واقعہ ۱۶۵۶ء کا ہے پھر میر جملہ شاہ جہاں کے دربار میں داخل ہو گیا۔ اسی زمانے میں محمد عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے انتقال کیا۔ اس بادشاہ کے **داراشکوہ** سے گہرے تعلقات تھے اس وجہ سے اورنگ زیب کھٹکا ہوا تھا۔ عادل شاہ کا مرنا کیا تھا گویا ایک دیرینہ آرزو پوری ہو گئی اور ایک کانٹا سا کھٹک رہا تھا جو نکل گیا۔ محمد عادل شاہ ثانی کی تخت نشینی میں تنازع برپا تھا دو شہزادیاں بھی جدا جدا دعویٰ دار تھیں اس لیے اورنگ زیب کو دست اندازی کا اچھا موقع ہاتھ لگا۔ عادل شاہ نے اپنی طرف سے صلح کی بہتیری کوشش کی لیکن اورنگ زیب کے دل میں تو یہ ٹھنی ہوئی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے بیجاپور لیا جائے اس سبب سے اُس نے ۱۶۵۷ء میں پھر شہر بیجاپور کا محاصرہ کر لیا اور کچھ شک نہیں کہ بیجاپور اس دفعہ ضرور فتح ہو جاتا لیکن اس نازک وقت میں آگرے میں ایک بڑا سانحہ پیش آیا اور اورنگ زیب کی ساری توجہ اُس طرف منعطف ہو گئی۔

شاہ جہاں کی شدید علالت

۱۶۵۷ء

شاہ جہاں کا مزاج شکوہ فالج سے دفعتاً حالتِ اعتدال سے منحرف ہو گیا بہت سارا خون نکالا گیا جب کہیں جان میں جان آئی اور دوبارہ زندگی ہوئی۔ باپ کا بیمار پڑنا تھا کہ چاروں بیٹے چاروں طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اورنگ زیب جھٹ پٹ بیجاپور سے ایک

...کر اپنے بیٹے محمد معظم کو وہاں چھوڑ چلتا ہوا۔ اس وقت دکن کے لوگ بڑی تباہی کی حالت میں تھے دکن کے بادشاہوں نے اپنے اپنے ملک اس غرض سے اجاڑ دیئے کہ غنیم کو آب ودانہ تک میسر نہ آسکے اور جو کچھ باقی بچ رہا تھا وہ مغلوں کی فوج نے لوٹ کھسوٹ کر صفائی کر دی۔ بارش نہ ہونے سے کئی سال تک خوفناک قحط رہا اس پر تازیانہ یہ ہوا کہ ہیضہ کی وبا پھیل گئی جو ہزاروں مصیبت کے ماروں کو سمیٹ کر لے گئی۔ باپ ابھی جھول ہی رہا تھا کہ شجاع نے بنگال میں مراد بخش نے گجرات میں شاہی خطاب لے اپنے نام کے سکے بھی مضروب کر دیئے جو اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں لیکن اورنگ زیب بڑا گہرا اور محتاط تھا اس نے ابھی کوئی خفیف الحرکتی نہیں کی۔ بادشاہ کی شدید علالت سے تمام ملک میں ایک عام کھلبلی مچ گئی اور تمام کاروبار بند ہو گئے۔ خدا خدا کر کے بادشاہ کو صحت ہوئی تب دارا شکوہ بادشاہ کو کشتی میں سوار کرا کے آگرے لے گیا۔

شاہ جہاں کے ارادے

شاہ جہاں گو سخت بیمار تھا مگر اس کی حالت نا امیدی کی نہ تھی جب چاروں بیٹوں نے حصول تخت کے لئے ایک دوسرے سے مجادلہ کی ارادت کی تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ بادشاہ بن جانے کی تمنا میں لشکر اپنے اپنے لے کر میدان میں مارنے پر تل گئے کہ تخت سے یا تختہ یعنی ادھر یا ادھر فیصلہ ہو جائے۔ خواہ تخت کے لئے دوادوش میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے ایک دن مرنا ضرور ہے پھر نام کر کے کیوں نہ مریں سلاطین مغلیہ کی تاریخ ماضیہ نے یہ سبق دے دیا تھا کہ بادشاہوں کے بیٹوں کی جانیں ہمیشہ معرض خطر میں رہتی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ تخت کا دعویٰ دار بن کر نہ بیٹھنا بچوں کا کھیل نہ تھا۔ بصورت ناکامیابی سر جائے گا یا ساری عمر قید میں بسر کرنا ہوگا۔ شاہ جہاں نے آخری زمانے میں سلطنت کا کاروبار اس کے آرام و آسائش میں خلل انداز ہوتا تھا اور سلطنت کی اہم و سترگ ذمہ داری ایک بار گراں ہو گئی تھی۔ وہ خود چاہتا تھا کہ اپنی سلطنت کو چاروں بیٹوں میں تقسیم کر دے۔ اس کو امید تھی کہ چاروں بیٹوں کو اگر علیحدہ علیحدہ صوبے دیئے جائیں گے تو

ان کی آپس میں کشمکش رفع ہو جائے گی۔ اس کو خبر نہ تھی کہ جیسا کہ اس کے خاندان میں اوپر سے ہوتا چلا آیا ہے اس کی زندگی کے آخری دن بھی اس کے بیٹوں کے آنے والے دن کے بلوؤں سے تلخ ہو جائیں گے۔

شاہجہاں کے بیٹے

شاہ جہاں سے سلطنت چھیننے پر اس کے چاروں بیٹے آمادہ تھے۔ داراشکوہ سب میں بڑا اس کے بعد شجاع۔ اورنگ زیب اور مراد۔ فرانسیسی حکیم اور سیاح برنیئر نے ان شہزادوں کے کیرکٹر کی ایک جیتی ہوئی تصویر حسب ذیل کھینچی ہے:۔

داراشکوہ

وہ داراشکوہ ایک بلند نظر۔ فیاض دل شہزادہ تھا۔ لیکن وہ بڑا من چلا اور مغرور تھا کہ وہ کبھی کسی کی صلاح پر کاربند ہوتا تھا اور نہ اپنی رائے کی مخالفت کی برداشت کر سکتا تھا۔ اس کی تیز مزاجی اور مذہبی خیالات کی آزادی نے اس کے بہت سے دشمن پیدا کر دیئے تھے۔ یہ شہزادہ بڑا بہادر صاف دل اور سخی تھا۔ شکل صورت کے اعتبار سے بھی بہت خوب تھا۔ یہ بھی اکبر کی طرح ہندوؤں پر مہربان تھا مگر مسلمان امراء اس سے ناخوش تھے۔ شاہ جہاں کی صحت خراب ہونے سے تمام کاروبار سلطنت کا حقیقۃً دارا کے ہاتھ میں تھا۔ شاہجہاں اسی کو ولی عہد کرنا چاہتا تھا اور اسی لیئے اسے اپنے پاس رکھا تھا اور دوسرے بیٹوں کو دور دور کے صوبوں پر بھیج دیا تھا لیکن مشیت ایزدی اس کے خلاف تھی۔

شجاع

بنگال کا صوبہ دار تھا اور (اپنے دادا جہانگیر کی طرح) بڑا شرابی اور عیش و عشرت کا بندہ تھا۔ اس میں جواں مردی۔ فہم و ذکا اور ملک داری کسی بات کی کمی نہ تھی۔ لیکن اس کی تباہ کن کمزوری اس کی دیوانہ وار عیاشی تھی۔ علاوہ اس کے چونکہ وہ شیعہ تھا اکثر سنی مسلمان اس سے متنفر تھے۔ اس نے بنگال میں بہت ہاتھ پاؤں مارے اور بنارس[1]۔ الہ آباد[2] اور جونپور پر قابض

---

[1] یہ شہر ہندوؤں کا بڑا مقدس مقام ہے جو دریائے گنگا کے بائیں شمالی کنارے پر واقع ہے۔ جو ہر میل کا ساتویں میل پر (۲۰۵) لمبا بنا ہوا ہے یہاں کمخواب ہم ج [illegible]

بھی پہنچ گیا لیکن اورنگ زیب کے قابل جنرل میر جملہ نے اسے شکست

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے سات در ۳۳۱ اور نو ۴۰۔ انچ چوڑے ہیں۔ پل پر تین رستے (۳۶۰ فٹ) لمبے ہیں۔ بیچ کا رستہ گاڑیوں کے لیے ہے اور دوسرے دو رستے دونوں طرف کناروں پر پیدلوں کے لیے۔ جہاں موجودہ شہر بنارس کا اب آباد ہے اسی مقام پر آریوں کے زمانے میں ایک بستی تھی چھٹی صدی میں گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی اشاعت کا مرکز اسے ہی قرار دیا تھا۔ وہ خود سارناتھ میں رہتا تھا جہاں اب بھی بڑی بڑی عمارتی یادگاریں بودھ مذہب کی پھیلی پڑی ہیں۔ یہ مقام کئی سو برس تک بودھ مذہب کا صدر مقام رہا لیکن تقریباً ۵۰۰ء میں یہاں کے لوگوں نے پھر اپنے قدیم مذہب پر عود کیا۔ مسلمانوں کے مختلف خاندانوں کے بادشاہوں کی حکومت یہاں چھ سو برس تک رہی اور ۱۷۷۵ء سے انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ قلعہ راج گھاٹ میں اب بھی کہیں کہیں بودھ مذہب کے لوگوں کی عمارتوں کی باقیات پائی جاتی ہیں۔ انہیں عمارتوں کے مال مسالے سے مسلمانوں نے ایک مسجد بنا کر کھڑی کر دی ہے۔ بہت سے پتھروں کے نقش و نگار سے ثابت ہوتا ہے کہ راج گھاٹ کا قلعہ جس میں سابقاً ہندو راجہ رہتے تھے پہلے بودھوں کا وہار یعنی عبادت خانہ تھا۔ شہر کے مختلف مقامات پر خاص کر شمالی حصے میں بودھ مذہب والوں کی عمارتوں کے آثار موجود ہیں اور غالب ہے کہ آئندہ کھدائی میں اور بھی بودھوں کے عبادت خانے (نکلیں)۔ برہمنوں کے عہد متوسط کی چند ہی عمارتیں اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں جن میں کی ایک بڑی عمارت شہر کے شمالی حصے میں برِدھ کل کا مندر ہے۔ یہ مندر روایات کے لحاظ سے بہت قدیم پایا جاتا ہے اور اس سے شفائے امراض و درازی عمر کی کرامات منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کی تعمیر کے صحیح زمانے کا تو کچھ پتہ چلتا نہیں مگر یوں دیکھنے میں بہت قدامت کا پایا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ اہل ہنود و بودھ مت کی بہ نسبت مسلمانوں کے عہد کی یادگاریں زیادہ موجود ہیں۔ اہل ہنود کے زمانے کی عمارتوں کی اور بلحاظ فن تعمیر کے موجودہ مندروں کی محض معمولی حیثیت کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے چن چن کر بڑے بڑے مندروں کو مسمار کروا دیا تھا اور مندروں کے بنانے میں عہد اسلامی ہندوؤں کو ہر قسم کے فتنوں کا سامنا تھا۔ جب مسلمانوں کی سلطنت میں ضعف آگیا تب کہیں جا کر موجودہ مندر پرانے مسالے بلکہ بودھ کے زمانے کے مٹیریل سے بنائے گئے۔ پنج گنگا گھاٹ کے پاس جو مادھو داس کی ڈیوڑھی ہے اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی دو بڑی مسجدیں ہیں ان میں سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنائی گئی جس کی بڑی بھاری

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

دی اور آخر کار وہ سراسیمہ ہو کے اراکان کو بھاگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ تیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) بندش کر کے لب دریا تک سیڑھیاں بنائی ہیں۔ اب یہ سیڑھیاں ہی سب کو نظر پڑتی ہیں جو کچھ خوشنما یا بہت بڑی بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کی مینار یں البتہ بنارس میں ایک نادر چیز ہیں اور نہایت عمدہ اور نزاکت سے بنائی گئی ہیں۔ ان کی بلندی باوجودیکہ ۱۴۷ فٹ ہے لیکن ایسی ستون ہیں کہ جڑ میں ان کا قطر صرف ۸ فٹ ہے اور دوسری مسجد گیان باپی کہلاتی ہے جو بشیشور کا مندر ڈھاکر اسی جگہ بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کے محاذ کے ستون کسی مندر کے لاکر لگائے ہیں۔ ہندو لوگ اب مسجد اور کوئیں کے درمیانی صحن کو اپنا کہتے ہیں اور مسجد میں جانے کا صرف ایک ہی رستہ چھوڑا گیا ہے جو دیوار کے کونے میں ہے۔ مسجد اور مندر دونوں کے قرب کی وجہ سے دونوں فرقوں میں ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے۔ مان مندر کی رسدگاہ۔ غیر مذہبی قدیم عمارتوں میں امبیر کے راجہ جے سنگھ کی ۱۶۹۳ء کی بنوائی ہوئی یہ رسدگاہ ہے۔ پنڈت باپو دیو ساستری۔ سی آئی ای۔ نے اس عمارت اور یہاں کے آلات کا جواب بالکل ٹھیک صحت میں ایک عمدہ بیان لکھا ہے۔ زمانہ مابعد کے ہندوؤں کے مندر۔ اس شہر میں بہت سے مندر اور کنوئیں دریا کے کنارے گھاٹ پر بنے ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک مندروں کے سب شمار۔ دیوتاؤں میں سے کسی نہ کسی ایک سے منسوب ہے اگرچہ سب پرانے ہیں لیکن بیشتر ان میں کے یا تو دوبارہ یا از سر نو مسلمانوں کے عہد کے بعد بنے ہیں۔ مندروں میں سب سے زیادہ مقدس اور متبرک بشیشور کا مندر ہے جو شیو کے نام پر معنون ہے بنارس کا بڑا دیوتا بشیشور ہی ہے بنارس کے تمام لوگ اور ہر سال ایک جم غفیر زائرین کا آکر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ مندر کچھ بہت بڑا نہیں ہے۔ صرف (۵۱ فٹ) اونچا ہے۔ اس کی عمارت میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ انگریز اسی کو گولڈن ٹمپل یعنی سنہری مندر کہتے ہیں کیوں کہ اس کے صحن میں کا بڑا قبہ اور چوٹی پر تانبے کا پتر سنہری ملمع کیا ہوا منڈھا ہوا ہے۔ کوئی پچاس برس ہوئے ہیں کہ پونا کے راجہ راؤ نے بھیروں ناتھ کا جدید مندر قدیم مندر کی عمارت کو منہدم کر کے ایک جدید طرز کا بنوایا۔ انا پورنا کے مندر میں چونکہ سدا برت بٹتا ہے کثرت سے لوگ جاتے ہیں۔ یہ عمارت بھی گزشتہ صدی کے آخر میں پونا کے راجہ صاحب ہی نے بنوائی ہے۔ اس کے گنبد اور ستونوں پر نقاشی کا عمدہ کام ہے۔ اس کے صحن کے کونوں میں گوری شنکر۔ ہنومان اور گنیش کے چھوٹے چھوٹے مندر ہیں۔ آدی بشیشور کا مندر بشیشور کے مندر سے تخمیناً سو گز کے فصل سے ہے اس کی عمارت ساٹھ فیٹ اونچی ہے اور ایک بڑا قبہ بھی ہے۔ درگا کا مندر۔ یہ مندر اس کا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

افغان بھرا ہی اور ایک عورت پہاڑوں میں بھٹکتے پھرتے دکھلائی دیتے تھے وہ یقیناً اسی

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) متعلقہ تالاب شہر کے جنوبی سرے پر ہے جس کو مرہٹی رانی بھواتی نے پچھلی صدی میں بنوایا تھا چوں کہ یہ حصہ شہر کی گنجان آبادی سے الگ ہے اور اس طرف زمین ارزاں ملتی ہے اس لیے یہاں ایک عمدہ تالاب بنا دیا گیا اور احاطہ بھی اس کا بہ نسبت دوسرے مندروں کے جہاں جانے کی قلت ہے بہت وسیع ہے۔ جانب مغرب صدر دروازہ ہے اور سڑک کے کنارے ہی ایک جدید نوبت خانہ ہے جس کے عمدہ تراش کے بارہ ستون ہیں اور چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے۔ نوبت خانے کے دونوں طرف گو سڑک پر سے ہٹے ہوئے اور دو چھوٹے مندر ہیں۔ ان دونوں مندروں کے درمیان دو پتھر کے ستون ہیں ایک مندر کے دروازے سے بائیں ہاتھ کی طرف دس فیٹ سے کچھ اوپر اونچا جس پر ایک بہت بڑا شیر چوتڑوں کے بل بیٹھا ہوا ہے۔ دوسرا ستون قربان گاہ ہے جو کوئی دو فیٹ اونچا دروازے کے عین محاذ میں ہے۔ یہی قربانی کیے ہوئے مویشیوں کے سر رکھے جاتے ہیں۔ صحن کے اندر مورت کے سامنے دو شیر اصلی سے بھی زیادہ بڑے بنے ہوئے ہیں اور گنبد کے نیچے جس میں بڑا عمدہ نقاشی کا کام ہے اصلی مورت ہے۔ گرد کے دالانوں میں بہت سی مورتیں ہیں۔ یہاں بندروں کی بڑی کثرت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی فوج تین ہزار کی ہے جو حقیقی تعداد سے کچھ زیادہ معلوم دیتی ہے **مقدس گھاٹ۔ تالاب اور کنوئیں۔** مندروں کے ماسوا بنارس میں بہت سے گھاٹوں۔ کنوؤں۔ اور تالابوں کا بھی بڑے مقدس مقامات میں شمار کیا جاتا ہے جہاں لوگ کثرت سے جا کر اشنان کرتے ہیں۔ بڑے بڑے پرانے قصے اور روایتیں صدیوں پہلے کی ان مقامات سے منسوب کی جاتی ہیں لیکن گھاٹوں کو دیکھو تو ان میں سے کوئی بھی اتنا پرانا نہیں معلوم دیتا۔ دریا ہمیشہ ان کو کاٹتا رہتا ہے اور کوئی گھاٹ بھی چند پشتوں سے زیادہ نہیں ٹھیر سکتا یوں تو بہت سے گھاٹ ہیں مگر بڑے اور مشہور صرف پانچ ہیں (۱) **آسی سنگم**۔ جو آسی اور گنگا کے جنکشن پر شہر کے جنوبی سرے پر بنا ہوا ہے۔ (۲) دساشوامید۔ چوں کہ برہمانے شیو کے ارشاد کے موافق یہاں دس گھوڑوں کی قربانی کی تھی لہذا یہ نام پڑا۔ (۳) **منی کرنیکا گھاٹ** جہاں مردے جلائے جاتے ہیں (۴) **پنج گنگا گھاٹ**۔ کہتے ہیں یہاں پانچ دریا ملے ہیں یعنی جمنا۔ کیرنا ندی۔ سرسوتی۔ گنگا۔ لیکن اب تو صرف گنگا ہی گنگا دکھلائی دیتی ہے (۵) **برنا سنگم** جہاں برنا اور گنگا ملی ہے۔ ان کے سوا اور قابل ذکر گھاٹ یہ ہیں **کدار گھاٹ** ناگپور کے راجہ کا **گھاٹ۔ اور مہاراجہ سیندھیا کا گھاٹ**۔ آخر الذکر بندش مضبوط نہ ہونے سے

سے گردابی میں یا کسی اور مخفی طریقے سے ہلاک ہوئے اور یہ خبر لگی کہ زمین میں علی الصباح

کٹتا چلا جاتا ہے۔ متبرک کنوؤں میں یہ ہیں گیان باپی یا گیان کپ۔ مانک مسجد اورنگ زیب اور بشیشور کے مندر کے جس میں شیو کا استھان سمجھا جاتا ہے امرت کنڈ یا کپ مہر کا پانی امراض کے لیے شفا ہے اور کوڑھ کو بھی مفید ہے۔ ناگ کنڈ۔ یہ سب سے ایک بہت قدیم ہے اور شہر کے شمال مغرب میں جہاں یہ کنڈ ہے وہ محلہ بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ یہاں ہر سال جاترا ہوتی ہے اور سانپ کے کاٹے سے محفوظ رہنے کے لیے اس میں لوگ اشنان کرتے ہیں۔ تالابوں میں سے جو پاک مانے جاتے ہیں تین قابل ذکر ہیں۔ (۱) مانی کرنیکا۔ اسی نام کے گھاٹ کے پاس۔ تمام جاتریوں کو اس میں اشنان کرنا لازم ہے۔ (۲) پسیچ موچن۔ تمام بنارس کے باشندے سال بھر میں ایک دفعہ ضرور یہاں اشنان کرتے ہیں اور جاتری لوگ بھوت پریت سے محفوظ رہنے کے لیے اس میں نہاتے ہیں۔ (۳) اگستیا کنڈ۔ عمارات حالیہ۔ حال کی بنی ہوئی عمارتوں کی تعداد بہت کم ہے پرنس آف ویلز کی ہسپتال بڑی سڑک پر ہے جو جھاڑنی سے راج گھاٹ کو جاتی ہے دینا ناتھ گولا کے محلے میں ہے جس کا سنگ بنیاد ۱۸۷۶ء میں شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم آنجہانی نے بحیثیت شاہزادہ ویلز کے رکھا تھا۔ اس ہسپتال کا افتتاح ۱۸۸۱ء میں لارڈ رپن گورنر جنرل ہند نے فرمایا۔ اس عمارت کا روکار جنوب کی طرف ہے۔ نصف عمارت مردانہ آؤٹ پیشنٹس (وہ مریض جو باہر سے آکر دوا لے کر چلے جاتے ہیں) کے لیے ہے اور بقیہ نصف عورتوں اور بچوں کے لیے۔ ٹاؤن ہال ہندوانی اور گاتھک طرز کی ایک نہایت خوش نما عمارت مہاراجہ وزیانگرم نے بنوائی ہے جو ایک باغ کے سامنے بنا ہوا ہے۔ اس میں ایک نفیس ہال مجالس اور جلسوں کے لیے بنا ہوا ہے اور ایک خوب صورت صحن کے گرد چند کمرے بنے ہوئے ہیں جن میں سپیشل مجسٹریٹ اجلاس کرتے ہیں۔ اس ٹاؤن ہال کی چھت پر سے سارے شہر کا عمدہ نظارہ ہوتا ہے لیکن شہر کی گلیاں کچھ ایسی پیچ در پیچ اور گھٹتی ہوئی تنگ و تاریک ہیں کہ جا بجا نظر بھٹک جاتی ہے گورنمنٹ کالج۔ ایک بڑی بھاری عمارت گاتھک طرز کی ہے جس کے روکار پر چنار کا پتھر لگا ہوا ہے۔ یہ عمارت ۱۸۵۳ء میں بن کر تیار ہوئی جس میں صرف گورنمنٹ کا صرفہ (۱۲۶۹۰) پونڈ کا ہوا یورپین اور ہندوستانی رؤسا کے چندے اس کے علاوہ ہیں۔ چندہ دہندگان کے اسمائے گرامی کا کتبہ یہاں لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ نے ایسی نفیس کوئی عمارت آج تک ہندوستان میں نہیں بنائی۔ یہ عمارت میجر کٹوئی مرحوم مشہور ماہر فن تعمیر نے بنائی ہے۔ بیچ کی برجی جو اونچی ہے [illegible]

[illegible]

اس میں سما گیا یا آسمان کھا گیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اور ۴۰ فٹ اونچا ہے۔ بغلی ہال ۹۰ فٹ ۴۰ × ۴۹ طول و عرض میں اور ۳۲ فٹ اونچا ہے۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں اوپر والی برجی سے چھوٹی ہیں۔ کالج کے شمال میں ایک وسیع کمپونڈ کے ایک ستون سنگ سرخ کا ۱۳ فٹ اونچا کھڑا ہے جو موضع پلاد پور پرگنہ جہانیاں ضلع غازی پور میں ملا تھا اور جس کو یہاں مسٹر طامسن سابق لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی نے اپنے صرفے سے نصب کرایا۔ اس پر ایک شلاشاپا کندہ گپتا کے زمانے کی طرز تحریر کا ہے جس کا ترجمہ صفحہ ۴۴ میں غازی پور۔ منار میں درج ہے۔ کالج کے شرقی جانب نقش و نگار کے بہت سے پتھر رکھے ہیں جو سارناتھ کے کھنڈر اور دیگر قرب و جوار کے مقامات سے لاکر رکھے گئے ہیں۔ سول لینڈ کی مشہور عمارتیں یہ ہیں۔ راجہ کالی شنکر کا اسیلم (محتاج خانہ) اندھوں اور مجذوموں کے لیے جس کا خرچ راجہ صاحب موصوف کے عطیہ اور گورنمنٹ گرانٹ سے چلتا ہے۔ سنٹرل جیل اور ضلع کا جیل خانہ کمشنر صاحب اور ایجنٹ گورنر جنرل کی کچہری۔ کلکٹر ضلع اور دوسرے حکام کی کچہریاں۔ خزانہ تحصیل۔ میونسپلٹی ضلع کے انجنیئر اور پولیس کی کچہریاں بھی اسی کمپونڈ میں ہیں۔ جس میں اب پولیس کی کچہری ہے پہلے اسی میں رزیڈنسی تھی اور اب اس میں بہت کچھ توسیعات کی گئی ہیں۔ سشن جج اور دوسری دیوانی کی کچہریاں یہیں ہیں۔ لنڈن مشن سکول کی ایک بڑی عمارت ہے۔ چھاؤنی میں دو کمپنیاں گوروں کی اور ایک پلٹن ہندوستانیوں کی رہتی ہے۔ ان کی بارکیں اور سول و فوجی عہدہ داروں کی کوٹھیاں۔ ہوٹل ڈی پیرس اور کلارک صاحب کی ہوٹل یہ دو ہوٹلیں ہیں۔ گرجا اور صدر بازار بھی چھاؤنی ہی میں ہے۔ پیرل بوٹ۔ بابو موتی چند رئیس عظمت گڈھ نے ایک کشتی صاحبان انگریز کی سیر و سیاحت اور گھاٹ کا تماشہ دیکھنے کو رکھ رکھی ہے۔ مہاراجہ صاحب بنارس ایک بڑے بیدار مغز روشن خیال رئیس ہیں جن کا اسم مبارک مہاراجہ سر پربھو نارائن سنگھ جی سی آئی ای ہے۔ تیرہ توپوں کی سلامی ہے۔ آپ کی ریاست ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں ہے رقبہ (۸۶۵) مربع میل۔ مردم شماری (۳۶۳۶۹۹) سالانہ آمدنی سوا لاکھ اسی ہزار۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں راجہ صاحب حال کو ان کا سٹیٹ مع اختیارات گورنمنٹ نے تفویض کر دیا۔ ۵۲ الہ آباد۔ یہ ایک بڑا سول ملٹری سٹیشن ہے جس کے شمال میں گنگا اور جنوب میں جمنا ہے۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے لفٹنٹ گورنر اور جنرل کمانڈنگ الہ آباد بریگیڈ کا مستقر ہے یہاں توپ خانہ گوروں اور ہندوستانیوں کی فوج رہتی ہے۔ سنٹرل اور گرینڈ دو ہوٹلیں ریلوے سٹیشن کے قریب ہی ہیں۔ قدیم بہت بڑا شہر ریلوے سٹیشن کے جنوب میں ہے۔ الفریڈ پارک یہاں کا ایک نفیس باغ ہے جو سنہ ۱۸۷۰ء میں بیادگار رونق افروزی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

مراد بخش | تھا جو چھوٹا مگر جرأت میں سب سے بڑا اور شیر کی طرح جری صاف دل ایسا کہ سینہ مثل آئینے کے پاک تھا پالیٹکس میں صفر گو میدان کا رند

(بقیہ نوٹ بر صفحہ گزشتہ) ڈیوک آف اڈنبرا بنایا گیا تھا جس میں بڑی عمدہ اور کشادہ سڑکیں اور بینڈ سٹینڈ ہے۔ چھاؤنی میں میکفرسن پارک ہے اور ریلوے سٹیشن کے قریب ہی خسرو باغ ہے اس کے تین مقبروں کے ہے۔ الہ آباد میں غدر میں ایک رجمنٹ باغی ہو گئی تھی۔ قلعہ شہر سے دور گنگا اور جمنا جہاں ملی ہیں وہاں بنا ہوا ہے۔ مفتاح التواریخ میں قلعہ کے متعلق لکھا ہے کہ۔ شیخ ابوالفضل در کتاب اکبر نامہ می نویسد کہ از دیرگاہ بخاطر اقدس بود کہ قصبہ پیاگ را کہ در آں سرزمین دریاے گنگ و جمن پیوستہ جوش یکتائی می زنند و دانش مندان ہند ایں بوم را بس بزرگ انگاشتہ اند و ریاضت کیشان ایں زمین را طواف گاہ والامی دانند دراں جا شہرے برسازند و گزین حصار اساس یابد رفتے دراں بود رنگ وادگری برانگیختند و بحر تیاران آں نواحی را غاشیہ فرمان پذیری بر دوش گردانند و تا دریاے شور ایمنے پذیرد بدیں دوربینی ہا بسال بست و ہفتم از جلوس مطابق سنہ ۹۹۰ھ بود از دار الخلافت فتح پور نہضت فرما شدند موکب مقدس را دو بار از تشکا یکان منزل بمنزل نہضت می فرمودہ غرہ ماہ آذر بدان نیایش جا رسیدند و روز دیگر خجستہ ساعت اساس شہر نہادند و چہار منزل قلعہ را سرنگ زدند و در ہر کدام والا نشیمنہا بانہ مرد ندو محمد خان نیز جوش کارے بجا پدید آوردند در کمتر زمانے اولین سعی سرانجام برگرفت و ہر گر وہے در خور حال ولکنا خانہ بسر بردند اندک مدتے سترگ شہرے آبادان شد و موسوم و مشہور بالہ باس گشت و بعد از دو ماہ و پنج روز بر نہضت اقبال از ساہ خشکی متوجہ دار الخلافت شدند۔ ودر مرأت جہاں رقم است در سال پانزدہم جلوسی بناے قلعۂ الہ آباد کہ در متانت استحکام نظیرے ندارد تصمیم یافت و در مدت چہار سال و کسرے صورت انجام پذیرفت و بجاے دیگر مذکور است کہ ایں قلعہ را بنیاد شہزادہ سلیم و شجاعت شعار سعید خان و مخلص خان و راجہ ٹوڈرمل وداسے عمارت و ایوان و باگ را مشترک من ابتداے یزدہم شہر ذی الحجہ سنہ ۹۹۵ھ لغایت ۲۵ رجب الاولیٰ سنہ ۱۰۱۱ھ تعمیر اختتام یافت و شہرے نیز دراں جا آباد گشتہ اول مسمی بہ الہ باس گردیدہ و بعد از اں عہد شاہ جہان بادشاہ بالہ آباد مشہور شدہ۔ پوشیدہ مباد کہ نقشہ ایں قلعہ آنچہ کہ پیش ازیں بود حالا یافتنی شود زیرا کہ در سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء کرنیل گڈ صاحب مشہور بہ کرنیل کیٹ کہ کیٹ گنج در شہر الہ آباد آباد کردہ اوست بحکم کمپنی انگریز بعد شکستن عمارات اندرونی قلعہ و دیوار و مکانات دیگر صورت قلعہ را دگرگوں ساختہ راست ایں ست کہ پیش ازیں لائق بزم بود و حالا قابل رزم است در عہد قلعہ مکانیست دیدنی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں اپنی بہادری سے تہلکہ ڈال دیتا تھا مگر شراب نوشی پر فدا تھا۔ گجرات کا صوبہ دار بھی تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کہ آں را ہندواں پاتال پوری می نامند و دراں چاہ درختے ست کہ ہیچ ثبات و برگ ندارد و ہندواں آں را اکھی بر می گویند و ظاہر می نمایند کہ ایں درخت از لکھہا سال در اینجا ست و تا روز قیامت خواہد ماند۔ منقول است کہ جہانگیر بادشاہ ایں درخت را بریدہ و تختہ آہنی بر سر آں نہادہ بود و بعد از چند مدت طبق آہنی را شگافتہ باز سر بر آوردہ بود و در عہد او ... دریں قلعہ عمودیست سنگین کہ ہندواں آں را لاٹ بھیم سین می گویند و آں سی فٹ ... و بر آں کتبہ کندہ دارد بانواع خط ہندی کہ تا زمانے انگریزاں نمی توانستند خواند دریں ایام متحقق شد کہ ایں ستون زمانہ راجہ اسوک است کہ در سنہ ۲۴۲ قبل مسیح منقوش گشتہ و بر آں فرامین و احکام و سوانح جنگ زمانہ راجہ موصوف نقش گردیدہ چنانچہ ... کتبات ... شہرہائے ہمیں راجہ موجود اند۔ ایں عمود را کرنیل کیبٹ حکام مرمت قلعہ فرود آوردہ بود تا چہل سال بیرون قلعہ افتادہ ماند و بحکم وائسرائے بہادر در سنہ ۱۸۳۸ء استادہ کردہ شد و تصویر شیرے از سنگ تراشیدہ بر بالائے آں عمود نصب کردہ اند و سوائے خط ہندی و غیرہ کہ بر آں عمود منقوش است جہانگیر بادشاہ در اوائل سلطنت خود نام آبائے خود را تا صاحب قران بخط فارسی بر آں عمود حسب ذیل نقش کنانیدہ بود

پہلی سطر۔ اللہ اکبر ابن سلطان ابو سعید بانور ابن سلطان محمد مرزا ... ابن میران شاہ ابن امیر تیمور صاحبقران ... شہریور ماہ موافق سنہ الثانی ... دوسری سطر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی ابن اکبر بادشاہ غازی ابن ہمایوں بادشاہ ابن بابر بادشاہ ... ابن عمر شیخ مرزا۔ تیسری سطر کتبہ عبد اللہ ... ایں قلعہ از یک سمت دریائے گنگ روان است و از جانب دیگر دریائے جمن آمدہ در آں دریا ملحق گشتہ و چوں ایں مقام پرستش گاہ بزرگ ہندوان است و در ماہ ماگھ گروہ ہائے ہندوان مردوزن از دیار قریب و بعید بہ تعداد کثیر جمع شدہ تا بہ یک ماہ دریں جا غسل می نمایند و موجب رستگاری خود می دانند و مردان خود را ... مقام موجب نجات ابدی می دانند۔ چنانچہ در زمان سلف اکثرے از ہندوان سبو در دست و پائے خود بستہ بدریا غرق می شدند و بعضے خود را بارہ دو پارہ می ساختند۔ گویند کہ در زمان پیشیں دریں جا آرہ بود ہر کس کہ خود را بہ آں آرہ بریدے ہر حاجتے کہ داشتے در جہان دیگر برآورد خود رسیدے از عہد شاہجہان ایں رسم موقوف گردید و برخے از دشنہ سر خود از تن جدا می نمودند و بریں منوال قصہ مکند برہم جاری ست کہ امروز ذکر او بر زبان خلائق آں شہر جاری ست کہ او در سلطنت ہمایوں بادشاہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اورنگ زیب | ڈپلومسی۔ سازش۔ ہمت۔ جرأت اور ارادے کے استقلال میں اپنے سب بھائیوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اس کی شیریں زبانی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) مدتے بریاضت و قناعت اشتغال داشت و در اواخر ۹۴۸ھ بکنار دریا در مقامیکہ کہ بہ رود دریا غرق شدہ اند آتشے افروختہ تمام اندام خود را پارہ پارہ بریدہ در آں آتش افگند و خاکستر شد۔ مسجد متصل قلعہ۔ ایں مسجد عالی برکنار دریائے جمن متصل قلعہ است آثار انواب شایستہ این نواب آصف خان بہادر در زمان شاہ جہاں در ۱۰۵۶ھ باتمام رسانیدہ و بست و سہ ابیات با تاریخ اندرون مسجد قریب گنبد منقوش است از ان جملہ سہ ابیات مندرس شدہ اند باقی این ست :-

زہے بنائے ہمایوں کہ در الہ آباد ۔۔۔ بحکم بادشہ دین پناہ شد بنیاد
شہے کہ از پے آرائش سر بر کلاہ ۔۔۔ چو روز نادر ایام ہیچگاہ نزاد
شہے کہ عالم آبائے علوی و سفلی ۔۔۔ براد و دین و شرافت چو او نہ آرد یاد
شہ جہاں کہ بزیر نگیں گرفتہ جہاں ۔۔۔ چو آفتاب فروزاں ہمیشہ عدل بداد
غبار معصیتش می برد نسیم عطا ۔۔۔ کسیکہ ناصیۂ صدق را بخاک نہاد
رواج یافتہ دیں در جہاں ازیں مسجد ۔۔۔ نکرد خانۂ دیں کس چو بادشہ آباد
کس از شرافت و قدرش نیاورد بشمار ۔۔۔ بسطح صحنش سقف فلک بود ہمزاد
چو خشت بہر بنا ماند بر زمیں معمار ۔۔۔ ملک ز عرش بیامد پے مبارکباد
بلند قدر بنا گشتہ کہ بہر کسب ضیا ۔۔۔ بر آستانش مہر منیر سر بنہاد
بحلق سنگ درش عینک صفا بینی ۔۔۔ زہے صفائی دست ہنرور استاد
ازیں بنا بود عالم زباعث بانی ۔۔۔ بلطف حق ہمہ معمور و بیخ دنیا باد
زچار سوئے بنا عفو جرم می بارد ۔۔۔ زہے شرافت بانی و رتبۂ بنیاد
چو دور گنبد ایں کعبہ دید چشم فلک ۔۔۔ بماہ حیرت بچوں زمیں ز پا افتاد
بنہ بسجدہ سر ایں جا کہ فیض مسجد شاہ ۔۔۔ ببیں بسنگ چو انسان زبان گویا داد
قدم ز سر پے اتمام ساختی خفی ۔۔۔ چو اہتمام بنام من اتفاق افتاد
بنور دیں اندیشہ واد ش تمیز یں ۔۔۔ نہ ہمچو کوہ کن از دست دشنہ فولاد
بگفت ہاتف تاریخ سال تعمیرش ۔۔۔ بر آستانش مہر منیر سر بنہاد
۱۰۵۷ھ

نوٹ۔ اگر اعداد آستانش مہر منیر کیے تاریخ برمی آید آیک عدد زیادہ میشود ۱۳۰

(باقی نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دلکش تقریر اور عمدہ اخلاق کے پیچھے ایک سرد اور بے حس دل تھا۔ وہ اپنے مزاج پر پورا قابو اور اپنی خواہشات پر کامل اختیار رکھتا تھا۔ ان دو صفات نے اسے ایک کامیاب عیار اور ایک زبردست ملک دار بنا دیا تھا۔ میدان جنگ میں اورنگ زیب کی دلیری اور جواں مردی اپنا دیرپا اثر چھوڑتی تھی۔ اس کے مذہبی خلوص اور غلو نے تمام راست باز مسلمانوں کے دل مٹھی میں لے لیے تھے آگے چل کر ہم اورنگ زیب کے پیچیدہ اور بہت گہرے کیرکٹر کو پوری وضاحت سے بیان کریں گے فی الحال اتنا معلوم کرنا کافی ہے

بقیہ صفحہ (۴۵۸) ہزار و پنجہ و شش رفتہ بود از ہجرت — گو دست باز کشید از عمارتش استاد

باہتمام و بہ قدر دانی خلیل اللہ موسوی باتمام رسید

در اوائل عملداری کمپنی بہادر یعنی در سنہ [illegible] گرنیل بیٹ این مسجد را متغیر ساختہ مکان بود و باش خود مقرر نمود و بعد از دہ سال در سنہ ۱۲۱۱ باز بحکم کمپنی بہادر بصورت اصلی مبدل ساختہ شد تا بامروز موجود است و مسلمانان بدستور قدیم روز عیدین دراں نماز می گزارند۔ الہ آباد میں متعدد بڑے بڑے گرجا، کئی سکول، ہسپتال اور سنٹرل جیل ہے۔ آب رسانی کا بھی بڑا کارخانہ ہے۔

نوٹ متعلق بہ صفحہ (۴۵۴): سال فتح یافتن اورنگ زیب بر شہزادہ سلطان شجاع۔ سلطان شجاع پسر دوم شاہجہان بود ولادتش روز یکشنبہ ۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۲۵ھ بتمام امیر وقوع یافتہ بعد ہزیمت داراشکوہ بہ ارادۂ جنگ شد سپاہ فراہم آوردہ از سمت بنگالہ کہ صوبہ داری آں ولایت بدو تعلق داشت نہضت فرمود۔ عالمگیر آں خبر شنیدہ بعزم دفع او با افواج قدیم کوچ نمودند و در کھجوہ کہ پانزدہ کروہ غربی الہ آباد است در صف داران دونان فریقین دست داد جنگے عظیم۔ و نمود سلطان شجاع شکست خوردہ بطرف بنگالہ گریخت ایں فتح بتاریخ ۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۶۹ھ وقوع یافتہ و ضمیر شاعر کہ ہمراہ ایں مہم موجود بود در عین گرمی معرکہ تاریخ ایں فتح منظوم نمودہ از نظر بادشاہ گزرانید دو ہزار روپیہ صلۂ آں یافت۔ ع

ای حرز تو سورۂ تبارک بادا — پیوستہ ترا تاج مبارک بادا
جستم ز پے شگون فتحت تاریخ — دل گفت بشود فتح مبارک بادا ۱۰۶۹

بعد فتح حسب الحکم عالمگیر پسر بزرگ او سلطان محمد و میر جملہ خانخاناں سلطان شجاع را تعاقب نمودند و آں بیچارہ مانند بنگالہ نیز گریختہ در اراکان رفت و بعد از سرگردانی و پریشانی چند سال راجۂ آں دیار او را مع عیال و اطفال بر کشتی سوار نمودہ غرق دریائے فنا ساخت و ایں واقعہ در سنہ ۱۰۷۱ھ بوقوع آمد۔ ۱۲

کہ چاروں بھائیوں میں یہی سب سے زیادہ قابلیت بادشاہت کی رکھتا تھا شاہ جہاں کی دونوں بیٹیوں نے بھی اُن سازشوں میں جو شاہجہاں کی بیماری کی حالت میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔

جہاں آرا بیگم اور روشن آرا بیگم[۱]

یہی بڑی شہزادی تھی اور اسے شاہجہاں بہت چاہتا تھا اور بادشاہ کے مزاج میں بڑی دخیل اور بارسوخ تھی۔ یہ دارا کی طرف دار اور حامی تھی۔ دوسری صاحب زادی روشن آرا بیگم کی یہ بات نہ تھی وہ اورنگ زیب سے ملی ہوئی تھی

---

[۱] ان دونوں بہنوں کا حال حصۂ دوم کتاب ہذا میں ملاحظہ فرمایئے۔ **مسجد جامع اکبرآباد**۔ ایں مسجد عالی کہ متصل دروازۂ قلعۂ اکبرآباد است تعمیر ساختۂ جہاں آرا بیگم دختر سومی شاہ جہاں بادشاہ است کہ بصرف پنج لک روپیہ در عرصۂ پنج سال در ۱۰۵۸ھ صورت انجام یافتہ۔ طولش (۱۳۰) ذراع و عرض صد و راع و فضائے صحن ہشت ذراع مشتمل بر سہ گنبد عالی بر سنگ و پنجاہ ایوان است وایں کتابہ [illegible] عمارت آں در ایام غلبۂ مرہٹہ و جاٹ لغبہ سبب گولہ ہائے توپ زائل گشتہ و مسجد نیز جابجا شکستہ بود بحکم صاحبان انگریز باز مرمت گردید۔ کتابہ۔ ایں مسجد یست شریف خدا پرستان روئے زمین را و معبد یست منیف عبادت گزین را منظریست نور افزا دیدہ وران عبادت آئین را و سکنیت دلکش عارفان حقیقت بین را کہ بامر رفیع القدر نواب فلک جناب خورشید احتجاب آفتاب بہجت نقاب عفت۔ رسیدۂ نسائے زمان۔ صاحبۂ نسوان دوران۔ ملکۂ جہان مالکہ گیہان الدین العالمین اعز اولاد امیر المومنین۔ جہاں آرا بیگم۔ در عہد سعادت مہد۔ صاحب عصو الٰہی بر ظل ظلیل حضرت سبحان خلیفۂ خلیل ایزد منان۔ باعث امن و امان۔ بادشاہ ہفت اقلیم برآرندۂ تخت و دیہیم۔ حارس ملک و ملت قامع جور و بدعت۔ بادشاہ دین پناہ شہنشاہ حق آگاہ مظہر کرم وجود برگزیدہ حضرت معبود۔ فرماں فرمائے بحر و بر و داور عدل گستر۔ رافع لوائے بر و احسان جہانیان ملک ستان متقن قوانین رعیت پروری و پرودہ نوازی۔ ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بمبلغ پنج لک روپیہ کہ قریب ہفد و ہزار تومان رائج ایران و بست و پنج لک خانی نافذ توران باشد در عرصۂ پنج سال صورت انجام پذیرفتہ ایزد بے نیاز و داور سا باز ایں بنا رفیع را چوں بیت المعمور پایدار و ایں اساس منیع ما چوں کاخ فلک برقرار دارد و امت آثار بانیہ مبانی خیرات عام مراسم خیرات عاید گرداناد و تم فی ۱۰۵۸ھ۔

رتی رتی کی خبر دیتی رہتی تھی اور اسی نے اورنگ زیب کو خبر دی تھی کہ بادشاہ کی حالت بہت خطرناک ہے۔ دارا چونکہ دربار میں باپ کے پاس موجود تھا اس لیے اُسے عمدہ مواقع حاصل تھے وہ بادشاہ کی صحیح حالت کو پوشیدہ رکھتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ بات چھوٹنے نہ پائے لیکن دوسرے بھائیوں کے جاسوس بھی لگے ہوئے تھے اور برابر کنسوئیاں لیتے رہتے تھے۔ شجاع نے بڑا لشکر جمع کر لیا اور دارالسلطنت کی طرف اُمڈا چلا آرہا تھا۔ اورنگ زیب بڑا مآل اندیش تھا اُس کی نظروں کے سامنے آئندہ کے واقعات کا پورا نقشہ جما ہوا تھا کہ کیا نوبت ہونے والی ہے۔ اورنگ زیب کا عندیہ تھا کہ پہلے شجاع اور دارا لڑ بھڑ لیں اور جب دونوں کی قوت میں ضعف آجائے تو پھر ان کی خبر لوں گا۔

اورنگ زیب کی ڈپلومیسی

اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے اورنگ زیب ایک بڑی گہری چال چلا کہ چھوٹے بھائی مراد کو ایک بہت چکنا چپڑا خط لکھا اور اس طرح مخاطب کیا جیسا کہ کوئی بادشاہ وقت کو لکھتا ہے اور اپنی بڑی عقیدت کا اظہار کیا اور لکھا کہ ہرگز ہرگز دارا کو تخت نہ ملنے پائے۔ مراد بے چارہ سیدھا سادا آدمی تھا وہ کج پیچ کی باتوں کو کیا جانے اورنگ زیب کے ہتھکنڈوں میں آگیا اور اس طرح ان دونوں بھائیوں کے لشکر مالوے مقام پر ملے۔ اس اثنا میں دارا بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار نہیں بیٹھا رہا۔ اُس کے بیٹے سلیمان نے بنارس کے قریب شجاع کو ایسی بھاری شکست دی کہ اُس نے بنگال ہی میں جاکر دم لیا۔[۱] ۱۶۵۸ء میں مراد اور اورنگ زیب کے مقابلے پر راجہ جسونت سنگھ کو ایک بڑا بھاری لشکر دے کر بھیجا گیا لیکن اورنگ زیب اور مراد کے مشترکہ لشکر نے آناً فاناً میں راجہ کو شکست دی۔ اورنگ زیب نے فتح پر پہلے تو فضل باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور پھر مفت کرم داشتن مراد کو خوش کرنے کو اس کو اسی کی قابلیت اور جرات کا نتیجہ ظاہر کیا اور مراد کی آؤ بھگت بالکل شاہانہ طرز پر کرنے لگا جس سے یہ اظہار مقصود تھا کہ گویا بس تم بادشاہ ہو ہی گئے۔ بعد اس کے فتح یاب لشکر دریائے چنبل[۲] کی طرف بڑھا۔ شاہجہاں کی صحت کی طرف سے اب

[۲] جی آئی پی ریلوے کے سٹیشن ہیتم پور اور دھول پور کے بیچ میں دریائے چنبل کا بڑا ابھار

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

نوٹ۔ [۱] کے لیے دیکھو صفحہ (۴۷۰) - ۱۲

اطمینان ہوگیا تھا اور بادشاہ کو تن درستی بھی ہوگئی تھی۔ بادشاہ نے میدان جنگ میں خود جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن دارا کی تند خو اور خود سر طبیعت اور شائستہ خاں[1] (شاہ جہاں کے برادر نسبتی) کی چال بازیوں (جو بالکل اورنگ زیب کے ہاتھ بک گیا تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۹) آہنی پل ہے۔ یہ دریا گوالیار اور دھول پور کی ریاستوں میں حد فاصل ہے اس دریا کے دونوں جانب ایک عجیب و غریب جھوٹا سا شہر ہے۔ اس دریا کے شمالی کنارے پر دھول پور کا شہر آباد ہے۔ یہ ریاست راجپوتانے میں ہے (۱۱۵۵) مربع میل سٹیٹ کی آبادی ۲۶۳۱۸۸ نفوس ہے اور آمدنی بارہ لاکھ سالانہ کی۔ مہاراجہ صاحب کو پندرہ توپوں کی سلامی ہے۔ مشہور مقامات میں ایک مسجد ہے جسے شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۶۳۴ء میں بنوایا تھا اور یہیں ایک گنبد کسی بزرگ سید صاحب کی درگاہ کا ہے۔ یہ شہر راجہ دھولن دیو نے اوائل گیارہ صدی عیسوی میں بسایا تھا۔ بابر بادشاہ نے اس شہر کا ذکر کیا ہے کہ ۱۵۲۶ء میں فتح کیا تھا۔ ہمایوں نے بحالت شہزادگی شہر کی آبادی کو دریا کی زد سے محفوظ رکھنے کے لیئے اور ذرا شمال کی طرف ہٹا دیا تھا اکبر کے زمانے میں شہر کو ایک حد تک محصور کر کے ایک محافظ سرائے بنائی گئی۔ شہر کا نیا حصہ اور محلات راجہ حال کے دادا رانا کیرت سنگھ نے بنوائے تھے۔ ماہ اکتوبر کے آخر میں ایک بڑا بھاری میلہ دیوالی کا یہاں پندرہ دن تک رہتا ہے جس میں علاوہ ایک کثیر تعداد تجارتی مال کے مویشی اور گھوڑے وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہیں۔ دھول پور سے دو میل پر ایک جھیل ہے جو چھبن دیو کے نام سے موسوم ہے اور اوتار کشنا سے منسوب ہے۔ ریلوے سٹیشن کے پاس سٹیٹ کے علاقہ کی بڑی بھاری پتھر کی کان ہے۔

[1] پسر نواب آصف خاں بود و امارت از ہنگام شاہ جہاں و پسر رفیق عالمگیر بعہدۂ وزارت سربلندی داشت اصل نامش ابو طالب است در عمر (۹۳) بتاریخ ۱۷ شوال ۱۱۰۵ھ رحلت نمود۔ تاریخ وفات از نخبۃ الواصلین۔

مصدر فیض و کرم شائستہ خاں گو سنکوئی ازیں آفاق برد
سال نقل آں امیر باکرم گفت ہاتف اہل خیر و داد مرد (۱۱۰۵)

دیگر

بود نواب امیر الامرا عمدۃ الملک شہنشاہ زماں
خاں شائستہ ابو طالب نام قرۃ باصرۂ آصف خاں
سال نقلش باسف گفتم آہ نواب سخی شد ز جہاں (۱۱۰۵)

دیگر

ہم شد شائستہ خاں بہ ہر گلشن کمال نمر ورد شد تاریخ ترسقرہ (۱۱۰۵)

کا نتیجہ ہوا کہ ان دونوں نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اگر شاہجہاں پیش بینی کرتا اور دارا اور شائستہ خاں کی خود غرضانہ صلاح پر نہ چلتا تو کچھ شک نہیں کہ آئندہ کے بہت سے مصائب سے محفوظ رہتا، اور ہزارہا جانوں کا مفت خون نہ ہوتا۔ معمر بادشاہ کی صورت میدان جنگ میں دیکھ کر لوگ ضرور اس کی طرف ٹوٹ پڑتے اور سالوسے ہو کر کمر ہمت چست کر کے بادشاہ کا پارٹ لیتے لیتے اور عجب تھا کہ بادشاہ کی باقی ماندہ زندگی آرام چین سے گزرتی لیکن دارا کی اپنی ناعاقبت اندیشی اور بودی صلاح کی بدولت یہ دن دیکھنا پڑا۔ شجاع نے مقابلے پر جو لشکر سلیمان کی سرکردگی میں گیا ہوا تھا دارا نے اس کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا اور نام کی شیخی تقدیر اسے کشاں کشاں میدان جنگ میں گھسیٹ لائی۔ دونوں لشکر آگرے سے نو میل پرے سموگڑھ مقام پر بالمقابل ہوئے جہاں ایک بڑی ہیبت ناک اور گھمسان لڑائی ہوئی۔

دارا کی شکست
۱۶۵۸ء

فتح ڈگمگا رہی تھی کبھی ایک طرف پلڑا جھکتا تھا کبھی دوسری طرف اگرچہ دارا کی فوج تعداد میں زیادہ تھی لیکن بڑا فرق تھا دونوں کے کمانڈروں میں ایک طرف دارا تھا اور دوسری طرف دانش مند، جنگ آزمودہ اور بہادر اورنگ زیب اور شیر دل مراد۔ دونوں طرف سے بہادری اور جواں مردی کے حیرت خیز معرکے ہو رہے تھے آخر کار دارا کے ہاتھی پر ایک بان کا گرنا کیا تھا گویا برق صاعق تھی۔ دارا ہاتھی سے اتر گھوڑے پر سوار ہو گیا جو ایک نہایت خطرناک غلطی تھی۔ اس کی فوج کی نظروں سے سردار کا اوجھل ہونا تھا کہ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور دلاوروں کا جی چھوٹ گیا۔ بے تحاشا بھاگڑ مچ گئی۔ مراد اور اورنگ زیب کی کھلی فتح ہوئی۔ دارا بے چارہ آگرے کی طرف چلا مگر پھر بھی اس کا پیچھا سختی سے کیا گیا۔ دارا اس غیر متوقع شکست سے ایسا ملول کبیدہ خاطر اور شرمسار تھا کہ باپ کے سامنے نہ جا سکا کہ کیا منہ لے کر جاؤں۔ دلی کی طرف چلا مگر پھر بھی تعاقب تھا ڈھیل نہ پڑی غنیم پیچھا دبائے چلا آتا تھا۔ آخر کار دارا کو کچھ میں پکڑ ہی لیا اور کچھ دنوں ہمایوں کے مقبرے کے پاس خضرآباد میں قید رکھا۔ پھر اسے ذلیل سے ذلیل کپڑے پہنا کر ہاتھی پر سوار کرا کے گلی در گلی گشت کرایا گیا اور اس کی

کفر کا فتویٰ لگا کر واجب القتل قرار دیا اور ستمبر ۱۶۵۹ء میں قتل کروا دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ دارا اپنے دادا کی طرح مذہب کی طرف سے مشکی ضرور تھا مگر ع خوے بدرا بہانہ بسیار۔ مذہب کی آڑ محض جان لینے کا ایک بہانہ گھڑ لیا تھا ورنہ در اصل مطلب سعدی دیگر اصلی منشا یہ تھا کہ چوں کہ دارا تخت کا بڑا اجید دعوی دار تھا کیوں کہ سب میں بڑا تھا اور ہر وقت بادشاہ کی حضوری میں باریاب رہتا تھا اگر دو مروا دیا جائے تو ہمیشہ کے لیئے یاپ کٹ جائے۔ دارا کا سر کاٹ کر جب اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا تو ایک فوری جوش کی وجہ سے آبدیدہ ہو گیا اور ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر دفن کیا گیا۔ ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے ابکی توبہ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

سلہ ایں شہزادہ خوش خلق وفقیر دوست صاحب تحقیق وآزاد مشرب بود ودست بیعت بہ ملاشاہ خلیفۂ شاہ میر لاہوری دادہ بود وجان ودل ایثار مرشد کردہ شب و روز ہمتش مصروف تحقیق معارف بود ہرگاہ از برادر خود عالم گیر شکست یافتہ فرار برقرار اختیار کرد وطرف ملایت ٹھٹہ گریخت عالم مردم در پے او و ستاد مدتے در بحر حیرانی و سرگردانی مستغرق بود آخر ازانجا بصوب گجرات رفتہ جمعیتے بہم رسانید وتا بہ اجمیر آمد و جنگے عظیم میان او و عالمگیر رو نمود و باز شکست خوردہ فرار گردید ایں واقعہ در ماہ جمادی الاولیٰ ۱۰۶۹ھ رو داد و بعد ازاں بطرف بھکر رفت ارادہ داشت کہ بہ قندھار رود کہ بتاریخ ۲۹ ر رمضان سال مذکور بدست ملک جیون گرفتار گشت و او را مع پسرش سپہر شکوہ بحضور عالمگیر فرستاد۔ بتاریخ ۲۰ ر ذی الحجہ روز شنبہ بدہلی رسیدند وحسب الحکم عالمگیر بقلعۂ خضر آباد کہ قریب دہلی است محبوس شدند وچوں از رسیدن دارا شکوہ شورے عظیم در شہر پیدا شدہ بود حکم شد او را قتل نمایند چنانچہ در شب ۲۱ ر ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ و بقولے دیگر بتاریخ غرۂ محرم ۱۰۷۰ھ مردان سخت جان در مجلس رفتہ آں بے چارہ را شہید نمودند و نعش او را بموجب اشارۂ عالمگیر بہ مقبرۂ جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ نقل کردہ در تہ خانہ کہ زیر گنبد مرقد آں حضرت است و شاہزادہ دانیال و شاہزادہ مراد پسران عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر آں جا مدفون اند دفن نمودند او را دو پسران بودند از بطن نادرہ بیگم بنت [illegible] یکے سلیمان شکوہ کہ بعد شکست پدر گریختہ در ملک [illegible] [illegible]

(بقیہ صفحہ آئندہ)

اور نگ زیب اب بھی مراد کو سبز باغ دکھلاتا رہا اور برابر یہی کہتا رہا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں مراد کے لیئے مجھے بادشاہت کی ہوس نہیں میں تو فقیر بن کر ایک کونے میں بیٹھ کر یاد الٰہی میں اپنا وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ بھولے مراد نے سیدھے اورنگ زیب کے قول کو صحیح سمجھ لیا اور مطمئن ہو گیا۔

نقاب اُلٹ گیا شاہجہاں کی نظر بندی

اس لڑائی کے تیسرے دن اورنگ زیب آگرے میں داخل ہوا اور اپنے باپ سے میل ملاپ کی سلسلہ جنبانی کی اور اپنی آمادگی اطاعت و فرماں برداری و رضا جوئی پدر بزرگوار پر ظاہر کی لیکن شاہجہاں اورنگ زیب کی کوری طبیعت سے واقف تھا وہ کب ان خالی خولی چکنی چپڑی باتوں میں آنے والا تھا۔ غرض طوال طوال تو میں بات بات۔ قصہ مختصر انجام یہ ہوا کہ اورنگ زیب نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۲) راجا اور ا در شناسنگ گرفتار ساختہ ہمراہ عالمگیر سپردند و در قلعۂ گوالیار محبوس ماند و دیگر سپہر شکوہ کہ ہمراہ پدر دستگیر شدہ بود نیز در آں قلعہ قید ماند این تاریخ شہادت دارا شکوہ از مصنف مفتاح التواریخ است :- ؎

عقل پائے او گرفت و بگفت قتل دارا شکوہ شد تاریخ

۱۰۶۹ = ۱۰۶۹

و این تاریخ در شہادت او از مخبر الواصلین ست :-

آنکہ شہ بلند اقبال است رتبہ اش ... خام بداں است

شاہ دارا شکوہ نامش بود در کمالات شیخ جامش بود

جمعہ و غرۂ مہ عاشور بود روز وصال آں مغفور

سال تاریخ نقل آں شہ دیں شد رقم صاحب بہشت بریں

مرقد آں قتیل عشق الٰہ ہست در گنبد ہمایوں شاہ

و این اشعار آبدار از دارا شکوہ است کہ بہنگام شہادت از زبانش بر آمدہ :-

روز محشر کہ شود از اسما نفطرت دانم کہ بود از النجوم انکدرت

من دامن تو بگیرم اندر عرصات گویم صنما بای ذنب قتلت (۱۲)

۹ جون ۱۶۵۸ء کو باپ کو معزول کر کے نظر بند[۱] کر دیا اور جیتے جی بادشاہت چھین لی اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ گو وہ اس کے بعد بھی اور آٹھ برس زندہ رہا مگر سلطنت و تاج کی تاریخ سے ہی گئی۔ اب اورنگ زیب بے کھٹکے ہو گیا اور کھل کھیلا۔

مراد کا قتل ۱۶۶۰ء

ایک دن اورنگ زیب نے مراد کو شب کے وقت کھانے کی دعوت دی تھی اسے خبر نہ تھی کہ یہ دعوت دعوتِ اجل تھی۔

[۱] ازانجا کہ شاہجہان بہ پسر بزرگ خود دارا شکوہ را ولی عہد خود ساختہ بود بنابراں دیگر برادراں خصوص اورنگ زیب پسر سوم بود او ہم بہ وی عداوت می داشتند تا وقتیکہ سنہ ۱۰۶۸ھ پادشاہ بیمار شد دارا شکوہ نظم و نسق سلطنت بطور خود ساختہ راہ آمد و رفت اخبار از ہر دیار مسدود نمود و بسبب آں اختلال بسیار در امور سلطنت افتاد و عالمگیر در دکن بود و در صحت دوبارہ توجہ سبقت از برادران دیگری ربود مدام خیال بادشاہی در سر داشت فرصت را غنیمت انگاشتہ نواب شائستہ خان امیر الامرا و دیگر امرا را موافق ساختہ لشکرے عظیم از اورنگ آباد بر سر دارا شکوہ کہ در قلعۂ اکبر آباد و دہلی خیمہ زدہ بود آوردہ تا جنگ اول بتاریخ ۷ رمضان در موضع قریب وصول پور کہ دہ کروہ از اکبر آباد واقع است با دارا شکوہ رو نمود و تا چند روز ہمیں آتش در کار بود تا آنکہ دارا شکوہ منہزم گشتہ بجانب اکبر آباد شتافت و از انجا نیز شکست خوردہ بدہلی رفت و از انجا از خوف عالمگیر سوے لاہور و بھکر روانہ شد و اورنگ زیب بہ اکبر آباد رسیدہ و ماہ مذکور بتاریخ ۱۷ رمضان سنہ مذکور پدر خود را بطور نظر بند محبوس نمود و مالک تخت و تاج گردید۔ تاریخ این معاملہ مؤلف مفتاح التواریخ بطریق تعمیہ گفتہ:-

کرد محبوس پدر را چو شہ عالمگیر — دل من گفت کہ حیف این چہ شرر می بینم
داد این حافظ شیراز بشارت بہ دلم — مشکل اینست کہ بہ روز بتر می بینم
گفتمش خواجہ بفرما پیئے تاریخش زانکہ — ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
نیست ہیچ شفقتے نہ برادر بہ برادر دارد — نیست مہرے نہ پسر را بہ پدر می بینم
بے تامل سر آہے بکشید و فرمود — پسران را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

یعنی اگر از عدد مصرعۂ آخر کہ (۱۲۹۰) می شود عدد لفظ تامل و عدد سر آہ کہ الف باشد و ہر دو (۱۲۲) کم نمودہ خارج نمودہ آید تاریخ سنہ ۱۰۶۸ھ بر آید۔ ۱۲

ایسی شراب پلائی کہ وہ بدمست ہو گیا۔ اورنگ زیب کو غصہ آیا اور کہا کہ ایسا شرابی سلطنت کے کب قابل ہو سکتا ہو اسی وقت مراد کو پابہ زنجیر کرکے اول تو سلیم گڈھ میں قید رکھا اور پھر گوالیار کے قلعے میں بھیج دیا اور پھر سنہ میں قتل کروا دیا

شجاع کا حال اوپر آچکا ہو کہ اراکان بھاگ گیا تھا وہاں کے حاکم نے اُس کو بال بچوں سمیت قتل کروا دیا۔ اس طرح جب ان کا بالکل صفایا ہو گیا ایک باپ کا دم باقی تھا اُسے بھی نظربند کر رکھا تھا اب اورنگ زیب نے کھلے خزانے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔

اورنگ زیب کی بادشاہت کا اعلان سنہ ۱۶۵۹ء

چاروں بھائی تخت سلطنت کے لیئے برابر پانچ سال تک آپس میں لڑتے رہے۔ اب جب اورنگ زیب کا مدمقابل کوئی نہ رہا تو اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ شاہجہاں کی سلطنت جو یقیناً ہندوستان کی تمام سلطنتوں سے کامیاب تھی اس کا خاتمہ ایسا خوفناک ہوا۔ شاہجہاں کے عہد میں ملک دکن ہی معرکہ کا میدان رہا لیکن اصل انڈیا میں تو بالکل امن امان رہا اور ایک اچھی گورنمنٹ کی برکات سے مستفید ہوتا رہا۔ سچ کہا ہو کہ دنیا دار مکافات ہو۔ شاہجہاں نے جیسا کیا تھا ویسا ہی اُس کے آگے آیا۔ اُس نے اپنے باپ سے بغاوت کی تھی اور اپنے سگے بھائیوں اور اُن کی اولاد کو قتل کیا تھا۔ دیکھو تو مغلیہ خاندان کے اول دو بادشاہوں کے حالات میں کتنا فرق ہو بابر نے اپنے بیٹے پر اپنی جان قربان کر دی۔ ہمایوں نے بھائیوں کے ہاتھ سے کیا کیا دکھ اُٹھایا مگر ہمیشہ اُن کی خطا بخشی کی جو اُس کی جان کے دشمن تھے۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب دونوں نے اپنے باپ سے بغاوت کی اور بھائیوں کو قتل کروایا۔ الغرض مئی سنہ ۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب کی تخت نشینی کے مراسم پوری طرح ادا ہوئے۔ مُن شاہجہاں محل میں نظربند تھا

سنہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ غازی۔ شب یکشنبہ ۱۱ ذی قعدہ ۱۰۲۸ھ ۱۶۱۹ء نومبر ازبطن ارجمند بانو بیگم ملقب ممتاز محل بنت نواب آصف جاہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کہیں باہر آنے جانے کی اجازت نہ تھی اور کہا جاتا ہے کہ قید میں جو تکالیف متلزم ہیں اُن سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) برادر نورجہاں بیگم تولد پذیرفتہ و ایں قطعہ ملک الشعرا ابوطالب کلیم ہمدانی فرمودانِ عالمگیر برا ورنگ خلافت در تاریخ ولادت او گفتہ ۔ ؎

دادہ ایزد بپادشاہ جہاں ۔۔۔ خلفے ہمچو مہر عالمتاب
تاج صاحب قران ثانی یافت ۔۔۔ گوہرے کز وے گرفتہ حساب
تا مشتری اورنگ زیب کرد فلک ۔۔۔ تخت زیں پایہ گشت عرش جناب
چوں بایں مژدہ آفتاب انداخت ۔۔۔ افسر خویش بر ہوا چو حباب
طبع در باب سال تاریخش ۔۔۔ زد رقم آفتاب عالمتاب
۱۰۲۸ھ

چوں در ۱۰۴۶ھ بتاریخ بست و سوم ماہ ذی الحجہ روز دوشنبہ عقد ازدواج اورنگ زیب با دختر شاہ نواز خاں ابن نواب آصف جاہ منعقد گردید طالب کلیم تاریخ ایں جشن بدیں سان نظم نمودہ ۔ ؎

جہاں کرد سامان بزم نشاطے ۔۔۔ کہ گلبانگ عیشش بگردوں رسیدہ
قراں کرد سعدین دولت بجوے ۔۔۔ کز انسان قران چشم انساں ندیدہ
ملک رتبہ اورنگ زیب آنکہ تختش ۔۔۔ سرافراز تا ہیچ جا دیدہ دیدہ
نہال برومند شاہے کہ دولت ۔۔۔ چو اقبال در سایہ اش آرمیدہ
فلک گفت تاریخ جشن زفافش ۔۔۔ دو گوہر بیک عقد دوراں کشیدہ
۱۰۴۶

و شاہنواز خاں مذکور اعظم امرائے شاہجہانی بود کہ بمنصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار و سہ ہزار دو اسپہ سرفرازی داشت و از طرف دارا شکوہ در جنگ عالمگیر معرکۂ مصاف آراستہ بشہادت رسید

جلوس ۔ در ابتدائے ماہ رمضان ۱۰۶۸ھ اورنگ زیب در حالت بیماری پدر با برادر بزرگ خود محمد دارا شکوہ محاربہ متواتر نمودہ او را منہزم ساخت و پدر خود شاہجہاں را محبوس کردہ عنانِ سلطنت و فرماں روائی بدست خود آورد و پس از دو ماہ بتاریخ غرہ ذی قعدہ روز جمعہ سال مذکور موافق ۲۳ جولائی ۱۶۵۸ء در عمارت دلپذیر باغ فیض بنیاد اعزآباد معروف شالامار بمکان سمجھلی بھون در عمر چہل سالگی بسریر سلطنت جلوس فرمودند و بار دوم در ساعت نیک اختیار کردہ لوازم جشن خسروانہ ترتیب دادہ روز یکشنبہ ۲۰ رمضان ۱۰۶۹ھ براورنگ شاہی نشست آغاز تاریخ نہم رمضان سال گزشتہ کہ بروز دارا شکوہ

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

شادی ضرور تھا۔ جہاں آرا اُس کی چاہنے والی بیٹی باپ کے دم کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھی۔

فتح یافتہ بود تاریخ جلوس طرز مقرر داشتند۔ پادشاہ از زبان گوہر فشان بر تاریخ میلاد "آفتاب عالم تاب" حرف فسل بان گلی خان کریم باشد افزود فرمودند "آفتاب عالمتاب" میر جعفر ساقی این تاریخ یافتہ ۱۰۶۸
شہنشاہ فلک اورنگ و دیگر کلمات تاریخ حسب ذیل اند۔ سرو سر شاہی۔ زیب اورنگ جہاں ۱۰۶۹
شہنشاہ۔ پادشاہ ملک ہفت اقلیم۔ عبدالشہید صاحب زیب السیر در آیت یافتہ اطیعوا
اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ ملا عزیز اللہ خلف ملا محمد تقی مجلسی اصفہانی تاریخ درین
آیت یافتہ۔ ان الملک للہ یوتیہ من یشاء۔ تاریخ۔

چون ز فیض مقدم او زیب اورنگ شد | شاہ عالم زیب اورنگ تاریخ جلوس شاہ شد
ملا شاہ این تاریخ در نظم کشیدہ ۔

صبح دل من چو گل خورشید شگفت | چون طالع شد غبار باطل را رفت
تاریخ جلوس شاہ اورنگ مرا | ظل الحق گفت خرد ای راہ حق گفت

شخصے در تاریخ جلوس کتابے تصنیف نمودہ در نظم و نثر کہ از ہر فقرہ و ہر مصرعہ تاریخ جلوس استخراج
می یابد فقرہ چند از آن نوشتہ می شود:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الوکیل القدیم۔ از جمیع فقرہ سال جلوس
بحر احسان پدید آید۔ الحمد للہ لرب الکریم مشہود۔ ذو الجود و معدود و بادی انام برگزیدہ معبود۔ و بر آل
آن زبدہ اہل شرف عزیز الوجود۔ بر اصحاب آن ماہ کونین مہر سپہر جود۔ اما بعد این قصیدہ در مناقب
نجیب کون و مکان۔ رسول اہل جہان سرور زمین و زمان وغیرہ وغیرہ۔ غزل

... اساس عالم مہر آفتاب برج زمان | ملک پناہ و رسالت تاج و انبیا سلطان ۱۰۶۸
شفیع کون و مکان احمد رسول اللہ | پناہ نامداران شفیع زمین و زمان ہ
... دین ہدایت امیر ملک و ملل | بزرگ کل رسل رہنمائے کون و مکان ہ
خلاصۂ دو جہان ماہ ساطع لولاک | شہ جہان و فلک قدر و صاحب احسان ہ
... علم و سخا و مہ جمال و کمال | پناہ تاجوران کا سمان ندیدہ چنان ہ
سحاب جود شہنشاہ مالک توسین | امین ہر دو جہان داور قصد فرمان ہ
پناہ اہل بہشت بہار عشق | گل مراد مل آبروئے گلشن جان ہ
... دین و جہان تاج صاحب معراج | سپہر جود و علا ... شفیع عاصیان ہ
... آبروئے موجودات | جمال جود و حیا مصطفیٰ رفیع الشان ہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

کہتے ہیں کہ شاہ جہاں نے ایک مرتبہ دلّی جاکر محلات دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اورنگ زیب نے بھی تعذر نہ کیا مگر شرط یہ لگادی کہ براہ خشکی نہ جائیں ہاں کشتی پر چلے جائیں۔ شاہ جہاں سے کہا کہ یہ شرط بڑی ہے میں جاتا ہی نہیں۔ اورنگ زیب کو خطرہ تھا کہ اگر منزل بہ منزل براہ خشکی گئے تو بہت ممکن ہے کہ بادشاہ کو دیکھ کر کوئی جوش اُٹھ کھڑا ہو اور کوئی تازہ فتنہ و فساد برپا نہ ہو جائے

ممتاز محل شاہ جہاں کی شادی ایک ایرانی خاتون **ممتاز محل** سے ہوئی تھی جو مشہور زمانہ **نور جہاں** کی بھتیجی تھی۔ ممتاز محل جیسا شریف

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۰م) کعبۂ دارین سلطان انبیاے کائنات۔ قبلۂ دین رہبر موجودات شفیع سُبل محمد مجتبیٰ۔ رحمت عالم کعبۂ اصفیا۔ سرور دو سراے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سلہ (نوٹ صفحہ ہذا) بنت نواب آصف خاں است کہ برادر نورجہاں بود اصل نام او ارجمند بانو بیگم ملقب بہ ممتاز محل و ممتاز زماں عرف تاج بی بی است۔ ولادتش در سنہ ۱۰۰۱ھ واقع شدہ و در سنہ ۱۰۲۱ھ از ازدواج شاہجہاں بادشاہ در آمدہ و نوزدہ سال و چند ماہ در مشکوے خسروی ماندہ و چند پسران و دختران از و متولد شدہ و چندے از ان فوت شدند ہنگام وفات بیگم چہار پسران و چہار دختران بودند از پسران یکے محمد دارا شکوہ کہ بادشاہ اور اولی عہد ساختہ بودند در خدمت خود می داشتند۔ دوم سلطان محمد شجاع کہ صوبہ دار بنگالہ بود و از نیک تدبیر و ہمت و مروت تمامی ملک را سرسبز و آباد داشتہ کار تجارت کمپنی انگریز در زمان او بخوبی سرانجام یافتہ۔ سوم اورنگ زیب عالمگیر کہ صوبہ داری دیار دکن بر حوالہ بود۔ چہارم سلطان مراد بخش کہ صوبۂ گجرات و ٹھٹھہ و بھکر وغیرہ بدو تفویض بود و از دختران یکے انجمن آرا۔ دوم گیتی آرا۔ سوم جہاں آرا۔ چہارم دہر آرا کہ پیش از تولد در شکم مادر نالیدہ بود در روز یکہ نزد شاہجہان در بیگم صاحبہ فات کیفیت وقصہ ش بدین عنوان است کہ روزیکہ دہر آرا بیگم در شکم مادر نالید آواز نالہ او بہ تمام دمان و دختران زعاضر بودند شنیدند و خوف شدہ و در ورطہ حیرت مستغرق شدند و بر خط در ذرہ برق آمدہ باز کم شد و عقل اندرون شکم نالید ہر چند کہ دایہ گان محل و دانایان دوالقف ن بمعالجہ کوشیدند سود سے نداشت بیگم صاحبہ از حیات خود مایوس شدہ بادشاہ را نزد خود طلبید دگری وزاری خود فرمود کہ ظاہر ست کہ چوں فرزند در شکم بنالد مادرش زندہ نماند اکنون کہ نصیب ما شدہ عنقریب سفر عدم می شوم لیکن مرا دو وصیت است اول این کہ حق تعالیٰ شمارا چہار پسران و چند دختران عطا فرمودہ است [illegible] کافیست چنان مکنی کہ نسل دیگر از کسے پیدا شود و باہم جنگ و جدل نمایند۔ دوم آنکہ [illegible] نایاب و کمال لطیف و مرغوب باشد۔ بادشاہ ہر دو وصیت را

[illegible]

بیویوں کا قاعدہ ہے اپنے شوہر کو بہت چاہتی تھی۔ چودہ برس کے سہاگ کے بعد جب اُس کی وفات کا وقت آیا تو شاہ جہاں سے کہا کہ میرے بعد اور شادی نہ کرنا کہ چار فرزند تمہارے

بجان ول نمود و بعد ازاں دہر آ۔ ابتر نبود شد و بیگم صاحبہ پس ساختہ
در گذشت و این واقعہ بتاریخ … ذی حجہ سنہ … در برہان پور … شد و در باغ زین آباد
برہان پور برسم امانت مدفون گردیدہ و ازاں پس در اکبر آباد آوردہ باشد … ماہ بعد … و از و چیک
کہ زمین … امانت … گذاشتہ … قبہ … آستانہ … جو … ازاں پس …
بادشاہ شد نخستین بموجب آں نقشہ چو بین طیار کردند … نقشہ … بر … بدید
جمن واقع ست و حالا بہ تاج محل اشتہار دارد … وصیت آں … بیگم بانو … سند …
بیش قیمت در عرصہ ہفت سال تصرف پنجاہ لک روپیہ تعمیر ساخت شاہ جہاں بادشاہ نیز بعد وفات
بجوار ایں روضہ … از عجائبات روزگار است … بیگم … مدفون گردید۔ بعد فوت بیگم صاحبہ
شاہ جہاں لفظ "غم" در تاریخش یافتہ و بیدل خاں در تاریخ … ابیات نشا فرمود: ــ

ریں جہاں رفت چو ممتاز محل | و جنت برش خورست
بہر تاریخ ملایک گفتند | جائے ممتاز محل جنت باد

در اندرونی و بیرونی دروازہ ہائے ایں روضۂ عالی آیات قرآنی بخط طغرا منقوش است
در باب … روضہ طغرا نویس نام خود و سال اختتام … ساخت … تعمیر
امانت خاں شیرازی سنہ ۱۰۴۸ ہجری مطابق دوازدہم سنہ جلوس مبارک ۔ بر مرقد بیگم صاحبہ
… از سنگ مرمر است … مرقوم است و پائیں تعویذ طرف جنوب ایں چند کلمہ منقوش است:
مرقد منورہ ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل توفیت فی سنہ ۱۰۴۰ و شاہجہاں نیز در صفت
ایں مکان بہشت نشان ابیات ذیل انشا نمودہ ۔ مصداق کلام الملوک ملوک الکلام در ذیل درج
کردہ شد: ــ

زہے مرقد پاک بلقیس عہد | کہ از زیب آفاق را شستہ مہد
منور مقامے چو باغ بہشت | معطر چو فردوس عنبر سرشت
بصحنش ز خال معنبر بخور | بجاروب مژگاں رفتہ حور
ز ہر نگار ست دیوار و در | ہوا تازہ و تر چو آب گہر
عمارت گر ایں مقدس جناب | سر چشمۂ فیض آورد و آب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ …)

موجود ہیں دوسرے کے بطن سے اگر اولاد ہو جائے گی تو وہ دعوے دار سلطنت ہوگی اور دوسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ میرا مقبرہ ایسا نادر اور عمدہ بنوانا کہ خلقت اس کے دیکھنے کو دور دور سے آئے۔ مجھ کو اور تم کو دعائے خیر سے یاد کرے۔ بادشاہ اپنی بیوی کی آخری تقریر سن کر بے اختیار رونے لگے اور اشک رشتۂ آہ میں پرونے لگے اور زبان سے بے اختیار یہ شعر پڑھنے لگے۔ ؎

عاقبت چشم ترم از گریہ خواہد شد سفید — خانہ ویراں می شود چوں طفل باشد خانہ دار

غرض یہ کہ بادشاہ نے دونوں باتوں کا اقرار کیا اور اپنے وعدوں کو جیسا کہ حق تھا[1] پورا کیا۔ اس نے پھر اور شادی نہ کی اور ممتاز محل کے مزار پُر انوار پر تاج گنج جیسی بے مثل عمارت بنائی جو آگرے میں جمنا کے کنارے واقع ہے اور اس حسن و خوبی سے بنوائی کہ باوجود

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۹)

بریں بقعہ پاک دار المقام — ز تسنیم کناں ابر رحمت مدام
اگر مجرم آرد بریں در پناہ — شود او چو مغفور پاک از گناہ
اگر عاصی آرد بریں روضہ روئے — کند نامۂ خویش را شست و شوئے
ز رقّت بہ نظارۂ ایں مزار — شود چشم خورشید و مہ اشک بار
نمود ایں عمارت بنا روزگار — کہ ظاہر شود قدرت کردگار

[1] نوٹ صفحہ ہذا۔ مسٹر سمتھ صاحب یہاں بھی نہ چوکے وہ لکھتے ہیں کہ "شاہجہاں کے کل سولہ بچے تھے جن میں سے چودہ ممتاز محل کے بطن سے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہی (بے شک) بادشاہ کی بڑی چہیتی بیوی رہی لیکن اس کی وفات کے بعد شاہجہاں نامناسب عیش و آرام میں ملوّث ہو گیا ع بپیرے کہ دم زد عشق زند بس غنیمت است) اور امور عظام سلطنت کی انجام دہی کی قابلیت اس سے بالکل سلب ہو گئی" اس مضمون کا عنوان آپ نے Sensuality of Shahjahan یعنی شاہجہاں کی عیاشی قائم کیا ہے چہ بہتر ہے کی عمر اور عیاشی کا اہتمام! بوڑھے منہ مہاسے لوگ چلے تماشے یا بڑھی گھوڑی لال لگام۔ کوئی بات بھی سن و سال سے اچھی لگتی ہے۔ اس سن و سال میں کیا عیاشی کرتا ہوگا۔ اگر عیاشی سے یہ مراد ہے کہ وہ ممتاز محل پر لٹو تھا تو یہ کون سی بڑی بات تھی۔ صاحبان انگریز اپنی بیویوں کے کیسے پاؤں مرید ہوتے ہیں۔ ؎

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف — دل لگانے کا اور ہی ڈھب ہے

مبارک اور قابل فخر ہے وہ قوم جو اپنی عورتوں کی عزت کرتی ہے۔ ۱۲

آثار زمانہ گزرنے کے آج بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل ہی بن کر تیار ہوئی ہے۔

شاہجہاں کے دربار کی بہار

شاہ جہاں کے دربار کی شان و شوکت کی کوئی حد



شاہ جہاں بادشاہ

و انتہا نہ تھی۔ اس زمانے کے ایک مورخ کامل خاں نے دربار شان و شوکت، عظمت دبدبہ و سطوت، حشم خدم، حوالی موالی، کیمپوں اور محلات شاہی کا ایک نہایت دل آویز سین دکھایا ہے۔ شان و شوکت، رعب داب میں وہ اپنے پیشرو شاہان سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ فن تعمیر میں جو اُس کے ذاتی سلیم و صحیح سلیقہ اور ملکہ کا بدیہی ثبوت مشہور روزگار اُس کی پیاری بیوی کا مقبرہ تاج گنج قلعہ آگرہ کی موتی مسجد

سلہ این مسجد کہ اندرون قلعۂ اکبرآباد است سراسر از سنگ مرمر است بحکم شاہجہاں بادشاہ تعمیر یافتہ
در ۱۰۶۳ھ باختتام رسیدہ۔ این کتابہ اندرون مسجد مرقوم است: کہ این کعبۂ نورانی و بیت المعمور ثانی
کہ صبح در صفائی آں شامیست تیرہ و خورشید از فروضیاے آں خشتیست خیرہ۔ کرسی پایہ اش
باساق عرش ہمدوش۔ گنبد فیض بارش با رواق فردوس ہم آغوش بنیان عالی شان تبیان لمسجد
اُسس علی التقوی۔ و ذرۂ سپہر افترانش ترجمان فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ۔ ہر گلدستہ اش دستہ
نوری بانوار کوکب بستہ۔ یا فوارۂ فیضی از چشمۂ آفتاب جستہ۔ ہر کلس زرینش شمع فروغ بخش قنادیل
آسمانی۔ ہر محراب نور آگینش ہلال نوید رسان عید جاودانی۔ ہر اطرافش قلعۂ لعل فام مستقر الخلافت
اکبرآباد کہ بازترین حصار سبع مشداد برستہ است گوئی ہالہ ایست و در بدر منور لہ بعنان سحی
رحمت برہانیست مبین۔ یا دایرہ ایست گرد مہرانور کہ بر ترشیح امطار کرامت نشانیست متین۔
ہمانا بہشتی قصریست والا از یک لو لوے لالا کہ از سر آغاز معمورہ دنیا مسجدے سراسر از سنگ مرمر

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور سنگ مرمر کے سر بفلک محلات اور دہلی شاہ جہان آباد کے قلعے کی بچی کھچی عمارتیں یہ سب اس بادشاہ کی مستقل اور بہترین یادگاریں ہیں۔ علاوہ ان شاندار اور پرشکوہ عمارتوں کے اور بہت سے کار خیر نفع رسانی خلائق کے اس بادشاہ نے چھوڑے ہیں مثلاً ویسٹرن جمنا کینال۔ مشہور تخت طاؤسی[1] جس میں بقول بعض سات کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ ان تمام عمارتوں اور آرائشوں میں خزانے کے خزانے خالی ہو گئے اور خدا جانے کیسی برکت اور کیسا تمول او. کیا حسن نیت تھی کہ پھر خزانہ بھرپور کا بھرپور سونے اور چاندی کے زیورات کے سوا بادشاہ کی وفات کے وقت چوبیس کروڑ کی گراں قدر رقم خزانۂ عامرہ میں نقد موجود تھی۔ خزانۂ شاہی کی ایسی وافر موجودات کھلا ثبوت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۴) مصفا عدیل آن برروے کار نیامدہ واز بدو ظہور عالم عہد سے سراپا منور و مجلا نظر نظیر آں جلوۂ ظہور رنداده بفرمان خاقان سلیمان احتشام وسلطان خلیل احترام چہرہ افروز مسلمانی بانی مبانی جہانبانی شہنشاہ عرش بارگاہ ظل اللہ خلائق پناہ موسس ارکان خلافت۔ مرصص بنیان عدل و رافت۔ کہ بیمن قدمش زمین را بر آسمان ہزاران ناز واز وفور نعمتش آسمان را بازمین ہزاراں نیاز تخت و دولت را از عشق خدمتش دوام بیداری۔ ملک وملت را باجمال طلعتش کمال ہمواری باد بہشت از خاک درگاہ فلک جاہش دریوزہ گری۔ آتش دوزخ از آب شمشیر دشمن کاہش خلیفہ خودی

بنائے مملکت زد استواری — اساس عدل راند و پایداری
مدام از چشمۂ تیغ ظفر خیز — کند پیمانۂ کف را لبریز
جنابش را فلک خدمتگزاری — جبینش را سحر آئینہ داری

قطب آسمان دین پروری بحر شریعت نوازی مرگو دوران عدل گستری مملکت طرازی ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بنایافتہ در عرض ہفت سال بصرف ... لک روپیہ و اخر سال بست وششم جلوس اقبال مانوس مطابق سنہ ہزار شصت و سہ ہجری پیرایۂ انجام در سر و تاج احتشام بر سر گرفتہ از ویہال بمیامن نیت حق طویت ایں بادشاہ دین پناہ گنہگار را توفیق ادائے طاعات و اقتنائے حسنات روز افزوں کناد و امجد لالت و ہدایت ... ۲ ... ۰ آنرا روزگار فرخندہ آثار ایں حق گزین حقیقت آگاہ عاید گردانا، آمین یارب العالمین۔

[1] (نوٹ صفحہ ہذا) تخت طاؤسی کا مفصل حال حصۂ دوم کتاب ہذا میں ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲

رعایا برایا کی فارغ البالی کا یہ مقصود صاحب کہ یہ معلوم ہو کہ خزانہ رعایا پر سختی یا ظلم و جبر سے نہیں پُر کیا گیا بلکہ اس کے برعکس شاہ جہاں اپنی رعایا پر بڑا مہربان اور شفیق تھا۔ اس کا سلوک رعایا سے بڑی نرمی کا تھا وہ ایک فیض بخش و فیض رساں بادشاہ تھا اُس نے تیس برس سلطنت کی۔ یہ اُس کی بڑی خوش نصیبی اور خوش قسمتی سمجھنی چاہیئے کہ اس عرصہ مدت میں کوئی ارضی یا سماوی مصیبت پیش نہیں آئی۔ شاہ جہاں کی سلطنت میں اگر کوئی قابل افسوس بات ہے تو صرف یہ ہے کہ ساری عمر چین میں گزری مگر آخری دن قید میں گزرے گو وہ قید قیدِ فرنگ نہ ہو مگر ایک بادشاہ کے لئے معمولی سی معمولی سلبِ آزادی بھی بہت بڑی بات ہے۔

شاہ جہاں کا تموّل

شاہ جہاں نے جو بے شمار دولت اکٹھی کی وہ بدرجہا اُس وافر خزانے سے جو اکبر چھوڑ گیا تھا بہت زیادہ تھی درحقیقت اُس کی مقدار غیر معمولی تھی۔

(خیر اس کا کم سے کم کریڈٹ جو شاہ جہاں کو انصافاً دیا جانا چاہیئے وہ یہ ہے کہ وہ فضول خرچ مسرف اور نکھٹو نہ تھا) ایک جرمن سیاح مین ڈیلسلو (Mandalslo) نے ۱۶۳۸ء میں لکھا ہے کہ اس کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ "مغلیہ خزانہ بشمول جواہرات و طلا تین ہزار ملین[1] روپئے سے زیادہ ہی زیادہ تھا۔ الغرض خزانے کی صحیح تعداد کچھ بھی رہی ہو نتیجہ یہ ہے کہ اس کی مجموعی تعداد بلا شک و شبہ حیرت انگیز تھی جس سے معلوم ہوا کہ شاہ جہاں کے پاس بے حد و بے شمار دولت تھی"۔ عمارتیں بنانے کا اُسے جبلی شوق تھا جس میں اُس نے اس دولت کو نہایت بلند حوصلگی اور فراغ دلی سے صرف کیا اور نہایت بیش قیمت عمارتیں بنوائیں۔ تاج گنج اور اُس کی ملحقہ عمارتوں میں چار کروڑ سے کچھ زیادہ ہی صرف ہوا اور دہلی کی عمارات کا خرچ بھی اسی طرح مسرفانہ[2] تھا۔ دربار کا ساز و سامان۔

---

[1] ملین دس لاکھ کا ہوتا ہے۔ [2] لِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ۔ یعنی ہر شخص کی پسند جدا جدا ہے۔ ح ج۔ سب کی ہے بو الگ الگ سب کا ہے رنگ جدا جدا۔ شاہ جہاں کو عمارتیں ہی بنانے کی دھن تھی جس کے سامنے دَھن دولت کچھ نہ تھی۔ اس کو اسراف یعنی فضول خرچی سے تعبیر کیا قدر ودانیٔ عالم بالا معلوم شد۔ مگر ایسی مبارک فضول خرچی تو بادشاہوں کی اولو العزمی کے شایاں ہے اب ہونی دکی بن ہی ہے جو وہ کیا ہے کیا اس پر کروڑوں روپیہ خرچ نہ ہو گا۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

آراستگی اور شان و شوکت دیدنہ شنید تھی۔ کروڑوں روپیہ مشہور تختِ[1] طاؤسی پر صرف ہوگیا اس تمام بے محابا تجمل و احتشام کا صرفہ غریب رعایا ہی کے سر منڈھا گیا جن کو سینکڑوں حکام اپنے مظالم سے پیسے[5] ڈالتے تھے۔ ایک ذی علم ہندو مورخ نے سلطنت مغلیہ کی نسبت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۳) کہنے والے کہیں گے کہ یہ صرفہ جائز ہی اور وہ فضول۔ مگر غور سے دیکھیں تو ایسا خرچ جس سے ایک ایسی عمارت بناکر کھڑی کردی جائے جو دنیا کے سات عجائبات میں کی ایک ہو یا ہیو تو فیون کے سانہ ساتویں یہ بھی ہی لیکن ایسے خرچ کو فضول کہنا محض فضول گوئی ہی ہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اگر شاہ جہاں نے اپنی دریادلی سے یہ عمارتیں نہ بنائی ہوتیں تو آج سیکڑوں برس کے بعد اس کو نام بھولے سے بھی کسی کی زبان پہ نہ آتا۔ اس سے بہتر و دامی یادگار کیا ہوسکتی ہی جس کی بدولت لاکھوں آدمی برسوں تک اپنے دھندے اور روزی سے لگ گئے۔ کلکتہ کی وکٹوریا موریل بھی ایسی قبیل کی عمارت ہی جس کی لارڈ کرزن جیسے بیدار مغز وائسرائے نے طرح ڈالی اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ — ۵

ہم جو کچھ ہوں تو کہدو میں سڑی — آپ چپ ہوں تو تغافل ٹھیرے
گو نہ لیں گو کہیں پیچھے بڑ لیں — کان کی بات مری غل ٹھیرے
تم جسے چاہو چہرہ بالو سر پر — ورنہ پیل دوش پہ کاکل ٹھیرے ۱۲۰

[1] نوٹ صفحہ ہذا۔ تختِ طاؤسی کا ذکر حصۂ دوم میں ہی۔ اس موقع پر صرف اتنا اور لکھنا ہی کہ رویٹر نے ۸ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ایک تار دیا کہ لندن ٹائمز کو قسطنطنیہ سے معلوم ہوا کہ وہاں یہ افواہ ہی کہ ٹرکش گورنمنٹ بہت سے نادر جواہر مع مشہور تختِ طاؤسی کے فروخت کرنا چاہتی ہی۔ اخباروں میں یہ بھی لکھا ہی کہ اس کی قیمت ساڑھے سات لاکھ پونڈ لگ گئی ہی۔ تختِ طاؤسی کے متعلق تار آیا ہی اس میں کچھ غلط مبحث ہوگیا ہی۔ اول تو اس تخت کے موجود ہونے ہی میں کلام ہی اور طہران میں بھی اس کی موجودگی میں شبہ ہی پھر قسطنطنیہ میں اس کا پہونچ جانا بھی ایک عقدۂ مالاینحل ہی۔ یہ تخت دہلی کے قلعہ کے دیوانِ عام کے ایک کونے میں پچھیت کی دیوار سے لا ہوا رکھا رہتا تھا۔ چونکہ اس پر دو مور جواہرات کے ایسے بنے ہوئے تھے کہ اصلی رنگ معلوم ہوتے تھے اس واسطے تختِ طاؤسی کہلاتا تھا۔ ٹیورنیئر فرانسیسی جوہری نے اس تخت کو ۱۶۶۵ء میں دیکھا ہی وہ اسے ایک پلنگ کی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کہتا ہو کہ (A system of organised brigandage) "وہ ایک سلسلہ تھا قزاقوں کے جتھے کا" اس فقرے میں سچائی کا عنصر پایا جاتا ہو۔ (ماخوذ از ہسٹری آف [illegible] صفحہ ۲۰۱)

آرکی ٹکچر

یہ بات متفق علیہ ہو کہ عہد مغلیہ میں سب سے بہتر عمارتیں شاہجہاں ہی کے وقت کی بنی ہوئی ہیں۔ مقبروں کا بنانا کچھ ہندوستان کی ایجاد نہیں ہو بلکہ ایرانی طرز کی تقلید ہو۔ فتحپور سیکری کی عمارتیں چونکہ ہندو کاریگروں کے ہاتھ سے بنی تھیں اُن میں وہ عمدگی اور نزاکت نہیں پائی جاتی جو آئندہ چل کر فلورنٹین (پچیکاری) طرز سے پیدا ہوگئی ہو یہ طرز اٹلی کے یورپین صناعوں سے شاہجہاں نے لیا ہو۔

اوائل زمانۂ مغلیہ کی عمارات

بابر اور ہمایوں دونوں کو فن تعمیر کا عمدہ مذاق تھا اور انھوں نے بھی عالی شان عمارتیں بنوائی تھیں لیکن امتداد زمانہ سے اب اُن میں کی کوئی بھی باقی نہیں رہی۔ اکبر کو بھی عمارتوں کا بڑا شوق تھا چنانچہ قدیم مغلیہ طرز کا ایک عظیم الشان مقبرہ اُس کے باپ ہمایوں

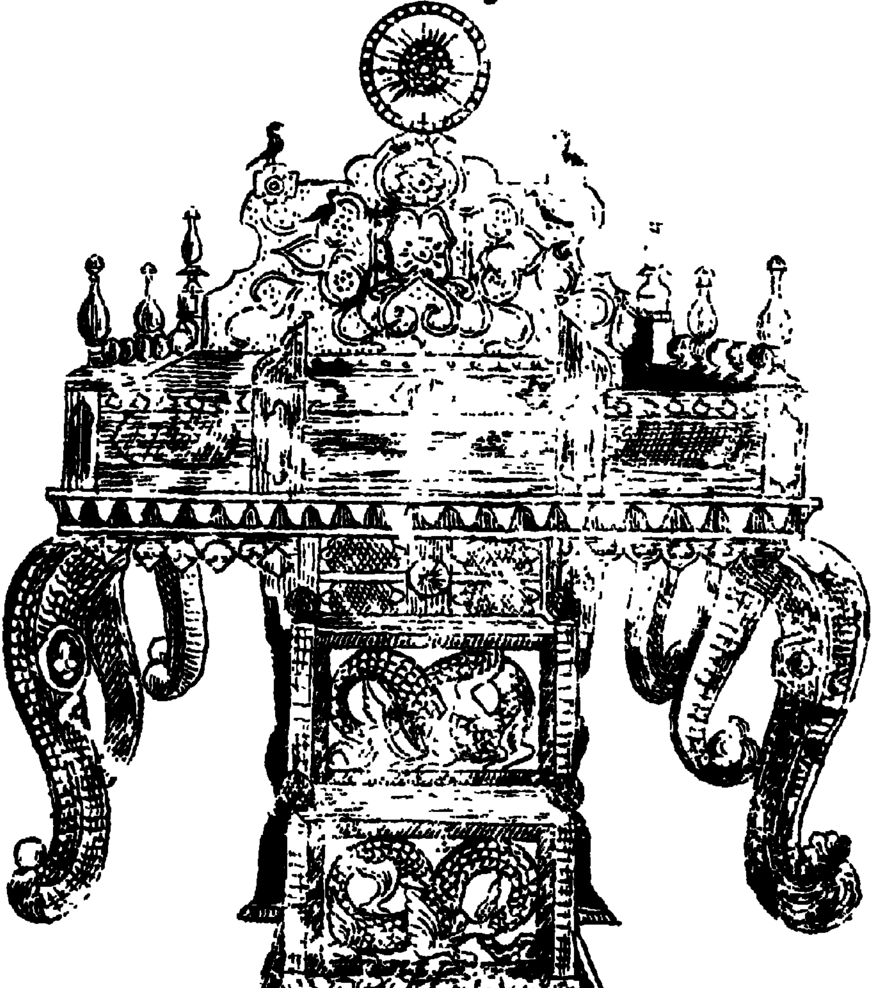
(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) شکل کا بنا ہوا ہی ۶×۴ فٹ۔ جس کے چار پائے ۲۰ سے ۲۵ انچ تک اونچے خالص سونے کے تھے جس پر بارہ ستونوں کا شامیانہ تنا رہتا تھا۔ کٹہرے پر مختلف قسم کے جواہرات اور موتی جڑے ہوئے تھے (۱۰۸) بڑے لعل تخت میں جڑے ہوئے تھے اور (۱۱۶) زمرد لیکن ان میں سے اکثر زمرد جرم دار تھے۔ شامیانے کے بارہ ستونوں پر بیش قیمت بڑے بڑے موتیوں کی قطاریں جڑی ہوئی تھیں اور ٹیورنیر اسی حصے کو بہت بیش قیمت خیال کرتا ہو۔ قیمت کا اندازہ ساٹھ لاکھ پونڈ تھا اس تخت کو نادر شاہ سنہ ۱۷۳۹ء میں لوٹ کر لے گیا اور افواہ یہ ہو کہ وہ شاہ فارس کے خزانے میں اب بھی موجود ہو لیکن لارڈ کرزن سابق وائسرائے ہند جنھوں نے ایک عرصے تک ملک فارس میں سیاحت کی ہو اور انھوں نے ایک کتاب پرشیا بھی لکھی ہو جس کا اردو ترجمہ خیابان فارس مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے نے کیا ہو۔ لاٹ صاحب نے شاہ فارس کے موجودہ تختوں کو ملاحظہ فرمایا ہو لکھتے ہیں کہ تخت طاؤسی میں کا اب کچھ بھی باقی نہیں رہا بجز اس کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دلی میں موجود ہے جو سنہ ۹ جلوس اکبری میں نواب حاجی بیگم صاحبہ ہمایوں کی بیگم نے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کہ حال کے تخت ایران میں اس کا کچھ حصہ لگا دیا گیا ہے۔ ایک خط میں جو لندن ٹائمز کو لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ان کو اندیشہ ہے کہ تخت طاؤسی کی کہانی بالکل ایک ڈھونگ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نادر شاہ کو ۱۷۴۷ء میں قتل کرنے کے بعد ہی تخت توڑ پھوڑ ڈالا گیا۔ اور اس کے باقی ماندہ ٹکڑے یوسف علی بادشاہ کے تخت میں لگا دیئے گئے جو طہران کے محل شاہی کے محراب میں دھرا ہے جس کی تصویر یہ ہے۔

تخت طاؤسی جیسا کہ اب ہے



فتح علی شاہ ایران کا تخت جو اب محل شاہی کے عجائب خانے میں تخت طاؤسی کے نام سے موسوم ہے جس کو نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں لوٹ کر لیگیا تھا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اپنے صرف سے بنوایا تھا جو سادگی ہمایوں کے مقبرے میں پائی جاتی ہے وہ

(بقیہ نوٹ صفحۂ گذشتہ) مقام موصوف میں مشورہ دیتے ہیں کہ اگر تخت بذریعہ اس کا کوئی حصہ بھی اصلی ہو تو سرکار اور رؤسا و باشندگان ہند کو دلی سے کہ ... لینے سے نہ ہٹنا چاہیئے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو قیمت بیان کی جاتی ہے اگر وہ اصلی قیمت سے کمتی ہوئی تسلیم کی جاسکے تو ممکن ہے کہ تخت جس کو وہ موجود بتاتے ہیں اصلی تخت کا ایک حصہ ہوگا (نہ کہ سالم) ماخوذ از ٹائمز آف انڈیا ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء اب اس خبر کی تردید خود شاہ ایران نے کر دی ہے اور وہ صرف یہ ہے کہ اس وقت یہ کوئی اصل تخت طاؤس بادشاہ ایران کو ایسی کیا ضرورت پڑی تھی جو اس تخت کو فروخت کرتا بہ ہر حال ... ایک شگوفہ چھوڑ دیا ہے۔ مفتاح التواریخ میں تخت طاؤس کا حال بہت خوبی سے لکھا ہے لہذا یہاں ہم بجنسہ نقل کر دیتے ہیں۔

"ایں تخت مرصع موسوم بہ تخت طاؤسی بود و سقف آں تخت از درون بیشتر مینا کار و بیرون بہ لعل و یاقوت و چتر آں مرصع مغرق ساختہ بر فراز ہر یک از ساطین دوازدہ گانہ برافراختہ و بالائے آں دو پیکر طاؤس مکلل بزواہر جواہر و در میان ہر دو طاؤس درختے مرصع بہ لعل و الماس و زمرد و مروارید تعبیہ نمودہ و برائے عروج سہ پایہ نردبان مرصع بجواہر آبدار ترتیب دادہ و ایں تخت بصرف زیادہ از یک کرور روپیہ ترتیب یافتہ و در عرصۂ ہفت سال صورت اتمام پذیرفتہ و از جواہر کہ در آں تخت نصب کردہ بودند لعلے بود در وسط آں بقیمت یک لک روپیہ کہ شاہ عباس صفوی مصحوب زنبیل بیگ برسم ارمغانی بجہانگیر بادشاہ فرستادہ بود و او در جلدوے فتح دکن بہ پسر خود شاہجہاں بخشیدہ و ایں لعل دوازدہ مثقال وزن داشت و از خزانۂ خاص مرزا الغ خان بیگ بود و مرزا مذکور بہ خط نسخ بر آں لعل ایں عبارت کندانیدہ بود "الغ بیگ ابن مرزا شاہرخ بہادر بن امیر تیمور گورگان" و چوں بمرور روزگار بسلسلۂ صفویہ منتقل گشت بفرمودۂ شاہ عباس بخط نستعلیق بر آں "شہنشاہ ولایت عباس" کندہ بودند۔ چوں بہ جہانگیر بادشاہ رسید نام خود را با سامی نام پدر بر آں نگاشتند و الحال باسم شاہجہاں بادشاہ مزین گشتہ بر آں تخت تعبیہ شد۔ شعرائے پایہ تخت اشعار بدر در تعریف ایں سریر بے نظیر پرداختہ و مورخان روزگار برخے از آں اشعار در تاریخ بانہا ایراد ساختہ و بامر صاحبقران ثانی ایں مثنوی حاجی محمد جان قدسی کہ ختمش بر تاریخ است ... سبز و سرخ ... 11
تحفت کتابہ نمودہ بودند۔

زہے فرخندہ تخت بادشاہی | کہ شد ساماں بتائید الٰہی

(بقیہ نوٹ صفحۂ گذشتہ)

شاہجہاں کے زمانۂ مابعد کے بنائے ہوئے تاج گنج میں بھی نہیں۔ فتح پور سیکری ۲

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

فلک روزے کہ می کردش تمل — زرِ خورشید را بگداخت اول
بحکم کار فرما صرف شد پاک — بمینا کاریش مینائے افلاک
جز این تخت از زر و گوہر چہ مقصود — وجود بحر و کاں را حکمت این بود
زیاقوتش کہ در قیمت بہا نیست — لبِ لعلِ بتاں را دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ — گہر افسر بسر خاتم ندیدہ
بحز جیبش عالم از زر شد چناں پاک — کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک
رساند گر فلک خود را بپایش — دہد خورشید و مہ را رونمایش
سر افرازی کہ سر بر پایہ اش سود — زگردوں پایۂ بر تخت افزود
خراج بحر و کاں پیرایۂ او — پناہ عرش و کرسی سایۂ او
زنور رنج جواہر گشتہ الوان — خراج عالمے ہر دانۂ آں
ز اطرافش بود گلہائے مینا — فروزاں چوں چراغ طور سینا
چو می کرد از فرازش کوتہی دست — نگین خویش جم بر پایہ اش بست
شب تارہ از فروغِ لعل و گوہر — تواند صد فلک را داد اختر
دہم شاہ جہاں را بوسہ بر پائے — از اں شد پایۂ قدرش فلک سا
کند شاہ جہاں بخش و جواں بخت — خراج عالمے را چرخ یک تخت
خداوندے کہ عرش و کرسی افراخت — تواند قدرتش تختے چنیں ساخت
اثر باقیست تا کون و مکاں را — بود بر تخت جا شاہِ جہاں را
بود تختے چنیں ہر روز جائیش — خراج ہفت کشور نیم پائیش
چو تاریخش زبان پرسید از دل — بگفت اورنگ شاہنشاہ عادل

وقتیکہ صاحبقران ثانی از سفر اول کشمیر معاودت نمود و در قرب مستقر الخلافت اکبرآباد ورود فرمود بساعت در رسدن شہر و جلوس بر تخت موصوف باختیار اختر شناسان روز جمعہ ۲ شوال سنہ ۱۰۴۴ھ مقرر شد و نا بمیدان سلطنت و نزدیکی شہر توقف نمودند... بعد از اں بادشاہ بتاریخ مقرر داخل شہر شدند بر آں تخت مرصع جلوس فرمودند و تا نوروز جشن عالی انعقاد یافت و چوں قرب بہار ایام یعنی دہ ماہ صیام سلیمان شکوہ پسر شاہزادہ محمد دارا شکوہ متولد شدہ بود ملک الشعراء ابو طالب کلیم

(بقیہ حاشیہ آیندہ)

میں عمارتوں کا ایک طول طویل سلسلہ ہے جس کی تعمیر ۱۹۲۹ء میں شروع کی گئی تھی۔

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) در تہنیت ... چنانچہ ... و صورت شروع قدوم خجستہ لزوم بادشاہ با الخلافت و جہانگیر ... قصیدہ ... سریر اعلیٰ معروض داشت۔ قصیدہ این است۔

خجستہ مقدم نوروز ... | نشستہ ... ہمائے عیش ... سر بال
بچشم مردم دار الخلافہ عید نو است | عبار موکب شاہ ... بہانہ جلال
شرف یافت ... | ... شتاب ...
بوصف تخت مرصع گہر فشاں ... | ... خضر ... ل
ہزار سیلاب یاقوت و صد بدخشاں لعل | ... حال
تواں ز آتش یاقوت ... چراغ افروخت | ... آتش ... زوال
فتادہ بر تو یاقوت و لعل ... الماس | چنانچہ عکس ... آفتاب ...
بہا نمازد دیگر ہر انچہ خواہی ہست | ز شان و شوکت و فر و شکوہ جاہ و جلال

قصیدہ درجۂ قبول یافتہ و کلیمہ بہ میزان عنایت خسروی سنجیدہ شد مبلغ پنج ہزار ... انصد روپیہ کہ ہم سنگ بر آمد با و انعام ست ... و شاعری دیگر ... در تمام آں سریر ... شد۔

سریر ہمایوں صاحبقرانی یافتہ۔ گویند کہ تخت ... قیمت ... زمانے جمشید کسے ندیدہ و نشنیدہ۔ بیت۔ ثانیش چشم ... ہر چند نظارہ کرد احول

وایں سریر خلافت در دودمان تیموریہ تا زمان محمد شاہ بادشاہ اند وقتیکہ نادر شاہ فتح ہندوستان نمود آں را ذمیمۂ غنائم ساختہ بایران برد۔ ۵۲ صفحہ ۴۸۴۔ ... کے پیشے ... جو کچھ تو ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ ہمیں گو ہمیں ... ان دنیا کی کایا پلٹ ہو گئی۔ ڈارک ڈیز (تاریک زمانہ) جاکر برینٹ ڈیز (روشن زمانہ) آ گیا۔ جہالت اور بد تمیزی ختم تہذیب اور سولیزیشن اور ریجس ... (تبدیل مذہب) سب کچھ نعمتیں زمانہ حال میں برس رہی ہیں لیکن رعایا پہلے سقیم الحال تھی اب ... واقعات اور بدیہیات سے انکار ہو نہیں سکتا۔ باوجودیکہ بدنظمی خوش نظمی سے بدل گئی۔ ظلم عدل و انصاف سے ایسا کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے۔ رستے جو ڈاکوؤں، قزاقوں، ٹھگوں اور لٹیروں سے بھرے پڑے تھے

جو عام طور پر پسند کی جاتی ہیں۔ آگرے کے پاس سکندرے میں اکبر کا مقبرہ جہانگیر نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۹)

اب اُن کا نام نشان بھی نہ رہا۔ سونا اُچھالتے چلے جاؤ کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ ذرائع آبپاشی کی وہ توفیر کہ آج جنگل میں منگل ہے۔ چھکڑے کی جگہ ریل کی ریل پیل ہے زمین کی طنابیں کھنچ گئیں مہینوں کے سفر دنوں میں پورے ہونے لگے۔ سفر صورت سقر سے وسیلۃ الظفر ہو گیا۔ ہرکاروں کی جگہ تار برقی نے لی منٹوں میں ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک خبر دوڑنے لگی۔ رعایا کو وہ آزادی ملی کہ جس کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ ہر شخص اپنے گھر میں مگن ہے۔ امیر شال و دوشالے میں فقیر اپنی گدڑی میں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کی رعایا پروری۔ امن و آسایش کا کیا کہنا اس زمانے کی برکات لاتحصیٰ ولاتعد ہیں۔ یہ سب کچھ ہے اور ضرور ہے ان کا اعتراف نہ کرنا کفران نعمت ہے مگر دنیا کا خمیر کچھ ایسا بگڑا ہے اور آوے کا آوا ہی اوندھا ہے کہ مرغی جوں جوں موٹی ہوتی جائے دُم سکڑتی جائے رعایا پہلے سے زیادہ سقیم الحال ہے اور اس امر بدیہی سے انکار بے کار۔ گرانی اشیاے مایحتاج ایسی سخت ہے سخت تر اُس کے آگے مات۔ اب بھی بڈھے ٹھڈے روپیے کا چار سیر گھی کھانے والے موجود ہیں میرے بچپنے میں بھی تین سیر کا گھی تھا اب گھی کی نوبت چھٹا نکوں پر آ گئی۔ تیل بھی اب گھی کی برابری کرنے لگا کہاں چار سیر کہاں تین پاؤ کا۔ روئی ابھی چند سال پیشتر چوسیری تھی اب چھ دھا چھٹانک۔ گوشت چھ پیسے سے آٹھ آنے سیر پر پہنچا۔ ؎ بہ تمناے گوشت مردن بہ۔ از تقاضاے زشت قصاباں۔ سنا کرتے تھے اب سچ ہو گیا۔ گوشت نہ کھائیں گے دال کنبے پال ہی سہی مگر وہ گوشت سے بھی بڑھ گئی۔ روپیہ کی دو سیر اور دال یہ دال نہ ہوئی وبال ہوئی۔ آٹا پیسے ڈالتا ہے پن سیرا ہو گیا۔ کپڑے کی جگہ ستے لٹے کپڑے کی قیمت چوگنی ہو گئی یا یوں کہو کہ روپیہ چار آنے کا رہ گیا۔ غریبوں کے پیٹ کو روٹی نہیں تن ڈھکنے کو کپڑا نہیں۔ بارش معمول پر جیسی ہوتی تھی اب بھی ہوتی ہے۔ زمین کچھ بدلی نہیں۔ پیداوار پہلے سے بھی وافر۔ پھر کیا بلا ہے جو جھیلے جھیل نہیں جاتی۔ غریبوں کی تو بری گت ہے سو ہے امیروں کا بھی بس ظاہر ہی ظاہر دیکھ لو بلا کتر بیونت کیے اُن کو بھی پگڑی سنبھالنا مشکل ہے۔ ؎ میر صاحب زمانہ نازک ہے۔ دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار۔ موجودہ سستی یہی حالت تو یہ ہے۔ اب رہے اس کے اسباب۔ یہ ایک بڑا مسئلہ پولیٹکل اکانمی کا ہے جس کے لیے ایک جداگانہ کتاب درکار ہے اور جو ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ہم تو اپنا دل یہ کہہ کر ٹھنڈا کر لیتے ہیں کہ زمانے کا لیل و نہار بدل گیا۔ گورنمنٹ عظمیٰ

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

بنوایا ہے وہ بھی اپنے طرز میں لاثانی ہے۔ جہانگیر کے عہد کی اور کئی عمارتیں لاہور میں موجود ہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹۰) کوشش کرتی ہے کہ ارزانی ہو مگر فری ٹریڈ کی پالیسی نے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں۔ دست اندازی سے متعذر ہو جانے کا سودا ہے۔ گھی اگر توروں پر آجاے تو بھی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا۔ حالت موجودہ میں زیادہ تر طمع۔ احتکار اور لالچ کا شمول ہے۔ پہلے تو ارزانی اشیا میں بے خود مختاری کب تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستان ہی میں بنیئے لگتی تھی۔ گھی کہاں گیا کھچڑی میں اور کھچڑی کہاں گئی یاروں کے پیٹ میں۔ اب اسپورٹ (برآمد) نے بھرکس نکال دیا۔ سہ

مردم بہ فاقہ میسر نان   حلوہ بجان دیگراں ست۔

ایک بارش نہیں دس بارشیں ہوں طوفان نوح بپا ہو جاے۔ پانی سے جل تھل بھر جائیں۔ پیداوار اُمنڈ جاے مگر ارزانی نہ ہوئی ہے نہ ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس گرانی کا سبب کمی پیداوار نہیں ہے بلکہ پیداوار کا نقل و حمل ہے۔ اسی وجہ سے گورنمنٹ نے مجبور ہو کر کنٹرولر آف فوڈ سٹفس ایک نیا عہدہ قائم کیا اور غلہ کی درآمد برآمد کی روک تھام کی ہے جب یہ نرخ ہیں ورنہ خدا جانے کیا ہوتا۔ ونسنٹ سمتھ صاحب شاہجہاں کے ذخیرہ خزانے کو ظلم و جبر کا نتیجہ بتاتے ہیں اور رام پرشاد کھوسلا اپنی تاریخ میں جس کی ترتیب مسٹر واٹسن پرنسپل کی ہدایت سے ہوئی ہے صفحہ ۵۰۱ میں لکھا ہے کہ

"This clearly speaks of the prosperity of the people, in as much as these treasures were not accumalated by oppression. On the contrary Shah Jahan was much loved by his subjects as a lenient and beneficent sovereign."

اس کا حاصل یہ ہے کہ شاہجہاں نے جو بے شمار خزانہ چھوڑا یہ رعایا کی فارغ البالی کا ثبوت بین ہے خصوصاً جبکہ یہ خزانہ ظلم سے جمع نہیں کیا گیا تھا۔ برخلاف اس کے شاہجہاں کو اس کی رعایا بہت عزیز رکھتی تھی کیوں کہ وہ ایک نرم اور دل فیض رساں بادشاہ تھا۔" اب اس کے ساتھ A system of organised brigan- (وہ ایک سلسلہ تھا قزاقوں کے جتھے کا) کو ملا ئیے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کیجیے کہ من لگتی بات کون سی ہے۔ ونسنٹ سمتھ صاحب کی باتیں جو عربی جائیں اور نہ آٹھائی جائیں اور پھر یہی کتاب داخل نصاب تعلیم ہے۔ اس سے طلبار کے دلوں پر جو نقش سلاطین مغلیہ کا جمتا ہوگا ظاہر۔ ۱۲

شاہ جہاں کا سب پر تفوق

اگرچہ کم و بیش سب سلاطین مغلیہ کو فن تعمیر کا عمدہ مذاق تھا مگر شاہ جہاں اس میں سب پر سبقت لے گیا۔ ساری مغلیہ عمارتوں کی جان یا سب کا سرتاج تاج گنج ہے جس کی تعمیر میں مسلسل بائیس برس تک ہزارہا آدمی لگے رہے۔ آگرے کے قلعے میں اس نے ایک نہایت عالی شان [illegible] مکمل ہوا [illegible] اسی کا بسایا ہوا ہے [illegible] قلعہ [illegible] جب وہ حالت اپنی اصلی [illegible] قلعہ اکبرآباد [illegible]

مگر شاہ جہاں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ناک [illegible] ساختہ

[illegible] شہنشاہ [illegible] جہان [illegible] صاحبقران

[illegible] زمین آسمان

[illegible] بزیرش فتادہ چو سایہ سپہر

تاریخ اندیشہ [illegible] باز از چار سو

چنیں گفت طبع حقائق شناس — سعادت سرا باد یوں اساس

۱۰۴۳

تاریخ قصر از طالب کلیم:

[illegible] دولت سرائے شاہ جہاں — طاق کسری جبیں [illegible] بر خاک

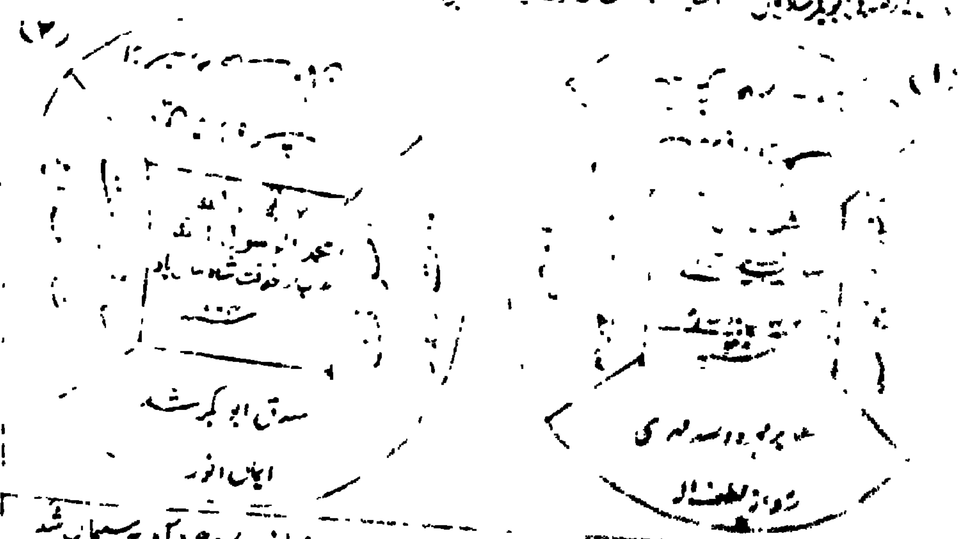
[illegible] قصر او بدعا — قدسیاں گفتہ اند از دل پاک

طاق ایوان بادشاہ جہاں — باد خراب انجم و افلاک

حالت پر قائم رہے تو نا با اعتبار مجموعی حیثیت سے اُن کا جواب دنیا کے پردے پر [illegible]
کہیں نہ تھا۔ چند سال سے پہلے لارڈ کرزن کی ریسرائلٹی کے زمانے میں انگریز [illegible]
[illegible] بہت سے عمارات کی مخلیہ عمارتوں کو بہت کچھ سنبھال کی گئی [illegible] ایک [illegible]
دوامی نگہداشت کا قاعدہ بنایا گیا [illegible] کے سبب سے ان قابل یادگار عمارتوں [illegible]
ہندوستان کو نخر [illegible] بہت کچھ انتظام ہو گیا [illegible] [illegible]
نقاشی کا کام جو اس عہد [illegible] نہایت عجیب اور اعلیٰ [illegible] کا [illegible]
[illegible] ور [illegible] کا سلسلہ بھی [illegible] شاہجہان [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] عجیب [illegible]
[illegible] سات برس [illegible]

سکہ

شاہجہان بادشاہ نے [illegible] ایک عجیب [illegible] شہر [illegible]
[illegible] پانچ [illegible] اشرفی [illegible]
[illegible] تھی اب بھی لندن کے [illegible] محفوظ [illegible] طرز حسب ذیل ملاحظہ ہو
[illegible]
[illegible]
[illegible] ابو بکر [illegible]



[illegible] بعد از سنہ [illegible] بہادر شاہ [illegible] چون سلطنت بہ دست [illegible] زندگی [illegible] آمدہ [illegible] شد
[illegible] لیاقت [illegible] ولادت [illegible] مستخرج می گردد۔

یہ سکے امیروں اور منصب داروں کے انعام کے لیئے مقرر تھا عوام میں رائج نہ تھا چنانچہ شاہجہاں نامے میں مرقوم ہے کہ "در سال سی و یکم جلوسی بتاریخ سوم جمادی الثانی ۱۰۶۷ھ کہ روز شرف آفتاب بود مبارز خاں بعنایت خلعت و اسپ بازین نقرہ و فیل مفتخر گشتہ بہ تنبیہ سشتر روانہ شد و ہمت خان بخلعت اضافہ پانصدی بہ منصب دو ہزاری و ہزار سوار و اسپ و علم و جاگیرداری وطن سری نگر و سلطان نظر برادر سیف خاں بمنصب ہزاری ششصد سوار و بعنایت خلعت و اسپ بازین مطلا و انعام پانزدہ ہزار روپیہ و یک مہر صد تولگی و یک روپیہ ہمیں وزن مفتخر و مباہی گردیدہ رخصت یافتند"

شاہجہاں کی وفات

شاہجہاں نے بحالت قید چوہتر برس کی عمر میں[1] یکم فروری ۱۶۶۶ء کو انتقال کیا اور تاج گنج میں اپنی پیاری بیوی کے پہلو میں دفن ہوا۔

شاہجہاں کا کیرکٹر اور ملکی انتظام

سن تو سہی ہے خلق میں تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

اکثر مورخین زمانِ حال عہد شاہجہانی کی شاندار سر بفلک عمارتوں کی خوبصورتی اور نزاکت کو دیکھ کر عالم تحیر میں پڑ گئے ہیں ٹیورنیر سیاح کے

[1] بشب دوشنبہ ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ بہ مقام اکبرآباد وفات یافت - ایام شاہزادگی (۳۶) سال و یازدہ ماہ قمری و ایام سلطنت تا آخر روز شعبان ۱۰۶۸ھ (۳۱) سال - ۴ - ۲ - ایام معزولی و محبوسی از غرہ رمضان سنہ الیہ تا روز وفات ۷ - ۴ - ۲۶ - چنانچہ مجموعہ عمر آں سریر آرائے سلطنت ۷۶ - ۴ - ۲۷ بودہ و بحساب سال شمسی (۷۴) سال و (۱۸) روز می شود - لقب او بعد وفات "اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی" قرار یافت و بر مرقد او کہ یک لخت از سنگ مرمر است ایں عبارت مرقوم است: "مرقد منور و مضجع مطہر بادشاہ رضوان دستگاہ خلد آرام گاہ اعلیٰ حضرت علیین مکانی فردوس آشیانی صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی طاب ثراہ و جعل الجنت مثواہ در شب بست و ششم شہر رجب سنہ ہزار و ہفتاد و شش ہجری از جہان فانی بنزہت گاہ جاودانی انتقال کردند" شعرائے نکتہ سنج در تاریخ او نظمہا گفتہ اند از آں جملہ یکے ایں ست ع زعالم سفر کردہ شاہ جہاں - ازاں یک عدد نیز

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اس فقرے سے لوگوں کو مغالطے میں ڈالا ہے کہ "شاہ جہاں اپنی رعایا سے ایسا غیر معمولی نرمی کا سلوک کرتا تھا کہ جیسے باپ" اس قول کی مزید تائید الفنسٹن صاحب کی تحریر سے ہو گئی۔ انھیں اقوال کے بھروسے پر شاہ جہاں کے ادعائی ذاتی کیریکٹر کی عمدگی اور اس کے نظم و نسق کی ذہنی انتظامی قابلیت کی تعریف استحقاق سے زیادہ کرکے بہ لگ جھک پڑے ہیں۔ اورنگ زیب پر بالعموم ملامت کی بوچھار اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ اس نے حصولِ تخت کے لیے اپنے بھائیوں کو قتل کر کے رستہ صاف کیا دراں حالیکہ شاہ جہاں کا طرز عمل بھی بجنسہ اسی طرح کا تھا لیکن وہ حرف گیری اور ملامت سے صاف بچ گیا۔ یہ اپنا اپنا بھاگ ہے کسی کے لیے گھی کے گھڑے اور کسی کے لیے پتھر پڑے۔ الفنسٹن نے شاہ جہاں کو یہ اور اتنا بخت بخشا ہے کہ "اس کا دامن ہر قسم کے داغ دھبے سے مبرا تھی" (لیکن بچارے مورخین اصلی واقعات کو ان سے بہتر جانتے ہیں۔ ٹیور نیر کی قلم سے) اگرچہ یہ کلمہ فقرہ نکلا ہے مگر (آگے چل کر) اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "شاہ جہاں نے بتدریج ان تمام لوگوں کو جو اس کے بھتیجے کی طرف داری میں مشغول تھے قتل کروا ڈالا اور اس کی سلطنت کا شروع زمانہ ایسے ایسے مظالم کے سبب سے مشہور ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی یادگار میں بڑا دھبہ لگ گیا ہے" ڈچ مصنف وان ڈن بروک Van den Broeck (ڈی لاٹ میں) نے سنہ ۱۶۲۹ء یا سنہ ۱۶۳۰ء میں لکھا ہے کہ "نئے بادشاہ کا طرز عمل ابھی بخوبی ظاہر نہیں ہوا لیکن

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹۴) می شود و اشرف خاں ایں بیت گفتہ۔

سالِ تاریخ فوت شاہ جہاں
رضی اللہ گفت اشرف خاں

دیگر۔ چوں شاہ جہاں خدیو قدسی ملکات
برداشت بعزم عقبیٰ تخت حیات

جستم ز عقل سالِ تاریخش را
گفتا خردم "شاہ جہاں کرد وفات"

دیگر۔ بہر تاریخ وصالش از خرد کردم سوال
گفت بیدل بر سر بر قرب یزداں جا گرفت

دیگر از کلام الطالبین۔ آنکہ فردوس آشیاں آمد
ثانیِ صاحب قراں آمد

شاہ گیتی پناہ شاہ جہاں
چوں ز دنیا شدہ بقصر جناں

او رجب ماہ بود بست و ششم
کز شاہی شدہ بچرخ نہم

سال تاریخ رحلتش رضواں
زد رقم "عرش خلد شاہ جہاں"

روضۂ او بہ اکبر آباد است
ہمچو فردوس عرش بنیاد است

یقین کیا جاتا ہو کہ جو سلطنت اتنی بہت سی سفاکیوں اور اتنے بہت سے بے گناہوں کے قتل کے بعد عطا کی گئی ہو کبھی پنپ نہیں سکتی۔ اورنگ زیب کا نہایت مطعون ذاتی کیرکٹر درحقیقت شاہجہاں کے بڑے پسندیدہ کیرکٹر سے اعلیٰ (وارفع) تھا جو دغاباز۔ سنگدل۔ عیاش اور حریص تھا۔ عدل وانصاف جس کے لیئے اس کا شہرہ ہو وہ کسی طرح اس کے باپ کی وحشیانہ خونی سے بہتر نہ تھا۔ پیٹر منڈی شاہجہاں کے اوائل زمانہ سلطنت (سنہ ۱۶۳۲ء) کا نقشہ یوں کھینچتا ہو کہ جب ہم پٹنہ میں تھے تو سفر خواہ وہ بحری ہو یا خشکی کا غیر محفوظ تھا کیونکہ یہ ملک کیا بلکہ سارا ہندوستان باغیوں اور چوروں سے بھرا ہوا تھا۔ صوبہ دار بدنظمی کا دفعیہ بالعموم قتل عام سے کیا کرتے تھے جن سے کوئی مواخذہ بادشاہ کی طرف سے نہیں کیا جاتا تھا۔ منڈی صاحب نے کانپور کے

---

۴ انگریزی کے الفاظ یہ ہیں، Who was treacherous, cruel, sensual and avaricious. (انگریزی مورخین کے منہ سے جیسے کچھ پھول جھڑتے ہیں بجنسہ ہم نے نقل کر دیا کہ نقل کفر کفر نباشد۔ ہم پر کچھ الزام نہیں۔ ۵ کانپور ایک ضلع ہو جس کا رقبہ (۲۳۰۱) مربع میل ہو۔ یہاں چار ریلیں ملی ہیں۔ ای آئی آر۔ اودھ روہیلکھنڈ۔ بمبئی بڑودہ اور جی آئی پی۔ یہ ایک بہت بڑا اسول اور ملیٹری سٹیشن ہو۔ گنگا کے جنوبی کنارے پر آباد ہو۔ کانپور ایک بڑا بھاری مرکز تجارت کا ہو جہاں بہت سے کارخانے ہیں جن میں سے مشہور۔ وولن ملز۔ میور ملز۔ ایلجن ملز۔ کانپور کاٹن ملز۔ کوپر ایلنز بوٹ اینڈ لدر مینوفیکٹری۔ گورنمنٹ ہارنس فیکٹری۔ نارتھ ویسٹ ٹینری۔ کانپور شوگر ورکس۔ اور کئی فلور ورجننگ ملز۔ اس کے علاوہ متعدد ہندوستانی بڑے بڑے کارخانے چرمی سامان کے ہیں۔ اپر انڈیا چیمبر آف کامرس کا مستقر یہی ہو اور غلہ اور روئی کی بڑی بھاری منڈی ہو۔ کئی اچھی ہوٹلیں ہیں۔ کئی ملوں کو ریل کی شاخ بھی جاتی ہو۔ کلکٹر گنج میں ای۔ آئی۔ آر کا مال گودام ہو۔ کانپور میں بڑا تاریخی مقام میموریل ویل یعنی وہ یادگاری کنواں ہو جس میں مقتولین غدر کی نعشیں ڈالی گئی تھیں۔ اس کنوئیں کے گرد ایک نفیس احاطہ ہو جس کے بیچ میں ایک فرشتے کا مجسمہ کھڑا ہو جس کے زیر محراب یہ کتبہ ہو۔ These are they that came out of great tribulation. (یہ لوگ ہیں جو بڑی مصیبت سے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قلعہ میں ایک مقام پر دیکھا کہ دو سو سے زیادہ پختہ مینار تین یا چار گز اونچے بنے ہوئے تھے جن میں سے ہر ایک میں تیس سے کر چالیس تک آدمیوں کی کھوپڑیاں لگی ہوئی تھیں جب چند مہینے کے بعد اس کا گزر اسی مقام پر پھر ہوا تو دیکھا تو ساٹھ مینار رہے ہوئے بن گئے تھے ان میناروں میں اگر کم سے کم تعداد تیس سروں کی بھی رکھی جائے تو [illegible] ہوتے ہیں۔ اس طرح [illegible] مقام کے صوبہ دار نے تھوڑے سے دنوں میں آٹھ ہزار آدمیوں سے [illegible] قتل کرا یا تھا [illegible] ہے یہ بات کچھ تعجب [illegible] بڑے بڑے شہروں [illegible] اس قسم کے منارے کثرت سے پائے جاتے ہیں [illegible] کی طرح [illegible] مورخین کی شہادت بھی شاہجہاں کی گورمنٹ کی بدنظمی کے متعلق پیش [illegible] جا سکتی [illegible] اول زمانہ سلطنت میں تھی ۱۰۵۵-۱۰۵۶ھ [illegible] ابتہ سعد اللہ خاں [illegible] اس بدنظمی کی ایک تدبیر صلاح کی جس سے بیٹے سعد اللہ خاں بہ نسبت اس کے عاقبت اندیش بادشاہ

بقیہ نوٹ صفحہ (۴۹۶) نکلے۔ اور کنوئیں کی گرد کی منڈیر پر:

Sacred to the perpetual memory of a great company of Christian people, chiefly women and children, who near this spot were cruelly murdered by the followers of the rebel Nana Dhund Panth of Bithur, and cast, the dying with the dead, into the well below, on the XV day of July, MDCCCLVII.

ترجمہ "مقدس [illegible] یادگار ایک بڑی تعداد عیسائی لوگوں کی جو زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے ان کو اس جگہ کے قریب بٹھور کے نانا ڈھونڈو پنتھ باغی اور اس کے ہمراہیوں نے بے رحمی سے قتل کیا اور مردوں کے ساتھ مرتے ہوؤں کو بھی اس کنوئیں میں ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو ڈال دیا" گورنمنٹ نے یہاں ایک بہت بڑا [illegible] باغ بنوا دیا ہے جس کے بیچ میں [illegible] میموریل گرجا۔ اور وہ گھاٹ جہاں لوگ قتل کیے گئے [illegible] ستی چورا گھاٹ کہلاتا ہے تاریخی مقام ہے۔ ایک نہر کانپور سے پنجاب تک پہنچی گئی ہے [illegible] وقت کی قدر نہیں جانتے وہ مال تجارت ادھر سے بھی کثرت سے لاتے ہیں شہر پانی کے [illegible] جاری ہیں [illegible] کی آبادی [illegible]

کے زیادہ قابل ستائش ہے۔ مرشد قلی خاں نے ٹوڈرمل کے مجوزہ قانون مالگزاری کو صوبہ ملک دکن میں کچھ مقامی تبدیلیوں کے بعد شائع کرنے میں ایک بڑا کام کیا (ماخوذ از تاریخ ونسنٹ سمتھ صفحات ۲۰۰ و ۲۰۱)۔

اورنگ زیب
سنہ ۱۶۵۹-۱۷۰۷ء

مئی سنہ ۱۶۵۹ء میں جب کہ اورنگ زیب نے زمام سلطنت اپنے دست قدرت میں لی اور اپنا لقب عالم گیر رکھا جو اُس کے باپ کا دیا ہوا تھا تب وہ بالکل نوجوان چالیس سال کے سن و سال کا جسمانی اور دماغی ہر دو قویٰ کا مکمل نمونہ تھا۔ معاملات سلطنت ملکی و فوجی میں ماہر و پختہ کار اہل سیف و قلم تھا۔ اس کا سب سے مقدم فریضہ یہ تھا کہ کبھی گمر مذہب ہاتھ سے نہ جانے۔ اس کی سلطنت کا طول طویل زمانہ جو اکبر کی طرح پچاس برس سے صرف ایک برس کم تھا اُس کا لب لباب یہ ہے کہ ایک وسیع سلطنت پر جس میں اہل ہنود کی آبادی کا جزو غالب تھا ایک مقدس مسلمان بزرگ کا بادشاہ ہونا زاہدانہ خیالات سے اور اُس کا مذہبی انہاک کے ساتھ سلطنت چلانے کی کوشش کرنا۔ یہی ناکامیابی کا بڑا سبب تھا۔



اورنگ زیب کی جوانی

اورنگ زیب کے اصول حکومت

اورنگ زیب نے اپنے منطقی دماغ سے جو اصول اختراع کیے تھے وہ یہ تھے کہ ایک ایمان دار مسلمان بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ صحیح الاعتقاد

سُنّی مسلمانوں کے فرقے کی بہبودی ہمیشہ مقدم سمجھے۔ بت پرستی کی جڑ کاٹنے اور تا بامکان بت پرستی اور بت پرستوں کو مٹا دیتی۔ شیعہ مسلمانوں اور کافروں کو مغلوب کرے۔ اورنگ زیب کا جو دلی منشا تھا گو وہ اُسے اچھی طرح جیسا کہ وہ چاہتا تھا پورا کر سکا لیکن اس نے اس کی تکمیل میں کوئی دقیقہ اٹھا بھی نہ رکھا اور ہمیشہ اصول مسئلہ کو عملی لباس پہنا کر چھوڑا۔ عام ناراضی کا خطرہ۔ ملکی ضروریات کا تقاضا کسی کی مقاومت کا خوف۔ ان میں سے کوئی بات بھی ایک لمحے کے لیئے اورنگ زیب اس کے ادائے فرائض مذہبی سے جیسے کچھ اس نے ہمیشہ دل میں ٹھہرائے تھے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ شاہنشاہ اورنگ زیب ایک بڑا دانش مند۔ ایک اعلیٰ درجے کا منشی بے بدل (جیسا کہ اس کے رقعات سے ظاہر ہے) ایک دانا مدبر۔ ایک بڑے دل گردے کا سپاہی ایک صاحب ہوش حکمران۔ ایک منصف اور رحم دل حاکم۔ عمدہ عادات و اطوار کا ایک مقدس بزرگ۔ یہ سب صفات علیٰ الکمال خداوند تعالیٰ نے اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں مگر باوجود ان تمام صفات حسنہ کے بھی اس کی سلطنت ناکامیاب رہی۔

حصول تخت کے لیئے لڑائی کا ناگزیر ہونا

اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب کو تخت بھی جیسا نصیب ہوا خون کے ندی نالے بہ گئے جب کہیں یہ مرحلہ حل ہوا۔ اُن الزامات کا بہترین جواب جن کے ذریعے سے اورنگ زیب نے تخت حاصل کیا خود اورنگ زیب کی وہ تحریر ہے جو اس نے اپنے بڑے اُستاد کو لکھی تھی اور جس میں اُس کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اورنگ زیب لکھتا ہے کہ "تم کو یہ بات پہلے سے ہی سے معلوم رہنی تھی کہ آگے چل کر تخت لینے کے لیئے مجھے مجبوراً بھائیوں سے لڑنا پڑے گا اور تاج شاہی بلکہ خود اپنی جان کی حفاظت کے لیئے شمشیر برہنہ مجھے ہاتھ میں لینی ہوگی تم بخوبی واقف ہو کہ یہی انجام قریب قریب ہندوستان کے ہر بادشاہ کے لڑکوں کا ہوتا چلا آیا ہے" یہ جواب ایک حد تک بالکل واجبی ہے۔ اگر اس کے بھائیوں میں سے اور کوئی دوسرا کامیاب ہو جاتا تو اورنگ زیب کے لیئے موت بنا ہی بات تھی بس

اس بات کا الزام اورنگ زیب کے سر منڈھنا کہ اُس نے اپنے بھائیوں کو مارا نری زبردستی ہے۔ اورنگ زیب نے اگر بجائے اپنی موت قبول کرنے کے دوسروں کو تہ تیغ کیا تو کون سی انوکھی بات کی۔ رہی باپ کی معزولی وہ دارا شکوہ کی شکست کا ایک لازمی نتیجہ تھا کیونکہ دارا شکوہ اپنے ضعیف باپ کی مرضی کے موافق سلطنت کا کل کاروبار اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا اس شکست کے بعد وہ اس قابل نہ رہا تھا کہ بادشاہت کے اہم و سترگ امور اس کے ہاتھ میں چھوڑے جا سکتے۔ بادشاہ بیمار وہ خود اس قابل نہ رہا تھا کہ سلطنت کا بار اٹھا سکے لہذا باپ کی معزولی کی نوبت آگئی گرچہ یہ بھی اورنگ زیب باپ کی جان کا لاگو نہیں ہوا ہاں یہ ضرور ہوا کہ اس کی آزادی سلب کی گئی اور اہتمام سختی سے کیا گیا۔ دارا شکوہ اگرچہ بڑی بھاری ناکامیابی ہو چکی تھی اس کے بعد اس سے [illegible] وحشیانہ سلوک بےشک بالکل بےجا تھا جس کی وجوہ اورنگ زیب نے اس کی لا مذہبی عقائد اسلام سے الگ اور منحرف ہونا [illegible] بیان کی ہیں۔ اورنگ زیب کا بڑا بھائی دارا شکوہ ایسا آزاد خیال آدمی تھا [illegible] سے اورنگ زیب جو مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا بہت کھٹکتا تھا اور [illegible] کے عقیدہ خیال سے دارا ایسے ہی ذلت آمیز سلوک کا سزاوار تھا۔ اورنگ زیب کی ہر بات میں مذہبی جھلک تھی وہ دنیا کو دین کی عینک سے دیکھتا تھا۔ اُس کی مذہبی راسخ الاعتقادی کی وجہ سے ہندوؤں سے یگانگت اور یکجہتی کا منصفانہ برتاؤ اُس کی نظر میں کچھ وقعت نہ رکھتا تھا۔ اس نے سپین کے بادشاہ فلپ دوم کی سی وہ پالیسی اختیار کی تھی جو اس نے نیدرلینڈ کے لوگوں کے ساتھ مرعی رکھی تھی۔ اس بادشاہ کی طرح یہ بھی بڑا مستقل تھا اور مرد یا عورت کسی باشندہ کسی پر اس کا بھروسہ نہ تھا۔ اورنگ زیب کی تقدیر میں یہی لکھا نہ تھا وہ بہتر اپنی طرف سے کسی پر جان چھڑکے مگر سوائے بیدار اس کے پوتے بیدار بخت کے اور کوئی اس سے اچھائی کا معاوضہ نہ کرتا تھا۔

آسام پر میر جملہ کی چڑھائی

اورنگ زیب کی سلطنت کے شروع زمانے میں بجز اُن لڑائیوں کے جو تخت سلطنت لینے کے واسطے ہوئیں آسام

اور اراکان کی دو لڑائیاں بھی قابل ذکر ہیں۔ میر جملہ اورنگ زیب کا وہ قابل جرنیل تھا جس نے دکن کی مہموں میں بڑے نمایاں کام کیے اور پھر شجاع کے مقابلے میں اس نے بڑا کام دیا۔ اس کی بے چین طبیعت نے بیٹھنے نہ دیا اب سب دھر کی آسام جا پہنچا۔ میر جملہ کو اس مہم میں ناکامیابی ہوئی اور وہاں سے [illegible] آتے ہی اس نے ۱۶۶۳ء میں انتقال کیا۔

اراکان کے ایک حصّے کی فتح

اسی سال نواب شایستہ خاں آئے جو دکن میں مرہٹوں کے ہاتھ سے تنگ آگئے تھے۔ میر جملہ کی جگہ بنگال بھیجے گئے۔ بنگال کے پہ شایستہ خاں نے تئیس برس حکومت کی [illegible] شایستہ خاں [illegible] ۱۶۶۶ء میں اس نے پرتگیزوں کو اپنے علاقے سے باہر کر دیا تھا [illegible] پرتگیزوں اور [illegible] بحری قزاقوں کو جو چٹاگانگ سے [illegible] بھرے ہوئے تھے ختم کر دیا تھا۔ اسی نواب نے اراکان کے راجہ پر چڑھائی کی جو بہت شورش پسند تھا۔ راجہ ایسا تنگ ہوا کہ اس نے چٹاگانگ کا علاقہ حوالے کر دیا۔

لہ ہندوستان کے مشرقی کنارے پر سب سے پہلے انگریزوں کی تجارتی کوٹھی ۱۶۲۵ء میں امرگاؤں ضلع نلور مچھلی پٹن ضلع کرشنا [illegible] سال کے بعد ۱۶۳۳ء میں بالاسور اور دوسرے غیر معروف مقامات میں پپلی پور (اوڑیسہ) میں بنیں۔ ۱۶۵۱ء میں ایک کوٹھی ہگلی میں بعض خدمات کے صلے میں ڈاکٹر گیبریل بوٹن کے [illegible] جس نے صوبہ دار بنگال کا [illegible] علاج کیا تھا۔ چارناک نے ہگلی کی کوٹھی کا صدر تھا ۱۶۸۶ء میں کلکتہ میں ایک تجارتی کوٹھی کھولنی چاہی لیکن نواب شایستہ خاں کی دشمنی کی وجہ سے وہاں سے اسے بھاگنا پڑا اور مدراس میں جا کر پناہ لی۔ پھر ۱۶۹۰ء میں اورنگ زیب فرمان حاصل کر کے ایک چھوٹی سی کوٹھی قائم کی جو بڑھتے بڑھتے آج کلکتہ جیسا مشہور مقام ہو گیا جو برٹش انڈیا میں دوسرے درجہ کا شہر [illegible] شایستہ خاں ۱۶۸۹ء میں دکن سے بنگال بھیجا گیا [illegible] ۱۶۹۴ء میں آیا [illegible] سال اور بحساب قمری [illegible] سال کی

امن کے بیس سال

آسام اور آراکان کی مہموں سے ہندوستان میں کچھ بدامنی نہیں ہوئی بلکہ پورے بیس سال تک بلا کسی قسم کے بلوے یا فساد کے تمام شمالی ہند میں کامل اطمینان کی حالت رہی البتہ صرف تین سال تک (۱۶۷۳ء تا ۱۶۷۵ء) افغانی جرگوں نے دریائے سندھ کے پار کچھ شورش برپا کر رکھی تھی اور اورنگ زیب کو خود اپنے سپہ سالاروں کے کام کی نگرانی کو جانا پڑا لیکن سرحد شمال مغرب کی جھڑپوں سے ہندوستان کے امن عامہ میں کوئی خلل نہیں آیا۔

مذہب اہل ہنود پر دست درازی

سرحدی جنگ سے زیادہ اہم معاملہ وہ نمایاں تبدیلی تھی جو اورنگ زیب کے طرز عمل سے ۱۶۶۹ء میں ظاہر ہوئی۔ اس سے قبل اورنگ زیب کے پاؤں ایسے نہ جمے تھے کہ اپنے دلی مدعا کا پوری طرح اظہار کر سکتا لیکن اب جب کہ کافی طور پر چوطرف سکہ بیٹھ گیا تو اورنگ زیب نے بت پرست رعایا کی خبر لی اور بت پرستی کی بیخ کنی شروع کی۔ اس نے اپنے صوبہ داروں کو یہ صرف حکم دے دیا کہ ہندوؤں کی تعلیم گاہیں اور معابد بے محابا ڈھا دیئے جائیں اور بت پرستی کی تعلیم اور بتوں کی پرستش کا انسداد سختی سے کیا جائے۔ لیکن ملکی حالت اس بات کی مقتضی نہ تھی کہ ایسے احکام کی پوری پوری تعمیل ہو سکے۔ پھر بھی شاہی حکم تھا اور وہ بھی اورنگ زیب کا کچھ ہنسی ٹھٹھا نہ تھا ایک حد تک ان احکام کی تعمیل ہوئی بھی جس کا ایک بدیہی ثبوت مسجد کے وہ بلند مینارے ہیں جو بنارس میں لب دریائے گنگ گھاٹ میں مسجد مندر کو منہدم کر کے بنائی گئی ہے۔ جاترا اور میلوں کی موقوفی۔ باجے گاجے اور ناچ رنگ کی بندش۔ شعراء اور مصنفین کی زبان بندی۔ تاریخ نویسی کی ممانعت۔ یہ سب احکام بھی جاری کیئے گئے۔ البتہ جاتریوں پر کوئی خاص محصول نہیں لگایا گیا کیوں کہ ایسا محصول جس کا ماخذ بت پرستی ہو اورنگ زیب کے نزدیک ناجائز تھا۔ یہ سارے اسباب ایسے اکٹھے ہو گئے تھے کہ ہندو مسلمانوں میں مغایرت کا میدان روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ راجپوت رئیس جو کئی پشت سے وفاداری سے جان

لڑائے ہوئے تھے سب بھڑک گئے اور سیواجی کی طرف جھک پڑے جو ہندوؤں کی ساری قوم کی بڑی تائید کرتا تھا۔

جزیہ

اورنگ زیب کی سلطنت کا زمانہ خونریزی کے دھبے سے آلودہ ہی نہیں ہے وہ صرف ہندوؤں کو پریشان کرکے ان کے مذہب میں دست اندازی اور توہین کرنے اُن پر دباؤ ڈال کر مسلمان کرنے ہی کو بڑا کام سمجھتا تھا۔ اسی پالیسی کے اقتضاء میں اُس نے راجہ جسونت سنگھ متوفی کے بچوں کو گرفتار کر لیا تھا جس سے ظاہری قیاس تو یہی ہوتا ہے کہ وہ انھیں مسلمان کرنا چاہتا تھا یا کم سے کم یہ کہ انھیں مسلمانوں کی طرح اٹھانا چاہتا تھا۔ (۱۶۵۸ء) اور پھر گئے سال ۱۶۷۹ء میں حالانکہ اس کے باپ نے تو منع کیا مگر اورنگ زیب نے کسی کی نہ سنی اور جزیہ جسے اکبر نے اپنی انتہا دانشمندی سے ۱۵۶۵ء میں موقوف کر دیا تھا دوبارہ جاری کر دیا۔

راجپوتوں کی بغاوت

راجہ جسونت سنگھ نے کابل میں ۱۶۷۸ء میں انتقال کیا۔ راجپوتوں میں کھلبلی تو پہلے ہی سے مچ رہی تھی اور دھیمی دھیمی آگ سُلگ رہی تھی۔ راجہ ایک بیوہ اور دو بچے چھوڑ کر مرا۔ اورنگ زیب نے ان بچوں کو نے لینا چاہا لیکن راجہ کے ایک جری سردار درگا داس نے کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکال کر ان کو جودھپور[۵] پہنچا دیا۔ مگر اورنگ زیب کی اس دست درازی ــ راجپوتانے میں ایک سخت

۵۔ جودھپور ہی کو مارواڑ بھی کہتے ہیں۔ راجپوتانے میں ایک بہت بڑا اسٹیٹ ہے۔ اس کا انتہائی طول تین سو اور انتہائی عرض (۱۳۰) میل ہے۔ رقبہ (۳۴۹۶۳) مربع میل ہے۔ مردم شماری (۲۰۵۷۵۳۳) محاصل چھپاسٹھ لاکھ۔ راجہ کا نام ہز ہائینس مہاراجہ سر پرتاب سنگھ ہے اور سترہ توپیں سلامی کی ہیں۔ مارواڑ جنکشن سے دارالحکومت (۴۴) میل ہے۔ سارا میدان ریتیلا ہے۔ جابجا چوٹی دار پہاڑیاں چھ سو سے ہزار فیٹ تک اونچی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض بلی پتھروں پر بند ... بنے ہوئے ہیں۔ ایک پہاڑی زیادہ دور تک ملتی ہے اس کی بلندی ... ایک ہزار ... اسی بنا ہوا ہے زمین کم حیثیت اور کم پیداوار کی ہے البتہ دریا لونی کے وادی میں غلے کی پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ یہ دریا مارواڑ اور جودھپور کے بیچ میں بہتا ہے۔ ... میں سوائے ٹھاکروں کے مکانات کے جھونپڑیاں ہی جھونپڑیاں نظر آتی ہیں۔ یہی ٹھا زمیندار ...

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ہونے کا شعلہ بھڑک اٹھا - مارواڑ اور میواڑ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے مگر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) میں مہاراجہ جودھا نے سنہ ۱۴۵۹ء میں اپنے نام پر یہ شہر بسایا تھا اور جب ہی سے یہ راج دھانی رہا ہے - ہندوستان کے خوش منظر شہروں میں کا ایک جودھپور بھی ہے جو چار سو فیٹ بلند بھربھرے پتھر کی پہاڑی پر بنا ہوا ہے جس پر ایک شاندار قلعہ آٹھ سو فیٹ بلند کھڑا ہے جس کا طول وعرض ۵۰۰ × ۲۰۰ گز ہے - دیوان یعنی بڑے ہال کی عمارت کے ہزار ستون ہیں جو ایک وسیع اور خوشنما عمارت ہے - بالا حصار پر سے گرد کا منظر بڑا پر لطف ہے شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل ساڑھے میل دور کی ہے جس میں سات دروازے ہیں - بازاروں میں سڑک کے دونوں طرف عمدہ عمدہ مکانات راجہ کے محلات امراء اور چاکروں کی حویلیاں ہیں جن میں بعض بعض بڑے متمول ہیں - کئی خوب صورت پختہ گھاٹوں کے تالاب ہیں جن کی سیڑھیاں لب آب تک ہیں اور جن کے گرد جگہ جگہ ستے ہوئے مندر اور کنوئیں ہیں - حوالی شہر میں ایک مندر ہے کوئی پاؤ میل فصیل شہر کے باہر بہت دور سے اس کا خوب صورت قبہ نظر آتا ہے - یہ مندر اندر سے بہت آراستہ ہے اس مندر کے پاس ہی دو محل بھی ہیں - ایک بڑے وسیع محل میں مہاراجہ کا پڑدادا بہت بڑی شان شوکت سے رہتا ہے دوسرے میں ایک اور ریشمی کا ساوان ہے جس کے ساوان پر مغرق شامیانہ تنا ہوا ہے اور کوئی شخص یہاں سو نہیں سکتا - حوالی شہر میں تین میل پر ایک اور عمدہ مقام **مندور** کا ہے جو راجپوتوں کی عملداری سے بھی پہلے **مارواڑ** کی قدیم دارالسلطنت تھا - جس ٹیکری پر یہ مقام آباد ہے **جودھ گیر** کہلاتی ہے - یہاں راجاؤں اور امراء کے مقابر ہیں اور کئی عجیب وغریب مورتیں بڑے بڑے سورماؤں کی ہیں - اور آگے بڑھ کر کچھ عمدہ باغات ایک گہری اور شفاف جھیل کے گرد ہیں اس سے تین میل اور آگے ایک اور جھیل **بال سمندر** نام کی نصف میل لمبی ہے جس میں سنگ سرخ کے کراڑے کھڑے ہیں اور کنارے کنارے تاڑ کے درختوں کی باڑھ ہے - **اجیت سنگھ** کا ویران محل گو کھنڈر ہے اور چمگادڑوں اور ... چھچھوندروں کا مسکن ہے مگر پھر بھی دیکھنے کے قابل ہے - اس میں مٹی کی بھاری بھاری مورتیں دیوتاؤں اور رسیوں کی ہیں۔

جےپور (امبیر) بدستور وفادار رہا۔ شاہزادہ اکبر اورنگ زیب کا چھوٹا بیٹا جو باغیوں کے

سلہ جےپور ایک بہت مشہور مقام ہے جو راجپوتانے کی خودمختار رجواڑوں میں ایک بہت عظیم الشان سٹیٹ ہے۔ رقبہ (۱۵۵۷۹) مربع میل۔ مردم شماری (۲۶۳۶۷۴۸) محاصل۔ (۷۹۵۹۰۰۰) روپیہ۔ راجہ کا نام۔ مہاراجہ دھیراج سر سوائی مادھو سنگھ۔ سلامی (۲۱) توپ۔ جےپور کا منظر نہایت دلکش اور بےنظیر ہے۔ سارے ملک میں اونچے اونچے پہاڑوں کی قطاریں دوڑی ہوئی ہیں اور جابجا عجیب وغریب صورت کی چوٹیاں ابھری ہوئی ہیں۔ خشک خطے صحرا کے ہیں جن میں چھوٹے موٹے ندی نالے جذب ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑے صحرا کے شمالی رخ پر کہیں دو۔ زلزلہ آنے سے سطح زمین تہ و بالا ہو کر پھٹکری۔ کوبالٹ (ایک قسم کی دھات) تانبا اور نکل کے معدن نکل آئے ہیں جو جیپور کے اینمل (تام چینی) بنانے میں کام آتے ہیں تامڑا۔ یاقوت۔ شب۔ چراغ وغیرہ کے ریزے جنوبی حصۂ ملک میں ملتے ہیں وہ اس نوع کی مصنوعات میں بہت کام آتے ہیں یہ خاندان جیپور کا خاندان بڑا قدیم ہے جس کا بانی اجودھیا کا راجہ رام چندر تھا اور ۹۶۷ء میں اس خاندان کی بنا پڑی۔ مہاراجہ حال پینتیسویں پشت میں ہیں۔ راجہ حال کے والد ماجد ہندوستان کے رئیسوں میں بڑے ذی حوصلہ اور وسیع الخیال تھے جنھوں نے تمام فضول اور نمائشی اور بڑی دھوم دھام کے اخراجات یک قلم موقوف کرکے اسی روپئے کو مفید کاموں اور رفاہ خلائق کے امور میں لگایا۔ سارے سٹیٹ میں ان کا نام بڑی نیک نامی سے یاد کیا جاتا ہے راجہ صاحب کی فوج ایک ہزار توپ خانہ۔ ساڑھے چار ہزار سوار اور سولہ ہزار پیدل ہیں۔ ملک کی آمدنی کا قریب قریب نصف حصہ خیرات ومبرات کے نیک لگتا ہے۔ جےپور کا شہر خوب صورتی میں ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا وہ ایک نہایت پسندیدہ مقام ہے جو سطح سمندر سے پندرہ سو فیٹ بلند ہے۔ آب وہوا نہایت عمدہ اور خوش گوار ہے راجستان کی تمام راجدھانیوں میں یہ سب سے بہتر اور ہندوانی شہروں میں یقیناً سب سے عمدہ ہے یہ شہر پہاڑوں کے گھیرے میں ہے جن پر عمدہ عمدہ قلعے بنے ہوئے ہیں جن میں سب سے بڑا شیرگڈھ ہے۔ شہر کے گرد ایک نہایت مستحکم مورچے دار فصیل بیس فیٹ اونچی اور نو فیٹ چوڑی ہے جس میں سات دروازے مع گھونگٹ کے ہیں فصیل میں جابجا برج اور

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

مقابلے پر بھیجا گیا تھا وہ چلا تو گیا مگر راجپوتوں کی تلواروں کی چھاؤں میں سلطنت کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) رہے ہیں جن پر پرانے زمانے کی توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ جے پور نفیس بازاروں اور اپنی چوڑی اور کشادہ سڑکوں کے سبب اور شہروں پر سبقت لے گیا ہے۔ صدر بازار کی سڑک (۵۵ گز) چوڑی اور چوپڑ سے ... تک ... ۲۸ چوڑی ہیں جو زاویۂ قائمہ بناتی ہوئی سیدھی نکل گئی ہیں بازاروں میں کثرت سے ... سپاہی اور توانا اور خوش حال لوگ نظر آتے ہیں جو بنگال اور بمبئی کے عوام کی طرح ... فاقہ زدہ نہیں ہیں۔ دولت کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے۔ فوارے کے پانچ چوراہوں کا لطف اور مجمع سارے دنیا کے نظاروں میں کا ایک عجیب و غریب نظارہ ہے۔ چوطرف دکانیں میوہ جات۔ ترکاریاں۔ اناج۔ کشمیر۔ کانپور۔ مینچسٹر کے خوش نما پارچہ جات سے بھری پڑی ہیں۔ ہزارہا کبوتر غول کے غول فرش پر ہر دکان کے سامنے غٹر غوں غٹر غوں کر رہے ہیں۔ بازار میں وہ رونق اور بھیڑ بھاڑ کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے گو سڑکیں چوڑی ہیں مگر پیدل۔ سجے سجائے ہاتھی سانڈنی سوار۔ اونٹوں کی قطار کی قطار سقے ... امرا کی سواری کے ساتھ کی پیدل جمعیت۔ گھوڑے سنہری۔ زرق برق زین پوشوں سے آراستہ۔ اس پر بانکا ترچھا سوار تلوار لٹکتی ہوئی خنجر کمر میں پستول لگا ہوا۔ ڈھال پس پشت بندوق ایک طرف غرض سر سے پاؤں تک اوپچی بنا ہوا گھوڑا نچاتا کداتا ہوا اشاروں کو تولتا ہوا چلا جاتا ہے۔ سائیس ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہے اور چلاتا جاتا ہے۔ بچو صاحب۔ بچو صاحب۔ یا مہاراجہ کے نوکر ہیں کہ چیتوں اور بور بچوں کے گلوں میں زنجیریں ڈالے آنکھوں پر سبز اطلس کی کامدار ٹوپیاں چڑھی ٹہلانے کے واسطے لیئے پھرتے ہیں ایک ... کی بہل۔ گہما گہمی اور رونق ہے جس کا بیان قلم سے ناممکن ہے ہاں جس نے دیکھا ہے اس کی آنکھیں ڈھونڈتی ہیں۔ گھروں پر ہلکے پیازی رنگ کی استرکاری سورج کے جب مقابل آتا ہے تو عجیب پر لطف ... پیدا ہوتی ہے۔ چھتوں پر عورتیں اور بچے رنگا رنگ کے لباس پہنے زیوروں سے لدے گرد ان کے ... کبوتروں اور کوؤں کے جھلڑ کے جھلڑ اڑتے اور منڈلاتے ہوئے کبھی یہاں اتر پڑتے ہیں کبھی وہاں۔ نیچے دکانوں میں کام والے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ عورتیں چکی پیستی جاتی ہیں اور اپنی سریلی آواز میں ہک ہک کر گاتی اور اپنی محنت کو ہلکا کرتی جاتی ہیں۔ رنگریز دکانوں کے سامنے کھڑے دو طرف دوپٹے کو پکڑے جھولا دیکر سکھا رہے ہیں۔ کوئی دکان پر بیٹھا حجامت بنوا رہا ہے کوئی نالی میں کھڑا تیل کے گھڑے سے چپا چپ نہا رہا ہے۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

خواب دیکھنے لگا لیکن اورنگ زیب کی ڈپلومیسی بہت زبردست تھی ساری باتیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) روئی کے بنولے نکالنے کی چرخیاں۔ پٹھان سے زلف چھوٹا نگینہ زیب سے کے چرخ۔ تارکشی کی چکریاں۔ چرخے۔ موچی اور صدہا قسم کے دستکار اور ان کے اوزار کی کھٹا کھٹ کا شور و غل ایک عجیب طرح کی مصروف بکار زندگی کا سین دکھلاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پیٹ کے دھندے میں لگا ہوا ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک مسافر بنگلہ اور کئی ہوٹل ہیں جن میں سب سے بہتر قیصر ہند ہوٹل ہے۔ امبیر کے قدیم اور مہاراجہ کے محلات اور اصطبل دیکھنے کے لیے پاس لینا چاہیے۔ مہاراجہ کا محل اور باغ اُن دو بڑی سڑکوں کے جنگشن پر ہے جو سارے شہر کے ساتویں حصے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ محل کا بڑا عالی شان دروازہ جو سرن ڈیوڑھی کہلاتا ہے وہ کالج کے محاذی اور شہر کے بیچوں بیچ میں ہے۔ محل کا وہ حصہ جو بازار میں سے نظر آتا ہے نہایت خوشنما ہے اور ہوا محل کہلاتا ہے جس کا بیان سر اڈون آرنلڈ یوں کرتے ہیں کہ ایک شان دار نفیس اور خوبصورت نظارہ۔ گلابی سنگ بست نو منزلہ اور نازک آگے بڑھے ہوئے نشین۔ جالی دار کھڑکیاں۔ ایک کے اوپر ایک عجیب و غریب طرز عمارت کی ایک مخروطی شکل گویا ایک ہوائی پہاڑ ہے نہایت شان دار حسن کا جس کی ہزارہا جالیوں میں بنی ہوئی محرابوں میں سے ہندوستان کی سرد ہوا بڑے بڑے اونچے محلات پر سے گزرتی ہوئی آتی ہے۔ اسد دین کا جادو بھی ایسا عجیب و غریب و نادر محل سکونت نہ بنا سکتا تھا۔ نہ اس کے مقابلے میں (Peri Banou) پیری بناؤ کا چاندی سونے کا محل اس سے زیادہ نازک اور دل کش تھا۔ یہ زنانے محل کا ایک حصہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ بے نظیر عمارت نہایت غور سے دیکھنے کے قابل ہے۔ محل کے دروازوں سے گزر کر پہلے جو آئیں اُن پانچ رصد گاہوں میں جو راجہ جے سنگھ مشہور ہندو ہیئت و ریاضی داں نے گزشتہ صدی میں بنائی تھیں یہ سب سے بڑی رصدگاہ ہے۔ اس میں مقیاس۔ قسی دوائر العظام۔ دوائر نصل۔ اصطرلاب۔ ارتفاع معلوم کرنے کے ستون۔ دیوار دو ربع دائرہ (Mural quadrants) نہایت عالی شان۔ بلند۔ پختہ سنگ بست صاف شفاف ستھری استر کاری کیے ہوئے جن پر درجہ بندی کے خطوط منقوش ہیں۔ اس کے بعد دیوان خاص کی وسیع عمارت سر تا پا

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

وہیں کے ملبے میں دب دبا گئیں سنہ ۱۶۸۱ء میں نوجوان شہزادہ ملک فارس کو ایسا جلاوطن ہوا کہ پھر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سنگ مرمر کی ہے۔ اس سے آگے چندر محل سات منزل خاص راجہ صاحب کی اقامت گاہ ہے۔ ان مقامات میں جب تک کوئی ایسا ہی بڑا آدمی نہ ہو ہر کس و ناکس کا گزر ممکن نہیں یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا اور ہوا بھی یہاں دب دب کر چلتی ہے) اس محل کے کمرے محلات شاہی کی طرح آراستہ و پیراستہ اور زرق برق ہیں۔ جو چیز زیادہ تر دیکھنے کے قابل ہے وہ اس محل کی چھت پر سے (جو آسمان سے باتیں کرتی ہے) گرد و نواح کا نظارہ ہے (مگر وہاں تک رسائی گویا معراج ہے) نیچے کے ایک کمرے میں اکبر بادشاہ کے عہد کا ایک مطلا اور مذہب فرمان بطور یادگار کے محفوظ رکھا گیا ہے۔ محل کی سیر سے دل سیر نہیں ہو سکتا ذرا باغ کو دیکھ کر دل باغ باغ کیجیے اور اگر مہاراجہ صاحب کا بینڈ جو یورپین بینڈ ماسٹر کے تحت ہے نغمہ سرائی کر رہا ہے تو لطف دوبالا ہے۔ تمام وسیع صحن اور دیوان خاص کی سیڑھیوں پر مہاراجہ صاحب کے بے شمار ملازمین اپنی زرق برق وردیوں سے سجے سجائے چو طرف پھرتے نظر آئیں گے اسی صحن کے بیچ والے چوک میں سے ایک بازار نکل گیا ہے جہاں ان حشم و خدم کی سب ضروریات ملتی ہیں۔ محل کے صدر دروازے کے باہر ایک سر بفلک مینار براج رہا ہے جو ایشوری مینار سورگ سٹول کہلاتا ہے جس کے معنے ہیں کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ اس مینار پر چڑھنے کی ممانعت ہے لیکن محل کی چھت پر کے نظارے سے اس مینار پر کا نظارہ کچھ زیادہ بہتر نہ ہوگا۔ مہاراجہ کالج ایک عمدہ عمارت ہے جس کا افتتاح سنہ ۱۸۴۴ء میں ہوا۔ شروع شروع میں (۴۰) طالب العلم تھے اور اب ہزار سے بھی اوپر ہیں۔ پندرہ انگریزی داں ماسٹر بارہ مولوی اور چار پنڈت سٹاف میں ہیں اور بھی کئی ہائی سکول راجپوت بچوں کے لیے ہیں۔ (۳۳) ابتدائی مدارس اور ایک زنانہ سکول ہے جس میں سات سو سے لے کر آٹھ سو تک لڑکیاں ہیں۔ ایک بہت بہتر سکول نتھنی کے مکان میں ہے جو پہلے یہاں کا وزیر تھا یہاں کی عمدہ عمارتوں میں ایک سکول آف آرٹس ہے جس میں متعدد ٹکنیکل کلاسیں۔ ڈرائنگ نجاری۔ لہاری۔ ملمع سازی۔ نقاشی۔ دھاتوں کا گلانا اور ڈھالنا۔ سنہری رپہلی کام گلکاری۔ نگینہ سازی۔ جڑات۔ میناکاری۔ گھڑی سازی لکڑی اور پتھر پر نقش کاری۔ زردوزی پارچہ بافی وغیرہ وغیرہ ہر قسم کی صنعت اور دستکاری جو انگریزی عملداری میں مشینوں کی ایجاد کے بعد سے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

پلیٹ کر آنا نصیب نہ ہوا سنہ ۱۷۰۶ء تک اس کے وہاں بقید حیات رہنے کا پتہ

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ)

روبہ انحطاط تھیں پھر زندہ کی جا رہی ہیں ستر ایکر کا وسیع پبلک گارڈن جس میں نباتات کے علاوہ وحوش و طیور خانہ بھی ہے۔ میو ہاسپٹل کی عالیشان عمارت باغ کے اس دروازے کے سامنے ہے جو شہر کی طرف ہے۔ یہ عمارت تمام سنگ سفید کی ہے جس کے سامنے ایک اونچا گھنٹہ گھر ہے۔ اس شفاخانے میں ۱۲۰ مریضوں کے بستروں کی گنجایش ہے۔ باغ کے وسط میں میوزیم عجائب خانہ ہے جو ہندوستان کی جدید نہایت نفیس عمارتوں میں سے ہے۔ جس میں یورپین اور ہندوستانی دستکاری اور صنعت کاری کے اعلیٰ درجے کے نمونے موجود ہیں۔ پرانی اور قدیم چیزوں کا بھی نادر مجموعہ ہے۔ ہر قسم کا طیار شدہ پارچہ۔ دریاں۔ پتھر کی نقاشی۔ پیتل۔ چاندی اور سونے کے کام۔ شیشہ۔ مینا کاری زیورات۔ قدرتی پیداوار۔ انواع و اقسام کی اشیا ہندوستان کے کونے کونے سے بہ صرف زر کثیر فراہم کی گئی ہیں۔ ہزارہا آدمی ان عجائبات کو دیکھنے چلے آتے ہیں۔ اوسطاً ان لوگوں کا جو ٹرنسٹائل کٹگھرمیں سے سال بھر میں گزرتے ہیں ڈیرھ لاکھ ہے۔ اس باغ کی تعمیر و ترتیب میں چار لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے اور اس کی نگہداشت کا سالانہ صرفہ تیس ہزار روپیہ ہے۔ اس میں لارڈ میو گورنر جنرل (۱۸۶۹-۷۲ء) کا ایک نہایت نفیس برنجی بُت کھڑا ہے۔ وحوش خانہ جنوبی دروازے کے پاس ہے جس میں علاوہ انواع و اقسام کے وحوش و طیور کے دس بارہ بڑے بڑے ببر شیر اور بنگال ٹیگر ہیں۔ مہاراجہ کا اصطبل بھی قابل دید ہے جہاں انواع و اقسام کی جدید اور قدیم طرز کی گاڑیاں اور تین سو گھوڑے۔ پچاس ہاتھی اور بہت سے شکاری چیتے ہیں۔ مگر مچھوں کا تماشا دیکھنا ہو تو فصیل سے ملی ہوئی ایک اتھلی جھیل ہے جہاں سیکڑوں مگرمچھ پلے ہوئے ہیں جن میں گاہے بیل کی اوجھڑی کے بچے پھینک پھینک کر کھلائے جاتے ہیں۔ چیلیں بھی خوب منڈلاتی پھرتی ہیں اور جوں ہی ٹکڑا پھینکا کہ اوپر ہی اوپر اُچک لیتی ہیں۔ بھی ایک نیا تماشا ہے۔ شہر کے شمال مشرق میں فصیل کے باہر راجاؤں کے سماد اور مقبرے نہایت سایہ دار باغوں میں بنے ہوئے ہیں۔ یوں تو سارے جیپور میں بندروں کی کثرت ہے مگر ان باغوں میں بہت ہیں۔ سب سے بہتر منڈپ راجہ جی سنگھ سوائی کا ہے جو تمام تر نہایت نفیس اور مشفاف سنگ مرمر کا ہے۔ اور ہشت پہلو آٹھ عمدہ نقشی ستونوں پر استادہ ہے۔ تمام کارچوبی

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

چلتا ہی۔ اگرچہ اورنگ زیب کو اس وقت ایک حد تک کامیابی ہوئی لیکن راجپوتوں کی

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) ہندو دیوتاؤں کی مورتیں بڑی خوب صورتی سے کھدی ہوئی ہیں اور جنگ کے دلوں پر سواروں گھوڑوں ہاتھیوں اور طرح طرح کی تصویریں بنی ہیں سورج مندر اور گلتا مندر یہ بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ سورج مندر ایک ساڑھے تین سو فیٹ اونچی پہاڑی پر بنا ہوا ہی جو ہوٹل سے ڈھائی میل ہی۔ رستہ بھی خراب ہی۔ مندر میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہی لیکن پہاڑی کے نیچے کا سپاٹ میدان۔ جے پور کے باغات ان میں جھلکتے ہوئے مینا۔ البتہ ایک دل آویز نظارہ ہی۔ راجپوتانے کی ریت کیوں کر شہر کو گردبار کرتی ہی یہ بات بھی یہیں محسوس ہوتی ہی۔ ایک گرد کی بستی کے مکانات اور باغات ریت میں دبے ہوئے بالکل اجاڑ پڑے ہیں۔ پہاڑیوں پر سے ریت کے بگولے کے بگولے آندھی کی شکل میں آ آ کر بیسیوں فٹ اونچی تہیں جم گئی ہیں اور سارا گاؤں ریت سے اٹ گیا ہی۔ سورج مندر سے سڑک بالکل نشیب کی طرف ایک تنگ و تاریک گھاٹی میں سے گزرتی ہی جو پچیس فیٹ چوڑی ہی جس کے ختم پر کئی قدیم مندر اور دو عمیق تالاب ہیں۔ ان مندروں سے اہل ہنود بڑا اعتقاد رکھتے ہیں اور جاترا کے زمانے میں مجمع کثیر ہوتا ہی۔ دوسرے تالاب کے نیچے اور کچھ چھوٹے چھوٹے مندر اور پجاریوں کے مکانات ہیں جس کے بعد سپاٹ میدان ہی جس میں اکا دکا ٹیلے کھڑے ہیں جن میں سے بعض پر قدیم زمانے کے حصار بنے ہوئے ہیں۔ جے پور سے سات میل عنبر کا قدیم محل اور مندر ہی۔ اس شہر میں داخل ہونے کا ایک دروازہ ہی جس کے آگے دو مندر ٹوٹے پھوٹے شکستہ حالت میں ہیں۔ کرشنا اور سیتا رام کے دو مندروں کے بعد محل ملتا ہی جس کی شکل اب ایک وسیع کھنڈر کی رہ گئی ہی۔ البتہ چیدہ چیدہ متفرق ٹکڑے عمارت کے بعض بعض حصے کے رہ گئے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے ایک مندر کے کواڑوں کی جوڑی صندل کی لکڑی کی ہی جس پر ہاتھی دانت کا کام ہی اُس کے آگے ایک بہت خوش نما ڈیوڑھی ہی۔ یہ مندر ایک باغ میں واقع ہی جو تباہ حالت میں ہی اور ٹوٹے پھوٹے کچھ فوارے بھی ہیں۔ محل کے آگے سنگ مرمر کا مندر ہی جو نویں صدی میں بنا تھا۔ یہیں ایک طاق میں ایک بھدی سی مورت بھوجاجی کی ہی جو ہزار برس کی پرانی بتلائی جاتی ہی۔ اس مندر کا صدر دروازہ سنگ مرمر کا ہی۔ اندر کا صحن ۲۰×۶ مربع ہی ستونوں کی قطاریں ہیں جن پر بڑے عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں جن کے سروں پر دیوتاؤں کی ... ہیں۔ دوسرا دروازہ جو اندر وار ہی وہ بھی سنگ مرمر کا ہی اور اس پر بے شمار نقش و نگار ہیں۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

دلوں سے کدورت کا غبار دُھلا نہ تھا اور کبیدہ خاطر تھے۔ لیکن اس وقت اورنگ زیب کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جین والوں کا سرول ہیبت ناک دیوؤں کے سر پر ٹکا ہوا ہے اس کے بعد اصل مندر ہے جس میں سوائے ہندوؤں کے اور کوئی نہیں جا سکتا۔ سنگ مرمر کے ایک سائبان کے نیچے تین مورتیں پارس ناتھ کی ہیں جس کے سامنے چھ اور چھوٹی چھوٹی مورتیں سنگ سیاہ کی ہیں۔ شہر میں اور بہت سے بڑے بڑے مندر ہندوؤں اور جینیوں کے ہیں اگر چکر لگائیں تو دو تین گھنٹوں میں سب کو دیکھ سکتے ہیں۔ جیپور میں سب سے زیادہ قابل دید مقام امبیر کی قدیم دارالحکومت کا ہے۔ ہوٹل سے شہر میں ہو کر سڑک جاتی ہے جس کے دونوں طرف راجپوت امرا کے محلات اور باغات ہیں۔ اس کے بعد ایک عمدہ جھیل ملتی ہے جس کے بیچ میں ایک ویران محل ہے جس میں بدون کشتی کے نہیں جا سکتے۔ اس تالاب میں بہت بڑے بڑے گرمچھ ہیں جو کنارے پر پڑے دھوپ کھاتے رہتے ہیں۔ اس تالاب سے دو میل آگے بڑھ کر اور ہوٹل سے چھ میل پر اس پہاڑ کا دامن ہے جس پر امبیر کا شہر بنا ہوا ہے جس کی چڑھائی دو میل کی ہے۔ سارا شہر انسان سے خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ اس ویرانے میں بھی کہیں کہیں فقیر۔ گوسائیں۔ سنیاسی خالی مکانوں میں پڑے نظر آتے ہیں۔ ہندوستان میں اسی طرح کئی بستیاں ویران ہو گئی ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ شہر بساتے کیوں ہیں اجاڑتے کیوں ہیں۔ اور اجاڑنا بھی ایسا کہ بستی کی بستی کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔ اصلی وجہ کیا تھی آج کون جان سکتا ہے۔ وہ زمانہ گیا۔ اب محض قیاسی وجوہ اپنی اپنی سمجھ کے موافق لوگ گھڑ لیتے ہیں۔ مگر دل لگتی ٹھکانے کی بات کوئی کہتا نہیں۔ یہ محل ایک مجموعہ ہے مسلمانوں کے زمانہ بعد کی دستکاری کا۔ یہ محل ایک عجیب و غریب پرفضا مقام پر بنایا ہے۔ ایک بلند پہاڑ کے ڈھلاؤ پر بالکل جھیل کے اوپر ایک نہایت مستحکم قلعہ بنا ہوا ہے۔ گرد کی پہاڑیوں پر بھی چھوٹے چھوٹے قلعے بنے ہوئے ہیں جن کا سلسلہ بڑے قلعے سے پختہ فصیلوں سے ملا دیا گیا ہے۔ محل کا قدیم باغ جو اب ویران ہے دور تک جھیل میں چلا گیا ہے ایک بڑا عجیب و غریب مقام ہے اس کا سبزہ زار گھنے گھنے درختوں کے جھنڈ سفید اور بھوری عمارتوں میں ایک خوشنما عکس ڈالتے ہیں۔ جھیل کے سپاٹ پانی کے مسطح اور وسیع تختے پر ان کا عکس یہ ایسا سین ہے کہ اس کا بیان قلم سے ناممکن ہے اور جس نے وہ قدرت کا تماشہ گاہ دیکھا ہے اس کا نقش دل سے مٹائے مٹ نہیں سکتا۔ محل میں داخل ہونے کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

زیادہ موقع راجپوتانے میں امن قایم کرنے کا نہ ملا کیوں کہ دکن کے معاملات زیادہ

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ تین تنگ اور گھونگھٹ دار دروازے ہیں جن میں آخری کے آگے ایک بہت بڑا اٹھ پہلو چوک ہے۔ سر ایڈون آرنلڈ نے اپنی کتاب انڈیا ری وزیٹڈ میں امبیر کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ایک نفیس نقارخانہ جس کے برنجی دروازے اور سنگ مرمر کے نقشی بغلی حجرے ہیں سے دوسرے صحن میں پہونچتے ہیں جس کا فرش سنگ مرمر اور سنگ سرخ کا ہے جس کے گرد ایسی شان دار عمارتیں ہیں کہ باید و شاید۔ ان عمارتوں میں سے ایک دیوان خاص ہے جس کے ستون سنگ مرمر اور سنگ سرخ کے ہیں۔ جس کی اندرونی دیواریں جالی دار اور منقش پتھر کی ہیں۔ چھت بے نظیر رنگ آمیزی سے سجائی گئی ہے۔ اس صحن کی دوسری طرف ایک عالی شان مردانہ دروازہ ہے جس کی نسبت یہ رائے قایم کی گئی ہے کہ ساری دنیا میں اس سے بہتر کوئی دروازہ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ دروازہ رنگ آمیزی۔ مال مسالا۔ نقاشی گل کاری صنعت۔ دستکاری۔ غرض ہر اعتبار سے بہت ہی پسندیدہ ہے اور اس کی خوبی حیطۂ بیان سے خارج ہے۔ یہ بے نظیر ایوان اپنی نفاست کے لحاظ سے بہشت بریں کا دروازہ ہونے کے قابل ہے۔ اس میں داخل ہو کر ہم ایک سرسبز و ٹھنڈے سایہ دار باغ میں پہونچتے ہیں۔ جو مندر میں نہایت شفاف سنگ مرمر کے وسلے لگے ہوئے ہیں جن میں پچیکاری سے پرند۔ پھول پتے۔ لاجواب رنگ برنگ کی نقاشی جو عربوں کی وجہ سے ایرابسک (Arabesque) کہلاتی ہے چھت شیشہ بندی اور رنانشانی سے بڑی جھلملا رہی ہے جس کا خاص دستکاری کے لیئے جیپور مشہور ہے۔ یہاں حمام کے کمرے بھی ہیں جو زرد رنگ کے مٹیالے سنگ مرمر کے ہیں۔ اس شہر خموشاں اور خوش منظر وادی میں منبت کاری کی جالیاں۔ حجرے جن میں بستیوں مندروں۔ سیر و شکار اور مذہبی سین عجیب و غریب نقاشی سے پینٹ کیئے گئے ہیں سب دیکھنے کے قابل ہے۔ ایک کمرے میں عجیب صنعت دکھلائی ہے کہ اس کی ساری دیواروں اور محرابوں میں ابرق کی تختیاں بھورے رنگ کے نقش و نگار میں بڑی خوب صورتی سے جائی ہیں جس سے چاند کا سما نظروں میں پھر جاتا ہے۔ اب ہم پھرتے پھراتے گرا س زمانے کے نفیس کمروں میں پہونچتے ہیں جس کے گرد اونچی پردے کی دیوار ہے جس میں جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ صدر دروازے کے اوپر ایک نادر نو زنگار چھوٹا سا کمرہ ہے جو سہاگ مندر کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں سے رانیاں دربار کا

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

پیچیدہ ہو گئے تھے اُدھر کی خبر لینا مقدم تھا۔ سنہ ۱۷۶۷ء میں جے پور کے بادشاہ نے انتقال کیا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) تماشہ دیکھتی تھیں جو دیوان خاص میں ہوتا تھا۔ ہال آف وکٹری کے اوپر جس مندر یعنی روشنی کا مکان بنا ہوا ہے جو اسم بامسمٰی ہے اور چمکدار اور بے کیفیے شورہ گیتا اور بے نظیر پچیکاری کے کام سے اب بھی بڑا جگمگا رہا ہے۔ اس بارہ کا سطح جھیل و سنسان ٦
پہاڑوں کی طرف ہے جدھر شفاف سنگ مرمر کی نقش و نگاری محرابیں اور نازک ستون ہیں۔ اگر محل کا یہ حصہ قید خانہ سمجھا جائے تو تصور میں بھی اس سے بہتر جیل خانہ نہیں ہو سکتا۔ ایک بڈھا راجپوت چوبیاں کا محافظ ہے کہتا ہے کہ جب راجہ یہاں رہتے تھے تو بعض اوقات زنانہ ہو جاتا تھا اور مرد پھٹک نہ سکتا تھا اور ساری عمارت بس عورتوں کے لیئے مخصوص کر دی جاتی تھی۔ ہم بھی اس مقام کو بالکل خالی نہیں کہہ سکتے ...... دروازے کی بغل میں نشیب کی طرف **دیوی** کا مندر ہے اور یہاں روزانہ ایک بکرا چڑھایا جاتا ہے۔ دُرگا کے تہواروں میں بھینسوں اور بکروں کے ریوڑ کے ریوڑ چڑھائے جاتے ہیں۔ پہلے کہتے ہیں کہ انسان کو بلیدان چڑھاتے تھے۔ **کالی دیبی** کی مورتیاں تمام کالی اور لال مندر کے اندر ایک تاریک حجرے میں چبوترے پر بیٹھی ہے جس کی آنکھیں بند اور جبیں چمکتی ہیں۔ گلے میں کھوپریوں کا ہار پڑا ہوا ہے چبوترے کے پیچھے پیتل کا ایک ڈھیر اور بڑے بڑے بے تکے بھگونے اور ایک چوڑا کتہ دھرا ہوا ہے۔ راجپوت پجاری وہاں موجود تھے جو اپنے منتر پڑھتے اور گھنٹیاں بجاتے تھے۔ جے پور دستکاری اور صناعی کا ایک بڑا مرکز ہے۔ مینا کاری کا کام۔ شال پشمینے کی چادریں۔ چھتر۔ مورچھل۔ سنگ مرمر۔ لکڑی اور ہاتھی دانت کا منقش کام۔ چھپے ہوئے انگوچھے۔ چھینٹیں اور ہر قسم کے زیورات جس بازار میں دیکھو ایک چہل پہل ہے۔ ہر شخص اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ جے پور کی مینا کاری کا کام بڑا ابھر دار کیلا۔ خوشنما اور مضبوط ہوتا ہے اس قسم کا نفیس کام دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا۔ جے پور ہی کی قریب **سانبھر** نام کی ایک بڑی جھیل طول میں بیس میل اور گہرائی میں چار فیٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا ایک کنارا جے پور کے علاقہ میں ہے اور دوسرا جودھپور کے مگر سرکار انگریزی نے اس کا پٹہ لے لیا ہے۔ اوسط پر آمد نمک کی چار ہزار ٹن سالانہ ہے۔ یہیں کا نمک سارے راجپوتانے میں استعمال ہوتا ہے اور ہندوستان کے دوسرے حصص میں بھی کثرت سے جاتا ہے۔ سانبھر ریک سے دقت سے تو دا و پنچھیوں کے شبہ نادر (؟) کو بھی دیکھ سکتے ہیں یہاں کئی عمدہ مندر اور ایک تالاب ہے۔ یہاں بہت سے درخت (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دہاں سازشوں اور بدنظمیوں کا بازار گرم تھا۔ سنہ ۱۶۷۳ء میں سیواجی نے بیجاپور سے پھر لڑائی کی اور اپنے مقبوضات کو خاطر خواہ وسعت دی اور سنہ ۱۶۷۴ء میں دوبارہ اُس نے تاج پوشی نہایت دھوم دھام سے کی اور اپنے آپ کو مطلق العنان راجہ ہونے کا اعلان کیا۔ سیواجی نے خاندیس۔ برار اور کرناٹک کے ملکوں کو لوٹ ڈالا اور اپنے باپ کے ملک کا بڑا حصہ جو جنوب ہند میں تھا لے لیا۔

راجپوتوں کی بیگانگی

کچھ عرصے بعد رانا نے میواڑ[1] (اودے پور) نے ایک شریفانہ صلح کر لی جس میں جزیہ کے ناگوار محصول کا کچھ ذکر

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰۵
فیکس انڈیکا (Ficus Indica) قسم کے ہیں جن میں جڑ سے اوپر چار فیٹ پر ایک کا دور ساٹھ فیٹ ہے۔ شہر کا ایک بہت عالی شان اور خوب صورت دروازہ ہے جس کی محراب چالیس فیٹ بلند ہے (ماخوذ از کیبنٹ پکچرسک انڈیا صفحات ۹۴ تا ۱۰۴)

[1] نوٹ صفحہ ہذا جو دھپور میواڑ کہلاتا ہے۔ مہارانا سر فتح سنگھ بہادر یہاں کے راجہ ہیں جن کی اکیس توپ کی سلامی ہے۔ ہندوستان کے بعض راجہ مہاراجہ ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی قدامت کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ مہارانا صاحب اودے پور کا خاندان بھی بڑا معزز اور قدیم ہے۔ جاپان کے بادشاہ کی طرح یہ بھی اپنے آپ کو سورج کی نسل سے ہونے کا فخر رکھتے ہیں۔ رقبہ (۱۲۶۹۴) مربع میل۔ آبادی (۱۲۸۱۲۸۴)۔ محاصل (۲۶۴۰۰۰۰)۔ شہر کی آبادی چالیس ہزار۔ ساری ریاست کے ملک کا منظر بڑا دل کش ہے خصوصاً راج دھانی کے قریب اراولی پہاڑوں کے نظارے کو لوگ کشمیر کے برابر بتاتے ہیں۔ اس سٹیٹ میں تالاب اور جھیلیں کثرت سے ہیں۔ اودے پور سے بیس میل پر **ڈھیبار تالاب** ہے جو نو میل لمبا اور پانچ میل چوڑا ہے اور اکیس مربع میل میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا بند بارہ سو فیٹ لمبا۔ (۹۵) فیٹ چوڑا اور بنیاد میں پچاس اور اوپر پندرہ فیٹ ہے۔ یہاں پہاڑ کی قدیم ترین بڑی قومیں ہیں۔ **نہیر۔ مینے۔ بھیل**۔ اودے پور کا شہر اپنے عالی شان محلات جھاڑیوں سے لدی ہوئی پہاڑیوں۔ جگناتھ کے بڑے بھاری مندر۔ راجپوت رؤسا کے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

نہ تھا اور راجہ جسونت سنگھ کا بیٹا مارواڑ کا راجہ تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن آتش فساد

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سر بفلک محلات۔ مندر۔ پھول باغ۔ فوارے منارے۔ نیمو کے
باغ۔ ان اعتبارات سے دنیا کے نہایت دلکش اور نظیر شہروں میں ہے۔ راجہ کے محل
کی کیفیت **ٹاڈ صاحب** اپنی کتاب **تاریخ راجستان** میں یوں لکھتے ہیں
کہ "یہ ایک سلسلہ ہے دلکش عمارتوں کا جو باقاعدہ بنی ہوئی ہیں یہ عمارتیں سنگ خارا اور سنگ مرمر
کی ہیں جن کی بلندی زمین کے اوپر کم سے کم سو فیٹ ہے۔ چاروں کونوں پر چار ہشت پہل
برج ہیں جن پر ممٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ عمارتیں وقت واحد میں نہیں بنیں بلکہ متفرق اوقات
میں مگر اس خوبی سے بنائی ہیں کہ طرز عمارت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور ہندوستان میں ایسی
شاندار اور عجیب و غریب اور کوئی عمارت نہیں ہے۔ یہ محل جھیل کے کنارے کنارے پہاڑی
سلسلے پر بنا ہوا ہے۔ اس کا رو کار مشرق کی طرف ہے اور ایک لمبا دالان سہ گہا جس میں تہری قطار ستونوں
کی ہے برابر چلا گیا ہے۔ دالان کی دیوار کی بلندی پچاس فیٹ ہے۔ اسی کی خلا میں راجہ کا اصطبل ہاتھی گاڑی
ہاتھی۔ گھوڑے۔ پیدل وغیرہ سب کے رہنے کی جگہ ہے۔ دالان کی چھت پر سے شہر اور
وادی سب نظر آتے ہیں اور آگے جا کر نظر پہاڑیوں سے رک جاتی ہے لیکن محل کے اوپر سے
دیکھو تو جھیل اور پہاڑ سب نظر آتے ہیں اور کوئی چیز نظر کی سد راہ نہیں ہوتی۔ جھیل کے
اطراف اور بہت سے محلات ہیں اور اس کی سطح پر جو متفرق جزیرے ہیں ان پر بنے ہوئے
ہیں۔ اس جھیل میں صرف مہارانا صاحب ہی کی کشتیاں چلتی پھرتی ہیں۔ ہر جزیرہ بجائے خود ایک
باغ ہے۔ جس میں بڑے بڑے محل اور مندر بنے ہوئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ ایک دلکش
مقام ہے۔ ان میں سب سے بہتر **جگ مندر** ہے جو شاہجہان بادشاہ کے لیے خاص کر بنایا
گیا تھا۔ اس نے جب اپنے باپ جہانگیر سے بغاوت کی تھی تو وہ چندے اسی عالیشان محل
میں رہا تھا۔ شہر کی فصیل کے گرد قلعوں کا ایک سلسلہ ہے اور ہر قلعے کی طرف ایک ایک
سڑک دوڑی ہوئی ہے جس سے بڑی خوش نمائی ہو گئی ہے۔ شہر سے دو میل پر مرگھٹ ہے جہاں
مہاراجہ اور رانیاں اور ان کے خاندان کے لوگ پھونکے جاتے ہیں یہ سلسلہ جب سے
اودے پور راج دھانی قرار پایا ہے سنہ ۱۵۶۸ء سے جاری ہے یہاں ایک عمدہ باغ میں جہاں ہر طرف
پھولوں کے تختے کے تختے کھلے ہوئے ہیں سیکڑوں چھوٹے بڑے سمادھ ہیں جن میں سے
(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

پہیل چکی تھی اور اورنگ زیب نے بالکل لاپروائی سے راجپوتوں کی امداد کی بڑی بھاری قوت کو برباد کر دیا۔ آیندہ جو مشکلات دکن میں پیش آئیں اُس وقت اورنگ زیب کو اِس (ناقابل تلافی) نقصان کا احساس بھی ہوا لیکن وہ ایسا مستقل مزاج اور

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) چھوٹے سے چھوٹا اور کم تر سے کم تر درجے کا بھی بلحاظ صناعی کے کم نہیں ہے سب سے عمدہ منڈپ سنگرام سنگھ اودیپور کے مشہور مہاراج کا ہے جو ۱۷۳۳ء میں یعنی اپنی اکیس رانیوں کے ساتھ جلائے گئے۔ اس مٹھ کی طیاری میں انواع و اقسام کی دستکاری اور صناعی دکھلائی گئی ہے۔ یہ منڈپ (۵۶) ستونوں کا ہے جس کے وسط میں ایک مثمن برج بنا ہوا (ہے) اور برج کے آٹھ ستون نقش و نگار کے نفیس کام سے آراستہ ہیں فرگسن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ (۴۷۰) پر ان سمادوں کا ایک باب ہی علیحدہ کیا ہے جس میں پوری صراحت اور نقشے بھی بنائے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہاں کی ساری عمارتیں ایک عجیب و غریب نادر الوجود جھمگٹا ہے اور اس سے بہتر کوئی قبرستان خیال میں بھی نہیں آتا۔ شہر کے جنوب رخ پہاڑی پر ایک قلعہ بنا ہوا ہے جو اکلن گڑھ کہلاتا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں گوبھردن بلاس نام کا ایک محل مہاراجہ صاحب کی سیرگاہ کا بنا ہوا ہے۔ اُدیپور سے بارہ میل شمال کی طرف اکلنجی کی تنگ گھاٹی میں اور بہت عمدہ مندر مہادیو جی کا ہے جو میواڑ کے لوگوں کا خاص دیوتا ہے یہ مندر اور دالان سنگ مرمر کا ہے۔ اس کی خدمت بجائے پروہتوں اور پجاریوں کے خود مہاراجہ صاحب جو شیو کے قایم مقام ہیں ادا فرماتے ہیں۔ یہاں ایک خوش نما جھیل ہے جس کے اطراف پہاڑ ہیں جس کے کنارے کنارے متعدد مندر مختلف قسم کے ہیں۔ اکلنجی کے پہلے سرے پر ایک بڑا دروازہ ہے جس کی دونوں طرف اونچی دیوار کھنچی ہوئی ہے۔ مہارانا صاحب اودیپور علاوہ ایک بڑی ریاست کے حکمران ہونے کے اہل ہنود کے اعتقاد میں بڑے مقدس اور قابل پرستش شخص ہیں وہ سورج بنسیوں کے قایم مقام ہیں وہ سارے ہیرو کی زندہ یادگار ہیں جن کا سلسلہ بلافصل رام چندر جی تک پہنچتا ہے۔ مہارانا صاحب کے تحت میں اکیاون رئیس اور ہیں جن کو وہ حقوق حاصل ہیں جو راجپوتانے کے دوسرے امرا کو نہیں ہیں۔ یہ لوگ بڑی شان و شوکت سے رہتے اور اپنی اپنی جمعیت جداگانہ رکھتے ہیں مشہور ہے کہ ان لوگوں کی آمدنی بیس لاکھ کی ہے اور مہاراجہ صاحب کی پینتیس لاکھ۔ فوج کی تعداد

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

اپنے ارادے کا پکا تھا کہ اُس نے ایک بال برابر بھی اپنے اصول موضوعہ سے جنبش نہ کی۔ اگرچہ صلحنامہ ہوچکا تھا مگر پھر بھی راجپوتوں کو کوئی اطمینان نہ تھا اور راجپوتانے کا ایک بڑا حصہ اورنگ زیب کی سلطنت کے اختتام تک برسر بغاوت ہی رہا۔

تاریخ نویسی کی ممانعت[۵]

سنہ ۱۱ جلوس میں اورنگ زیب نے ایک عجیب و غریب حکم دیا۔ شاہی وقائع نگار کا عہدہ برخاست کردیا اور خانگی لوگوں کو بھی اشاعت تاریخ کی ممانعت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۲ (۵)) چھبیس ہزار نفری ہے۔ اودیپور سے چوبیس میل پر ناتھ دوارا ہے جہاں کا مندر وشنو کا ہے اور سارے ہندوستان میں بڑا متبرک مقام مانا جاتا ہے۔ یہاں کا بت اورنگ زیب گردی میں متھرا سے لایا گیا تھا۔ ناتھ دوارے سے اور آگے آٹھ میل پر راج سمندر کا عالی شان تالاب ہے جس کا بند کوئی دو میل لمبا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس بند کے بیچ میں کنکرولی کی بستی ہے یہاں بھی ناتھ دوارے کی طرح کا ایک قدیم مندر ہے۔ اودیپور کے جنگلوں میں لاکھ کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے جسے بھیل لوگ اکھٹا کرتے ہیں اور زیورات میں بھرنے میں کثرت سے کام آتی ہے۔ ماخوذ از امپیریل انڈیا صفحات ۵۰۹-۴۸۵)

[۵] یہ ممانعت غالبًا اسی قسم کی ہوگی جیسے آج کل سنسر یا آفیشل سیکریٹ یا سیفٹی ایکٹ پریس کہ جب تک گورمنٹ چھان بین نہ کرے کوئی خبر شائع نہیں ہوسکتی۔ حتیٰ کہ تار بھی سنسر کے پاس گئے بغیر نہیں جاسکتا۔ خطوط ڈاک میں کھولے اور پڑھے اور ان پر سنسر کی مہر لگائی جاتی ہے جب وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پریس ایکٹ جسے (Gagging Act) یعنی قانون زبان بندی بھی کہتے ہیں وہ بھی اسی قبیل کا جیسے کہ تاریخ نویسی کی ممانعت۔ یہ سلاطین کی پالیسی اور امور مملکت ہیں ماوشما کی سمجھ سے باہر۔ وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے ملک میں امن قایم رکھنے کو ناگوار ایسے احکام جاری کرنے پڑتے ہیں۔ اورنگ زیب نے اگر بلحاظ مصالح ملکی تاریخ لکھنے کی ممانعت کی تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں پائی جاتی۔ ۱۲

کردی۔ اس ممانعت کی وجہ سے اورنگ زیب کی سلطنت کے صحیح صحیح واقعات دستیاب نہیں ہو سکتے اور اسی وجہ سے ہم ایک گونہ تاریکی میں پڑ گئے ہیں اور جو حالات لوگوں نے در پردہ لکھے تھے وہ بھی بادشاہ کی وفات تک پبلک کے سامنے نہ لائے جا سکے۔

اورنگ زیب دکن میں

سنہ ۱۶۵۷ء میں جب کہ اورنگ زیب دکن یعنی خاندیس۔ برار۔ تلنگانہ اور احمد نگر کا صوبہ دار تھا تو اس نے ایسا ڈھنگ ڈالا تھا کہ اگر تخت کا جھگڑا نہ پڑجاتا اور اسے اس شدید ضرورت سے دار السلطنت کی طرف نہ بھاگنا پڑتا تو وہ گولکنڈے اور بیجاپور کو کبھی کا فتح کر لیتا اور اس طرح تمام ملک دکن کو اپنے باپ کی سلطنت میں شامل کر دیتا۔ اورنگ زیب کے بادشاہ ہونے کے کئی سال بعد اس کو اپنا پرانا میدان کارزار یاد آیا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ دکن میں ایک نئی طاقت مرہٹوں کی نمودار ہوئی۔ پہلے تو ان کو بے حقیقت سمجھ کر کوئی توجہ نہیں کی لیکن یہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے ایسے طاقت ور اور زبردست ہو گئے کہ مغلیہ فوج سے لڑے اور ایسے لڑے کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ صورت حال ایسی بگڑ گئی کہ اس پیرانہ سالی میں اورنگ زیب کو سالہا سال سر کھپانا پڑا مگر لاحاصل کیوں کہ اسی جھمیلے میں اورنگ زیب کا بے یار و مددگار تن تنہا پردیس میں حالت دل شکستگی احمد نگر ملک دکن میں خاتمہ ہوگیا۔ اس کی مٹی وہیں کی تھی جو

جدید العہد مرہٹے

قبل اس کے کہ ہم اورنگ زیب کی ان لڑائیوں کا ذکر کریں جن کا سلسلہ ملک دکن میں برابر چھبیس برس تک (سنہ ۱۶۸۱ء-۱۷۰۷ء) جاری رہا ہم کو مرہٹوں کی طاقت کا کھوج لگانے کے لیئے زمان گذشتہ کی طرف عود کرنا پڑے گا اور سیواجی اس کے بانی مبانی کی لیئف کا خلاصہ پیش کرنا ہوگا۔ مرہٹے مہاراشٹر (مرہٹواڑی ملک) کے قدیم لوگ قوم ہنود سے ہیں۔ ان کا ملک مغربی گھاٹوں میں سخت پتھرا پہاڑ اور دریائے نربدا کے جنوب میں

بندھیاچل کے کوہی سلسلے کے برابر برابر پھیلا ہوا ہے اور اگر ہم ایک خط مستقیم کھینچیں تو وہ گوا[1] بندر سے ہوتا ہوا چاندے پر ختم ہوگا جو دریاے وردا پر واقع ہے (الفنسٹن صفحہ ۱۲۵)۔ تیرھویں صدی میں یہی حصۂ ملک یادو خاندان کے راجاؤں کا مرکز تھا۔ مرہٹواڑی کے مشہور شہر پونا۔ ستارا۔ کولھاپور ناسک ہیں۔ مرہٹوں کی اصلی طاقت کا ملجا ماوی مغربی گھاٹ تھے جن کا کراڑا

[1] بندر گوآ۔ مدراس سے (۵۷۸) میل ہے۔ گوآ سے سات میل پانجم پرتگالیوں کا دار السلطنت ہے جو بہت عمدہ قابل دید مقام ہے جہاں خوش نما باغات ہیں۔ گوے میں قدیم زمانے کے گرجے ہیں جن میں سے سینٹ کے ای ٹاو اور بام جیزز کے دو گرجے اب بھی اچھی حالت میں ہیں۔ بام جیزز کے گرجا میں سینٹ فرینسس زیویر کا مزار ہے جو گوانیوں کا بڑا مقدس پادری تھا جس نے جزیرۂ ملاکا میں وفات پائی اور جس کی نعش یہاں لاکر ایک نقرئی تابوت میں رکھی گئی ہے جس کی زیارت کے لیئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ بندر گوآ کا منظر۔ جہازوں کی کثرت۔ باغات کی بہتات۔ یہ سب چیزیں قابل دید ہیں۔ گوے میں مال تجارت بہت کثرت سے آتا ہے اور بہت بڑی تجارتی منڈی ہے کیسل راک یہاں سے ساڑھے تین میل ہے۔ یہ مقام بری گینز اگھاٹ کی چوٹی پر ہے اور سطح سمندر سے (۱۹۰۰) بلند ہے۔ یہاں سرکار انگریزی کا کسٹمز ہوس اور نمک کا محکمہ ہے۔ کیسل راک سے کالم رجو گھاٹ کے دامن میں ہے تک کا منظر اور دودھ ساگر کی آبشار قابل دید ہے۔ ان مقامات کے متوازی سمندر کے کنارے ریل دوڑتی ہے۔ فریزر نامی سیاح نے ۱۶۷۵ء میں گوآ کے ہولناک مظالم کا چشم دید حال لکھا ہے کہ میں ایک دن صبح کو اس مقام پر گیا جہاں کہ پادریوں کا دار القضا بنا ہوا تھا۔ وہ دار القضا کیا تھا ایک مقتل تھا۔ بازار کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری اونچا انجن سولی کی طرح کا کھڑا کیا گیا تھا جس پر ایک چرخ لگا ہوا تھا۔ انجن تک پہنچنے کے لیئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جس کو سٹراپیڈو (Strappado) کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سزا پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ ایک بڑا شہتیر بلندی پر لگا ہوا ہے اس پر آدمی کو گھسیٹ لیتے ہیں اور پھر وہاں سے اسے گرا دیتے ہیں۔ اتنی اونچائی پر سے گرتے ہی آدمی کی (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اور ڈھلان تمام ملک دکن میں خلیج بنگالہ تک چلا گیا ہے گھاٹوں اور سمندر کے درمیان

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہڈیاں چورا چورا ہو جاتی ہیں۔ وہیں قریب میں اوپر وار ایک اور جزیرہ تھا جہاں پادریوں کے فتوے کے موافق لوگوں کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دیتے تھے۔ جن کے لیئے یہ سزا تجویز کی جاتی تھی اُن کو دارالقضا سے نکلتے اور شیطان کا لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلادوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ بازاروں میں سور کے گوشت کے سوا اور کسی قسم کا گوشت کاٹنے کی ممانعت تھی جو ہندو اور مسلمان دونوں کے لیئے ایک غضب کا سامنا تھا ایک اور سیاح لنس کوٹن (Linschoten) جو ۱۵۸۳ء سے ۱۵۸۹ء تک ہندوستان میں رہا ہے وہ بھی پادریوں کی اِن کوئی زیشن (Inquisition) کے مظالم لوگوں کے قید کرنے اور تکلیف دہی کی تائید کرتا ہے۔ مخفی مباد کہ عیسائیوں کے رومن کیتھولک کے فرقے میں ان کوئی زیشن پادریوں کی اُس مقدس جماعت کا نام ہے جو برگشتہ اور مرتد لوگوں کے افعال اور مذہبی الزامات کی تحقیقات اور سزادہی کے واسطے مقرر کی جاتی ہے۔ (از واقعات مملکت بیجاپور) نوٹ ۵۲ صفحہ ۵۱۹۔ شہر پونا دکن کا ایک بڑا اور مشہور شہر ہے جو بمبئی کے مشرق میں براہ جی آئی پی ریلوے (۱۱۹) میل ہے مُوٹلا اور موٹھا ان دو دریاؤں کے سنگم پر آباد ہے۔ پیشواؤں کے زمانے میں دارالخلافہ رہنے اور اس سے قبل بھی اسلامی حکومت کا مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے اس شہر کو بہت کچھ تاریخی وقعت حاصل ہے۔ آبادی کے بلحاظ سے گو اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ نہیں لیکن بلحاظ تجارت اور مرکز علم کے بڑا مقام سمجھا جاتا ہے۔ سطح سمندر سے تقریباً اٹھارہ سو فیٹ بلند ہونے سے آب و ہوا معتدل اور جون سے ستمبر تک (جو علاقہ بمبئی میں شدت بارش کا زمانہ ہے) خوش گوار ہوتی ہے اسی وجہ سے گورنمنٹ بمبئی کا برساتی صدر مقام اور بمبئی پریزیڈنسی کی فوج کا ہیڈکوارٹر ہے۔ ملک کے ہر گوشے سے بڑے بڑے امرا اور رؤسا برسات میں یہاں آ کر رہتے ہیں۔ اس سبب سے اس شہر کی رونق اور اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ یہ شہر آبادی کے لحاظ سے تین حصوں میں منقسم ہے (۱) سٹی یعنی شہر۔ (۲) صدر بازار۔ کیمپ یا لشکر۔ (۳) اسٹیشن۔ شہر کا حصہ ہی پونا کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جو اس وقت تک پرانی طرز پر مغرب کی طرف آباد ہے اور پیشواؤں کا آباد کیا ہوا ہے اس لیئے یہاں زیادہ تر آبادی ہندوؤں کی ہے اور انہیں کے محاورے کے مطابق محلوں کے نام بھی شکروار پیٹ وغیرہ ہیں۔ ان محلوں میں بعض بعض (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

جو نشیب اور ناہموار میدان ہے یہی کانکن کہلاتا ہے اور یہی ایک مناسب موقع مرہٹوں کی

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) مقامات قابل دید ہیں جو گزشتہ زمانے کی یادگار اور نئی روشنی کے پرتو کو نمایاں کرتے ہیں۔ شنیوار پیٹ میں باجی راؤ پیشوا کا محل ہے جسے باجی راؤ کا باڑا کہتے ہیں یہ دو ڈھائی سال اول کا بنا ہوا ہے۔ یہیں انگریزوں اور پیشواؤں کا صلح نامہ ٹیپو سلطان کے خلاف ہوا تھا۔ انگریزوں نے ۱۸۱۸ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۲۷ء میں یہ محل آتش زدگی سے برباد ہو گیا۔ اب صرف پیشوائی زمانے کی چار دیواری باقی رہ گئی ہے۔ حال میں اس احاطے کے اندر منصفی اور خفیف کی عدالتیں بن گئی ہیں۔ اس پیٹ میں دو پرائیویٹ سکول بھی ہیں جنہیں گورنمنٹ سے گرانٹ ملتا ہے۔ (۱) نیو انگلش سکول۔ (۲) پونا نیٹو انسٹیٹیوشن۔ سدا شیو پیٹ میں جوشی میموریل ہال ہے جس میں کتب خانہ ہے اور ہفتے اور پیر کو بڑے بڑے نامور یورپین پروفیسر لیکچر دیتے ہیں۔ سٹی میں صرف ایک گورنمنٹ سکول ہے اور وہ اسی پیٹ میں ہے جو پونا ہائی سکول کہلاتا ہے۔ اس ہائی سکول سے ذرا دور مرہٹی دھرنیا کیلا ٹریننگ کالج ہے اس کالج سے دو میل پر شہر کے باہر غرب کی طرف مشہور فرگسن کالج ہے اس کالج سے پرنسپل نامور ہند و لیڈر مسٹر پرانجپے سینیئر رینگلر ہیں۔ بدھوار پیٹ تمام شہر میں بڑی تجارت کی منڈی ہے یہاں نیٹو جنرل لیبریری کی بڑی پختہ سنگین عمارت ہے اور ایک سکول ہے جو نوتن مرہٹہ وویالے کے نام سے موسوم ہے۔ منگلوار پیٹ میں ایک بڑا زنانہ ہسپتال ہے جن میں مشنریوں کی طرف سے سیکڑوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ بوہرا پیٹ میں دیکھنے کے قابل اگر کچھ ہے تو ایک مارکٹ ہے جسے رسے مارکٹ کہتے ہیں جو ۱۸۸۶ء میں بمبئی کے گورنر لارڈ رے کے نام نامی پر بنا ہے۔ اسی پیٹ کے خاتمے پر شہر سے باہر کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی ہے جسے پاربتی کہتے ہیں اس پر ہندوؤں کا ایک عظیم الشان مندر باجی راؤ پیشوا کا بنایا ہوا ہے۔ یہ مقام بڑا پر تکلف اور قابل دید ہے اگرچہ ہندوؤں کی تیرتھ گاہ ہے مگر سیکڑوں آدمی روزانہ پوجا پاٹ کے علاوہ سیر و تفریح اور ورزش کے خیال سے اوپر جایا کرتے ہیں کیوں کہ یہاں سے تمام پونا اور کھڑک واسلے کا نظارہ بخوبی نظر آتا ہے اور دوربین سے تو نہایت صاف دکھائی دیتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ جگہ خود نہایت پر لطف ہے اور پر چڑھنے کے لیے سیکڑوں پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اس پہاڑی کے نیچے ایک نہر جاری ہے جو کھڑک واسلے کے تالاب سے آتی ہے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

پناہ گاہ کا تھا۔ جنگی میدان میں اُترنے سے پہلے اُن کی نہ کوئی قوم تھی نہ جتھا

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) پاربتی کی پہاڑی کے دامن میں ایک باغ بھی ہے جس کو پیشوائی زمانے سے ہیرا باغ کہا جاتا ہے۔ اس باغ کے وسط میں پیشوا کا ایک تفریحی محل بھی کھڑا ہے جس کو اب ٹمون ہال کہتے ہیں۔ کھڑک واسلا جو پونا سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے نہایت پر فضا جگہ ہے۔ اکثر لوگ یہاں سیر کے لیئے جایا کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑا تالاب ہے یہیں سے تمام شہر اور چھاؤنی کو پانی پونہچتا ہے اور بڑے بڑے قطعات زمین کو شاداب کرتا ہے۔ اس تالاب پر ایک بڑا لکڑی کا پُل ہے۔ تالاب کے پاس ایک سرکاری بنگلہ ہے جس میں ہواخوری کی غرض سے اکثر لوگ ٹھیرتے ہیں۔ یہاں چند یورپین لوگوں کے بنگلے بھی ہیں۔ صدر کیمپ یہ شہر پونا کا مشرقی حصہ ہے اور نئی طرز پر آباد ہے۔ اس میں ہر قوم کے لوگ رہتے ہیں۔ اس حصّے میں تجارت کے بڑے مقام مین اسٹریٹ اور شولا پور بازار ہیں۔ جہاں شہر کے تینوں حصے کے لوگ خرید فروخت کرتے ہیں۔ خصوصًا کیمپ اور اسٹیشن کو اشیاے مایحتاج یہیں سے ملتی ہیں۔ کچھ دنوں سے بھوانی پیٹ کا بہت بڑا پیٹ بھی اسی کیمپ میں شامل کر لیا گیا ہے جس میں اکثر خوش حال لوگوں کے مکانات اور بنگلے ہیں۔ سنٹرل مسلم زنانہ سکول جس کی انسپکٹرس مولوی رفیع الدین احمد صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ اس میں مسلم نادار لڑکیوں کی مفت تعلیم ہوتی ہے۔ پارسیوں کا بیٹٹ ہال جس میں پارسیوں کی شادی غمی کی تمام رسمیں ادا ہوتی ہیں اور عربوں کی مشہور قیمتی گھوڑوں کی پاگا بھی اسی پیٹ میں ہے جس میں گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بھی ہوتے ہیں۔ یہودیوں کی سنی گاگ (معبد) بھی کیمپ میں ہی ہے جس کی عالی شان عمارت صرف پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے اور اسی وجہ سے عام طور پر اسے لال دیوی کہا جاتا ہے۔ اس کی بلند میناروں پر چاروں طرف بڑی بڑی گھڑیاں لگی ہوئی ہیں جن کی آواز چو طرف دور دور جاتی ہے۔ اسی حصے میں کانونٹ سکول کی عمارت ہے جو دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک حصے میں مردانہ تعلیم کا انتظام ہے دوسرے میں زنانہ اس میں دو گرجے بھی ہیں۔ تعلیم کا انتظام رومن کیتھولک فرقے کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہیں ٹریچر اینڈ کو کی بڑی بھاری دکان ہے جس میں ادویہ اور آلات سائنس کے سوا جو چاہو ملتا ہے۔ اس دکان کے آگے بجانب شمال یورپین جمخانہ ہے جہاں ہر قسم کے کھیل اور کرکٹ میچ ہوتے ہیں۔ ایک گھ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

یہ لوگ کاشتکاروں کی سی با امن زندگی بسر کرتے تھے۔

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اورنگ زیب کے وقت کی بڑی بڑی توپیں بطور یادگار کے بچی ہوئی ہیں جن پر اس بادشاہ کا اسم گرامی اور کچھ آیات کلام مجید منقوش ہیں۔ یہ اس وقت نایاب اور لاثانی چیزیں مانی جاتی ہیں کیوں کہ اب تمام دنیا میں ایسی توپیں میسر نہیں آسکتیں۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور پونہ ریس گراؤنڈ ہے جہاں ہمیشہ پولو ہوا کرتا ہے۔ صدر کے باہر ریس گراؤنڈ یعنی گھوڑ دوڑ کا بہت وسیع میدان ہے جس میں ہر سال اگست و ستمبر میں بڑی بھاری گھوڑ دوڑ ہوتی ہے جو تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ اس کا احاطہ سوا میل سے زیادہ ہے اور اس میں ایک دو منزلہ عمارت تماشائیوں کے بیٹھنے کی بنی ہوئی ہے۔ گورنر صاحب بہادر بمبئی اور تمام معزز و ممتاز یورپین اور ہندوستانی حکام یہیں رونق افروز ہوتے ہیں۔ احاطے کے اطراف تماشائیوں کا ایسا جم غفیر ہوتا ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی اگر تھالی اچھالو تو سروں ہی سروں پر چلی جائے۔ علاوہ اس کے موٹر۔ فٹن۔ لینڈو۔ ٹمٹم تانگوں حتیٰ کہ بیل گاڑیوں کی ریل پیل بھی ایک لطف انگیز کشمکش ہے۔ ریس گراؤنڈ کے سامنے ایک بڑا وسیع میدان ہے جسے کوئنیز گارڈن کہتے ہیں اس میں نفیس سڑکیں۔ روشیں۔ انواع و اقسام کے درخت اور طرح بطرح کے پھول۔ بڑے بڑے خوش نما تالاب ہیں جن کا دل فریب منظر نظر کو محظوظ اور دل کو مسرور کرتا ہے۔ باغ کیا ہے جنت کا ٹکڑا لاکر زمین پر رکھ دیا ہے۔ شہر کے لوگ کثرت سے یہاں سیر و تفریح کو آتے ہیں۔ اسٹیشن۔ یہ پونا کا شمالی حصہ ہے جو بلحاظ صفائی۔ پُر فضا باغات اور خوش نما عالی شان کوٹھیوں کے خصوصیت رکھتا ہے۔ اس حصے کے خاص خاص مقام بندر روڈ۔ نیپیر روڈ۔ سالون روڈ۔ اسٹیشن روڈ وغیرہ ہیں۔ یہاں صرف اہل ثروت کی بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں۔ ان میں بڑے بڑے رئیسوں۔ نوابوں۔ انگریزوں۔ پارسیوں۔ امیروں۔ رجواڑوں کی بود و باش کا بڑے ٹھاٹ کا انتظام ہے۔ پونے میں بنگلے کرائے پر بھی مل سکتے ہیں جن کی سجاوٹ اور نظر فریبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر کوٹھی کے سامنے حسب حیثیت باغ ضرور ہوتا ہے اور جس کے بنانے سنوارنے میں یہاں کے مالیوں کا حصہ ہے۔ سیکڑوں قسم کے پھولوں۔ بیل بوٹوں۔ گملوں سے کیاریاں اس خوش اسلوبی اور خوش سلیقگی سے سنواری جاتی ہیں کہ بمبئی علاقے میں (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

مرہٹوں کا بیان

الفنسٹن صاحب کو مرہٹوں کے حالات سے بخوبی واقفیت تھی اس لیئے اُنھوں نے جو حالات

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) شاید ہی اور کہیں ایسے باغ نکلیں تو نکلیں۔ برسات کے موسم میں تو عجیب نکھار اور بہار ہوتی ہے کہ ع زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست اس زمانے میں یہاں بڑی بڑی دل فریبی کے سامان مہیا کیئے جاتے ہیں۔ کوٹھیوں اور باغیچوں میں اس خوش اسلوبی اور نقاشی سے روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے کہ زمین رشک ارم بن جاتی ہے اور گویا آسمان پر سے تارے اُتر کر زمین پر لوٹنے لگتے ہیں۔ پھر کوٹھی کے مالک کا یہ شوق کہ میری ہی کوٹھی سب سے زیادہ نکھرے شکیر ہو مازنگ برنگ کی روشنی میں قسم قسم کی گلکاری اور بیل بوٹے کہیں کوٹھی والے کا اپنا نام کہیں دعائیہ کلمات اور اشعار غرض اپنے اپنے شوق و مذاق کے مطابق اپنی رنگینی طبع کا اظہار دل کھول کر کرتے ہیں۔ جلسوں اور پارٹیوں اور پکنک کے چرچے بھی یہاں خوب رہتے ہیں۔ یہاں کا سٹیشن بھی بہت بڑا ہے جو کئی ریلوں کا جنکشن ہے۔ اسٹیشن کے باہر ہی دو بڑی بڑی ہوٹلیں ہیں ایک پونا ہوٹل دوسری راج محل یہیں ایک بڑے احاطے کے اندر ہز ہائنس سر آغاخان بہادر کا بنگلہ ہے۔ مکین کے نام سے مکان کا اندازہ کر لیجیئے ع حاجت مشاطہ نیست روے دل آرام را۔ ہز ہائنس کے بنگلے کے گرد آپ کے اعزہ اقربا کے بنگلے ہیں وہ بھی اپنی اپنی جگہ بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ نیپیر روڈ پر نیپیر ہوٹل کی شاندار عمارت ہے جس میں اکثر امرا اور رؤسا آن کر اُترتے ہیں اس کا احاطہ بہت وسیع ہے اور اس ہوٹل کا انتظام بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہے یہیں صدر ڈاک خانہ اور تار گھر بھی ہیں کوپر کی کمپنی ہے جو ہر قسم کے پھل پھلاری پھولوں کے تخم اور پودے فروخت کرتی ہے سالون روڈ پر ایک بہت بڑا شفاخانہ ہے جسے عام طور پر سالون ہاسپٹل کہتے ہیں اس کے دو حصے ہیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ۔ دونوں ہر طرح کے سامان سے آراستہ ہیں۔ مریضوں کے صحت کے جو سامان ہو سکتے ہیں وہ سب یہاں ہیں۔ اسی کے پاس ایک ڈاکٹری سکول بھی ہے۔ اس ہسپتال کے محاذی بمبئی بنک کی بڑی عمارت ہے جس میں روپیئے پیسے کا کھیل ہے۔ بنڈ روڈ کی طرف ایک باغ ہے جو بنڈگارڈن کے نام سے مشہور ہے۔ یہ باغ ملا۔ متھا کے کنارے واقع ہے۔ اس کو بنڈگارڈن (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

موہجوں سے کے حسب ذیل لکھے ہیں وہ بہت خوب ہیں۔ "یہ لوگ پست قد۔ مضبوط۔ گٹھیلے ہوتے

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اس وجہ سے کہتے ہیں کہ باغ کے ہیٹھے ندی میں اس پاس سے اس پار تک ایک بڑی بھاری پتھر کی دیوار پانی کو روکنے کے لیئے کھینچی گئی ہے اور اس قسم کی دیوار کو "بند" کہتے ہیں۔ اس دیوار پر سے پانی بڑے زور سے گرتا ہے۔ یہ ایک قسم کا آبشار ہے جس کا نظارہ بڑا پُرلطف ہے۔ یہ دیوار تخمیناً دو لاکھ کے خرچ سے تعمیر ہوئی ہے۔ ایک عالی ہمت و فیاض دل پارسی نے سوا لاکھ کا عطیہ دیا بقیہ رقم میونسپلٹی نے لگائی۔ اس کے کنارے دور تک بڑا خوش نما باغ ہے۔ صبح شام ہر طبقے کے ہزاروں آدمی یہاں کی پُر فضا سیر سے محظوظ ہونے کی غرض سے آتے ہیں۔ یہاں تک بنگلوں ہی بنگلوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور بہت سے بنگلے اس ندی کے کنارے کنارے بھی بنے ہوئے ہیں۔ بند گارڈن سے ایک میل پر دکن کالج ہے شہر کے باہر بھانبرڈے میں سائنس کا کالج ہے اور کرکی (کھڑکی) میں زراعت کا کالج ہے۔ اسی جگہ فوجی کیمپ ہے جو احاطہ بمبئی میں رایل ارٹلری (شاہی توپ خانہ) کا صدر مقام ہے۔ یہاں گولی بارود اور سامان حرب کے بڑے بڑے کارخانے ہیں جو تمام پریزیڈنسی (صوبے) میں سامان جنگ بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ مقام پونے سے چار میل اور بمبئی جاتے وقت پونے کے بعد ہی ملتا ہے۔ اس باغ سے تین میل پر یروڈا کی بستی ہے۔ یہاں دو عمارتیں مشہور ہیں (۱) یروڈا استنٹرل جیل (۲) سر آغا خاں بہادر بالقابہ کی کوٹھی۔ جسے کوٹھی کہنا بے محل ہے وہ تو محلوں کا محل ہے اور اسی وجہ سے یروڈا پیلس کہلاتا ہے۔ یہ ایک شاہانہ عمارت ہے جس کی نفاست اور آراستگی کے لیئے آغا خاں کا نام کافی ہے کوٹھی کے شایاں باغ بھی ہے۔ پونے میں یہ عمارت اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے بدل مانی جاتی ہے اور در حقیقت ہے بھی لاجواب۔ ریلوے سٹیشن سے چار میل گنیش کھنڈ میں گورنمنٹ ہوس اور بوٹینکل امپرس گارڈن ہے۔ ایوان گورنری میں دربار بیویاں اور شاہانہ جلسے ہوا کرتے ہیں۔ باغ میں ہر قسم کے درختوں کے نمونے ہیں۔ ترکاریوں اور پھولوں کے بیج اور پودے ہمہ اقسام کے یہاں ملتے ہیں۔ پونے سے چند میل ہند و زنانہ یونیورسٹی ہے جس کا اہتمام پروفیسر کاروے کے ذمے ہے اور دن بدن ترقی پا رہی ہے۔ سنگھ گڑھ اور پورندھر کے دو مشہور قلعے جو علی الترتیب پونے سے دس اور بیس میل (بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

ہیں۔ گو خوب صورت نہ ہوں مگر ڈیل ڈول کے سڈول۔ سارے کے سارے چالاک

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) ہیں بطور سینی ٹوریم (صحت بخش مقام) کے استعمال کیے جاتے ہیں۔ (از مسز دار محمدی بیگم۔ لونی۔ بعد تغیر مناسب مطبوعہ تہذیب نسواں ۲۳ اگست ۱۹۱۹ء)

نوٹ ۳۵ صفحہ ۵۱۹۔ ستارا۔ واتھر سے اگلا اسٹیشن ستارا روڈ ہے جہاں سے دس میل پر یہ شہر ہے۔ یہ ضلع ہے اور شہر کی آبادی تیئیس (۲۳) ہزار ہے۔ یہ شہر بہت صاف شفاف ہے۔ یہاں کی چوڑی کشادہ سڑکوں کا دامن کوہ میں بسا ہوا ہے۔ پہاڑ پر ایک قلعہ سترہ فصیلوں۔ مورچوں اور برجوں کا ہے۔ اسی پر سے ستارا نام پڑا ہے۔ سطح سمندر سے (۳۲۰۰) فٹ مرتفع ہے اور سمندر کی ہواؤں کے جھونکوں کی وجہ سے بہت خوش گوار مقام ہے۔ پانی وافر اور شیریں ہے جو ایک تالاب سے آتا ہے۔ یہ تالاب قریب ہی ایک پہاڑ پر ہے۔ پانی نہر کے ذریعے سے لایا گیا ہے جو چار میل لمبی ہے۔ مرہٹوں کا قدیم محل ایک بھیانک عمارت ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں ہے ان لوگوں کا مسکن ہی جن کو مکان کے تکلفات کی ضرورت نہ تھی۔ ایک نیا محل بھی اسی کے پاس ہے جو بڑی بھاری عمارت ہے جس کا ایک ہال ۱۲۰×۵۰ فٹ کا ہے اور روکار پر بہت کچھ نقش و نگار اور ہندوانی تصاویر بنی ہیں۔ پیشواؤں کے قدیم خاندان کا ایک راجہ اسی محل کے پاس اور ایک مکان میں رہتے ہیں جن کے پاس خاص سیواجی کے ہاتھ کی تلوار ہے اور راجگان ستارہ کے زیورات اور پرانی چیزیں بطور یادگار کے موجود ہیں۔ قلعہ بہت پرانا ہے جسے سنہ ۱۱۹۲ء میں پنہالے کے راجہ نے بنایا تھا۔ قلعے کے اندر کی اب کوئی عمارت باقی نہیں ہاں فصیل اور دروازے جوں کے توں کھڑے ہیں۔ باہر کا لفافہ درست ہے اندر کچھ بھی نہیں۔ قلعہ پر سے مہادیو اور سہادری پہاڑوں کا پُر لطف منظر نظر آتا ہے۔ ستارے کی مصنوعات ہاتھی دانت کا کام ریشمین کپڑے۔ زری کی ساڑیاں وغیرہ ہیں۔ ستارے سے تین میل دریائے کرشنا اور ینا کے سنگم پر ماہولی ایک پُر فضا اور متبرک مقام ہے جہاں ستارے کے مردے جلائے جاتے ہیں۔ ان دونوں دریاؤں کے کنارے پندرہ بیس خوش نما مندر ہیں جن میں ایک کوئی دو سو برس کا بنا ہوا ہے اور یہی بلحاظ صنعت کے سب سے بہتر اور نفیس ہے۔ جب ستی کا طریقہ جاری تھا تو اسی موضع میں آن کر عورتیں ستی ہوتی تھیں۔ (از پکچرسک انڈیا)۔ چوں عالمگیر بادشاہ در ۱۳ ذیقعدہ سنہ ۱۱۱۱ھ قلعہ ستارہ گڈھ را فتح نمود میر عبد الجلیل بلگرامی واسطی تخلص در یک شب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

جفاکش، سختی کے متحمل اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں راجپوتوں کی سی خودداری اور شان و شوکت نہیں مگر وہ ان کی طرح آرام طلب بھی نہیں اور نہ ان میں

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) یازدہ تاریخ ہائے فتح آں رسالہ را بہ گلزار فتح شاہ ہند و طوبیٰ نامہ فیروزی شاہ عالم گیر موسوم ساختہ در خدمت بادشاہ گزرانیدہ مورد تحسین بادشاہانہ گردیدہ انجم ایں کہ از عبارت "گلزار شاہ ہند" "طوبیٰ نامہ فیروزی شاہ عالمگیر" نیز تاریخ استخراج می یابد۔ ۱۱۱۱ ۱۱۱۱
چندے ازاں تاریخ نوشتہ میشود۔

چو شہ ابہام زیر خنصر آورد — بورد اسم اعظم در شمارہ
قلاع کفر شد مفتوح الحال — ز تیغ زد عدو شد پارہ پارہ
ز انگشتان شہ بر تد ابہام — بہ ہر چہار الف آید نظارہ
بعینہ بود شکل سال ہجری — پئے تاریخ تسخیر ستارہ ۱۱۱۱
چنیں تاریخ گفتن اختراعیست — شد از عبد الجلیل ایں آشکارا

وایں نوعۂ تاریخ را "استنباط" گویند کہ بر صورت اعداد سال ہجری بیان نمودہ۔ ہرچند بادشاہ را چہار الف کہ صورت اعداد سال ہجری تصور نمودہ تہ ابہام را شکل سنہ کہ بر چہار الف بنویسند۔ قطعۂ دیگر بہ تعمیہ:-

چو شاہ عالم گیر آفتاب عالم تاب — کہ تیغ اوست بگیتی کلید فتح الباب
ستارہ قلعۂ کفار را محاصرہ کرد — بعزم آنکہ نماید بنائے کفر خراب
چناں بزلزلہ آمد زمیں ز ہیبت او — کہ کوہ گشت چو دریا و قلعہ شد گرداب
فتح شد پئے تاریخ فکر می کردم — برآمد از تہ دریائے فکر در خوش آب
چو از درون ستارہ جنود شرک برفت — طلوع کرد درو آفتاب عالم تاب

چوں از اعداد لفظ "ستارہ" اعداد لفظ "جنود" بدر کردہ شود و اعداد الفاظ "آفتاب عالم تاب" بیفزایند تاریخ برآید۔ "تاریخ":- کہ ازاں چہار مرتبہ تاریخ استخراج می یابد۔

چو محی الدین محمد شاہ غازی — ستارہ فتح فرمود از اشارہ
رقم کردم بکلک فکر بیتے — کزو شد چار تاریخ آشکارہ
بود ہر مصرعہ اش تاریخ و مقصود — ہماں حاصل ہماں شد در شمارہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

عقل و نیاوی کی کمی نہ تھی۔ ایک راجپوت سپاہی جب تک اس کی ذات کو بٹہ نہ لگے اس کو اس بات کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ جس جنگ میں وہ شریک ہو اس کا انجام

بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ مجموعہ (۱۱۱۱)

اساس سیلطے را کند	برآمد باطل از حصن ستارہ

از ہر دو مصرعۂ آخرین از روے حساب جمل تاریخ جداگانہ بر می آید چوں حروف منقوطہ یا غیر منقوطہ بیت را بگیرند ہماں تاریخ حاصل آید۔ **تاریخ** :-

جشن سہ بارہ گیر بفتح ستارہ گڈھ	نظارہ کن جوانب و اطراف بوستاں
ایں بیت را بہ تعمیہ گیرد اگر کسے	تاریخ با نقط شود از لفظ او عیاں

یعنی لفظ "جشن" را کہ سہ بارہ حساب کنند (۱۰۵۹) شود و "اطراف بوستاں" حرف ب و ن است کہ عدد آن (۵۲) میشود۔ مجموعہ (۱۱۱۱) الفاظ جشن۔ب۔ن کہ ہر یکے از آں حرف منقوطہ است از آں تاریخ بر آید۔ **تاریخ** :-

چو سیوا منیجا و ریا نا بگیتی	ز تیغ شہنشاہ گشتند پارہ
الٰہا سے ایں راجہ ہا را بیک جا	نوشتیم تاریخ فتح ستارہ

از زیب النسا بیگم بنت عالمگیر :-

از معجزہ پیمبر شق القمر عیاں شد	اعجاز خسروی بیں "شق ستارہ آمد" (۱۱۱۱)

نوٹ ۵۵ صفحہ ۵۱۹ ۔ کولھاپور بمبئی پریزیڈنسی کا ایک سٹیٹ ہے۔ رقبہ (۳۲۱۵) مربع میل آبادی (۸۳۳۴۴۱) محاصل (۵۷۳۰۰۰۰) ہز ہائینس سر چھتر پتی مہاراج۔ سلامی (۲۱) توپ۔ شہر کولھاپور کی آبادی چالیس ہزار۔ یہاں کے راجہ راجہ رام فرزند خورد سیواجی کی اولاد سے ہیں۔ کولھاپور کا شہر سارے دکن میں قدیم مندروں کے سبب سے مشہور ہے۔ اس شہر کی بنا سے ابتدائی کا سبب بھی مہا لکشمی دیوی کا مندر ہے لوگ اسی دیوی کی خاطر یہاں آن بسے کولھاپور کی قدامت کی تصدیق بدھ زمانے کے آثار قدیمہ سے ہوتی ہے۔ خصوصاً ایک بلوری صندوقچی ایک درختوں کے جھنڈ میں دستیاب ہوئی ہے جس کے ڈھکنے پر تیسری صدی ق م کا کتبہ ہے۔ کولھاپور کے پاس ہی چھوٹے مگر بہت پرانے مندر گراویرہ میں دبے ہوئے نکلے ہیں جو کسی پرانے وقتوں میں اس نواح کا راج دھانی تھا۔ قلعہ سنہ ۱۵۰۰ء میں سلاطین بیجاپور کا بنایا ہوا ہے۔ جس میں ایک دروازہ اور مربع محل کی عمارتیں ہیں۔ محل کے محاذی خزانہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

کیا ہوتا ہے لیکن مرہٹوں کو لب نتیجے کی دُھن لگی رہتی ہے اور کسی بات کا خیال نہیں ہوتا اور ان لوگوں کو اس بات کی پروا ہوتی ہے کہ ہم اپنے مدعا کو کن ذرائع سے حاصل کرتے ہیں۔ اپنے مطلب پر پہنچنے کے لیے وہ اپنی فہم و فراست پر زور دیتے ہیں اور اپنے

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) اور دوسرے سرکاری محکمجات ہیں۔ ایک جنیسیم اور ہائی سکول ہے اسی کے عقب میں انباباں کا مندر ہے جس کا برنجی بت جاترا کے وقت شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ یہ مندر ڈیڑھ سو فیٹ مربع سنگ سیاہ کا بنا ہوا ہے۔ اس کا قبہ (۸۰ فٹ) بلند ہے۔ یہ مندر اندر اور باہر سے تمام تر نقش و نگار سے آراستہ ہے اور ڈیوڑھی پر جو سنہ ہے وہ سنہ ۱۶۲۲ء کے مطابق ہے۔ یہاں کا بڑا اگھنٹہ پرتگیزوں کا بنایا ہوا ہے۔ محل کا نقارخانہ ایک عجیب و غریب عمارت ہے۔ شہر کے گرد ایک بڑی مضبوط فصیل تیس فیٹ اونچی مع ایک چوڑی خندق کے ہے فصیل میں بہت سے مورچے اور چھ دروازے ہیں جن پر آہنی کیلیں ٹھیک کی ٹکر روکنے کو جڑی ہوئی ہیں۔ دروازوں پر قفلی دار پل ہیں۔ محل وسط شہر میں ہے اور یہیں سے بڑی بڑی سڑکیں نکلی ہیں۔ شہر کے نواح میں راجاؤں کے منڈپ اور مٹھ محافظ باغوں میں ہیں۔ پنھالہ اور پاون گڑھ کے پہاڑی قلعے اور جوتیبا کی پہاڑی شہر سے بیس میل ہیں اور یہ مقامات شائقین آثار قدیمہ کے لیے خالی از دلچسپی نہیں۔ جوتیبا کی پہاڑی پر کئی غار بدھ کے زمانے کے ہیں اور بہت سے مندر بھی ہیں۔ بارھویں صدی میں پنہالے کا قلعہ ایک بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ اسی قلعے کی مستحکم فصیل کے اندر سیواجی نے دو پختہ غلّے کے انبار خانے ۳۰×۱۴۰×۵۵ فٹ طول و عرض اور ۳۰ فٹ اونچے بنا رکھے تھے جو اب بھی موجود ہیں۔ قلعہ کا ایک دروازہ تین دروازہ کہلاتا ہے اس پر بہت کچھ نقاشی کا کام ہے۔ سادوبا مندر کسی زمانے میں قلعہ دار کا تھانہ تھا۔ یہاں دو تین مقبرے اور ایک پندرھویں صدی کا بنا ہوا تالاب ہے۔ اس تالاب میں بہت سی عورتیں مرہٹوں کی لڑائی کے زمانے میں انگریزوں کی فوج کے ڈر کے مارے ڈوب مریں۔ پنہالے کا قلعہ سیواجی کو بہت پسند تھا اور وہ اکثر یہاں رہا کرتا تھا۔ (از پکچرسک انڈیا)

نوٹ ۵ صفحہ ۵۱۹۔ ناسک۔ بمبئی سے (۱۱۷) میل ہے ریلوے سٹیشن شہر سے (۵) میل ہے۔ مغربی حصۂ ہند میں ناسک کا وہی مرتبہ ہے جو بنارس (کاشی) کا شمالی ہند میں ہے۔ وہاں گنگا بہتی ہے یہاں گوداوری۔ اہل ہنود گوداوری کو گنگا سے کم نہیں سمجھتے اور اُن کا عقیدہ ہے کہ دونوں کا مبدا ایک ہی ہے۔ گنگا زمین کے اوپر بہتی ہے اور گوداوری

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

[illegible] آسائش کو قربان کر دیتے ہیں اور اپنی ذات کو بے دھڑک خطرے میں ڈال دیتے
ہیں اور اپنی جان اور خاندان کے ساتھ عزت کی کچھ پروا نہیں کرتے معمولی نیچ ذات
کے مرہٹوں کا تو یہ حال ہے جس کا ذکر اوپر آیا لیکن برہمن مرہٹے کے متعلق اتنی بات
اور قابل تذکرہ ہے کہ یہ لوگ عادتاً بڑے عقلمند اور چال باز ہوتے ہیں۔ کچھ مرہٹے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹ ۵۹) [illegible] یہاں آ کر یہ بھی جو گنگا [illegible] دونوں ایک ہی جگہ سے ہیں۔
گوداوری میں اشنان کرنے سے ہر قسم کا پاپ دھل جاتا ہے رام کو گوتم رشی نے ہی سرچشمہ
آب حیات اور باعث نجات کا پتہ دیا تھا۔ جلاوطنی کے زمانے میں رام چندر جی ۔ تو یہاں
رہے ہیں۔ دریا کے دونوں کناروں پر آبادی ہے۔ صدہا مندر و شوالے ۔ دھرم سالے
اور خوشنما گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ یہاں یوں تو ہمیشہ زائرین کا ہجوم لگا رہتا ہے مگر خاص کر
بارہویں سال بہت بڑا ازدحام خلائق کا ہوتا ہے۔ یہاں کا دیول پنچاوٹی جو پانچ بڑے درختوں
کے سایہ میں بنا ہوا ہے بہت مشہور ہے۔ وجہ تسمیہ ناسک کی یہ ہے کہ لچھمن نے شورپنکھا کی ناک یہیں کاٹی تھی
اس کے علاوہ شیو اور بالا رام کے دو مندر نہایت مشہور اور خوبصورت قابل دید ہیں
پنچاوٹی کے دیول میں ایک رام کنڈ بھی ہے جس میں رام بہ نفس نفیس اشنان کرتے تھے۔ ناسک
بلحاظ خوش آب و ہوا کے ایک مشہور مقام ہے جو (۲۹۰۰) فٹ سطح سمندر سے بلند ہے
یہ بلند ہونا [illegible] سمندر سے [illegible] فاصلہ [illegible] میل دور ہے [illegible] فرحت بخش ہوا کے جھونکے یہاں
بھی محسوس ہوتے ہیں۔ ترکاریاں اور میوہ جات خصوصاً انگور کثرت سے ہوتے ہیں۔ تانبے اور
پیتل ظروف کی بڑی بھاری نکاسی ناسک سے ہوتی ہے۔ ناسک سے چھ میل پر گوداوری کے
کنارے گنگاپور میں بھی کچھ مندر ہیں اور یہاں ایک قابل دید آبشار بھی ہے۔ ناسک سے بیس میل دریائے گوداوری
کے منبع پر ترمبک مقام بہت متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ ناسک سے پانچ میل بمبئی کی سڑک پر غار ہائے
پلینا بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ ڈاکٹر تیجی فیتش کا دارالصحت (سینی ٹیریم) عورتوں اور بچوں کے
لیئے ریلوے سٹیشن کے قریب بنا ہوا ہے جس میں سولہ چھوٹے چھوٹے مکان یورپینوں کے لیئے چھ ہندوؤں کے
چار پارسیوں کے ۔ دو دیگر اقوام کے لیئے ہیں شہر سے ڈیڑھ میل سہارن پور [illegible] پولیس ٹریننگ
سکول اور ہندوؤں کا ایک سینی ٹیریم ہے سٹیشن کے قریب انجنیرا کی پہاڑی [illegible] صحت بخش اور ٹھنڈا
مقام ہے جہاں گرمیوں کے موسم میں بہت سے لوگ جا کر رہتے ہیں۔ (از واقعات مملکت بیجاپور) ۱۲

احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈے میں سواروں کے زمرے میں ملازم تھے جب ہی سے لوگوں کی نظریں ان پر پڑنے لگی تھیں اور ان کا شمار اچھے سواروں میں ہونے لگا تھا۔

سیواجی کی ابتدائی زندگی کے حالات

سیواجی جس کو اورنگ زیب پہاڑی چوہا کہا کرتا تھا، وہ نامور شخص تھا جس نے دکن میں ہندو حکومت قائم کرنے کے سبب زبردست مغلیہ بادشاہوں کے منصوبوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ یہ شاہ جی بھونسلے کا

؎ سیواجی۔ مرہٹے نہایت جفاکش اور بہادر قوم ہیں جو بمبئی پریزیڈنسی میں مغربی گھاٹوں پر رہتے ہیں۔ ان کی ابتدا ٹکڑیاں تھیں جو مختلف مقامات میں اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ رہا کرتی تھیں ان کے سردار کسی نہ کسی قلعہ میں رہتے تھے جن کے پاس تھوڑے بہت گاؤں ہوتے تھے۔ یہ لوگ عموماً زراعت کرتے تھے اور جب زراعت سے فارغ ہو جاتے تھے تو بہت سے لوگ بادشاہان احمد نگر اور بیجاپور کی فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ اچھی نسل کے میانہ قد یابوؤں پر سوار ہوا کرتے تھے تلوار اور برچھے باندھتے تھے۔ بادشاہ احمد نگر کے لشکر میں ایک شخص مالوجی تھا جس کے ایک چھوٹا سا لڑکا شاہ جی تھا۔ مالوجی کو مسلمان مقدس بزرگ سے عقیدت تھی انہیں کے نام پر مالوجی نے اپنے بیٹے کا نام بھی شاہ جی رکھا۔ ایک دن مالوجی لوک جی جادھو نامی ایک مرہٹے سردار کے ہاں دعوت میں گیا شام کے وقت لوک جی اپنی ننھی سی لڑکی جی جی بائی کو گھٹنے پر لیے بیٹھا تھا اور دوسرے گھٹنے پر اس نے شاہ جی کو بٹھا لیا۔ اس طرح دونوں کو کھلا رہا تھا اور مذاقیہ طور پر بے اختیار اس کے منہ سے نکلا کہ دیکھو یہ کیسا اچھا جوڑا ہے۔ اتنی بات کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ شاہ جی کا باپ اڑ گیا کہ یہ بات تمہاری ہو چکی تم مجمع عام میں قول دے چکے۔ لوک جی یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور کہا کہ چہ خوش! مجھ کو دیکھو کہ میں دیوگیری کے یادو راجاؤں کی نسل سے ہوں اور شاہ جی کا باپ وہ تو ایک معمولی مرہٹہ ہے میرا اس کا کیا ساتھ۔ بہرحال وہ بات سچ ہوئی کہ ہر شخص کا جوڑا عرش پر سے اترتا ہے۔ آگے چل کر شاہ جی کی شادی جی جی بائی سے ہو کر رہی اور ۱۶۲۷ء میں سیواجی پیدا ہوا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا اور مرہٹوں کی طاقت بڑھنے لگی۔ یہ لوگ جم کر لڑنے کے عادی نہ تھے بلکہ لومڑیوں کی طرح گھیرتے تھے۔ رسد روک دیتے

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

فرزند دوم تھا۔ شاہ جی بادشاہ احمد نگر کا ملازم تھا۔ پھر بادشاہ بیجاپور کی ملازمت میں پونے کا صوبہ دار ہو گیا۔ سیواجی ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا۔ اُس کا بچپنا پونے میں گزرا۔ اس کے باپ شاہ جی کی جاگیرات مغربی گھاٹ کے پہاڑی جنگلوں میں تھیں اور سیواجی

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) چھوٹے موٹے فوج کے دستے کو رستے میں لوٹ لینا۔ گاؤں میں گھس پڑنا لوٹنا اور جلا دینا۔ آج یہاں کل وہاں۔ غرض چاروں طرف ان کی لوٹ مار آئے دن رہتی تھی۔ ان کے پاس تازہ دم گھوڑے رہتے تھے آناً فاناً منزلوں نکل جاتے تھے مغلوں کا لشکر کسی طرح ان کو پکڑ نہ سکتا تھا۔ جس سپاہی کو دیکھو اُس کا کھانا خورجی میں موجود۔ ضروری کپڑے بھی ساتھ نہ ان کو رسد کی ضرورت تھی نہ کسی اور سامان کی بیک بینی و دو گوش چھرے چھانٹ تھے۔ مغلوں کا لشکر بھاری بھرکم۔ سامان جنگ سے آراستہ اُن کی نقل و حرکت کچھ آسان کام نہ تھا۔ صرف شاہی کیمپ ہی کا دَور تین میل کا ہوتا تھا اور سارے لشکر کو دیکھو تو ٹڈی دَل جہاں تک نظر کام کرتی تھی سپاہیوں اور گھوڑوں سے پٹا پڑا تھا جن کی تعداد دس دس لاکھ تک پہنچتی تھی۔ امراء آرام طلب عیش و نشاط کے بندے بھلا ان سے کب ہو سکتا تھا کہ مرہٹوں کی طرح چھاپا مار بن جائیں کہ ابھی یہاں تھے ابھی دیکھو تو پچاس کوس کے فاصلے پر لوٹ رہے ہیں۔ مغلوں کے زوال کے ساتھ مرہٹوں کا عروج پورے سو برس رہا۔ ان کا ملک شمال میں سورت سے لے کر جنوب میں گوآ اور مشرق میں ناگپور اور حیدرآباد سے مغرب میں بحیرۂ عرب تک تھا۔ ان کی قوم میں سیواجی ایک بڑا نامی گرامی سردار نکلا۔ سیواجی کی پیدائش کا وہی زمانہ ہے جب کہ شاہ جہاں تخت پر بیٹھا یہ ذات کا چھتری تھا۔ اس کے باپ شاہ جی کی جاگیرات احمد نگر کے علاقے میں تھیں جس کا صدر مقام پونا تھا۔ ملک دکن کے مسلمان بادشاہ مذہبی تعصب سے بالکل مبرا تھے وہ نہ صرف اپنی ہندو رعایا کو انعامات جاگیرات اور مناصب فراخ دلی سے دیتے تھے بلکہ اہل سیف اور اہل قلم کے مراتب جلیلہ پر بھی ممتاز کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے احمد نگر فتح کر لیا تھا اس وجہ سے شاہ جی کا تعلق بیجاپور سے ہو گیا تھا۔ بادشاہ بیجاپور نے شاہ جی کو ملک کرناٹک کی مہم سر کرنے کے لیے متعین کیا اور اس کے صلے میں تانجور میں ایک اور جاگیر دی اس وجہ سے شاہ جی کو پونا چھوڑنا پڑا۔ شاہ جی نے اپنے صغر سن بیٹے سیواجی اور اپنے سٹیٹ کو داداجی کونڈدیو برہمن کے سپرد کیا اور خود تانجور میں جاکر رہنے لگا۔ داداجی نے سیواجی کو مذہبی اور فن سپاہ گری کی بہترین تعلیم دلائی۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

جوں جوں ہوش سنبھالتا گیا اُس نواح کے لٹیرے سرداروں سے اُس کی شناسائی

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) سیواجی کا اعتقاد زیادہ تر بھوانی دیوی پر جم گیا۔ سیواجی کی ماں بھی اپنے بچے کے ساتھ ہی رہتی تھی اور چوں کہ وہ بڑی دانش مند بھی اور یہ ظاہر ہے کہ بچوں کی پہلی تعلیم گاہ ماں ہی کی گود ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بچے کو بڑے بڑے بہادروں کے نمایاں کارناموں کی کہانیاں سُنایا کرتی تھی۔ مغل عرصۂ دراز سے ملک دکن پر دانت لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ہندو اس کے مآل کار سے ناواقف نہ تھے کہ ایسا ہوا تو اُن کی مذہبی آزادی میں بڑا فرق آجائے گا۔ سیواجی کے کان لڑائیوں اور فتوحات کے قصے سُن سُن کر بھر گئے تھے جس کا گہرا نقش بچپنے سے اُس کے دل پر جم گیا تھا۔ چوں کہ وہ بڑا اولوالعزم تھا ابھی وہ اُنیس ہی برس کا تھا کہ سنہ ۱۶۴۶ء میں اُس نے ایک چھوٹی سی فوج پیدل اور سواروں کی اکٹھی کر کے اطراف کے کئی قلعے فتح کر لیئے اور خود بھی چند قلعوں کی تعمیر کی۔ سیواجی نے بیجاپور کے علاقے کے دو قلعے تورنا اور پورندھر فتح کر لیئے اور راے گیر میں اپنے رہنے کے لیئے ایک قلعہ بنایا تھا۔ بادشاہ بیجاپور کا اس نے بہت سا خزانہ لوٹ لیا تھا۔ بادشاہ نے اس کے مقابلے پر افضل خاں سپہ سالار کو مقرر کیا اور اس نے بیڑا اُٹھایا کہ اس پہاڑی چوہے کو زندہ یا مردہ جس طرح بھی بن پڑے گا پکڑ لاؤں گا۔ سیواجی ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ باقاعدہ جنگ میں وہ کبھی سربر ہو نہیں سکتا۔ سیواجی ایک پولٹیکل چال چلا۔ افضل خاں کے آنے کی خبر سُن کر اُس نے پیغام سلام صلح کا شروع کیا اور کہا کہ میری کیا طاقت ہے جو بادشاہ بیجاپور کا مقابلہ کر سکوں اور افضل خاں سے کہلا بھیجا کہ آپ پرتاب گڈھ کے قلعے میں مجھ سے تنہا مل کر بات چیت کریں۔ افضل خاں دام میں آگیا۔ اِدھر سے افضل خاں پہنچا اُدھر سے سیواجی آتا ہوا نظر آیا۔ دیکھا تو نہتا تھا لیکن سفید جامہ نیچے کے اندر زرہ پہنے ہوئے تھا اور تلوار بھی دبی ہوئی تھی اور بائیں ہاتھ پر پنجۂ فولادی شیر پنجہ چڑھا ہوا تھا۔ سیواجی آتے ہی افضل خاں کے قدم چومنے کو جھکا۔ افضل خاں اُسے اُٹھانے اور بغل گیر ہونے کی غرض سے جھکا۔ سیواجی کو موقع ملا اُس نے شیر پنجہ افضل خاں کے پیٹ میں بھونک دیا جس سے وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اِدھر افضل خاں کا کام تمام ہوا اُدھر سیواجی کی فوج جو اِدھر اُدھر چھپی ہوئی تھی عادل شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑی جن کو بھاگتے ہی بنی اور میدان سیواجی کے ہاتھ رہا۔ اب سیواجی کے واسطے میدان صاف تھا بے کھٹکے لوٹ مار کرنے لگا۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

اور تعلقات بڑھتے گئے۔ چونکہ اس کا بچپن انھیں پہاڑوں میں گزرا تھا وہ ان پیچیدہ

تتمہ نوٹ صفحۂ گزشتہ

عادل شاہیوں نے ناچار سیواجی سے صلح کرلی اور تمام دکن کا ملک پونے سے لے کر دریائے کرشنا تک اُسے چھوڑ دیا اور پھر اس سے متعرض نہ ہوئے۔ سیواجی کی جرأت اب بہت بڑھ گئی اور اس کی اولوالعزمی کی کوئی حد نہ رہی۔ اب اس نے مغلوں کے مقبوضات پر یورش کرنے کا مصمم قصد کرلیا اورنگ زیب سے اس وقت سخت غلطی ہوئی۔ اس نے مسلمانوں کے تعصب کی مہیب شکل پیش کرکے تمام مرہٹوں کے دلوں میں تازہ روح پھونک دی۔ اورنگ زیب نے سیواجی کی روک تھام کے لیے اپنے ماموں شائستہ خاں کو دکن بھیجا۔ ایک دن سیواجی چند چیدہ لوگوں کے ساتھ پونے میں اس طرح داخل ہوا جیسے کوئی برات آتی ہے۔ کسی کے کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی۔ رات ہوتے ہی یہ سارا گروہ ادھر ادھر سے جمع ہو کر باورچی خانے کی طرف سے جا گھسا۔ شائستہ خاں بے خبر پڑا سو رہا تھا گڑبڑ سن کر ہڑبڑا کر اٹھا اور بھاگا۔ کھڑکی میں سے رسی ڈال کر نیچے اتر ہی رہا تھا کہ کسی نے ایسی تلوار ماری کہ شائستہ خاں کے ہاتھ کی دو انگلیاں صاف اڑ گئیں مگر جان بچ گئی۔ تب سیواجی کے لوگ مشعلیں روشن کرکے باہر نکلے اور راتوں رات اپنے قلعہ رائے گڑھ میں جو پونے کے قریب ہے جا داخل ہوئے۔ اورنگ زیب نے دوبارہ راجہ جے سنگھ کے ساتھ فوج بھیجی۔ جے سنگھ نے سیواجی کو کسی نہ کسی طرح قابو میں کرلیا اور دہلی بھجوا دیا لیکن جب سیواجی مع اپنے پنج سالہ لڑکے کے دہلی پہنچا تو اورنگ زیب نے سخت غلطی کی کہ کشادہ پیشانی سے پیش نہ آیا اور دونوں کو نظر بند کردیا لیکن سیواجی بھلا کب بند رہ سکتا تھا۔ ایک رات جب چاندنی چھٹکی ہوئی تھی سیواجی اور اس کا بیٹا دونوں مٹھائی کے ٹوکروں میں بیٹھ کر نکل گئے اور سیدھے متھرا جا پہنچے۔ سیواجی سنیاسی کا بھیس کر منزل بمنزل چلتا ہوا اپنے ملک میں آن پہنچا اور تازہ دم ہوکر دوبارہ سر اٹھایا۔ جتنے قلعے اس کے قبضے سے اس اثنا میں نکل گئے تھے سب ایک ایک کرکے واپس لے لیے۔ اورنگ زیب نے اب تیسری مرتبہ سیواجی کے مقابلے پر لشکر کشی کی لیکن کچھ بن نہ پڑا اور اورنگ زیب کے ایما سے مغلوں کے سپہ سالار نے صلح کرلی اور راجہ کا خطاب بھی دیا گیا۔ چند سال بعد بیجاپور اور گولکنڈہ بھی دب گئے اور اُسے چوتھ دینی قبول کی۔ جب سیواجی چاروں طرف سے فتح یاب ہوا تو ۱۶۷۴ء میں اس نے بمقام رائے گڑھ تاج شاہی زیب سر کیا اور اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ سیواجی کا انتظام ملکداری بتلا رہا ہے کہ وہ ایک بڑا دانش مند مدبر تھا۔ سیواجی کی فوج معمولی نمائشی اور آخور کی بھرتی نہ تھی بلکہ معقول

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

پہاڑی ملک کے چپے چپے سے واقف ہو گیا تھا اور یہ واقفیت آگے چل کر اُس کے بہت

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) تنخواہ یاب باقاعدہ سواروں کا لشکر تھا۔ اُس کی بحری طاقت بھی کم نہ تھی۔ اُس کے پاس ایک بیڑا جہازوں کا تھا جس کے ذریعہ سے وہ چار ہزار سپاہیوں کو لے جاسکتا تھا۔ سلطنت کا سب سے بڑا حاکم راں حاکم وقت وہ خود تھا۔ اُس کے بعد وزیر تھا جو پیشوا کہلاتا تھا۔ راجہ کا پرائیویٹ سکریٹری "منتری" سپہ سالار "سینا پتی" تھا۔ خزانے پر دو عہدہ دار تھے ایک فنانس کا وزیر دوسرا محاسب۔ پنڈت راؤ امور مذہبی کا اعلیٰ عہدہ دار تھا۔ عدالتی اعلیٰ عہدہ دار نیایا دیس کہلاتا تھا۔ سب ملاکر آٹھ وزیر تھے جو اشٹ پردھان کہلاتے تھے نظام یہی۔ پٹیل مالی عہدہ دار۔ کلکرنی یا پٹواری منتدی حساب تھے۔ ان کے اوپر کے عہدہ دار دیسائی دار۔ تعلق دار اور صوبہ دار تھے۔ تصفیہ تمام حسب احکام دھرم شاستر پنچایت کے ذریعے سے ہوا کرتا تھا۔ افسوس ہے کہ سیواجی کی عمر نے وفا نہ کی۔ اس نے (۵۳) برس کی عمر پا کر ۱۶۸۰ء میں رائے گڑھ میں انتقال کیا۔ سیواجی میں درحقیقت بہت سی خوبیاں تھیں۔ مسلمان مورخین لکھتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کا بڑا پاس ادب اور مساجد کا احترام ہمیشہ مدنظر رکھتا تھا۔ اُس کا سلوک عورتوں اور بچوں کی ضعیف صنف سے ہمیشہ قابل تعریف رہا ہو۔ اُس کا نام ابد الآباد تک تاریخ ہند میں نمایاں رہے گا کہ یہ بانی مبانی مرہٹوں کی سلطنت کا تھا۔ سیواجی کی غیر معمولی ہمت اور جرأت کے حالات سن کر دل میں ایک جوش آفرین کا موجزن ہوتا ہے۔ سیواجی سے پہلے مرہٹوں کا کوئی جتھا نہ تھا اور جو جہاں اکا دُکا تھا وہ آپس میں ہی لڑ لڑ کر مرتے تھے۔ سیواجی نے اُن کو مسلح کیا اور اُن میں مردانگی کی تازہ روح پھونکی اور ایسی قلب ماہیت کر دی کہ تمام ہندوستان مرہٹوں کے نام سے لرز جاتا تھا۔ ہندو مسلمانوں سے مغلوب تھے۔ حتیٰ کہ راجپوت بھی ان کے وثیل تھے اُن کے دلوں سے بھی جوش مردانگی جاتا رہا تھا۔ سیواجی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اُس کی قوم مسلمانوں کی غلام بنی رہے۔ ایسی مردہ حالت میں سیواجی کا اُن کو ابھارنا ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر تاریخ میں مل نہیں سکتی۔ سیواجی میں جہاں ساری خوبیاں تھیں ایک عیب بھی تھا کہ وہ بڑا چالاک اور عیار تھا۔ لیکن ہمارے خیال میں سیواجی کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ

لڑائی ایک چھل ہے بازی کا نام ہی یہی اس کا جواب ہے۔ اس کے علاوہ مرہٹوں سے چوتھ وصول کرنے بھی اُس کی کیریکٹر پر ایک دھبہ ہے جس مقام سے اُس کا لشکر گزرتا تھا جبراً چوتھ وصول کر کے اُس کو تباہ کر دیتا تھا۔ یہ طرز عمل دوسرے الفاظ میں لٹیروں کی حالت

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کام آئی۔ شروع ہی سے اُس کی پرورش سپاہیانہ طریقے پر کی گئی تھی۔ ذرا ہوش

(تکملۂ نوٹ صفحۂ گذشتہ) کچھ بہتر نہیں کہا جاسکتا۔ سیواجی کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا **سنبھاجی** راجہ ہوا لیکن افسوس ہے کہ اُس نے سیواجی کا نام ڈبو دیا۔ ایسے نامور باپ کا ایسا نااہل بیٹا! سنبھاجی اپنے وزیر **کالوشاہ** کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا۔ سوائے عیش وعشرت۔ لہو ولعب کے اُسے خبر نہ تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اورنگ زیب نے سنبھاجی کو قید کر لیا اور بہت تکلیف دے دے کر (۱۶۸۹ء) میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد سنبھاجی کا شیرخوار بچہ **سیواجی خورد** (جسے چھوٹا ساہو کہتے تھے) برائے نام راجہ ہوا۔ اس نابالغ کی پرورش اُس کا چچا **راجہ رام** کرتا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اورنگ زیب نے ساہو اور اُس کی ماں دونوں کو قید کر لیا۔ ساہو کے چلے جانے کے بعد راجہ رام نے حکومت شروع کی۔ اس زمانے میں وہ ستارے میں رہتا تھا۔ اُس نے **کھمبا راؤ دھابوری کو گجرات** اور **پراسواجی بھوسلے کو براڑ** میں چوتھ وصول کرنے کو بھیجا۔ یہی دونوں مورثِ اعلیٰ خاندان **گائیکواڑ** کے ہیں جو اب بڑودے میں حکمراں ہیں اور بھوسلے خاندان کی حکومت ناگپور میں ہے۔ راجہ رام کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا **سیواجی سوم** راجہ ہوا جس کی ریجنٹ اُس کی ماں **تارا بائی** تھی۔ یہ عورت بلا کی شیر دل تھی۔ اس نے مرہٹوں کی کمزور حالت کو پھر سنبھال دیا اور اس طرح جرأت اور استقلال سے لوٹ مار شروع کر دی کہ شہنشاہ دہلی انگشت بدنداں رہ گیا۔ ایک مرتبہ بلا مبالغہ اُس نے بادشاہ کو اُس کے کیمپ میں گھیر کر اُس کی آنکھوں کے سامنے خزانہ شاہی لوٹا اور بادشاہ سے کچھ بن نہ پڑی۔ آخرکار اورنگ زیب نے زچ ہو کر ساہو کو قید سے چھوڑ دیا جو پھر ستارے میں حکومت کرنے لگا۔ تارا بائی اس بات سے راضی نہ ہوئی اور ساہو سے کشت وخون برپا ہو گئی لیکن ساہو کے ساتھ سب تھے اور تارا بائی بیچاری کا اکیلے رہ جانے سے کچھ چل نہ سکا۔ مرہٹوں کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ساہو ستارے میں رہنے لگا اور سیواجی سوم کولھاپور میں (۱۷۱۲ء) سیواجی کے بعد مرہٹوں کی روح رواں چلی گئی۔ ساہو نے **بالاجی وسوا ناتھ** کو جو ایک باخبر آدمی تھا اپنا وزیر پیشوا مقرر کیا۔ سیواجی کا خاندان روز بروز گرتا چلا جاتا تھا اور پیشواؤں کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ سیواجی کا خاندان معدوم ہو گیا اور پیشواؤں کا دور دورہ شروع ہوا۔ اگرچہ ساہو نے چالیس برس سلطنت کی (۱۷۰۸ تا ۱۷۴۹ء) لیکن برائے نام۔ دراصل پیشواؤں ہی کی گورنمنٹ تھی۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

سنبھالا تھا کہ وہ بہت سے وحشی اور من چلے لوگوں کا سرغنہ بن گیا اور مغلوں کے توڑ پر اُس نے بھی اپنی ایک جداگانہ قوم قایم کی۔ یہ سب لوگ جوان مرد اور سیواجی کی طرح جاں باز تھے۔ ابھی سیواجی کی عمر انیس ہی سال کی تھی کہ سنہ ۱۶۴۶ء میں اُس نے تورنا کے پہاڑی قلعہ پر قبضہ کر لیا جو پونا کے جنوب میں واقع تھا۔ (اپنے باپ کے خلاف راجہ بیجاپور سے سرزنش کی گئی تھی) سنگڑھ اور پورندھر کے قلعوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا۔ سیواجی نے چوں کہ اپنی ماں کے پاس پرورش پائی تھی جو بڑی پابند مذہب تھی اس لیے سیواجی میں ماں کا اثر زیادہ تھا۔ سیواجی کی ماں نے خواب میں بھوانی دیوی کو دیکھا تھا جس نے سیواجی اور مرہٹہ قوم کے لیے بشارت دی تھی سیواجی بھی ان تمام مذہبی باتوں کا معتقد تھا اور اُس نے اپنی قوم کو مسلمانوں کے جوے سے آزاد کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ سنہ ۱۶۴۸ء کے قبل تو سیواجی کی طرف کچھ توجہ نہیں کی گئی لیکن جب اُس نے بیجاپور کا خزانہ شاہی رستے میں جاتے ہوئے لوٹ لیا تب جا کر معلوم ہوا کہ اُس نے تو کئی پہاڑی قلعے بھی لے لیے ہیں۔ اس طرح سنہ ۱۶۴۹ء سے لے کر سنہ ۱۶۵۹ء تک پونے کے جنوب میں ملک کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گیا شاہ جی کو تو فوراً قید کر لیا گیا۔



سیواجی

سیواجی نے شاہ جہاں سے چارہ جوئی کی۔ آخر کار شاہجہاں کی سفارش پر بادشاہ بیجاپور کو شاہ جی کو چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد سیواجی کا حوصلہ یوماً فیوماً بڑھتا ہی گیا اور آج یہ پہاڑی قلعہ لیا۔ کل وہ۔ اس طرح

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳۶) جن میں سے تین پہلے پیشوایان ذیل بڑے مشہور اور نامی گرامی ہو گزرے ہیں:- (۱) بالاجی وسواناتھ (سنہ ۱۷۰۷ء-۲۰) (۲) باجی راؤ (سنہ ۱۷۲۰ء-۴۰)۔ (۳) بالاجی راؤ (سنہ ۱۷۴۰ء-۶۱)۔ سیواجی کی تصاویر وقتاً فوقتاً چھاپی گئی ہیں لیکن اُن کی صحت میں کلام ہے۔ گرینٹ ڈف صاحب لکھتے ہیں کہ سیواجی کا حلیہ کہیں لکھا ہوا موجود نہیں ہے اور نہ اُس کی کوئی تصویر کولھاپور ریاست رسے میں ہے۔

ایک اودھم مچادی۔ سیواجی مغلیہ علاقہ میں مداخلت کرنے سے ہمیشہ کنیاتا رہا اور ۱۶۴۹ء میں شاہ جہاں کے ملازمین کے زمرے میں داخل ہوگیا۔ لیکن ۱۶۵۶ء میں دکن میں مرلڑائیاں ہو رہی تھیں یہ ایک بہتر موقع اُس کے ہاتھ آیا اور پہلی ہی مرتبہ اُس نے مغلیہ علاقے پر تاخت کی مگر اُسے اپنی غلطی کا احساس جلدی ہی ہوگیا اور اورنگ زیب سے داب کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اورنگ زیب خود سلطنت کی خانہ جنگیوں میں منہمک تھا۔

سیواجی اور افضل خاں

سیواجی نے اب بیجاپور کی گورمنٹ کو آئے دن کی لوٹ مار سے بہت پریشان کرنا شروع کیا۔ آخر ایک بڑے لشکر کے ساتھ افضل خاں اُس کی مدافعت کے لیئے روانہ کیا گیا۔ سیواجی یہ چال چلا کہ پہلے اول ہی میں اوپری دل سے اطاعت کا اظہار کیا اور افضل خاں سے ایک دوستانہ ملاقات کا ڈھنگ ڈالا اور ادھر پردہ اُس ایک دوسرے آدمی کا بندوبست کر لیا۔ سیواجی بظاہر بہت ڈرتا ڈرتا افضل خاں کے سامنے آیا اور جب حسب قاعدہ بغل گیر ہونے کو جُھکا تو اُس نے پنجے میں جو شیر کے ناخنوں کی طرح کا فولادی پنجہ چھپا رکھا تھا جسے باگ نگ کہتے ہیں ایک دم گھبو دیا اور اپنے خنجر سے وہیں کے وہیں اُس کا کام تمام کر دیا۔ افضل خاں کا مرنا تھا کہ بیجاپور کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی اور منتشر ہوگیا اور سیواجی کے لیئے رہی سہی روک ٹوک بھی اُٹھ گئی تو اُس نے بیجاپور کے علاقے میں پہلے سے بھی زیادہ غارت گری شروع کی تب بیجاپور کا بادشاہ خود اُس کے مقابلے پر نکلا اور اس زور سے دبایا کہ قریب قریب سارا ملک واپس چھین لیا لیکن بیجاپور کے علاقے میں اور دوسری جگہ کچھ ایسی شورشیں مچی ہوئی تھیں کہ بادشاہ کو اُدھر متوجہ ہونا پڑا۔ بادشاہ کا پیٹھ موڑنا تھا کہ سیواجی پھر گڑا بن گیا اور وہ تمام حصۂ ملک جو اُس کے ہاتھ سے ابھی ابھی نکلا تھا لے لیا۔ جب چھیننا جھپٹی کی یہ نوبت ہوئی تو آخرکار دونوں میں مصالحت ہوگئی اور ایک بڑا حصۂ ملک کا سیواجی کے قبضے میں چھوڑنا پڑا۔ بیجاپور سے تو یوں معاملہ طے ہوا مگر مغلوں سے نسلٹ لینا آسان نہ تھا اُن کا مقابلہ ایک بڑا زبردست مقابلہ تھا۔ سیواجی کو جو کامیابی بیجاپور میں ہوئی اس سے اُس کا حوصلہ سب حد بڑھ گیا اس نے دکن میں مغلیہ مقبوضات پر دست درازی شروع کی

شایستہ خاں (اورنگ زیب کے ماموں) صوبہ دار دکن نے سیواجی کو ہموار کرنے
کی بہت کچھ کوشش کی لیکن سیواجی راہ راست پر نہ آیا اس وجہ سے اورنگ زیب نے
شایستہ خاں کو بنگال کی صوبہ داری پر بدل دیا اور دکن کی صوبہ داری پر شہزادہ معظم کو
اور اس کے ساتھ راجہ جسونت سنگ کو بھیج دیا۔ اورنگ زیب کے مزاج میں شک
و شبہ ایسا تھا کہ وہ کسی صوبہ دار کو لگنے نہ دیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی کو کرنے دھرنے
کچھ بن نہ پڑتی تھی۔ سیواجی نے اسی اثناء میں سورت پر حملہ کر دیا اور انگریزوں کی
کوٹھی کو چھوڑ کر سارے شہر کو جو باب مکہ تھا لوٹ ڈالا۔ سیواجی کے باپ نے

نواب شایستہ خاں



۱۶۶۴ء میں انتقال کیا۔ سیواجی نے تانجور فتح کر لیا اور راجہ کا خطاب لے کر
اپنا سکہ بھی چلا دیا۔ سیواجی کی ایسی دست درازی اور خود مختاری اورنگ زیب کو
برہم کر دینے کو کافی تھی۔ سورت جہاں سے حجاج تک جایا کرتے تھے اس کا

لوٹنا ہی ایک بڑی بھاری گستاخی تھی۔ سیواجی کو قابو میں لانے کو لگی دیر لہذا دونوں کو واپس بلا لیا اور راجہ جے سنگھ کی تعیناتی دکن کی مہم پر ہوئی۔ اورنگ زیب جیسے زبردست بادشاہ کے سامنے حقیقتہً سیواجی کی کوئی حقیقت نہ تھی وہ چاہتا تو چٹکی بجاتے میں مسل کر دھر دیتا لیکن اس میں بھی اورنگ زیب کی ایک حکمت مضمر تھی۔ وہ یہ کہ سیواجی کی ڈوری اس لیئے ڈھیلی چھوڑ دی گئی تھی کہ وہ خود کچھ کر کرے اور دوسرے اس میں یہ بھی مفاد تھا کہ آئے دن کی لوٹ مار اور لڑائی سے بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں سلطنتوں کی قوت ٹوٹتی چلی جاتی تھی۔ راجہ جے سنگھ نے آہن بہ آہن کوفتن سیواجی کا بری طرح سمجھا لیا ناچار ہو کر اس نے ڈگ ڈال دیئے اور اس پر آن اترا کہ میں قلعے اس شرط سے دیتا ہوں کہ باقی ماندہ قلعے میرے قبضے میں چھوڑ دیئے جائیں اور پیشگاہ شہنشاہی سے ایک جاگیر کی سرفرازی ہو۔ راجہ جے سنگھ نے سیواجی کو بہت اونچ نیچ سمجھائی اور خوب شیشے میں اتارا اور بادشاہ کی حضوری میں دلی جانے پر آمادہ کر دیا وہ بھی سمجھ دار آدمی تھا مان گیا۔ مگر آن بان والا آدمی تھا شرط یہ لگائی کہ دربار میں میری عزت اور شان کے موافق اعزاز کیا جائے ایسا نہ ہو کہ میری تذلیل ہو۔ جے سنگھ نے اطمینان دلایا۔ سیواجی دلی پہنچا۔ افسوس ہے کہ اورنگ زیب نے ایک بہادر اور جری دشمن کو رام کرنے کا موقع ہاتھ سے کھو دیا اور جیسی مدارات اس کی کرنی چاہیئے تھی اس میں کمی کی۔ سیواجی بڑا غیور تھا وہ عمر بھر اپنی اہانت کو نہ بھولا۔ خیر دربار کا معاملہ چھوڑ دیئے۔ آگے چل کر باپ بیٹے دونوں نظر بند کر دیئے گئے لیکن وہ ایک مٹھائی کے ٹوکرے میں چھپ بیٹھ کر ایسے نکل گئے کہ سارے پہرے والوں کے چہرے پیاز کاٹ گئے۔ اورنگ زیب بھی ہاتھ ملتے کا ملتا رہ گیا۔ اس طرح سیواجی اپنی جان سلامت لے کر ۱۶۶۶ء میں راج گڑھ آن پہنچا۔ اورنگ زیب کی سلطنت میں یہ زمانہ بڑے عروج کا تھا۔ جدھر دیکھو سوائے بیجاپور کے فتح ہی فتح تھی۔ جے سنگھ بھی بیجاپور کی گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ اس وجہ سے اورنگ زیب نے اسے واپس بلا لیا اور وہ واپسی میں رستے ہی میں مر گیا۔ شہزادہ معظم اور جسونت سنگھ کو دوبارہ پھر دکن بھیجا گیا۔ انھوں نے بیجاپور اور گولکنڈے سے صلح نامہ کر لیا اور اس طرح ۱۶۸۶ء تک تمام ملک میں عارضی امن و امان قایم ہو گیا مگر شہزادہ معظم اور جسونت سنگھ نے سیواجی کے

مقابلے میں کوئی نمایاں کارگزاری نہیں دکھلائی۔ اورنگ زیب کا مزاج تھا شکی اُسے گمان ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ یہ دونوں سیواجی سے مل ملا گئے ہوں ورنہ اس ڈھیل کے کیا معنے۔ اورنگ زیب نے سیواجی کی گرفتاری کے لیے تشدد شروع کیا اور اس طرح پھر لڑائی تازہ ہوگئی۔ سیواجی نے چھوٹتے ہی قلعۂ سنگھ گڑھ پر قبضہ کرلیا اور دوبارہ سورت کو لوٹ ڈالا۔ پھر نربدا پار اُتر کر ملک خاندیس میں چوتھ بھی قایم کی یعنی جن اضلاع سے چوتھ (چہارم حصۂ مالگزاری) وصول ہو جاتا تھا وہ غارت سے محفوظ رہتے تھے اور ۱۶۷۲ء میں ایک بڑے بھاری مغلیہ لشکر کو پس پا کیا اور ۱۶۷۴ء میں اپنی راج دھانی رائے گڑھ میں بڑی دھوم دھام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ جنوبی ہند میں جہاں اُس کے باپ اور بھائی کی جاگیریں تھیں اس نے میسور اور کرناٹک کے سارے قلعے مثلاً جنجی[1]۔ ویلور۔ آرنی۔ بنگلور اور بلھاری سب لے لیئے اور اٹھارہ مہینے کی مہم کے بعد پونا میں واپس آیا۔ اس کے علاوہ مغلوں کے خلاف امداد دینے کے صلے میں بادشاہ بیجاپور نے سیواجی کو اور ایک علاقہ تفویض کردیا۔ اس کے بعد چند سال تک مستقل طور پر لڑائی

---

[1] صوبۂ مدراس میں سب سے مشہور قلعہ گنجی کا ہے جسے جنجی بھی کہتے ہیں جو اسٹیشن ٹنڈی وانم سے (۱۶) اور مدراس سے (۹۷) میل ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اس قلعے کا نام بھی نہ سنا ہوگا حالانکہ بلحاظ اس کے مضبوط اور عالی شان عمارت اور شان دار فصیل اور برجوں کے اب بھی قابل دید ہے کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے اس کی نگہداشت ہوتی رہتی ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کا بہترین رستہ ریل کا ہے۔ ریل سے اُتر کر پانچ چھ گھنٹے میں گنجی پہنچ جاتے ہیں۔ رستے میں بھی کئی عمدہ عمدہ مندر اور سنگ مرمر کی مورتیں ملتی ہیں۔ سڑک کا رستہ بھی ہے لیکن پل وغیرہ ناقص ہونے سے خراب ہے۔ قلعہ کا منظر دور سے کچھ سہانا نہیں ہے۔ پہاڑ پر بڑے بڑے گنڈ (ڈھیم) دیکھ کر وحشت ہوتی ہے۔ یہ قلعہ سولھویں صدی میں راجگان بیجانگر کا سب سے مضبوط اور نامور قلعہ تھا جن کی راج دھانی ضلع بلھاری میں بمقام ہمپی تھا لیکن اس سے پیشتر کے حالات کہیں دستیاب نہیں ہوتے۔ ۱۶۰۰ء میں ڈچوں نے فرانسیسیوں کو [illegible]

بند رہی کیوں کہ اورنگ زیب کو افغانستان کے شمال مغرب کی طرف ایک بغاوت کو

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) لیکن چھ سال کے بعد پھر انھیں کا قبضہ ہو گیا اس واقعہ کے چند سال پیشتر انگریز فورٹ سینٹ جارج بنا چکے تھے۔ بادشاہ بیجاپور کی جانب سے ۱۶۴۰ء میں گنجی کا قلعہ دار اور حاکم محمد خاں تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ انگریز اس نواح میں اپنے کارخانے قایم کریں جس پر سے ۱۶۹۰ء میں مدراس کے برٹش عہدہ داروں نے اُس قطعۂ زمین کے خریدنے کی کارروائی کی جہاں پہلے زمانے کا ایک محصور قلعہ تھا اور اب فورٹ سینٹ ڈیوڈ ہے ۱۷۵۰ء میں فرانسیسیوں نے گنجی کے قلعہ کو فتح کر لیا۔ دو سال کے بعد انگریزوں نے حملہ کیا مگر ناکامیاب رہے لیکن آگے چل کر ناکہ بندی کر لی اور آخر کار محصورین نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد حیدر علی کے ملک کرناٹک پر حملہ ۱۷۸۰ء کرنے تک کوئی قابل واقعہ پیش نہیں آیا۔ قلعہ کے دو عظیم الشان دروازے ہیں۔ (۱) پھلچری دروازہ۔ (۲) آرکاٹ یا ویلور دروازہ۔ یہ دونوں دروازے قدیم ہیں لیکن اب تو فصیل توڑ کر سڑک ڈال دی گئی ہے قلعہ کے تین طرف پہاڑ ہیں جن کو فصیل اور برجوں سے محصور کر لیا ہے اور جا بجا برجوں پر توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور بندوقوں ... کی جا نکیاں بنی ہوئی ہیں۔ قلعہ کی بلندی پانسو سے چھ سو فیٹ تک ہے۔ فصیل کا عرض ساٹھ فیٹ اور خندق کا ... ہے۔ یہ پہاڑیاں کشناگری کے شمال میں۔ چندراین کے جنوب میں اور راجگری کے مغرب میں ہیں۔ کشناگری سے فصیل برجوں اور وسیع خندق کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا ہے کہ بقیہ دونوں پہاڑیاں بھی گھر گئی ہیں جس سے ایک مثلث نما محاط ہو گیا ہے جس کا دَور قریب تین میل کے ہے۔ یہ قلعہ کا حصۂ زیریں ہے علاوہ اُس کے تینوں مرتفع پہاڑیاں بجائے خود ایک ایک قلعہ ہیں۔ علاوہ اس فصیل کے جو اطراف دوڑی ہوئی ہے۔ ہر پہاڑی کی جدا جدا بھی حفاظت کی گئی ہے خصوصاً راجگری کی جس پر تہری فصیل یکے بعد دیگرے ہے قلعہ کا نظارہ اچھی طرح کرنے کے لیئے مناسب یہ ہے کہ شارع عام پر سے ہم فصیل پر چڑھ کر پھلچری دروازے کا رستہ لیں جس کے بلند برج پر سے سارا قلعہ کٹورے میں معلوم دیتا ہے۔ ویسے ہی چندراین کی طرف اور آگے بڑھ جائیں اور سیڑھیوں پر چڑھ کر دیکھیں تو راجگری سامنے ہی ہے۔ سب سے نمایاں وینکٹ رمنا کا مندر ہے۔ اُس سے آگے بڑھ کر کلیان محل۔ غلے کا کوٹھا۔ پھر قلعے کے اندرونی حصے میں داخل ہونے کا

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

مر و کرنے کا ایک بڑا کام پیش آگیا۔ سوائے اس کے دلی کے قریب بھی ایک رش تمناؤں کی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) رستہ ہے ونکٹ رمنا کے دیول کے اندر بے شمار ستون اور بہت سے حجرے ہیں۔ قلعہ کا اندرونی دروازہ تہری پردے کی دیوار سے محفوظ ہے۔ دروازے کے اندر جانے کے بعد سیدھی جانب کلیان محل ہے اور بائیں طرف نہایت خوب صورت زنانے حمام کی دل کش عمارت ہے۔ اس سے اور آگے بڑھ کر ایک بہت بڑا سنگ بستہ تالاب ہے جس کی ایک جانب پختہ گھاٹ بنا ہوا ہے یہاں بھی غلے کا گودام تھا۔ یہ تمام حصہ قلعہ کا پوری طرح محفوظ اور مضبوط ہے اور اسی طرح راجگری جو راجہ کے رہنے کا مقام تھا خاص طور پر مستحکم اور محفوظ بنایا گیا ہے۔ کشناگری میں کوئی خاص چیز دیکھنے کی نہیں ہے مگر پہاڑوں کے کنڈوں میں جو چکردار سیڑھیاں تراشی ہیں وہ بجائے خود ایک عمدہ پناہ گاہ ہیں۔ اس پہاڑی کی چوٹی پر بھی ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ کچھ گرا پڑا حصہ دربار ہال کا باقی ہے جس کی محرابیں اور کھڑکیاں اب تک موجود ہیں۔ اغلب ہے کہ یہ قلعہ اجگان بیجانگر کا بنایا ہوا ہے اور پھر جس جس کا قبضہ رہا وہ اپنے حوصلے اور ضرورت کے موافق ترمیم و تعمیر کرتا گیا۔ اس قلعہ کے استحکام کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ ذوالفقار خاں کو (جو اورنگ زیب کا صوبہ دار تھا) پورے سات برس اس کے سر کرنے میں لگے۔ (از واقعات مملکت بیجاپور) نوٹ ۳ صفحہ ۵۴۱ ویلور - ویلور کی آبادی (۴۳۷۹۲) نفوس ہے جو ضلع شمالی آرکاٹ کا مشہور مقام ہے۔ مدراس (رائپور) سے (۱۹۲ ۳/۴) میل۔ کاٹ پڈی جنکشن ساؤتھ انڈین ریلوے سے چھ میل ربع آبادی فوجی لوگوں کی ہے جو سلاطین بیجاپور اور گولکنڈے کی افواج کی نسل سے ہیں۔ یہ مقام سطح سمندر سے (۷۰۰) بلند اور پالار ندی سے بجانب جنوب ایک میل ہٹ کر ہے۔ قدیم بستی وِلّا پاڑی میں تھی جو اب مضافات ویلور میں ہے۔ جس جگہ اب ولّا پاڑی ہے یہاں ببول بن کثرت سے تھا۔ اوری زبان میں ولّا ببول کو کہتے ہیں اسی وجہ سے یہ نام پڑا۔ شہر ویلور کو رای ویلور ضلع گوداوری کے اُپّے ویلور سے رفع التباس کے لیے کہتے ہیں۔ ویلور میں ایک ایسا مستحکم متین اور باقاعدہ قلعہ بنا ہوا ہے کہ جس کی نظیر اس جنوبی خطۂ ہند میں نہیں ہے۔ یہاں پہلے چھاؤنی بھی تھی مگر اب اٹھ گئی۔ لیکن اب بھی ایک سٹیشن سٹاف افسر ان فوجی لوگوں کی پنشن تقسیم کرنے کو رہتا ہے جو مختلف مقامات پر رہتے ہیں۔ شہر کی مشرقی جانب پہاڑوں کا ایک ایسا خوش نما سلسلہ ہے جو سارے شہر پر چھایا ہوا ہے جس

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

فرشتے نے اُٹھارکھی تھی۔

(بقیہ نوٹ صفحۂ گذشتہ) بعض دو ہزار فیٹ مرتفع ہیں۔ اس کی تین بلند چوٹیاں مرتضیٰ گڑھ گجراؤگڑھ اور ستجا راؤ گڑھ ہیں۔ یہ بھی پہلے محصور تھیں۔ مرتضیٰ گڑھ سب سے شمالی کونے والی گڑھی آخری مسلمان صوبہ دار ویلور کی بنائی ہوئی ہے اور بقیہ دو گڑھیاں جس میں ستجا راؤ گڑھ آخری جنوبی سمت پر ہے مرہٹوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ شہر دیوسان پہاڑیوں کے دامن میں آباد ہے جس کے اطراف شہر پناہ تھی جس کا سلسلہ پہاڑی قلعوں سے جا ملتا تھا اور وہاں سے پانی کا دوسرا حصار تھا۔ آب و ہوا یہاں کی بہت صحت بخش ہے لیکن چونکہ پہاڑ دن بھر تپتے رہتے ہیں راتیں قیامت کی ہوتی ہیں اور ایسے جھونکے گرم ہوا کے آتے ہیں کہ توبہ قبول نہیں ہوتی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بھدر اچلم (جو دریائے کرشنا پر واقع ہے) کا رہنے والا ایک شخص بومی ریڈی یا بومی نایڈو بہ اجازت ایک راجہ کے جو چولا خاندان کا تھا وہ پہلے پہل ۱۲۹۵ء میں ویلور میں آکر رہا اور اس کے بیٹے نے یہاں کے قلعہ کی بنیاد ڈالی لیکن بلحاظ طرز عمارت اور خصوصاً اینٹ کی منڈیر اور اس کے جھروکوں کو دیکھ کر ہم کو ہزار حصے یہ صناعی اٹلین انجنیروں کی معلوم دیتی ہے اور ظن غالب یہ کام کسی یورپین انجنیر کا ہے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ قلعہ کی تعمیر کے بہت عرصے بعد اضافہ ہوا ہے۔ تعلقہ گوڈیاٹم میں جو مندر کی دیوار پر ایک کتبہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے وسط میں نہ قلعہ بنا تھا نہ اس کے اندر کا مندر۔ یہاں کے لوگوں نے قلعہ کی قدامت کے بیان میں محض مبالغہ کیا ہے سنہ ۱۵۰۰ء کے قریب ویلور پر نرسنگ رای راجہ بیجانگر کا تسلط ہو گیا لیکن سترہویں صدی کے درمیان بادشاہ بیجاپور نے چھین لیا اور مسلمانوں کی حکومت ویلور میں عرصہ تک رہی آخرکار تکوجی راؤ مرہٹے نے مسلمانوں کو بے دخل کیا اور سنہ ۱۶۷۶ء میں عبداللہ خاں قلعہ دار نے قلعہ مرہٹوں کے حوالے کر دیا۔ سترھویں صدی کے اختتام پر اورنگ زیب کے مشہور جنرل ذوالفقار خاں نے قلعہ کا محاصرہ برابر دو سال تک رکھا اور آخرکار سنکوجی مرہٹہ قلعہ دار سے ڈیڑھ لاکھ پگوڈا (یہ ایک طلائی سکہ ہے جو انگریزی میں پگوڈا لکھا جاتا ہے مگر صحیح لفظ پگوڑا ہے۔ یہ سکہ پہلے پہل راجہ کرشن راؤ نے سنہ ۲۶-۱۵۰۹ء میں چلایا۔ اس کی اصلی قیمت ساڑھے تین روپیہ کلدار ہے ہندو اس کو ورہا کہتے ہیں جس کے معنے جنگلی سور کے ہیں جو وشنو کا اوتار ہے جو میسور کے راجاؤں کا نشان سلطنت تھا۔ پگوڈے کی اصطلاح پرتگالیوں کی گھڑی ہوئی ہے (بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

ست نامی یہ فرقہ ہندوؤں کا تھا جو دلی کے قریب نارنول میں رہتے تھے یہ لوگ بالعموم تاجر اور زراعت پیشہ تھے۔ ان میں سے کسی

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اور غالباً فارسی بُت کدہ کا بگڑا ہوا ہے۔ کیوں کہ اکثر پگوڈوں کی ایک طرف دیول (مندر) کی شکل بنی ہوئی تھی۔) لے کر محاصرہ اٹھا لیا سنہ ۱۷۰۸ء میں مغلوں کے جنرل داؤد خاں کے جانشین سعادت اللہ خاں نے ویلور اور اس کا ملحقہ ملک اپنے بھائی غلام علی خاں کو جاگیر دے دیا جس کا پوتا مرتضیٰ علی خاں عرصہ دراز تک قلعہ پر قابض رہا۔ آخر کار سنہ ۱۷۶۳ء میں انگریزی اور نواب محمد علی خاں نے مشترکہ لشکر نے تین مہینے کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح کر لیا سنہ ۱۷۶۹ء میں نواب حیدر علی خاں نے ویلور کے دس دس میل چاروں طرف کے سارے گاؤں اندر زراعت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا (یہ واقعہ میسور کی دوسری لڑائی کے نام سے مشہور ہے) دو برس بعد حیدر علی خاں نے باقاعدہ طور پر قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہا لیکن واندی واش کے قلعہ کی تسخیر میں ناکامیابی کی وجہ سے اس ارادے سے تو باز رہا مگر چاروں طرف ناکہ بندی کر کے تمام رستے بند کر دیئے۔ ویلور کے قلعہ میں جو انگریزی فوج زیر کمان کرنل راس لینگ کے تھی بھوکی مرنے لگی۔ آخر کار بمشکل تمام ۳ نومبر سنہ ۱۷۸۱ء کو سر ایر کوٹ نے تھوڑی سی رسد بھجوا دی۔ لیکن اس امداد سے کیا ہو سکتا تھا کہ اسی اثنا میں انگریزوں کو شولن گڑھ کے قریب پالوپیٹ پر ناکامیابی کی خبر ملی اور برسات بھی شروع ہو گئی تھی مجبوراً انگریزی فوج کو مدراس چلا جانا پڑا اور حیدر علی کے بیٹے میدان خالی ہو گیا اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۲ جنوری سنہ ۱۷۸۲ء کو انگریزی فوج پھر میدان جنگ میں آئی اور گیارھویں تاریخ ایک دستہ فوج کا جو رسد لایا تھا قلعہ میں جا گھسا جہاں کی باقی ماندہ فوج رسد کی قلت سے جاں بلب تھی۔ سنہ ۱۷۹۰ء میں جب میسور کی تیسری جنگ ہوئی تو انگریزوں کی فوج ویلور میں جمع تھی۔ ویلور کے بیٹے باستثنا اس بلوے کے جو سنہ ۱۸۰۶ء میں ہوا در حقیقت یہ لڑائی بالکل آخری جنگ تھی۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے معرکے میں اس قلعہ اور یہاں کے توپ خانے نے ایسا کام دیا کہ فرانسیسی جو چڑھ آئے تھے اُن کے دانت کھٹے کر دیئے تب جا کر معلوم ہوا کہ یہ قلعہ کیسا مضبوط ہے اور اس کا فتح کرنا کس قدر دقت طلب تھا۔ سجاراؤ گڑھ جو اب سیتر مل کے نام سے مشہور ہے ہزار فیٹ بلند ہے اور جس پر ایک گڑھی بنی ہوئی ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

ایک شخص کے ساتھ ایک مغلیہ عہدہ دار نے بے جا برتاؤ کیا تھا جس پر یہ لوگ بگڑ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کئی کئی سخت حملے زور شور کے کیئے گئے لیکن لفٹنٹ پار کمانڈنگ کی دلیرانہ مقاومت کے سبب سے بیڑا پار لگا اور بار بار فرانسیسیوں کو پس پا ہونا پڑا۔ ۱۰ ر جولائی سنہ ۱۸۰۶ء کو ڈھائی بجے شب کے ہندوؤں کی ہندوستانی فوج یورپینوں پر بدل گئی۔ جو دو کمپنیاں (۶۹) رجمنٹ کی تھیں (جو ولش رجمنٹ کی دوسری پلٹن کے نام سے مشہور) دس افسر اور (۱۱۵) آدمی علاوہ زخمیوں کے مارے گئے۔ غدر کا سبب ایک نئی پگڑی جو فوج کی ڈریس میں دی گئی تھی اور ایک جدید صلیب بیج کشش تھا جو ہندوستانی فوج کو دیا گیا تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ اس بہانے سے ان کا مذہب بٹال کر ان کو عیسائی بنانا مقصد ہے۔ یہ ساری آگ ٹیپو سلطان کے خاندان کے لوگوں کی بھڑکائی ہوئی تھی جو ویلور میں بطور رخوردر بنتے تھے۔ قلعہ میں ہندوستانی فوج کی پہلی پلٹن کی چھ کمپنیاں تھیں اور تیئسویں رجمنٹ کی دوسری پلٹن سب ملا کر پندرہ سو سے کچھ زیادہ نفری تھی۔ ۹ ار جولائی کی شب میں جو لوگ پہروں پر چڑھے ہوئے تھے وہ سوء اتفاق سے پہلی رجمنٹ کے سپاہی تھے اور یہ رجمنٹ جزو اعظم سازش کی تھی۔ صبح سویرے سے ہی چند اشرار خفیہ طور پر یورپین گارڈ پر جا چڑھے اور ان کے ساتھ پہروں پر چڑھے ہوئے سپاہی بھی شامل ہو گئے اور تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا۔ وہاں سے نکل کر بلوائیوں کی ایک پارٹی پریڈ کے میدان میں پہنچی جہاں تیئسویں رجمنٹ قواعد کر رہی تھی ان کو بھی اپنے ساتھ شریک ہونے کو دینے لگے اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ یہ سب ناعاقبت اندیش بھی ان کے پیچھے ہوئے ایک جم غفیر نے یورپین بارکوں کو گھیر لیا اور بے خبر سوتے ہوئے یورپینوں پر گولیاں برسانے لگے اور گھروں میں گھس گھس کر ایک ایک کو بلا امتیاز عورت اور بچوں کے جو ملاتے کرنے لگے۔ جو لوگ جان بچا کر بھاگ نکلے انھوں نے نہایت دلیری اور شجاعت سے ان کا مقابلہ کیا اور قلعہ کے دروازے پر ڈٹ گئے جن کی وجہ سے بلوائی قفلی دار پل کو نہ کھول سکے ادھر تو یہ کشت و خون ہو رہا تھا ادھر بلوے کے سرغنوں نے ٹیپو سلطان کے بیٹے فتح حیدر کی بادشاہت کا اعلان کر کے قلعہ میں جھنڈا بھی بلند کر دیا۔ یورپین فوج یہ دیکھ کر منتظر تھی اور آخر تیئسویں رجمنٹ کے ایک سوبیدار نے جرأت کر کے حکم دیا کہ چڑھ کر جھنڈا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اور ایساز ور پکڑا کہ شاہی فوج کا دستہ جو ان کے مقابلے پر گیا تھا اس کو شکست دی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہتھیار لیا۔ اس غدر کی خبر راجپوتانہ میں پہنچی پیٹ میں کرنل گلسپی کمانڈنگ افسر ویلور
ڈریگون کو پہنچی اور نو بجے دن کے وہ ساتویں رجمنٹ انفنٹری کے ایک دستے کو لے کر بلغار پہنچے
اس کمک کے آتے ہی یہاں کا رنگ بدل گیا۔ بلوائیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور تھوڑی دیر
میں بلوہ فرو ہو گیا۔ ساڑھے تین سو سپاہیوں کے قریب اس بلوے میں مارے گئے اور ان کے
سرغنہ توپ کے منہ سے باندھ کر اڑا دیئے گئے اور سپاہیوں کی دونوں رجمنٹیں توڑ دی گئیں
یہاں کا عمدہ اور قدیم قلعہ جو تخمیناً ۱۲۷۴ء تا ۱۳۰۳ء کا بنایا ہوا ہے باوجود متواتر محاصروں کے اب بھی
اچھی خاصی حالت میں ہے جس کی فصیل میں بندوقوں اور تیر کمانوں کی نشانہ اندازی کی جگہیں بنی ہوئی
ہیں کیونکہ یہ قلعہ توپ کے عام طور پر رواج پانے کے پہلے کا بنا ہوا ہے۔ قلعہ کی عمارت قریب قریب
مربع شکل کی ہے کوئی پون میل لمبی اور اس سے کچھ کم چوڑی جس کے گرد ایک نہایت پختہ فصیل اور
ایک چوڑی خندق ہے۔ قلعہ میں متعدد بڑے بڑے مضبوط برج اور مورچے ہیں۔ قلعہ کا صدر دروازہ
بڑا عالی شان ہے جس کے پٹ بہت بھاری اور مستحکم ہیں۔ دروازے تک ایک چار دار سڑک ہے
اور خندق پر ایک کھلی دار پل ہے جسے جب چاہو گھسیٹ لو اور جب چاہو پھیلا دو۔ خندق میں زمین
کے اندر سوریا کنٹھ تالاب سے پانی آتا ہے فصیل میں گڑھے گھڑا ہوئے بڑے بڑے سڈول
پتھر ہیں جو گچ سے جڑے ہوئے ہیں۔ صرف اوپر کی منڈیر اینٹوں کی ہے جس میں بندوق مارنے
کی جھانکیاں ہیں۔ قلعہ کے اندر شمالی و مشرقی کونے میں ایک نہایت قدیم اور عمدہ مندر ہے جو جنوبی
ہند کے مندروں میں ایک بے نظیر عمارت ہے جو مدتوں لیبوروسلاح خانے کے استعمال کیا
جاتا تھا۔ دو صدی گزریں کہ اس مندر میں ایک قتل ہوا تھا جس کے سبب سے وہ ناپاک ہو گیا اور
جب سے اس میں پوجا پاٹ بند ہو گیا۔ مندر کا گوپرم (قبہ) سات منزلہ اور سو فیٹ بلند ہے۔
اس میں نیچے سے اوپر تک بے نظیر نقش و نگار اور طرح بطرح کی دستکاری اور صناعی کی
گئی ہے۔ سارا گوپرم تصویروں اور مورتوں سے لپا ہوا ہے اور مندر کا دروازہ بھی بڑا
عالی شان ہے۔ یہ شیو کا مندر ہے جس کا نام جل کنٹھیسور ہے یعنی شیو جی پانی میں براج رہے ہیں۔
مندر کے دروازے کی دونوں طرف دو دوار پال (دربان) بہت بڑے اور ایک ہی پتھر کے
تراشے ہوئے کھڑے ہیں اور گوپرم کے اندر دار جد هر دیکھو پتلے اور بت ہی بت ہیں اسی میں پانی
(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

عام خیال یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس کوئی جادو یا منتر ہے جو کسی طرح قابو میں نہیں آسکتے لہٰذا

(تکملہ نوٹ صفحۂ گذشتہ) قلعہ پوتی ریڈی کا ثبت بھی ہے۔ مندر کے احاطے کے اندر بائیں ہاتھ کو کلیان منڈپ ہے جس میں پہلے ہر سال دیو کی شادی کے وقت دیو کو لاکر بٹھلاتے تھے۔ اس منڈپ کے ستونوں پر بے نظیر نقش ونگار اور تصویریں تراشی ہوئی ہیں۔ منڈپ کی دوسری جانب سیڑھیوں کے پاس بہت سے پتھر کے ستون کھڑے ہیں جن پر انواع و اقسام کی پتلیاں تصویریں جانوروں اور دیوتاؤں کی بنی ہوئی ہیں جن کے دیکھنے کے بعد انسان محو حیرت رہ جاتا ہے کہ پتھر کو موم کر دیا ہے۔ کس محنت اور کتنے صرف اور کس قدر مدت میں یہ کام ہوا ہوگا اور کیسے کاریگر ہوں گے جنھوں نے ایسی نادر تصاویر بنائیں۔ آج بھی جب کہ زمانہ اس قدر ترقی کر گیا ہے ہم اس کہنے پر مجبور ہیں کہ اب یہ فن ہی ہندوستان سے مٹ گیا۔ جب اس کی ضرورت نہ رہی عمارتوں کے بنانے والے بھی نہ رہے۔ ایک شیر زندہ منہ پھاڑے کھڑا ہے اس کے منہ کے اندر ایک گولہ ہے جسے ہاتھ ڈال کر جتنا چاہو پھراؤ مگر گولا نکل نہیں سکتا۔ چھت کو دیکھیے تو نظر اوپر کی اوپر ہی رہ جاتی ہے نظر ہٹانے کو دل نہ چاہے۔ خیر سارے نقش ونگار اور تصویریں جو ہیں سو ہیں مگر تین حلقے طوطوں کے بنائے ہیں جو سر کے بل جھول رہے ہیں اور چونچ پنجوں میں کنول کے پھول کی پنکھڑیاں پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طوطا الگ الگ پتھر میں تراشا ہوا ہے جس کی خوب صورتی کا بیان قلم سے ادا ہونا ناممکن ہے ہاں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ صرف جان ڈالنا باقی ہے۔ تمام ہال متعدد ستونوں پر ٹکا ہوا ہے اور کوئی ستون ایسا نہیں جس میں دیدہ ریزی کا کام نہ کیا گیا ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ مندر کا کوئی پتھر ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ ندرت نہ رکھی گئی ہو اور اس قابل ہے کہ ان کاریگروں کے ہاتھ چوم لیے جائیں اور ان پتھروں کو سونے میں تول دیا جائے۔ مندر کے چاروں طرف لمبے لمبے دالان دور تک چلے گئے ہیں جن میں صدہا ستون ہیں اور کوئی ستون بھی نقاشی اور تصویروں سے خالی نہیں اور پھر معمولی تصویریں نہیں بلکہ وہ تصویریں کہ جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب بولیں کہ بولیں۔ احاطے کے چاروں طرف چار منڈپ بنے ہوئے ہیں وہ بھی تصاویر سے آراستہ ہیں۔ شمال و مغرب کے کونے میں جو منڈپ ہے اس کے سامنے ایک قابل دید باؤلی ہے کہ اس میں سطح آب سے ملی ہوئی ایک کھڑکی رکھی گئی ہے جس کے اندر جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ بالائی عمارات کے علاوہ تہ خانے میں بھی ایک کشادہ مندر ہے۔ اس میں بھی متعدد کمرے ہیں اور یہاں سے

(بقیہ نوٹ صفحۂ آئندہ)

(ن) سے توڑنے کے لیئے اورنگ زیب نے کچھ آیات کلام مجید کی لکھ کر جھنڈوں پر لگائیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) پالار ندی تک سرنگ نما رستہ بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ مندر کا خزانہ یہیں ہے جس پر جنات قابض ہیں اور کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ باؤلی کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا اس وجہ سے اس کا خالی کرنا بہت مشکل ہے اور جب تک باؤلی خالی نہ ہو اس تہ خانے والے مندر کو کون جان سکتا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں پانی بہت اتر گیا تھا تب سٹاف افسر کے ایک بابو نے آکر اس مندر کو دیکھا تھا ورنہ کون جانتا ہے اور ہتیلی پہ اپنی جان سے کر کون جا سکتا ہے۔ قلعے کے اندر ٹیپو سلطان کے رہنے کے محلات بھی ہیں۔ جنوب و مشرق میں یورپین لوگوں کا قبرستان جس میں انھتر رجمنٹ کے افسر اور سولجروں کی قبریں ہیں جو ۱۸۰۶ء کے بلوے میں مارے گئے تھے۔ قلعے سے (۵۰۰) گز مغرب کی طرف حضرت مقام کی درگاہ ہے۔ قلعہ کے مغرب میں پون میل کے فاصلے پر ٹیپو سلطان کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں جن میں دس قبریں بڑے بڑے امرا کی ہیں اور چار سو معمولی۔ اس قبرستان کا ایک معمولی سا احاطہ کھچا ہوا ہے۔ آج کل تمام قوں ہی کی سنبھال مشکل ہے قبرستان کو کون پوچھتا ہے۔ گورنمنٹ نے (۱۵) ایکڑ زمین قبرستان کے لیئے چھوڑ دی ہے جس میں سے تین ایکڑ میں تو قبریں ہیں اور باقی میں زراعت ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ زمین اسی واسطے چھوڑی گئی ہے کہ اس کے محاصل سے قبرستان کی نگہداشت ہو لیکن زندہ ہیٹوں سے بچے تو مردوں کو ملے۔ قلعے سے ڈیڑھ میل ایک مسلمان طوائف کی قبر ہے جسے ایک مسلمان قلعہ دار نے اسی مندر میں سترھویں صدی کے آخر میں مار ڈالا تھا اسی تاریخ سے مندر کا پوجا پاٹ موقوف ہوگیا اور جو خزانہ تھا وہ بھی لٹ لٹا گیا۔ موضع وِلّا پاڑی میں ایک بہت بڑا گرا پڑا مندر ہے جو قلعہ ویلور کی تعمیر سے پہلے کا ہے۔ مشہور ہے کہ خاندان چولا کا راجہ اس زمانے میں جو بوتی ریڈی آیا اسی موضع میں رہتا تھا۔ (از واقعات مملکت بیجاپور) نوٹ ۳ صفحہ ۵۴۱ آرنی شمالی آرکاٹ کے ضلع میں ویلور کے پاس یہ قلعہ ہے۔ نوٹ ۴ صفحہ ۵۴۱ بنگلور۔ یہ شہر تمام ہندوستان میں بڑا خوش نما اور بہت دلکش ہے۔ میسور کے تختہ مرتفع کے وسط میں سطح سمندر سے ۳۱۱۳ فٹ بلند ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خوش گواری اور اعتدال میں مشہور ہے اور خاص کر یورپینوں کے لیئے تو از بس موافق ہے۔ اوسط ٹمپریچر (۷۶) درجے اور اوسط بارش (۳۶) انچ ہے۔ اوسط آبادی ... ہزار ہندوستانی نسبتی میں (۱۷) اور چھاؤنی میں (۱۵) ہے۔ سطح زمین ہموار نہیں چند مقامات کے وہی بہ نسبت دوسری جگہ اونچان ہے۔ جا بجا متعدد خوب صورت تالاب جھلکتے ہیں۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

آخرکار بہت سے ہندو مارے گئے بلوہ فرو ہوا اور جزیہ لگایا گیا۔

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) پرانا شہر جہاں ہندوستانیوں کی آبادی ہے اس کا رقبہ ۲ ۱/۲ مربع میل ہے اور آبادی پینسٹھ ہزار۔ بازار تنگ اور بے قاعدہ ہیں مگر بہت سے الدار تجار کے مکانات عمدہ عمدہ ہیں۔ شہر میں اچھی چہل پہل اور تجارت بھی خوب ہے۔ چھاؤنی بڑی وسیع اور بارہ مربع میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اور آبادی قریب قریب ایک لاکھ کے ہے۔ یہیں رزیڈنسی کی عالی شان اور وسیع عمارات اور محکمہ جات کا سلسلہ ہے سنٹرل جیل ہندوستان کی بہترین عمارات میں سے ہے سنٹرل کالج۔ مہاراجہ کا شاندار نیا محل۔ بارکیں۔ ریس کورس۔ پریڈ گراؤنڈ۔ پبلک پارک۔ خوبصورت ٹرینیٹی چرچ۔ میوزیم (عجائب خانہ) رومن کیتھولک چرچ۔ وزلین چیپل۔ یورپین عہدہ داروں اور خوش باشوں کے خوشنما بنگلے اور کوٹھیاں۔ لال باغ کا بوٹینیکل گارڈن۔ بینڈ سٹینڈ۔ سینٹ جانز ہال۔ جس پر یورپین پنشنر سولجروں کے کثیر التعداد مکانات ہیں اور باقی کل ضروریات جو ایک اول درجے کی چھاؤنی کے لیئے درکار ہیں۔ ایک اول درجے کا ڈاک بنگلہ اور دو مشہور ہوٹلیں بوورنگ اور کینبز۔ قلعہ جو سال جلوس اول نواب حیدر علی خاں میں از سر نو سنگ بست بنایا گیا تھا اس کو بڑے بڑے تاریخی واقعات سے تعلق ہے۔ وہ کوٹھری جس میں سرڈیوڈ بیرڈ ۱۷۸۰ء میں ہیلی سے شکست پاکر قید رہے اب تک موجود ہے۔ یہ کوٹھری بارہ فیٹ مربع ہے اور ایسی پست ہے کہ کھڑے ہو تو سر چھت کو لگے۔ بنگلور میں ہر قسم کی دستکاری اور صنعت کاری جو ہندوستانی شہروں میں ہوتی ہے یہاں بھی ہے۔ ہر قسم کے ریشمین پارچہ جات۔ زردوزی کپڑے۔ زیورات۔ چرمی کارخانے یہاں کی خاص دستکاری ہے۔ زیادہ تر بیوپار ڈوڈاپیٹ میں ہوتا ہے۔ یہاں کے جیل میں دریاں اور قالین ایرانی اور ترکی وضع کے بہت عمدہ بنتے ہیں۔ یہاں کے عجائب خانے میں ہلی بیبڑ کے مشہور مندروں کے نہایت اعلیٰ درجے کی حکاکی کے پتھر موجود ہیں۔ ہلی بیڑ تیرھویں صدی میں بلال خاندان کے راجگان میسور کا راج دھانی تھا۔ جو میسور سے بجانب شمال (۱۱) میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کے مندر تمام ہندوستان کے مندروں پر فوقیت لے گئے ہیں اور ایک بہترین نمونہ فن تعمیر کا ہیں۔ بنگلور میں متعدد کالج اور سکول ہیں۔ زنانہ مدارس بھی ہیں۔ کئی سکول مشنریوں کے ہیں جن میں بشپ کاٹن کا

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سیواجی کا ملکی انتظام

گو سیواجی نے اپنی زندگی بطور قزاقوں کے سرغنے کے شروع کی تھی مگر جب اُس کے پاؤں خوب جم گئے تو اُس نے اپنی حکومت کا سکہ

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سکول بہت مشہور ہے اور جس طرح عمدہ عمدہ سکول کی افراط ہے اسی طرح گرجاؤں کی بھی بہتات ہے۔ غرض یہ شہر زیادہ تر انگریزوں کا مسکن ہے اور جیسی انگریزیت کی افراط بنگلور میں ہے ہندوستان کے اور کسی شہر میں نہیں۔ علاوہ خوش آب و ہوا ہونے کے میوہ جات اور ترکاریوں کی وہ افراط ہے کہ دور دور یہاں سے میوے اور ترکاریاں جاتی رہتی ہیں۔ (از نپچر یسک انڈیا)

نوٹ ۵۵ صفحہ ۵۴۱ بلھاری: سدرن مرہٹہ ریلوے کے گنتکل جنکشن سے دو گھنٹے کا ریل کا رستہ ہے۔ مدراس پریزیڈنسی کے ضلع کا مستقر ہے۔ آبادی ساٹھ ہزار جس میں $\frac{3}{4}$ ہندو ہیں۔ دو میل پر چھاؤنی ہے جہاں گوروں اور ہندوستانیوں کی فوج ہے جن کی تعداد تین ہزار ہے۔ شہر ایک چٹیل میدان پر بسا ہوا ہے جہاں درخت کا نام نہیں البتہ جا بجا پہاڑوں کے ڈھیم کھڑے ہیں بجنسہ ایسے جیسے کہ سمندر میں جزیرے ہوتے ہیں۔ ان گنڈوں میں سے ایک (۰۵ فٹ) اونچا اور کوئی دو میل کے حلقے میں پھیلا ہوا ہے اسی پر ایک نہایت مضبوط اور معمولی فوج کے مقابلے میں ناممکن التسخیر قلعہ قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے جو شہر سے دو میل ہے۔ غلہ اور روئی کے تجارت کے کاروبار کی بڑی بھاری منڈی ہے۔ متعدد پینچ روئی کے بنولے نکالنے اور گٹھے باندھنے کے ہیں اور ایک گھرنی بھی ہے۔ یہ شہر پہاڑی کے دامن میں آباد ہے اور اسی وجہ سے درختوں کے سایہ سے محروم ہے لیکن اس کمی کو قدرت نے ایک خاص قسم کی چھتردار جھاڑی سے پورا کیا ہے جو فلومیس انڈیکا (Phlomis Indica) یا چھتر والا درخت کہلاتا ہے جس میں سایہ کے علاوہ خوشبودار پھول بھی لگتے ہیں۔ یہاں کی پیداوار اور صنعت السی۔ گرڑ۔ شکر۔ چوڑیاں۔ چوبی کام کے صندوق۔ چھپی ہوئی چھینٹیں۔ زری کی ساڑیاں عمدے۔ سب سے زیادہ یہاں کے کمل مشہور ہیں اور فی الواقع تمام ہندوستان میں کہیں بھی ایسا نفیس کمل نہیں بنتا کہ جس کے کوٹ پتلون اوور کوٹ بنیں۔ ان کی بناوٹ ٹوئیڈ اور بانات کا مقابلہ کرتی ہے بلکہ دیرپائی میں اس سے بھی زیادہ۔ طرفہ یہ کہ یہ کمل ایسے باریک اور نفیس ساخت کے ہوتے ہیں کہ بانس کی پھکنی یا نلوے کے اندر رکھ کر فروخت ہوتے ہیں

بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ

جما دیا اور بتلا دیا کہ اُجڈ اور اکھڑ رعایا پر کس طرح حکومت کی جا سکتی ہے۔ وہ ایک اچھا اصلاح...

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴۱) جن کی قیمت فی کمل پچاس روپیہ سے سو تک ہوتی ہے۔ یہ چک کی وضع کے بھی بنتے ہیں۔ معمولی کمل دس روپیہ یا پانچ کو ملتا ہے وہ اوڑھنے - بچھانے کے علاوہ بارش بیتے ایسا واٹر پروف ہے کہ اوڑھ لینے کے بعد پانی کی ایک بوند بھی اندر نہیں آ سکتی۔ قلعہ کی دوہری فصیل ہے ایک اوپر دوسری نیچے سنگ خارا کی نہایت مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ فصیل کے آگے خندق ہے پہاڑ کی چوٹی پر قلعے کی عمارت ہے جس کے اندر ایک عجیب و غریب سنگ خارا کا ستون (۴۳ فٹ) اونچا ہے جس پر بہت کچھ نقش و نگار کا کام ہے یہ ستون ایک شیو کے مندر کے متعلق ہے جو اسی قلعہ میں قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے۔ قلعہ کے اندر سول کے عہدہ دار رہتے ہیں اور ملیٹری سٹور اور میگزین بھی ہے۔ اس پرانے قلعہ کے علاوہ ایک اور قلعہ بھی ایک پہاڑ پر جس کی بلندی (۴۵۰ فٹ) ہے نہایت دراز کا بنا ہوا ہے جس پر سے سارا شہر نظر آتا ہے اور قلعہ بھی بسبب اپنی بلندی کے بہت دور سے دکھلائی دیتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ قلعہ طیار ہوا تو حیدر علی خاں بادشاہ میسور نے فرانسیسی انجینیر کو جس نے یہ قلعہ بنایا تھا قلعہ کے دروازے پر پھانسی دے کر لٹکوا دیا کیوں کہ یہ قلعہ ایسا بے موقع بنایا تھا کہ ایک پاس کی پہاڑی کی زد میں تھا۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں سرکار عالی نظام نے بلھاری سرکار انگریزی کے سپرد کر دی۔ شہر بلھاری دو بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ بروس پیٹ اور قول بازار۔ ان دونوں حصوں کے درمیان ایک بڑا بھاری تالاب ہے۔ بروس پیٹ میں ایک وسیع قطع اراضی نوایکر کا شن کے علاقے میں ہے جس میں سنہ ۱۸۲۴ء میں ایک گرجا۔ مدرسہ اور کتب خانہ اور عیسائیوں کے بہت سے مکانات بن گئے ہیں۔ قول بازار میں بھی ایک گرجا ہے جو سنہ ۱۸۶۹ء میں بنا ہے۔ دو کمرے سکول کے اور بہت سے مکانات عیسائیوں کے ہیں۔ قلعہ میں بھی ایک خوب صورت گرجا ہے جو بلھاری کے رئیس نے بنوا دیا ہے۔ یہاں متعدد مدارس ہیں جس میں وارڈلا انسٹی ٹیوشن مشہور ہے۔ زنانہ مشنری سکول بھی ہیں۔ قول بازار میں سینٹ لازرس چرچ سنہ ۱۸۶۶ء۔ انڈسٹریل سکول سینٹ فلومنز سکول۔ وغیرہ وغیرہ ہیں یورپ کی عظیم الشان جنگ کے ترکی قیدیوں کا بڑا بھاری کیمپ بھی بلھاری ہی میں تھا۔ (از واقعات ۲۰ ... سوانح ہور و پکچر سک انڈیا) ۱۲

مذہب ہندو تھا اور اگرچہ جاہل محض تھا حتیٰ کہ اپنا نام بھی نہ لکھ سکتا تھا لیکن خدا نے اُس کو دماغ اچھا دیا تھا۔ وہ اپنے مذہب کے اصول اور روایات سے خوب واقف تھا اس سبب اس کی حکومت کا رنگ ہندوانی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی عقل سلیم کی بدولت بڑی مفید اور کار آمد اصلاحیں کیں۔ سیواجی کی انتظامی قابلیت کی تفصیل اگر معلوم کرنی ہو تو گرینٹ ڈف کی تاریخ مرہٹہ پڑھو۔ سیواجی پر جس کا جو جی چاہے الزام دھر دے مگر اس میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ اپنی رعایا پر فدا اور ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان تھا۔ اُس کو عورت ذات کا بڑا خیال تھا۔ اُس نے کبھی عورتوں کے ساتھ بدسلوکی روا نہ رکھی اور جب کبھی جنگ میں عورتیں پکڑی گئیں فوراً اُن کو بلا کسی قسم کی تکلیف دہی یا ایذا رسانی کے غنیم کے سپرد کردیا۔ ملکی نظم و نسق کا یہ ڈھنگ تھا کہ آٹھ وزرا کی ایک کونسل بنائی تھی جو برہمنی اصول دھرم شاستر کی پابندی کرتے تھے۔ ان میں کا وزیر اعظم پیشوا کہلاتا تھا۔ کونسل کے دوسرے ممبر علیحدہ علیحدہ مختلف صیغہ جات فنانس۔ فوج وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ مرہٹوں کے ملک کی تقسیم اضلاع میں تھی اور ہر ضلع میں کافی تعداد عہدہ داروں کی مقرر رہتی تھی ہر گاؤں میں ایک کھمیار رہتا تھا جو پٹیل کہلاتا تھا۔ اعلیٰ درجے کے مقامی عہدہ دار دلیس ادھیکاری۔ تعلقہ دار اور صوبہ دار کہلاتے تھے۔ وزرا عموماً فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اور مال کا کام اُن کے نایب یعنی کاربار ی کرتے تھے۔ بندوبست مالگزاری اراضی سالوار ہوتا تھا۔ عدالتی کاموں کا انصرام پنچایت کے ذریعے سے ہوتا تھا۔

بری اور بحری فوج

فوج کا سب سے بڑا عہدہ دار سپہ سالار کہلاتا تھا جس کے بعد علی الترتیب اور عہدے دار ہوتے تھے۔ لوگوں کی تنخواہ نقدی میں دی جاتی تھی۔

اوائل میں سیواجی اپنی پیدل فوج کی بھرتی مغربی گھاٹ اور کانکن سے کیا کرتا تھا جہاں کے لوگ بڑے پھرتیلے اور بندر کی طرح چھلانگیں مار کے پہاڑوں پر چڑھ جانے تھے۔ سیواجی پہاڑی قلعوں میں رہا کرتا تھا۔ سیواجی نے بتدریج سوار دستوں کو بھی بھرتی کرلیا جو اس کی فوج کا بڑا زبردست اور طاقت ور حصہ تھا۔ یہ لوگ

بمقابلے اور ہتیاروں کے زیادہ تر برچھوں سے مسلح رہتے تھے۔ فوج بالکل سادہ تھی اور نہایت سختی سے فوجی قوانین کی پابندی کرائی جاتی تھی۔ کوئی سوار لشکر میں کسی عورت کو ساتھ رکھنے کا مجاز نہ تھا اور اگر کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو اس کی سزا موت تھی۔ اس خاص معاملے میں سیواجی کا لشکر مغلوں کیا بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج سے بھی بڑھا ہوا تھا کہ ان کے ساتھ عورتوں کی لار لگی رہتی تھی۔ مرہٹوں کا اولین فرض غارت گری تھا۔ جو مال بذریعہ لوٹ کے ملتا وہ سب کا سب راجہ کا ہوتا تھا۔ گایوں۔ کاشتکار پیشہ اور عورتوں سے کوئی مزاحمت نہیں کی جاتی تھی۔ علاوہ بری فوج کے سیواجی کے پاس ایک بحری بیڑہ چار ہزار سپاہیوں کا ساحل پر تھا جو وقتاً فوقتاً امداد دیتا تھا۔

سیواجی کی وفات
۱۶۹۰ء

دو بلہ اول میں گولکنڈہ اور بیجاپور دونوں کا یکے بعد دیگرے مغلوں نے محاصرہ کیا لیکن ناکامیاب رہے۔ سیواجی نے ۱۶۸۰ء میں بیجاپور سے صلح نامہ کرلیا اور راج گڑھ واپس چلا آیا۔ اسی سال یکایک اس نے (۵۳) سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اگرچہ شروع میں اس کی حیثیت بالکل معمولی تھی لیکن وہ وہ شخص تھا جس نے کہ مرہٹوں میں ایک قومی روح پھونک دی اور مغلوں سے گلہ بگلا لڑا۔ کدھر مغل اور کہاں سیواجی مگر قومی جوش۔ ہمت اور جواں مردی اس کے ایسے جوہر تھے کہ زبردست سے زبردست غنیم کو بھی وہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ سیواجی ایک ان مٹ ناموری اور شہرت اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ وہ درحقیقت ہندوؤں میں بڑا سور ما ہو گزرا ہے۔ وہ ایک غیر معمولی اور بڑا بہادر شخص تھا جس نے ایک نئی قوم اور طاقت ور سلطنت کی بنیاد ڈالی

سیواجی کا کیرکٹر

سیواجی ماں کے پیٹ سے سرداری کی قابلیت لیئے پیدا ہوا تھا۔ جس زمانے میں اس نے نشوونما پائی وہ[1] زمانہ مکاری چال بازی اور دغابازی کا تھا اور جبر کا مقابلہ جبر سے کیا جاتا تھا۔ چال بازی توڑ جوڑ اور

[1] اور اب کب نہیں ہو گئے ہے بھی زاید ۹-۱۱

حکمت عملی میں اس کے حریفوں میں سے کوئی بھی سبقت نہیں لے جا سکتا تھا اور نہ کوئی قوت فیصلہ۔ وہ اسے صائب و رطاقت میں اس سے برتر تھا۔ جب وہ اپنی بانی پر آجاتا تھا تو کوئی اس سے برسر دم سکتا تھا۔ جبر کے مقابلے میں وہ عیاری کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ زمانہ[1] راست بازی کا نہ تھا اور اسی وجہ سے سیواجی بھی بڑا بیباک تھا۔ مرہٹے اُسے ہندو دھرم کا حامی۔ گئو ماتا اور برہمنوں کا محافظ اور خدا کا اوتار سمجھتے تھے سیواجی کے جو طرف دار ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اُسے ہر قسم کے اوصاف سے متصف کریں اور جو لغزشیں اُس سے بحیثیت انسان ہونے کے سرزد ہوئی ہیں وہ اُس کے ساتھیوں کے سر تھوپ دیں۔

سنبھاجی

سیواجی کا بیٹا سنبھاجی طرز و روش اور عادات میں باپ سے بالکل مغایر تھا اس کا رنگ ڈھنگ ہی اور کچھ تھا۔ باپ کے اوصاف میں سے ایک بات بھی اسے ورثہ میں نہ ملی۔ یہ بیٹا سارا وقت لہو و لعب میں برباد کرتا تھا۔ بچپنے ہی سے اس کے مزاج میں سخت گیری مخمر تھی اس وجہ سے لوگ اس سے بددل ہو گئے تھے اور اگر مرہٹوں میں سیواجی کی پھونکی ہوئی تازہ دم روح رواں قومیت کی موج زن نہ ہوتی تو اس نا اہل لڑکے کی بدولت مرہٹوں کا کبھی کا خاتمہ ہو جاتا۔ اورنگ زیب اگر پہلے ہی بیجاپور اور گولکنڈے سے موافقت کر لیتا تو سنبھاجی نیست و نابود ہو جاتا لیکن مشکل یہ تھی کہ اورنگ زیب اپنے سامنے سنبھاجی کی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ اس کا مار لینا کون سی بڑی بات ہے۔ سب سے مقدم تو بیجاپور اور گولکنڈے کے معاملات ہیں جو برابر کی ٹکر کے ہیں ان سے بھگتنا ایک ٹیڑھی کھیر ہے۔

اورنگ زیب کا دکن کی کمان اپنے دستِ قدرت میں لینا

۱۰۹۱ھ سنہ کے اختتام پر یعنی سیواجی کی وفات کے ایک سال بعد اورنگ زیب نے مہمات دکن کا انصرام

[1] اور شاید اب ہو یہیں کہتا ہوں کہ اس زمانے کا لیل و نہار اس سے بھی بدتر ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اب تہذیب اس کی شٹی کی آرٹ میں شکار کھیلا جاتا ہے اور جب کھلے ہوا نے معاملہ تھا۔ اس زمانے میں چال بازی مکاری۔ عیاری۔ دھوکا بازی۔ دغا و فریب نے جیسی باقاعدہ روش اختیار کی ہے کبھی بھی ایسی سفاکی اس زمانے میں نہ تھی۔

بہ نفس نفیس شروع کیا جس کا بڑا مقصد سلطنت ہائے گولکنڈہ اور بیجاپور کا معدوم کرنا تھا اور اسی کے ساتھ مرہٹوں کی چیرہ دستی کا انسداد بھی مدنظر تھا اور سارے دکن مفتوح کرکے سلطنت مغلیہ میں شامل کرنا اصلی غرض و غایت تھی۔

ہندوؤں سے برتاؤ

شہنشاہ اورنگ زیب کی غیر مسلم رعایا کی ایذا رسانی کی خودسرانہ اور غلط پالیسی کی سختی سے تتبع نے ملک داری کی مشکلات میں بڑی پیچیدگیاں ڈال دیں۔ پہلی وکھتی چوٹ تو یہ تھی کہ دکن میں بھی جزیہ[1] کے گراں ٹیکس کی بقایا کے وصول کے لیئے سخت سخت احکام جاری کیئے اور صرف تین ہی مہینوں میں مقامی عہدہ داروں نے برہان پور سے چھتیس ہزار کی معتدبہ رقم نچوڑ لی۔ اس پر طرہ یہ کہ مرتے کو ماریں شاہ مدار یہ منادی کی گئی کہ کوئی ہندو پالکی یا عربی گھوڑے پر بدون حصول اجازت نہ بیٹھے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے ہی ایسے ناجائز حکموں کی وجہ سے تمام اہل ہنود اورنگ زیب کے دشمنوں سے جا ملے لیکن اورنگ زیب کو جب بھی کچھ خیال نہ ہوا اور وہ اپنی پالیسی میں ایسا ثابت قدم تھا کہ کوئی بات اسے اس کے جادے سے ذرا بھی نہ سرکا سکتی تھی۔

گولکنڈے کے معاملات

الغرض اورنگ زیب جب دکن میں پہنچا تو اس نے گولکنڈے کے معاملات بہت درہم برہم دیکھے۔ وہاں کا بادشاہ ابوالحسن تاناشاہ عیش و عشرت میں پڑ گیا تھا اور سلطنت کے کاروبار سے اسے کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا بلکہ سارے معاملات دو ہندو مادنا اور اکنا کے ہاتھ میں تھے وہی سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اورنگ زیب اس طرح ہندوؤں کا دخیل امور سلطنت ہونا کب روا رکھ سکتا تھا اس نے اپنے بیٹے شہزادہ معظم کو اصلاح حال کے لیئے بھیجا۔ شہزادے تو آخر شہزادے ہی تھے کچھ وقت تو انھوں نے شاہانہ ٹھاٹ اور امیرانہ عیش میں گنوایا۔ پھر حیدرآباد پر حملہ کیا

---

[1] جزیہ کی ناگواری کی بڑی وجہ تفریق مذہب تھی اور ٹیکسوں کی جو کہو تو اس زمانے میں بھی کچھ کمی نہیں انکم ٹیکس۔ میونسپل ٹیکس۔ واٹر ٹیکس۔ وصیل ٹیکس۔ چنگی۔ چوکیدارہ۔ روشنی بتی اور خدا جانے کیا کیا بیسیوں قسم کے ٹیکس ہیں۔ مگر مرگ انبوہ جشنے دارد کوئی کان بھی نہیں ہلاتا کیوں کہ ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے۔ کسی مذہب کی تخصیص ہے نہ کالے گورے کی تفریق۔ ۱۲

اور شاہی فوج نے شہر کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ بادشاہ بے چارہ گولکنڈے کے قلعے میں دبک گیا۔ ۱۶۸۵ء میں شہزادے نے ایسی نرم شرائط پر صلح کرلی جو اورنگ زیب کے نقطۂ خیال سے درست نہ تھیں اس واسطے شہزادے کو واپس طلب کرلیا گیا۔

بیجاپور کی فتح[1]

۱۶۸۶ء

اس وقت تو گولکنڈے کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا اور ایک دوسرے شہزادے شہزادۂ اعظم کو بیجاپور کی فتح کے لیے متعین کیا گیا۔ شہزادے کے بس کی یہ مہم نہ تھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تب بادشاہ نے خود جا کر محاصرہ کیا

---

[1] چوں عالمگیر بادشاہ در ۱۰۹۷ھ قلعۂ بیجاپور را در دکن سخت محاصرہ نمودہ راہ دخول آذوقہ بر متحصنان بستہ برج و بارۂ قلعہ را از ضرب توپ منہدم ساخت و خندق را انباشتہ خواست کہ اندرون قلعہ درآیند کہ والی آن جا سکندر عادل شاہ از خواب غفلت بیدار گشتہ بتاریخ ۴ ذیقعدہ روز دوشنبہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ را شفیع خود ساختہ قلعہ را حوالۂ اولیائے دولت نمود و خود بملازمت بادشاہ شتافتہ مشمول عنایات شاہانہ گشت میرزا معزالدین موسوی تاریخ ایں فتح عظمیٰ بسلسلۂ نظم کشید اما یک عدد کم می شود۔ تاریخ

کارفرمائے ملک بیجاپور   کز نقصان ہوش بخت خفت
کرد از بس حمایت کفار[1]   بادشاہ جہاں برو آشفت
لشکرے بر سرش گماشت کہ شد   طاقتش طاق و گشت با غم جفت
شد چو عاجز سکندر عادل   خاک درگاہ را بمژگاں رفت
سال تاریخ از خرد جستم   فتح اسکندری مبارک گفت

[1] سیواجی کی طرف شارہ ہے۔

و محمد علی جواہر کن کہ علم تخلص داشت ایں تاریخ در تعمیہ یافت ع زروئے فضل بیجاپور شد فتح ۱۰۹۷

چوں اندرون قلعہ رفتند در انجا یک توپ عظیم الشان یافتند ایں توپ را برہان نظام شاہ والی احمد نگر در ۹۵۶ھ (۱۵۴۹ء) در قالب آوردہ بود (طول ۱۴ - ۱/۲ ۔ قطر دہانہ ۴ - ۱/۲ ۔ کان کے پاس کا قطر ۴ - ۴ - وزن چار سو من تبریز رسی) ایں عبارت بر آں نقش بود۔

در عمل محمد بن حسن رومی

ابو الغازی نظام شاہ خادم اہل بیت رسول اللہ سنہ ۹۵۶ھ

اور عادل شاہی سلطنت پونے دو سو برس کے رنگ برنگ کے عہد کے بعد صفحۂ دنیا سے مٹ گئی اور بیجاپور کا شہر ایسا ویران ہوا کہ آج تک بھی وہ پنپ نہ سکا۔ بیجاپور پر اورنگ زیب کا واقعہ تو یہ تھا آخر کار اُسے لیا پہ لیا۔ اب دوسرا معرکہ گولکنڈے کا پیش تھا۔ وہاں کا بادشاہ در پردہ مرہٹوں

گولکنڈے کا محاصرہ اور فتح[1]

سنہ ۱۶۸۷ء

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۵۷ و نام ایں توپ ملک میدان است و علی عادل شاہ بیجاپوری از احمد نگر آوردہ بر شرزہ برج بتاریخ ۱۵ صفر سنہ ۱۰۸۲ھ نصب کرد و تا حال موجود است۔ عالمگیر بعد فتح بیجاپور عبارت ذیل بر کتبہ بالا استزاد فرمود :۔

(سنہ ۳۰ جلوس والا مطابق سنہ ۱۰۹۷ھ)

شاہ عالمگیر غازی بادشاہِ دین پناہ | آں کہ دادِ عدل داد و ملک شاہاں را گرفت
فتح بیجاپور کرد و بہرِ تاریخ ظفر | رو نمود اقبال و گفتہ ملک میدان را گرفت
سنہ ۱۰۹۷ھ

توپ کا نام ملک میدان مشہور ہے اور اس قطعہ سے ملک میدان معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ دیگر از تند بادِ قہر شاہِ دیں پناہ و دادگر | از گلستان دکن خاشاکِ اعدا پاک رُفت
ایزد بخش رسا۔ تا بہار گرد شمشیرش بہر کوہ زمیں | غنچہ ہائے حصن بیجاپور ہمچو گل شگفت
از برائے ضبط سالش ہاتف از فکرِ رسا | شد کلید باغ بیجاپور قفل شاہ گفت

دیگر از رسا مطلع از پی تاریخ چناں می جُستم | کہ شود شاہ زماں را سبب مسروری
شد نصیبم ز حق ایں مصرعۂ برجستہ رسا | فتح ملک دکن و قلعۂ بیجاپوری
دیگر از رسا ز تیغ شاہِ عالمگیر غازی | شنیدم ملک سلم پور رشد فتح
پئے فتح دکن سبے پاسے افرا | دشتم ملکِ بیجاپور رشد فتح
۱۰۹۷ = ۹ - ۱۱۰۶ھ

نوٹ صفحہ ہذا سلہ۔ فتح حیدرآباد۔ والی ایں دیار سلطان ابوالحسن قطب الملک کہ در عوام بہ تانا شاہ مشہور است از نجیب زادہ ہائے دیار ایران بود از ہمدان در لباس فقر بہ سیاحت رسید چوں والی حیدرآباد قطب الملک عبداللہ شاہ را پسرے نبود بر فطنت و ذکائے او مفتون شدہ او را ابدامادی گرفت بعد فوت عبداللہ شاہ ارکان سلطنت ابوالحسن را قطب الملک خطاب کردہ بحکومت گرفتند چوں در سنہ ۱۰۹۸ھ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

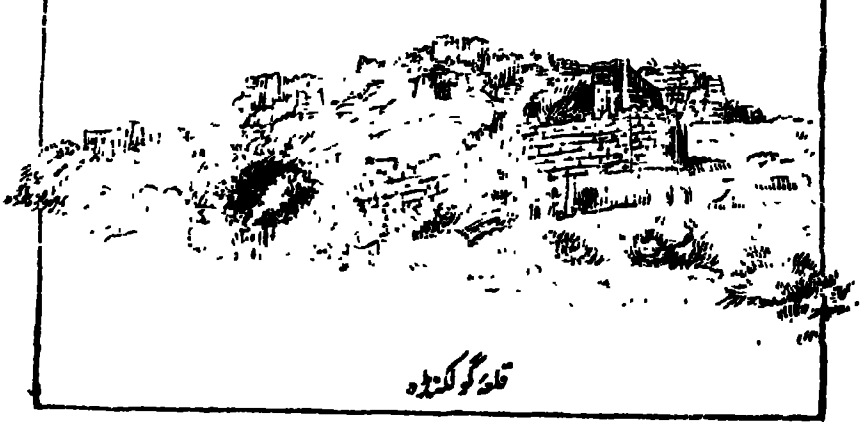
مدد پہلے سے مدد دیتا تھا اور کفار سے ساخت باخت رکھتا تھا اس وجہ سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) عالمگیر بادشاہ حیدرآباد را فتح کرد و والی آنجا سلطان ابوالحسن گریختہ بطرف قلعہ گولکنڈہ رفت میرزا محمد شیرازی کہ عالی تخلص می کرد تاریخ این فتح گفتہ بنظر بادشاہ گذرانید و بمرحمت خلعت سرفراز گردید۔ تاریخ۔

از نصرت بادشاہ غازی گردید دلِ جہانیاں شاد

آمد بقلم حساب تاریخ شد فتح بجنگ حیدرآباد

فتح قلعہ گولکنڈہ و حیدرآباد۔ بعد فتح حیدرآباد افواج بادشاہی قلعہ گولکنڈہ راکہ سلطان ابوالحسن درانجا متحصن شدہ بود محاصرہ نمودہ می جنگید چنانچہ دریں جنگ عابد خاں کہ منصب صدارت داشت و نیز مشہور بہ قلیج خاں صدر الصدور بود بتاریخ ۲۴ ربیع الاول ۱۰۹۸ھ بزخم گولۂ توپ از مرکب عمر سبک خرام غلطیدہ بہ آخرت رفت و پسر او کہ شہاب الدین نام داشت



قلعہ گولکنڈہ

بہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ مخاطب گردید۔ مدت محاصرۂ قلعۂ گولکنڈہ از ابتدائے ۲۵ ربیع الاول لغایت ۲۴ ذی قعدہ سنہ ۳۰ جلوس مطابق ۱۰۹۸ھ ہشت ماہ بود۔ چوں قلعہ مفتوح شد ابوالحسن در قید افتاد و در قلعۂ دولت آباد تا بحیات محبوس ماند۔ شعرائے پایہ تخت تاریخہا یافتہ اند ازاں جملہ برگزیدۂ علمائے دانش مند مولوی غلام نقشبند ایں آیت در تاریخ یافت "تُؤۡخَذُ جُنۡدُہُمۡ"

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اُس کی خبر لینا بھی ضرور تھا۔ جب ابو الحسن[۱] تاناشاہ کو اُڑتی پڑتی خبر پہنچی کہ موت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۵۹) مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ۔ شخصے دیگر "ذَھَقَ الْبَاطِلُ وَجَاءَ الْحَقُّ" تاریخ یافت و منشی عبدالمعالی ایں دو بیت و تاریخ گفتہ:۔

ای شاہِ جہاں پناہی کردی — فتح عجب از لطفِ الٰہی کردی

از مصرعِ تاریخ شنو مژدۂ نو — فتح ابیالی زبادشاہی کردی

از مرزا ایزد بخش رسا۔ زبانِ کلک بامن گفت بنویس — مبارکباد فتح حیدرآباد

۱۰۹۸ = ۹۸۸ + ۱۱۰

در تعمیہ یعنی اگر عدد زبان کلک را کہ حرف (ک) است با عدد لفظ (من) یکجا کردہ با عدد مصرعۂ آخر جمع نمایند تاریخ بر آید۔

عزیزی: مدد جو از علی آنگاہ برگو — مبارک باد فتح حیدرآباد

۱۰۹۸ = ۹۸۸ + ۱۱۰

ایضاً: ابوالحسن داشت جا بچار محل — بدرشش کرد زاں مکاں تقدیر

چوں بروں رفت او بجاش نشست — شاہ اورنگ زیب عالم گیر

۱۰۹۸ = ۹۷۳ + ۱۲۵ = ۱۵۷ − ۲۸۲

یعنی اگر از عدد چار محل عدد ابوالحسن را خارج کردہ انچہ باقی ماند با عدد مصرعۂ اخیر جمع نمایند تاریخ ۱۰۹۸ھ بر آید و چار محل عمارتیست در حیدرآباد دکن کہ ابوالحسن آنرا در سنہ ۱۰۹۴ھ تعمیر ساختہ بود۔ تاریخ بنائش اینست

خشت اول چہ بر زمیں انداخت — ہاتفے گفت "یا امام رضا"

میر عبدالکریم المخاطب بہ ملتفت خاں کہ بہ امیر خاں مشہور است در فتح قلعۂ گولکنڈہ کہ چہار کروہ از حیدرآباد است ایں مصرعۂ تاریخ یافتہ ع۔ فتح قلعۂ گولکنڈہ مبارک باد۔ وایں تاریخ مرزا عبدالقادر بیدل برشتۂ نظم کشیدہ:۔ شاہ عالم گیر یعنی حضرت اورنگ زیب آنکہ دارد تکیہ بر شمشیر او فتح و ظفر

عزمش از اقلیم دہلی کرد آہنگ خروج — تاکند بنیاد شاہانِ دکن زیر و زبر

اولیں سالے کہ فتح ملک بیجاپور برد — در غل و زنجیر رفت اسکندر از طوق و کمر

تافت بر گلکنڈہ رایاتِ ظفر سال دوم — ہمچناں بر قلب قطب الملک طوفاں داد سر

کشف از روئے جمل در دیدۂ اہل حساب — سالِ فتح اولیں "جمشید نصرت جلوہ گر"

۱۰۹۷

خواستن روشن شود آئینۂ فتح دوم — داد شوخیہائے او راکم درین مصرعہ خبر

ہست یک معنی کہ تعبیر از دو تاریخش کند — "اعظم مطلوب" و "فتح بادشاہ نامور"

۱۰۹۸

نوٹ صفحہ ہذا [۱] سلطان ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء تا ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۶ء) سید مرتضیٰ وزیر اور ماونا

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

سر پر آن کھڑی ہوئی تب اُس کی آنکھیں کھلیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے اپنے تمام مشاغل لایعنی کو یک قلم ترک کر دیا اور طرز و روش بالکل بدل کر سا نوٹا ہو گیا۔ شہر حیدر آباد کی

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) اکنا پنڈت کار ان دونوں کی مدد سے تخت پر بیٹھا۔ جب کہ وزیر نے بادشاہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا تو اُسے معزول کر کے قلمدان وزارت مادنا کے سپرد کیا گیا۔ سنہ ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۶ء میں سیواجی مرہٹے نے حیدر آباد پر حملہ کیا اور حسب دل خواہ تانا شاہ سے عہدنامہ لکھوایا۔ بیجاپور کے لشکر نے بھی یہ حال دیکھ کر حیدر آباد پر چڑھائی کر دی مگر بیجاپوریوں کو شکست ہوئی۔ کہتے ہیں کہ تانا شاہ بڑا عیاش تھا۔ مادنا سخت متعصب ہندو تھا اُس نے بادشاہ کو کاروبار سلطنت میں غیر متوجہ پا کر اسلام کو ضعیف کر دیا۔ شہر کے باہر بت خانے بنائے اور شعائر اسلام کی علانیہ توہین کرتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اُس سے بددل تھے۔ اسی وجہ سے ابراہیم بیگ سپہ سالار فوج اس برہمن کا سخت دشمن تھا اور یہی وجہ اس سلطنت کے زوال کی ہوئی۔ عالمگیر بادشاہ سنہ ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء میں بیجاپور اور گولکنڈے کی سلطنتوں کی تسخیر کے لیئے دکن کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی فوج جب کہ سنہ ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء میں فتح بیجاپور میں مصروف تھی تو اس حالت میں خان جہاں بہادر اور دیگر سرداروں کو حیدر آباد کے متعلقہ قلعوں کو فتح کرنے کو بھیجا۔ جب تانا شاہ کو خبر ہوئی کہ خان جہاں ملکھیڑ تک آن پونچا تو اُس نے خلیل خاں عرف ابراہیم بیگ کو لڑنے کے لیئے بھیج دیا ان دونوں میں سخت لڑائیاں ہوئیں۔ جب خان جہاں کی سپاہ لڑتے لڑتے گھٹ گئی تو بادشاہ نے شہزادۂ معظم کو اُس کی مدد کے لیئے بھیجا۔ دکنیوں اور مغلوں میں کئی معرکے ہوئے بالآخر لشکر عالمگیری کی فتح رہی جب زیادہ عرصہ اس لڑائی میں لگ گیا تو عالمگیر نے بیٹے پر شبہ کر کے عتاب فرمایا۔ شہزادے نے تانا شاہ کے سپہ سالار کو لکھا کہ توقف جنگ کے سبب میں شاہی عتاب میں ہوں اس لیئے بہتر ہو کہ اب تک جو ملک بادشاہی تصرف میں آگیا ہے اس سے آپ ہمیشہ کے لیئے دست بردار ہو جیئے تو عفو تقصیرات کے لیئے پیشگاہ خداوندی میں عرض کی جائے۔ تانا شاہ تو اس بات پر راضی ہو گیا مگر امرا نے نہ مانا اور کہا کہ جو ملک ہماری سلطنت میں شامل ہے وہ ہمارے دم شمشیر اور نوک سنان سے وابستہ ہے۔ آخر شہزادے نے دکنیوں پر حملہ کیا۔ طرفین سے خوب بہادرانہ مقابلے ہوئے۔ مادنا دیوان کو موقع ملا اُس نے تانا شاہ کو باور کرایا کہ ابراہیم شہزادے سے ملا ہوا ہے۔ اس پر بادشاہ ابراہیم کے قتل پر آمادہ ہو گیا مگر ابراہیم کو بھی خبر لگ گئی وہ سنہ ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۶ء میں شہزادۂ معظم سے جا ملا۔ تانا شاہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

حفاظت کا معقول بندوبست کرلیا اور جب ۱۶۸۷ء میں محاصرہ شروع ہوا تو مغلیہ لشکر کی بھی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

اس خبر کے سنتے ہی اوسان باختہ ہوکر حیدرآباد سے گولکنڈے کے قلعے میں متحصن ہوگیا۔ اس وقت کی ہل چل نہ پوچھو کیا تھی۔ ہزاروں اشراف اپنی بیبیوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور بے خانماں ہوکر دربدر پھرتے تھے نکل گئے اور شہزادہ معظم کا حیدرآباد پر تسلط ہوگیا۔ پانچ چھ کروڑ روپیہ لوٹ میں ہاتھ آیا۔ تاناشاہ نے اپنے ایلچی شہزادے کے پاس بھیجے اور اپنے عجز و نیاز کا اظہار کیا اور قصورات کی معافی چاہی۔ اس وقت شہزادے نے غارت گروں کا انتظام کرکے فتنہ و فساد کو فرو کیا اور تاناشاہ پر رحم کھا کر شرائط صلح اپنے والد بزرگوار کی خدمت اقدس میں بغرض شرف منظوری گزرانیں۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ علاوہ معمولی نذرانے کے تاناشاہ ادا کرے اور مادنا اور اس کے بھائی اکنا کو وزارت و امارت کے عہدوں سے معزول کرے اور قلعہ ربات سیرم اور ملکھیڑ بادشاہ کی نذر گزرانے تو بادشاہ تاناشاہ کے جرموں کو معاف کرے گا۔ مادنا کے اختیارات کم کرنے میں ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ چند امرا نے ان دونوں بھائیوں کو قتل کرکے ان کے سر کاٹ کر شہزادے کے پاس بھیج دیئے۔ یہ صلح شہزادے نے بڑی نرمی اور رحم دلی سے کی تھی مگر بادشاہ عالمگیر کو یہ کری پڑی صلح ناگوار گزری۔ جب شہزادے کی عرضی اور مادنا اور اس کے بھائی کے سر سامنے آئے تو بادشاہ نے اوپری دل سے صلح تو منظور کرلی اور سعادت خاں کو جو خان جہاں کی دیوانی پر مامور تھا نذرانے کے وصول کے لیے تعینات کردیا مگر درپردہ شہزادہ اور خان جہاں دونوں معتوب ہوئے۔ بالآخر شرائط صلح کی عدم تعمیل کی وجہ سے عالمگیر نے ۱۶۸۷ء میں گولکنڈے پر پھر فوج کشی کی۔ تاناشاہ نے آٹھ مہینے تک خوب مقابلہ کیا اور قلعہ کو سنبھالے رہا مگر امرا و افسران فوج عالمگیر سے جا ملے تھے نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ فتح عالمگیر کی رہی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دوران محاصرے میں اتنی توپیں سر ہوئیں تھیں کہ تمام عالم دھواں دھار اور تیرہ و تار ہوجاتا تھا۔ دن اور رات میں تمیز نہیں ہوسکتی تھی۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ افواج کے گزرنے کے لیے مٹی سے بھر کر جو تھیلے خندق میں ڈالے گئے تھے ان میں سے پہلے پچاس ہزار تھیلوں کے منہ خود عالمگیر نے اپنے ہاتھ سے سیئے تھے۔ بعض بعض مقامات کے سرنگیں بھی اڑائی گئیں لیکن ان میں سے کوئی تدبیر بھی چنداں کارگر نہ ہوئی بلکہ قلعہ محض سازش سے فتح ہوا۔ عبدالرزاق لاری مع اپنے لڑکوں کے اخیر تک وفادار رہا اور اخیر دم تک مقابلہ

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

تھی کہ گولکنڈے کے قلعے کو فتح کرنا کوئی منہ کا نوالا نہ تھا۔ مرہٹوں نے سامان رسد

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کرتا رہا تانا شاہ بڑا مستقل مزاج تھا۔ جب قلعہ میں افواج مغلیہ داخل ہوئیں اور دارو گیر کی مہیب صدا تانا شاہ کے کانوں تک پہنچی تو دیوان خاص سے محل خاص میں چلا گیا اور رمق برابر اضطراب بھی اُس کے چہرے سے ظاہر نہ تھا۔ خاصہ بردار کو حکم دیا کہ خاصہ چنا جائے۔ اس عرصے میں روح اللہ خاں اور مختار خاں امراے عالمگیری تانا شاہ کے اسیر کرنے کو پہنچے۔ تانا شاہ اُن سے خاطر مدارات سے پیش آیا اور اپنے پاس بٹھا کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ خاصہ چنا گیا اطلاع ہوئی۔ تانا شاہ نے ان دونوں سے بھی کہا بسم اللہ آیئے۔ مختار خاں اور دوسرے لوگ دسترخوان پر جا بیٹھے لیکن روح اللہ خاں سے نہ رہا گیا اُس کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ بھلا یہ بھی کوئی وقت کھانے کا ہے یہ تو قیامت کا وقت ہے اور آپ کو کھانے کی سوجھی ہے۔ تانا شاہ نے مسکرا کر کہا کہ اجی اگر سچ پوچھو تو کھانے کا یہی وقت ہے۔ چودہ برس میں بفرمان رب العزت شہریار رہا اب امر رب جلیل یہ ہوا کہ یہاں کی حکومت ایک خلیفۂ عادل کے سپرد ہو تو عذر اور ناراضی کا کیا محل ہے۔ غم و الم کرنا داخل سفلگی اور گنہگاری ہے۔ آج وہ دن ہے کہ میں نے سلطنت کے بار گراں سے نجات پائی اور اس عظیم ذمہ داری کے بوجھ سے خدا نے ہلکا کیا۔ ع۔ ایں بار گراں بود و ادا شد چہ بجا شد۔ اب یہ بوجھ دوسرے کی گردن پر ہے وہ جانے اور اُس کا کام۔ ٹھنڈے دل سے اور پیٹ بھر کے تو آج ہی کھاؤں گا ورنہ آج تک میں کھانا نہیں کھاتا تھا بلکہ کھانا مجھ کو کھاتا تھا۔ القصہ نہایت اطمینان سے خاصہ تناول کر کے امرا کے حلقے میں قیدیوں کی طرح شہزادے کے پاس گیا جو قلعے کے دروازے میں خیمہ لگائے منتظر بیٹھا تھا تانا شاہ آداب بجا لایا۔ شہزادہ جیسا کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہوتا ہے کمال عزت و احترام سے پیش آیا اور سر تک ہاتھ سے جا کر سلام لیا۔ سلطان ابو الحسن نے نزدیک پہنچ کر ایک بیش قیمت زمرد کی تسبیح جو ہاتھ میں تھی شہزادے کو نذر گزرانی اور کہا ع۔ برگ سبز است تحفۂ درویش۔ شہزادہ اور ابو الحسن بالکل قریب ہو کر باتیں کر رہے تھے نسیفی نے ابو الحسن کی طرف دیکھ کر آواز دی کہ ادب و بے تفاوت باشید! شہزادے نے نسیفی کی طرف غصے سے گھور کر کہا۔ خاموش! یہ سلطان ہیں۔ اورنگ زیب نے تانا شاہ کو کبھی اپنے سامنے نہیں بلایا بلکہ ایک علیحدہ خیمے میں ساتھ ساتھ رکھتا تھا لیکن جو امور ایسے ایک معزز بادشاہ کے شایاں حال تھے سب بجا لایا۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بند کر دیا۔ مغلیہ لشکر قحط اور طاعون سے تنگ آنے لگا۔ بادشاہ کے حکم سے جو حملہ کیا گیا تھا اُس میں

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) او سو تے تھے۔ اعزاز و اکرام میں کسی قسم کا فرق نہ تھا۔ اورنگ زیب جب حیدرآباد اور گولکنڈہ کے انتظام سے فارغ ہو کر ۱۰۹۸ھ میں بیدر واپس ہوا تو تانا شاہ کو جاں نثار خاں کے ہمراہ قلعہ دولت آباد بھیج دیا۔ تانا شاہ کی عمر کی تقسیم یوں ہے۔ (۱۴) سال طفلی (۱۴) سال تحصیل علم۔ (۱۴) سال درویشی بخدمت مرشد عود۔ (۱۴) سال سلطنت۔ (۱۴) سال مقید بدولت آباد۔ بحالت قید تانا شاہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بندہ سلطان تھا وہ سن رشد کو پہنچ گیا تھا۔ دربار میں آنے جانے لگا تھا۔ اورنگ زیب نے جب لوگوں کا رجحان اس کی طرف دیکھا تو اُسے بھی نظر بند کر دیا۔ اس کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ اس غریب لڑکے کا کیا حشر ہوا ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۱۱ھ جمعرات کے دن تانا شاہ نے وفات پائی اور قلعہ دولت آباد کے باہر حضرت سید راجو قتال حسینی قدس سرہٗ اپنے مرشد کے زیر سایہ آسودہ ہے۔ درگاہ کے احاطے میں بہت سی قبریں ہیں خدا جانے کن کن بزرگوں کی ہیں۔ چاردیواری کے دروازے کی مغربی جانب تانا شاہ کی قبر بتلائی جاتی ہے۔ کیسی عبرت کا مقام ہے کہ جو شخص صاحب تاج و تخت تھا آج اُس کی قبر پہ گنبد تو کجا معمولی کتبہ بھی نہیں ہے ؎

مخسپ ای دل سخن بپذیر آخر — زخفتن کشته عبرت بگیر آخر

لوگ کہتے ہیں کہ تانا شاہ اورنگ زیب کی چال بازی سے مرا۔ عام روایت یہ ہے کہ عالمگیر اس امر کے درپے ضرور تھا کہ کسی نہ کسی طرح تانا شاہ کو صاف کر دے۔ تانا شاہ نے بھی سنا کہ اُس کے قتل کی فکر ہو رہی ہے۔ تانا شاہ تھا بڑا مرد۔ اورنگ زیب سے کہلا بھیجا کہ میرے مارنے کے لیے تردد کیوں۔ ایک گھونس کہ جو عموماً گھٹیس ہوتی ہیں اور اُن کے کپڑوں میں سے موت اور گوبر کی بو آتی ہے کہیے کہ میرے سامنے سے نکل جائے بس یہی مار ڈالنے کو کافی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسی سبب سے یہ کہاوت لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے کہ فلاں شخص کا تو ایسا دماغ ہے جیسے کہ تانا شاہ کا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسہال کبدی سے انتقال ہوا۔ حیدرآباد میں تانا شاہ کی دو یادگاریں ہیں۔ چار محل اور گوشہ محل۔ چار محل کے کچھ حصے میں بارود تھی اُس سے برباد ہوا باقی موسی ندی بہا لے گئی ؎

اشک آں ہم صبر و طاقت از دل بے تاب برد — پارۂ او سوخت آتش پارۂ او آب برد

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)